مقتلِ مُقَرَّم

(مقتلُ الحسینؑ کا اُردو ترجمہ)

سالارِ شہیداں حضرت امام حسین علیہ السلام
کے واقعاتِ شہادت پر ایک تحقیقی و فکری کتاب

مؤلف

محققِ وحید نقیبِ تاریخِ کربلا حضرت علامہ سید عبد الرزاق موسوی المقرم

مقتلِ مُقرّم

مؤلف

مورخ اہل بیتؑ علامہ
سیّد عبدالرزاق موسوی المُقرّم رضوان اللہ تعالیٰ

مترجمین

حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین کلاچی
حجۃ الاسلام علامہ آزاد حسین مشہدی

نظرثانی

حجۃُ الاسلام علامہ ریاض حُسین جعفری فاضلِ قم

ناشر

اِدارہ منہاجُ الصّالحین
جناح ٹاؤن، ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور
فون: 35425372

نام کتاب : مقتلِ مقرم

مؤلف : مورخ اہل بیتؑ علامہ سید عبدالرزاق موسوی المقرم رضوان اللہ تعالیٰ

مترجمین : حجۃ الاسلام علامہ الطاف حسین کلاچی

حجۃ الاسلام علامہ آزاد حسین مشہدی

نظر ثانی : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم

کمپوزنگ : ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

پروف ریڈنگ : شیر محمد عابد مولائی

صفحات : 688

طبع : دسمبر 2014ء

ہدیہ : 700 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین۔ لاہور

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

فون: 042-37225252 ، 0301-4575120

بسم الله الرحمن الرحیم

مقتلِ مُقرَّم

ترتیب

مقتل پہ ریاضِ آلِ محمدؐ کی نظر ہے

(گفتارِ ناشر)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَزِدْ وَبَارِكْ عَلَى السَّيِّدِ الزَّاهِدِ وَالْإِمَامِ الْعَابِدِ الرَّاكِعِ السَّاجِدِ وَالْمَسَاجِدِ صَاحِبِ الْمِحْنَةِ وَالْكَرْبِ وَالْبَلَاءِ الْمَدْفُوْنِ بِاَرْضِ كَرْبَلَاءِ ، سِبْطِ رَسُوْلِ الثَّقَلَيْنِ وَنُوْرِ الْعَيْنَيْنِ مَوْلٰنَا وَمَوْلَى الْكَوْنَيْنِ الْاِمَامِ بِالْحَقِّ اَبِىْ عَبْدِاللهِ الْحُسَيْنِ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاعَبْدِاللهِ الْحُسَيْنِ.....

داستانِ مقتل اُتنی ہی پرانی ہے جتنی خود حضرتِ انساں کی کہانی۔ تاریخ انسانی میں مرقوم ہے کہ "پھر حضرت آدمؑ نے اپنے پروردگار سے (معذرت کے) چند الفاظ سیکھے"۔ (بحوالہ سورۂ بقرہ: آیت ۳۷) یعنی حضرت آدمؑ نے ساقِ عرش پر محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ناموں کو تحریر پایا تو جبرئیلؑ نے حضرت آدمؑ کو مشورہ دیا کہ ان اَسمائے مبارکہ کو مناجات اور توبہ کے وقت وردِ زباں اور حرزِ جاں بنا لو۔

يَاحَمِيْدُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ يَاعَالِىْ بِحَقِّ عَلِيٍّ يَافَاطِرُ بِحَقِّ فَاطِمَةَ، يَامُحْسِنُ بِحَقِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَمِنْكَ الْاِحْسَانُ

"اے تعریف شدہ خدا! تجھے محمدؐ کا واسطہ! اے بلند مرتبہ خدا! تجھے علیؑ کا واسطہ! اے خالق! تجھے فاطمۃ الزہراؑ کا واسطہ! اے احسان کرنے والے! تجھے حسنؑ و حسینؑ کا واسطہ اور احسان فقط تیری جانب سے ہے"۔

جب نامِ حسینؑ آیا تو جبرئیلؑ و آدمؑ ہر دو کے دل مغموم و محزون ہو گئے اور آنکھوں سے

اَشک رواں ہو گئے۔ آدمؑ نے اس کی وجہ دریافت کی تو جبرئیل امینؑ نے واقعۂ کربلا اور خامسِ اَنوارِ خدا پر آنے والے مصائب و آلام کو بیان کیا۔ پھر وہ دونوں محبوبِ خدا و رسولؐ حسین علیہ السلام کو آئندہ پیش آنے والے اس سانحۂ فاجعہ پر ایسے گریہ کناں ہوئے جیسے کوئی بوڑھی ماں اپنے جواں سال بیٹے کی موت پر روتی ہے۔

کتبِ مقتل کے مطابق مقتلِ حسینؑ کی بنیاد اسی دن سے پڑ گئی۔ اختصار کے پیشِ نظر ہم دیگر انبیاؑ کے شہادتِ حسینؑ کی خبر سن کر مغموم و محزون اور گریہ کناں ہونے کی روایات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ایک ہی جست میں اوّل سے آخر تک کا سفر طے کرتے اور "حسین حسینؑ" کرتے ہیں۔ وہ یوں کہ رسولِؐ آخر و خاتم کا زمانہ تھا اور اپنے عروج و کمالِ ہدایت پر قدرت کا کارخانہ تھا۔ تب حسینؑ مظلوم و بے کس کے بابا امیر المومنین علی علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں موجود تھے کہ اَنَا مِنَ الْحُسَیْن کے مصدر و مصداق نے تناول ماحضر کے بعد وضو کیا، قبلہ رُخ ہو کر بیٹھ گئے اور مناجات و ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

رسالتؐ کے شاہدِ اوّل فرماتے ہیں: مَیں نے دیکھا کہ یکایک آں حضرتؐ کی آنکھیں ساون کے بادلوں کی طرح برسنے لگیں، حتیٰ کہ آنسو چہرۂ اطہر کو تر بہ تر کرتے ہوئے ارضِ مدینہ پر بہنے لگے۔ مقتولِ کربلا حسینِ مظلومؑ اُس وقت آپؐ کے شانۂ اقدس پر سوار تھے۔ نانا کو روتے دیکھ کر حسینؑ بھی رونے لگے۔

حسینؑ کو روتا دیکھ کر خود گریہ کناں سرکارِ دوعالمؐ نے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر قربان! میرے جگر پارے کیوں رو رہے ہو؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے عرض کیا: نانا جانؐ! (کیسے نہ روؤں) مَیں نے آپؐ کو اس قدر غمگین و پریشان اور گریہ کناں آج تک نہیں دیکھا۔

سرکارِ دوعالمؐ نے فرمایا: میرے دل بند! مَیں آج تمھیں دیکھ کر خوش حال و مسرور تھا کہ اچانک میرے حبیب جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ تمھیں جور و جفا سے قتل کر دیا جائے گا اور تمھاری مقتل گاہ بہت دُور ہو گی۔ اس خبر نے مجھے محزون و پریشان حال کر دیا۔ مَیں نے بارگاہِ اَحدیت میں تمھاری خیر و عافیت کی دعا کی ہے۔

مظلوم ترین کائنات کے مظلومِ کائنات حضرت امام حسینؑ کے بابا! مزید فرماتے ہیں:
ایک دن میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضورؐ کے آنسو جاری تھے۔ میں نے آپؐ سے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ حسینؑ فرات کے کنارے قتل کیے جائیں گے۔ پھر جبرئیلؑ نے مجھے خاکِ کربلا لا کر دی اور سونگھائی۔ پس! میری آنکھیں ایسی نہ تھیں کہ گریہ نہ کرتیں۔

قارئینِ محترم! آپ نے رسولِ دوسراؐ کو مقتلِ حسینؑ میں ملول و محزون اور گریہ کناں ملاحظہ کیا۔ اب مولائے کائناتؑ کو کربلا میں اشکبار دیکھیے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مولائے کائناتؑ جنگِ صفین کے لیے جا رہے تھے کہ آپؑ کا گزر ارضِ کربلا سے ہوا۔ آپؑ سرزمینِ کربلا پر رک گئے اور مجھ سے فرمایا: اے ابن عباسؓ! کیا تم اس سرزمین کو پہچانتے ہو؟

میں نے عرض کیا: مولاؑ! مجھے تو کوئی پہچان نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تم (اس ارضِ بلا کو) میری طرح پہچانتے ہوتے تو بغیر گریہ و شیون کے نہ گزرتے۔ پھر آپؑ نے شدید گریہ کیا اور ایک عزادار کی طرح فرمایا: آہ! آہ! آلِ ابوسفیان کا ہم سے کیا واسطہ؟ آلِ حرب کا ہم سے کیا تعلق؟ اے ابا عبداللہ! (حسینؑ) صبر کرنا تمہارا باپ ان لوگوں کو اسی آنکھ سے دیکھ رہا ہے جیسے تم دیکھ رہے ہو گے۔ اس کے بعد مولاؑ نے کچھ مزید ارشاد فرمایا اور مظلومِ کربلا کی مقتل گاہ پر مزید گریہ فرمایا۔

یقیناً! یہ روایات مقتلِ کربلا کی بنیان و اساس ہیں۔ گویا مقتل تاریخ کربلا سے بڑھ کر مرقومۂ خدا اور تحریکِ نینوا کو بھی محیط ہے جس کے تا ابدُ الآباد تحفظ اور جس پر گریہ و شیون کا سامان خود خدائے متعال نے روزِ اوّل سے فرمایا ہے۔ اسی لیے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے:

اَلْحُسَیْنُ عِبْرَۃُ کُلِّ مُؤْمِنٍ

"حسینؑ ہر مومن کے لیے رونے کا سبب ہیں"۔

کیا مظلوم حسینؑ پر رونا بے کار و عبث ہے؟ نہیں ہرگز نہیں! بلکہ یہ گریہ و ماتم ہی تو

حسینؑ کی بے گناہی، مظلومیت اور حق پر ہونے کا واضح اعلان ہے۔ حسینؑ و اصحابِ حسینؑ کی شہادتوں کے دل دوز واقعات اور آلِ رسولؐ کی اسیری کے دردناک واقعات ہم تک اخبار و روایات، عملِ آئمہ و سادات اور مجالس و منابر کے ذریعے پہنچے ہیں۔ اس پر مستزاد حسینؑ کے مقصدِ شہادت سے محبت کا وتیرہ اور حسینؑ کی مظلومیت پر گریہ و ماتم کا سلیقہ ہر نیک طینت اور پاک فطرت انسان کو خود خالق کائنات نے سکھایا ہے۔ حسینؑ مظلوم کی شہادت تو اس قدر غم خیز اور درد آمیز ہے کہ مظاہرِ قدرت اور مناظرِ فطرت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

لاریب حسینؑ مظلومؑ کا ہر باضمیر اور حریت پسند انسان کی گردن پر حق ہے کہ آپؑ کے مشن کو زندہ و تابندہ رکھا جائے۔ آپؑ کے ان نقوش کو منزلِ راہ بنایا جائے، دینِ الٰہی اور شریعتِ اسلامیہ کا احیا کیا جائے اور ظلم و استبداد کے شعلوں کو بجھانے کا سامان کیا جائے۔ یقیناً اسی میں رضائے خدا اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خوش نودی مضمر ہے۔ اس رضا و خوشنودی کو حاصل کرنے کے لیے اربابِ مجالس و منابر سے بھی بڑھ کر مقتل نگاروں کی خدمات ہیں کیونکہ کہی اور سنی ہوئی باتیں رزق ہوا ہو جاتیں، اگر مقتل نگار اُنھیں محفوظ نہ کرتے۔ اس سے بھی بڑھ کر اہلِ مقاتل نے معصومین علیہم السلام کے احادیث و اخبار اور فوجِ اشقیاء کے نامہ نگار حتیٰ کہ خود فوجِ اشقیاء کے اعترافات کو بھی اپنے مقاتل میں محفوظ کر دیا۔

تاریخ کے ساتھ ساتھ مقتلِ ابو مخنف سے لے کر حدیثِ کربلا (از جوہری) تک ایک طویل سفر ہے جس میں مقتلِ شیخ صدوقؒ، مقتلِ مفیدؒ، لہوف ابنِ طاؤس، مقتلِ خوارزمی، مقتلِ دربندی، اسرار الشہادہ، مقتلِ مجلسی، نفس المہموم، ریاض الاحزان، مثیر الاحزان، روضۃ الواعظین، معالی السبطین، سعادت الدارین، مقتلِ مطہری، سوگنامہ آلِ محمدؐ اور سحاب رحمت (سردارِ کربلا) وغیرہم سے کئی پڑاؤ آتے ہیں۔ اُنھی میں سے ایک اہم منزلِ مقتل، مقتلِ مقرم ہے۔

مقتلِ مقرم کے اوصاف کا ملتاً گنوانے کے بجائے خود ایک کتاب کا اہتمام ضروری ہے۔ چنانچہ ہم محض نمونہ از خروارے کے طور پر یہاں تین چار نکات کا اجمالی ذکر کرتے ہیں:

① مقتلِ مقرم قیامِ حسینیؑ کے جواز اور اشتباہات و اعتراضات کا وہ مدلل و مبسوط جواب ہے جس کے بعد کسی بے دین کو بھی منہ کھولنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

۲) مقتلِ مقرم میں کربلا کے پسِ منظر کو جس وضاحت وصراحت سے سمجھایا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

۳) مقتلِ مقرم میں جس انداز سے سانحۂ کربلا کے دل سوز واقعات کو بیان کیا گیا ہے اُس سے علمائے علام کے اس بیان پر مہرِ تصدیق ثبت ہوجاتی ہے کہ وہ کون سے مصائب تھے جو سرزمینِ کربلا میں آلِ عباؑ پر نہیں ٹوٹے؟!

۴) اہلِ سنت کا یزید پلید کے کفر پر اجماع اور اہلِ بیتؑ پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کے سبب سے اُس پر لعنت کا وجوب تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

المختصر ہم اپنی اس تحریر کا اختتام بیمارِ کربلا، اُسیرِ کوفہ وشام، امام سجاد علیہ السلام کے اہلِ مدینہ کے سامنے دیے گئے جاں سوز خطبے کی اس عبارت پر کرتے ہیں (تاکہ مقتل کی روح تک پہنچا جاسکے اور کتبِ مقاتل کی اہمیت کو سمجھا جاسکے نیز آلِ محمدؑ کی مقاتل سے اُنسیت واضح ہوجائے)۔ امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اے لوگو! ان جاں سوز مصائب کے مشاہدے کے بعد کون سا دل ہے جس کے لیے کوئی خوشی باقی رہ گئی ہو، اور وہ کون سی آنکھ ہے جو اس اندوہ ناک واقعہ کو سننے کے بعد آنسو نہ بہائے۔

میرے مظلوم باباؑ کی دردناک شہادت پر ساتوں آسمانوں نے اپنی وسعتوں اور بلندیوں کے ساتھ گریہ کیا۔ سمندروں اور دریاؤں نے اپنی تند وتیز موجوں کے ساتھ ماتم کیا۔ میرے بابا کے مصائب پر آسمان اپنے ارکان سمیت رویا اور زمین اپنے اطراف سمیت، اشجار اپنی شاخوں کے ساتھ، مچھلیاں سمندروں اور دریاؤں کی موجوں میں تمام ملائکہ اور تمام ساکنانِ ارض وسما اور حور وجن سب نے اپنے اپنے انداز میں گریہ کیا۔

اے لوگو! وہ کون سا دل ہے جو ان مصائب پر پھٹ نہ پڑے اور وہ کون سا سینہ ہے جو زخمی نہ ہوجائے اور وہ کون سا کان ہے جو اس درد بھری داستان سے لرزہ براندام نہ ہو۔

اے لوگو! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟! وطن سے بے وطن کیا گیا، ایک دوسرے سے جدا کیا گیا، شہروں سے اس طرح نکالا گیا کہ جیسے ہم اس معاشرے کی نہایت ذلیل اور گھٹیا قوم کے فرد ہوں۔ ہم نے نہ کوئی جرم کیا تھا اور نہ کوئی ناپسندیدۂ خدا کام ہم سے سرزد ہوا تھا اور نہ ہی اسلام کے کسی امر کی ہم نے مخالفت کی۔ ہمارے جدِّ امجد نے ہمارے احترام و اکرام کی وصیت فرمائی تھی۔ اگر وہ ان لوگوں کو (خود) ہمارے قتل کی سفارش کرتے تو بہ خدا یہ لوگ ہم پر اس سے زیادہ ظلم وستم نہ کر سکتے تھے، جتنے مظالم اُنھوں نے ہم پر ڈھائے ہیں"۔

الغرض محمدؐ و آلِ محمدؑ کے مصائب پر مقاتل لہولہو ہیں، آنکھیں اَشک بار ہیں اور ہاتھ ماتم کُناں۔ اس کے ساتھ ساتھ مقاتل شہادتِ حسینؑ کے علل و اسباب اور پیغامِ کربلا کے بھی آئینہ دار ہیں۔

مقتلِ مقرّم کا ترجمہ ہماری شدید خواہش تھی، جس کی ذمہ داری آخرکار مولانا آزاد حسین مشہدی اور مولانا الطاف حسین کلاچی نے اُٹھائی۔ اصلاح وتصحیح کے فرائض پروفیسر مظہر عباس چودھری نے انجام دیے اور نظرثانی کا فریضہ ہمارے لیے باعثِ شرف بنا اور پروف ریڈنگ کی سعادت شیر محمد عابد مولائی نے حاصل کی۔

مقتلِ مقرّم کا یہ رواں دواں اُردو ترجمہ اصل عربی اور فارسی ترجمے سے مستفاد ہے۔ گویا دوآتشہ ہے اور ترجمہ نگاری کے کامل اوصاف سے مزین دست بہ دُعا ہوں کہ محمدؐ و آلِ محمدؑ کا خالق ہماری اس کاوش کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے ہم سب کی بخشش کا ذریعہ قرار دے۔

والسلام مع الاکرام

طالبِ دُعا

ریاض حسین جعفری، فاضلِ قُم

سرپرست ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

قسم ہے قلم کی

لوح وقلم کی حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔ قلم کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ نے اس کی قسم کھائی ہے اور اسی قلم کے نام سے ایک سورہ اپنے نبی اکرم ﷺ پر نازل فرمایا۔ قرآن جب پیغمبر اکرم ﷺ پر اُتر رہا تھا تو اُس وقت قلم کیا تھا؟ قلم اُس وقت سرکنڈے کا ایک ٹکڑا تھا، جسے سیاہ رنگ کے مادے میں ڈبو کر لکھا جاتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ قلم میں فرمایا:

وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○

"قسم ہے قلم کی اور اُس کی جسے وہ قلم کے ساتھ لکھتے ہیں"۔

قلم خود زندگی ہے، جو اس کی قدر کرتا ہے اور جو اسے اپنے ہاتھ میں تھامتا ہے یہ اُسے بھی ہمیشہ کی زندگی عطا کر دیتا ہے۔ قلم نے انسان کی مدد کی ہے۔ جب بھی انسان نے چاہا کہ وہ اپنی یادداشت کو محفوظ کرے تو قلم نے بڑھ کر اس کی نصرت کی۔ اسلامی تاریخ میں مرقوم ہے کہ قلم اور لکھنے کے موجد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تمدن کی پیدائش اسی دور میں ہوئی۔

مُفَسِّر جب تفسیر لکھنے بیٹھا تو اُس نے قلم کو ہاتھ میں لیا،

مُحَدِّث جب حدیث لکھنے بیٹھا تو اُس نے قلم کو ہاتھ میں لیا،

مُورِّخ واَدیب جب تاریخ وادب کو محفوظ کرنے بیٹھا تو اُس نے بھی قلم کا سہارا لیا۔

یہی قلم نوعِ بشر کی آگاہی وہدایت کا ذریعہ ہے، یہی قلم علوم کی پیش رفت اور افکار کی بیداری کا وسیلہ ہے۔ اسی قلم نے حیاتِ بشر کو دو اَدوار میں تقسیم کیا۔ قلم کے اسی دور کا نام تاریخ ہے۔ ایک دور وہ جو قلم سے پہلے تھا۔ انسانی تاریخ کا دور اس زمانے سے شروع ہوتا ہے جب

سے خط اور تحریر ایجاد ہوئے۔ یہی خط اور تحریر اسی قلم کی مرہونِ منت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے علم اور قلم کو لازم ملزوم قرار دیا ہے۔ جہاں قلم ہے، وہاں علم ہے اور جہاں علم ہے وہاں قلم ہے۔ علم طاقت ہے، علم روشنی ہے لیکن اس کا حصول قلم کے ذریعے ممکن ہے۔ نہ علم کو صندوقوں میں بند کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی علم کو زنجیروں سے جکڑا جاسکتا ہے۔ ہاں! علم قلم کی پتلی اور کمزور سی نوک کے ذریعے باندھا جاسکتا ہے۔ کہا گیا ہے: قَیِّدُو الْعِلمَ بِالْقَلَمْ ''علم کو قلم کے ذریعے اپنی قید میں رکھ سکتے ہو''۔

علتِ غائی کائنات و ممکنات اور مصداقِ لَولَاکَ وَمَا خَلَقتُ الْاَفلَاک غار میں اپنے رب کی بندگی وعبادت میں مصروف تھے کہ آپؐ پر پہلی وحی اِن ملکوتی الفاظ میں نازل ہوئی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ○

''اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے مخلوقات کو خلق فرمایا ہے، اور انسان کو بستہ اور جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ اپنے عظیم پروردگار کے نام سے پڑھ، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے تعلیم دی اور جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا اُسے وہ سکھایا''۔ (سورۂ علق: آیات ۱-۵)

قلم ہی کے ذریعے انسان نے علم سیکھا۔ انسان کو بحروبر پر اسی قلم نے حکمرانی عطا کی ہے۔ آج دنیا Global Village کی صورت میں بدل گئی ہے۔ تو یہ بھی قلم کا اعجاز ہے۔ انٹرنیٹ کی دنیا کی تعمیر بھی اسی قلم نے کی ہے۔

قلم رازدار بشر ہے، قلم خزینۂ علوم ہے۔ قرون واعصار کی یادگاریں اسی قلم سے وابستہ ہیں۔

کہا جاسکتا ہے کہ زمین وآسمان کا ارتباط بھی لوح وقلم کے ذریعے ہوا ہے۔ بعض علما نے لکھا ہے:

اَلْبَیَانُ، بَیَانَانِ، بَیَانُ الِلّسَانِ وَبَیَانُ الْاَقْلَامِ، بَیَانُ الِلّسَانِ

تَدرُسُهُ الْاَعوَامِ، وَبَیَانُ الْاَقلَامِ بَاقٍ عَلٰی مَرِّ الاَیَّامِ

"بیان دو قسم کے ہوتے ہیں: زبان کا بیان اور قلم کا بیان۔ زبان کا بیان تو زمانہ اور سالوں کے گزرنے سے کہنہ اور پرانا ہوجاتا ہے اور ختم ہوجاتا ہے لیکن قلموں کا بیان اَبد تک باقی رہتا ہے۔(تفسیر مجمع البیان: ج۱۰،ص ۳۳۰)

قلم، شمشیر پر بھاری ہے

شمشیر اور قلم کے ذریعے انقلاب برپا کیے گئے اور کیے جاتے ہیں لیکن جو انقلاب قلم کے ذریعے برپا کیے گئے، ان کی زندگی طویل رہی۔

کہا گیا ہے:

اِنَّ قَوَامَ اُمُورِ الدِّیْنِ وَالدُّنیَا بِشَیئَینِ اَلْقَلَمُ وَالسَّیفُ وَالسَّیفُ تَحتَ القَلَم

"دین و دُنیا کے اُمور کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: ① قلم ② شمشیر، اور شمشیر قلم کے زیرِ سایہ قرار پاتی ہے"۔(روح البیان: ج۱۰،ص ۱۰۲)

کسی عرب شاعر نے کہا ہے ؎

اِذَا اَقسَمَ اَبطَالٌ یَومًا بِسَیفِهِم
وعدود مِمَّا یَجلِبُ المَجدَ وَالکَرَمَ
کَفٰی قَلَمُ الکِتَابِ فَخرًا وَرِفعَةً
مدی الدهر اَنَّ اللهَ اَقسَمَ بِالقَلَمِ

"جس دن بہادر جنگ جو لوگ اپنی تلواروں کی قسم کھائیں اور اُنھیں بزرگی اور افتخار میں سے شمار کریں تو لکھنے والوں کے قلم کے لیے عالم کے تمام زمانوں میں یہی اعزاز اور سربلندی کافی ہے کہ خدا نے قلم کی قسم کھائی ہے نہ کہ تلوار کی"۔

قلم کی آواز

پیغمبر خدا ﷺ کا عظیم الشان فرمان ہے:

ثَلَاثٌ تَخْرِقُ الْحُجُبَ، وَتَنْتَهِي إِلَى مَا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ صَرِيرُ أَقْلَامِ الْعُلَمَاءِ، وَوَطْءُ أَقْدَامِ الْمُجَاهِدِينَ وَصَوْتُ مَغَازِلِ الْمُحْصَنَاتِ

"تین آوازیں ایسی ہیں جو حجابوں کو توڑ کر بارگاہِ خداوندی میں پہنچ جاتی ہیں: ① لکھتے وقت علماء کے قلموں کے چلنے کی آواز ② میدانِ جہاد میں مجاہدین کے قدموں کی چاپ ③ پاک دامن عورتوں کے چرخوں کی آواز۔ (الشہاب فی الحکم والآداب: ص ۲۰)

خالصتاً جو کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے اس کا اَجر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے، لیکن کائنات کی ایک ایسی ہستی، جس کا کام، جس کی قربانی اور محبت کی مثال کائنات میں نہیں ملتی، اس ذات نے اپنے ربِ حقیقی کو اس قدر ٹوٹ کر چاہا کہ جب اِظہارِ محبت کا وقت آیا تو اس نے وطن سے بے وطن ہونا قبول کیا، اس کی محبت میں اس کے دین کی سربلندی کی خاطر کٹھن سے کٹھن سفر کیے۔ آخرکار اپنے نوجوان، اپنے اصحاب اور اپنے چھوٹے چھوٹے بچے بھی اُسی کے راستے پر قربان کردیے۔ آخر میں کیا ہوا؟ چشمِ فلک نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ اس محبوبِ خدا نے بارگاہِ ربوبیت میں سجدے کی حالت میں اپنا سر کٹا دیا۔ جب اس مقدس سر کو نوکِ سنان پر بلند کیا گیا تو یہی سر تھا اور قرآن کی تلاوت تھی۔ یہ کون تھے؟ یہ رسول اللہ کے فرزند تھے، یہ نبیؐ کی دختر کے نازنین تھے، یہ حسینؓ ابن علیؓ تھے۔

سرورِ کائناتؐ نے انھیں خطاب کرکے فرمایا: يَا شَافِعَ أُمَّتِي "اے میری اُمت کی شفاعت کرنے والے"۔ اِنھی کے بارے میں فرمایا تھا: "حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں"۔ ہمارے آقا حُسینؓ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی ترویج کے لیے اتنی عظیم قربانی پیش کی کہ اللہ نے انھیں یہ عظیم مراتب عطا کردیئے اور اُنھیں دنیا و آخرت کی سرداری عطا کردی۔ اب اگر کوئی بندہ ان کی غلامی کا دعویٰ کرتے ہوئے ان کے آستانِ قدس کی جھاڑو برداری کرے تو یہ کریم ذات اس کا نام اپنے غلاموں کی فہرست میں ضرور درج کردے گی اور کل قیامت کے دن

اپنے اِس غلام کو جہنم کی آگ سے بچا کر اپنے بہشتی محلات کی قربت عطا کردے گی۔

جناب جمیل کمال نے رسالہ "الحجفیات" سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ عراق پر صدام جیسے درندہ صفت اِنسان کی حکومت تھی۔ اُس نے اپنے دور میں عراقی سرزمین کو لہولہو کر رکھا تھا اور ہزاروں علمائے کرام کا قتل کیا تھا۔ اِنھی مقتولین میں مفکر شہید آیت اللہ سیّد حسن شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی ہے، جنھیں ۱۹۸۰ء میں صدامی کارندوں نے بیروت میں شہید کردیا تھا۔ شہید حسن شیرازی حوزہ علمیہ شام کے مؤسس بھی ہیں۔ آپ آیت اللہ مہدی شیرازی مرحوم کے فرزند ارجمند تھے، جو مرجع تقلید تھے۔ آپ کی قبر مبارک دمشق میں عقیلۂ قریش جنابِ زینب عالیہؑ کے روضۂ اقدس کے قریب واقع ہے۔

آپ ایک زاہد اور متقی انسان تھے۔ آپ نے حسینیت پر بہت کام کیا، بلکہ آپ عاشقِ حسینؑ تھے۔ آپ نے بہت سا علمی کام کیا۔ ان میں آپ کی کتب کَلِمَۃُ اللہ، کَلِمَۃُ الْاِسلام، کَلِمَۃُ الرَّسُولِ الاَعظم، کَلِمَۃُ الامَام الحسن، کَلِمَۃُ الامام المھدی، شعائرُ الحسینیّ اور کتاب التوحید الدینی مشہور ہیں۔

جب اس مظلوم عالمِ دین کو بیروت میں بے دردی سے شہید کردیا گیا تو ان کے ایک دوست کا کہنا ہے کہ مَیں نے خواب دیکھا اور خواب میں میری ملاقات اس فرشتے سے ہوئی جس کے پاس بہشتی لوگوں کا ریکارڈ ہے۔ مَیں نے اس فرشتے سے پوچھا: کیا تیرے اس بہشتی ریکارڈ میں شہید آیت اللہ سیّد حسن شیرازی کا نام بھی ہے؟ اس نے اپنا ریکارڈ دیکھا اور مجھ سے کہا کہ ان کا نام اس ریکارڈ میں نہیں ہے۔ یہ سن کر مَیں بہت زیادہ پریشان ہوا کہ اتنی عظیم ہستی جس نے اپنی ساری زندگی دین کی ترویج پر صرف کی اور آخر شہادت پا کر اس دنیا سے چلے گئے ہیں تو پھر ان کا نام بہشتی دفتر میں کیوں نہیں ہے؟

میری اس پریشانی کو دیکھ کر اس رضوانِ جنت نے مجھ سے کہا: ہمارے پاس ایک اور رجسٹر بھی ہے جس کا نام ہے صاحب الشعائر الحسینیہ۔ اس رجسٹر میں ان لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو حسینیت کے لیے کام کرتے ہیں۔ جب اس رجسٹر کو دیکھا گیا تو اس میں شہید آیت اللہ سیّد حسن شیرازی کا نام لکھا ہوا تھا۔

اس واقعے سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جو لوگ خلوص نیت سے سیّدالشہداؑ کے عظیم مشن کے لیے کام کرتے ہیں، وہ لائقِ صد تحسین ہیں۔ انھیں مبارک ہو، چاہے وہ حسینی خطباء ہیں یا عزادار ہیں۔ چاہے وہ شعراء ہیں یا فنکار۔ وہ صاحبِ ماتم ہیں یا صاحبانِ صدقات و خیرات۔ وہ مؤلفین ہیں یا مصنفین۔ کوئی جس شکل میں بھی فرزندِ زہراؑ کے مشن کی بقا کے لیے کام کرتا ہے تو نواسۂ رسولِ مقبولؐ، دل بندِ علیؑ و بتولؑ حضرت امام حسین علیہ السلام اس مومن کے اس کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ حسین "حسینؑ" ہے۔ اسی ذاتِ مقدس کے لیے رسولِ رب العالمین نے فرمایا: حُسَيْنٌ مِنِّي وَاَنَا مِنَ حُسَيْنٌ ، اَلْحُسَيْنُ سَفِيْنَةُ النَّجَاةِ وَمِصبَاحُ الْهُدٰى "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ حسینؑ سفینۂ نجات ہیں اور آفتابِ ہدایت ہیں"۔ وَ اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَيْنِ حَرَارَةٌ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَبْرُدُ اَبَدًا "اہلِ ایمان کے قلوب میں امام حسینؑ کے خون کی حرارت ہے جو کبھی بجھنے والی نہیں ہے"۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ (سورۂ حج: آیت ۳۲)

"جو کوئی اللہ کے شعائر کا احترام کرتا ہے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے"۔

ہم بارگاہِ حسینی میں عرض کرتے ہیں کہ اے فرزندِ دخترِ رسولؐ! ہم آپؑ کے غلام ہیں، ہمارا نام بھی اپنی حکومت کے کسی محکمے میں لکھوا دیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری اس درخواست کی قبولیت پر دائیں طرف آپؑ کی ہمشیرہ شریکۃ الحسینؑ کے دستخط ہوں گے اور بائیں طرف آپؑ کے قلمرو کے مسئول حضرت ابوالفضل العباسؑ کے دستخط ہوں گے۔

اس بادشاہ کا مقتل لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ وہ کتاب جس کا نام بھی مقتل ہو، جس کا ہر ہر واقعہ درد میں ڈوبا ہوا ہو، جس کی ہر سطر مصائب و آلام کا اعلان ہو، جس کا ہر ہر حرف آنسوؤں کے جاری کرنے کا سامان رکھتا ہو۔ مقتل لکھنے والوں کے لیے کتنے مقامات آتے ہیں کہ لکھنے والے کی ڈھائیں نکل جاتی ہیں۔ دل میں درد کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ آنکھیں ساون کے بادل کی طرح برسنے لگتی ہیں اور قلم ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ شاید وہ زبانِ حال سے کہتا ہو کہ آپ کو اس مظلوم کی مظلومیت ابھی یاد آئی ہے، میں تو مسلسل رو رہا ہوں۔

برادر ریاض حسین جعفری صاحب! بہت جلد میدانِ حشر برپا ہونے والا ہے۔اس دن کی نفسانفسی کی چیخ و پکار ابھی سے ہمارے کانوں میں آرہی ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو بارگاہِ خداوندی میں پیش کرسکیں۔ہاں! ہمیں اُسی ذات کی دی ہوئی اُس توفیق پر ضرور ناز ہے جس کی وجہ سے ہم یہ عرض کرسکیں گے: "اے پروردگار! ہم نے تیرے رسولؐ کے مظلوم بیٹے کی مظلومیت کی داستان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اہلِ ایمان کے ہاں پیش کی تھی۔ہمیں یقین ہے کہ مظلوم کی مظلومہ ماں ہماری شفاعت فرمادیں گی"۔

علامہ ریاض حسین جعفری صاحب نے ادارہ منہاج الصالحین کی داغ بیل ڈالی اور اس کام میں وہ فردِ واحد ہیں۔ ان کے پاس کوئی ٹرسٹ ہے نہ کوئی ایسا ادارہ ہے جو ان کی سرپرستی کررہا ہو، جس سے ان کی مالی معاونت ہو۔ وہ مؤلفین ومترجمین کی دامے درمے سخنے مدد بھی کرتے ہیں۔ پھر کتاب کو مختلف مراحل سے گزار کر منظرِعام پر لاتے ہیں جو اہلِ ایمان کی روحانی غذا بنتی ہے۔ ادارہ منہاج الصالحین نے ہرموضوع پر کتابیں اشاعت کروائی ہیں، جو تفسیر، حدیث، تاریخ اور مقاتل جیسے دسیوں موضوع پر مشتمل ہیں اِن میں ادارہ ہذا کی اکثر کتابیں لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ ادارہ منہاج الصالحین نے جتنا کام اپنے ملک پاکستان میں کیا ہے کسی اور ادارے نے اتنا کام نہیں کیا۔ ایک فردِ واحد کا اتنا کام کرنا بہت مشکل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ریاض حسین جعفری کو توفیقِ ایزدی حاصل ہے اور سرکارِ حسینؑ کے رجسٹر میں ان کا نام لکھ دیا گیا ہے۔

معزز قارئین!

حضرت آیت اللہ سیّد عبدالرزاق موسوی مقرّم کی کتاب "مقتلِ مقرّم" اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت ادارہ ہذا کے بہت سے مقاتل مومنین کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ مگر ضرورت تھی کہ مقتلِ مقرّم پر بھی کام کیا جائے۔ ہمارے برادر حجۃ الاسلام والمسلمین جناب علامہ آزاد حسین صاحب، جو اس وقت مشہد مقدس کے حوزہ علمیہ میں تحصیلِ علوم میں مصروف ہیں۔ آپ نے کئی ایک کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔ اسی مقتلِ مقرّم کا آدھے حصّے کا اُنھوں نے ترجمہ کیا ہے اور باقی آدھے حصّے کا اس حقیر

نے ترجمہ کیا ہے۔

مقتلِ مقرّم کا ترجمہ کرتے وقت ان باتوں کی طرف بھی توجہ دی گئی ہے کہ اس وقت ملکِ پاکستان اور اہلِ ایمان کتنے بحرانوں کا شکار ہیں۔ اس لیے دورانِ ترجمہ جہاں پر بھی کوئی ایسا واقعہ سامنے آیا جس سے حالات کے دگرگوں ہونے کا خطرہ تھا تو اُسے حذف کر دیا گیا۔ ہر صاحبِ مقتل نے اپنے مقتل کو اپنی معلومات اور اپنے مدارک و مصادر کے مطابق تالیف کیا ہے۔ علامہ سید عبدالرزاق موسوی مقرّم نے تحقیق سے کام لیتے ہوئے اپنے مقتل کو تالیف کیا ہے۔

آخر میں بارگاہِ ایزدی میں دُعا ہے: اے لوح و قلم کے مالک و خالق! اپنے اُس ولی کو جو ظالموں سے انتقام لینے کے لیے تیرے حکم کا منتظر ہے اور پوری انسانیت جس کے انتظار میں آنکھیں بچھائے ہوئے ہے، اُس کو بھیج دے، تاکہ ظلم کا خاتمہ ہو، امن کا بول بالا ہو، آسمان کو کھل کر برسنے کا موقع ملے۔ پیاسی زمین کو سیرابی ملے۔ ہر طرف ہریالی ہو، دھرتی کو سکون کا سانس ملے اور بھوک و افلاس و امراض کا خاتمہ ہو۔

ادارہ منہاج الصالحین اور اس کے مدیر کی توفیقاتِ خیر میں مزید اضافہ ہو۔ یہ ادارہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کے سفر پر رواں دواں رہے۔

والسلام

دعاگو!

(علامہ) الطاف حسین کلاچی

کربلا اور مقتل

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ حُسَیْنٍ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ

"حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا اس سے محبت رکھتا ہے جو حسینؑ سے محبت رکھے، حسینؑ میرے اسباط اُمت میں سے سبط ہے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام تاریخ انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہیں اور پوری کائنات کے لیے منارۂ نور ہیں۔ آپؑ کی شخصیت اتنی بے مثال اور بے نظیر ہے کہ چودہ معصومینؑ میں سے کسی دوسرے معصوم کا نام حسینؑ نہیں ہے۔

یہی وہ حسینؑ ہیں جو راکبِ دوشِ رسولؐ ہیں اور ان کے لیے ہی رسولِ خداؐ نے اپنے سجدے کو طویل کیا تھا لیکن اپنے شہزادے کا رِل توڑنا برداشت نہیں کیا۔ آپؑ ہی ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔ آپؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسن وحسین علیہما السلام کے حق میں فرمایا تھا کہ "یہ دونوں امام ہیں خواہ صلح کر کے گھر بیٹھ جائیں یا میدان میں آ کر طاغوت کا مقابلہ کریں"۔

آپؑ کی نشوونما سردارِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعابِ دہن سے ہوئی۔ تاریخ بیان کرتی ہے کہ آپؑ کی ولادت کے ہر دوسرے دن رسولِ اکرمؐ اپنی اکلوتی بیٹی کے گھر تشریف لاتے اور نومولود کو اپنی زبانِ مبارک چوساتے تھے اور یوں حسینؑ کے جسم کا گوشت پوست، رگ وریشے اور ہڈیاں سب محمدی بن گئے۔

اگر لفظوں کو بدل دیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد ﷺ نے چالیس دن میں حسینؑ کو محمد بنا دیا اور اُمت کے سامنے اس حقیقت کو یوں واضح کیا کہ "یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس گھر میں آنکھ کھولی جہاں پہلے سے ہی چاروں طرف سورج ہی سورج روشنی دے رہے تھے۔ نانا وہ جن کی نبوت و رسالت کے مقدس نُور سے عالمین کی تاریکیاں دُور ہوئیں اور بابا وہ جو ولی کامل جن کی ولایت کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ پوری کائنات پر چمکا اور ماں وہ جو ملکۂ عصمت و طہارت اور مرکزِ نُور تھیں اور جنھیں خاتونِ جنت ہونے کا شرف حاصل ہوا، بھائیؑ وہ جو امامت کے درخشندہ آفتاب تھا۔

ان عظیم ہستیوں کی موجودگی میں امام حسین علیہ السلام نے اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور انھوں نے اپنے لیے ایسے لائحہ عمل کا انتخاب کیا کہ بزرگوں کے لیے باعثِ افتخار بن گئے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے آپؑ کو بچپن ہی میں یہ تعلیم دی تھی کہ دین کا تحفظ کیسے کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے تحت رسولِؐ خدا آپؑ کو میدانِ مباہلہ میں لے کر گئے۔ رسالت مآبؐ نے امام حسین علیہ السلام کو اس طرح کارِ رسالتؐ میں عملی طور پر شریک کر کے یہ ثابت کیا کہ حسینؑ بھی اتنے ہی محترم ہیں جتنا کہ دوسرے اصحاب کسا محترم ہیں۔

چنانچہ رسولِؐ خدا اور علیؑ و بتولؑ کی تربیت کا اثر تھا کہ جب اسلام خطرات میں گھر گیا تھا تو آپؑ یہ کہتے ہوئے گھر سے نکلے: "اگر نانا کا دین میرے قتل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا تو بنی اُمیہ کی خون آشام تلوارو! آؤ اور میرے جسم کے ٹکڑے کردو"۔

رسولِ اکرم ﷺ نے آپؑ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

"حسینؑ جنّتی ہے، اس کا دادا جنّتی ہے، اس کی دادی جنّتی ہے، اس کا نانا جنّتی ہے، اس کی نانی جنّتی ہے، اس کا والد جنّتی ہے، اس کی والدہ جنّتی ہے، اس کے بھائی جنّتی ہیں۔ اس کی بہنیں جنّتی ہیں، اس کی نسل جنّتی ہے، اس کا محب جنّتی ہے اور اس کے محب سے محبت رکھنے والا بھی جنّتی ہے"۔

آپؑ نے اپنے اور اپنے خاندان اور انصار کے بابرکت خون سے اسلام کو تازہ زندگی

عطا کی ع

اسلام زندہ ہوگیا بس کربلا کے بعد

اب ذکرِ حسینؑ سے اسلام کی بقا وابستہ ہے۔ ذکرِ حسینؑ سے روح میں بالیدگی آتی ہے اور قربانی کا جذبہ جوان ہوتا ہے۔ ذکرِ حسینؑ مرثیہ اور تقریر و تحریر سے ہوتا ہے۔ میدانِ کربلا میں بھائی کی لاش پر پہنچ کر ثانی زہراؑ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے بھائی کا مرثیہ کہہ کر مرثیہ خوانی کی بنیاد رکھی تھی جو کہ تا قیامت جاری و ساری رہے گی۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام اور ثانی زہراؑ نے بازاروں اور درباروں میں جو خطبات دیئے تھے ان کی صدا آج بھی باقی ہے اور مجالسِ حسینیہ کے خطابات انہی کی بازگشت ہیں۔ ہر دور کے انصاف پسند مورخین نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ذکر و فکر کو زندہ رکھا اور یزید کے مظالم سے پردہ ہٹایا۔

کتاب ہذا دنیائے مقتل میں ایک حسین اضافہ ہے۔ یہ کتاب عظیم مورخ و محدث سید عبدالرزاق مقرم کی تالیف ہے۔ مقتل کی عام کتابوں سے اس کا اسلوب جداگانہ ہے۔ اس کتاب میں عظیم محقق نے واقعات کی تحقیق کی ہے اور ضعیف راویوں سے حتی المقدور پرہیز کیا ہے۔

مؤلف کا تعارف

آپ کا شجرۂ نسب حسب ذیل ہے:

عبدالرزاق بن محمد بن عباس بن عالم حسن بن عالم قاسم بن حسون بن سعید بن حسن بن کمال الدین بن حسن بن سعید بن ثابت بن یحییٰ بن دویس بن عاصم بن حسن بن محمد بن علی بن سالم بن علی بن صبرہ بن موسیٰ بن علی بن جعفر بن امام ابوالحسن موسیٰ کاظم ابن امام جعفر صادق علیہما السلام۔

آپ کا خاندانی لقب "مقرم" ہے۔ "مقرم" ایسے مفلوج شخص کو کہا جاتا ہے جو بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے قاصر ہو اور خانہ نشین ہو۔

آپ کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ بیماری کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے تھے۔

لوگوں نے انھیں "مقرّم" کہنا شروع کر دیا۔ پھر یہ لقب ان کی نسل کے لیے عام ہو گیا۔ اسی وجہ سے مؤلف کتاب کو بھی "مقرّم" کہا جاتا ہے۔ اس لقب سے قبل اس خانوادہ کو ان کے مورث اعلیٰ سعید بن ثابت کی نسبت سے "سعیدی" کہا جاتا تھا۔

مؤلف ۱۳۱۶ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں نجف اشرف کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سیّد محمد بن سیّد عباس اپنے دور کے انتہائی عابد و زاہد انسان تھے۔ ان کا زیادہ وقت کوفہ کی جامع مسجد میں بسر ہوتا تھا۔ آپ کے نانا سیّد حسین عالم نے آپ کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ آپ کے مہربان نانا نے ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات سے مؤلف کو بڑا صدمہ ہوا۔ آپ کے والد سیّد محمد تقی نے ۱۳۵۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی والدہ حافظہ قرآن تھیں۔ انھوں نے ۱۳۷۰ھ میں وفات پائی تھی۔

آپ کے چچا سیّد مہدی بن سیّد عباس تھے۔ آپ عثمانیوں پر سخت تنقید کرتے تھے اور نعمانیہ، دیوانیہ، ہندیہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں جا کر عوام الناس کو عثمانیہ گورنمنٹ (ترکی) کے خلاف قیام کی ترغیب دیتے تھے اور عثمانیوں (ترکیہ) کے مظالم سے آگاہ کرتے تھے۔ آخرکار انھیں "الکوت" میں گرفتار کیا گیا اور ۱۳۳۴ھ میں انھیں سزائے موت دے دی گئی۔ آلِ مقرّم کے مورث اعلیٰ سیّد قاسم کو ان کے آبائی وطن حسکہ سے جلاوطنی اختیار کرنا پڑی اور وہ جلاوطن ہونے کے بعد نجف اشرف میں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔

مؤلف کے مشائخ

آپ نے حسب ذیل علماء سے علمی تشنگی بجھائی۔

۱. آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا سیّد حسین سے حاصل کی۔
۲. علامہ شیخ محمد رضا آلِ شیخ ہادی آلِ کاشف الغطاء سے آپ نے اصول کی تعلیم حاصل کی۔
۳. علامہ حجت فقیہ شیخ حسین حلّی النجفی سے آپ نے فقہ کے سطوح اور اصول کی تعلیم حاصل کی۔
۴. مرجع اعلیٰ آیت اللہ العظمیٰ سیّد محسن الحکیم سے آپ نے فقہ کا درسِ خارج حاصل کیا۔

۵ آیت اللہ العظمیٰ حجت شیخ آغا ضیاء العراقی سے آپ نے اُصول کا درسِ خارج پڑھا۔

۶ زعیم دینی، مرجع فی الفتویٰ سید ابوالحسن اصفہانی نجفی سے آپ نے درسِ خارج فقہ اور ان کی کتب تقریرات کا درس حاصل کیا۔

۷ مرجع فی الفتویٰ حجت آیت اللہ العظمیٰ میرزا محمد حسین نائینی نجفی سے خارج فقہ و اُصول اور ان کی کتب تقریرات کا درس حاصل کیا۔

۸ آیت اللہ مدرسِ اکبر آیت اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم خوئی سے فقہ و اُصول کا علم حاصل کیا۔

۹ مؤلف، مجاہد اکبر، شیخ محمد جواد البلاغی کے بڑے مداح تھے اور اپنی محافل میں ان کا کثرت سے ذکر کرتے تھے اور آپ نے ان کے ساتھ ان کی کتاب الہدیٰ الی دین المصطفیٰ کی تالیف میں ہمکاری کی تھی۔

۱۰ شیخ محمد حسین اصفہانی سے آپ نے فلسفہ اور کلام کے دروس پڑھے۔

مؤلف نے اپنی زندگی میں بہت سی کتابیں تالیف کیں ان میں سے کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ خطی نسخے ہیں۔ آپ نے حسب ذیل کتابیں لکھی تھیں:

۱ زید الشہید
۲ مختار بن ابوعبیدہ
۳ سیدہ سکینہؑ
۴ مقتل الحسینؑ (کتاب ہذا)
۵ الصدیقۃ الزہراءؑ
۶ الامام زین العابدین
۷ الامام الرضاؑ
۸ الامام الجوادؑ
۹ قمر بنی ہاشم
۱۰ علی الاکبر
۱۱ شہید مسلمؑ بن عقیلؑ
۱۲ سر الایمان فی الشہادۃ الثالثۃ
۱۳ یوم الاربعین عند الحسین
۱۴ المحاضرات فی الفقہ الجعفری

حسب ذیل کتابوں پر آپ نے تعلیقات لکھیں:

۱ دلائل الامامۃ لابن جریر طبری الامامی
۲ الامالی شیخ مفید
۳ الخصائص، سید رضی
۴ الملاحم، سید ابن طاؤس
۵ فرحۃ الغریٰ سید عبدالکریم بن طاؤس
۶ اثبات الوصیۃ مسعودی

۷ کشکول
۸ عماد الدین طبری الآملی
۹ الجمل شیخ مفید

مخطوطہ نسخے:

۱ المسند الاکبر۔ محمد
۲ الحسن بن علی
۳ عاشوراء فی الاسلام
۴ الاعیاد فی الاسلام
۵ ذکری المعصومین
۶ زینب العقیلہ
۷ میثم تمار
۸ ابوذر غفاری
۹ عمار بن یاسر
۱۰ نقل الاموات فی الفقہ الاسلامی
۱۱ نقد التاریخ فی مسائل ست
۱۲ حلق اللحیۃ
۱۳ دراسات فی الفقہ والتاریخ: دراسۃ وتحلیل الاحادیث
۱۴ ربائب الرسول
۱۵ حاشیۃ علی الکفایۃ
۱۶ حاشیہ علی المکاسب
۱۷ نوادر الآثار
۱۸ یوم الغدیر او حجۃ الوداع

مؤلف علیہ الرحمہ سچے محب اہلِ بیتؑ تھے۔ آپ کی پوری زندگی اہلِ بیت طاہرینؑ کے فکروذکر میں گزری اور آئمہ ہدیٰ کی ولادت وشہادت کی تقریبات آپؒ کے گھر میں منعقد ہوتی تھی۔ جس میں محبانِ آلِ محمدؐ کی بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔

آپؒ نے زندگی میں جہاں اتنی کتابیں لکھیں وہاں آپ شعروشاعری سے آزاد تھے۔ آپ اشعار کے اچھے سامع ضرور تھے لیکن آپ میں شعروشاعری کی صلاحیت موجود نہ تھی۔ اس کے باوجود آپؒ نے چند اشعار ضرور کہے تھے اور اس سے آپ کی نیت یہ تھی کہ اس طرح سے ان کا نام بھی شعرائے اہلِ بیتؑ کی فہرست میں شامل ہو سکے، مثلاً انھوں نے یہ اشعار لکھے تھے:

وَجَاءَ فِي حَدِيثِ أَهلِ البَيتِ ۔۔۔ مَن قَالَ فِينَا وَاحِدًا مِن البَيتِ
أَيَّدَهُ اللهُ بِرُوحِ القُدُسِ ۔۔۔ وَزَالَ عَنهُ كُلُّ رَيبٍ مَلبِس
لِذَاكَ احببت ان انظم مَا ۔۔۔ قلد دنوه فِي الصِحَاحِ العُلَمَاءِ
مِن فَضلِ عِترَةِ النَّبِي الطُهر ۔۔۔ وَمَن هُم وُلَاةُ رَبِّ الأَمرِ

آخرکار پچھتر برس کی عمر پانے کے بعد یہ علم وعمل کا آفتاب غروب ہوگیا۔ آپ کی وفات ۱۷ محرم ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہوئی۔

دُعا ہے کہ خداوند عالم امام مظلومؑ کے اس سچے عاشق کو امام علیہ السلام کے جوار میں جگہ دے۔

استاد شیخ احمد الوائلی نے ان کا مرثیہ لکھا تھا جس میں تاریخ وفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ لکھا تھا:

مستمیحا عطاء ربك أرخ (رحمت عبدالرزاق للرازق)

کتاب ہذا عربی زبان میں ہے اور فارسی زبان میں اس کا ترجمہ ایک عرصے سے آچکا ہے اور اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ چنانچہ کتاب کی اس جامعیت کی وجہ سے ناشر علوم آلِ محمدؐ علامہ سرکار حجۃ الاسلام ریاض حسین جعفری مدظلہ کی شدید خواہش تھی کہ اس کتاب کا اُردو زبان میں بھی ترجمہ ہونا چاہیے۔

اہلِ ایمان اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ علامہ صاحب کے قائم کردہ ادارہ سے قلیل عرصہ میں سینکڑوں ایمان افروز کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور وہ کام جو بڑے بڑے وسائل رکھنے والے ادارے نہیں کرسکے اس کام کو اس مردِ قلندر نے تنِ تنہا سرانجام دیا اور ان کی اَن تھک کاوشوں کا خدا نے انھیں یہ صلہ دیا کہ پاکستان اور بیرونِ پاکستان ہرجگہ منہاج الصالحین کی شائع کردہ کتب دکھائی دیتی ہیں جب کہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ان کی پشت پر کسی بھی شخصیت کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ انھوں نے یہ طویل ترین سفر صرف خدا کے سہارے اور معصومین علیہم السلام کی دعاؤں کے سائے میں طے کیا ہے۔

سرکار علامہ جعفری صاحب یہ چاہتے تھے کہ کتاب ہذا جلد از جلد منظرِعام پر آنی چاہیے اور اگر ایک مترجم اس کا ترجمہ کرتا تو اس میں کافی وقت لگ جاتا اسی لیے علامہ صاحب نے پاکستان کے دو جلیل القدر اہلِ علم کی خدمات حاصل کیں۔

اس کتاب کے پہلے نصف حصّہ کا ترجمہ حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ آزاد حسین مشہدی

نے کیا۔ علامہ موصوف اس وقت حوزہ علمیہ مشہد مقدس میں درسِ خارج کے طالب علم ہیں اور نصف آخر کا ترجمہ حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ الطاف حسین کلاچی پرنسپل مدرسہ باب العلم تونسہ شریف نے کیا۔

دونوں حضرات کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ان دونوں حضرات کا علم چھپا ہوا نہیں بلکہ چھپا ہوا ہے۔ دونوں علماء کی متعدد کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔

یہ گناہ گار ان علماء کی توفیق کے اضافہ کے لیے دعا گو ہے اور یہ عرض کرتا ہے:

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ

دُعا ہے کہ رب العالمین ادارہ منہاج الصالحین کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور ادارہ کے معاونین کو دنیا و آخرت کی سعادت عطا فرمائے۔

والسلام

حررہ احقر الزمن

(علامہ) محمد حسن الجعفری

سیّدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحریک

سیّدالشہدا حضرت امام حسین بن علی علیہ السلام کی تحریک اور قیام کا ہدف صرف اور صرف یہ تھا کہ تباہی و بربادی کے وہ آثار جو بنی اُمیہ نے اسلام کے اندر پیدا کیے اُنھیں اسلام کے خوب صورت چہرے سے صاف کریں۔ شریعتِ مقدسہ کو ان تمام عیوب اور بُرائیوں سے پاک کریں جو انھوں نے اس میں داخل کیں اور سب کے سامنے اس کی قداست و پاکیزگی کو نمایاں کریں۔ ①

مزید برایں دنیا والوں کو یہ بتائیں کہ شارعِ اسلام بنی اُمیہ کے تمام برے اعمال و کردار، ان کی کارستانیوں، ان کے علانیہ فسق و فجور پر مبنی اعمال اور ان کی اسلام و انسانیت کے خلاف سیاست سے بے زار ہے۔ لہٰذا انھوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اپنی مقدس تحریک کا آغاز کیا اور اپنے زمانے کے تمام دینی و اسلامی سوچ رکھنے والوں تک اپنا پیغام پہنچایا۔ حکومتی مشینری کی بے حد وحساب عیاشیوں اور بے ہودگیوں سے پردہ اُٹھایا، لوگوں کو یزید، اس کے شہوت ران اور شکم پرست پیروؤں اور فتنہ و فساد کے حقیقی عوامل کو متعارف کرایا۔ لوگوں کو یہ بتایا کہ حکومتی گماشتوں نے کس طرح فضول اور بے ہودہ باتوں کے ذریعے لوگوں کا تمسخر اُڑایا اور کیسے ان کی عزت و آبرو کو خاک میں ملایا کہ وہ نگاہِ ذلت وخواری کے سوا ان کی طرف دیکھتے ہی نہیں۔

---

① احمد امین نے اپنی کتاب "ضحی الاسلام" میں "الحکم الاموی" ج۱ ص ۲۷ پر لکھا ہے کہ اُموی حکومت ہرگز ایک اسلامی حکومت نہیں تھی کہ جس میں عوام کو برابری کے حقوق حاصل ہوتے اور ہر اچھے انسان کو بلاتمیز اس کی اچھائی کا اُسے صلہ ملتا، چاہے وہ عربی ہوتا یا عجمی، غلام ہوتا یا سردار اور ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جاتی چاہے وہ کوئی بھی ہوتا۔ اُموی دورِ حکومت میں عرب حکمران تھے۔ اُنھوں نے صرف عربوں کے حقوق کا خیال رکھا۔ اُن کی حکومت کوئی اسلامی حکومت نہیں تھی بلکہ زمانۂ جاہلیت والی حکومت تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کا چہرہ بے نقاب کیا یہاں تک کہ لوگوں کا عزم و ارادہ مضبوط و مستحکم اور آہنی ہوا۔ ان کی دینی غیرت و حمیت شعلہ ور ہوئی اور ایسی ایسی تحریکیں اٹھیں کہ جنھوں نے ان سے بحث و گفتگو کے تمام مواقع سلب کر لیے۔ نتیجتاً خون آشام جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا کہ انھوں نے اپنی حکومت پر مہلک اور تباہ کن ضربیں لگائیں۔ وہ حکومت کہ جس کی بنیاد انھوں نے ایک اسلامی مملکت کی نابودی کے لیے رکھی تھی، بہت جلد ہی اس کا تختہ اُلٹ گیا۔

یوں امام حسین علیہ السلام کہ جو ایک عظیم و معروف اور بزرگوار شخصیت ہیں، کامیاب و کامران ہوجاتے ہیں اور اپنے مقصد کو پالیتے ہیں۔

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ○ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۶۹)

”جو راہِ خدا میں قتل ہوجاتے ہیں انھیں مُردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ (تو) زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے ہاں رزق پاتے ہیں“۔

اگر آپ تاریخ کا عمیق و دقیق مطالعہ اور تجزیہ و تحلیل کریں تو آپ پر حضرتؑ کی عظمت و بزرگواری اور ظلم و جَور کے خلاف آپؑ کی حیثیت واضح اور روشن ہوجائے گی۔ نیز ورود و حرکت، قیام و قعود، ثبوت و اثبات اور اِدعا و طلب کے مراحل میں سے ہر مرحلہ میں ان کے مقدس و شائستہ اہداف اور بلند و عالی مقاصد بھی روشن تر ہوجائیں گے۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہ صاحبِ عظمت شہید کون ہیں، جب یہ معلوم ہوگیا کہ انھوں نے کیا کیا ہے، اور انھوں نے کس طرح سے اپنے آپ کو ننگ و عار اور عاجزی و بے چارگی سے محفوظ کیا ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس صورت میں ہر مورد کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت پڑے۔

ہمارا وہ اعتقاد جو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ہے جب ہم انھیں امامِ برحق مانتے ہیں اور کسی کو بھی ان کے زمانہ میں اس مقام کے لائق نہیں سمجھتے تو اس صورت میں انصاف ہمیں اس چیز کی اجازت نہیں دے گا کہ ہم اُن کا ان کے زمانے کے طاغوت سے مقائسہ کرنے کا احتمال بھی ظاہر کریں۔ یا مفاخر سے کسی غیر سے ان کا تقابل کریں، کیوں کہ

اگر ہم تقابل کریں تو سرورِ جوانانِ جنت کو اپنی تمام قابلِ تعریف صفات میں سے ہر صفت میں اس قدر تنزل کرنا پڑے گا، اس کے ہم قدم اور برابر ہو جائیں، جب کہ یہ محال ہے کہ وہ عظمت و بزرگی کے بلند ترین درجات پر فائز ہوتے ہوئے اس قدر تنزل کریں کہ یزید لعین کے برابر اور ہم پلّہ ہو جائیں۔

کیا یہ ممکن ہے کہ امام حسین علیہ السلام، ابوسفیان کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تقابل کریں، یا معاویہ کا حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے یا جگر خوار ہند کا اُم المومنین حضرت خدیجہؑ سے، میسون کا سیّدۃ نساء العالمین حضرت زہرا سلام اللہ علیہا سے، جاہلیت کی عیاشیوں کا وحیِ اسلام سے، جہلِ مطلق کا سرچشمۂ علم سے، بے عفتی کا عفت و پاک دامنی سے، نجاست کا طہارت سے یا دوسرے بہت سے مسائل کہ زبان جنھیں بیان کرنے سے عاجز اور قلم تحریر کرنے سے ناتواں ہے کا (اسلام کے زریں اصولوں سے) مقائسہ و تقابل کریں؟!

بعض اوقات خداوند سبحانہٗ اور اس کے مخلص اولیاء کے درمیان کچھ پیچیدہ و پوشیدہ اَسرار موجود ہوتے ہیں کہ جن کے ظاہری آثار غیر مخلصین کی نگاہ میں ایک ناشائستہ اور نامناسب کام ہوتا ہے اور کوتاہ فکر لوگ اس واقعہ پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ باطل پر مبنی مسلک کی اندھا دھند پیروی اِن کے عقول پر پردے ڈال دیتی ہے۔

یوں وہ عظیم نجات دہندہ کی شان میں گستاخی کرنے پر اُتر آتے ہیں اور باطل کی طرف داری کرنے کے سوا کوئی اور راستہ منتخب نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ حسینؑ اپنے جد کی شمشیر سے قتل ہوئے ہیں، کیوں کہ جب اہل حل و عقد کے اِجماع کی بنا پر یزید میں خلافت و راہ روی کی تمام شرائط اکٹھی ہوگئیں اور لوگوں نے بھی اس کی بیعت کرلی اور کسی نے بھی اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض اور اِشکال نہیں کیا کہ جو اس کی بدنامی اور ملامت کا موجب ہوتا۔ جب صورت یہ تھی تو امام حسین علیہ السلام نے (معاذ اللہ) اپنے امام وقت یعنی یزید کے خلاف خروج اور قیام کیا اور یہی چیز ان کے قتل ہونے کی بنیاد بنی۔ [1]

---

[1] ابوبکر بن عربی اندلسی نے اپنی کتاب "العواصم" ص ۲۳۲ پر تحریر کیا ہے اور یہ تحقیق محب الدین الخطیب کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ رسولؐ اسلام نے فرمایا: عنقریب میری اُمت میں اختلافات پیدا ہوں گے ⇐

اس طرح کی بات کرنے والا "ابنِ عربی" یہ بھول چکا ہے کہ ابن میسون (۱) کی پوری زندگی میں ایک دن بھی اچھا نہیں مل سکتا کہ ننگ و عار اور بُرے افعال سے جدا کیا جاسکے۔ اس کی سیاہ کاریاں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی ابتدا و انتہا قابلِ تصور نہیں ہے، کیوں کہ اس نے کلبی خاندان کی ایسی عورت کا دودھ پیا ہے کہ جو شہوت میں غرق تھی اور اس کے دامن میں پرورش پائی کہ جس پر رسولِ خدا ﷺ نے لعنت بھیجی ہے۔ (۲)

پیغمبر اکرم ﷺ نے اَمر فرمایا تھا کہ جب بھی معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کردو۔ (۳)

⇦ جو شخص اس اُمت کے اتحاد کے بعد اس میں تفرقہ پیدا کرے اُسے قتل کر ڈالو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ پس! اسی حدیث کی بنیاد پر لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے اختلاف کیا۔ اُنھوں نے جو کچھ ان کے نانا سے سنا تھا، اس کے تحت اُنھیں قتل کر دیا۔ محب الدین نے اسی حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الامارۃ میں نقل کیا ہے۔ مؤلف کا بیان ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی جلد ۲، ص ۱۲۱، کتاب الغزوات کے بعد کتاب الامارہ میں زیاد بن علاقہ نے عرفجہ سے اس نے رسولؐ اسلام سے سنا ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب: ج ۳، ص ۳۸۱ پر ابن علاقہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اہلِ بیتؑ سے منحرف تھا۔ اس نے عرفجہ کا ذکر ج ۷، ص ۱۷۶ پر کیا ہے، لیکن اس کی ذم یا مدح کے بارے میں کچھ نقل نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجہول راوی ہے۔ لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ابنِ عربی اندلسی یزید کی خلافت کو جائز سمجھتا تھا حالانکہ اس نے نبی کریم ﷺ کی اس حدیث کو ضرور پڑھا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میری اُمت میں عدل و انصاف قائم رہے گا، یہاں تک کہ بنی اُمیہ کا ایک شخص اس میں رخنہ ڈالے گا جس کا نام یزید ہوگا"۔

(۱) میسون، بجدل کلبی کی بیٹی، معاویہ کی بیوی اور یزید کی ماں ہے۔

(۲) تاریخ طبری: ج ۱۱، ص ۳۵۷۔ حوادث، ص ۲۸۴۔ کتاب صفین نصر بن مزاحم، ص ۲۴۷، طبع مصر۔ تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی، ص ۱۱۵ پر لکھا ہے کہ رسولؐ خدا نے دیکھا کہ ابوسفیان ایک اُونٹ پر سوار ہے، اس کا پوتا یزید مہار پکڑے ہوئے ہے اور اس کا بیٹا معاویہ اسے ہانک رہا ہے۔ تو آں حضرتؐ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: خدا اس سوار اور مہار پکڑنے والے اور ہانکنے والے پر لعنت کرے۔

(۳) تاریخ بغدادی، ج ۱۲، ص ۱۸۱۔ کتاب تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۴۲۸۔ تاریخ طبری، ج ۱۱، ص ۳۵۷۔ کتاب صفین، ص ۲۴۳ و ۲۴۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۳۴۸، طبع مصر۔ کنوز الدقائق مناوی، جامع صغیر کے حاشیہ پر طبع شدہ، ج ۱، ۱۸۔ لئالی المصنوعہ سیوطی، ج ۱، ص ۳۲۰۔ میزان الاعتدال ذہبی، ج ۱، ص ۲۶۸ اور کتاب سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۹۹ پر لکھا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: اِذَا رَأَيْتُمْ مُعَاوِيَةَ عَلٰى مِنْبَرِي فَاقْتُلُوْهُ "جب بھی تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اُسے قتل کردو"۔

اُمت مسلمہ اگر اس واجب کا امتثال کرتی تو آج اس طاغوت اور سرکشی کی تباہ کن ایجاد کردہ بدعتوں کے شر سے محفوظ ہوتی اور اس طاغوت کی قساوت پر مبنی گستاخیوں اور جسارتوں کا سامنا نہ کرتی کہ جنھوں نے اُمت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا لیکن اُمت نے نعمتِ خدا اور خاندانِ ولایت کا انکار کیا اور رسولؐ خدا کے فرمان پر عمل نہ کیا، ناچار اس سرایت کنندہ بیماری کے ہاتھوں کہ جس نے اس کے لیے ناگہانی موت مہیا کی، ایک جام نوش کیا ہے اور اس طرح سے خداوند متعال نے اسے ڈر، خوف اور ذلت و خواری کا لبادہ پہنایا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تاکہ ستم گروں کی آگ کے شعلوں میں جلتی ہوئی نابود ہو جائے۔

اہلِ سنت کی مشہور و معروف تفسیر روح المعانی کے مؤلف علامہ آلوسی رقم طراز ہیں:

''اگر کوئی کہے کہ یزید نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کر کے کوئی گناہ نہیں کیا اور اس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے تو مناسب ہے کہ ایسے شخص کو یزید کے اصحاب و انصار میں شمار کیا جائے۔

مؤلف تفسیر مزید لکھتا ہے: یہ خبیث اصلاً رسالتِ پیغمبرؐ کا معتقد نہیں تھا کیوں کہ اس کے تمام اعمال کہ جو اس نے اہلِ حرمِ خدا، اہلِ حرمِ رسول اور ان کی پاک و پاکیزہ عترت کے ساتھ ان کی حیات یا ان کی رحلت کے بعد انجام دیے، ہر ایک اس کے بے ایمان ہونے پر بہترین دلیل ہے۔ اس نے جن جنایات کا ارتکاب کیا ان میں سے ہر ایک اس سے کم تر نہیں ہے کہ وہ قرآن شریف کے ایک ورق کی بے حرمتی کرے۔

مَیں نہیں سمجھتا کہ اس زمانے میں اس کی پستی و کمینگی (اہلِ اسلام) بزرگوں اور مسلمانوں سے پوشیدہ ہو لیکن چوں کہ وہ اس کی قدرت سے خوف زدہ نہیں تھے لہٰذا اپنی زبان بند رکھنے کے علاوہ ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ فرض کریں کہ اگر وہ مسلمان تھا تو ایسا مسلمان تھا کہ جس نے اس قدر کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا جو بیان سے باہر ہیں۔ مَیں ذاتی طور پر اس کا معتقد ہوں کہ یزید اور اس جیسوں پر لعنت کی جا سکتی ہے، کیوں کہ فسق و فجور میں کوئی اور یزید کے مانند ہو، یہ بات ناقابلِ تصور ہے اور جن لوگوں نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے کہ شاید اس نے توبہ کر لی ہو لہٰذا اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ احتمال خود یزید کے ایمان سے بھی ضعیف تر اور بے بنیاد تر ہے۔

ابن زیاد، ابن سعد اور ان کے پیروؤں کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کرنا چاہیے اور ان، ان کے دوستوں اور ان کی طرف رغبت رکھنے والوں پر بھی تا قیامِ قیامت اور جب تک آنکھ حسینؑ پر گریہ کرے لعنت ہونی چاہیے۔

فاضل بزرگوار عبدالباقی آفندی عمری موصلی سے جب کسی نے یزید لعین پر لعنت بھیجنے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کتنا اچھا جواب دیا:

به پهنای گیتی بود لعن من بر یزید
به هر بام لعنت فرستید (در زندگی) بر آن پلید

"اگر کوئی اس گمراہ پر صراحت سے لعنت کرنے سے ڈرتا ہو تو وہ یوں کہے: ہر اس (شخص) پر خدا کی لعنت ہو کہ جو قتلِ حسینؑ پر راضی ہو، ہر اس (شخص) پر لعنت ہو کہ جس نے عترتِ پیغمبرؐ کو اذیت دی ہو اور ہر اس (شخص) پر لعنت ہو کہ جس نے ان کا حق غصب کیا ہو"۔

اگر کوئی ایسا کہے تو اس نے یزید پر بھی لعنت بھیجی ہے کیوں کہ وہ سب سے پہلا شخص ہے جو اس کلیہ میں شامل ہے۔ اس طرح لعنت کرنے کی ابن عربی اور اس کے حامیوں کے علاوہ کسی نے بھی مخالفت نہیں کی ہے۔ اس سے جو کچھ نقل ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام حسینؑ کے قتل پر راضی ہونے والوں پر لعنت بھیجنے کو جائز نہیں سمجھتا۔ مجھے میری جان کی قسم! یہ راہِ حق سے دُوری اور بہت بڑی گمراہی ہے کہ جو گمراہی میں مزید اضافہ کرتی ہے۔

اس کے بعد علامہ آلوسی مزید لکھتے ہیں: برزنجی نے کتاب "الاشاعۃ" اور ابن ہیثمی نے کتاب "صواعق محرقۃ" میں نقل کیا ہے: عبداللہ بن احمد حنبل نے اپنے باپ سے پوچھا: کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

باپ نے کہا: اس پر لعنت کرنا کس طرح جائز نہیں ہے کہ جس پر خدا نے قرآن میں لعنت کی ہے۔

عبداللہ نے کہا: میں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے، کسی جگہ پر بھی نہیں دیکھا کہ خدا نے یزید پر لعنت کی ہو۔

باپ نے کہا: خداوند متعال فرماتا ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ

"تو کیا تم سے کچھ بعید ہے کہ تم صاحبِ اقتدار بن جاؤ تو زمین پر فساد برپا کرو اور قرابت داروں سے قطع تعلق کرلو؟ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور اِن کو بہرہ اور اِن کو اندھا کردیا ہے"۔ (سورۂ محمد: آیت ۲۲، ۲۳)

کیا جو کچھ یزید نے انجام دیا ہے اس سے زیادہ بھی فساد اور قرابت داروں سے قطع تعلق ہوسکتا ہے؟

اہلِ سنت کے بہت سے علما و بزرگان مثلاً قاضی ابویعلی، حافظ ابن جوزی اور تفتازانی وغیرہ نے بڑے یقین کے ساتھ یزید پر کفر کا حکم لگایا ہے اور صراحت سے لکھا کہ اس پر لعنت کرنا جائز ہے۔

تفتازانی لکھتا ہے: ہمیں یزید اور اس کے بے ایمان ہونے کے بارے میں ذرا برابر شک نہیں ہے کہ اس اور اس کے اعوان و انصار پر خدا کی لعنت ہو۔ جلال الدین سیوطی نے اس پر جوازِ لعنت کو صراحت سے لکھا ہے۔

تاریخ ابن الوردی اور کتاب "الوافی بالوفیات" میں مذکور ہے: جب مخدراتِ اہلِ بیتؑ، سیّدالشہداءؑ کی اولاد اور نیزوں پر سر "ثنیۂ جیرون" میں یزید کے پاس لائے تو کوے کی آواز آنے لگی:

لَمَّا بَدَتْ تِلْكَ الْحُمُولُ وَأَشْرَقَتْ ... تِلْكَ الشُّمُوسُ عَلَىٰ رُبَىٰ جَيْرُونِ

نَعَبَ الْغُرَابُ فَقُلْتُ قُلْ أَوْ لَا تَقُلْ ... فَلَقَدْ قَضَيْتُ مِنَ النَّبِيِّ دُيُونِي

"جب شہدائے آلِ محمدؐ کے سر ظاہر ہوئے تو یہ آفتابی چہرے جیرون کے ٹیلے پر چمکنے لگے تو اُس وقت میرے محل کی دیوار پر کوے نے کائیں کائیں کی آواز نکالی تو مَیں نے اُسے کہا: اب تو اپنی آواز نکال یا نہ نکال

میں نے نبی ﷺ سے اپنے سارے قرض چکا لیے ہیں"۔
اس کی مراد یہ تھی کہ بدر میں رسولؐ خدا نے یزید کے جد عتبہ اور عتبہ کے بیٹے اور اس کے ماموں کو قتل کیا تھا، ان کے بدلے میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کو قتل کیا ہے۔ یہ جملہ صاف کفر ہے، اگر یہ جملہ یزید نے کہا ہو تو یہ اس کے کافر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے مانند عبداللہ بن زبعری کے وہ اشعار جو اس نے قبل از اسلام کہے تھے، انھیں بطور مثال پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

لَيتَ اَشيَاخِي بِبَدْرٍ شَهِدُوا ..... الخ (تفسیر روح المعانی، ج ۲۶، ص ۶۵، ۶۶)

"کاش! آج میرے آباؤ اجداد زندہ ہوتے"۔

اس کے علاوہ فتنہ وفساد اور بے دینی کے بہت سے دوسرے موارد ہیں کہ جن کی وجہ سے یزید الی یوم القیامہ خدا، فرشتوں، پیغمبروں اور تمام مومنین کی طرف سے لعنت کے لائق ہوگا۔

اس بارے میں کوئی بھی شک نہیں کرے گا مگر وہ کہ جس نے حقیقت کی بو نہ سونگھی ہو اور بغیر سوچے سمجھے راستے پر چل نکلنے سے جس کی آنکھیں جادۂ حق کو دیکھنے سے نابینا و ناتواں کر دی ہوں کہ اس صورت میں وہ لعنت کے جائز ہونے میں شک و تردید کرے، اسی طرح گمراہی کی وادی میں حیران و سرگرداں رہے، راہِ ہدایت کو اختیار نہ کرے اور اپنے آپ کو جہالت کی گھٹن سے آزاد نہ کرے۔

محققین اور دانش وروں میں سے کسی نے بھی یزید کے کفر میں شک نہیں کیا ہے۔

معروف دانش ور ابن خلدون کہتا ہے: قاضی ابوبکر ابن عربی مالکی نے اشتباہ کیا ہے، اس نے اپنی کتاب "العواصم والقواصم" میں لکھا ہے کہ "حسینؑ اپنے جد کی شریعت کے قوانین کے مطابق قتل ہوئے ہیں"۔

جس چیز نے ابن عربی کو اس نامناسب (لغو) اور غلط گفتگو پر اُکسایا، وہ اس کی فاسد و باطل عقیدہ رکھنے والوں کے ساتھ جنگ کے لیے امامِ عادلؑ کے فتویٰ دینے کی شرط سے غفلت ہے۔ اس زمانے میں امامت وعدالت میں حسین بن علی علیہ السلام سے عادل تر کوئی کہاں

مل سکتا تھا؟! (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون، ص ۴۳ و ۴۳۹)

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ کے صفحہ ۲۵۴ پر بیان کیا ہے کہ یزید کے فاجر و فاسق ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور سب اس کی تائید کرتے ہیں۔ جب تمام مسلمانوں کا اس کے فاسق و فاجر ہونے پر اجماع ہے تو پھر وہ امامت مسلمین کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی دلیل کی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کے خلاف قیام کرنے کو واجب سمجھا۔ بعض اصحاب اور تابعین ① کا امام حسین علیہ السلام سے تعاون نہ کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ انھوں نے یزید کی تائید کی ہے، بلکہ اُن کا یہ طرزِ عمل اس دلیل کی بنا پر تھا کہ وہ کہتے تھے:

اگرچہ یزید فاسق و فاجر ہے لیکن موجودہ حالات میں اس کے خلاف قیام کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اس طرح کا قیام ہرج مرج اور خون ریزی کا باعث ہوگا۔ اسی وجہ سے انھوں نے امام حسینؑ سے تعاون نہ کیا اور ان کی اطاعت کرنے سے رُوگردانی کی۔ اتنا کچھ کہنے کے باوجود وہ اس کی عیب جوئی بھی نہیں کرتے تھے، لیکن ان کے عدمِ تعاون کی وجہ سے امام حسینؑ، یزید (جس کے فاسق ہونے پر محکم دلیل تھی) کی تباہ کاری کی وجہ سے شہید ہوگئے۔

ابن مُفلح حنبلی کہتے ہیں: ابن عقیل اور ابن جوزی غیر عادل امام کے خلاف قیام کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ اس بنا پر کہ حسین علیہ السلام نے یزید کے خلاف قیام کیا تاکہ حق کو زندہ اور پائیدار کریں۔

ابن جوزی نے کتاب ''السّرّ المصون'' میں لکھا ہے: عامیانہ اعتقادات کا حصہ ہے کہ جو اہلِ سنت سے وابستہ اور منسوب بعض افراد کے درمیان مشہور ہو چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ قیام جو حسینؑ نے یزید کے برخلاف کیا اس میں یزید صحیح تھا اور حسینؑ خطا پر تھے۔ اگر یہ لوگ تاریخ اور سیرت کا مطالعہ کریں تو بہ خوبی دیکھ لیں گے کہ اس کے حامیوں نے کس طرح لوگوں

---

① جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خُدری، انس بن مالک، سہل بن سعد، زید بن ارقم اور ان کے مانند دوسرے کہ جو تمام صحابہ تھے، انھوں نے امام حسین علیہ السلام کی مدد نہ کی بلکہ ان میں سے بعض عملی طور پر یا لاتعلق ہونے کی بنا پر یزید کے ہمراہ تھے۔

سے اس کی بیعت لی، انھوں نے کس طرح لوگوں کو اس کی بیعت کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے بارے میں انھوں نے لوگوں کے ساتھ ہر وہ بُرا برتاؤ کیا جو ممکن تھا۔(کَالبَیعَۃِ فِی زَمَانِنَا لِلمَندُوبِینَ مَجلِسُ الشُّورٰی)

فرض کریں کہ اگر اس کی خلافت اور انتخاب درست اور قواعد وضوابط کے مطابق انجام پایا ہو، اس نے اس قدر نامعقول اور غیر منطقی کام انجام دیے کہ ان میں ہر کام عقدِ خلافت کے فسخ اور انتخابِ رہبر کے باطل ہونے کے لیے کافی ہوتا۔ جیسے حرہ[1] کے واقعہ میں شہرِ مدینہ کو تباہ و برباد کرنا، منجنیق کے ذریعے خانہ کعبہ پر سنگ باری کرنا، حسینؑ بن علیؑ اور ان کے اہلِ بیتؑ کو قتل کرنا، ان کے مبارک دانتوں پر چھڑی سے مارنا اور کٹے ہوئے سروں کو نیزوں پر چڑھانا وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح کا طرزِ تفکر ان لوگوں کا ہے جو تاریخ اور سیرت سے جاہل اور عقیدہ و مذہب کے اعتبار سے عامی ہوں اور چاہتے ہوں کہ اس طرح کے مطالب سے رافضیوں کو غضب ناک کریں۔(الفروع، ج ۳، ص ۵۴۸، باب قتال اھل البغی، طبع المنار، سال ۱۳۴۵ھ)

تفتازانی لکھتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے قتل پر یزید کا راضی اور خوش حال ہونا اور اس کا اہلِ بیتؑ پیغمبرؐ کی توہین کرنا اگرچہ ہر ایک خبرِ واحد ہے لیکن مجموعی طور پر یہ متواتر ہے۔ ہمیں اس کے بارے میں بلکہ اس کے بے ایمان ہونے کے متعلق کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ لَعنَۃُ اللہِ عَلَیہِ وَعَلٰی اَنصَارِہٖ وَاَعوَانِہٖ۔(شرح النسفیہ: ص ۱۸۱)

ابن خرم لکھتے ہیں: یزید کا قیام صرف دنیاوی مقاصد کے لیے تھا، اس کے کام کسی طرح سے بھی قابلِ توجیہ نہیں ہیں اور وہ فقط ایک ستم گر، متکبر اور زانی شخص تھا۔(المحلی: ج ۱۱، ص ۹۸)

شوکانی تحریر کرتے ہیں: بعض اہلِ علم نے بے جا تندرُوی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ دخترِ پیغمبرؐ کے فرزند حسینؑ، خدا اُنھیں خوشنود کرے، یزید بن معاویہ جیسے بدمست شراب خوار کہ جس نے شریعتِ مطہرِ پیغمبرؐ کی حرمت پامال کی، کی مخالفت اور نافرمانی کی وجہ

---

[1] اس سال میں لوگوں کی ناموس کے ساتھ اس طرح سے سلوک کیا گیا کہ مدینہ کی عورتوں سے ایک ہزار نامشروع بچے پیدا ہوئے۔

سے قتل ہوئے۔ (نیل الاوطار: ج ۷، ص ۱۴۷)

جاحظ لکھتے ہیں: قتلِ حسینؑ، رسولؐ خدا کی بیٹیوں کو قیدی بنانے، حسینؑ کے سامنے والے دانتوں پر چھڑی مارنے، مدینہ میں رعب و وحشت پیدا کرنے (دہشت گردی کرنے) اور خانہ کعبہ کو تباہ و برباد کرنے جیسے منکرات کہ جن کا یزید نے ارتکاب کیا ہے، تمام کے تمام اس کی (قلبی) قساوت، گستاخی، (ذہنی) بیماری، بے دینی، کینہ توزی، دشمنی اور نفاق پر دلالت کرتے ہیں اور اس پر دلیل ہیں کہ وہ ایمان و اسلام سے خارج ہو چکا ہے، وہ فاسق و فاجر اور ملعون ہے اور جو کوئی بھی کسی ملعون کی برائیوں کو بیان کرنے سے روکے وہ خود بھی ملعون ہوگا۔ (رسائل الجاحظ: ص ۲۹۸، الرسالۃ الحادیۃ عشر فی بنی اُمیہ)

حلبی نقل کرتے ہیں: استاد شیخ محمد بکری اپنے باپ کی پیروی کرتے ہوئے یزید پر لعنت کرتا اور مزید کہتا کہ خدا اس کی بدنامی و ذلت میں اضافہ کرے اور اسے جہنم کے اسفل السافلین درجہ میں جگہ دے۔ (سیرہ حلبیہ)

اسی طرح ابوالحسن علی بن محمد کیاھراسی بھی اس پر لعنت کرتا اور کہتا تھا کہ اگر میرے لیے مقدور ہوتا تو میں اس شخص کی رُسوائیوں کو تحریری صورت میں پیش کرتا۔ (تاریخ ابن خلکان: ج ۱، ص ۳۵۵، ترجمہ کیاھراسی)

ذہبی اپنی کتاب ''اعلام النبلاء'' میں لکھتے ہیں: یزید بن معاویہ ایک ناصبی (دشمن اہلِ بیتؑ) سخت گیر، بدخو، کمینہ اور بے ادب تھا، ہمیشہ شراب پیتا، منکرات کا مرتکب ہوتا۔ اس نے اپنی حکومت کا آغاز حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل سے کیا اور مدینہ میں واقعۂ حرہ کو انجام دے کر اسے ختم کیا کہ جس کی وجہ سے لوگ اس سے متنفر تھے، اس نے اپنی زندگی میں کوئی اچھائی نہیں کی ہے۔ (کتاب روض الباسم: ج ۲، ص ۳۶، تالیف محمد بن ابراہیم وزیر یمانی)

شیخ محمد بن عبدہٗ لکھتے ہیں: جب بھی دنیا میں دو حکومتیں موجود ہوں ان میں ایک حکومت عدل ہو کہ جو احکامِ اسلام کو نافذ کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہوتی ہے اور دوسری حکومتِ ظلم و جور ہو کہ جو احکامِ اسلام کو معطل کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا نہیں ہوتی تو اس صورت میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ پہلی حکومت کی مدد اور حمایت کرے۔

اس کے بعد مزید بیان کرتے ہیں کہ فرزند رسولؐ حضرت امام حسینؑ کا امام ظلم و جور یزید بن معاویہ کے خلاف قیام بھی اسی قسم کا ہے کہ وہ حیلہ گری اور نیزہ و شمشیر کے زور پر مسلمانوں کا حاکم بنا۔ خداوندا اسے اور تمام نواصب اور کرامیہ کو ذلیل و خوار کرے کہ جو اس کی حمایت کرتے ہیں۔ (تفسیر المنار: ج ۱، ص ۳۶۷، سورۂ مائدہ: ۳۶، ۳۷۔ ج ۲، ص ۱۸۳-۱۸۵)

ابن تغر بردی حنفی کہتے ہیں: یزید ایک فاسق اور ہمیشہ شراب خوار شخص تھا۔ (النجوم الزہراء: ج ۶، ص ۱۶۳)

وہ مزید لکھتے ہیں: ایک دن عمر بن عبدالعزیز قزوینی نے بغداد میں یزید کو کلمہ امیرالمومنین سے ملقب کیا۔ میں نے اس شخص پر تعزیر (شرعی حد) جاری کرنے کے بارے میں علماء سے فتوے لیے۔ اس پر حکم تعزیر جاری کرنے کے بعد اسے بغداد سے نکال دیا گیا۔ وہ وہاں سے اپنے شہر قزوین لوٹ گیا تھا۔ (النجوم الزاھر: ج ۶، ص ۱۳۶، حوادث ۵۹۰ھ)

ابوشامہ نقل کرتے ہیں: احمد بن اسماعیل بن یوسف قزوینی بغداد آیا، وہ عاشورا کے دن نظامیہ کے علاقے میں منبر پر گیا اور لوگوں کو واعظ و نصیحت کی۔ کسی نے اس سے کہا کہ یزید بن معاویہ پر لعنت کرو تو اس نے جواب دیا کہ یزید مجتہد تھا، اس نے اپنے فتوے کے مطابق عمل کیا ہے، یعنی کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کوئی اس پر لعنت کرے۔ اس دوران میں اچانک کسی نے اس پر حملہ کر دیا اور وہ اسے قتل کر دینا چاہتا تھا کہ وہ منبر سے نیچے گر گیا۔ پھر اسے بغداد سے نکال دیا گیا۔ پھر وہ قزوین چلا گیا اور ۵۹۰ھ میں وہاں پر ہی مرا۔ (رجال قزوین)

ابن جوزی کا نواسہ نقل کرتا ہے: ایک دن کسی نے میرے نانا جوزی سے یزید پر لعنت بھیجنے سے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: احمد (حنبل) اس پر لعنت کرنا جائز سمجھتے ہیں اور ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم بھی اسے دوست نہیں رکھتے ہیں۔ اس کی ان جنایتوں کی وجہ سے جو اس نے دختر رسولؐ خدا کے بیٹے حسین علیہ السلام کے ساتھ روا رکھیں، آل رسولؐ کو اسیر کیا، بے پالان اُونٹوں پر سوار کیا اور شام کی طرف لے گیا، اور ایسی گستاخیاں کیں جو اس نے رسولؐ خدا کے ساتھ کیں۔ اگر اسی جملے (کہ ہم اسے دوست نہیں رکھتے) کو کافی سمجھو تو ٹھیک ہے ورنہ ہم اپنی پہلی بات کی طرف لوٹ جائیں گے کہ ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (مرآت الزمان:

ج۸،ص ۳۹۶، حوادث سال ۵۹۷ھ)

اہل سنت کے علماء اور بزرگوں کی طرف سے یزید کی اس قدر مخالفت اور لعنت و ملامت کے باوجود عبدالمغیث ابن زُہیر بن علوی حربی نے کس طرح اپنے آپ کو آمادہ کیا کہ یزید بن معاویہ کے فضائل پر ایک کتاب لکھے۔ (طبقات الحنابلہ لابن رجب: ج۱،ص ۳۵۶)

ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس نے یزید کا کون سا اچھا کام یا اس کی خوبی دیکھی ہے کہ جسے اس نے اِس کتاب میں لکھانا چاہا ہے؟ کیا یزید کی زندگی میں تباہی و بربادی اور مقدساتِ شریعت پر حملوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ وہ کتاب اس قدر بے کار و بے بنیاد لکھی گئی ہے کہ علماء نے اس کی کوئی اعتنا نہیں کی ہے۔

ابن عماد اپنی کتاب "شذرات الذھب" میں بیان کرتا ہے کہ اس کتاب میں خلاف واقع اور من گھڑت مطالب لکھے گئے ہیں۔ (شذرات الذھب: ج۴،ص ۲۷۵، حوادث ۵۸۳ھ)

ابن کثیر کتاب بدایہ: ج۲،ص ۳۲۸ پر لکھتا ہے: ابن جوزی نے اس کتاب کے رد میں بہت اچھا لکھا ہے اور صحیح کام انجام دیا ہے۔ کتاب کامل: ج۱۱،ص ۳۱۲ پر بیان ہوا ہے اور اس کتاب میں عجیب وغریب مطالب تحریر کیے ہیں۔

ابن رجب نے کتاب طبقات الحنابلہ: ج۱،ص ۳۵۶ پر لکھا ہے کہ ابن جوزی نے اس کتاب کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے اور اس کا نام "الرد علی المتعصب العنید المانع من لعن یزید" رکھا ہے۔

اس سے بھی حیران کن بات یہ ہے کہ جب عبدالغنی مقدسی سے یزید کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو وہ فتویٰ دیتا ہے کہ اس کی خلافت صحیح ہے کیوں کہ من جملہ ابن عمر، ساٹھ اصحاب نے اس کی بیعت کی ہے اور اگر کسی نے اسے مثبت جواب نہیں دیا یا اس کی بیعت نہیں کی تو وہ اس جہت سے نہیں تھا کہ وہ اسے اصحابِ پیغمبرؐ میں سے نہیں سمجھتا تھا بلکہ اس جہت سے تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے باپ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے فتنہ وفساد برپا کرلے، لہٰذا فتنہ کا سدِ باب کرنے کی وجہ سے اپنی رائے نہیں دی ہے۔ (طبقات الحنابلہ لابن رجب: ج۲،ص ۳۴)

اس سے زیادہ حیران کن ابن حجر ہیثمی کا انکار ہے کہ وہ لکھتا ہے: امام حسین علیہ السلام کو

قتل کرنے پر یزید کا راضی ہونا یا ان کے قتل کا حکم دینا مورخین کے درمیان متواترات میں سے ہے اور اس کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر وہ جو سورج کی روشنی کا منکر ہو۔(الفتاویٰ الحدیثیہ: ص ۱۹۳)

ابن جریر اور سیوطی لکھتے ہیں: جب حسین علیہ السلام قتل ہو گئے تو یزید ان کے قتل پر خوش ہوا۔ ابن زیاد اس کا مقرب اور اس کے نزدیک قابلِ احترام ہو گیا، لیکن کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ یزید پشیمان ہو گیا۔(تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۹، تاریخ خلفاء: ج ۱، ص ۱۳۹)

خوارزمی لکھتا ہے کہ یزید بن نعمان بن بشیر نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی قَتَلَ الْحُسَیْنَ ''تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں کہ جس نے حسینؑ کو قتل کیا''۔(مقتل الحسینؑ خوارزمی، ج ۲، ص ۵۹)

کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا اور وہ جس طرح سے منکرات میں غرق تھا اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا جیسا کہ اس کے باپ معاویہ کو سرکشی، ستم اور صاحب شریعت کے احکام کے ساتھ دشمنی میں چھوڑا گیا۔ کیا یہ معاویہ ہی نہیں تھا کہ جب اس کے باپ صخر نے اظہارِ اسلام کیا تو اس نے اس سے کہا: کیا تم مسلمانوں کی برق افروز اور چمکتی ہوئی تلواروں کے ڈر سے مسلمان ہوئے ہو؟ اور مزید کہا:

یَا صَخْرُ لَا تُسْلِمَنْ طَوْعًا فَتَفْضَحَنَا ... بَعْدَ الَّذِیْنَ بِبَدْرٍ اَصْبَحُوْا حِزَقًا
لَا تَرْکُنَنَّ اِلٰی اَمْرٍ تُقَلِّدُنَا ... وَالرَّاقِصَاتُ بِنُعْمَانٍ بِهِ الْحُرَقَا
فَالْمَوْتُ اَهْوَنُ مِنْ قِیْلِ الْعُدَاةِ لَنَا ... خَلَّی ابْنُ هِنْدٍ عَنِ الْعُزّٰی کَذَا فَرَقَا
فَاِنْ اَبَیْتَ اَبَیْنَا مَا تُرِیْدُ وَلَا ... تَدَعْ عَنِ اللَّاتِ وَالْعُزّٰی اِذَا اعْتَنَقَا

''اے صخر! اسلام قبول کر کے ہمیں ذلیل و رسوا نہ کر، قبل ازیں جنگ بدر کی لاشوں نے ہمارے قلوب کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ تم کسی ایسے امر کا حصہ نہ بننا کہ جس کی ہمیں بھی پیروی کرنا پڑے جبکہ نعمان کی رقاصاؤں کے دل جل چکے ہیں۔ ہمارے لیے موت اس سے زیادہ آسان ہے کہ جوان ہمیں یہ کہتے پھریں کہ ہند کا بیٹا عزیٰ کی حفاظت سے بھاگ گیا ہے۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو ہم بھی انکار کر دیں گے۔ اگر کچھ لوگ

لات وعزیٰ کی پوجا کرتے ہیں تو انھیں پوجا کرنے دو، انھیں مت روکو"۔

اس کے جدّ صخر نے فتح مکہ کے دن پیغمبر اکرمؐ کے چچا عباس سے کہا: محمدؐ کے اقدامات بادشاہی اور کشور کشائی کے اقدامات ہیں تو جناب عباسؓ نے اس کے جواب میں کہا: تم برباد ہوجاؤ! یہ بادشاہی نہیں ہے بلکہ نبوت و پیغمبری ہے۔ (کامل ابن اثیر: ج ۲، ص ۹۳)

اس بنا پر ابن میسون "یزید" تمام برائیوں کا نچوڑ ہے، وہ تو ہرگز مملکت داری کی صلاحیت نہیں رکھتا، خلافتِ الٰہی کا مسئلہ تو بہت دُور کی بات ہے۔ درحالانکہ فرزند رسولؐ اور جنت کے جوانوں کے سردار حضرت امام حسینؑ موجود ہیں۔ وہ حسینؑ کہ جن کے پدر گرامی وہ ہیں کہ جن کے جہاد سے اسلام محکم و پائے دار ہوا اور ان کی والدہ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔

وہ حسینؑ کہ جو خامسِ آلِ عبا ہیں اور حدیث ثقلین کے مطابق ہم پلۂ قرآن ہیں۔ وہ حسینؑ کہ جن کے علم و دانش کے چشمے ہر طرف سے بہہ رہے ہیں، وہ جس طرف بھی توجہ کریں ان کا نور چمکتا ہے۔ نبوت کی پاکیزہ خوشبو نے ان کی توجہ کے باعث پورے معاشرے کو معطر کردیا اور ستارۂ امامت نے ان کے چہرے کی لکیروں سے چمک دمک لی ہے۔

جب ولید نے امام حسین علیہ السلام کو یزید کی بیعت کرنے کے لیے کہا تو امامؑ نے اسی معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کے جواب میں فرمایا:

> اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اِنَّا اَهْلُ بَیْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلَائِکَةِ بِنَا فَتَحَ اللّٰهُ وَبِنَا یَخْتِمُ یَزِیْدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمْرِ وَقَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحَرَّمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ وَمِثْلِیْ لَایُبَایِعُ مِثْلَهٗ
>
> "اے ولید! ہم اہلِ بیتؑ نبوتؐ، معدنِ رسالتؐ اور فرشتوں کی آمد و رفت کا محل ہیں۔ خداوند نے ہر چیز کا آغاز ہم سے کیا اور ہر چیز کی انتہا بھی ہم پر ہی کرے گا، لیکن یزید ایک فاسق، شراب خوار اور نفسِ محترمہ کا قاتل شخص ہے اور ظاہر بہ ظاہر فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس بنا پر میرے جیسا شخص یزید جیسے کی ہرگز بیعت نہیں کرے گا۔ (لہوف: سیّد ابن طاؤس)

ان مطالب کو بیان کرنے کے بعد اس عالم نما شخص سے پوچھنا چاہیے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے کہ حسینؑ نے یزید کی بیعت منعقد ہونے کے بعد اس کے خلاف قیام کیا ہے، اس سے تمھاری کیا مراد ہے؟ یہ جعلی بیعت کب اور کہاں انجام پائی ہے؟ کن اہلِ حل وعقد نے اس کی تائید کی ہے؟ کیا اس دن اہلِ حل وعقد سے اس کی تائید ہوتی ہے جس دن اس کے باپ نے ظلم وستم اور دھوکا فریب سے بیعت لی ہے؟ یا اس وقت ہوئی جب ان مزدوروں اور راتبہ خوار شکم پرستوں نے اس کی قربت حاصل کی اور کاسہ لیسی کرتے رہے؟ یا اس دن ہوئی جب فرزندِ پیغمبر حسینؑ بن علیؑ اور بنی ہاشم نے یزید کی بیعت کرنے سے دوٹوک الفاظ میں انکار کیا اور اس میں شامل نہ ہوئے؟ یا ابن زُبیر اس میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے مکہ کی طرف فرار کر گیا اور عبداللہ بن عمر اپنے گھر میں چھپ گیا اور باہر نہ نکلا؟ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۷۰)

یا جب عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے چیخ چیخ کر کہا: یہ بیعت ستم پر مبنی اور شاہی بیعت ہے، جب بھی ایک ستم گر مرتا ہے اس کی جگہ پر دوسرا بیٹھ جاتا ہے؟ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج۳، ص ۱۹۹۔ فائق زمخشری: ج۳، ص ۲۰۳، مجالس ثعلب: ص ۵۱۹)

جب اس نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو اس کی رائے حاصل کرنے کے لیے ایک درہم اس کے پاس بھیجا گیا، لیکن عبدالرحمٰن نے یہ پیش کش رد کر دی اور کہا میں اپنا دین دنیا کی خاطر انھیں فروخت کروں گا۔ (تہذیب الاسماء نووی: ج۱، ص ۲۹۰)

مروان بن حکم نے ایک شامی شخص کو یزید کی بیعت لینے کے لیے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل عدوی کے پاس بھیجا تو اس نے کہا: مروان مجھے حکم دیتا ہے کہ میں ان لوگوں کی بیعت کروں جو میری شمشیر کے زور سے مسلمان ہوئے ہیں۔ خدا کی قسم! وہ اسلام نہیں لائے، جب کہ حکومتِ اسلامی اور اس کے اُمور کو چلانا انتہائی مشکل اور بہت بڑا کام ہے اور یزید جیسا عیاش اور لاپروا شخص جو ہمیشہ اپنے لونڈوں کے ساتھ شکار کھیلتا رہتا ہے، وہ اس مقام و منصب کے لائق نہیں ہے۔ امیرالمومنینؑ نے بھی یزید کے بعض خلافِ شرع اور بے دینی پر مبنی کاموں کی معاویہ کو خبر دی تھی۔

احنف بن قیس بھی یزید کی بیعت کے مخالفین میں سے تھا۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام

کہ جن کے بے شمار فضائل تھے اور ماضی درخشاں تھا، میدان میں موجود تھے، یا ان کے علاوہ بہت سے اور لوگ بھی تھے جو یزید سے بہتر اور لائق تر تھے۔ اس کے باوجود جب معاویہ نے یزید کو سب پر مقدم کیا تو احنف نے رسمی طور پر اس کی مخالفت کی اور معاویہ کے اشتباہ کی نشان دہی کی نیز اسے وہ شرائط یاد دلائیں جو اس نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ طے کی تھیں کہ وہ اپنا جانشین معین نہیں کرے گا اور اسے یاد دہانی کرائی کہ عراق کے لوگوں نے جب سے حسنینؑ کے ساتھ دوستی کی ہے ہرگز ان کی مخالفت اور ان سے دشمنی نہیں کی اور یہی لوگ ہیں کہ جو یزید کے سخت دشمن ہیں۔ (الامامۃ والسیاسۃ: ج ۱، ص ۱۷۰)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی معاویہ کے ساتھ گفتگو کے ضمن میں ان مطالب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اُمت محمدؐ کی راہبری اور سیاسی اُمور میں یزید کے کمال اور تدبیر کے متعلق جو کچھ تم نے کہا ہے، میں وہ سمجھ گیا ہوں۔ تم یزید کے بارے میں لوگوں کو اشتباہ میں ڈالنا چاہتے ہو، تم اس کی یوں تعریف کر رہے ہو، جیسے کسی پاک صاف اور محبوب آدمی کی تعریف کر رہے ہو یا اس کا تعارف کروا رہے ہو کہ جو لوگوں کی نگاہ سے مخفی ہے اور کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا ہے، یا ایسی چیز کی خبر دے رہے ہو کہ تمھارے خیال میں صرف تم ہی اس سے خصوصی طور پر آگاہ ہو اور کسی دوسرے کو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے، حالانکہ یزید نے اپنا عملی و عقیدتی کردار سب کے سامنے پیش کیا ہے اور تم بھی اس کے بعض اعمال جیسے سگ بازی، کبوتر بازی، گانے والی کنیزوں سے رنڈی بازی اور آلات لہو ولعب میں مشغول رہنے کو دیکھ سکتے ہو تاکہ تمھیں یقین ہو جائے کہ وہ کس قدر ہوش یار اور تیز بین ہو گا؟! اس فکر کو ذہن سے نکال دو اور اس مخلوق کا گناہ اپنی گردن پر اس سے زیادہ مت لو جو لے چکے ہو، کہ پروردگار کے نزدیک کوئی بھی تمھاری مدد نہیں کرے گا۔

خدا کی قسم! تم ہمیشہ ظلم وستم، جور وجفا اور کینہ وعداوت کے ذریعے باطل کو حق پر مقدم کرتے ہو تاکہ پیمانۂ صبر لبریز ہوجائے۔ اُس وقت تمھارے اور موت کے درمیان پلک جھپکنے تک کا فاصلہ نہیں ہوگا، جس دن ہر چیز مشہور ہوگی، تم اپنے اعمال کے سامنے پیش کیے جاؤ گے اور اس دن فرار کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے"۔ (الامامۃ والسیاسۃ: ج۱،ص ۱۸۶)

فرزند پیغمبرؐ کی نصیحتوں نے باطل کو جھٹلانے میں کوئی فائدہ نہ دیا، کیوں کہ تلواروں کی چکاچوند نے اپنے محیط پر رعب و وحشت طاری کر رکھی تھی اور طمع و لالچ کے تمام اختیارات کہ جو معاویہ کے اختیار میں تھے، دونوں اس کا موجب بنے اس لیے قدرت اور نفوذِ حق کلّی طور پر کم اور پند ونصیحت کے تمام ذرائع سودمند ثابت نہ ہوئے۔

چوں کہ معاویہ چالاک تھا، لہٰذا اس نے بے صبری سے کام نہ لیا اور امام حسین علیہ السلام کی شان میں کوئی گستاخی نہ کی، کیوں کہ اسے خوف تھا کہ کہیں کوئی ایسا فتنہ وفساد شروع نہ ہوجائے جو تمام کا تمام کام خراب کردے کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ فرزند پیغمبرؐ کبھی ظلم کے سامنے نہیں جھکیں گے اور اپنی آخری سانس تک ذرا برابر اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ آج کے ان کے پیروکل کے ان پیروؤں کی طرح نہیں ہیں کہ جو ان کے بھائی حسنِ مجتبیٰؑ کے تھے کیوں کہ یہ مسلسل معاویہ کے نوکروں اور کارگزاروں کے ہاتھوں بہت تنگ آچکے تھے۔ یہ اُن سے نفرت و بے زاری کا اظہار کرتے اور یہ مطمحِ نظر رکھتے کہ جتنی جلدی ہوسکے انھیں کھینچ کر نیچے اُتارا جائے۔ حالات اس حد تک اس کے مخالف ہوچکے تھے کہ بہت سے افراد کے لیے انھیں ذلیل وخوار کے بجائے زندیق وملحد کہنا کہیں آسان تھا۔

انھوں نے کئی مرتبہ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ حنظل (ختمہ) سے زیادہ تلخ تر گفتگو کی، جب کہ وہ ان کی امامت کے قائل تھے اور اس بات کے معترف تھے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنی طرف سے انجام نہیں دیتے بلکہ وہ سب حکمِ خدا سے کرتے ہیں۔ امیر شام کی زندگی میں ان لوگوں نے کئی مرتبہ امام حسین علیہ السلام کو اس کے خلاف قیام کرنے کی دعوت دی لیکن امام علیہ السلام نے اس کے ساتھ اپنے بھائی کے باندھے ہوئے عہد وپیمان کی رعایت کرتے ہوئے

اس کے خلاف قیام نہ کیا اور اُسے اُس وقت تک موخر کیا جس وقت تک اپنے جد بزرگوار اور پدرِ گرامی سے موخر کرنے کے بارے میں سُن رکھا تھا۔

اس بنا پر امیر شام کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اگر ان حالات میں اس کی طرف سے امام حسین علیہ السلام کی شان میں چھوٹی سی گستاخی بھی ہوئی تو شیعہ ان کے اردگرد اکٹھے ہو جائیں گے اور میرے اور ان کے درمیان فاصلہ ڈال دیں گے، جب ایسا ہوگا تو کام اس کے لیے مشکل اور خطرناک ہو جائے گا۔

یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے بیٹے یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں نصیحت کی تھی کہ اگر تم دیکھو کہ وہ اس کام پر زور دے رہے ہیں یا جب بھی دیکھو کہ وہ ظلم وستم میں رکاوٹ ہیں تو ان کے ساتھ سختی سے پیش مت آنا۔ اسی طرح اس چیز کا اضافہ بھی کیا کہ اہلِ عراق حسینؑ کو صرف قیام کرنے کی دعوت دیں گے۔ اگر کسی دن اُنھوں نے تمھارے خلاف قیام کیا اور تُو اُن پر غالب آگیا تو اُن کے ساتھ نرمی سے پیش آنا اور اچھا برتاؤ کرنا، کیوں کہ وہ ہمارے رشتہ دار ہیں اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں (تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۸۹)۔ (گویا امیر شام کی یہ نصیحت بھی تصنع پر مبنی تھی، ایسی رشتہ داری تو رسولِ معظمؐ سے ابوسفیان کی بھی تھی۔ دوسری طرف اپنی رشتہ داری تو جتائی جا رہی ہے لیکن امام حسین علیہ السلام کی رسولِ معظمؐ سے رشتہ داری کا کچھ پاس نہیں)۔

لیکن احمق اور بے وقوف یزید نے اپنے باپ کی نصیحت کی کوئی پروا نہ کی اور اس کی بے جا تندرُوی اور غصے نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اس نے کسی چیز کی کوئی پروا نہ کی اور وہ وقتی خوشی وسُرور سے سرشار تھا۔ ایسی خوشی کہ جو معاً دیرپا نہ تھی اور بہت جلد اسے انتہائی تلخ شکست اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ لوگوں نے انتہائی رکیک اور گندی گالیوں سے اس کے کاموں سے پردہ اُٹھایا۔ لوگوں سے جہاں تک ہوسکا انھوں نے اس کی توہین اور سرزنش کی۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو مسلمان نہیں تھے، انھوں نے بھی اسے فحش گالیاں دیں اور اس پر تنقید کی۔

مثلاً بادشاہ روم کے نمائندے نے جب دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کا سر یزید کے سامنے ہے اور وہ اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھڑی سے سرِ اقدس کی توہین کر رہا ہے تو اس نے وہاں پر ہلچل مچا دی۔ یزید کی محفل میں جب شور و غوغا اُٹھا تو وہ سمجھ گیا کہ وہ تمام حقائق جو اس نے توڑ مروڑ کر پیش کیے ہیں سب بے کار ہو گئے ہیں۔

یزید نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو بادشاہِ روم کے نمائندہ کی گفتگو سے ناراض ہوا اور اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ یزید کے اردگرد وہاں پر جتنے بھی لوگ بیٹھے تھے سب نے اس حکم کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس سے بلند آواز سے سنا: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

آج تک کس نے دیکھا تھا کہ بریدہ سر اس قدر خوب صورت انداز میں گفتگو کرتا ہے؟ کیا میسون کا لڑکا اُسرارِ خدا کے سامنے مقاومت کر سکتا ہے؟ یا خدا کے پاکیزہ نور کو بجھا سکتا ہے؟؟...... ہرگز نہیں۔

ہر طرف اس کے خلاف پروپیگنڈا ہو چکا تھا، ہر زبان پر اس کا برا نام تھا، حتیٰ کہ اس کا گھر بھی اس سے محفوظ نہ تھا۔ اس کی بیوی ہند بنت عمرو بن سہیل کہ جو پہلے عبداللہ بن عامر بن کریز کی بیوی تھی اور یزید اس کے سامنے دل ہار چکا تھا۔ معاویہ نے جبر و اِکراہ کے ذریعے اسے طلاق دینے پر مجبور کیا، نے جب دیکھا کہ امام حسین علیہ السلام کا سرِ اقدس اس کے گھر کے دروازے پر لٹکا دیا گیا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ اس سے خاندانِ نبوت کا تابناک نُور آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہے۔ اسی طرح جب یہ بھی دیکھا کہ اس سرِ مطہر سے تازہ خون کے قطرات زمین پر گر رہے ہیں اور ان سے بہترین خوشبو آ رہی ہے۔[1] تو یہ بہت بڑی مصیبت اس پر اثر انداز ہوئی جو وہ برداشت نہ کر سکی لہٰذا وہ حیران و پریشان اور حجاب کے بغیر سر برہنہ پردے کے پیچھے سے نکلی اور سب کے سامنے بلند آواز سے کہنے لگی: تم برباد ہو جاؤ! کیا یہ بنتِ رسولؐ کے فرزند حسینؑ کا سر ہے کہ جو میرے گھر کے دروازے پر لٹکایا گیا ہے؟!

---

[1] خطط مقریزی، ج ۲، ص ۲۸۴ پر لکھا ہوا ہے: جب امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس کو عسقلان سے آگے بڑھایا تو انھوں نے دیکھا کہ اس سے تازہ خون کے قطرے گر رہے ہیں اور وہ مشک کی خوشبو دے رہے ہیں۔

یزید اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کے سر پر کوئی چیز رکھی اور کہا: جہاں تک ہو سکے حسینؑ پر گریہ وشیون کرو کہ وہ بنی ہاشم کی فریاد سننے والے تھے۔ ابن زیاد نے انھیں قتل کیا۔ (تاریخ طبری: ج ۲، ص ۲٦۷)

اس طرح کی نسبت دینے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس مسئلہ کو مخفی رکھے تا کہ خود نفرتوں اور گالیوں سے محفوظ رہے لیکن اس سے غافل تھا کہ یہ واقعہ ہرگز خفیہ نہیں رہے گا اور سب پر عیاں ہو جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ یزید نے مدینہ کے گورنر اپنے چچازاد ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کے نام دو خط لکھے۔ ان دو میں سے ایک خط چھوٹا سا تھا کہ جسے تاریخ نے "چوہے کے کان"① سے تعبیر کیا ہے۔ یزید نے بڑے خط میں اپنے گورنر ولید بن عتبہ کو لکھا کہ تمام اہل مدینہ سے بیعت لو، لیکن اس چھوٹے سے خصوصی خط میں لکھا: حسینؑ سے ہر حال میں بیعت لو اور اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ (تاریخ طبری: ج ٦، ص ۱۸۸ و ج ۷، ص ۲۱۷)

چوں کہ یزید کو معلوم تھا کہ صلحائے زمانہ، اُمت کے اشراف اور شائستہ افراد کسی صورت میں اس کا ساتھ نہیں دیں گے اور جن لوگوں نے اس کے باپ معاویہ کے زمانے میں اس کی بیعت کی تھی۔ وہ بھی ڈر اور خوف کی وجہ سے عمل میں آئی تھی۔ یزید نے اپنے خیال میں یہ سیاست کی کہ جو رسمی اور حکومتی خطوط ہیں۔ وہ قتلِ حسینؑ کے حکم سے خالی ہوں۔ اگر کسی دن اس کا کارندہ امام حسینؑ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور لوگ اسے لعنت ملامت کرتے ہیں تو بڑی آسانی سے بچ نکلے اور سارا گناہ اپنے کارندے کی گردن پر ڈال دے اور کہے کہ جو خط میں نے لکھا ہے اس میں کہا ہے کہ تمام اہلِ مدینہ سے بیعت لے۔ اس میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ جس سے امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے کی طرف اشارہ تک ہو۔

اپنے خیال میں اس نے ایسا کام کر کے اپنے بچ نکلنے کے لیے کھلا میدان چھوڑا تھا جیسا کہ بعد میں اس نے ایسا ہی عذر پیش کیا۔ اسی لیے بعض مؤرخین بھی اشتباہ کا شکار ہوئے!! لیکن کیا اس سیاست بازی نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا؟ ہرگز نہیں (وہ ذلیل خوار ہی ہوا)۔

---

① کیوں کہ وہ خط چوہے کے کان کے مانند چھوٹا تھا اس لیے اسے اُذُنُ فَارَةٍ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

لَبَسُوْا بِمَا صَنَعُوا ثِيَابَ خِزَايَةٍ
سَودًا تَوَلَّ صِبْغُهُنَّ العَارُ

''یزیدیوں نے ذلّت و رُسوائی کا وہ لباس پہنا جو اُنھوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔ یہ ایسا لباس تھا جو تیرہ و تاریک تھا، جو ننگ و عار سے آلودہ ہے''۔

□□□

انبیائے کرامؑ راہِ حسینؑ کے لیے زمینہ ساز

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ اَسرارِ خلقت اور انبیائے الٰہی کی امانت تھا کہ جسے انھوں نے کارِ رسالت انجام دینے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھایا۔ اس کا ذکر زبانِ زد کیا اور اپنے ان اوصیا کو منتقل کیا جو اَسرارِ الٰہی کے حامل تھے تا کہ (اُن کے ذریعے) خداوند سبحان انھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظمت و بزرگواری سے آگاہ کرے کہ جنھوں نے اس نہضت کو برپا کیا اور انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ تمام کے تمام انبیاء، خاتم المرسلینؐ کی شریعت کی زمینہ سازی اور حضرت امام حسینؑ اس کی حفاظت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ انھوں نے اپنی شہادت کے ذریعے اس کا راستہ ہموار کیا تا کہ لوگ اس کے مطابق عمل کریں اور خداوند متعال اس دل سوز مصیبت پر غم زدہ اور آزردہ خاطر ہونے والوں کو اجر وثواب عنایت فرمائے۔

حضرت آدمؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ ان پر گریہ کرتے رہے۔ حضرت عیسیٰؑ ان کے قاتلوں پر لعنت بھیجتے رہے اور بنی اسرائیل کو حکم دیتے تھے کہ تم لوگ بھی ان (امام حسینؑ) کے قاتلوں پر لعنت کرو اور نصیحت کرتے تھے کہ جو کوئی بھی ان کے زمانے میں موجود ہو ان کی حمایت میں ان کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرے۔ ایسا شخص پیغمبروںؑ کے ساتھ شہید ہونے اور جنگ سے منہ نہ پھیرنے والوں کے مانند ہے۔ گویا میں ابھی سے ان کا حرم دیکھ رہا ہوں کہ تمام انبیاؑ ان کے مرقد مطہر کی زیارت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آپ جیسا خیر الکثیر آستانہ ہو جو ماہِ تاباں میں دفن ہوا ہے! (کامل الزیارات ابن قولویہ: ص ۶۷)

حضرت اسماعیلؑ صادق الوعد نے جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر سنی تو خدا کی بارگاہ میں درخواست کی کہ مجھے ان کی کمی کا پورا کرنے والا قرار دے تا کہ حضرت امام زمانؑ کے ساتھ مل کر ان کے حقوق کا انتقام لوں۔ (کامل الزیارات ابن قولویہ: ص ۶۵)

وَاخْتَارَ يَحْيٰی اَنْ يُّطَافَ بِرَأْسِهٖ
وَلَهُ التَّاَسِّی بِالْحُسَيْنِ يَكُوْنُ

"حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پسند کیا کہ ان کے سرِ مقدس کو امام حسین علیہ السلام کے سر کی طرح شہر بہ شہر پھرایا جائے، کیونکہ انھیں خبر دی گئی تھی کہ فرزندِ رسولؐ کے ساتھ اُمت اسی طرح کا سلوک کرے گی"۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے انتخاب کیا کہ ان کا سر لکڑی پر نصب کر کے گھمایا جائے تاکہ اپنے اس عمل سے انھوں نے امام حسین علیہ السلام کی اقتدا کی ہو۔

شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رُلایا اور غمگین کیا[1] جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ابھی زندہ تھے۔ اس وقت آں حضرتؐ کیا کرتے جب یہ دیکھتے کہ وہ اپنے اصحاب کے ہم راہ شبِ تاریک میں پُرفروزاں چراغوں کے مانند زمین پر گرے پڑے ہیں اور ان اور ان کے وفاداروں پر وہ پانی بند کر دیا گیا ہے جو تمام حیوانوں کے لیے مباح ہے۔

ہاں! پیغمبرِ رحمتؐ اپنے جگر گوشہ کو ایسی حالت میں دیکھ رہے ہیں کہ جس سے آسمان پراگندہ ہو جائیں۔ ہاں! رسولِ خداؐ دیکھ رہے ہیں کہ کمینے جاہلوں کی جماعت اکٹھی ہو چکی ہے تاکہ ان کے دلیروں کو زمین پر ڈھیر کر دیں۔ بعض افراد جو اس موقع پر موجود تھے، انھوں نے انھیں دیکھا کہ وہ بعض اوقات اس گروہ کی جانب نگاہ کرتے اور بعض دفعہ آسمان کی طرف دیکھتے کہ انھوں نے آپ کو قضائے الٰہی کے سپرد کر دیا ہے۔ (کامل الزیارات)

جب امیر المومنین علیہ السلام جنگِ صفین کے موقع پر کربلا کے راستے سے گزرے تو وہاں پر قیام کیا اور اپنے دستِ مبارک سے اس سرزمین کے ایک حصّے کی طرف سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہاں پر ان کے سواروں کی قیام گاہ ہے"۔ پھر ایک اور جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "یہ مقام ان کا خون بہانے کا ہے، وہ آلِ محمدؐ کا ایک گراں قدر گروہ کہ جو یہاں پر قیام کرے گا"۔ اس کے بعد فرمایا: "اے خاک! تجھ پر آفرین ہو، روزِ قیامت

---

[1] خصائص سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۵۔ مجمع الزوائد ابن حجر: ج ۹، ص ۱۸۸۔ اعلام النبوۃ ماوردی: ص ۸۳

تیرے اندر سے ایسے افراد اُٹھیں گے جو حساب کتاب کے بغیر واردِ بہشت ہوں گے"۔ (کتاب صفین، نصر بن مزاحم: ص ۱۵۷ تا ۱۵۹)

پھر ان کی آنکھوں سے اَشک جاری ہوئے، ان کے ساتھی بھی انھیں دیکھ کر گریہ کرنے لگے۔ انھوں نے اپنے خاص اصحاب سے فرمایا: میرے فرزند حسینؑ اپنے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کی ایک جماعت کے ہم راہ یہاں پر شہید ہوں گے۔ وہ شہدا کے سیّد و سردار ہیں۔ کوئی بھی ان سے بہتر نہیں ہوا اور نہ ہی بعد میں کوئی ان کے مانند ہوگا۔ (کامل الزیارات: ص ۲۷)

آں حضرتؑ سے ایک اور حدیث میں نقل ہوا ہے کہ جب انھوں نے کربلا میں آلِ محمدؐ کے جوانوں کے شہید ہونے کی جگہ دکھائی تو فرمایا:

تَبکِی عَلَیهِمُ السَّمَاءُ وَ الاَرْضُ (دلائل النبوۃ ابی نعیم: ج ۳، ص ۲۱۱)

"آسمان و زمین ان پر گریہ کریں گے"۔

بِاَبِی مَن لَا نَاصِرَ لَهُ اِلَّا اللهُ (اسد الغابہ: ج ۴، ص ۱۶۹)

"میرے باپ اس پر قربان ہوں کہ جس کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں"۔

اس کے بعد فرمایا: بنی اُمیہ مسلسل گمراہی و ضلالت کی وادی میں شمشیر زنی کریں گے اور وہ ماہِ حرام میں خونِ حرام بہائیں گے۔ گویا میں ابھی سے دیکھ رہا ہوں کہ انتہائی خوب صورت قریشی جوان اپنے خون میں غلطاں ہیں۔ بنی اُمیہ جب یہ بے گناہ خون بہائیں گے تو ان کے پاس زمین پر کوئی عذر اور بہانہ باقی نہیں رہے گا اور ان کی حکومت اور بادشاہی برباد ہو جائے گی۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۴، ص ۳۶۳، مطبوعہ مصر، طبع اوّل)

جناب سلمان فارسیؓ جب مدائن گئے تو وہ سرزمینِ کربلا سے گزرے، جب وہاں پہنچے تو کہا: یہ میرے بھائیوں کی قتل گاہ، یہ ان کی قیام گاہ اور یہ ان کا خون بہانے کا مقام ہے۔ یہاں پر اوّلین و آخرین میں سے بہترین کا فرزند قتل ہوگا۔ (رجال کشی: ص ۱۳)

جب حضرت عیسٰی بن مریم علیہا السلام کا کربلا سے گزر ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں پر ہرن چر رہا ہے۔ انھوں نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

"تم رسولِؐ خدا کے لال کی پاک سرزمین پر بڑے شوق سے چر رہا ہے۔ تم اس

سرزمین پر محفوظ ہے"۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہاں سے نافۂ آہو اُٹھایا، اسے سونگھا اور فرمایا: خداوندا! اسے محفوظ رکھ، تاکہ ان کے پدرِ بزرگوار اِسے سونگھیں اور یہ اُن کے لیے اس مصیبت سے تسلی کا باعث بنے۔ خداوندعالم نے اس نافۂ آہو کو محفوظ رکھا۔ جب امیرالمومنینؑ کربلا تشریف لائے تو یہ نافۂ آہو اُٹھایا کہ جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ چھوٹا ہو چکا تھا، اسے سونگھا اور گریہ کیا اور اسے ابن عباس کو دیتے ہوئے فرمایا:

اِحتَفِظْ بِهَا ، فَإِذَا رَأَيْتَهَا تَفُورُ دَمًا فَاعلَم إِنَّ الْحُسَيْنَ قَدْ قُتِلَ وَفِي يَومِ عَاشُورَا بَعْدَ الظُّهرِ رَآهَا تَفُورُ دَمًا

"اسے محفوظ کرلو، جب تم دیکھو کہ اس سے خون جاری ہو رہا ہے تو سمجھ لینا کہ حسینؑ قتل ہو چکے ہیں۔ ابن عباسؓ نے عاشورا کے دن ظہر کے بعد دیکھا تو اس سے خون جاری تھا"۔ (اکمال الدین وتمام النعمۃ، صدوق: ص ۲۹۵)

□□□

موت کی طرف پیش قدمی

مقدمہ

ایک ایسے مُصلح کا ہونا انسانی معاشرے کی اہم ترین ضروریات میں سے ایک ہے جو معاشرے میں رُونما ہونے والے فتنہ وفساد اور انحراف کے راستوں کو مسدود کرے، کمیوں اور خامیوں کی تلافی کرے اور معاشرے کی اہم ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پر اُٹھائے۔ اگر معاشرے میں کوئی بھی ایسا نہ ہو کہ جو اَشرار اور بدکاروں کی لگام کو کھینچ کر رکھے تو وہ معاشرہ ہوا و ہوس کے پجاریوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا۔ ہر کوئی کسی نہ کسی طرف منہ اُٹھا کر چل پڑے گا۔ دوست، دوست سے اور رشتہ دار رشتہ دار سے محفوظ نہیں ہوگا اور انسان دوسروں کی خواہشات کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔

خداوند متعال اپنے بندوں میں سے ایسے مصلح کو خود منتخب کرتا ہے کہ جس کی طہارت نفس اور ہر قسم کے عیب سے پاکیزہ ہونے کو جانتا ہو۔ اسے معصوم اور ہر قسم کی ناپسندیدہ صفات سے مبرا اور صاف و پاک ہونا چاہیے۔ اسے ناپسندیدہ صفات میں دوسروں کے ساتھ شامل نہیں ہونا چاہیے نیز مُصلح کو ایسا (بھی) نہیں ہونا چاہیے کہ جو لوگوں کو خیر و صلاح کے راستے اور نابودی و انحطاط کے موارد کی شناخت نہ کروا سکے۔

خداوند متعال نے اپنے مقدس نُور سے ذاتِ وجودِ نبی معظمؐ کو ہر قسم کے عیب و نقص سے مبرا کیا۔ تمام پاکیزہ صفات انھیں عطا فرمائیں، یہاں تک کہ انھیں ہر چیز پر فوقیت عطا کی اور وہ تابش انوار الٰہی کا مظہر اور وحی خداوند کا محلِ نزول قرار پائے کہ قلم بھی اس یکتا و بے نظیر شخصیت کی وادیِ تعریف میں حیران و سرگرداں ہے۔ اس ضمن میں رسولِؐ خدا نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

لَا یَعرِفُنِی اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنْتَ۔ ①

"(اے علیؑ) خدا اور تیرے علاوہ مجھے کوئی نہیں پہچان سکا"۔

چوں کہ پیغمبر اکرمؐ کی ظاہری زندگی ابدی و جاودانہ نہیں تھی، کیوں کہ وہ اس اعتبار سے عام لوگوں کے مانند تھے، اُدھر سے ان کے کچھ احکام و تعلیمات کُلی طور پر عنوان ہوئے تھے کیوں کہ ابھی تک خارج میں ان کے منطبق ہونے کا زمانہ نہیں آیا تھا، لہٰذا شریعتِ حق پر، جس کا ہدف اُمت کی اصلاح کرنا ہے، واجب ہے کہ وہ ایسے جانشین کو مقرر کرے جو نفسانیات، اِخلاص اور عصمت میں ان کے برابر ہو اور ان کی اِتباع کرے، کیوں کہ اندرونی رازوں اور دل میں مخفی فضائل کو ان کے خالق کے علاوہ کوئی اور نہیں پہچانتا۔ اگر وہ ان کی شناخت اُمت کے سپرد کردیتے تو ان کی تشخیص انتہائی دشوار ہوجاتی کیوں کہ وہ مخصوص فضائل و صفات جو ایک امام میں ہونے چاہییں کسی میں نہیں پائے جاتے۔ نتیجتاً ہرج مرج لازم آتا، فساد پھیل جاتا اور دشمنیاں پیدا ہوجاتیں، جب کہ یہ تمام چیزیں اس لطف کے برخلاف ہیں جو مولا اور خداوندسبحان پر واجب ہے۔

وَ رَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ؕ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ ؕ

"اور پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے، یہ اختیارات ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں"۔ (سورۂ قصص: آیت ۶۸)

وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِھِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ○ (سورۂ احزاب: آیت ۳۶)

"اور کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور رسولؐ

---

① شہید اوّل کے شاگرد حسن بن حلی اپنی کتاب مختصر، ص ۱۶۵ اور مختصر البصائر، ص ۱۲۵ پر تحریر کرتے ہیں: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ! یَا عَلِیُّ مَا عَرَفَ اللّٰہَ اِلَّا اَنَا وَ اَنْتَ وَلَا عَرَفَنِی اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنْتَ وَلَا عَرَفَکَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَا "اے علیؑ! خدا کو کسی نے نہیں پہچانا سوائے میرے اور تیرے، اور مجھے کسی نے نہیں پہچانا سوائے خدا کے اور تیرے اور تجھے کسی نے نہیں پہچانا سوائے خدا کے اور میرے"۔

کسی اَمر کے بارے میں فیصلہ کردیں تو وہ بھی اس اَمر کے بارے میں صاحب اختیار ہو اور جس شخص نے خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو چکا"۔

اس بنا پر خلافت ایک الٰہی منصب ہے، وہ اسے اس کے سپرد کرتا ہے کہ جو نبوت و رسالت کا بھاری بوجھ اپنے دوش پر اُٹھا سکے اور دعوتِ پیغمبرؐ ہر اس فرد تک پہنچائے جس تک نہیں پہنچی ہے اسی طرح اس شریعت کی طرف مفصل دعوت دے جسے نجات دینے والی عظیم ہستی لائی ہو۔ جاہل کو ارشاد کرے، غافل کو بیدار کرے اور متجاوز کو تنبیہ کرے۔ پیغمبر اکرمؐ نے بعض مصلحتوں کی وجہ سے جسے تفصیل سے ذکر نہیں کیا یا زمانے میں عدم گنجائش کی بنا پر مہمل چھوڑا ہے اسے بیان کرے۔

کتب اخبار میں متواتر اور فراواں روایات موجود ہیں جو تمام کی تمام اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسالت پیغمبر اکرمؐ کا زمانہ گزرنے کے بعد ان کی خلافتِ عظمیٰ کے لیے لائق ترین فرد صرف امیر المومنین حضرت علیؑ کی بلند و بالا شخصیت ہے۔ ان کے بعد ان کے فرزند (امام) حسنؑ، ان کے بعد ان کے بھائی سیّد الشہدا (امام) حسینؑ اور ان کے بعد ان کے بیٹے (امام) زین العابدین علیؑ، ان کے بعد ان کے فرزند (امام) محمد باقرؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے (امام) جعفر صادقؑ، ان کے بعد ان کے فرزند (امام) موسیٰ کاظمؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے (امام) علیؑ بن موسیٰ الرضاؑ، ان کے بعد ان کے فرزند (امام) محمد جوادؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے (امام) علی الہادیؑ، ان کے بعد ان کے بیٹے (امام) حسن عسکریؑ اور آخر میں ان کے بیٹے (امام آخر الزمان) ابوالقاسم محمد منتظر عجل اللہ تعالیٰ فرجہُ الشریف ہیں۔

چنانچہ بہت سی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خداوند متعال نے جس امامؑ کو بھی اپنے بندوں کے لیے حجت کے عنوان سے منصوب کیا اور اسے گمراہوں کے لیے مشعلِ ہدایت قرار دیا ہے اس کے (وجودِ مسعود) میں ایک نوری قدسی قوت رکھی ہے، جس کے وسیلے سے وہ ان تمام چیزوں سے کہ جو تھیں یا ہیں یا قیامِ قیامت تک وجود میں آئیں گی باخبر ہوتا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے:

وَ اِذَا وَلَدَ الْمَوْلُوْدُ مِنَّا رَفَعَ لَهٗ عَمُوْدُ نُوْرٍ یَرٰی بِهٖ اَعْمَالَ الْعِبَادِ وَمَا یَحْدِثُ فِی الْبُلْدَانِ۔ (بصائر الدرجات، صفار: ص ۱۲۸، جزء ۹
کہ جو مرحوم نوری کے ضمیمہ "نفس الرحمٰن" میں شائع ہوا ہے)

"جب ہمارا کوئی فرزند پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے آسمان سے ایک نُورانی ستون بلند ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے سے وہ بندوں کے اعمال اور جو کچھ شہروں (اور ملکوں) میں رُونما ہوتا ہے، اُسے دیکھتا ہے"۔

اس نُور سے مراد وہی قدسی قوت ہے کہ انھیں جو ذاتِ مقدس حق کی جانب سے عطا ہوئی ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے تمام حقائق کو بغیر کسی حجاب کے اصلی صورت میں دیکھ سکیں، خواہ وہ گفتار و کردار کے اعتبار سے ہوں یا ملک و ملکوت کے بادشاہوں کے لحاظ سے کیوں کہ اس قدسی قوت کے باعث پردۂ جہالت اور حجابِ غفلت کُلی طور پر اُٹھ جاتا ہے اور ان کی نگاہوں سے کوئی بھی چیز پوشیدہ نہیں رہتی ہے۔ تمام کی تمام اشیاء ان کی ذواتِ قدسیہ میں حاضر و مشہود ہیں، جیسا کہ نُور تاریک بادلوں کی اُوٹ میں سے چمکتا ہے تو ایک صاحبِ بصارت اور بینا اسے سیاہ اور تاریک پردے کے پیچھے سے دیکھتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس چیز کی خبر دی ہے کہ جو اللہ جل جلالہ کی جانب سے انھیں عطا ہوئی اور جس کے وسیلے سے وہ اوّلین و آخرین کے اَمر، زمین و آسمان اور وَمَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ سے آگاہ ہوتے ہیں، حتیٰ کہ تمام اشیاء ان کے نزدیک حضورِ عینی رکھتی ہیں۔ (مختصر البصائر: ص ۱۰۱)

پھر اس کو ثابت کرنے کے لیے یوں استدلال فرماتے ہیں:

كُلُّ مَا كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَنَا مِثْلُهٗ اِلَّا النُّبُوَّةَ وَالْاَزْوَاجَ

"ہر وہ چیز جو رسولِ خدا کے لیے ہے اس کی مثل ہمارے لیے بھی ہے سوائے نبوت اور (نصاب سے زیادہ) بیویوں کے"۔ (مختصر البصائر: ص ۲۰)

اس بات کی طرف توجہ رہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ قرآن کی صریح نص کے مطابق کہ ارشادِ قدرت ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ

تَطۡهِيۡرًا○ (سورۂ احزاب، آیت ۳۳)

"اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہلِ بیتؑ! تم سے ہر برائی کو دُور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے"۔

یہ ہستیاں فیضِ اقدس کو اُٹھانے کی قابلیت رکھتی ہیں اور مبداء اعلیٰ میں کسی قسم کی کوئی کنجوسی اور بخل نہیں پایا جاتا ہے۔ یہ مطلب ان کے حق میں غلو نہیں ہے کیوں کہ کسی شخص کے بارے میں غلو اس کے لیے ایسی صفت کو ثابت کرنا ہے جو حکمِ عقل کے خلاف ہو یا اس کے اندر اس صفت کی قابلیت موجود نہ ہو، جب کہ عقل ہرگز خداوندعالم کے لطف وکرم کی منکر نہیں ہے۔

کس طرح پروردگار کے لطف وکرم کا انکار ہو سکتا ہے درحالانکہ گناہ گاروں اور اس کی بارگاہِ اقدس میں نافرمانی اور سرکشی کرنے والوں پر ہمیشہ اس کے الطاف کی بے بہا بارش برستی ہے، گویا ان کا خُدا پر کوئی احسان ہو۔ اس کے باوجود خداوند متعال اپنی رحمتِ واسعہ کے باب سے ان کے حق میں احسان کرنے سے ہرگز دریغ نہیں کرتا اور نہ ہی ان پر اپنی رحمت کے دروازے بند کرتا ہے۔ جو کوئی بھی اس سے مانگتا ہے وہ اسے نااُمید نہیں کرتا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جو ناقابلِ انکار اور مسلّمات میں سے ہے۔ خداوند منّان جب باغیوں اور سرکشوں سے یوں برتاؤ کرتا ہے تو واضح ہے کہ پھر ان ہستیوں کے ساتھ کس طرح سے سلوک کرے گا جو حقیقتِ احمدیہ اور نُورِ خدا سے مُشتق ہوں اور جب مبدائے فیاض تک پہنچیں اور فیض پہنچانے کی قابلیت ولیاقت رکھتی ہوں؟! اس بنا پر ان کے بارے میں کہا جائے کہ وہ علمِ غیب رکھتے ہیں، بندوں کے اعمال سے آگاہ ہیں، مختلف شہروں (اور ملکوں) کے حادثات و واقعات کو جانتے ہیں اور مَا كَانَ وَمَا يَكُوۡنُ کا علم رکھتے ہیں۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ حیران کن ہے، کیوں کہ جس غیب کی ان کی طرف نسبت دی جاتی ہے وہ ایسا غیب نہیں ہے جو ذاتِ باری تعالیٰ سے مخصوص ہے اور آئمہ علیہم السلام کے بارے میں محال ہو، کیوں کہ خدا کا غیب ذاتی ہے اور آئمہ علیہم السلام کا غیب وَہبی اور خداوند متعال کی طرف سے عطا شدہ ہے۔ لہٰذا وہ خدا کے فیض اور لطف سے اشیا کی خصوصیات اور حوادث سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

اس بنا پر علمِ غیب کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ایسی ہے کہ جو عین واجب الوجود ہے اور زمین و آسمان کے خالق کے سوا کسی بھی علّت کا معلول نہیں ہے۔ دوسری قسم ایسی ہے جو علّت کا معلول اور فیضِ الٰہی کے وجود پر متوقف ہے۔ انبیا اور اوصیا کے پاس علمِ غیب کی دوسری قسم ہے۔

اہلِ سنت کے مشہور و معروف مفسر علامہ آلوسی نے آیہ شریفہ قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ "کہہ دیجیے کہ آسمان اور زمین میں غیب کا جاننے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے" (سورۂ نمل: آیت ۶۵) کے ذیل میں اسی علمِ غیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: شاید حق یہ ہو کہ کہا جائے وہ غیب جس کی غیر خدا سے نفی ہوئی ہے وہ ایسا غیب ہے جو ثبوت میں کسی واسطہ کے بغیر اس کی ذات سے مختص ہے۔ قرآن علمِ غیب کی ایسی قسم نہیں ہے کہ جس کی نفی ہوئی ہے اور خاص بندوں میں پایا جاتا ہے بلکہ وہ ایسا علم ہے جو ذاتِ واجب کی طرف سے بعض وجوہات کی بنا پر انھیں تفویض کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر یہ نہیں کہنا چاہیے کہ وہ غیب کو اس معنی میں جانتے ہیں (جیسے خدا جانتا ہے) جو کفر ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ وہ حجاب کو ایک طرف ہٹاتے ہیں اور غیب سے آگاہ ہوتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی: ج ۲۰، ص ۱۱)

اس پر حضرت امام محمد تقی الجواد علیہ السلام کا وہ فرمان شاہد ہے کہ جس میں انھوں نے مامون کی بیٹی اُمّ الفضل کو اس چیز کے بارے میں خبر دی جو عورتوں کو ایامِ عادت میں عارض ہوتی ہے۔ اُمّ الفضل نے کہا: خدا کے سوا غیب تو کوئی نہیں جانتا، آپؑ کو اس کا کیسے علم ہوا؟

حضرتؑ نے فرمایا:

وَاَنَا اَعلَمُہُ مِن عِلمِ اللّٰہِ

"میں اسے علمِ خدا سے جانتا ہوں"۔ (بحار الانوار: ج ۵۰، ص ۲۹-۳۰)

اس بنا پر آئمہ علیہم السلام ہر لحظہ فضلِ الٰہی کے محتاج ہیں، یوں کہ اگر فیوضاتِ الٰہی ہمیشہ اور پے در پے (مسلسل) نہ پہنچیں تو ان کی تمام معلومات ختم ہو جائیں گی جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

لَوْلَا اَنَّا نَزْدَادُ فِي كُلِّ لَيْلَةِ الْجُمْعَةِ لَنَفِدَ مَا عِنْدَنَا

"اگر ہر شب جمعہ ہمارے لیے فیوضات الٰہی میں اضافہ نہ ہوتا تو ہمارے تمام علوم نابود ہو جاتے"۔ (اصولِ کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس سے یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ ان کا علم خدا کی طرف سے ہے اور شبِ جمعہ کے ساتھ اختصاص اس رات کی برکت کے باعث ہے کیوں کہ دوسری راتوں کے برخلاف اس رات میں اوّل شب سے لے کر صبح تک الطاف ربانی بندوں پر نازل ہوتے ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اس فرمان: يَبْسُطُ لَنَا الْعِلْمَ فَنَعْلَمُ وَيَقْبِضُ عَنَّا فَلَا نَعْلَمُ "ہمارے لیے بساطِ علم بچھائی جاتی ہے تو ہم تمام چیزوں کو جان لیتے ہیں اور اکٹھی کر لی جائے تو ہم کچھ بھی نہیں جانتے" کی بازگشت بھی اسی معنی کی طرف ہے۔ (مختصر البصائر: ص ۶۳۔ بحار الانوار: ج ۲۶، ص ۹۶)

اگر قرآن میں کوئی سورۂ جن کی اس آیت کو پڑھے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (آیت ۲۶، ۲۷)

"وہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا ہے، مگر جس رسول کو پسند کرے......"۔

تو کیا پھر بھی شک و تردّد کا شکار ہوگا۔ وہ ہستی جو قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی مصداق ہے جو پیغمبر مرتضیٰ و مقبولِ خدا ہیں، ان کے علاوہ کوئی بھی اس مقام و مرتبہ تک نہیں پہنچا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

كَانَ وَاللّٰهِ مُحَمَّدًا مِمَّنِ ارْتَضٰى

"خدا کی قسم! محمدؐ مَنِ ارتَضٰی کے مصادیق میں سے تھے اور خداوند کہ جس نے ان کے جانشینوں کو نُورِ محمدیؐ سے مُشتق کیا، ہرگز انھیں اس مقام و منزلت سے دُور نہیں کرتا ہے"۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا وہ جواب جو انھوں نے عمرو بن ہذاب کو دیا تھا وہ اسی مطلب پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ اس نے اسی آیت کے ذریعے استدلال کر کے آئمہ علیہم السلام کے علمِ غیب کو رد کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: خدا کے نزدیک مرتضیٰ رسول اللہ ہی ہیں اور ہم اسی پیغمبرؐ کے وارث ہیں کہ خداوند متعال نے جنھیں اپنے غیب سے آگاہ کیا ہے۔ اس بنا پر ہم بھی ہر اس چیز کا علم رکھتے ہیں جو واقع ہو چکا ہے اور تا قیامِ قیامت واقع ہوگی۔ (1)

رسولِ خدا کس طرح دوستِ خدا، رسولِ مرتضیٰ اور مقبولِ خدا نہ ہوں جب کہ خداوند قدوس نے کسی فرشتے کو واسطہ بنائے بغیر مستقیم طور پر انھیں اپنے ساتھ گفتگو کا افتخار بخشا۔ جنابِ زرارہ نقل کرتے ہیں: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے رسولِ خدا پر غشی اور بے ہوشی طاری ہونے کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ کیا نزولِ وحی کے وقت ایسا ہوا تھا؟

حضرتؑ نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ حالت اس وقت ہوتی تھی جب آں حضرتؐ نے کسی واسطہ کے بغیر مستقیم طور پر ذاتِ حق سے گفتگو کی تھی، حتیٰ کہ جنابِ جبرئیلؑ بھی پیغمبر اکرمؐ کی اجازت کے بغیر ان کے پاس نہیں جاتے تھے۔ وہ جب بھی حاضر ہوتے ایک غلام کے مانند رسولِ خدا کے سامنے بیٹھتے۔ (توحید، شیخ صدوق، طبع جامع مدرسین: ص ۱۱۵، حدیث ۱۵)

اگر رسولِ خدا کسی ایسی حالت میں ہوتے کہ جس میں وارد ہونے میں مصلحت نہ ہوتی تو وہ باہر دروازے پر کھڑے رہتے تاکہ پیغمبر اکرم گھر سے باہر تشریف لائیں (اور ان تک پیغام پہنچائیں)۔ وہ جگہ جہاں پر گھر سے باہر جنابِ جبرئیلؑ ٹھہرتے تھے وہ ناؤدان (پرنالے) کے برابر تھی۔ (بحار الانوار: ج ۷۴، ص ۳۰۷)

مرحوم شیخ صدوقؒ نے انھی روایات کی اساس پر کہ جو خدا کے نزدیک آں حضرتؐ کا عظیم مقام و مرتبہ مشخص کرتی ہیں، اپنی کتاب ''اعتقادات'' وحی اور غشیہ کے بارے میں تالیف کی ہے۔ (کتاب اعتقادات صدوقؒ، ملحق بہ باب حادی عشر)

---

(1) ہذاب ضراب کے وزن پر ہے۔ یہ ایک ناصبی شخص تھا جو اہلِ بیتؑ کے مخالفین میں سے تھا۔ (بحار الانوار: ج ۴۹، ص ۷۳-۷۵)

جناب شیخ مفیدؒ نے بھی اپنی شرح میں اس کا انکار نہیں کیا اور فرمایا ہے کہ وحی کی ایک قسم یہ ہے کہ جسے رسولِ خدا نے اپنے اور خدا کے درمیان کسی واسطہ کے بغیر مستقیم طور پر سنا ہے اور وحی کی دوسری قسم یہ ہے کہ جسے فرشتے کے ذریعے سنا ہے۔ (شرح اعتقادات صدوقؒ: ص ۲۸، ملحق بہ مقالات طبع تہران)

حجۃ الاسلام مرحوم شیخ اصفہانی (المعروف آقائے نجفی) نے کتاب اعتقادات میں اس مطلب کا اضافہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: پیغمبر اکرمؐ قبل اس کے کہ ان پر وحی نازل ہو وہ ان تمام فنون و معارف، اسرار طبیعت اور اشیا کے خواص سے آگاہ تھے کہ جن کی طرف قرآن میں اشارہ ہوا ہے۔ انھوں نے صرف انھیں مکمل کیا ہے۔ البتہ خداوند متعال کہ جس نے وحی سے قبل ان علوم کی تعلیم دی اس نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ انھیں وحی نازل ہونے سے قبل کسی کو تفویض نہ کریں۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ

”آپ وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن کے بارے میں عجلت سے کام نہ لیا کریں“۔ (سورۂ طٰہٰ: آیت ۱۱۴)

اگر رسولِ خدا قرآن اور اس کے محتویٰ سے بے خبر ہوتے تو معانی و مطالب کو بیان کرنے سے روکنا بے معنی ہوتا۔ جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی طرف توجہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ موجودہ، گذشتہ اور مستقبل میں رُونما ہونے والے حادثات و واقعات کے متعلق آں حضرتؐ کا علم ان پر جبرئیلؑ کے نازل ہونے کے ساتھ مربوط نہیں ہے کیوں کہ خداوند سبحان کے الطاف مبارکہ نے خلقت جبرئیلؑ سے قبل ان کے لیے تمام حقائق واضح کر دیے تھے۔

یہاں پر ایک اور منظر ظاہر ہوتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے دقت نہیں کی وہ متوجہ نہیں ہوتے کہ ایسی بلند مرتبہ شخصیتوں کے لیے جلال و جمال کے کیسے کیسے مراتب رُونما ہوتے ہیں۔ وہ منظر اس سے عبارت ہے کہ رسولِ اعظم بعثت سے قبل اور بعثت کے بعد ہر طرح کی لغت اور خط کو لکھنا اور پڑھنا جانتے تھے۔ چونکہ پیغمبر اکرمؐ درجات کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے اور یہ بھی ان درجات و صفات میں سے ایک تھا، اگر ان میں یہ صفت نہ پائی جاتی تو

ضروری ہے کہ اگر کسی موقع پر انھیں پڑھنے لکھنے کی ضرورت ہوتی تو وہ کسی دوسرے کی طرف رجوع کریں۔ اس صورت میں رسولؐ خدا اس کی نسبت مفضول شمار ہوں گے، درحالانکہ آں حضرتؐ تمام صفات اور خوبیوں میں تمام سے افضل و برتر تھے۔ جس نکتے کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے بہت سے علماء اور محققین نے اس کا اقرار کیا ہے۔ (مقالات شیخ مفیدؒ: ص ۱۲۳)[1]

گزشتہ بیانات کا خلاصہ یہ ہوا کہ خداوند متعال نے نبوت کے علاوہ جو فضائل اور خوبیاں اپنے پیغمبرؐ کو عطا کی ہیں وہ تمام کی تمام آئمہ علیہم السلام کو عنایت فرمائی ہیں۔ کیونکہ وہ خاتم الانبیا ہیں، ان کے بعد کوئی بھی نبی نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ ازواج کا ہے کہ چار سے زیادہ

---

① شیخ طوسیؒ تفسیر بیان اور مبسوط، ج ۸، ص ۱۲۰ پر تحریر کرتے ہیں: وَالَّذِی یَقْتَضِیهِ مَذْهَبُنَا اَنَّ الْحَاکِمَ یَجِبُ اَن یَکُونَ عَالِمًا بِالْکِتَابَةِ وَالنَّبِی عِنْدَنَا کَانَ یُحْسِنُ الْکِتَابَةَ بَعدَ النُّبُوَّةِ وَ اِنَّمَا لَمْ یُحْسِنُهَا قَبلَ البِعثَةِ۔

”ہمارا مذہب اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ حاکمِ وقت کو لکھنے پڑھنے پر مہارت ہونی چاہیے اور ہمارے نظریہ کے مطابق نبی کو نبوت کے بعد لکھنا پڑھنا بہتر آنا چاہیے اور یہ ملکۂ علم اعلانِ نبوت سے بہتر نہ تھا“۔

شہید اوّل غایۃ المرام علامہ حلی کتاب تحریر اور قواعد اور سید مجاہد کتاب مناہل میں اسی کے قائل ہوئے ہیں۔ ابن شہر آشوب نے مناقب، ج ۱، ص ۱۶۱ میں اس مطلب کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول: ج ۱، ص ۱۴۷، سید نے ریاض میں، فاضل ہندی نے کشف اللثام میں، مقداد نے تنقیح میں، حاج ملا علی کنی نے کتاب قضا میں بھی فرمایا ہے۔ کتاب سرائر میں ابن ادریس کی عبارت سے اس مورد میں اجماع کا استفادہ ہوتا ہے۔ اکثر فقہاء باب قضا میں مسئلۂ کتابت قاضی میں اسی مسئلے کے درپے ہوئے ہیں۔

شہاب خفاجی نے شرح شفا، ج ۲، ص ۳۹۸ اور باب سلام کی فصل ۱۵ میں ص ۵۱۳ پر اسی مسئلہ کو صراحت سے بیان کیا ہے۔ اہلِ سنت کے بزرگ مفسر علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی، ج ۲۱، ص ۴ پر آیہ شریفہ وَلَا تخطه بیمینك کے ذیل میں علماء کی ایک تعداد کا ذکر کیا ہے جو اس کے معتقد ہیں کہ آں حضرتؐ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اس کے بعد بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ صلح کا عہد نامہ آں حضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے لکھا تھا۔

استاد عبدالعظیم زرقانی نے کتاب مناہل العرفان، ص ۲۶۰، طبع اوّل میں اخبار نافیہ کو اوائل بعثت اور اخبار مثبتہ کو اواخر بعثت پر حمل کیا ہے۔

بیویاں صرف پیغمبر اکرمؐ کے لیے جائز تھیں۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں ہیں۔

وہ شخص جو آئمہ علیہم السلام کے بارے میں علمِ غیب کی بحث سے جاہل ہے اس نے اسے غلو سمجھا ہے اور نتیجتاً اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جنھوں نے شرع اور شریعت کو صحیح طور پر نہیں سمجھا انھوں نے اس کے معتقد شخص پر کفر کا حکم لگایا ہے، مثلاً شیخ زادہ حنفی نقل کرتا ہے کہ قاسم صفار نے اس شخص کے متعلق کفر کا فتویٰ دیا تھا جس نے خدا کی وحدانیت اور پیغمبر خاتمؐ کی رسالت کی گواہی دے کر نکاح کیا تھا۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کے ساتھ رسالت پیغمبرؐ کی گواہی دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ علمِ غیب جانتے ہیں لیکن صاحبِ "تتار خانیہ" نے اس سے کفر کا حکم اُٹھا لیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض اوقات پیغمبرؐ کی پاک و پاکیزہ روح پر ایسے حالات طاری ہوتے ہیں کہ جن کے باعث وہ بعض غیبی مسائل کو سمجھتے ہیں، کیوں کہ خداوند متعال کا فرمان ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ○ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ

"غیب کو خدا جانتا ہے وہ کسی کو بھی اپنے غیب سے آگاہ نہیں کرتا مگر وہ رسول جسے وہ پسند کرے"۔ (سورۂ جن: آیت ۲۶، ۲۷)

اس بنا پر اس چیز کا امکان ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات بعض مسائل کے بارے میں علمِ غیب رکھتے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نے مورد ادّعا میں نہ تو غیب کا معنی سمجھا ہے اور نہ ہی صحیح طور پر حقیقت خاتم الانبیا کو درک کیا ہے۔ ان کی عقلِ ناقص میں جو کچھ آیا ہے وہی رسولؐ خدا اور ان کی طرف علمِ غیب کی نسبت کے بارے میں کہا ہے۔

علمِ غیب کے بارے میں جو وضاحت دی گئی ہے اس کے بعد قاری محترم کے لیے کسی قسم کے شک و تردید کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ البتہ یہ بات ناقابلِ انکار ہے کہ خداوند قدوس کے پاس کچھ ایسے خاص علوم ہیں کہ جو اس نے فقط اپنے لیے انتخاب کیے ہیں اور کسی کو بھی اس سے مطلع نہیں کیا ہے جیسے روزِ قیامت کا علم۔

البتہ وہ روایات جو آئمہ علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں اور انھوں نے اپنے بارے میں

علم غیب کی نفی کی ہے مثلاً حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ تعجب ہے ان لوگوں پر کہ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں حالانکہ خدا کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ میں بعض اوقات اپنی کنیز کو تنبیہ کرنا چاہتا ہوں تو وہ چھپ جاتی ہے اور مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ گھر کے کس کمرے میں چھپ گئی ہے۔ لہٰذا مجھے کس طرح سے علم غیب ہے؟! انھیں تقیہ پر حمل کیا گیا ہے کیوں کہ داؤد رقی، یحییٰ بزاز اور ابوبصیر اس مجلس میں موجود تھے اور ان کے اندر اہل بیتؑ کے پوشیدہ علوم کو سمجھنے کی قوت و طاقت نہیں تھی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی آئمہ علیہم السلام سے غیب کی نفی کرنے کا مقصد ایسے افراد کے عقیدہ کو برقرار رکھنا ہے۔

مذکورہ توجیہہ پر دلیل یہ ہے کہ اس روایت کا راوی سُدیر ہے۔ وہ کسی اور موقع پر امام علیہ السلام کی خدمت میں آتا ہے۔ اس نے سُن رکھا تھا کہ امام علیہ السلام نے آئمہ علیہم السلام سے علم غیب کی نفی کی ہے، حیران و پریشان ہو چکا تھا۔ اس نے امام علیہ السلام کے سامنے اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ امامؑ نے اسے مطمئن کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر ایک (امام معصومؑ) اس سے کہیں زیادہ جانتا ہے، یعنی اس کے پاس پوری کتاب اور اس کے فنون، معارف اور اَسرار سب کا علم ہے۔

جناب علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول میں اس حدیث کی اعتنا نہیں کی ہے کیوں کہ اس کے راوی مجہول ہیں۔ [1]

یہ احتمال ہے کہ امام علیہ السلام نے جو فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم وہ کنیز کس کمرے میں چھپی ہوئی ہے، اس سے مراد ظاہری آنکھ سے دیکھنا ہو نہ کہ انکشاف واقعی اس بنا پر یہ جملہ کہ (مَیں نہیں جانتا) یعنی مَیں نے نہیں دیکھا ہے کہ وہ کس کمرے میں گئی ہے، ورنہ جو یہ فرماتا ہے کہ جو گزر چکا ہے اور جو کچھ بھی مجھ سے پوشیدہ ہو وہ چھپ نہیں سکتا۔ تو پھر اس سے ایک کنیز کیسے چھپ سکتی ہے، لہٰذا جب مبشر دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور کنیز دروازہ کھولنے کے لیے باہر آتی ہے تو حضرتؑ اس کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور اندر سے آواز بلند کرتے ہیں تاکہ مبشر گھر میں داخل ہو۔ مبشر نے اندر آنے کے بعد معذرت کی کہ استفادہ کی غرض سے آیا ہے نہ کہ مزاحم ہونے کے

---

[1] مرآۃ العقول، طبع اسلامیہ تہران، ج ۲، ص ۱۱۲-۱۱۳۔ اس حدیث کے ذیل میں مشروح طور پر بیان کیا گیا ہے، رجوع کریں۔

لیے۔ اس وقت حضرت اس سے فرماتے ہیں:

لَو کَانَتِ الجُدَارُ اَنْ تَحجُبَنَا کَمَا تَحجُبُکُم لٰکِنَّا وَاَنْتُمْ سَوَآءٌ

''اگر دیواریں ہمارے لیے حجاب واقع ہوں تو پھر بھی ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا''۔

اس کے بعد محمد بن مسلم سے فرمایا: اگر ہمیں معلوم نہ ہو کہ تم کس حال میں ہو اور کیا کرتے ہو تو ہمیں تم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ واقعہ نقل فرمایا جو اپنے دوست کے ساتھ ربذہ کے مقام پر پیش آیا تھا۔ (بحارالانوار: ج ۱۱، ص ۲۷، طبع قدیم)

قرآنِ مجید کا رسولؐ خدا کے بارے میں فرمانا: (وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ " سورۂ اعراف: آیت ۱۸۸) ''اگر میں غیب سے باخبر ہوتا تو بہت زیادہ خیر انجام دیتا اور کوئی بُرائی مجھ تک نہ آسکتی''۔

اس معنی کو سمجھاتا ہے کہ وہ تعلیم اور یاد کرنے میں خداوند قدوس کے محتاج ہیں۔ وہ خود بہ خود غیب کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ اور یہ مسلّم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے معصوم فرزندوں کو ایسا ملکہ وقدسیہ عنایت فرمایا ہے کہ جس کے وسیلہ سے وہ اس کو کشف کر سکتے ہیں جو کچھ دنیا میں واقع ہو چکا ہے یا آئندہ ہوگا۔ (شرح شفا خفاجی: ج ۳، ص ۱۵۰)

ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حجر اسماعیلؑ کے پاس تشریف فرما تھے اور ان کے اردگرد ان کے اصحاب بھی موجود تھے۔ اُنھوں نے اصحابؓ سے پوچھا: کیا ہمارے دائیں بائیں کوئی جاسوس تو نہیں ہے؟

اصحاب نے عرض کیا: ایسا کوئی شخص نہیں ہے۔

اس کے بعد تین مرتبہ فرمایا: اس کعبہ کے پروردگار کی قسم! اگر میں موسیٰؑ و خضرؑ کے درمیان ہوتا تو میں انھیں بتاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں اور انھیں ایسی چیزوں سے آگاہ کرتا جو ان کے اختیار میں نہ تھیں۔ کیوں کہ انھیں صرف گذشتہ اُمور کا علم دیا گیا ہے درحالانکہ ہمیں مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ وَبِمَا هُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کا علم دیا گیا ہے۔

ہم نے یہ رسولِؐ خدا سے ارث میں پایا ہے؟ (مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۱۲۹، حدیث اوّل)

اگر اس روایت کے صحیح ہونے کو قبول کرلیں اور اس کو تسلیم کرلیں کہ اس حدیث کے راویوں میں سے ابراہیم بن اسحاق احمری ضعیف نہیں ہے تو یہ کہیں گے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی اِشکال نہیں ہے کہ آئمہ علیہم السلام وسیع علم کے مالک ہوں لیکن اس پر مکلّف نہ ہوں کہ جو کچھ وہ جانتے ہیں اسے بیان کریں بلکہ ضروری ہے کہ ظاہر میں مقتضائے تقیہ کے مطابق عمل کریں یا بعض اصحاب کی صورتِ حال کا لحاظ کریں جو احتمال دیتے ہیں کہ ان کا پیچھا کیا جارہا ہے۔

یہ حدیث ایک دوسری حدیث کی طرح ہے کہ جس میں فرمایا: میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ جنّت وجہنّم میں جو کچھ ہے اس سے بھی باخبر ہوں اور جو کچھ رُونما ہوچکا ہے یا ہوگا اس سے بھی آگاہ ہوں۔ جب اس مسئلہ کی بلندی وعظمت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس بات کا خوف ہوا کہ وہاں پر موجود لوگ گم راہ ہوجائیں گے تو فرمایا کہ ہم نے یہ سب کچھ قرآن سے سمجھا ہے کیوں کہ خداوند کریم نے قرآن میں فرمایا ہے:

فِيهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ

"قرآن تمام چیزوں کو روشن کرنے والا ہے"۔ ①

اس بنا پر امام علیہ السلام نے اصحاب کی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے ان کے سامنے یوں استدلال کیا ہے کہ وہ قانع ہوجائیں۔

آئمہ علیہم السلام نے اپنے علوم کو بیان کرنے میں زمان اور اشخاص کی مصلحتوں کا لحاظ کیا ہے۔ امام علیہ السلام کا حضرت موسیٰؑ وخضرؑ کے بارے میں فرمانا کہ خداوند قدوس نے انھیں صرف گذشتہ (مَا كَانَ) کا علم دیا ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بچے کے مستقبل کو جانتے تھے کیوں کہ یہ مورد ان مسائل میں سے ہے کہ جو اس وقت کی مصلحت کے اعتبار سے خداوند قدوس نے حضرت خضر علیہ السلام کو اس سے آگاہ کیا تھا۔

---

① فِيهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ نقل معنی ہے ورنہ قرآن میں وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ ہے۔ (سورہ نحل: آیت ۸۹)

البتہ وہ روایت جو آئمہ علیہم السلام سے نقل ہوئی ہے کہ امام جس وقت کوئی چیز جاننا چاہے تو خداوند قدوس اُسے اس سے آگاہ کر دیتا ہے۔ (مرآۃ العقول: ج ۳، ص 119)

علم آئمہ کے کسی خاص زمانے میں محدود ہونے پر دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان قوتِ قدسیہ کے اعمال پوشیدہ حقائق اور مخفی علوم کہ جو ولادت کے وقت ان میں موجود تھے ظاہر کرنے کے لیے اِن کے ارادہ پر موقوف اور وجودِ مصلحت پر متوقف ہیں۔

مذکورہ توجیہ کے علاوہ اس طرف توجہ کرنا ضروری ہے کہ یہ مضمون اور مطلب صرف تین روایات میں ذکر ہوا ہے۔ جناب علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول میں ان تینوں روایتوں کو ان کی سند ضعیف ہونے اور بعض کو مجہول ہونے کی بنا پر رَدّ کیا ہے۔

جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند متعال نے اپنے پاک و پاکیزہ خلفا کو ایسی نُوری قوت تفویض کی ہے کہ جس کے وسیلہ سے وہ ان تمام حوادث کو کہ جو واقع ہوں گے اور جو کچھ جہانِ ہستی میں موجود ہے اور ہر طرح کی خیر و شر جو وجود میں آئے گی، جان سکتے ہیں۔ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہم اس کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ ذواتِ مقدسہ فیضِ قدسِ الٰہی کو دریافت کرنے کی لیاقت و قابلیت رکھتی ہیں اور عطا اور لطفِ پروردگار میں بخل و کنجوسی کے قائل نہیں ہوئے۔ وہ جو چاہے اور جسے چاہے عنایت فرماتا ہے۔

مذکورہ کلام بے ہودہ اور غلو پر مبنی نہیں ہوگا۔ خود آئمہ اطہار علیہم السلام نے بھی خدا کے ان خاص الطاف کا اعتراف کیا ہے کہ وہ ہر لحظہ خداوند منّان کے الطاف خاصہ کے محتاج ہیں۔ اگر وہ ایک لحظہ کے لیے اُٹھا لیے جائیں تو ان کا تمام علم ختم ہو جائے گا۔ یہ کام جب ان افراد کہ جنھوں نے اپنی پوری زندگی اطاعتِ خدا کے لیے وقف کر دی اور جن کا خمیر پاک و پاکیزہ پانی سے گوندھا گیا، ان جیسے اولیاء و صدیقین سے بعید نہیں۔ کجا یہ کہ وہ ہستیاں کہ خداوند تعالیٰ نے جنھیں اپنے دین کے لیے منتخب کیا ہے، اِسی طرح سے مرحوم شیخ مفیدؒ نے مقالات، ص ۷۷ اور علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول میں نقل کیا، بزرگ مجتہدین نے اس کی تائید کی ہے۔ مرحوم محقق آشتیانی نے بھی مرحوم شیخ انصاریؒ کی کتاب رسائل پر اپنے حاشیے کی دوسری جلد، ص ۶۰ پر اسی عقیدے کو اپنایا ہے۔

ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ قرآن کی ان دو آیتوں قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ و عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اور غیب کی جزئیات کے بارے میں اولیا و انبیا کے علم کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے کیوں کہ ان کا علم خدا کی طرف سے ہے اور یہ علمِ غیب اس علمِ غیب کا غیر ہے کہ جو تبدیلی و تغییر سے منزہ، ابدی، دائمی، ازلی اور قدیمی صفات میں سے ہے کہ جو عین ذات پروردگار ہے اور خود اس کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ علم ذاتی ہے کہ جو موجب ستائش پروردگار ہے۔ آیۂ کریمہ نے جو خبر دی ہے کہ کوئی بھی اس علم میں اس کے ساتھ شریک نہیں ہے اور پروردگار کے علاوہ اگر کوئی غیبی جزئیات کو جانتا ہے تو وہ ایسا علم ہے کہ جو خداوند کریم اِن کے اختیار میں دیتا ہے اور خداوند کریم کا انبیا و اولیا کے اختیار میں ایسا علم دینا کہ جس کے ذریعے وہ بعض غیبی چیزوں کو جان سکیں، بالکل محال نہیں ہے اور اگر کوئی اس کا منکر ہو تو اس نے عناد سے کام لیا ہے۔ واضح سی بات ہے کہ ایسا علم رکھنا خدا کے اس خاص علم کے ساتھ شریک ہونے کا باعث نہیں بنتا ہے کہ جو خداوند کریم کی ازلی صفات میں سے ہے۔ جناب نُووی نے بھی اپنی کتاب "فتاویٰ" میں اسی عقیدے کو اختیار کیا ہے۔ (الفتاویٰ الحدیث: ص ۲۲۲)

اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابن حجر غیب کے بارے میں علمِ اولیا کو بعید نہیں سمجھتا ہے لیکن وہ اس کا معتقد نہیں ہے جس کے شیعہ آئمہ علیہم السلام کے متعلق قائل ہیں کہ وہ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک رُونما ہو گا سب کو جان سکتے ہیں کیوں کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ علم کی یہ قسم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، لیکن اس نے جو ملاک و معیار بعض اولیا کے لیے مقرر کیا ہے اور کہا ہے کہ ممکن ہے خداوند متعال ایسے امکانات ان کے اختیار میں دے دے کہ وہ علمِ غیب سے مُطلع ہو سکیں، وہ شیعہ اعتقادات کے لیے مفید ہو گا، کیوں کہ علمِ غیب سے مُطلع ہونے کی میزان اگر خدا کے امکان دینے اور ان ذوات مقدسہ میں ایک خاص نُوری قوت قرار دینے کے باعث ہو تو پھر ممکن ہے کہ انھیں حدِ اعلیٰ تک بھی عطا کیا جائے اور وہ یہ کہ جسے یہ قوت دی جائے اس کی کوئی محدود حد نہیں ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ تمام اشیاء اس کے نزدیک حضور عینی رکھتی ہوں۔ جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے تعبیر کیا ہے۔

مگر ایسی اشیا ہوں کہ خداوند متعال نے جن کا علم خصوصی طور پر اپنے لیے منتخب کیا ہو، اس صورت میں کوئی بھی ان سے مُطلع نہیں ہو سکے گا خواہ اس کا علم اپنے بلند ترین نقطہ تک پہنچ جائے۔

معروف صاحبِ تفسیر نیشاپوری نے بھی اپنے اعتقاد میں ابن حجر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے کہا ہے کہ اولیاء کا صاحبِ کرامت نہ ہونا یا اس وجہ سے ہے کہ خداوند متعال اپنے اولیا کو جو دینا چاہتا ہے نہیں دے سکتا یا اس وجہ سے ہے کہ مومن میں اس کی اہلیت ولیاقت نہیں ہے جب کہ یہ دونوں فرض بعید ہیں، کیوں کہ شناخت خدا کے لیے مومن کا موفق ہونا ایسا عظیم ہدیہ ہے کہ جو خداوند علی الاعلیٰ نے اسے عطا فرمایا ہے۔ جب خداوند فیاض ایک عظیم ہدیہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیتا ہے تو پھر چھوٹی سطح کا ہدیہ عنایت کرنے پر بدرجۂ اولیٰ بخل نہیں کرے گا۔ (النور السافر فی اعیان القرآن العاشر، تالیف عبدالقادر عیدروسی، ص ۸۵)

آیۂ ہلاکت

اس سے قبل جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس سے عیاں اور روشن ہو گیا کہ آئمہ علیہم السلام اپنی شہادت کے وقت سے آگاہ تھے، یعنی خداوند متعال نے جو قدرت ان کے اندر بطورِ امانت رکھی ہے کہ اس کے وسیلے سے حوادث کو کشف کریں وہ جانتے تھے کہ وہ کس زمانے اور کس کے ہاتھوں شہید ہوں گے۔ اس علم کے علاوہ کہ جو خداوند متعال نے انھیں عطا کیا ہے، حوادث کو اس صحیفہ میں بھی پڑھ کر مُطلع ہوئے ہیں جو خداوند علیم نے ان کے جدِ بزرگوار اور منجی بشریت پر نازل کیا ہے۔

ان کا شہادت کی جانب قدم بڑھانا خودکشی اور نفوسِ قدسیہ کو نابود کرنا دوسرے لفظوں میں اپنے آپ کو اس ہلاکت میں ڈالنا نہیں ہے کہ جس سے قرآن مجید نے واضح طور پر روکا ہے، کیوں کہ جان کی حفاظت اور ہلاک ہونے سے بچنا اس وقت واجب ہے کہ جب شخص کی قدرت میں ہو یا اس کے مقابلے میں جان کی حفاظت کرنے سے کوئی اہم مصلحت مضمر نہ ہو لیکن جب اس کے مقابلے میں اہم ترین یا اس کے برابر کی مصلحت موجود ہو مثلاً جہاد اور جان کا دفاع، خواہ مجاہدین کی کچھ تعداد قتل بھی ہو جائے تو ایسے موارد میں یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے یا خودکشی کی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ خداوند متعال نے انبیائے مرسلینؑ اور مومنین کو جہاد کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے بھی قلبی یقین کے ساتھ اس حکم کی اطاعت کی۔ ان میں سے کتنے شہید ہوکر نیک بخت ہوگئے اور کتنے پیغمبروںؑ نے لوگوں کو اس کی دعوت دی، خود بھی اپنی تبلیغات کے مطابق عمل کیا اور اس راستے میں اپنی پاک و پاکیزہ جانیں نچھاور کی ہیں۔

خداوند متعال نے بنی اسرائیل کی ایک تعداد کو تعمداً خودکشی کرنے کا حکم دیا اور ان سے فرمایا:

فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ (سورۂ بقرہ: آیت ۵۴)

"تم اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنے نفسوں کو قتل کرڈالو"۔ ①

علاوہ ازیں سیاقِ عبادت اور اسلوبِ کلام پر توقف اس شبہ کو کہ آیت نے ہلاکت میں ڈالنے سے نہی کی ہے، برطرف کردیتا ہے، کیوں کہ ہلاکت میں ڈالنے سے نہی ماہِ حرام میں مسلمانوں پر ظلم و تعدی کے نتیجہ میں ہے کہ خداوند متعال کا ارشاد ہے:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

---

① مفسرین نے نقل کیا ہے کہ جس وقت بنی اسرائیل گوسالہ پرستی سے منحرف اور پشیمان ہوگئے تو حضرت موسیٰؑ نے انھیں خبر دی کہ خداوند متعال اُس وقت تم لوگوں کی توبہ قبول کرے گا جب تم لوگ غسل کرکے کفن پہن لو اور دو صفوں میں کھڑے ہوجاؤ گے۔ اس کے بعد ہارونؑ اور جن لوگوں نے گوسالہ کی پوجا نہیں کی، تمھیں تلوار سے قتل کردیں، لیکن جب انھوں نے اپنی اولاد، بھائی، باپ اور دوست کو دیکھا تو وہ ایک دوسرے کو قتل کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اس بارے میں حضرت موسیٰؑ سے گفتگو کی۔ حضرت موسیٰؑ نے بھی اپنے پروردگار سے راز و نیاز کیا، خدائے متعال نے انھیں وضاحت سے بتایا کہ عن قریب ان پر ایسی تاریکی مسلط کروں گا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکیں گے اور حکم دیا کہ گوسالہ پرست اپنے گھروں کے سامنے بیٹھ جائیں، اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور آواز بھی بلند نہ کریں۔ کسی کو کسی چیز کا وعدہ نہ دیں یہاں تک کہ خداوند متعال ان پر راضی ہو، اس وقت خداوند متعال ان لوگوں کو بخش دے گا جو قتل ہوجائیں اور جو باقی بچ جائیں گے ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ حضرت ہارونؑ نے اسی پر عمل کرتے ہوئے ان کے ستر ہزار افراد کو قتل کیا۔

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۹۴-۱۹۵)

"ماہِ حرام کا جواب ماہِ حرام ہے اور حرمات کا بھی قصاص ہے، لہٰذا جو تم پر زیادتی کرے تم بھی ویسا ہی برتاؤ کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ سمجھ لو کہ خدا پرہیزگاروں ہی کے ساتھ ہے اور راہِ خدا میں خرچ کرو اور اپنے نفس کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیک برتاؤ کرو کہ خدا نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

آیۂ کریمہ میں جو 'نہی' ہوئی ہے کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو ایسے موارد کے ساتھ مخصوص ہے کہ مشرکین ماہِ حرام میں مسلمانوں پر ظلم و تعدی کرتے تھے اور مسلمان کے پاس ان کے ساتھ جنگ اور مقابلہ کرنے کی قدرت نہیں تھی اور نہ ہی جنگی ساز و سامان خریدنے کے لیے کچھ خرچ کرتے تھے، جس کے نتیجے میں مشرکین مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے۔ اس وجہ سے کہا گیا کہ تم لوگ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کچھ بھی خرچ نہیں کرتے ہو تو تمھارا یہ کام ایسے ہے کہ جیسے تم لوگوں نے خود اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاک کیا ہے، تمھیں اپنے آپ کو اپنے ہاتھ سے ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔

اگر ہم نہی کے عموم کے بھی قائل ہو جائیں تو بھی ایسا نہیں ہے کہ نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کی حرمت مستقلاتِ عقلیہ کے مانند ہو اور اسے تخصیص نہ دے سکیں، بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کی حرمت ان مخصوص احکام میں سے ہے کہ جن کے مقابلہ میں کوئی قوی مصلحت موجود نہ ہو، جب بھی قوی مصلحت پیدا ہو جائے کہ جو اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے مفسد سے بڑی اور اہم تر ہو تو ایسی صورت میں خودکشی اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا حکم اس کے ساتھ معارضہ و مقابلہ نہیں کرے گا، جیسے اسلامی سرحدوں کا دفاع کرنے کا حکم ایسا ہی ہے۔ اسی دلیل کی بنا پر خداوند متعال نے ان لوگوں کی خوب تعریف کی ہے جنھوں نے دعوت

الٰہی کے راستے میں جہاد کے لیے اقدام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ

"بے شک! اللہ نے صاحبانِ ایمان سے ان کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے کہ یہ لوگ راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اور دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور پھر خود بھی قتل ہو جاتے ہیں"۔ (سورۂ توبہ: آیت ۱۱۱)

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں خدائے متعال کا ارشاد ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا ؕ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۶۹)

"خبردار! راہِ خدا میں قتل ہونے والوں کو مُردہ مت خیال کرنا وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں رزق پا رہے ہیں"۔

ایک اور جگہ پر فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ

"اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کے لیے بیچ ڈالتے ہیں"۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۰۷)

رسولِ خدا نے بھی ایسے ہی مطالب اپنی ارزش مند تعلیمات میں اُمت کے لیے بیان فرمائے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ أَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَرَجُلٌ تَكَلَّمَ بِكَلِمَةِ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ فَقَتَلَهُ

"بہترین شہدا حمزہ بن عبدالمطلب اور وہ شخص ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہے اور وہ (سلطان) اسے قتل کر دے"۔ (احکام القرآن جصاص: ج۱، ص ۲۶۳)

محمد بن شیبانی کا کہنا ہے: اگر انسان دشمن پر کامیابی حاصل کرنے یا غلبہ پانے کا احتمام

دے تو اس صورت میں گر ایک نفر بھی ہزار افراد پر حملہ کردے تو شرعی اعتبار سے کوئی اشکال نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر شکست کھانے کا یقین بھی ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا اقدام دشمن پر وحشت طاری کرنے اور اس کے لشکر میں اضطراب کا باعث بنے۔ بالخصوص اگر مسلمانوں میں جرأت و شجاعت کا موجب بنے تو پھر بھی ایک نفر کا ہزار افراد کے لشکر پر حملہ آور ہونا جائز ہے۔ چونکہ شیبانی اس دلیل کی بنا پر کہ یہ اقدام مسلمانوں کے لیے کامیابی حاصل کرنے کی نسبت زیادہ مفید ہے، کہتا ہے کہ اصل اقدام کرنا کامیابی سے اہم تر ہے۔ (احکام القرآن جصاص: ج۱،ص ۲۶۳)

ابن عربی مالکی کا کہنا ہے: بعض علماء نے اس کو جائز سمجھا ہے کہ ایک شخص شہادت حاصل کرنے کی غرض سے بڑے لشکر پر حملہ کرسکتا ہے، اس طرح کے اقدامات اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مصادیق میں سے نہیں ہیں کیوں کہ خداوند متعال فرماتا ہے:

مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ط

خاص کر اس وقت جب مسلمان اس کا یہ اقدام دیکھیں کہ ایک نفر کس طرح ہزاروں کے مقابلے میں ڈٹا ہوا ہے اور اس کا یہ کام مسلمانوں کے لیے تحریک و تعظیم کا باعث بنے۔ (الاحکام ابن عربی: ج۱،ص ۴۹، اشاعت اوّل، آیۂ ہلاکت کے ذیل میں)

خداوند سبحان نے رسولؐ خدا کی ذُریت (جو ان کی جانشین اور ان کی شریعت کی امین تھی) کو ان مصلحتوں کی بنیاد پر کہ جن سے وہ خود آگاہ ہیں کچھ ایسے مخصوص احکام سے مختص کیا ہے کہ جنھیں درک کرنے سے بلند پرواز انسان کے خواب و خیال عاجز اور باریک بین بزرگوں کی فکر سمجھنے سے حیران و پریشان رہ گئی ہے۔ من جملہ ان احکام میں سے فدا ہونے کو ان پر لازمی کرنا اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مقام و مرتبہ کی قربانی دینا، اسی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ وہ تاریک زندانوں میں گئے اور بعض اوقات وہ دُور دراز علاقوں میں شہر بدر کیے گئے اور بعض دفعہ ان کا بدن سر دار آویزاں کیا گیا یا انھوں نے دراز مدت دکھ، تکالیف اور مصیبتیں برداشت کیں اور بعض اوقات انھیں ناروا اور دردانگیز گفتگو بھی سننی پڑی۔ یہ سب کچھ انھوں نے زندگی کے آخری لمحات اور جہانِ ابدی کی طرف سفر کرنے تک برداشت کیا۔

مذکورہ تمام موارد کا جواز تمام وہ مصلحتیں اور فضیلتیں ہیں جو انھوں نے اپنے جدِّ بزرگوار اور رسولِ خدا سے سیکھی تھیں کہ اسلامی معاشرے کی حکمرانی کی پاس داری انھی سے وابستہ ہے۔ اگر وہ ایسے اقدامات کرنے پر مصمم نہ ہوتے تو دین منکرات کی خوفناک امواج میں غرق اور گمراہوں کی فریب کاریوں اور مکاریوں کی وجہ سے نابود ہوجاتا، ذمہ داری کو انجام دینے کے لیے کوئی بھی ان کی مخالفت اور مقابلہ نہ کرسکتا یا انھیں ان کی تصمیم اور ارادے سے ہٹا سکتا کیوں کہ خداوند متعال نے انھیں مخفی اَسرار سے آگاہ کر رکھا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ان کی اہمیت واضح کر رکھی ہے۔ لہٰذا ان میں سے بعض صبر، بعض قتل و جہاد اور بعض زہر نوش کرنے پر مامور ہوئے۔ ان ذمہ داریوں کے مختلف ہونے کا راز صرف خداوند متعال جانتا ہے کہ جس نے وقت کے تقاضوں اور مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے بارے میں امر صادر کیا ہے۔

اس بنا پر جب وہ کوئی ایسا کام انجام دیتے کہ جس کا نتیجہ ان کے شہید ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا، وہ اسے پہلے سے جانتے تھے۔ جب وہ ظالم حکمران کے وسیلے سے زہر کو کھانے پر مجبور ہوتے، انھیں اس بات کا یقین ہوتا کہ یہ زہر ہے، اسے کھانے کا اِقدام کرتے اور وہ کسی صورت میں بھی اس سے غافل و بے خبر نہ ہوتے تھے، حتیٰ کہ وہ پہلے سے اپنے قاتل کو پہچانتے تھے اور انھیں معلوم ہوتا کہ وہ کس دن، کس وقت اور کس چیز کے ذریعے قتل کیے جائیں گے۔ یہ کام ان کی خاص ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے خالق کے امر کی اطاعت کے زیرِ عنوان سرِ تسلیم خم کرتے تھے۔ وہ اوامرِ الٰہی میں کسی قسم کا کوئی فرق روا نہ رکھتے تھے، خواہ وہ واجب اَوامر ہوں یا کوئی دوسرے اوامر، جو مستحب کے عنوان سے ان کے ذمہ تھے۔

وہ تمام اَوامر کی دل و جان سے یکساں اطاعت کرتے، ہر بندے کی عقل اس پر لازم کرتی ہے کہ وہ اَوامر مولا کے مقابلے میں سرِ تسلیم خم کرتے اور نواہی سے بچتے، خواہ وہ مصالح اور مفاسد جو امرونہی کا موجب بنے ہیں ان کے لیے آشکارا ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ خداوند متعال اپنے تمام افعال میں حکیم ہے، وہ کوئی بھی کام حکمت کے بغیر انجام نہیں دیتا، لہٰذا اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن اس کے سامنے بندوں سے بازپرس ہوگی۔ چونکہ

خداوند کریم حکیم ہے، مولا کی بارگاہ میں مکمل خضوع یہ ہے کہ ہر بندہ علل و اسباب کی تحقیق کیے بغیر اس کے احکام کو قبول کرے۔

جو نظریہ ہم نے عنوان بنایا ہے محققوں اور دانش وروں نے اسی کے بارے میں اپنی رائے دی ہے اگرچہ وہ اہلِ بیت علیہم السلام کے اقدامات کے بارے میں، جو ان کے مقدس نفوس کی شہادت کا باعث بنے ہیں، اشتباہ سے دوچار ہوئے ہیں اور بصیرت کے بغیر کسی (عظیم) اَمر میں دخل اندازی کی ہے کہ بعض دفعہ دائیں طرف اور بعض اوقات بائیں جانب کروٹ لی ہے، آخرکار وہ نہ تو کسی درد کا علاج اور نہ ہی چشمۂ زُلال سے کسی دکھی کو سیراب کر سکے ہیں، کیونکہ جو کچھ انھوں نے کہا ہے وہ ان کا اپنا وہم و گمان تھا جو ہرگز قواعد اور بہترین طریقہ (ماورائے مادّہ) کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

وہ روایات جو اہلِ بیت علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جب وہ متوجہ ہوں کہ دشمن انھیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، یا جب قید و بند کی صعوبتیں زیادہ ہوتی جائیں اور ان پر واضح و روشن ہو جائے کہ ابھی ان کے لیے قضائے الٰہی مقدر نہیں ہوئی تو وہ ایسی دعاؤں سے متوسّل ہوتے ہیں جو نا قابلِ ردّ ہوتی ہیں تا کہ خداوند متعال ان سے وہ خطرہ اور حادثہ دُور کر دے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: جب بھی ہم اہلِ بیتؑ پر کوئی غم و اندوہ آئے یا ہمیں سلطان کے شر سے خطرہ ہو تو ہم یہ پڑھتے ہیں:

يَا كَائِنًا قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَيَا مَلَكُوتَ كُلِّ شَيْءٍ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَافْعَلْ بِي كَذَا وَكَذَا (مہج الدعوات، سیّد رضی الدین بن طاؤس: ص ۳۶۵)

"اے ہر شے سے پہلے موجود اور ہر شے کے بادشاہ و مالک محمد و آلِ محمد پر درود بھیج اور ہم پر ایسا ایسا کرم کر"۔

جب منصور عباسی کا غصہ ابا عبداللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے خلاف شعلہ وَر ہوا اور اس نے امام علیہ السلام کو قتل کرنے کا پکا ارادہ کر لیا تو حضرتؑ نے بارگاہِ پروردگار میں التجا کی کہ

ان کے لیے کوئی آسانی نازل فرمائے، اسی دوران میں اس کے غلط ارادے کے سیاہ بادل چھٹ گئے۔ جوں ہی اس کی نگاہ امام علیہ السلام پر پڑی تو مسکراتا ہوا حضرتؑ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ان سے گلے ملا، بعد میں اس نے اپنا ارادہ تبدیل ہونے کے بارے میں یوں نقل کیا ہے:

وہ کہتا ہے: جب میں نے ارادہ کیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو قتل کردوں تو میں نے ان کے جد رسولِ خدا کو دیکھا کہ وہ میرے سامنے کھڑے ہوئے ہیں اور انھوں نے اپنی آستینیں بازوؤں تک اُوپر چڑھائی ہوئی ہیں۔ انھوں نے اپنے ہاتھ بلند کیے اور انتہائی غصے کے عالم میں اپنے ماتھے پر شکنیں ڈالیں اور میرے اور امامؑ کے درمیان کھڑے ہو گئے اور اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اگر تو نے ابی عبداللہ صادق علیہ السلام کی شان میں کوئی جسارت کی تو مجھے قتل کرے گا۔ اس صورت میں منصور کے پاس مقامِ امامت کی تعظیم و تجلیل کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا، لہٰذا اس نے امام علیہ السلام کو بڑے احترام کے ساتھ مدینہ کی طرف رخصت کیا۔ (مہج الدعوت، سیّد رضی الدین بن طاؤس: ص ۲۹۹، طبع بمبئی)

جب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قید طولانی ہو گئی اور وہ شکنجوں سے تنگ آ گئے تو انھوں نے زندان سے نجات پانے کے لیے خداوند رحیم و کریم سے توسل کرتے ہوئے التجا کی:

يَامُخَلِّصَ الشَّجَرِ مِنْ بَيْنِ رَمْلٍ وَمَاءٍ وَيَامُخَلِّصَ اللَّبَنِ مِن فَرْثٍ وَدَمٍ وَيَامُخَلِّصَ الْوَلَدِ مِنْ بَيْنِ مَشِيْمَةٍ وَ رَحِمٍ وَمُخَلِّصَ النَّارِ مِن بَيْنِ الْحَدِيْدِ وَالحَجرِ وَيَامُخَلِّصَ الرُّوحِ مِن بَيْنِ الْأَحْشَاءِ وَالْأَمعَاءِ خَلِّصْنِي مِن يَدِ هَارُوْنَ

"اے وہ خدا! جو درخت کو آب و گل سے نکالتا ہے، اے وہ خدا! جو دودھ کو گوبر اور خون سے نکالتا ہے، اے وہ خدا! جو بچے کو بچے دانی اور رحم (رَحم) سے نکالتا ہے، اے وہ خدا! جو آگ کو لوہے اور پتھر سے نکالتا ہے اور اے وہ خدا! جو روح کو اعضائے بدن سے نکالتا ہے مجھے ہارون کے زندان سے رہائی عطا فرما"۔

امام علیہ السلام اس دعا کی برکت سے ہارون کے تاریک زندان سے آزاد ہوئے۔ جس وقت ہارون الرشید (لعنۃ اللہ علیہ) نے امام علیہ السلام کے سامنے زہر آلود کھجوریں رکھیں اور انھیں کھانے پر مجبور کیا تو حضرتؑ نے ان میں سے ایسی کھجوریں اُٹھا کر کھالیں جو زہر آلود نہ تھیں اور باقی ہارون کے کتوں کے آگے ڈال دیں جنھیں کھانے سے وہ مر گئے۔ اس سے حضرتؑ کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسے سمجھا دیں کہ انھیں نابود اور قتل کرنے کا وقت نہیں آیا ہے، مگر جب اجل کا وقت قریب آیا تو انھوں نے ہارون الرشید کی طرف سے دوبارہ پیش کی گئی زہر آلود کھجوریں تناول کیں درحالانکہ آپؑ آگاہ تھے کہ وہ کھجوریں زہر آلود ہیں۔ آپؑ نے وہ کھانے کے بعد دعا کے لیے ہاتھ بلند کیے اور فرمایا:

يَا رَبِّ اِنَّكَ تَعْلَمُ اَنِّي لَوْ اَكَلْتُ قَبْلَ الْيَوْمِ لَكُنْتُ قَدْ اَعَنْتُ عَلٰى نَفْسِي

"اے پروردگار! تو جانتا ہے کہ اگر میں انھیں اس سے پہلے کھاتا تو میں نے اپنے قتل پر خود اعانت کی ہوتی، لیکن اب چونکہ تیری طرف سے قضا مقدر ہو چکی ہے، تو میں انھیں کھا رہا ہوں، لہٰذا کھانے کے بعد تقدیر خدا محقق ہوئی"۔ (مرآۃ العقول: ج۱، ص ۱۸۸، روضۃ الواعظین: ص ۱۸۵)

اسی طرح حضرت امام ہادی علیہ السلام نے ابو ہاشم جعفری کو حکم دیا کہ وہ کسی کو امام حسین علیہ السلام کے حرم میں بھیجے تاکہ وہ ان کی شفایابی کے لیے دعا کرے اور اس چیز کا اضافہ کرتے ہیں کہ خداوند قدوس اس کو پسند کرتا ہے کہ وہ اسے اس مقام پر پکاریں۔ (کامل الزیارات، ابن قولویہ: ص ۲۲۳)

احتمالاً اس حکم سے امام علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ لوگ سمجھ جائیں کہ نظام خلقت میں تمام کے تمام اُمور عادی علل و اسباب کے مطابق انجام پائے جانے چاہیے، یا مقصود یہ تھا کہ بلا و مصیبت نازل اور مشکلات میں گرفتار ہونے کے وقت خدا کی بارگاہ میں توسّل اور گریہ زاری کے فوائد بیان فرمائیں۔

چنانچہ منصور دوانیقی کے دربان اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اس کی داستان سے

کہ جو انھوں نے اسے تعلیم دی اور اس نے اسے ایک قیمتی خزانہ سمجھ کر محفوظ کیا، اسی مطلب کا استفادہ ہوتا ہے۔ ایک دن امام علیہ السلام منصور کے پاس تشریف لائے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ انھیں قتل کرے لیکن امام علیہ السلام نے کوئی دعا پڑھی تو ربیع نے دیکھا کہ منصور نے کس احترام سے امامؑ کی پذیرائی کی اور خوش آمدید کہا۔ نہ صرف یہ کہ انھیں قتل نہ کیا بلکہ بڑے احترام سے انھیں ان کے گھر بھیجا۔ (مہج الدعوات، بحار الانوار: ج ۴۸، ص ۱۶۲، ۱۶۳۔ عیون اخبار الرضا: ج ۱، ص ۳۰۵)

اسی بنیاد پر بعض اوقات حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اپنے جدِ امجد رسولؐ خدا کی قربت کے استعمال سے شفا حاصل کرتے تھے اور بعض اوقات طبیب کی ہدایت پر عمل کرتے تھے اور بعض موارد میں ماہرین اور اہلِ تجربہ کی فرمائشات سے استفادہ فرماتے تھے۔ (کامل بہائی: ص ۴۵۳-۴۵۶)

حالانکہ انھیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ بیماری ان کی موت کا باعث نہ ہوگی جبکہ اس کا وقت انھیں معلوم تھا۔ لیکن وہ یہ چاہتے تھے کہ اس مسئلے کی طرف توجہ دی جائے کہ علل کا مقابلہ عادی و طبعی اسباب سے کیا جائے۔ ایسا نہیں ہے کہ عادی (معمول کے مطابق) طبعی اسباب سے بے نیاز ہوجائیں، لیکن جب موت کا وقت آگیا تو پھر تقدیر الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے ان اسباب میں سے کسی سے بھی استفادہ نہیں کیا۔ تقدیر الٰہی اس وقت (پایۂ تکمیل کو) پہنچی کہ جب جعدہ بنت اشعث نے سخت گرمی کے موسم میں امام علیہ السلام کو روزے کی حالت میں زہر آلود دودھ دیا۔ (الخرائج: ص ۲۲، طبع ہند، معجزات امام صادق علیہ السلام)

اور حضرتؑ نے اس وقت سر آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے کہا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى لِقَاءِ مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاَبِيْ سَيِّدِ الْوَصِيِّيْنَ وَاُمِّيْ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ وَعَمِّيْ جَعْفَرِ الطَّيَّارِ فِي الْجَنَّةِ وَحَمْزَةَ سَيِّدِ الشُّهَدَاءِ۔

"ہم اللہ کی طرف سے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ محمدؐ مرسلین کے سردار، میرے پدر اوصیا کے

آقا، میری ماںؑ عالمین کی عورتوں کی سردار، میرے چچا جعفر طیارؑ اور سیّدالشہداء حمزہؑ کی ملاقات پر"۔

اس کے بعد زہر ملا ہوا دودھ پیا، جبکہ جعدہ کھجور کے درخت کی شاخ کی طرح لرز رہی تھی۔ آپؑ نے اس سے فرمایا:

لَقَدْ غَرَّكِ، سَخَّرَ مِنْكِ فَاللهُ يُخْزِيْكِ وَيُخْزِيْهِ

"یقیناً! اس (امیر شام) نے تجھے دھوکا دیا ہے، اس نے تیرے ساتھ مسخرہ کیا ہے، خدا تجھے خوار اور اسے ذلیل کرے"۔ (ارشاد، خرائج)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو بتایا ہوا تھا کہ میری شہادت مامون الرشید کے ذریعے ہوگی اور فرمایا تھا کہ اس کا وقت آنے تک صبر کرنا ہوگا۔

ایک دن مامون نے حضرت امام جواد علیہ السلام کو بلایا تو اسماعیل بن مہران یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوئے کہ اب کیا ہوگا؟ تو حضرتؑ نے اس سے فرمایا:

اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ صَاحِبِي وَسَأَعُوْدُ مِنْ هٰذِهِ السَّفَرِ (اعلام الوریٰ: ص ۲۰۵)

"اس دفعہ وہ میرا مامور نہیں ہے میں اس سفر سے صحیح وسالم لوٹ آؤں گا"۔

جب اس نے دوسری مرتبہ امام جواد علیہ السلام کو بلایا تو آپؑ نے اسماعیل سے فرمایا: اس دفعہ تقدیر الٰہی حتمی واقع ہوگی اور اسے حکم دیا کہ میرے بعد میرے بیٹے امام ہادی علیہ السلام کی طرف رجوع کرے کہ میرے بعد وہ اُمت کے امامؑ ہیں۔

جب اُمِ فضل نے امام علیہ السلام کو زہر آلود رومال دیا تو اس اعتبار سے کہ اَمرِ مولیٰ کی اطاعت کریں اور اس کی تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں۔ اس رومال کو استعمال کرنے سے پرہیز نہیں کیا، لیکن اُمِ فضل سے فرمایا:

اِبْتَلَاكِ اللهُ بِعَقْرٍ لَا يَنْجَبِرُ وَبَلَاءٍ لَا يَنْسَتِرُ

"خداوند تجھے ایسے زخم میں مبتلا کرے جو قابلِ علاج نہ ہو اور ایسی مصیبت میں گرفتار کرے جو کسی سے بھی پوشیدہ نہ رہے"۔

حضرت کی دعا کے باعث وہ اپنے بدن کے پوشیدہ ترین عضو (شرم گاہ) کے درد میں

جدا ہوگئی۔

حضرت امیرالمومنینؑ کا خبر دینا کہ ان کا قاتل ابن ملجم ہے حتیٰ کہ اس بارے میں دوافراد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ جب ابن ملجم امیرالمومنینؑ کی بیعت کرنے کے لیے آیا تو آں حضرتؑ نے فرمایا:

مَن اَرَادَ اَن یَنظُرَ اِلٰی قَاتِلِی فَلیَنظُر اِلٰی ھٰذَا

"جو کوئی میرا قاتل دیکھنا چاہتا ہے وہ اس شخص کو دیکھے"۔(بصائر الدرجات صفار:ص ۳۴۔ رسالہ ابن خلدون:ص ۱۵۶)

کسی نے حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: آپ اسے قتل کیوں نہیں کردیتے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تجھ پر حیرت ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنے قاتل کو قتل کردوں؟ (میں اپنے قاتل کو بھلا کس طرح قتل کرسکتا ہوں)۔

اس جواب سے حضرتؑ کا مقصود یہ تھا کہ ان کا اُس کے ہاتھوں قتل ہونا ایک یقینی امر اور خدا کی حتمی تقدیرات میں سے ہے کہ جو کسی طرح بھی قابلِ تخلف نہیں ہے۔ اس بنا پر وہ کس طرح ارادۂ الٰہی کو نقض کریں اور خدا کی حتمی تقدیر کو باطل کریں؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عقبہ بن اسدی سے اپنے ایک فرمان میں اسی مطلب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اگر آئمہ علیہم السلام خدا کی بارگاہ میں اِلتجا کرتے کہ وہ طاغوتوں کو ہلاک کردے تو خداوند متعال ان کی دعا قبول کرلیتا اور یہ کام کچے دھاگے کے ٹوٹنے سے بھی جلد انجام پاجاتا لیکن ہم ارادۂ خدا کے علاوہ کسی بھی چیز کا ارادہ نہیں کرتے ہیں۔(اصولِ کافی: کتاب حجت، باب اِنَّ الاَئِمَّةَ یَعلَمُونَ عِلمَ مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ، حدیث ۴)

گذشتہ بحث کا خلاصہ

ایسی محکم و متقن براہین و اَدِلّہ جو بیان ہوئی ہیں ان کے باعث وہ پردہ اُٹھ گیا جو ایک حقیقت پر ڈالا گیا تھا اور وہ حقیقت اپنے مظاہر کے ساتھ جلوہ گر ہوچکی ہے اور نقاد محقق پر یقیناً

آشکار ہو گیا ہے کہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام تمام الٰہی قضا و قدر اور وارد ہونے والے مصائب و آلام سے آگاہ ہوتے ہیں۔ چونکہ وہ تمام خوشیوں اور غمیوں میں مولائے جلیل کے اَسرار و رُموز کا محل ہیں کہ اوّلاً: فیاض علی الاطلاق نے انھیں تمام اشیاء مبدائے وجود سے عنایت فرمائیں۔

ثانیاً: رسولؐ خدا نے اَسرار سے انھیں آگاہ کیا تھا اور ______

ثالثاً: وہ صحیفہ جو ان کے جدِ بزرگوار پر نازل ہوا اور ان کے پاس تھا وہ اس میں مذکور تمام چیزوں سے مکمل طور پر آگاہ تھے۔ چونکہ خداوند متعال نے ان کے لیے بہشت میں ہمیشہ باقی رہنے والے مقامات و مراتب آمادہ کیے ہوتے ہیں اور اپنی شہادت اور نفوسِ قدسیہ کو تقدیم کیے بغیر ان تک نہیں پہنچ سکتے، لہٰذا انھوں نے اطاعتِ امر خدا کے عنوان اور ان واقعی مصالح سے کہ جن کا اِدراک کرنے سے بشر کے بلند ترین تخیلات عاجز ہیں اور عالم الغیب کے سوا کوئی بھی ان کے واقعی رمز و راز سے آگاہ نہیں، کو تحقق بخشنے کے لیے اپنی ارزش مند (و اَنمول) حیات کو فدا کیا اور ہم پر لازم نہیں کیا ہے کہ ہم احکامِ شرعیہ کے مصالح و مفاسد کی شناخت پیدا کریں، فقط وہ چیز جس کو عقل قبول کرتی ہے وہ یہ ہے کہ بندہ مولائے حکیم کے اَوامر و نواہی کا مُطیع محض ہو۔

مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جو صحیح احادیث کی بلند و بالا صدا تو سنتا اور اس کا اعتراف کرتا ہے کہ آئمہ آلِ محمدؐ بِمَا كَانَ وَبِمَا يَكُوْنُ کے عالم اور موت اور مصائب کو جانتے ہیں تو پھر کس طرح بہت سی احادیث کا نُور اس پر پوشیدہ رہ گیا ہے؟ وہ ایسی احادیث جن میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرات آئمہ علیہم السلام سے صادر ہونے والے ہر قیام، قعود اور کلام و سکوت کا امر خدا کی طرف سے ایک خاص عنایت کے عنوان سے رسولؐ خدا کے ذریعے ان کے سپرد کیا گیا ہے۔ کوئی بھی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کا علم ان کو نہ ہو، حتیٰ کہ وہ ہر کسی کی موت کے وقت سے آگاہ ہیں۔ اس ضمن میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے کہ جو ہماری پیروی کرتے ہیں اور ہمیں اپنا امام سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت رسولؐ خدا کی اطاعت کی

طرح واجب ہے۔ اس کے باوجود حجتِ خدا کو ختم کرتے اور جس قلبی کمزوری کا اظہار کرتے اور کش مکش سے مغلوب ہو کر ہمارے حق کو کم کرتے ہیں، اور وہ کہ جسے خداتعالیٰ نے حق کی معرفت کی بُرہان اور ہمارے اُمر کے سامنے سرِتسلیم خم کرنا نصیب کیا ہے اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ تم یہ سوچتے ہو کہ خداوند سبحان اپنے بندوں پر اپنے اولیاء کی اطاعت واجب کرتا ہے اور پھر آسمانوں اور زمین کی اخبار اُن (آئمہ) سے مخفی رکھتا ہے اور اصولِ علم کو ان موارد میں کہ جن میں ان سے سوال ہوتا ہے اور جن سے دین کا استحکام وابستہ ہے، ختم کر دیتا ہے؟!

حمران نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ خدا! یہ فرمائیں کہ امیرالمومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے قیام کا موضوع کیا تھا کہ اُنھوں نے نصرتِ خدا کے لیے قیام و خروج کیا۔ ان پر سرکش طاغوتوں کی طرف سے کیسی کیسی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ آخرکار ظالموں نے غلبہ حاصل کرلیا اور آئمہ علیہم السلام مقتول و مغلوب واقع ہوئے؟!

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ان سے فرمایا: خداوند سبحان نے یہ مصائب و آلام ان کی تقدیر میں لکھے ہوئے تھے اور وہ قضا، امضا اور یقین کے مرحلے سے گزار کر خود ان کے اختیار میں دے رکھے تھے۔ چونکہ انھوں نے خود ان مصائب کو اختیار کیا تھا اور خدا نے بھی انھیں عملی جامہ پہنایا، لہٰذا حضرت علیؑ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام نے ان اخبار کے مطابق جو انھوں نے پہلے سے رسولؐ خدا سے سُن رکھی تھیں قیام کیا اور ہم میں سے جو کوئی بھی خاموشی اختیار کرتا ہے وہ اسی علم و بصیرت کے باعث ہے۔

اے حمران! اگر یہ اپنی مشکلات اور طاغوت کے غلبہ کے وقت خداتعالیٰ کی بارگاہ میں اِلتماس کرتے کہ ان کی سلطنت ویران اور حکومت کو نابود کر دے تو وہ قبول کر لیتا اور ان کی مشکلات کو ختم کر دیتا۔ اس کے بعد

طاغوتوں اور ان کی حکومت وسلطنت کی نابودی ایک ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانے بکھرنے سے کم تر مدت میں انجام پا جاتی۔

اے حمران! ان پر جو مصائب ومشکلات آتی ہیں وہ گناہ یا خدا کی نافرمانی کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ ان درجات اور عظمت کے لیے کہ جس کا خدا نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اس پر فائز ہوں، اُن کے بارے میں کسی قسم کا شک اور گمان مت کرو"۔ (مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۱۳۱، اصولِ کافی ترجمہ آقای مصطفوی: ج ۱، ص ۳۸۹-۳۹۰۔ بصائر الدرجات صفار: ص ۳۳۔ الخرائج راوندی: ص ۱۴۳، طبع ہند)

اس حدیث شریف کی روشنی میں کئی ایک مشکلات حل اور کئی ایک حکمتیں جو خداوند متعال نے اپنے اولیا کے ساتھ مخصوص کی ہیں اور ان کے وسیلہ سے انھیں تمام افراد سے ممتاز کیا ہے، معلوم ہوجاتی ہیں۔ ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

۱ آئمہ علیہم السلام کو ہر چیز کا علم ہے اور وہ آسمانی اخبار سے بے خبر نہیں ہوتے کہ ان کا عام ہونا تمام موضوعات کو محیط ہے۔

۲ وہ خطرات اور شکستیں جو ان پر ستم گروں کی طرف سے وارد ہوئی ہیں وہ ایسی مصلحتوں کے مطابق تھیں کہ جنھیں خداوند متعال کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

۳ انھوں نے راہِ خدا کی طرف دعوت دینے کے لیے جو بھی جنگ اور جہاد کیا یا گمراہ حکمرانوں کی غلط کاریوں کو دیکھتے ہوئے خاموشی اختیار کی جب کہ وہ دیکھتے تھے کہ لوگ کس طرح ان کے ظلم کی چکّی میں پس رہے ہیں، یا انھوں نے ایسے اقدامات کیے جو ان کی حیاتِ قدسیہ کے ختم ہونے کا باعث بنے، یہ سب کچھ اُوامر مولیٰ کی اطاعت اور احکامِ خدا کے سامنے سرتسلیم خم کرنے کی خاطر کیا کہ جو خدا نے ان کے ساتھ مخصوص کیے اور انھوں نے انھیں اپنے اختیار سے قبول کیا۔

۴ وہ مقدراتِ الٰہی اور اجلِ حتمی کے سامنے سرتسلیم خم کیے ہوئے تھے۔ انھوں نے اس کے برطرف ہونے کے لیے خدا سے توسّل نہیں کیا تا کہ وہ افضل ترین موت یعنی شہادت

کو اختیار کر کے ان بلند ترین درجات و مقامات تک پہنچیں کہ جو اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔

اسی مخصوص مورد سے متعلق جب حضرت امام علی رضاؑ سے سوال ہوا کہ امیر المومنین حضرت علیؑ جب اپنے قاتل کو جانتے تھے حتیٰ کہ قتل کا وقت بھی ان پر مخفی نہ تھا تو انھوں نے کس طرح اپنے آپ کو مقامِ قتل میں قرار دیا؟

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: امیر المومنین علیؑ کو یہ سب کچھ معلوم تھا لیکن اس رات کو اس لیے اختیار کیا تا کہ مقدراتِ خدا انجام پائیں۔ (مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۱۲۲)

اس اور اس جیسی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بیتؑ کا موت کی طرف قدم بڑھانا اس خاص اطاعت و امتثال کی وجہ سے تھا جو ان کے ذمے تھی، اس کو انجام دینے سے نہ صرف یہ کہ ان پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں بلکہ عقل بھی اسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں سمجھتی ہے اور امامیہ علما و محققین نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

جناب شیخ مفیدؒ مسائل عکبریہ کے جواب میں فرماتے ہیں:

ہم ان مسائل کے منکر نہیں ہیں کہ امامؑ رُونما ہونے والے حادثات و واقعات کو تفصیل سے جانتے ہیں کیونکہ اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے ان تمام حادثات و واقعات کا علم انھیں عطا کرے اور اس سے بھی کوئی مانع نہیں ہے کہ خداوند متعال نے امیر المومنین حضرت علیؑ کو تعبدی طور پر شہادت پر صبر کرنے اور اپنے قتل پر سرِ تسلیم خم کرنے کی ذمہ داری لگائی ہو تا کہ وہ ان بلند درجات پر فائز ہو سکیں کہ جن کو حاصل کرنے کا صرف یہی راستہ ہے اور حضرت علیؑ نے اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے پورا کیا ہو۔ اگرچہ کوئی بھی دوسرا شخص اس کے سامنے تسلیم نہ ہوتا۔ اگر مسئلہ یوں ہو تو اس طرح کی اطاعت نہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور نہ اپنے قتل ہونے پر اعانت کرنا ہے اور نہ ہی ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو معترضین نے کیے ہیں۔

ہم حضرت امام حسینؑ کے بارے میں بھی منکر نہیں ہیں کہ وہ پانی کی جگہ سے آگاہ تھے اور وہ جانتے تھے کہ زیرِ زمین پانی ہے۔ اگر ایک ذراع کھدائی کرتے تو پانی نکل آتا۔

لیکن امام علیہ السلام کا اس کا اقدام نہ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا شمار نہیں ہوتا کیوں کہ وہ اپنے آپ کو مکلف جانتے تھے کہ وہ پانی نہ مانگیں اور یہ عقلی اعتبار سے بھی بعید نظر نہیں آتا اور عقل بھی اسے برا نہیں سمجھتی ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی معاویہ کے ساتھ صلح کے بارے میں بھی یہی گفتگو ہے کہ امام علیہ السلام اس کام کا انجام جانتے تھے اور حالات بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔ حضرت امام حسن علیہ السلام نے مذکورہ صلح کے باعث اپنی شہادت اور اصحاب کو معاویہ کے سپرد کرنے کو موخر کیا ہے اور یہ چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کا لطف تھا کہ زمانِ موعود تک باقی رہے اور بہت سے اصحاب اور اولاد محفوظ رہے، وہ غلط کاریاں جو دین میں ایجاد کرنا چاہتا تھا صلح سے پیدا ہونے والی مشکلات کی نسبت کہیں بڑی اور اہم تر تھیں، ان کا سدِ باب کیا۔ امام علیہ السلام تمام کاموں کے نتیجہ سے آگاہ تھے لیکن خداوند قدوس نے انھیں اس کام پر متعبد کیا اور ان کے ذمے لگایا تھا۔

علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے جواب میں کہ امیر المومنین مولا علی علیہ السلام نے اپنے آپ کو کیوں مقامِ قتل میں قرار دیا۔ فرمایا: شاید امیر المومنینؑ اسی رات میں اپنے قتل، اس کی کیفیت اور جگہ سے آگاہ ہوں اور شاید ان کی اور ہماری ذمہ داری میں فرق ہو، لہٰذا ممکن ہے کہ ان کے لیے راہِ خدا میں فداکاری و جانثاری واجب تھی جیسا کہ ایک سپاہی کے لیے دشمن کے سامنے پائے داری کا ثبوت دینا اور ڈٹ جانا واجب ہے، خواہ اس سے اس کی جان بھی چلی جائے۔ (مرآۃ العقول: ج ۳، ص ۱۲۵، ۱۲۶، اختصار اور تھوڑے سے فرق کے ساتھ)

عالمِ بزرگوار جناب شیخ یوسف بحرانی فرماتے ہیں: آئمہ علیہم السلام پہلے ہی سے تلوار یا زہر سے قتل اور ستم گروں کی طرف سے توہینِ حرمت کیے جانے سے آگاہ تھے، البتہ وہ اپنے آپ کو اس سے بچا سکتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ راضی تھے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ وہ باخبر تھے کہ خداوند متعال اس پر راضی ہے اور وہ اپنے اختیار اور مرضی سے ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں کیوں کہ یہ کام بارگاہِ حق میں قربت حاصل کرنے کا موجب ہے، لہٰذا یہ اپنے آپ کو اس ہلاکت میں ڈالنے کے زمرے میں نہیں آتا جسے قرآن کریم نے حرام کیا ہے، کیوں کہ اس آیت میں نہی ان کے لیے نہی تحریمی نہیں ہے۔ اور ان چیزوں میں سے ہے

کہ جس کے متعلق رضائے خدا معلوم ہے اور خدا نے ان کے لیے اس طرح سے جان دینے کو پسند کیا ہے، لہٰذا نہ صرف یہ کہ یہ حرام نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے۔

ہاں بعض اوقات مقررہ وقت سے قبل ان پر مشکلات ومصائب آئے کہ جن سے انھیں کوئی ضرر نہ پہنچا اور نہ کسی خطرے کا سامنا کرنا پڑا اور بعض اوقات ان کا سامنا کرنے سے بچتے تھے یا اپنے آپ کو پوشیدہ و مخفی رکھتے تھے تاکہ کوئی انھیں نہ دیکھے اور بعض دفعہ خدا کی بارگاہ میں التجا کرتے کہ وہ اس خطرے کو ان سے دُور کرے۔ یہ سب کچھ اس لیے کرتے تھے کہ انھیں معلوم ہوتا تھا کہ خداوند سبحان اس کام پر راضی نہیں ہے اور فعلاً ان کے لیے یقینی طور پر مقدر نہیں ہوا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آئمہ علیہم السلام کے کام کا دارومدار وہ علم ہے کہ جو الٰہی مقدرات کا ان کے پاس ہے۔(الدرۃ النجفیہ: ص ۸۵)

مرحوم علامہ مجلسیؒ، محقق کرکی، شہید اوّل کے شاگرد حسن بن سلیمان حلّی اور بہت سے دوسرے علماء نے بھی اسی نظریے کو اختیار کیا ہے۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے

گذشتہ بیانات سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ جب بھی کوئی ایسی مصلحت موجود ہو کہ جو ہلاکت کے مفسدہ سے مضبوط تر ہو جیسے دین و شریعت کا استحکام اور بیانِ حقیقت کہ جو اس کے سوا کسی اور راستے سے انجام نہ پائے تو عقل اور شریعت ایسی موت کا اقدام کرنے پر تعریف و تحسین کرتی ہے، جیسا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقدام سے اسی چیز کا استفادہ ہوتا ہے۔ جس وقت لوگ حیرانگی و بے قراری اور خوف و وحشت میں زندگی کے دن گزار رہے تھے تو اُس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے سب پر اپنا ایسا پروگرام آشکارا کیا جسے صدیوں تک کوئی شخص فراموش نہیں کر سکے گا۔

امام علیہ السلام نے اپنی مقدس تحریک کی سب کے سامنے وضاحت فرمائی تاکہ موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے مخفی نہ رہے۔ جس وقت انھوں نے بنی اُمیہ کی بداعمالیوں، قانون شکنیوں اور احکامِ شریعت کے حریم مقدس میں تعدّی و تجاوز کرنے کو واضح طور پر بیان کیا تو لوگ سمجھ گئے کہ امام حسین علیہ السلام نے ظلم و ستم کے مقابلے میں موت کا ارادہ کرلیا ہے اور وہ چاہتے تھے کہ ان کے پاس جاہ و مقام اور عزت و احترام جو کچھ ہے سب کو اپنے نانا رسولؐ خدا کی دعوتِ حق کو استحکام بخشنے کے لیے قربان کر کے معاشرے کو ایک عظیم درس دیں اور یہ بتائیں کہ کس طرح سے اپنے عقیدہ پر مضبوط رہنا اور ستم گروں کے چنگل سے انسانوں کو آزادی دلانے کے لیے ہر چیز کو فدا کرنا آسان ہے۔

محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں: اگر دشمن پر کامیابی حاصل کرنے یا غلبہ پانے کا احتمال ہو تو اس صورت میں فردِ واحد کا ہزار کے لشکر پر حملہ کرنا درست ہے اور وہ اسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مصادیق میں سے نہ سمجھے۔ کیوں کہ یہ مسلمانوں کے فائدے، ان کے عزم و ارادہ میں تقویت اور اپنے عقیدہ کا دفاع کرنے کے لیے روح کو بیدار کرنے کا موجب

اور عزت و شرافت اور شہادت کی موت کا باعث ہوگا۔(احکام القرآن جصاص: ج۱، ص۳۰۹۔ محمد بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۷ھ) ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے تھا)

اس بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام ہر کسی سے افضل و برتر ہیں، اگرچہ حضرت امام حسینؑ نے گمراہوں اور جاہلوں کے اس گروہ کے خلاف قیام کر کے اپنی مقدس جان، نفوسِ طیبہ اہلِ بیتؑ اور اپنے دوستوں کی جان کو خطرے میں ڈالا۔ نیز مخدراتِ رسولؐ کو اسیری کے خطرے سے دوچار کیا، لیکن اپنی حقانیت کے عوض میں حق سے دشمنی کے انحراف، اس کے باطل پر ہونے، اس کی ریاکاریوں اور سرکشی و بغاوت کو تاریخ کے سینے پر جلی حروف میں ثبت کر دیا۔ نیز حق و باطل کا راستہ مشخص کر دیا۔ لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام فاتح اور کامیاب ہیں اور ان کا دشمن گمراہی کے سمندر میں غرق ہے۔ وہ حرمتِ خدا کی توہین اور نظامِ اسلام کے خلاف تجاوز کرنے والا ہے۔

حیرانی ان لوگوں پر ہے کہ جو کہتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ سوچا تھا کہ کوفہ کے لوگ ان کی مدد کریں گے لیکن ان کا یہ خیال درست نہیں تھا۔ فرض کریں اگر ہم اس غلط نظریے کو قبول کرلیں اور کہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام تمام چیزوں سے آگاہ نہ تھے۔ ان کے پاس ماضی، حال اور مستقبل کا علم نہ تھا لیکن واقعۂ کربلا کے حوالے سے جو کچھ ان کے جدِ بزرگوار رسولِ خدا نے انھیں بتایا یا ان کے پدر بزرگوار حضرت علی علیہ السلام نے انھیں آگاہ کیا کہ وہ سرزمینِ کربلا پر قتل کیے جائیں گے۔

حضرتؑ کو اس کا علم تھا، اس وقت اس کا کیا جواب دیں گے؟ کیا آپ کے مبنیٰ کی بنا پر یہ علم کافی نہیں تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا نہ جاتے؟ یا کم سے کم اپنے اصحاب اور رشتہ داروں کو اپنے ہمراہ نہ لے جاتے؟ جس وقت حضرت امام حسینؑ نے کربلا تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو کیا اُم المومنین جنابِ اُمِ سلمہ نے خوف کا اظہار نہیں کیا تھا؟ کیا انھوں نے امام علیہ السلام کی کربلا میں شہادت سے متعلق رسولِ خدا کا قول انھیں نہیں بتایا تھا؟ پیغمبرؐ بھی ایسے کہ جو کبھی ہوائے نفس کے تابع ہو کر گفتگو نہیں کرتے، کیا یہ علم کافی نہیں تھا کہ امام حسین علیہ السلام کربلا جانے کا ارادہ ترک کر دیتے؟!

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب اُمِ سلمہؓ کو کیا جواب دیا؟

حضرتؑ نے جناب اُمِ سلمہؓ کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

اِنِّی اَعلَمُ الیَومَ الَّذِی اُقتَلُ فِیهِ وَالسَّاعَةَ الَّتِی اُقتَلُ فِیهَا وَاَعلَمُ مَنْ یَقْتُلُنِی وَمَنْ یُقْتَلُ مِنْ اَهْلِ بَیْتِی وَاَصْحَابِی اَتَظُنِّیْنَ اَنَّكِ عَلِمْتِ مَا لَمْ اَعلَمْهُ وَهَل مِنَ الْمَوتِ بُدٌّ فَاِنْ لَّمْ اَذْهَبِ الْیَومَ ذَهَبْتُ غَدًا۔

"میں اس دن اور اس وقت کو بھی جانتا ہوں جب مجھے قتل کیا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے کون قتل کرے گا۔ میں اس سے بھی آگاہ ہوں کہ میرے اہلِ بیتؑ اور اصحاب میں سے کون کون قتل ہوں گے۔

اے اُمِ سلمہؓ! آپ یہ خیال کرتی ہیں کہ آپ کے پاس اس چیز کا علم ہے لیکن مَیں نہیں جانتا ہوں؟! کیا موت کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار ہے۔ اگر آج نہیں جاتا تو کل چلا جاؤں گا"۔

امام علیہ السلام نے اپنے بھائی عمر اطرف سے فرمایا:

اِنَّ اَبِی اَخبَرَنِی بِقَتْلِهِ وَقَتْلِی وَ اِنَّ تُربَتِی تَكُونُ اِلٰی جَنْبِ تُربَتِهِ اَتَظُنُّ اَنَّكَ تَعْلَمُ مَا لَمْ اَعْلَمْهُ۔

"میرے پدر بزرگوار نے اپنے اور میرے قتل ہونے سے مجھے آگاہ کیا ہے اور مجھے بتایا ہے کہ میری قبر ان کی قبر کے قریب ہوگی، آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ایسی چیز جانتے ہیں کہ جن کا مجھے علم نہیں ہے؟"

امام علیہ السلام نے اپنے بھائی محمد حنفیہ سے فرمایا:

شَاءَ اللّٰهُ اَن یَّرَانِی قَتِیْلًا وَیَرَی النِّسَاءَ سَبَایَا

"خداوند متعال نے یوں مقدر فرمایا ہے کہ مَیں قتل ہوں اور مخدرات کو اسیر کیا جائے"۔

پھر حضرتؑ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے فرمایا:

اِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ فِي الْمَنَامِ وَأَمَرَنِي بِأَمْرٍ أَنَا مَاضٍ لَهُ

"میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا ہے انھوں نے مجھے ایک کام کو بجالانے کا حکم دیا ہے"۔

آپؑ نے ابن زبیر سے فرمایا:

وَاللهِ لَوْ كُنْتُ فِي حُجْرِ هَامَّةٍ مِنْ هٰذِهِ الْهَوَامِ لَاسْتَخْرَجُونِي حَتّٰى يَقْضُوا حَاجَتَهُمْ

"خدا کی قسم! اگر میں کسی پرندے کے گھونسلے میں بھی چھپ جاؤں تو یہ مجھے وہاں سے نکال کر اپنا ہدف حاصل کرنے کے لیے قتل کریں گے"۔

آپؑ نے بطنِ عقبہ کے مقام پر موجود افراد سے فرمایا:

مَا أَرَانِي إِلَّا مَقْتُولًا فَإِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كِلَابًا تَنْهَشُنِي وَأَشَدُّهَا عَلَيَّ كَلْبٌ أَبْقَعُ

"میں اپنے آپ کو مقتول دیکھ رہا ہوں کیوں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کتوں نے میرے اُوپر حملہ کیا ہے ان میں سے بدترین کتا سیاہ و سفید رنگ کا تھا"۔

امام علیہ السلام کی گفتگو جب اس مقام تک پہنچ گئی تو عمرو بن لوذان نے بطور مشورہ اور خیر خواہی یہ درخواست کی کہ فی الحال اس سفر کا ارادہ ترک کردیں اور دیکھیں کہ کوفہ کے لوگوں کی کیا صورتِ حال ہے۔

امام علیہ السلام نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا:

لَيْسَ يَخْفٰى عَلَيَّ الرَّأْيُ وَلٰكِنَّ اللهَ لَا يُغْلَبُ عَلٰى أَمْرِهِ وَ إِنَّهُمْ لَا يَدَعُونِي حَتّٰى يَسْتَخْرِجُوا هٰذِهِ الْعَلَقَةَ مِنْ جَوْفِي

"یہ مشورہ میرے لیے مخفی نہیں ہے بلکہ واضح ہے لیکن خدا کا پروگرام ناقابلِ تغییر ہے۔ یہ مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک میرا خون نہ بہا لیں"۔

اس کے علاوہ امام علیہ السلام کے بہت سے دوسرے کلمات، جو انھوں نے مدینہ، مکہ اور سفر کوفہ کے دوران تک تصریحات، اشارات، خطبات اور خط و کتابت کی صورت میں فرمائے، جن کی تفصیل اس کتاب میں آگے چل کر آئے گی۔ اس پر واضح دلالت کرتے ہیں کہ امام علیہ السلام یقینی طور پر جانتے تھے کہ ان کی شہادت سرزمین کربلا پر ایک خاص دن میں واقع ہوگی۔ اگر کوئی امام حسین علیہ السلام کا وہ خطبہ پڑھے جو انھوں نے مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوتے وقت ارشاد فرمایا تھا تو کیا پھر بھی کوئی اس مسئلہ میں شک کرے گا؟

امام علیہ السلام نے اس خطبہ میں فرمایا تھا:

..... كَأَنِّي بِأَوْصَالِي هٰذِهٖ تَقْطَعُهَا عُسْلَانُ الْفَلَوَاتِ بَيْنَ النَّوَاوِيْسِ وَكَرْبَلَا فَيَمْلَأَنَّ مِنِّي أَكْرَاشًا جُوفًا وَأَجْرِبَةً سُغْبًا لَا مُحِيْصَ عَنْ يَوْمٍ خُطَّ بِالْقَلَمِ.....

''......گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ بیابانی بھیڑیے نواویس و کربلا کے درمیان میرے بدن کے ٹکڑے کر رہے ہیں، اپنے بھوکے شکموں کو بھر رہے ہیں اور چمڑے کے خالی تھیلوں کو پُر کر رہے ہیں، جو مقدر ہو چکا ہے اس سے کوئی چارہ نہیں ہے......''۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کامیاب ہیں

حضرت امام حسین علیہ السلام اس بات کے معتقد تھے کہ وہ اپنی مقدس تحریک میں کامیاب ہیں، کیوں کہ آپؑ اپنی شہادت کو دین پیغمبرؐ کے احیا، بدعت کی نابودی، مخالفین کی بداعمالیوں سے اظہار نفرت اور خلافت پر اپنے حق کو ثابت اور دوسروں کی نااہلی کی نشان دہی کرنے کا موجب سمجھتے تھے۔ انھوں نے (حضرت) محمد بن حنفیہ اور تمام بنی ہاشم کے نام جو خط لکھا اس میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

مَنْ لَحِقَ بِنَا اسْتُشْهِدَ وَمَنْ تَخَلَّفَ لَمْ يَبْلُغِ الْفَتْحَ (کامل الزیارات: ص ۷۵)

"اس سفر میں آپ لوگوں میں سے جو کوئی بھی ہمارے ساتھ ملحق ہوگا وہ درجہ شہادت پر فائز ہوگا اور جو پیچھے رہ گیا اسے کامیابی و فتح نہیں ہوگی"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی اس تحریک کے آغاز ہی سے جانتے تھے کہ جو کوئی بھی ان کے ہم راہ ہوگا وہ قتل ہوجائے گا۔ اس بنا پر اس خط میں فتح و پیروزی سے مراد وہی آثار ہیں جو اس تحریک اور شہادت پر مترتب ہوئے ہیں کہ جو گمراہی کی اساس کو پاش پاش کرنے اور شریعتِ مقدسِ اسلام کے راستے سے باطل کے کانٹوں کو صاف کرنے کا باعث بنے اور ارکانِ عدل و توحید کے استحکام کا موجب قرار پائے۔ اُمت پر واجب ہے کہ ایک شرعی وظیفہ سمجھتے ہوئے منکر کے مقابلے میں قیام کرے اور اس کی نابودی تک مبارزت سے پیچھے نہ ہٹیں۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے اس کلام کا بھی یہی معنی ہے جو انھوں نے مدینہ پہنچنے پر ابراہیم بن طلحہ بن عبیداللہ کے سوال کہ مَنِ الْغَالِب (کون کامیاب ہوا ہے؟) کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ حضرتؑ نے فرمایا:

اِذَا دَخَلَ وَقتُ الصَّلٰوۃِ فَاَذِّنَ وَاَقِیمَت تَعرِفُ الْغَالِبُ

"جب نماز کا وقت ہوگا، اذان کہی جائے گی اور نماز کھڑی ہوگی تو اُس وقت تمھیں معلوم ہوجائے گا کہ کون کامیاب ہوا ہے اور کون ناکام"۔ (امالی شیخ طوسیؒ: ص ۶۶)

یہاں پر شہادت کے اصلی ہدف کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی خاطر امام علیہ السلام نے اپنی مقدس جان کا نذرانہ پیش کیا اور یزید جس کی کوشش یہ تھی کہ نُورِ خدا کو بجھائے اور اس کا باپ معاویہ جو یہ چاہتا تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زحمتوں کو نابود کرے جب کہ اذان میں ان کے نام کی دی جانے والی شہادت کو ختم کرنے کی شکست کو عیاں کرنے کے لیے آپؑ نے قربانی دی۔ اب مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ نماز کے پنجگانہ اوقات میں ان کے اسمِ مبارک کی گواہی دیں اور نام محمدؐ کہ جس نے شرک کے محلات کو ویران اور بتوں کی پرستش کو باطل

کیا، کا اعلان کریں۔ اسی دلیل کی وجہ سے امت مسلمہ پر واجب ہے کہ اپنی نماز کے تشہد میں محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجے، کیوں کہ ان پر درود بھیجے بغیر نماز ناقص رہے گی۔ (صواعق محرقہ: ص ۸۷۔ کشف الغمہ شوانی: ج ۱، ص ۱۹۴)

عقیلۂ بنی ہاشم امیرالمومنینؑ کی بیٹی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا بھی اسی کامیابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یزید سے فرماتی ہیں:

فَكِدْ كَيْدَكَ وَاسْعَ سَعْيَكَ وَنَاصِبْ جُهْدَكَ فَوَاللهِ لَا تَمْحُو ذِكْرَنَا وَلَا تُمِيتُ وَحْيَنَا وَلَا تُدْرِكُ اَمَدَنَا وَلَا يَرْحَضُ عَنْكَ عَارُهَا وَشَنَارُهَا.....

"(اے یزید) اگر تُو اپنی تمام مکاریوں سے فائدہ اُٹھائے، اگر تُو اپنی تمام کوششیں کرے، اپنی تمام قوت و قدرت کو استعمال کرے، خدا کی قسم! تُو اس پر قادر نہیں ہو سکے گا کہ ہماری یاد دلوں سے مٹا دے یا اس وحی کو ختم کر سکے جو ہمارے اُوپر نازل ہوئی ہے اور نہ تُو ہمیں نابود کر سکے گا، تو ایسے ہی بے ہودہ کوشش کر رہے ہو، تیرے حصّے میں ننگ و عار اور نفرت و رُسوائی کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچے گا......"۔

واقعۂ طف (کربلا) کی تحقیق و تدقیق کریں تو یہ بات بہ خوبی واضح ہو جائے گی کہ شہدائے کربلا کی شہادت، شہدائے بدر کی شہادت سے اہم تر ہے، اگرچہ بدر کا شمار سب سے پہلی اسلامی فتح کے طور پر ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود واقعۂ کربلا سے اہم تر نہیں ہے کیوں کہ بدر میں مسلمان خود رسولِ خدا کے پرچم کے سائے میں اکٹھے ہوئے تھے۔ تین ہزار ملائکہ نے ان کا احاطہ کیا ہوا تھا اور ان کی حمایت کر رہے تھے۔ ادھر سے رسولِ خدا کی دشمن کے خلاف کامیابی حاصل کرنے اور غلبہ پانے کی بلند صدائیں ان کے کانوں میں جارہی تھیں۔ چونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ کامیاب ہیں، لہٰذا بڑی دل جمعی کے ساتھ قریشی سرکشوں کے ساتھ جنگ کر رہے تھے۔

لیکن کربلا میں سختیاں اور مشکلات بہت زیادہ اور غم و اندوہ اور مشقت بے شمار نظر آتی

ہے۔ کیونکہ موت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سیلاب کی ہیبت ناک امواج ہر لحہ ہر جگہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں اور موت منھ کھولے ہوئے سب کے سامنے کھڑی تھی۔ بنی اُمیہ نے ہر طرف سے فرزند پیغمبرؐ کو گھیرا ہوا تھا اور سب کے لیے زندہ رہنے کی اُمید ختم ہو چکی تھی۔

عَشِیَّۃٌ اَنْھَضَھَا بَغْیُھَا فَجَائَتہٗ تَرکَبُ طُغْیَانُھَا

یَجْمَعُ مِنَ الْاَرْضِ سَدُّ الْفُرُوجِ وَغَطّٰی النَّجُوْدُ وَغَیطَانُھَا

وَطَا الْوُحَشُ اِذ لَم یَجِدْ مَھرَبًا وَلَا زَمَتِ الطَّیرُ اَو کَانَھَا

"انھیں ظلم و طغیان نے اس اقدام پر برانگیختہ کیا۔ ظلم و جبر پر سوار ہو کر آئے۔ ان کے لشکر کے اژدہام سے زمین بھر گئی۔ گھاٹیوں اور راستوں پر پہرے بٹھا دیے گئے۔ ان مظلوموں کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا۔ وہ ان کے لشکر سے محصور ہو کر رہ گئے تو ان وحشی درندوں نے انھیں روند ڈالا، حسینی جوانوں نے اپنی جان دے دی، لیکن اپنے ہدف سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹے"۔

لیکن اس کے باوجود وہ اپنے عقیدہ میں محکم و استوار رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی اپنے ارادے سے منحرف نہیں ہوئے۔ وہ کسی طرف سے مدد پہنچنے کا انتظار کیے بغیر تمام خطروں کے سامنے ڈٹے رہے۔ اس کے باوجود کہ ان پر زندگی اور نجات کے تمام راستے بند ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ ان پر وہ پانی جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور تمام انسان اور حیوان اس سے استفادہ کر سکتے تھے، بند ہو چکا تھا۔ اہلِ حرم کہ جو ان کی خباثتوں سے مضطرب تھے، کا شور و غوغا بلند تھا۔ شدید گرمی میں پیاس کی شدت سے بچوں کی فریاد ان کی روحوں کو تکلیف پہنچا رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ دشمن کے مقابلے میں بڑے سکون اور اطمینانِ قلب کے ساتھ پہاڑ کے مانند ڈٹے رہے۔ انھوں نے قدم قدم پر بنی اُمیہ کے ساتھ مبارزت کی۔ ان کا خون بنی اُمیہ کے خبیث گروہ کے سوا کسی اور نے نہیں بہایا۔ اس ظلم و بربریت کی ان کے پاس کوئی توجیہ نہیں ہے۔ حکومت آلِ حرب کی جنایتوں کی توجیہ کرنا یوں ہے جیسے کتا اپنی ناک چاٹتا ہے کہ جو کبھی پاک نہیں ہو سکتی، وہ اپنی ان غلط کاریوں کو روئے زمین سے جس قدر مٹاتا

چاہیں وہ زیادہ اُبھر کر سامنے آئیں گی۔ اس ساری صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اب پوچھنا چاہیے کہ کون کامیاب ہوا ہے؟

ایک شاعر اہلِ بیتؑ نے کیا خوب کہا ہے:

لَولَم نَكُن جمعتْ كُلُّ العُلٰى فِينَا — لَكَانَ مَا كَانَ يَومُ الطَّفِ يَكْفِينَا
يَومٌ نَهَضنَا كَامثَالِ الأسْوَدِ بِهٖ — وَاَقْبَلَتْ كَالدَّبَا زَحفًا اَعَادِينَا
جَاءُوا بِسَبعِينَ اَلفَاسَل بَقِينَهُمْ — هَل قَابِلُونَا وَقَد جِئنَا بِسَبعِينَا

"فرض کریں اگر ہم (اہلِ بیتؑ) میں اوصافِ حمیدہ میں کوئی وصف نہ ہو تو ہمارے اوصافِ حمیدہ کے لیے وہی فتح کافی ہے جو ہمیں روزِ طف (دسویں محرم) کو حاصل ہوئی ہے۔ وہ ایسا دن تھا کہ ہم نے شیر کے مانند ان پر حملے کیے جبکہ دشمن ٹڈی دَل لشکر کے ہمراہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آیا تھا۔ اپنے پس ماندگان سے پوچھ لیجیے وہ ستر ہزار کا لشکر لائے تھے جبکہ ہم بہتر افراد سے زیادہ نہیں تھے (پھر بھلا) کیوں کامیاب نہیں ہوئے ہو"۔

کربلا کی جنگ لوگوں کے اس ہجوم کے خلاف کامیابی کی جنگ تھی کہ جو نُورِ خدا کی درخشندگی اور نُورِ نبوت کے پرتو کو بے شمار کوششوں کے باوجود بجھا نہ سکا۔ وہ لوگوں کا ایسا گروہ تھا جو بنی اُمیہ کے اسلام مخالف اعمال کی وجہ سے حق سے منحرف ہو چکا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے قیام کا آغاز ریاست و سلطنت کے حصول اور معاشرے کو بے چین کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔ اگر ہدف و مقصد یہ ہوتا تو پھر اسے حاصل کرنے کے لیے ہر طرح کے وسائل مہیا کرتے اور اس کام کو ان چند لوگوں پر کبھی نہ چھوڑتے کہ جو شہید ہونے پر آمادہ تھے اور وہ ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیں۔ بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو اسیر کر لیں، ان کا لشکر متفرق ہو جائے۔ ان کی ظاہری قوت و قدرت کمزور۔ ناتواں ہو جائے۔ ہاں! حضرت نے اسے ہرگز نہیں چھپایا اور اس کام کو اپنے دوستوں پر مبہم نہیں رکھا، حتیٰ کہ انھیں جانے کی اجازت دے کر امتحان کیا تا کہ ان میں سے جو کوئی طمع و لالچ کی بنا پر

آیا ہے وہ چلا جائے اور جو مخلص ہیں وہ باقی رہ جائیں۔ ایسے مخلص افراد کے دل میں نہ کوئی خوف آسکتا ہے اور نہ ہی شکست ان کے چہروں اور ہدف کو متاثر کرسکتی ہے۔ کیوں کہ اس طرح کا اثر قبول کرنا نااُمید انسان کی آخری حد ہے۔ درحالانکہ اس گروہ کو حقیقی کامیابی کا یقین تھا، جیسا کہ اس چیز کا استفادہ ان کے اس جواب سے ہوتا ہے جو انھوں نے اس وقت دیا تھا جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے شبِ عاشور حالات کا تجزیہ وتحلیل کرتے ہوئے ان سے اپنی بیعت اُٹھالی تھی اور انھیں جانے کی اجازت دے دی تھی۔

سب نے یہ کہا تھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِالْقَتْلِ مَعَكَ وَلَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا بَاقِیَۃً وَکُنَّا فِیْھَا مُخَلَّدِیْنَ لَاٰثَرْنَا النُّھُوْضَ مَعَكَ عَلَی الْاِقَامَۃِ فِیْھَا

''ہم اس خدا کے شکرگزار ہیں کہ جس نے ہمیں آپ کے ہمراہ قتل ہونے کا افتخار بخشا۔ اگر دنیا ہمیشہ کے لیے ہو تو ہم بھی اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ہم دنیا میں باقی رہنے پر آپ کی تحریک اور نہضت میں ہونے کو ترجیح دیں گے''۔

چونکہ امام علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ ان کے ساتھ جنگ میں فداکاری اور شریعتِ مقدسِ اسلام کا دفاع کرنے کے لیے آمادہ ہیں تو ان کے سامنے روشن کتابِ دل کی کچھ سطریں پڑھتے ہوئے فرمایا:

.....اِنِّیْ لَا اَجِدُ اَصحَابًا اَوفٰی مِن اَصْحَابِیْ وَلَا اَھلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَاَوصَلُ مِنْ اَھْلِ بَیْتِی..... (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۴)

''میں نے اپنے اصحاب سے باوفا تر کسی کے اصحاب نہیں دیکھے اور نہ ہی اپنے اہلِ بیتؑ سے زیادہ نیک اور سچے کسی کے اہلِ بیتؑ دیکھے ہیں''۔

بعض راویوں اور تاریخ نویسوں پر حیرانی ہوتی ہے کہ انھوں نے ان پاکیزہ شخصیات کی طرف ایسی نسبتیں دی ہیں کہ جنھیں پڑھ اور سن کر شرم کی وجہ سے انسانیت کی پیشانی پسینے سے شرابور ہوجاتی ہے۔ کوئی بھی صحیح سالم عقل و وجدان کا مالک شخص ان نسبتوں کو قبول نہیں کرتا

ہے۔ من جملہ بعض نے لکھا ہے کہ روزِ عاشورا حالات جس قدر سخت ہوتے گئے کربلا کے بہادروں کے رخساروں کے رنگ فق ہوتے گئے، لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام جس قدر اپنے ہدف اور مقصد کے قریب تر ہوتے گئے ان کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح نورانی تر ہوتا گیا۔ (نفس المہموم: ص ۱۳۵)

وہ تمام مطالب جو اصحاب سے سنے گئے وہ اس کے بعد تھے کہ انھوں نے شہید راہِ عزت و کرامت حضرت امام حسین علیہ السلام سے ان کی طرف چھوٹا سا اشارہ حتیٰ کہ کنایہ تک نہ دیکھا اور نہ سنا تھا۔ پھر ان کے اصحاب اور اہلِ بیتؑ پر حملہ کر دیا۔ یہ ایک مخفی اور بہت بڑا درد ہے کہ جس کو انھوں نے بعض کے سینوں میں رکھا ہے۔ یہ ایسا زہر ہے کہ جو انھوں نے سادہ لوح اور زود باور (جلد یقین کر لینے والے) افراد کو روغن میں گوندھ کر کھانے کو دیا ہے۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ انھوں نے بھی اسے حقیقت تصور کیا ہے۔ ان لوگوں نے ایسی نسبتیں دے کر تاریخ کا چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے، لیکن آگاہ اور صاحب بصیرت افراد پر، جو اہل نقد و نظر ہیں، ان بہادروں کی حقیقت اور انھوں نے جو کام انجام دیا اس کی واقعیت پوشیدہ نہیں ہے۔

اس سے حیران کن تر وہ گفتگو ہے جو زجر بن قیس جعفی نے یزید سے کی۔ اس نے کہا کہ ہم نے (امام) حسینؑ کے دوستوں کا یوں محاصرہ کیا کہ ان کے لیے فرار کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ اس کبوتر کی طرح تھے جو باز کے خوف سے ٹیلے کی اوٹ اور کھائی میں پناہ حاصل کرے۔ (عقد الفرید فی خلافت یزید: ج ۲، ص ۳۱۳)

اے ایسی بات (بلکہ بکواس) کرنے والے! تمھارے منہ میں خاک! گویا تم اس وقت نہیں تھے کہ اس انتہائی حساس اور خطرناک موقعیت کا مشاہدہ کرتے اور دیکھتے کہ جواں مردوں اور دلیروں نے کس مردانگی اور دلیری سے دشمن پر حملہ کیا اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر دینِ حنیف کی پاسداری اور حفاظت کی۔ کیا تم جنگ صفین وغیرہ میں ان کی فداکاریوں کو بھول گئے ہو؟ کیا تمھیں یاد نہیں ہے کہ کوفہ میں کوئی بھی ایسی مجلس و محفل نہیں تھی کہ جس میں اُن جواں مردوں کی مردانگی اور شجاعت زبانِ زدِ خاص و عام نہ ہو؟!

ہاں! وہ شجاعت اور جواں مردی کہ جس نے تمھیں چکرا دیا اور تمھارے ہوش اُڑا رکھے

ہیں اور تمھیں کچھ سمجھ نہیں آرہا کہ کیا یاوہ گوئی کر رہے ہو!! اگر تم وقت گزرنے کے باعث سب کچھ بھول چکے ہو تو کیا یتیم بچوں کی داد و فریاد اور استغاثہ اور بیوہ عورتوں کے گریہ وشیون کی صدائیں بھی تمھارے کانوں تک نہیں پہنچی ہیں؟

ہاں! تمھارے اور تمھارے جیسے یزید کے جیرہ خواروں کا عذر معلوم ہے۔ تم ان پاکیزہ ہستیوں کے مقامِ مشکور کو مسخ کرنا چاہتے ہو تاکہ شراب خوار یزید کی خوشنودی حاصل کرسکو۔

تم ان کے مقام و مرتبہ کا انکار کرتے ہو، لیکن عمرو بن حجاج جو (تمھاری طرح) ان کا سخت ترین دشمن تھا، جب اس نے اپنے گروہ کو ان کے ساتھ جنگ کے لیے آمادہ کیا تو کہا:

أَتَدْرُوْنَ مَنْ تُقَاتِلُونَ تُقَاتِلُونَ فُرْسَانَ الْمِصْرِ وَاَهْلَ الْبَصَائِرِ وَقَوْمًا مُسْتَمِيتِيْنَ لَا يَبْرُزُ اِلَيْهِمْ اَحَدٌ اِلَّا قَتَلُوْهُ عَلٰى قِلَّتِهِمْ وَاللهِ لَوْلَمْ تَرْمُوْهُمْ اِلَّا بِالْحِجَارَةِ لَقَتَلْتُمُوْهُمْ

"کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم کن بہادروں سے جنگ لڑ رہے ہو؟ تم ایسے افراد سے جنگ لڑ رہے ہو کہ جو قدرت کے اعتبار سے شیر اور تشخیص کے لحاظ سے اہلِ بصیرت ہیں۔ وہ ایسے مرد ہیں کہ جو موت کے عاشق ہیں۔ ان کی تعداد کم ہونے کے باوجود جو بھی میدانِ نبرد میں ان کے مقابلے میں جائے گا وہ مارا جائے گا۔ انھیں اسلحہ و شمشیر سے قتل نہیں کرسکتے مگر یہ کہ پتھروں سے ان پر حملہ کرو"۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۴۸)

وہ شخص جو کربلا میں ابن سعد کے ہمراہ تھا اس سے انھوں نے کہا: تم برباد ہو جاؤ، تم لوگوں نے پیغمبرؐ کی ذُرّیت کو قتل کیا ہے؟

اس نے جواب میں کہا: ہم نے انتہائی سخت پتھر دانتوں سے توڑا ہے۔ ان کی جو دلیری و مردانگی ہم نے دیکھی ہے اگر تم بھی دیکھتے تو وہی کام کرتے جو ہم نے کیا ہے۔ یہ افراد تلوار ہاتھ میں لیے شیر کے مانند ہمارے اُوپر حملہ آور ہوتے اور ہمارے دائیں بائیں سواروں پر دھاوا بولتے ہوئے ان کے ٹکڑے کر کے زمین پر ڈھیر کردیتے۔ وہ کسی کو بھی معاف نہ کرتے۔ کسی کی پناہ قبول نہ کرتے، وہ دنیا کے مال و ثروت سے بے پروا تھے۔ موت اور ان کے

درمیان کوئی چیز مانع نہ ہوتی۔ ان کا ہدف حکومت پر قبضہ کرنا تھا۔ اگر ہم میدان کارزار میں تھوڑا سا ہاتھ ڈھیلا رکھتے تو ان کا لشکر ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیتا۔ اس صورت میں ہم مغلوب ہوجاتے اور ہار جاتے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۱، ص ۳۰۷، طبع اوّل مصر)

کعب بن جابر نے جب جناب بریر کو شہید کیا اور اس کی زوجہ نے اس کو سرزنش کرتے ہوئے کہا: تُو فرزند زہراؑ کے مقابلے میں گیا ہے، تُو نے قاریوں کے آقا و سردار کو قتل کیا ہے، تُو نے بہت بُرا کام انجام دیا ہے، خدا کی قسم! میں آج کے بعد تمھارے ساتھ کبھی گفتگو نہیں کروں گی۔

اس نے اپنی بیوی کے جواب میں کہا:

وَلَمْ تَرَعَيْنِى مِثْلَهُمْ فِى زَمَانِهِمْ ... وَلَا قَبْلَهُمْ فِى النَّاسِ اِذْ اَنَا يَافِعٌ
اَشَدُّ قِرَاعًا بِالسُّيُوفِ لَدَى الْوَغٰى ... اَلَا كُلُّ مَنْ يَحْمِى الذِّمَارَ مَقَارِعٌ
وَقَدْ صَبَرُ لِلضَّرْبِ وَالطَّعْنِ حُسَّرًا ... وَقَدْ نَازَلُوا لَوْاَنَّ ذٰلِكَ نَافِعٌ

”جس دن سے میں بالغ ہوا ہوں میری آنکھوں نے کسی زمانے میں بھی اس طرح کے جواں مرد نہیں دیکھے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنھوں نے جنگ میں انتہائی شدید ضربتیں لگائی ہیں۔ ہاں! جو کوئی بھی عزت و آبرو کا حامی ہے وہ کچل دیتا ہے۔ انھوں نے آخری لحات تک صبر و تحمل سے نیزے اور تلوار کی ضربتیں برداشت کیں اور مصلحت کی خاطر ہر مصیبت کو اپنی جان پر برداشت کیا“۔

لہٰذا ان میں کون ہے جو پریشان ہوا ہو اور خوف سے کانپنے لگا ہو؟ کیا زُہیر بن قین (پریشان) تھے، جو حسینؑ (آقا) کے شانے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور جنگ کرنے کی اجازت مانگتے ہوئے کہہ رہے تھے:

اَقْدِمْ هُدِيْتَ هَادِيًا مَهْدِيًّا ... فَالْيَوْمَ اَلْقٰى جَدَّكَ النَّبِيًّا

”میں اُس عظیم ہستی پر اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہوں جو ہادی اور مہدی ہے۔ آج میں آپؑ کے نانا پیغمبر اکرمؐ سے ملاقات کرنے والا ہوں“۔

کیا مسلم بن عوسجہ "ترساں" تھے کہ جنھوں نے آخری وقت میں حبیب ابن مظاہر کو وصیت کی کہ وہ امام حسینؑ کی مدد کرنے سے پیچھے نہ ہٹے۔ وہ اس قدر بلند ہمت تھے کہ گویا انھوں نے جتنے بھی دکھ اور مصائب اُٹھائے انھیں قانع نہ کر سکے۔

کیا ابوثمامہ صائدی (خائف) تھے کہ جن کے لیے راہِ خدا میں کوئی بھی دکھ درد اہم نہیں تھا بلکہ وہ نماز کی فکر میں تھے کہ جس کا وقت ہو چکا تھا؟

کیا سعید حنفی "پریشان" تھے کہ جنھوں نے نماز کے دوران اپنا بدن دشمن کے تیروں کے سامنے ڈھال بنا رکھا تھا اور زیادہ خون نکلنے کے باعث وہ زمین پر گر گئے تھے اور اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تھا:

اَوَفَیتُ یَابنَ رَسُولِ اللّٰهِ؟

"اے فرزندِ رسولؐ! کیا میں نے اپنا عہد وپیمان پورا کیا ہے؟"

کیا شبیب بن شاکری "خوف زدہ" تھے کہ جن کی پیشانی خون سے شرابور تھی اور زرہ وجنگی ہتھیاروں کے بغیر لشکر کے درمیان میں حملہ کر کے اپنی جان فدا کر دی تھی جب کہ شجاعت میں معروف ترین شجاع اور دلیر افراد جنگ کے دوران میں زرہ پہنتے ہیں تاکہ جان محفوظ رہ سکے؟

کیا جناب جَون "پریشان و خائف" تھے کہ جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام انھیں وہاں سے چلے جانے کی اجازت دیتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو امامؑ کے پاؤں میں گرا دیتے ہیں، اور پاؤں پر بوسہ دے کر گریہ کرتے ہوئے کہتے تھے:

اِنَّ لَونِی لَاَسوَدُ وَحَسَبِی لَئِیمٌ وَرِیحِی مُنتَنٌ، فَتَنَفَّس عَلَیَّ بِالجَنَّةِ لِیَبیَضَّ لَونِی وَیَشرُفَ حَسَبِی وَیَطِیبَ رِیحِی

"بے شک! میرا رنگ سیاہ ہے، میرا حسب گھٹیا ہے اور میری بُو ناگوار ہے، پس جنت میں سانس لینا چاہتا ہوں تاکہ میرا رنگ سفید، حسب بلند اور بُو خوش گوار ہو جائے"۔

اگر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فرمان: اِنَّ اَصحَابَ جَدِّی الحُسَینِ لَم یَجِدُوا

اَلَمْ مِنَ الْحَدِیْدِ[1] میں غور وفکر کریں تو ان پاک و پاکیزہ ہستیوں کی پائے داری اور استقامت بخوبی واضح ہو جائے گی کہ یہ پاک ہستیاں رسولِ خدا کا قرب حاصل کرنے کا شوق دل میں لیے ہوئے عشق کی اس منزل پر فائز تھیں کہ اتنے زخم کھانے اور تکالیف برداشت کرنے کے باوجود انھیں کسی قسم کے زخم اور دکھ درد کا احساس تک نہیں ہوا۔

جو کوئی عشق و عاشقی کی کیفیت سے آگاہ ہو اور جانتا ہو کہ عاشق جب اپنے محبوب اور معشوق کے حُسن و جمال میں غرق ہو جاتا ہے تو اسے کسی بھی دکھ درد اور تکلیف کا احساس نہیں ہوتا ہے، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب پر ایسی حالت طاری ہونے پر ہرگز تعجب نہیں کرے گا۔

تاریخ نویسوں نے لکھا ہے: بعض اوقات کوئی باشعور انسان ایسا تیر بناتا ہے کہ جب خود اُسے دیکھتا ہے تو وحشت زدہ ہو جاتا ہے لیکن اسی انسان پر جب خاص حالت طاری ہوتی ہے تو اپنی انگلیاں کاٹ دیتا ہے اور ان سے خون بہنے لگتا ہے لیکن اسے درد کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (اغانی: ج ۸، ص ۳۷)

منقول ہے کہ ایک انصاری جوان کی نگاہیں کسی عورت پر پڑ گئیں تو وہ اس کے حُسن و جمال میں غرق ہو گیا۔ وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ جب وہ ایک تنگ کوچے میں پہنچا تو دیوار کی بغل میں نصب شدہ شیشہ اس کے چہرے پر لگا، جس سے اس کا چہرہ زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ اس حالت میں بھی وہ جوان اس قدر غرقِ خیالِ حُسن تھا کہ وہ متوجہ تک نہ ہوا کہ وہ زخمی ہو چکا ہے۔ جب وہ عورت آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تو اُس جوان نے دیکھا کہ وہ تو خون میں ڈوبا ہوا ہے تو وہ رسولِ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری داستان آں حضرتؐ کے گوش گزار کی۔ تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ..... (سورۂ نور: آیت ۳۰)

"مومنین سے کہہ دیں کہ اپنی آنکھیں بند رکھیں"۔ (مرآۃ العقول: باب ۱۶۰، یحل النَّظَرُ اِلَيْهِ مِنَ الْمَرْاَةِ وَتَفَاسِير)

---

[1] الخرائج راوندی: ص ۱۳۸، طبع ہند

رسولِ خدا سے حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "وہ شخص جو راہِ خدا میں شہید ہو جاتا ہے تو اسے کسی درد کا احساس نہیں ہوتا مگر بھِڑ کے ڈنگ جتنا"۔(تیسیر الاصول ابن ربیع: ج ۱، ص ۱۲۹۔ کنز العمال: ج ۲، ص ۲۷۸، فضل الشہادۃ)

ابن زیاد نے جب رُشید ہجری سے مطالبہ کیا کہ وہ اسے اس امر کے بارے میں بتائے جس کے متعلق امیر المومنین علی علیہ السلام نے اسے خبر دی ہے؟ اُنھوں نے جواب میں وضاحت سے بیان کیا:

ایک دن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام برنی کے باغ میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔ آپؑ نے حکم دیا کہ کچھ تازہ کھجوریں توڑ کر لائی جائیں۔ جب کھجوریں ان کی خدمت میں حاضر کی گئیں تو میں نے عرض کیا: اے امیر المومنینؑ! کتنی اچھی کھجوریں ہیں؟!

حضرتؑ نے فرمایا: ہاں! ایک دن ایسا آئے گا کہ زنازادہ عبیداللہ ابن زیاد تجھے اس پر مجبور کرے گا کہ مجھ سے اظہارِ برأت کرو، ورنہ تیرے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دے گا اور اسی کھجور پر تجھے سولی پر چڑھائے گا۔

مَیں (رُشید ہجری) نے امام علیہ السلام سے سوال کیا کہ اس کا انجام بہشت ہوگا؟

امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

اَنْتَ مَعِي فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ

"تم دنیا و آخرت میں میرے ساتھ ہوں گے"۔

مَیں نے عرض کیا: خدا کی قسم! ایسی صورتِ حال میں، مَیں کبھی بھی آپؑ سے اظہارِ برأت نہیں کروں گا۔ اس کے بعد مَیں ہر صبح و شام اس درخت کے پاس جاتا، اسے پانی دیتا اور کہتا:

لَكَ غَذَّيْتُ وَلِي أُنْبِتَ

"مَیں تجھے غذا دیتا ہوں تاکہ تُو میرے لیے رُشد کرے"۔

دن گزرتے رہے، ابن زیاد کوفہ کا گورنر بنا، اس نے رُشید کو بلایا اور اس سے وہ خبر پوچھی جو امیر المومنین علی علیہ السلام نے اس کے سامنے بیان فرمائی تھی۔ رُشید نے کہا: میرے دوست نے مجھے بتا رکھا ہے کہ تُو مجھے اس سے برأت کا اظہار کرنے کی دعوت دے گا۔ میں ان سے

اظہار برأت نہیں کروں گا اور تُو میرے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دے گا۔

ابن زیاد نے کہا: میں ایسا کام کروں گا کہ جس سے تیرا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں لیکن زبان چھوڑ دی جائے۔ یہ حکم لاگو کرنے کے بعد انھیں ان کے گھر لے گئے۔ لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ رُشید نے موقع سے فائدہ اُٹھایا اور امیر المومنین علی علیہ السلام نے اسے غیبی علوم اور اہلِ بیتؑ کے فضائل ومناقب کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہوئے کہا:

أَيُّهَا النَّاسُ سَلُونِي إِنَّ لِلْقَوْمِ عِنْدِي طَلَبَةٌ يَقْضُوهَا

"اے لوگو! اپنے سوالات مجھ سے پوچھو، اس قوم کا مجھ پر ایک قرض ہے جو اس نے مجھ سے دریافت نہیں کیا"۔

ایک شخص ابن زیاد کے پاس گیا اور اس سے کہا: تم نے کیا کیا ہے، اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے ہیں، اور اسے آزاد چھوڑ دیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے بڑے بڑے واقعات وحادثات سے آگاہ کرتا رہے؟

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے واپس لایا جائے اور اس کی زبان بھی کاٹ دی۔ اسی رات میں رُشید کی روح عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کر گئی اور اس کا بدن اسی کھجور کے درخت پر لٹکایا گیا کہ جو عمرو بن حریث کے گھر کے سامنے تھا۔ (رجال کشی: مطبوعہ دانش گاہ مشہد: ص ۷۵-۷۸، ج ۱۳۱-۱۳۲، میزان الاعتدال ذہبی: ج ۱، ص ۳۳۹، لسان المیزان ابن حجر: ج ۲، ص ۴۶۱)

رُشید کی بیٹی قنوا کہتی ہے: مَیں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ انھوں نے آپ کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے ہیں، آپ کو اس کا درد کس قدر ناراحت کر رہا ہے؟

اس نے جواب میں کہا: اے بیٹی! مجھے اس کا کوئی احساس نہیں ہو رہا مگر اس قدر کہ جتنا لوگوں کی بھیڑ میں (پھنسنے کا) احساس ہوتا ہے۔ (ایضاً)

رُشید ہجری نے مصائب اور اموات کا علم امیر المومنینؑ سے اُن کے ساتھ رہ کر سیکھا تھا۔

رُشید کے حالات و واقعات کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ انسان اپنے حواس جس قدر خداوند قدوس کی طرف متوجہ کرے، جس قدر اُس میں ربوبی مظاہر اس کے لیے بیشتر تجلی کریں اور وہ ان جاودانہ نعمتوں کا مشاہدہ کرے جو خداوند قدوس نے اس کے لیے دعوتِ دین کی خاطر آمادہ کی ہیں تو اس کے لیے ہر قسم کے درد، رنج، اذیتیں اور زخم آسان ہوجاتے ہیں۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے دیدار کے وقت تمام دکھوں اور تکالیف کو بھول جاتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے حُسن و جمال کو دیکھ کر عورتیں اپنے ہوش وحواس اس قدر کھو بیٹھیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے لیکن درد کا کوئی احساس تک نہ ہوا۔

فَلَمَّا رَاَیْنَہٗۤ اَکْبَرْنَہٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ ھٰذَاۤ اِلَّا مَلَکٌ کَرِیْمٌ ○ (سورۂ یوسف: آیت ۳۱)

"پھر جیسے ہی انھوں نے دیکھا تو بڑا حسین وجمیل پایا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہا: حاشاللہ یہ تو آدمی نہیں ہے بلکہ محترم ومکرم فرشتہ ہے"۔

جب عزیز مصر کی محفل میں موجود عورتیں اپنے ہاتھ کٹنے کا احساس نہیں کرتیں تو پھر حضرت امام حسین علیہ السلام کہ جو تمام موجودات میں سے منتخب شدہ اور برگزیدہ ہستی ہیں، اس میں کسی قسم کی حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کہ اُن کے شیدائی وہ شمشیر اور نیزے کے درد کا احساس نہ کریں، کیوں کہ یہ عشق کے آخری درجے پر فائز تھے اور مرحلہ قداست کی انتہا تک پہنچنے کے لیے جان فدا کرنا ان کی آخری خواہش تھی۔ وہ بھی خاص کر اس وقت جب وہ سیّدالشہدا کے وجود میں جذب ہوچکے تھے۔

ع تا کس نہ گوید بعد ازیں مَن دیگرم تو دیگری

بِاَبِیْ اَفْدِیْ وُجُوْھًا مِنْھُمْ صَافَحُوْا فِیْ کَرْبَلَا فِیْھَا الصفاحا
اَوْجُھًا یُشْرِقْنَ بِشْرًا کُلَّمَا کَلَحَ العام وَیَقْطُرْنَ سِمَاحًا
تَتَجَلّٰی تَحْتَ ظُلْمَا الْوَغٰی کَالْمَصَابِیْحِ اِلْتِمَاعًا وَالْتِمَاحًا
اَرْخَصُوْا دِیْنَ ابْنِ بِنْتِ الْمُصْطَفٰی اَنْفُسًا تَاقَتْ اِلَی اللّٰہِ رَوَاحًا
فَقَضَوْا صَبْرًا وَمِن اَعْطَافِھِمْ اَرَجِ الْعِزِّ بِثَوْبِ الدَّھْرِ فَاحَا

لَمْ تَذُقْ مَاءً سِوٰى منبعث مِنْ دَمِ الْقَلْبِ بِهٖ غَصَّتْ جَرَاحَا

اَنْهَلَتْ مِنْ دَمْهَا لَوْ اَنَّهُ كَانَ مِن ظَامِى الْعُشَاء يُطْفِئْ الْتِيَاحَا

اُعْرِبَت فِهِىَ عَلٰى اَنْ تَرِيَّدِى بِنَسِيْجِ التُّرَابِ تَمْتَاحُ الرِّيَاحَا

"میری جان! ان خوب صورت چہروں پر قربان ہو جنھوں نے کربلا کے میدان میں اپنی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ وہ ایسے چہرے تھے، جن سے حریت عیاں تھی اور مایوسیوں سے ہٹ کر اُمیدوں سے وابستہ تھے۔ ظلمت و تاریکی کے ماحول میں یوں روشن تھے جیسے فانوس۔ اُنھوں نے رسولِ اسلام کی دختر کے بیٹے کی بارگاہ میں اپنے نفوس کو کچھ نہ سمجھا اور ان کے دفاع میں اپنی جانیں قربان کردیں۔ اُنھوں نے صبر کا وہ مظاہرہ کیا جس کی مثال کائنات میں نہیں ملتی۔ ان کا احسان ان کی مہربانیاں یہ ہیں کہ اُنھوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر زمانے میں عزت و اکرام کو پھیلا دیا۔ وہ پیاسے تھے اُنھیں پیاس شدت سے ستائے ہوئے تھی۔ لیکن اپنے آقا کی پیاس کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے دل کا خون پیا اور ایسا خون جس نے اُنھیں درد کے سمندر میں ڈبو دیا۔ جی ہاں! صرف اِن کا خون ہی ان کی پیاس بجھا سکتا تھا۔ یہ سبھی بے گوروکفن تھے۔ اگر ان کا کفن تھا تو وہ زمینِ کربلا کی مقدس خاک تھی جسے ہَوا ان کے مقدس اَبدان پر ڈال رہی تھی"۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے دوستوں کے ہم راہ

شریعتِ مقدسِ اسلام منکر کے سدباب اور فتنہ وفساد کو روکنے کے لیے فساد و بگاڑ کے خلاف قیام اور مبارزت کرنے کو واجب سمجھتی ہے۔ اگر بھی امام علیہ السلام باغیوں اور سرکشوں کو توبہ کرنے کی دعوت دے تا کہ حق کی مخالفت کرنے سے باز آجائیں اور اسلام پر ایمان لے آئیں۔ اس کے باوجود وہ امامِ برحق کی مخالفت جاری رکھیں تو اس صورت میں اُمت پر واجب ہے کہ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے امامؑ کا اتباع کریں تا کہ ظلم کرنے والوں کو ظلم سے روکا جائے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ حَتّٰى تَفِىْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ.....

"اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں جھگڑا کریں تو تم سب ان کے درمیان صلح کراؤ۔ اس کے بعد اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو سب مل کر اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرنے والا گروہ ہے یہاں تک کہ وہ بھی حکمِ خدا کی طرف واپس آجائے"۔ (سورۂ حجرات: آیہ ۹)

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنی خلافت کے ایام میں شریعتِ مقدسِ اسلام کی طرف دعوت دینے اور لوگوں کو جہالت و نادانی کے خواب سے بیدار کرنے کے لیے قیام کیا تو لوگوں پر واجب تھا کہ ان کی طرف آتے، کیوں کہ وہ ایسے امام (برحق) تھے کہ جن کی اطاعت کرنا تمام لوگوں پر واجب تھا۔ وہ ایسے امامؑ تھے کہ تمام اسلامی فرقوں نے ان کی بیعت درست ہونے کا اقرار کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ جو کوئی بھی ان کے خلاف قیام کرے۔ اس کے ساتھ مبارزت کرنا واجب اور حق ہوگا۔ اب ہم یہاں پر بعض ان کلمات کو ذکر کرتے ہیں جو انھوں نے اپنی کتابوں میں لکھے ہیں تا کہ دعویٰ پر دلیلِ محکم قائم ہو۔

① ابوحنیفہ کہتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام نے کسی سے بھی جنگ نہیں کی مگر یہ کہ وہ اس کی نسبت حق کے زیادہ سزاوار تھے۔ اگر علیؑ کا کردار اور رفتار ہمارے سامنے نہ ہوتی تو کوئی بھی نہ سمجھتا کہ مسلمانوں کی سیرت کیا ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جب طلحہ وزبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت توڑی تو انھوں نے ان کے ساتھ جنگ کی۔ اس کے باوجود جنگ جمل کے روز حضرت علیؑ نے ان کے ساتھ عدالت سے کام لیا۔ حضرت علیؑ کی رفتار مسلمانوں کے لیے مثالی نمونہ تھا اور آپؑ کی جنگوں کے باعث اہلِ ستم کے ساتھ جنگ کرنا جنگ کا جواز اور سنت قرار پائی۔ (مناقب ابوحنیفہ: تالیف خوارزمی، ج ۲، ص ۸۳ - ۸۴، مطبوعہ حیدر آباد)

② ابوحنیفہ (متوفی: ۱۸۷ھ) کے شاگرد محمد بن حسن شیبانی نے کہا: اگر علیؑ کی معاویہ کے ساتھ مبارزت نہ ہوتی کہ جس نے علیؑ پر ظلم وستم کیا تو ہمارے پاس باغی اور ظالم کے خلاف جنگ کرنے کا کوئی راستہ نہ ہوتا۔ (جواہر المضیہ طبقات الحنفیہ: ج ۲، ص ۲۶)

③ سفیان ثوری کہتا ہے: حضرت علیؑ نے کسی ایک سے بھی جنگ نہ کی سوائے اس کے کہ علیؑ اس کی نسبت حق کے زیادہ سزاوار اور شائستہ تر تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ابی نعیم: ج ۷، ص ۳۱)

④ شافعی کہتے ہیں: جنگ صفین میں قتل ہونے والوں کے بارے میں سکوت اختیار کرنا بہتر ہے، اگرچہ علی علیہ السلام ان تمام کی نسبت حق کے زیادہ سزاوار تھے جنھوں نے ان کے ساتھ جنگ کی ہے۔ (ادب الشافعی ومناقبہ: ص ۳۱۴)

⑤ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص (متوفی: ۳۷۰ھ) نے کہا ہے: علیؑ باغی گروہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے حق پر تھے اور اس کا کوئی بھی مخالف نہیں ہے۔ یہ اس حالت میں ہے کہ جب بزرگ اصحاب اور اہلِ بدر، جن کا مقام ومرتبہ سب پر واضح وروشن ہے، بھی ان کے ہمراہ تھے۔ (احکام القرآن: ج ۳، ص ۴۹۲)

⑥ قاضی ابوبکر بن عربی (متوفی: ۵۴۶ھ) کہتے ہیں: حضرت علیؑ امامؑ تھے کیوں کہ تمام لوگوں نے ان کی بیعت کی تھی، کوئی بھی اس پر پردہ نہیں ڈال سکتا کیوں کہ جو موجود تھے علیؑ ان سب سے زیادہ بیعت کے سزاوار تھے۔ انھوں نے امرِ اُمت کی حفاظت، امر میں دھوکے بازی اور ہرج ومرج کو روکنے، احتمالاً دین کو دگرگونی سے بچانے اور اسلام کی بنیادوں

کو منہدم ہونے سے محفوظ کرنے کے لیے بیعت کو قبول کیا۔ اہلِ شام نے علیؑ سے درخواست کی کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کا تعارف کرائیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ آپ بیعت کرنے میں دوسروں کے ساتھ متصل ہو جائیں اور حق کو طلب کریں تو ان تک پہنچ جائیں گے۔ حضرت علیؑ اپنی رائے میں زیادہ محکم اور گفتار میں درست و صحیح ہونے کے زیادہ نزدیک تر تھے۔ اگر حضرت علیؑ قصاص کے مسئلہ میں ان کا ساتھ دیتے تو قبائل کے اندر جوش و خروش پیدا ہو جاتا کہ جو تیسری جنگ کا باعث بنتا، جسے بند کرنے اور کام کو محکم کرنے کے لیے کافی وقت گزرنے اور عمومی بیعت کی ضرورت تھی۔ تفاوت کے اعتبار سے یہ مسئلہ تمام اسلامی فرقوں کے نزدیک موردِ اتفاق ہے کہ امام فتنہ و فساد اور تفرقہ کو روکنے اور اقویٰ مصلحتوں کی خاطر کسی بھی قصاص کو موخر کر سکتا ہے۔

اس بنا پر جس کسی نے کوئی بھی بہانہ بنا کر حضرت علیؑ کے خلاف قیام کیا وہ باغی و سرکش ہے اور باغی کے خلاف جنگ کرنا اس وقت تک واجب ہے جب تک وہ دوبارہ حق کی طرف نہ لوٹ آئے اور سرِ تسلیم خم نہ کر لے۔

حضرت علی علیہ السلام کا اہلِ شام، جو ان کی بیعت کرنے پر حاضر نہ ہوئے اور اہلِ جمل و نہروان کہ جنھوں نے ان کی بیعت توڑ دی، کے ساتھ جنگ کرنا صحیح تھا اور حق تو یہ تھا کہ یہ تمام ان کے ساتھ مل جاتے۔ ان کے سامنے زانو ٹیکتے اور اپنے نظریات بیان کرتے۔ چوں کہ ان میں سے کسی نے بھی ایسا کام نہیں کیا ہے، لہٰذا یہ تمام باغی ہیں اور آیہ شریفہ فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ...... (سورۂ حجرات: آیت ۹) ان تمام کو محیط ہے۔[1]

امیرِ شام نے سعد بن وقاص کو حضرت علیؑ کے برخلاف جنگ میں حصّہ نہ لینے پر ڈانٹا ڈپٹا اور اس کی توہین کی۔ سعد نے جواب دیا: میں اس پر پچھتا رہا ہوں کہ میں نے باغی گروہ

---

[1] کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۴۲۷ پر بیعت امیرالمومنین کی بحث میں لکھا ہے: وہ لوگ جنھوں نے حضرت علیؑ کی بیعت نہ کی، وہ یہ ہیں: سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، حسان بن ثابت، کعب بن مالک، مسلمہ بن مخلد، ابوسعید خدری، محمد بن مسلمہ، نعمان بن بشیر، زید بن ثابت، رافع بن خدیج، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ، عبداللہ بن سلام، صہیب بن سنان، سلامہ بن وقش، اسامہ بن زید، قدامہ بن مظعون اور مغیرہ بن شعبہ۔

یعنی امیر شام اور اس کے پیروؤں کے خلاف جنگ کرنے میں تاخیر کی ہے۔ ①

⑦ ابوبکر محمد باقلانی (متوفی: ۴۰۳ھ) حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے کچھ فضائل بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے: علی علیہ السلام بعض صفات یا ان سے کم تر فضائل کے باوجود بھی خلافت کے لائق اور امامت کے لیے سزاوار تھے۔ وہ جس چیز کے بارے میں رائے دیتے وہ درست اور جس چیز کے درپے ہوتے وہ برحق ہوتی تھی۔ ان تمام مہاجرین و انصار پر ان کی اطاعت کرنا واجب تھی، جنھوں نے عثمان کے قتل کے تیسرے روز عصر کے وقت ان کی بیعت کی تھی جب کہ وہ خود بیعت کو قبول کرنے پر راضی نہ تھے اور ان لوگوں نے بڑا اصرار کرنے کے بعد یہ ذمہ داری ان پر ڈالی تھی۔ کیوں کہ حضرت علی علیہ السلام اس اُمر میں سب سے زیادہ اعلم اور ہر کسی سے افضل و برتر تھے۔ ان لوگوں نے علیؑ کو قسم دی کہ وہ اُمت مسلمہ کی حفاظت اور دارالہجرہ کی صیانت و سلامتی کے لیے خلافت کو قبول کریں۔ ان لوگوں نے طلحہ وزبیر کے آنے سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کر لی تھی اور دونوں حضرات نے سب سے آخر میں بیعت کی تھی۔ چوں کہ خلافت علیؑ کے لیے محقق ہو چکی تھی، لہٰذا ان دونوں نے بعنوانِ وجوبِ علیؑ کی بیعت کی تھی۔ اگر یہ تاخیر کرتے یا بیعت نہ کرتے تو تمام لوگوں کی نگاہوں میں گناہ گار شمار

---

① ابو منصور عبدالقاہر بغدادی بھی کتاب اصولِ دین، ص ۲۹۰، باقلانی کتاب التمہید، ص ۲۳۳، ابن تیمیہ کتاب الفتاویٰ المصریہ، ج ۴، ص ۲۲۶، ابوجعفر طبری، تاریخ طبری: ج ۳، ص ۱۵۳ نے بھی مذکورہ افراد کا ذکر کیا ہے۔ ذہبی نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء کی ج ۱، ص ۹۷ سے لے کر ص ۸۳ تک سعد بن وقاص کا علیؑ کی بیعت نہ کرنے کے بارے میں لکھا ہے اور اس کے عذر کو رد کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہ اس وقت تک کسی کی بھی بیعت نہیں کرتا تھا جب تک اُسے کوئی قدرت اور عہدہ نہ دیا جاتا۔

أَتَطْمَعُ فِي الَّذِيْ أُعْطِيَ عَلِيًّا ... عَلَىٰ مَا قَدْ طَمِعْتَ بِهِ الْعَفَا
لِيَوْمٍ مِنْهُ خَيْرٌ مِنْكَ حَيًّا ... فَإِنَّ الرَّأْيَ أَذْهَبَهُ الْبَلَا

"جو کچھ امام علی علیہ السلام کو ودیعت کیا گیا ہے کیا تم بھی اسی پر حرص کرنے لگے ہو؟ ایسی اُمیدوں کو جن سے کچھ حاصل نہ ہو اُنھیں خیرباد کہہ دینا چاہیے۔ امام علی علیہ السلام کا ایک دن تمھاری ساری زندگی پر بھاری ہے۔ تمھیں اپنی جان انھی پر قربان کر دینی چاہیے۔ عثمانؓ کے متعلق بات مت کرو، کیونکہ وہ رنج و اَلم اور فکر و تدبر کے ساتھ ختم ہوگئی ہے"۔

ہوتے۔ یہ جو نقل ہوا ہے کہ ان دونوں نے علی علیہ السلام کی بیعت کرنے کے بعد کہا تھا:

بَایَعْنَاكَ مُکْرِھِیْنَ "ہم نے مجبوراً آپؑ کی بیعت کی ہے"۔ ①

اس سے حضرت علیؑ کی امامت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیوں کہ علیؑ کی بیعت ان دونوں کے بیعت کرنے سے قبل مسلّم ہو چکی تھی۔ اس بنا پر ان کا بیعت کرنا یا نہ کرنا اصل بیعت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان دونوں کا حضرت علیؑ سے مطالبہ کرنا کہ عثمان کے قاتلوں کو قتل کیا جائے، اشتباہ پر مبنی ہے کیوں کہ کسی کا اس شرط پر بیعت کرنا کہ وہ ایک شخص کے بدلے لوگوں کی ایک تعداد کو قتل کرے، درست نہیں ہے۔ خواہ اس کا اجتہادی نظریہ یہی ہو، کیوں کہ دوسرا اس کے برخلاف اجتہاد کرے گا۔

فرض کریں اگر علیؑ کا اِجتہاد بھی اس کے قتل پر ختم ہو تو پھر بھی انھیں حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان لوگوں کا اس وقت تک قصاص کریں جب تک دلیل قائم نہ ہو جائے، قاتل یا قاتلین مشخص نہ ہو جائیں۔ خون کے وارث موجود نہ ہوں، اولیاء الدم قصاص لینے کی درخواست نہ کریں۔ علاوہ ازیں حکم جاری کرنے سے ہرج، مرج اور شدید فتنہ وفساد کا خوف نہ ہو اور اگر کوئی ایسی صورتِ حال ہو تو حد کو جاری کرنے میں تاخیر کرنا بہتر، اُمت کے لیے فائدہ مند اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے انتہائی مؤثر ہوگا۔ (التمہید: ص ۲۲۹-۲۳۲)

⑧ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (المعروف حاکم نیشاپوری، متوفی: ۴۰۵ھ) کہتا ہے: وہ روایات جو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ تمام کی تمام صحیح ہیں اور تمام مسلمانوں کا ان پر اتفاق ہے۔

خزیمہ بن ثابت نے رسولؐ خدا کے منبر کے سامنے کھڑے ہو کر امیر المومنین حضرت علیؑ کی بیعت کے بارے میں کچھ اشعار کہے تھے:

إِذَا نَحْنُ بَایَعْنَا عَلِیًّا فَحَسْبُنَا ... أَبُو حَسَنٍ مِمَّا نَخَافُ مِنَ الْفِتَنِ

وَجَدْنَا أَوْلَى النَّاسِ بِالنَّاسِ أَنَّهُ ... أَطَیبُ قُرَیْشٍ بِالْکِتَابِ وَبِالسُّنَنِ

---

① مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۱۴ پر لکھا ہوا ہے: سب سے پہلے جس نے علیؑ کی بیعت کی وہ طلحہ تھا اور اس نے بیعت کرنے کے فوراً بعد کہا تھا: یہ ایسی بیعت ہے کہ جو دوام نہیں پائے گی۔

وَ إِنَّ قُرَيْشًا مَا تَشُقُّ غُبَارَهُ — إِذَا مَا جَرىٰ يَوْمًا عَلَى الضَّمرِ الْبَدَنِ
وَفِيهِ الَّذِي فِيهِمْ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ — وَمَا فِي هِم كُلُّ الَّذِي فِيهِ مِن حَسَنِ

''جب ہم نے حضرت امام علی علیہ السلام کی بیعت کر لی تو ہم نے کہا: ہمیں جن حوادث کا خوف ہے اُن سے نجات دلانے کے لیے ابوالحسنؑ ہی کافی ہیں۔ ہم نے اُنھیں کائنات کے ہر فرد سے بہتر پایا ہے۔ وہ قریش کے تمام افراد سے زیادہ قرآنِ مجید اور سنت کے عالم ہیں۔ قریش میں اُن پر کوئی سبقت نہیں لے سکتا۔ جب وہ کسی دن اپنی چھوٹی زِرہ پہنے گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے بڑھ رہے ہوں جتنی اچھائیاں اور بھلائیاں قریش کے لوگوں میں ہیں، وہ سب اُنھی میں موجود ہیں''۔

⑨ ذہبی نے بھی ان تمام مطالب کو اپنی کتاب تلخیصِ مستدرک میں ذکر کیا ہے۔(مستدرک: ج ۳،ص ۱۱۵)

اس کے بعد حاکم نیشاپوری عبداللہ بن عمر سے نقل کرتا ہے کہ عبداللہ نے کہا: مَیں آیۂ کریمہ فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰی اَمرِ اللّٰهِ (سورۂ حجرات: آیت۹) کے معنی سے کچھ نہیں سمجھا سوائے اس کے کہ جس طرح خدا نے امر کیا ہے۔ مَیں نے باغی گروہ سے جنگ نہیں کی ہے۔(مستدرک: ج ۲،ص ۴۶۳)

⑩ حاکم نیشاپوری، ابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا: ہمارے اساتذہ مکرر کہتے تھے کہ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ جو کوئی بھی خلافت کے بارے میں امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام سے نزاع کرے وہ باغی اور سرکش ہے۔ ابن ادریس نے بھی یہی بات کی ہے۔(معرفۃ علوم الحدیث:ص ۸۴)

⑪ ابومنصور عبدالقادر بغدادی (متوفی: ۴۲۹ھ) کہتا ہے: تمام اہلِ حق کا اس پر اتفاق ہے کہ عثمان کے قتل ہوجانے کے بعد مقامِ خلافت کے لیے حضرت علی علیہ السلام کا انتساب درست ہے اور سب نے کہا ہے کہ مسئلۂ تحکیم اور اصحابِ جمل نیز صفین میں اصحابِ معاویہ کے ساتھ جنگ کرنے میں علی علیہ السلام برحق اور صحیح راستے پر تھے۔(اصولِ دین: ص ۲۸۶-۲۹۲)

۱۲ ابواسحاق ابراہیم بن علی شیرازی فیروز آبادی (متوفی ۴۷۶ھ) کہتا ہے: اگر مسلمانوں کا ایک گروہ امامؑ کے خلاف قیام کرے یا بعض توجیہات پیش کرنے کے باعث کسی کے حق کو اس سے روکے اور امام علیہ السلام کے فرمان سے نکل جائے تو امام علیہ السلام اس گروہ کے ساتھ جنگ کرے گا کیوں کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىْ تَبْغِىْ (سورۂ حجرات: آیت ۹) "اگر ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کرے تو سب مل کر باغی کے ساتھ جنگ کرو"۔

اسی دلیل کی بنا پر حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ لڑی جو زکوۃ ادا نہیں کرتے تھے۔ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ نے بھی اسی دلیل کی بنا پر جنگِ جمل کے دن اہلِ بصرہ، صفین میں معاویہ اور جنگِ نہروان میں خوارج کے ساتھ جنگ کی۔ (المہذب فی الفقہ الشافعی: ج ۲، ص ۲۳۴، طبع مصر، ۱۳۴۳ھ)

ظاہری طور پر حضرت علی علیہ السلام کا ان کے ساتھ جنگ کرنا برحق تھا کیوں کہ علیؑ امامِ حق تھے اور ان لوگوں پر واجب تھا کہ امامِ حق کی بیعت کرتے۔ ان لوگوں نے جو نافرمانی کی ہے اس کا کوئی بھی شرعی جواز نہیں ہے۔

۱۳ امام الحرمین جوینی (متوفیٰ: ۴۷۸ھ) کہتا ہے: حضرت علی علیہ السلام اُمور کو چلانے کے مقام میں امامِ برحق تھے۔ ان کے مخالفین کہ جنھوں نے ان سے جنگ کی وہ باغی اور سرکش تھے۔ (الارشاد فی الاصول الاعتقاد: ص ۴۳۳)

۱۴ علاء الدین کاشانی حنفی (متوفی ۵۸۷ھ) نے لکھا ہے: میرے آقا و مولا علیؑ نے بعض صحابہ کی موجودگی میں رسولِ خدا کے فرمان کے مطابق کہ انھوں نے فرمایا:

اِنَّكَ تُقَاتِلُ عَلَى التَّاوِيْلِ كَمَا تُقَاتِلُ عَلَى التَّنْزِيْلِ

"(اے علیؑ!) آپؑ قرآنِ مجید کی تاویل پر اسی طرح جنگ کریں گے جیسے آپؑ نے اس کی تنزیل پر جنگ کی"۔

نہروان میں خوارج کے ساتھ جنگ کی، خوارج کے ساتھ یہ جنگ تاویل کی بنیاد پر کی ہے۔ ضمناً مذکورہ روایت ہمارے آقا و مولا علی علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرتی ہے۔ کیوں کہ

رسولؐ خدا نے علی علیہ السلام کی جنگ کو اپنی جنگ سے تشبیہ دی ہے، جو انھوں نے تنزیل کی اساس پر کی ہے اور چوں کہ رسولؐ خدا تنزیل کی اساس پر جنگ میں حق پر تھے، لہٰذا ہمارے آقا و مولا علیؑ نے جو جنگ تاویل کی اساس پر لڑی وہ بھی اس میں حق پر ہوں گے۔ اگر ان کی امامت برحق نہ ہوتی تو ان کا خوارج کے ساتھ جنگ کرنا بھی درست نہیں ہونا چاہیے۔

علاوہ ازیں سیدنا علی علیہ السلام نے انھیں اطاعت کرنے کی دعوت دی اور وہ دعوت ان تک پہنچی بھی تھی۔ چونکہ وہ مسلمان تھے اور دارالاسلام میں زندگی گزار رہے تھے۔ جو لوگ بھی جنگ کرنے کے لیے امامؑ کی دعوت کو سنیں، ان پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اسے قبول کریں اور اس میں شامل ہوں۔ کسی کو بھی مخالفت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسے موارد جو گناہ نہ ہوں ان میں امامؑ کی اطاعت واجب اور فرض ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایسے موارد ہوں جو ذاتی طور پر واجب ہوں تو ان میں چوں و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جو کچھ امام ابوحنیفہ سے نقل ہوا اور انھوں نے کہا ہے: جب مسلمانوں کے اندر فتنہ و فساد برپا ہوا تو بہتر یہ ہے کہ انسان اپنے گھر میں رہے اور باہر نہ نکلے۔ یہ ان خاص موارد کے ساتھ مربوط ہے کہ جہاں پر امامؑ نے جنگ کی دعوت نہ دی ہو لیکن جب بھی امام دعوت دے تو بیان شدہ اَدِلّہ کی اساس پر اس کی اطاعت واجب ہو جائے گی۔ (بدائع الصنائع: ج ۷، ص ۱۴۰، احکام المرتدین)

⑮ یحییٰ بن شرف نووی (متوفی: ۶۷۷ھ) لکھتا ہے: وہ تمام جنگیں جو حضرت علیؑ کے زمانے میں ہوئیں، ان میں علی علیہ السلام حق پر تھے۔ بزرگ اصحاب، تابعین اور علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ فتنہ و فساد کے موقعوں پر حق دار شخص کی مدد کرنا واجب اور اس کے ہمراہ سرکشوں کے خلاف قیام کرنا شرعی ذمہ داری ہے، کیوں کہ خداوند کریم کا فرمان ہے: فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ...... اور یہی عقیدہ درست ہے۔ (شرح صحیح مسلم، جو حاشیہ ارشاد الساری پر طبع ہوئی ہے، ج ۱۰، ص ۳۳۶، ۳۳۸)

⑯ ابن حمام حنفی (متوفی ۶۸۱ھ) لکھتا ہے: جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے۔ رسولؐ خدا کا عمار یاسر کو یہ فرمانا کہ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ (تم کو باغی

گروہ قتل کرے گا)۔ بعد میں ہم نے دیکھا کہ امیرشام کے ساتھیوں نے انھیں قتل کیا۔ اس پر (یہ فرمان) صراحت سے دلالت کرتا ہے کہ سرکش گروہ سے آں حضرتؐ کی مراد امیرشام کے ساتھی تھے۔ اسی دلیل کی بنا پر اُم المومنین حضرت عائشہ نے بھی اپنے کیے پر اظہار ندامت کیا۔

ابوعمر کتاب ''الاستیعاب'' میں لکھتا ہے کہ حضرت عائشہ نے عبداللہ بن عمر سے کہا: اے عبدالرحمٰن! تُو نے مجھے اس کام سے کیوں نہیں روکا ہے؟

عبداللہ بن عمر نے کہا: مَیں نے دیکھا کہ آپ ابن زبیر سے زیادہ متاثر تھیں، ہوسکتا ہے کہ تم میری بات قبول نہ کرتیں۔

جنابِ عائشہ نے کہا: نہیں! اگر آپ نے مجھے روکا ہوتا تو میں قیام نہ کرتی۔ ①

⑫ ابن تیمیہ (متوفّٰی: ۷۲۸ھ) لکھتا ہے: جب جنابِ عثمان قتل ہوگئے تو لوگوں نے امیرالمومنین حضرت علیؑ کی بیعت کی، جو اس وقت لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کے حق دار اور موجودین میں سے سب سے زیادہ افضل تھے۔ لیکن افکار پراگندہ اور فتنہ کی آگ شعلہ ور تھی اور کسی طور بھی اتحادِ کلمہ اور اُمور میں وحدت موجود نہ تھی۔ خلیفہ ہوں یا اُمت کے برگزیدہ افراد، کوئی بھی معاشرے کی مصلحت کے لیے اقدام نہ کرسکتا تھا۔ ادھر سے مرتد اور گمراہ لوگوں کے گروہ ''حروریہ'' سے قیام کیا اور حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے ساتھ جنگ شروع

---

① فتح القدیر: ج ۵، ص ۴۶۱، کتاب القضاء، ادب القاضی۔ تاریخ طبری: ج ۵، ص ۲۲۱ پر لکھا ہوا ہے کہ جنابِ عائشہ نے کہا: کاش! میں جنگِ جمل سے بیس دن پہلے دنیا سے چل بستی۔ عقدالفرید: ج ۲، ص ۲۸۸ پر اصحابِ جمل کی بحث اور ابن قتیبہ نے کتاب ''معوالمعارف'' ص ۵۹ پر لکھا ہے: جب جنابِ عائشہ دنیا سے رخصت ہورہی تھیں تو ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو رسولِؐ خدا کے پہلو میں دفن کردیں؟

انھوں نے جواب دیا: نہیں، کیوں کہ میں نے رسولِؐ خدا کے بعد کچھ ایسے کام انجام دیے ہیں کہ مجھے ان کا سامنا کرتے ہوئے شرم آتی ہے، مجھے بقیع میں دفن کردیں۔ اسی کتاب میں مزید لکھتے ہیں کہ رسولِؐ خدا نے جنابِ عائشہ سے فرمایا: اے حمیرا! ایک دن ایسا آئے گا کہ حواب کے کتے تجھ پر حملہ کریں گے (بھونکیں گے) اس دن تم علیؑ کے ساتھ جنگ کی حالت میں ہوگی اور ان پر ستم کروگی۔

اسی مطلب کو حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب مستدرک: ج ۴، ص ۶ پر ذکر کیا ہے۔ ذہبی نے بھی اپنی کتاب ''خلاصہ'' میں کسی اضافے کے بغیر یہی بات ذکر کی ہے۔

⇦

کردی۔ حضرت علی علیہ السلام نے بھی امر خدا اور حکمِ پیغمبر اکرمؐ سے ان کے ساتھ جنگ کی، کیوں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا تھا:

اِنَّ الطَّائِفَةَ الْمَارِقَةَ يَقْتُلُهَا اَدْنَى الطَّائِفَتَيْنِ اِلَى الْحَقِّ

"بے شک! مارقین اور گمراہوں کو، دو گروہوں میں سے ایک گروہ قتل کرے گا، جو حق پر ہوگا"۔

حضرت علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے مارقین کے ساتھ جنگ کی اور انھیں نابود کر دیا۔ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ علیؑ اور ان کے اصحاب حق پر تھے، نہ کہ امیر شام اور اس کے اصحاب۔ (مجموعۂ فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۲، ص ۲۵۱)

⟐۱۸ ابن تیمیہ مزید لکھتا ہے: رسولؐ خدا کے پیرو تمام فرقے اس چیز کا اقرار کرتے ہیں کہ امیر شام مسئلۂ خلافت میں علیؑ کے ہم پلّہ نہ تھا۔ اگر ممکن بھی ہوتا اور وہ خلافت کو قبول بھی کرلیتا تو پھر بھی بالکل جائز نہ تھا کہ امیر شام اپنے آپ کو خلافت کے لیے نامزد کرتا۔ کیوں کہ حضرت علیؑ کی برتری اور علم و دیانت و شجاعت اور دیگر تمام فضائل خود امیر شام پر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں تھے اور اہلِ شوریٰ میں سے علیؑ اور سعد کے علاوہ کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا۔ سعد نے خود اس سے کنارہ کشی کرلی تھی۔ اس بنا پر جب جناب عثمان دنیا سے چل بسے تو خلافت کے لیے علیؑ کے سوا کوئی دوسرا شخص موجود نہ تھا۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ، ج ۴، ص ۲۲۴)

⇦ تطہیر الجنان جو صواعق محرقہ کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے، کے ص ۱۳ پر لکھتا ہے کہ جناب عائشہ نے کہا: اے کاش! میں بھی رسولؐ خدا کی دوسری ازواج کے مانند گھر میں بیٹھتی تو یہ کام میرے لیے اس سے کہیں اچھا ہوتا کہ میں پیغمبرؐ کے دس بچے پیدا کرتی۔

عمدۃ القاری شرح بخاری: ج ۴، ص ۲۵۳ پر لکھا ہے: جناب عائشہ نے جنگِ جمل میں جو کام انجام دیے وہ ان کی وجہ سے شرمندہ تھیں کہ انھیں حجرۂ رسولؐ خدا میں دفن کیا جائے۔ (تاریخ بغدادی: ج ۱، ص ۱۶۰، اور سیر اعلام النبلاء: ج ۱، ص ۱۲۴ پر یہی مطلب ذکر ہوا ہے اور انھوں نے لکھا ہے کہ جناب عائشہ اپنے کیے پر پشیمان تھیں۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ جناب عائشہ نے امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو حجرۂ رسولؐ میں دفن ہونے سے روکا اور عبدالرحمٰن بن عوف کو وہاں پر دفن کرنے کی اجازت دے دی۔ (الدرۃ الثمینۃ فی تاریخ المدینۃ: ص ۴۰۳)

⑲ زیلعی (متوفی ۷۴۳ھ) کہتا ہے: علیؑ اپنی باری پر خلافت تک پہنچ گئے اور حق ان کے ساتھ تھا۔ حقانیتِ علیؑ کی دلیل فرمانِ پیغمبرؐ ہے کہ آپؐ نے عمار یاسرؓ سے فرمایا تھا: ”تجھے باغی گروہ قتل کرے گا“ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جنابِ عمارؓ حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے اور انھیں معاویہ اور اس کے ساتھیوں نے قتل کیا تھا۔ (نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ: ج ۴، ص ۶۹)

⑳ ابن قیم جوزی (متوفٰی: ۷۵۱ھ) لکھتا ہے: حضرت علیؑ اپنے زمانے میں سابقینِ اُمت اور سب سے برتر تھے۔ جب انھوں نے اُمرِ خلافت کو سنبھالا تو اس وقت مسلمانوں میں حضرت علیؑ کے علاوہ اس اُمر کے لیے شائستہ اور مناسب نہیں تھا۔ (بدائع الفوائد: ج ۳، ص ۲۰۸)

㉑ ابوعبداللہ بن محمد بن مفلح حنبلی (متوفی ۷۶۳ھ) لکھتا ہے: علیؑ امیرِشام کی نسبت حق کے زیادہ قریب تھے۔ بہت سے مصنفین کا باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ جنگ حضرت علیؑ کی طرف سے تھی اور بعض نے بالکل خاموشی اختیار کی ہے لیکن ابن زبیر کہتا ہے: حدیث جو رسولِؐ خدا سے نقل ہوئی ہے کہ فتنہ کے وقت جنگ میں حصّہ مت لو۔ یہ جنابِ عثمان کے قتل کے فتنہ سے مربوط ہے، لیکن جنابِ عثمان کے قتل کے بعد کسی بھی مسلمان کو حضرت علیؑ کی مخالفت کرنے کا حق نہیں ہے۔ اگر سعد بن وقاص، عبداللہ بن عمر، محمد بن مسلمہ، مسروق اور احنف نے مخالفت کی ہے تو وہ بعد میں اپنے کیے پر پشیمان ہو گئے تھے حتیٰ کہ عبداللہ بن عمر نے مرتے وقت کہا تھا: ”میں دنیا سے جا رہا ہوں لیکن دل میں ایک غم اور اندوہ باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں کیوں علیؑ کے ساتھ متصل نہیں ہوا اور ان کی مخالفت کی۔ مسروق اور دوسرے افراد سے بھی اس طرح کے کلمات نقل ہوئے ہیں۔ (الفروع: ج ۳، ص ۵۴۲-۵۴۳)

㉒ ابن حجر عسقلانی (متوفٰی: ۸۵۲ھ) لکھتا ہے: امام علیؑ بن ابی طالبؑ نے جنگِ جمل، صفین اور دوسری جنگوں میں جن کے ساتھ جنگ لڑی، اس میں وہ صحیح اور حق پر تھے۔ (فتح الباری شرح البخاری: ج ۱۲، ص ۲۴۴، کتاب استتابۃ المرتدین، باب ترک القتال الخوارج للتالیف)

۴۳ محمود العینی (متوفّی: ۸۵۵ھ) جمہور علما سے نقل کرتا ہے: علما نے صراحت سے کہا ہے کہ علیؑ اور ان کے پیروکار حق پر تھے کیوں کہ علیؑ تمام لوگوں کی نسبت سب سے زیادہ خلافت کے حق دار تھے اور اس وقت پوری دنیا میں علیؑ سے افضل و برتر کوئی نہ تھا۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج ۱۱، ص ۳۴۶، کتاب الفتن)

۴۴ ابن حجر ہیثمی (متوفّی: ۹۷۴ھ) لکھتا ہے: جنگِ جمل و صفین کا شعلہ بھڑکانے والوں نے حضرت علیؑ پر الزام لگایا کہ وہ قاتلینِ عثمان کے ساتھ ملے ہوئے تھے حالانکہ حضرت علیؑ اس اتہام سے مبرّا تھے۔ خدا کی پناہ۔ ①

---

① کامل ابن اثیر: ج ۲، ص ۲۳۰ پر لکھا ہوا ہے: محمد بن سیرین بار بار کہتا رہا ہے کہ میں نے لوگوں کی جانب سے علیؑ کی بیعت کرنے سے قبل کسی سے بھی نہیں سنا کہ کسی نے علیؑ پر قتل عثمان کا الزام لگایا ہو۔ جوں ہی لوگوں نے علیؑ کی بیعت کی، ان پر قتلِ عثمان کا الزام لگایا جانے لگا۔

باقلانی کتاب ''التمہید'' کے ص ۲۲۵ پر رقم طراز ہے کہ حضرت علیؑ نے بصرہ میں فرمایا تھا: خدا کی قسم! میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی چاہتا تھا کہ کوئی اس کو قتل کرے، لیکن خدا نے انھیں اس مشکل میں ڈال دیا، مَیں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ بعض نے اس جملہ سے کہ ''مَیں بھی ان کے ہمراہ تھا'' سے یہ استفادہ کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے قتلِ عثمان کا اقرار کیا ہے۔ حالانکہ یہ اقرار نہیں ہے بلکہ حضرت علیؑ کی مراد یہ تھی کہ اسے خدا نے قتل کیا ہے اور مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کرے گا کیوں کہ وہ عثمان کے بعد تھے۔ حضرت علیؑ نے واقعاً سچ کہا ہے کہ انھوں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قتل ہونے پر راضی تھے۔

عقد الفرید: ج ۲، ص ۲۳۸، باب برأت میں خونِ عثمان کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ علیؑ نے کوفہ میں فرمایا: اگر بنی اُمیہ چاہیں تو مَیں حاضر ہوں کہ کعبہ کے پاس ان کے ساتھ مباہلہ کروں اور پچاس قسمیں کھاؤں کہ مَیں نے عثمان کے حق میں کوتاہی نہیں کی اور نہ کسی طرح سے اس کے خون میں شریک ہوں۔

مجموعہ فتاویٰ مصریہ ابن تیمیہ کی ج ۳، ص ۲۲۳ پر لکھا ہوا ہے: حضرت علیؑ نے قسم کھائی تھی کہ انھوں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قتل پر راضی تھے جب کہ حضرت علیؑ نیکوکار اور قسم کھائے بغیر صادق تھے۔

تاج العروس شرح قاموس: ج ۸، ص ۱۳۱ پر مادہ ''نفل'' کے ضمن میں لکھا ہوا ہے۔ نفل بمعنی قسم ہے اور حضرت علیؑ کے کلام میں بھی اسی معنی میں آیا ہے: لَوَدِدْتُ اِنَّ بَنِی اُمَیَّۃَ رَضُوا وَنَفَلْنَا خَمْسِیْنَ مِنْ بَنِی هَاشِمٍ یَحْلِفُوْنَ مَا قَتَلْنَا عُثْمَانَ وَلَا نَعْلَمُ لَهٗ قَاتِلًا ''اگر بنو اُمیہ راضی ہوں تو ہم بنو ہاشم پچاس قسمیں کھاتے ہیں کہ نہ ہم نے عثمان کو قتل کیا ہے اور نہ ہی ہمیں اُس کے قاتل کا پتا ہے''۔

وہ مزید لکھتا ہے: اس پر اصحاب کا اجماع ہے کہ باغیوں اور سرکشوں کے ساتھ مبارزت کرنا امام پر واجب ہوتا ہے لیکن جنگ شروع کرنے سے پہلے یہ واجب ہے کہ کسی امین، عادل، ہوشیار اور دل سوز کو ان کے پاس بھیجے تاکہ وہ ان لوگوں سے ان موارد کے بارے میں سوال کرے کہ جن میں وہ امامؑ کی مخالفت کرتے ہیں کیوں کہ حضرت علیؑ نے خوارج و نہروان کی جنگ شروع کرنے سے قبل ابن عباسؓ کو ان کے پاس بھیجا تھا، اس کی وجہ سے ان میں سے بعض لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر ان کی اطاعت میں آ گئے تھے۔(تحفۃ المحتاج شرح المنہاج نوری: ج ۴، ص ۱۱۰ و ۱۱۲)

ابن عباس کا خوارج کے ساتھ مناظرہ کتاب خصائص امیر المومنین نسائی، ص ۴۸ پر

⇦ کتاب ''اصلاح المنطق ابن سکیت'' ص ۱۷۰، باب مَا یُھمَزُ مادہ ''ملا'' میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ انھوں نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ اس کے قتل میں شریک ہوں۔

نصر بن مزاحم کی کتاب ''صفین'' ص ۶۰، طبع مصر میں لکھا ہوا ہے: جس دن لوگوں نے عثمان کے خلاف شورش کی تو مغیرہ بن اخنس بھی عثمان کے ہمراہ مارا گیا تھا، اس کے لڑکے نے اپنے اشعار میں علی علیہ السلام کو اس ماجرا سے مبرا کیا ہے۔ من جملہ اس کا ایک شعر یہ تھا:

فَاَمَّا عَلِيٌّ فَاسْتَغَاثَ بِبَيْتِهٖ　　فَلَا آمِرٌ فِيهَا وَلَمْ يَكُ نَاهِيًا

''البتہ عثمانؓ نے علیؑ سے اپنے گھر میں مدد طلب کی۔ انھوں نے نہ اس بارے میں حکم دیا اور نہ ہی کسی کو روکا''۔ یعنی علیؑ اس واقعہ کے روز اپنے گھر میں تھے۔ اس واقعہ میں امروگی کے اعتبار سے ان کی کوئی دخالت نہیں ہے۔

ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ: ج ۱، ص ۱۱۲ پر گفتگو کی ہے، جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ انھوں نے مذکورہ حوادث کو خوب اچھی طرح سمجھا ہے۔ وہ کہتا ہے: امیر شام شدید طور پر حضرت علیؑ کا مخالف تھا کیوں کہ حضرت علیؑ نے جنگ بدر میں امیر شام کے بھائی اور ماموں کو قتل کیا تھا اور اس کے جد عتبہ یا اس کے چچا شیبہ کو قتل کرنے میں بھی شریک تھے۔ نیز انھوں نے عبد شمس اور اس کی طرح دوسرے خاندانوں کے بہت سے بڑے بڑے لوگوں کو قتل کیا تھا۔ یہ چیز اس کا باعث بنی کہ مشہور ہو گیا کہ عثمان کو حضرت علیؑ نے قتل کیا ہے۔

کامل مبرد: ج ۲، ص ۲۴۰ پر لکھا ہوا ہے کہ عروہ بن زبیر نے کئی بار کہا: حضرت علیؑ اس سے کہیں باتقوی تر ہیں کہ وہ قتل عثمان کی تائید کریں۔

تحریری شکل میں موجود ہے۔

۲۵ شہاب الخفاجی (متوفی: ۱۱۰۰ھ) نے لکھا ہے: رسولؐ خدا کی یہ حدیث کہ "عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا"، اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ عمارؓ اصحاب علیؑ میں شامل تھے اور انھیں معاویہ کے ساتھیوں نے قتل کیا تھا، صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہے کہ خلیفہ برحق حضرت علیؑ تھے اور امیر شام اپنے اجتہاد میں اشتباہ کا شکار ہوا تھا کیوں کہ باغیہ، مادۂ بغی سے ہے اور اس کے معنی امام برحق کے خلاف ناحق قیام کرنا ہے۔

رسولؐ خدا سے ایک اور حدیث میں نقل ہوا ہے کہ "جب بھی لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوجائے تو ابن سمیہ حق کے ساتھ ہوگا"۔ ابن سمیہ وہی عمار یاسرؓ ہیں کہ جو حضرت علیؑ کے ہمراہ تھے۔ یہ چیز ہے کہ جو حق و باطل کے درمیان تشخیص کا معیار قرار پائی اور حضرت علیؑ کی حقانیت ان کے ساتھ ہونے کی وجہ سے پہچانی گئی۔ حضرت علیؑ ایسے مجتہد تھے کہ جو قاتلین عثمان کے بارے میں عدمِ تسلیم میں حق پر تھے۔ (شرح شفا: ج ۳، ص ۱۴۴)

۲۶ شوکانی (متوفی ۱۲۵۵ھ) لکھتا ہے کہ ابوسعید سے رسولؐ خدا کی ایک حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "مستقبل قریب میں میری اُمت دو فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی۔ ان میں سے مارقین و مرتدین کا گروہ قیام کرے گا۔ ان میں سے جو فرقہ حق پر ہوگا وہ مارق و مرتد گروہ کو قتل کرے گا"۔ اس روایت سے مکمل طور پر استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے اصحاب حق پر اور امیر شام اور اس کے ساتھی باطل پر تھے۔ (نیل الاوطار: ج ۷، ص ۱۳۸)

۲۷ معروف مفسر ابوالثنا آلوسی بعض حنابلہ سے نقل کرتا ہے: انھوں نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ باغیوں اور سرکشوں کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ حضرت علیؑ نے اپنی خلافت کے زمانے میں سرکشوں اور باغیوں کے ساتھ جنگ کی ہے لیکن اجتہاد نہیں کیا۔

اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ جنگ و قتال جہاد کرنے سے افضل ہے۔ اس کے بعد عبداللہ بن عمر کے پشیمان ہونے کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت علیؑ کی باغیوں کے ساتھ جنگ میں اس نے شرکت نہیں کی ہے۔

آلوسی جو اس مطلب کو نقل کر رہے ہیں اپنی طرف سے اس میں کسی مطلب کا اضافہ

نہیں کرتے۔ (روح المعانی: ج ۲۶، ص ۱۵۱، مطبوعہ مصر)

۲۹ محمد کرد علی لکھتا ہے: حضرت علیؑ کا اس سے اظہار برأت کرنا کہ وہ عثمان کے قاتلوں میں سے نہیں ہیں، یہ بات خلاف واقع نہیں ہے کیونکہ جناب عثمان کو قتل کرنے والے اکثر افراد کا تعلق ایسے قبائل سے تھا کہ جو حضرت علیؑ کے زیر اثر نہیں تھے۔ اس کے بعد بھی وہ ان تمام یا بعض افراد کو تسلیم ہونے پر مجبور نہیں کر سکتے تھے جبکہ ان میں سے بعض حکومت کو تشکیل دینے میں حضرت علیؑ کے دست و بازو تھے۔ اگر بنا یہ ہوتی کہ حضرت علیؑ خود ان کا تعارف کرواتے تو اس میں ہرگز مصلحت نہ تھی کہ وہ ان حالات میں وہ اپنے آپ کو بہت سے قبائل کے غضب کا نشانہ بناتے جبکہ وہ ان کے دوست اور مددگار تھے۔ حالانکہ حضرت علیؑ نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر بنی اُمیہ چاہیں تو بنی ہاشم کے پچاس جوان قسم کھائیں گے کہ میں نے نہ تو عثمان کو قتل کیا اور نہ ہی اس کام پر راضی تھا۔ (الاسلام والحضارۃ العربیہ: ج ۲، ص ۲۸۰)

یہ اہلِ سنت علما کی صریح عبارتوں کا کچھ حصہ ہے کہ جو اس سے مربوط ہے کہ حضرت علیؑ خلافت کے سب سے زیادہ حق دار تھے اور ان کے خلاف قیام کرنے والا (ہر شخص) باغی و سرکش ہے، لہٰذا اس کے ساتھ جنگ کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اور حق کی طرف لوٹ آئے۔ اسی وجہ سے رسولؐ خدا کے برگزیدہ اصحاب اور تابعین حضرت علی علیہ السلام کے راستے پر تھے۔ من جملہ ان میں حضرت اویس قرنیؓ ہیں کہ جو جنگِ صفین کے بزرگوں میں سے تھے۔ (عمدۃ القاری للعینی فی شرح صحیح البخاری: ج ۱۱، ص ۳۴۶)

عبداللہ بن عمرو نے کئی بار کہا: کسی چیز نے بھی میرے دل کو اتنا رنجیدہ نہیں کیا، جتنا اس باغی گروہ کے خلاف جنگ میں شرکت نہ کرنے پر کیا۔ کیونکہ اس کے بارے میں خدا نے مجھے امر کیا تھا لیکن میں نے اسے ترک کیا ہے۔ وہ مکرر نقل کرتا تھا کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: عمارؓ بن سمیہ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور وضاحت سے بیان کرتا کہ علیؑ کے خلاف بغاوت کرنے والا امیر شام اور اس کے ساتھی تھے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے جنگِ صفین میں حضرت علیؑ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ تو اس نے عذر پیش کیا کہ روزِ قیامت اس کا کوئی فائدہ نہ ہونا تھا۔ اس نے کہا: میں نے اس لیے تلوار نہ اُٹھائی اور اسلحہ ہاتھ میں نہ لیا کہ رسولؐ خدا کا فرمان ہے:

أَطِعْ رَبَّاكَ فَاطَعْتُهُ

"اپنے باپ کی اطاعت کرو اور میں نے اس کی اطاعت کی ہے"۔

اس مکروفریب پر حیرانی ہوتی کہ انسان کس طرح سے اپنے آپ کو اجازت دیتا ہے کہ فرمانِ پیغمبرؐ کی برخلاف حقیقت توجیہ کرے تا کہ حق سے منحرف ہونے پر جواز پیش کرے۔ کیا اسلام نے باپ کی اطاعت اس حد تک واجب قرار دی ہے کہ جو ترکِ واجب کا باعث اور فعلِ حرام کے ارتکاب کا سبب بنے؟ کیا فرمانِ پیغمبرؐ کے یہ معنی ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں ہے کیوں کہ جس امامؑ کی بیعت کی ہے اس کی اطاعت واجب ہے اور تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے حضور خاضع و تسلیم ہوں، تمام موارد میں اس کے اوامر کو بجا لائیں۔ اس بنا پر فرمانِ امامؑ کے مقابلے میں اطاعتِ والدین کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ شاید خداوند قدوس کا فرمان وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ("اگر تمھارے ماں باپ اس بات پر زور دیں کہ کسی ایسی چیز کو میرا شریک بناؤ جس کا تمھیں علم نہیں ہے تو خبردار! ان کی اطاعت نہ کرنا"۔ سورۂ لقمان: آیت ۱۵)

ہمارے اس موردِ بحث مسئلہ کو بھی محیط ہو، کیوں کہ اس آیت میں جس شرک سے روکا گیا ہے، وہ خدا کی اطاعت و پیروی کرنے کو چھوڑنا ہے۔ اس کے دوسرے موارد و مصادیق پیغمبرؐ اور ایسے امامؑ کی اطاعت سے انحراف ہے کہ جس کی بیعت کی اور اطاعت اپنے ذمہ لی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عائشہ حضرت علیؑ کے خلاف جنگِ جمل کے لیے روانہ ہوئیں تو انھوں نے راستے میں پوری نماز پڑھی تھی کیوں کہ وہ جانتی تھیں کہ علیؑ کے ساتھ جنگ کرنا حرام ہے اور نماز صرف مباح سفر میں قصر ہوتی ہے، حرام میں نہیں۔ (نیل الاوطار شوکانی: ج ۳، ص ۱۷۹، صلوۃ المسافر، باب من اجتاز فی بلد فتزوج فیه)

شریعتِ مقدسِ اسلامیہ نے اُمت کے امام پر واجب کیا ہے کہ وہ لوگ جو اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتے، انھیں خدا کی ان آیات کے ذریعے یاددہانی کرائے اور حجت تمام کرے جو سرکشی و نافرمانی کی صورت میں عذاب کی خبر دیتی ہیں اور انھیں یہ بات سمجھائے کہ وہ لوگ جو دنیا میں کھو جاتے ہیں دنیا انھیں نقصان اور

خسارے کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مقدس مواعظ اور محکم آیات کی تلاوت ان کی عقل کی اس آنکھ کو بینائی عطا کر دے جو دنیا میں محو ہونے کی وجہ سے اندھی ہو چکی ہے اور اس طرح وہ راہِ ہدایت کو اختیار کریں اور حقیقتِ ناب کو محسوس کریں۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے مخالفین کے ساتھ اپنی جنگوں میں اسلام کی بیان کردہ اسی روش پر عمل کیا ہے۔ سب سے پہلے وہ بلند آواز سے اعلان فرماتے کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلامی حدود و قیود سے تجاوز کرے۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ جنگ کا آغاز ہماری طرف سے نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہم اسلحہ کو ہاتھ تک نہیں لگائیں گے مگر یہ کہ وہ مومنین کے خلاف جنگ شروع کردیں تاکہ ظلم کا آغاز کرنے والے پر حجت تمام ہوجائے۔ (نہج البلاغہ فی وصایاہ: ۴)

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے جنگِ جمل میں باغیوں، صفین میں مخالفوں اور نہروان میں خوارج کو حدِ معمول سے زیادہ وعظ و نصیحت فرمائی تاکہ روزِ قیامت جب اعمال نامہ کھولا جائے تو کسی کے پاس کوئی بہانہ نہ ہو اور نہ ہی خلافت کا بے جا دعویٰ کرنے والوں کے پاس کوئی مدرک ہو۔

□□□

کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی روش

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب دیکھا کہ دشمن کی بہت بڑی تعداد ان کے سامنے کھڑی ہے اور انھوں نے تمام تر قوت کے ساتھ آپؑ کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے حتیٰ کہ ان لوگوں کا مصمم عزم ہے کہ پانی جو تمام انسانوں کے لیے مباح ہے آپؑ کے خاندان اور اصحاب پر بند کر دیں تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس ساری صورتِ حال کے باوجود اپنے بابا علی علیہ السلام کی روش اور طریقۂ کار کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر تیار نہ ہوئے کہ آتشِ جنگ کی ابتدا آپؑ کی جانب سے ہو۔ کیوں کہ آپؑ ان پر حجت تمام کرنا چاہتے تھے تا کہ اُن کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ لہٰذا آپؑ نے گمراہی و ضلالت کے سمندر میں غرق لوگوں کو بآواز بلند مخاطب کیا اور انھیں پہلے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

① یہ جلد گزر جانے والی دنیا کسی کے لیے باقی نہیں رہے گی، وہ لوگ جو اپنے آپ کو اس میں غرق کر لیتے ہیں وہ اس سے ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کر پائیں گے۔

② اس کے بعد انھیں رسولِ خدا سے اپنی نسبت اور تعلق کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: پیغمبر اکرمؐ نے میرے اور میرے بھائی امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے متعلق گواہی دی ہے کہ وہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ وہ پیغمبرؐ جو اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے اور جنھیں وحی الٰہی سے افتخار بخشا گیا ہے، ان کی طرف سے ایسی گواہی تمھارے لیے حق و باطل کے درمیان تمیز و تشخیص کے لیے کافی ہے تا کہ تم اپنا راستہ منتخب کر سکو۔

③ آپؑ نے تیسرا اعلان یہ کیا کہ اگر تم کسی حق کے مدعی ہو کہ جس کی خاطر میرے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہو تو مجھے بتا دو تا کہ میں وہ تم لوگوں کو ادا کر دوں۔

④ آپؑ نے چوتھا کام یہ کیا کہ قرآن کھول کر سر پر رکھا اور انھیں اس کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دی۔ چوں کہ جب آپ نے دیکھا کہ ان کی انتہائی قیمتی نصیحتوں نے

ان کے پتھر دلوں پر کوئی اثر نہیں کیا اور سب کو معلوم ہوگیا کہ وہ خدا اور رسولؐ خدا کے ساتھ عناد اور دشمنی پر مُصر ہیں تو آخرکار امام علیہ السلام نے اپنے اس طرزِ تفکر کو بیان کیا کہ جس کی اساس پر وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ نیز اس روش اور طریقۂ کار کو جس کی اولادِ علیؑ نے اپنے پیروؤں کو تعلیم دی اور ہر مقام پر بڑی سختی سے اس کے پابند تھے، عنوان بناتے ہوئے فرمایا:

..... اَلَا وَ اِنَّ الدَّعِیَّ بنَ الدَّعِی، قَدْ رَکَزَ بَیْنَ اثْنَیْنِ، بَیْنَ السِّلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ وَهَیْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّۃُ یَاْبَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَحُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ وَاُنُوْفٌ حَمِیَّۃٌ وَنُفُوْسٌ اَبِیَّۃٌ مَنْ اَنْ نُوْثِرَ طَاعَۃَ اللِّئَامِ، عَلٰی مَصَارِعِ الْکِرَامِ، اَلَا وَ اِنِّیْ زَاحِفٌ بِهٰذِهِ الْاُسْرَۃِ عَلٰی قِلَّۃِ الْعَدَدِ وَخِذْلَانِ النَّاصِرِ.....

''......آگاہ ہوجاؤ کہ مجہول النسب کے بیٹے (ابن زیاد) نے مجھے تلوار جنگ اور ذلت کے درمیان قرار دیا ہے اور افسوس ہے کہ میں ذلت کو قبول کروں کیونکہ خدا، اس کا رسولؐ اور مومنین اس سے متنفر ہیں کہ میں ذلت کو قبول کروں، پاکیزہ دامن، بلند فکر کے مالک دماغ اور غیرت مند، شریف نفوس ہرگز جائز نہیں سمجھتے کہ میں کمینوں کی اطاعت کو بزرگوں اور نیک نفس افراد کی مقتل پر ترجیح دوں۔ آگاہ ہوجاؤ کہ میری مدد کرنے والے بعض لوگ واپس چلے گئے ہیں لیکن میں اس چھوٹے سے گروہ اور دوستوں کی کمی کے باوجود اپنے مقدس ہدف تک پہنچنے اور جہاد کے لیے آمادہ ہوں......''۔

سیّد حیدر حلّی نے کیا خوب کہا ہے ۔

کَیْفَ یَلْوِیْ عَلَی الدَّنِیَّۃِ جِیْدًا	لِسِوَی اللّٰهِ مَالَوَاهُ الْخُضُوْعُ
وَلَدَیْهِ جَاشٌ اَرَدُّ مِنَ الدِّرْعِ	لِظَمَا الْقَنَا وَهُنَّ شُرُوْعُ
وَبِهٖ یَرْجِعُ الْحِفَاظُ لِصَدْرٍ	ضَاقَتِ الْاَرْضُ وَهِیَ فِیْهِ تَضِیْعُ
فَاَبٰی اَنْ یَعِیْشَ اِلَّا عَزِیْزًا	اَوْ تَجَلَّی الْکِفَاحُ فَهُوَ صَرِیْعُ

"اُصولوں کے محافظ و مدافع فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام اس قدر پست کیسے ہوسکتے ہیں؟ وہ صرف بارگاہِ خداوندی میں ہی جھکنے والے ہیں۔ ان کے پاس وہ بہادر و شجاع ملکوتی دل ہے جو زرہ سے زیادہ دشمن کے حملوں کو رد کردیتا ہے۔ وہ نیزوں کی پیاس بجھانے سے قبل شہادت کے آرزومند ہیں۔ جب کسی پر زمین تنگ کردی جاتی ہے تو وہی لوگ اپنی حفاظت کے لیے آپؑ کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ اُنھوں نے جب دیکھا کہ اب صرف دو راستے ہیں: عزت کی زندگی یا دشمن سے جنگ تو اُنھوں نے صرف عزت کی زندگی کو ہی ترجیح دی اور ذلت کی زندگی سے انکار کر دیا۔ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہیں، کیونکہ وہ دشمن سے دوبدو جنگ کرنے کے عادی ہیں"۔

یہ ہیں دعوتِ حق، باطل کے خلاف قیام اور اس کا راستہ روکنے کے لیے شریعتِ مقدس اسلام کی نصیحتیں اور احکام، اِس شریعت نے جس طرح سے مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے کو واجب و لازم قرار دیا ہے اسی طرح بچوں، اپاہج، نابینوں، عورتوں، بوڑھوں اور ان جوانوں پر کہ جنھیں ان کے والدین کی اجازت نہ ہو واجب نہیں کیا ہے۔ لیکن واقعۂ کربلا نے اس قانون کو توڑ دیا اور اپنے قیام کا آغاز ان مصلحتوں اور اَسرار کی بنیادوں پر کیا کہ بلند پرواز بشر کے خیالات بھی جن کا اِدراک کرنے سے ناتوان ہیں اور اسے پایۂ تکمیل تک بھی پہنچایا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ روش اپنے جدِ امجد رسولؐ خدا اور اپنے پدر بزرگوار جانشینِ رسولؐ سے سیکھی تھی۔ اس بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے جہاد کرنے میں کسی دوسرے راستے اور روش کی تشریح نہیں کی، بلکہ امام حسینؑ کی روش ایسا خدائی درس تھا کہ جو ابتدائے آفرینش سے لوحِ محفوظ پر ثبت و ضبط تھا کہ جسے اپنے معین وقت اور مکان پر انجام پانا تھا۔ جبرئیلؑ امین نے اسے رسولِ خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کیا اور پیامبر وحی نے اسے بطور امانت ان کے فرزند حضرت سید الشہداءؑ کے حوالے کیا تاکہ وہ اسے عملی جامہ پہنائیں۔

اس بنا پر ہر قسم کا حیران کُن عمل کہ عقل جس کی حقیقت کو درک کرنے سے ناتواں ہو،

اس خونین میدان میں نظر آئے تو وہ ان مسائل میں سے ہوگا کہ جسے رب ذوالجلال نے اپنے دوست اور اپنی حجت حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے منتخب کیا ہے۔

علم و عمل کے نمونے، ملکاتِ قدسیہ و علمِ وافر کے مالک شہیدِ کوفہ جناب مسلمؑ بن عقیلؑ نے بھی اسی روش پر عمل کیا۔ یہ ایسی روش تھی جو ولی، امام اور حجتِ خدا کی نیابتِ عظمیٰ کی شان کے مطابق تھی۔ انھیں پیاس کی شدت تڑپا رہی تھی۔ ان کے سامنے اپنے خون سے رنگین پانی موجود تھا کہ جسے پینا ان کے لیے جائز تھا لیکن چوں کہ حجتِ خدا کے نمائندے تھے، انھیں ان کی ہو بہو ترجمانی کرنی تھی جیسے قمر بنی ہاشم جناب عباسؑ تھے۔ دونوں ہی مدرسۂ عصمت و امامت کے فارغ التحصیل تھے۔ وہ اِخلاص و فداکاری کی آخری حد تک گئے۔ وہ دین اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی نگاہ میں اعمالِ صالحہ کا نمونہ قرار پائے۔

جس طرح جناب مسلم بن عقیلؑ نے پانی نہیں نوش کیا اور تشنہ لب جان دے دی تھی، اسی طرح حضرت عباس علیہ السلام جب دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے نہر فرات پر قابض ہوئے تو انھوں نے بھی خود کو پانی پینے کی اجازت نہ دی، کیوں کہ انھیں سیّدالشہداءؑ، اولادِ پیغمبرؐ اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے بچوں کی پیاس یاد تھی۔

لٰہذا وہ شریعت جو انھوں نے رسولؐ خدا، اپنے بابا علیؑ اور اپنے دو بھائیوں حسنؑ و حسینؑ جو رسولؐ خدا کی تعبیر کے مطابق کھڑے ہوں یا بیٹھے ہوں، دونوں امام ہیں، سے سیکھی تھی۔ اس نے انھیں اجازت نہ دی کہ وہ اس پانی کو نوش کریں تاکہ اس مورد میں بھی خواہ وہ ایک لحہ کے لیے ہو، حجتِ خدا کے مانند رہیں۔ لیکن تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ وہ تشنہ لبوں تک پانی نہ پہنچا سکیں۔ اس وقت انھوں نے پانی کو ہونٹ نہ لگائے لیکن اب وہ تمام پانیوں کے مالک ہیں۔

کتنا اچھا کہا ہے حجت الاسلام مرحوم مرزا محمد علی غروی اُردو آبادی نے۔

لَمْ يَذُقِ الْفُرَاتَ أُسْوَةً بِهٖ | مُتَيَّمًا بِمَائِهٖ نَحْوَ الْخِبَا
لَمْ يَرَ فِي الدِّيْنِ يَبُلُّ غُلَّةً | وَصِنْوُهٗ فِيْهِ الظَّمَا قَدِ الْهِبَا
لِذَاكَ قَدْ أَسْنَدَهٗ لِدِيْنِهٖ | وَعَنْ يَقِيْنٍ فِيْهِ لَنْ يَضْطَرِبَا
هٰذَا مِنَ الشَّرْعِ يَرٰى هِتْكَتَهٗ | وَمِنْ صِرَاطِ اَحْمَدًا مَا ارْتَكَبَا

وَمِثْلَهُ الْحُسَيْنُ لَمَّا مَلَكَ الْمَاءَ فَقِيْلَ رَحْلَهُ قَدْ نَهَبَا

أَمَّ الْخِيَامَ نَافِضًا لِمَائِهِ إِذْ عَظُمَ الْأَمْرُ بِهِ وَاعصَوصَبَا

فَكَانَ لِلْعَبَّاسِ فِيْهِ أُسْوَةٌ إِذْ فَاضَ شَهْمًا غَيْرُ مَفْلُولِ الشَّبَا

"اُس نے اس کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے دریائے فرات پر جا کر بھی پانی کا ایک گھونٹ تک نہ پیا۔ ارادہ تھا کہ پانی خیام تک پہنچ جائے اس سے اُنھوں نے اللہ کے دین کو مستحکم کیا۔ اُنھوں نے یقینِ محکم سے قربانی دی۔ وہ قطعاً مضطرب نہ ہوئے۔ اُنھوں نے شریعت پر عمل کیا اور دینِ احمد سے قطعاً اِرتکاب کیا۔ اُنھی کی طرح فرزندِ رسولؐ نے عمل کیا۔ جب اُنھوں نے دریا پر قبضہ کیا اور اپنے گھوڑے کو دریا میں داخل کیا اور اُس سے کہا کہ وہ پانی پی لے، لیکن اُن کی سواری نے بھی پانی نہ پیا۔ یہی امر حضرت عباسؑ علَم دارؑ کے لیے اُسوہ تھا۔ اُنھوں نے بھی تشنہ لبی کے ساتھ جامِ شہادت نوش کیا"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ دشمن ان کے ساتھ کسی قسم کی رُو رعایت نہیں کرے گا اور انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اِن لوگوں نے اولادِ پیغمبرؐ کو نابود کرنے کا مصمم ارادہ کر رکھا ہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اس چھوٹی سی جماعت کہ جس میں بچے، بوڑھے اور مخدراتِ عصمت بھی شامل تھیں، لے کر دشمن کے خلاف قیام کیا۔

اگرچہ حضرت سیدالشہداءؑ کی سیاست اور تدبیر کسی کے لیے بھی قابلِ درک نہیں ہے اور عقلیں اسے بیان کرنے اور اس کے حقائق کی وضاحت کرنے سے عاجز ہیں، لیکن اس زمانے میں خون آشام معرکہ برپا کرنے والوں نے کہ جن کی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔ اپنے ظالمانہ وستم گرانہ اعمال و کردار سے سب پر واضح و روشن کر دیا کہ ان کے اُسلاف نے منافقت کرتے ہوئے اور قدرتِ اسلام سے ڈرتے ہوئے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مختلف اور متفرق پُرپیچ راستوں میں سے درست راستے کو مشخص کیا اور وہ دن کہ جب امامؑ کی روشن تحریک نے اپنی کرنیں پھیلائیں تو اوہام کے تاریک

پردوں کو ایک طرف ہٹایا، اور اس دن کہ جب ان کے رشتہ داروں نے اپنی منطقی گفتگو کے ذریعے اپنی سوچوں اور افکار کو آشفتہ اور اذہان کو پریشان کیا، وہ دن کہ جب وہ اپنی مجالس و محافل میں بیٹھتے اور انھوں نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا، اس کے بارے میں سوچ بچار کرتے تو بہ خوبی سمجھ جاتے کہ انھوں نے کس قدر ذلت و رسوائی اور ضلالت و گم راہی کا مظاہرہ کیا ہے۔

□□□

امام حسین علیہ السلام نے اپنی بیعت کیوں اُٹھائی اور اپنے اصحاب کا امتحان کیوں لیا؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت سے کچھ دیر قبل شب عاشورا بڑی صراحت سے انتہائی قابلِ ارزش گفتگو فرمائی کہ جس میں اپنے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میں تم لوگوں سے اپنی بیعت اُٹھا رہا ہوں جو جانا چاہتا ہے وہ چلا جائے۔

ہم یہاں پر اس خطبے کی کچھ عبارت نقل کرتے ہیں:

اِنِّي لَا اَعْلَمُ اَصْحَابًا اَوْلٰى وَلَا خَيْرًا مِنْ اَصْحَابِي وَلَا اَهْلَ بَيْتٍ اَبَرَّ وَاَوْصَلَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي فَجَزَاكُمُ اللهُ عَنِّي جَمِيعًا خَيْرًا ..... اَلَا وَاِنِّي اَظُنُّ يَوْمَنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الْاَعْدَاءِ غَدًا وَاِنِّي قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ فَانْطَلِقُوا جَمِيعًا فِي حِلٍّ لَيْسَ عَلَيْكُمْ مِنِّي ذِمَامٌ وَهٰذَا اللَّيْلُ قَدْ غَشِيَكُمْ فَاتَّخِذُوهُ جَمَلًا وَلْيَاْخُذْ كُمْ رَجُلٌ مِنْكُمْ بِيَدِ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِي فَجَزَاكُمُ اللهُ جَمِيعًا خَيْرًا وَتَفَرَّقُوا فِي سَوَادِكُمْ وَمَدَائِنِكُمْ فَاِنَّ الْقَوْمَ اِنَّمَا يَطْلُبُونَنِي وَلَوْ اَصَابُونِي لَذَهَلُوا عَنْ طَلَبِ غَيْرِي..... [1]

''مَیں نے اپنے اصحاب سے بہتر کسی کے اصحاب نہیں دیکھے اور نہ ہی میں کسی کے اہلِ بیتؑ کو جانتا ہوں جو میرے اہلِ بیتؑ سے زیادہ باوفا اور نیک ہوں۔ خداوند آپ تمام کو جزائے خیر دے۔ میرا گمان ہے کہ دشمن کل ہمارے ساتھ جنگ کا آغاز کردے گا۔ اب آپ تمام لوگ آزاد

---

[1] تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۳۸ - کامل ابن اثیر: ج۳،ص ۲۴ - بدایہ ابن کثیر: ج۸،ص ۱۷۸ - ارشاد شیخ مفیدؒ: ص ۲۳۱، مقتل خوارزمی: ج۱،ص ۲۴۶ - روضۃ الواعظین ابن فتال: ص ۲۱۹

ہیں۔ میں آپ سے اپنی بیعت اُٹھا رہا ہوں۔ رات کی تاریکی نے تمھیں چھپا لیا ہے اور اس فرصت سے استفادہ کریں۔ آپ میں سے ہر شخص میرے خاندان کے ایک ایک فرد کا ہاتھ پکڑے اور اپنے شہر کی طرف روانہ ہو جائے (اور اپنے آپؑ کو موت سے نجات دے)۔ کیوں کہ یہ لوگ صرف میرے طلب گار ہیں۔ اگر وہ مجھ تک پہنچ گئے تو دوسروں سے کوئی غرض نہیں رکھیں گے۔ اللہ آپ سب کو جزائے خیر عنایت کرے"۔

اے ظلم کا مقابلہ کرنے والے کربلا! اے ستم کو قبول نہ کرنے والے نینوا! تیری جنگ کس قدر قابلِ افتخار ہے۔ اے سید الشہدا! آپؑ کی ہمت کس قدر بلند ہے کہ آپؑ نے انحراف کے اصلی نقطہ کو اپنا ہدف قرار دیا۔ اے روحِ نبوت! آپؑ کی گفتار کس قدر حکیمانہ اور پائے دار ہے۔ سنہری خطبات تاریخ کے سینے اور زمانے کی جبین پُرنور کے مانند درخشاں ہیں۔ تُو نے ان صاحبِ کردار افراد کی اپنے سنہری الفاظ سے یوں تعریف کی ہے جس طرح امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے کی تھی، انھوں نے فرمایا:

اِنَّهُمْ سَادَةُ الشُّهَدَاءِ وَ اِنَّهُمْ لَمْ يَسْبِقْهُمْ سَابِقٌ وَلَمْ يَلْحِقْهُمْ لَاحِقٌ

"یہ شہدا کے سردار ہیں، ان سے برتر کوئی شہید آیا ہے نہ آئے گا"۔

(کامل الزیارات ابن قولویہ: ص ۲۷۰، ۹۹۹)

ہاں وہ جہانِ آفرینش کا خلاصہ اور تخلیق کا نچوڑ ہیں، ہم ان کے نُور کے پرتو سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ ہم ان کے کردار و گفتار سے درسِ مقاومت و پائے داری، درسِ اخلاص وفداکاری اور درسِ جاں نثاری و سرفرازی سیکھتے ہیں کہ وہ جو خود ظلم و ستم کے سامنے ڈٹ گئے لیکن ذلّت کو قبول نہ کیا۔ اپنے پیروؤں کو پیغام دیتے ہیں کہ یا عزت کی موت اور ظلم کے سامنے نہ جھکنا یا قابلِ فخر کامیابی یا شہادت وسعادت کے ہدف تک رسائی حاصل کرنا۔

اگر وہ اجازت نہ ہوتی جو حضرت امام حسین علیہ السلام نے انھیں دی۔ اگر اصحابِ باوفا سے وہ گفتگو صادر نہ ہوئی ہوتی جو انھوں نے امامؑ کی طرف سے جانے کی اجازت دینے کے عوض میں کی تو بلاشک وشبہ کوئی بھی ان کی شان وشوکت اور بلند ہمتی کو نہ سمجھ سکتا کہ وہ علم ویقین کی

کس منزل پر فائز ہیں، کسی کی بھی عقل وفہم میں نہ آسکتا کہ انھوں نے ممکنہ بلندیوں تک کس طرح سے پرواز کی ہے اور بصیرت واخلاص کی چوٹیوں کو کیسے سر کیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اس غرض سے چاہتے تھے کہ ان کی آزمائش کریں کیوں کہ حکیم اور عالم بِمَا کَانَ وَ بِمَا یَکُون کہ جس کی نگاہوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، کا قابلِ قدر ہدف اور اہم مقصد کہ جو اپنے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کی شان وشوکت کی شناخت کرواتا ہو، کے لیے آزمایش کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے، کیوں کہ خالقِ کائنات، جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے، کی طرف سے بھی اس کے مشابہ امتحانات لیے گئے ہیں۔

ربِ ذوالجلال نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کریں جبکہ وہ آگاہ تھا کہ وہ اطاعت کریں گے اور جناب اسماعیل علیہ السلام بھی سرِ تسلیم خم کریں گے درحالانکہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ حضرت اسماعیلؑ ذبح ہوں لیکن اس مصلحت کی خاطر کہ جس کا علم صرف خداوند کریم کو ہے، آزمایش کرنے کی خاطر امر صادر فرمایا۔ اگرچہ عقلِ بشر میں اس کا ادراک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح تین افراد گنجے، برص کے مریض اور اندھے کی داستان بھی اس پر گواہ ہے [1] کہ خداوند ان کا امتحان کر کے یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ شکرِ نعمت واجب ہے اور کفرانِ نعمت خسارے اور نقصان کا موجب ہوگا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام بھی اس آزمائش اور امتحان سے یہ چاہتے تھے کہ اپنے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کا مقام ومرتبہ، عزتِ نفس اور پاکیزگی دنیا والوں کو شناخت کرائیں کہ وہ کس طرح راہِ خدا اور راہِ رسولؐ خدا میں خاضع ہیں۔ کیوں کہ انسان جب تک گفتگو نہ کرے اور اپنی گفتار کی تائید اپنے کردار اور عمل سے نہ کرے، اس وقت تک اس کی قدر ومنزلت، پاکیزگیِ نفس، ہدف کے راستے میں ثابت قدمی اور مولا کی اطاعت وپیروی مشخص نہیں ہوسکتی مگر یہ کہ ایسے شاہد اس کی خبریں دیں اور اس کا تعارف کرائیں کہ جو اس کے تمام مخفی رازوں سے آگاہ ہیں۔

یہ امر کسی پر بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ موجودہ تاریخ نے ان قابلِ قدر، صالح اور عظیم شخصیات کہ جنھوں نے اپنا سب کچھ مقام ومرتبہ اور آبرو دین اسلام اور شریعتِ حقّہ کی تائید

---

[1] یہ داستان صحیح بخاری کتاب الانبیاء اور فتح الباری: ج ۶، ص ۳۲۳ پر ذکر ہوئی ہے۔

کرنے پر قربان کردی، کے متعلق کس قدر خیانت سے کام لیا اور شہدائے کربلا کی ان عظیم شخصیات کی فداکاریوں اور جاں نثاریوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں لکھا تاکہ ہم اس راستے کو طے کرتے ہوئے جو کچھ انھوں نے میدانِ کربلا میں انجام دیا، اس کے علاوہ ان کی قداست، خلوصِ نیت اور تزکیۂ نفس کو بھی جان سکتے۔ اگر حضرت امام حسینؑ کے اہلِ بیتؑ اور اصحاب کے وہ کلمات نہ ہوتے جو انھوں نے امامؑ کی طرف سے چلے جانے کی اجازت دینے کے جواب میں کہے تھے تو حقیقت یہ ہے کہ ان کے اَخلاقی فضائل اور بلندوبالا نظریات کو پہنچانے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ ہاں! علم ایک ایسا نُور ہے کہ خدا جس کے دل میں چاہتا ہے قرار دیتا ہے لیکن انسانوں کے اندر ظرفیت کے اعتبار سے جو فرق پایا جاتا ہے، وہ کم یا زیادہ ہوجاتا ہے۔

بہرحال بطورِ نمونہ حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی کی زندگی کے بارے میں غور وفکر کریں تو تاریخ ایک واقعہ کے علاوہ ان کی حیاتِ جاودانہ اور دوسری شائستہ خصوصیات کے بارے میں خاموش ہے۔ وہ واقعہ بھی شبث بن ربعی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: آذربائیجان کی جنگ میں اسلام کا لشکر ابھی اپنے آپ کو جنگ کے لیے تیار کر رہا تھا کہ مسلم بن عوسجہ میدانِ کارزار میں قدم جما چکے تھے۔ وہ دوسروں کے پہنچنے سے پہلے چھے مشرکوں کو واصلِ جہنّم کرچکے تھے۔ تاریخ نے اس واقعہ کے سوا کچھ نہیں لکھا ہے کہ انھیں اہلِ بیتِ پیغمبرؐ سے کس قدر عشق تھا۔ وہ سیاست میں کس طرح میدان مارتے رہے اور وہ کیسے راہِ اہلِ بیتؑ پر ثابت قدم اور استوار رہے؟ البتہ اس ضمن میں ان کے چند جملات جو انھوں نے حضرت امام حسینؑ کے جواب میں کہے تھے نقل کیے ہیں:

اَنَحنُ نُخَلِّي عَنْكَ وَلَمَّا نَعذِرُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فِي اَدَاءِ حَقِّكَ اَمَا وَاللّٰهِ لَا اُفَارِقُكَ حَتّٰى اُكسِرَ فِي صُدُورِهِمْ رُمْحِي وَاضْرِبَهُمْ بِسَيْفِي مَا ثَبَتَ قَائِمُهُ فِي بِيَدِي وَلَولَم يَكُن مَعِي سِلَاحٌ اُقَاتِلُهُمْ بِهِ لَقَذَفتُهُمْ بِالْحِجَارَةِ حَتّٰى اَمُوتَ مَعَكَ۔

”کیا ہم آپ کو تنہا چھوڑ دیں؟ اس صورت میں ہم خداوند متعال کی بارگاہ

میں کیا عذر پیش کریں گے کہ ہم نے آپؑ کا حق ادا نہیں کیا؟ خدا کی قسم! میں ہرگز آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا۔ یہاں تک کہ اپنے نیزے سے آپؑ کے دشمنوں کے سینے چیر دوں گا اور جب تک تلوار میرے ہاتھ میں رہے گی میں ان سے جنگ کروں گا۔ اگر میرے پاس اسلحہ نہ رہا تو بھی میں پتھروں اور ڈھیلوں کے ساتھ ان سے جنگ کروں گا، یہاں تک آپؑ کے ساتھ شہید ہو جاؤں"۔

اس مردِ مجاہد کی اپنے عقیدہ پر استقامت و پائے داری کے لیے اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں جب کہ ان کا بدن خون میں غرق اور زخموں سے چور چور تھا، رضائے خدا کے لیے کسی تکلیف اور دکھ درد کا اظہار کیے بغیر سینہ سپر ہو کر کھڑے رہے اور جہاں تک ہو سکا نیزوں اور تلواروں کو اپنی جان پر برداشت کیا تاکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔

وہ عارف اور عظیم شخص کہ جس نے مستقبل کے غیبی علوم حضرت امیر المومنینؑ سے سیکھے تھے، اِسے امام حسینؑ کی مدد سے ہاتھ نہیں کھینچنا چاہیے ورنہ وہ جس قدر ان کے حق میں کوتاہی کرتا اس کا عذر رسولؐ خدا کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہ ہوتا۔ اس نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ زندگی کی آخری رمق تک انتہائی نحیف آواز کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنابِ حبیب ابن مظاہرؓ کو وصیت کی اور کہا: خون کے آخری قطرے تک حسینؑ کی مدد کرنے سے ہاتھ مت کھینچنا۔ جنابِ مسلم بن عوسجہ نے یہ آخری کلمات ادا کیے اور اپنے امامؑ کی اطاعت میں راسخ اور مضبوط عقیدہ کے ساتھ دوسرے شہدا کی صف میں شامل ہو گئے۔[1]

مسلم بن عوسجہ اسدی کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی نے مقامِ ولایت کی بارگاہ میں

---

[1] جنگِ جمل میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے سعد بن وقاص سے مدد کرنے کو کہا تو اس نے امیر المومنین علی علیہ السلام کو یہ جواب دیا: میں اس جنگ میں شامل ہونا پسند نہیں کرتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مومن سے ٹکراؤ ہو جائے۔ مگر یہ کہ آپ مجھے ایسی تلوار دے دیں کہ جو خود مومن اور کافر کو پہچان لے۔ بِبین تفاوتِ رَہ اَز کجا است تا کجا! (دیکھو کہ راستے کا کہاں سے کہاں تک فرق ہے؟)۔

اخلاص وفداکاری کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا:

وَاللّٰہِ لَا نُخَلِّیْكَ حَتّٰی یَعْلَمَ اللّٰہُ اَنَا قَدْ حَفِظْنَا غَیْبَةَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فِیْكَ، وَاللّٰہِ لَو عَلِمتُ اَنِّیْ اُقتَلُ ثُمَّ اُحیَا ثُمَّ اُحرَقُ حَیًّا ثُمَّ اُذرٰی یَفعَلُ بِیْ ذٰلِكَ سَبعِیْنَ مَرَّةً مَا فَارَقْتُكَ حَتّٰی اَلْقٰی حِمَامِیْ دُوْنَكَ، فَکَیْفَ لَا اَفعَلُ ذٰلِكَ وَاِنَّمَا هِیَ قَتلَةٌ وَاحِدَةٌ، ثُمَّ الْكَرَامَةُ الَّتِیْ لَا انْقِضَاءَ لَهَا اَبَدًا

"خدا کی قسم! ہم آپ کو تنہا نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ خدا جان لے کہ "ہم نے آپ کے بارے میں رسولؐ خدا کا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو کہ وہ مجھے قتل کریں گے۔ پھر زندہ کریں گے اس کے بعد زندہ جلا دیں گے اور مجھے معلوم ہو کہ وہ میرے ساتھ ستر بار ایسا کریں گے تو میں پھر بھی آپؑ سے کبھی جدا نہیں ہوں گا، یہاں تک کہ اپنی جان آپؑ کے قدموں میں نچھاور کردوں، ایسا کیوں نہ کروں، قتل ہونا تو صرف ایک بار ہے لیکن اس کے بعد ایسی کرامت وشرافت ہے جو ہمیشہ کے لیے ہوگی"۔

اس کے بعد وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے کھڑے ہوگئے اور ان کی حمایت کرنے کی سفارش کی۔ اس کے باوجود کہ ان کا بدن خون میں غرق اور زخموں سے چُور چُور تھا۔ انھوں نے امامؑ کی حمایت کرنے سے ہاتھ نہ کھینچا، جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام میدانِ کربلا میں نمازِ ظہر ادا کرنے میں مشغول تھے۔ انھوں نے دشمن کے تیروں کے سامنے اپنے بدن کو ڈھال بنایا تاکہ کوئی تیر امامِ عالی مقامؑ تک نہ پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ وہ امامؑ کے سامنے زمین پر گر گئے اور عرض کیا: کیا مَیں نے اجرِ رسالت ادا کر دیا ہے؟ اَوَفَیْتُ یَابْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ "اے فرزندِ رسولؐ! کیا مَیں نے وعدہ وفا کیا ہے تاکہ دنیا سے خوش حال جاؤں؟" یا مَیں نے اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوتاہی کی ہے تاکہ ناامیدی اور خسارے سے اپنی آنکھیں بند کروں؟!

حضرت امام حسین علیہ السلام نے انھیں یقین دلایا کہ وہ درجۂ شہادت پر فائز ہونے سے سعادت مند ہو چکے ہیں اور مجھ سے پہلے رسولؐ خدا سے ملاقات کریں گے۔

ابھی امام علیہ السلام کی طرف سے اجازت دینے کے جواب میں سعید بن عبداللہ کی گفتگو ختم نہیں ہونے پائی تھی کہ زُہیر بن قین بجلی کھڑے ہوئے۔ انھوں نے دین اسلام کی طرف دعوت دینے پر مبنی اپنی ارزش مند گفتگو وہاں پر موجود لوگوں تک پہنچائی کہ جو تاریخ میں ہمیشہ ان کے نام کے ساتھ باقی ہے۔ انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

وَاللهِ لَوَدِدْتُ اَنِّي قُتِلْتُ ثُمَّ نُشِرْتُ ثُمَّ قُتِلْتُ حَتّٰى اُقْتَلَ عَلٰى هٰذَا اَلْفَ مَرَّةٍ وَاِنَّ اللهَ يَدْفَعُ بِذٰلِكَ الْقَتْلَ عَنْ نَفْسِكَ وَعَنْ اَنْفُسِ هٰؤُلَاءِ الْفِتْيَةِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ

"زُہیر بن قین نے کہا: خدا کی قسم! میں اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ آپؑ کے ساتھ قتل ہو جاؤں، پھر زندہ ہو جاؤں پھر قتل ہو جاؤں اور ہزار بار ایسا کیا جائے لیکن اس کے عوض خداوند آپؑ اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ کو اس معرکہ سے نجات بخشے"۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو عبادات آخرت اور بہشتی نعمتوں تک رسائی حاصل کرنے کے لیے انجام دی جائیں وہ خداوند کی بارگاہ میں مقبول ہوں گی لیکن ان کے مقابلے میں ایک اور ایسی عبادت ہے کہ جو بلند تر نظریے اور خلوصِ نیت سے انجام دی جاتی ہے وہ اہلِ یقین کی عبادت ہے کہ جو بہشت میں جانے کی خاطر انجام نہیں دی جاتی بلکہ وہ خدا کو لائق عبادت سمجھتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ زہیر بن قین انھیں اہلِ یقین کے مصادیق اور نمونوں میں ایک ہیں کہ ایمان اور یقینِ خالص جن کے تار و پود میں رسوخ کیے ہوئے تھا، لہٰذا انھوں نے اس حساس موقعہ پر اپنے بلند نظریات، عالی اہداف اور حق پر مبنی عقائد کو بیان کیا کہ جن کا خلاصہ امامؑ اور ان کے اہلِ بیت اطہارؑ کی حفاظت و پاس داری ہو سکتا ہے۔

زہیر بن قین نے جو جہاد خداوند کی عبادت سمجھ کر کیا، اس سے ان کا قصد ثواب آخرت اور پاداش روزِ قیامت نہ تھا بلکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ وہ حکومت کے ظلم وستم سے حجتِ خدا کو

بچائیں۔ ایسی حجت کہ جسے رسولؐ خدا نے حجت کہتے ہوئے فرمایا:

حُسَینٌ مِنّی وَاَنَا مِن حُسَین (کامل الزیارات ابن قولویہ: ص ۳)

"حسینؑ مجھ سے اور میں حسینؑ سے ہوں"۔

رسولؐ خدا اس کلام سے اپنی اُمت کو یہ نہیں فرمانا چاہتے تھے کہ حسینؑ ان کے بدن کا ٹکڑا ہے کیوں کہ آں حضرتؐ تمام فصحا و بلغا کے سردار ہیں، اس طرح کی ڈھیلی اور عامیانہ گفتگو نہیں کرتے، کیوں کہ ہر بچہ اپنے باپ کے بدن کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کسی صورت میں بھی حضرت امام حسینؑ کے لیے کوئی امتیاز اور خصوصیت نہیں ہے۔ اس بنا پر رسولؐ خدا اپنے ان سنہرے الفاظ میں امام حسینؑ کے ہدف اور مقصد کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے، یعنی اسلام کو محکم کرنا، اس کے راستے سے کانٹے صاف کرنا اور اُمت کو ان لوگوں کے جرائم سے آگاہ کرنا کہ جنھوں نے دین کے نام سے اسے اپنے لیے کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ ①

اس بنا پر سب سے پہلے رسولؐ خدا تھے کہ جنھوں نے تحریک اور قیام کا پرچم بلند کیا اور دعوتِ خدا کو سب تک پہنچایا اور امام حسینؑ آخری ہوں گے کہ جو اس کی حمایت اور پاسداری کے لیے قیام کریں گے تاکہ اسے ثابت اور محکم کریں۔

قَدْ اَصْبَحَ الدِّیْنُ مِنْهُ شَاکِیًا سُقْمًا — وَمَا اِلٰی اَحَدٍ اِلَّا الْحُسَیْنِ شَکَا
فَمَا رَاَی السِّبْطَ لِلدِّیْنِ الْحَنِیْفِ شَفَا — اِلَّا اِذَا دَمُهٗ فِیْ کَرْبَلَا سَفَکَا
وَمَا سَمِعْنَا عَلِیْلًا لَا دَوَاءَ لَهٗ — اِلَّا بِنَفْسِ مُدَاوِیْهِ اِذَا هَلَکَا
بِقَتْلِهٖ فَاحَ لِلْاِسْلَامِ نَشْرُ هُدًی — فَکُلَّمَا ذَکَرَتْهُ الْمُسْلِمُوْنَ ذَکَا

"جب دینِ خداوندی بیمار ہوا تو اُس نے اللہ کی اس بھری کائنات میں نگاہ کی کہ وہ کس معالج وحکیم کے پاس جائے اور اپنا علاج کرائے؟ اس تلاش وجستجو کے بعد اُس کی نگاہ حسینؑ ابن علیؑ پر ٹھہری کہ صرف وہی ہیں

① مستدرک حاکم نیشاپوری: ج ۳، ص ۱۷۸۔ تہذیب، تاریخ شام ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۱۴۔ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۸۱۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۵، حدیث ۲۳، ادب المفرد بخاری۔ کنز العمال: ج ۷، ص ۱۰۷۔ نزہۃ المجالس صفوری: ص ۴۷۸۔

جو اس کا علاج کر سکتے ہیں۔ آخر اُس نے بارگاہِ حسینؑ میں اپنے مرض کی شکایت کی۔ اس حقیقی اور ملکوتی معالج نے جب دینِ خداوندی کو مریض دیکھا تو اس کا علاج تجویز کیا اور دینِ خداوندی سے کہا: تیرا علاج صرف میرا ہی خون ہے۔ جب میرا خون میدانِ کربلا میں بہایا جائے گا تو تجھے شفا مل جائے گی۔ ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی مریض کا دوا نہ ہو، ہاں! جب ظاہری دوا نہ ہو تو معالج اپنے خون سے اس کا علاج کرتا ہے۔ آخر اسی طبیب نے اسلام کی شفا کے لیے اپنا خون دے دیا اور اسلام کو زندگی مل گئی اور اس کی دعوت و تبلیغ کو چار چاند لگ گئے اور پھلنے پھولنے لگا اور کائنات پر چھا گیا۔ مسلمان جب بھی حسینؑ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اسلام کی خوشبو مہکتی ہے اور ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے"۔

اگر زُہیر بن قینؓ اس دن صراحت اور صاف الفاظ میں بیان نہ کرتے تو کوئی بھی ان کے ان بلند اہداف کو نہ سمجھ سکتا جو انھوں نے اپنے دل میں پروان چڑھا رکھے تھے اور کوئی بھی ولایت اہلِ بیت عصمت و طہارتؑ کہ خدا نے جنھیں انسان کے راہ نما اور شریعت کے پاسدار قرار دیا ہے، کے ساتھ ان کے عشق سے آگاہ نہ ہوتا، کیوں کہ تاریخ نے ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ عثمان بن عفان کی دوستی اور اولادِ پیغمبرؐ کے ساتھ ان کی دشمنی کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں لکھا ہے۔

عابس بن ابی شبیب شاکریؓ کا مقام و مرتبہ کوفہ میں مسلمؑ بن عقیلؑ اور کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی بیعت کے وقت معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کس قدر صاحبِ فضیلت اور اہلِ بیتؑ کے بارے میں کتنے محکم و مضبوط عقیدے کے مالک تھے۔ مقامِ امامت کی حفاظت و نگہداری کی منزل پر دیکھیں تو ان کے نزدیک امامؑ کی جان سے زیادہ کوئی بھی چیز عزیز نہیں تھی۔ اور وہ ہر طرح کے خطرے کو اپنی جان پر لینے کے لیے حاضر تھے اور اپنی قیمتی ترین اشیا کو قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن اس پر راضی نہیں تھے کہ امام علیہ السلام کو ذرا برابر کوئی نقصان پہنچے، لہٰذا جب اُنھوں نے دیکھا کہ جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ کی بیعت کرنے کے لیے

خیانت کاروں کی بھیڑ لگ چکی ہے تو اُنھوں نے جناب مسلمؑ سے عرض کیا:

اِنِّي لَا اُخبِرُكَ عَنِ النَّاسِ وَلَا أَعلَمُ مَا فِي نُفُوسِهِمْ وَمَا اَغُرُّكَ مِنهُمْ، وَوَاللهِ اِنِّي اُحدِثُكَ عَمَّا اَنَا مُوطِنٌ نَفسِي عَلَيهِ وَاللهِ لَاَجِيبَنَّكُمْ اِذَا دَعَوتُمْ، وَلَاُقَاتِلَنَّ مَعَكُمْ عَدُوَّكُمْ وَلَاَضرِبَنَّ بِسَيفِي دُونَكُمْ حَتّٰى اَلقَى اللهَ لَا اُرِيدُ بِذٰلِكَ اِلَّا مَا عِندَ اللهِ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۹۹)

"میں ان لوگوں کے دل کو نہیں جانتا اور اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہوں گا لیکن ہوشیار رہیں ان سے دھوکا نہ کھائیں۔ میں آپؑ کو صرف وہ کچھ بتا رہا ہوں کہ جو ان کے بارے میں میرا عقیدہ ہے۔ خدا کی قسم! میں آپؑ کے حکم کا تابع فرمان ہوں اور مسلسل آپؑ کے دشمن سے جنگ لڑوں گا اور رضائے خدا کے لیے جب تک اللہ سے ملاقات نہ کرلوں آپؑ کی حمایت کرنے سے دست بردار نہیں ہوں گا"۔

جناب عابس نے حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو ظاہراً اس مختصر لیکن پُرمغز گفتگو کے ذریعے ان کی بے شخصیتی اور وعدہ خلافی سے آگاہ کر دیا تھا اور سمجھ لیا کہ دھوکا وفریب اور ہوا پرستی ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ ظاہری طور پر یہ لوگ انتہائی دل فریب گفتگو کرتے ہیں لیکن ان کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے جناب مسلمؑ کی بیعت تو کی لیکن وہ دلی طور پر خوش نہیں تھے کہ حکومتی مشینری میں ذرا بھر کمزوری آئے، ورنہ رات کے وقت جب حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ اکیلے رہ گئے تھے اور انھیں معلوم نہیں تھا کہ وہ کدھر جائیں تو اس وقت بیعت کرنے والے ان ہزاروں افراد میں سے کوئی ایک بھی حاضر نہ تھا کہ ان کی کسی طرف راہ نمائی کرتا؟!

جناب عابسؓ نے کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں عرض کیا:

مَا اَمسٰى عَلٰى ظَهرِ الاَرضِ قَرِيبٌ وَلَا بَعِيدٌ اَعَزَّ عَلَيكَ وَلَو قَدَرتُ اَن اَرفَعَ عَنكَ بِشَيءٍ اَعَزَّ عَلَيَّ مِن نَفسِي لَفَعَلتُ

”اس زمین پر آپؑ سے زیادہ عزیز تر کوئی نہیں ہے، اگر میرے پاس میری جان سے زیادہ عزیز تر کوئی اور چیز ہوتی اور اس کے ذریعے میں آپ کو ظلم و بربریت سے بچا سکتا تو یقیناً اسے قربان کرتا“۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۵۴)

ہاں، اے ابن ابی شبیب! خدا کے مخلص بندے اور جنھوں نے اپنے آپ کو اس کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے، وہ دنیا کو نیستی اور بقا و جاودانگی کو امام معصومؑ کہ جو تخلیقِ کائنات اور موجودات کے مدار کی علت ہیں، کی مدد کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

ان کے بعد جناب نافع بن ہلالؓ کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں:

وَاللهِ مَا اَشْفَقْنَا مِنْ قَدَرِ اللهِ وَلَا كَرِهْنَا لِقَاءَ رَبِّنَا وَ اِنَّا عَلٰى نِيَّاتِنَا وَبَصَائِرِنَا نُوَالِي مَنْ وَالَاكَ وَنُعَادِي مَنْ عَادَاكَ

”خدا کی قسم! ہمیں مقدراتِ الٰہی سے کوئی خوف نہیں ہے، ہم لقاء اللہ کو دوست رکھتے ہیں، ہم اپنے اس عقیدے اور بصیرت کی بنیاد پر آپؑ کے دوستوں سے دوستی اور آپؑ کے دشمنوں سے دشمنی کریں گے“۔

اس کے بعد ایک ایک کر کے تمام اصحاب نے اسی سے مشابہ گفتگو کی اور حضرت امام حسینؑ کی بیعت کو محکم تر کیا۔

جب حضرت امام حسینؑ نے اپنے اہلِ بیتؑ کو کربلا چھوڑ کر اپنے وطن جانے کی اجازت دی تو سب نے مل کر بلند بلند گریہ زاری شروع کی اور عرض کیا:

اَنَفْعَلُ ذٰلِكَ لِنَبْقٰى بَعْدَكَ اَلَا اَرَانَا اللهُ ذٰلِكَ اَبَدًا

”کیا ہم اس لیے چلے جائیں کہ آپؑ کے بعد زندہ رہیں؟ خداوند متعال کبھی وہ دن ہمیں نہ دکھائے“۔

حضرت امام حسینؑ نے اس کے بعد اولادِ عقیلؑ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

حَسْبُكُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ قَدْ اَذِنْتُ لَكُمْ

”آپؑ لوگوں کے لیے مسلمؑ کی شہادت کافی ہے، لہٰذا میں آپ کو جانے کی

اجازت دیتا ہوں"۔

وہ لوگ جو دین کی نصرت اور حجت خدا اور امامِ وقتؑ کی پاس داری کے لیے آئے تھے، اس کے سوا ان کا کوئی اور ہدف نہیں تھا۔ اُنھوں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں یوں عرض کیا:

اِذَن مَا نَقُولُ لِلنَّاسِ اِنَّا تَرَكْنَا شَيْخَنَا وَبَنِي عُمُومَتِنَا خَيْرَ الاَعمَامِ وَلَم نَرمِ مَعَهُمْ بِسَهمٍ وَلَم نَطعَن بِرُمْحٍ وَلَمْ نَضرِب بِسَيفٍ لَا وَاللهِ لَا نفعَلُ وَلٰكِن نَفدِيكَ بِاَنْفُسِنَا وَاَموَالِنَا وَاَهلِيْنَا نُقَاتِلُ مَعَكَ حَتّٰى نَرِدَ مَورِدَكَ فَقَبَّحَ اللهُ العَيشَ بَعدَكَ

"اس صورت میں ہم لوگوں سے کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگ اور اپنے چچازادوں کو کہ جو بہترین چچے اور چچازادے تھے تنہا چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے ان کے ساتھ مل کر نہ تیر چلایا ہے، نہ نیزہ مارا ہے اور نہ تلوار چلائی ہے۔ نہیں، خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں کریں گے بلکہ اپنی جان، اولاد اور ثروت سب کچھ آپؑ پر فدا کردیں گے اور آخری دم تک آپؑ کی رکاب میں جنگ لڑیں گے۔ آپؑ کے بعد زندگی کس قدر نازیبا ہے، خدا ایسا دن نہ لائے"۔

یہ فداکاری و جاںنثاری ایسے سخت اور ناگوار حالات میں تھی کہ ان کی مدد کے تمام ذرائع ختم ہوچکے تھے۔ تمام راستے حتیٰ کہ وہ راستے جو حیوانوں کے لیے مباح تھے وہ بھی ان پر بند ہوچکے تھے۔ یہ ساری چیزیں اس کی حکایت کرتی ہیں کہ یہ حضرات صفاتِ کمالِ ممکن کے انتہائی درجہ پر فائز تھے اور انھوں نے اپنے آپ کو فانی دنیا کے تمام عوارض کی قیدوبند سے آزاد کر رکھا تھا۔ اگر ان کے دل میں دنیاوی زندگی کی تھوڑی سی خواہش بھی ہوتی تو وہ امام علیہ السلام کی طرف سے اجازت ملنے کو چلے جانے کا بہانہ قرار دیتے اور روزِ قیامت بھی اسی سے تمسک کرتے اور حجت قرار دیتے کہ ہم نے خود امام علیہ السلام کی اجازت سے اُنھیں تنہا چھوڑا تھا، لیکن ان پاک و پاکیزہ نفوس کہ پروردگارِ عالم نے جنھیں قداست کی مٹی سے خلق اور نُورِ یقین کے ساتھ مرکب کیا، ان کی اس دنیا میں رہنے کی کوئی تمنا نہیں تھی مگر یہ کہ حق کو سچا اور باطل کو جھوٹا

ثابت کریں۔ اس وقت زندگی میں کیا لذت ہوسکتی ہے، جب انسان دیکھے کہ رسولؐ خدا کا جگر پارہ اور اسلام کی روح اور جان مصائب و مشکلات میں گرفتار ہے؟

نُفُوْسٌ اَبَتْ اِلَّا تُرَاثَ اَبِیْهِمْ　　　فَهُمْ بَیْنَ مَوْتُوْرٍ لِذَاكَ وَاتِرِ

لَقَدْ اَلِفَتْ اَرْوَاحُهُمْ حَوْمَةَ الْوَغٰی　　　كَمَا اَنِسَتْ اَقْدَامُهُمْ بِالْمَنَابِرِ

"یہ وہ ملکوتی مجاہد و مبارز لوگ تھے، جنھوں نے دُنیا کی ہر چیز کو ترک کر دیا۔ صرف اور صرف اپنی آبائی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے آباء کے نقشِ قدم پر چلے۔ ان کے سامنے دو راستے تھے۔ اُنھیں ان میں سے ایک کو اختیار کرنا تھا کہ وہ یا تو اس حالت میں قتل ہوں کہ ان کے قتل کا کوئی بدلہ نہ لے سکے یا وہ ان لوگوں سے خود ہی بدلہ لیتے ہوئے انھیں قتل کر دیں کہ جن سے کسی نے بدلہ نہیں لینا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی رُوحیں اس طرح میدانِ کارزار کی عادی ہیں جس طرح ان کے قدم منبروں سے مانوس ہیں۔ (مثیر الاحزان ابن نما)

اسی دوران امام علیہ السلام کے ایک صحابی محمد بن بشیر حضرمی کو خبر ملی کہ اس کا بیٹا رَے کی سرحد سے اسیر کرلیا گیا ہے۔ وہ یہ خبر سن کر بہت پریشان ہوا اور اس نے کہا:

عِنْدَ اللهِ احتَسَبُهُ وَنَفْسِی مَا اَحَبُّ اَنْ یُوْسَرَ وَاَبْقِی بَعْدَهُ

"میں اس کی اسیری کو خدا پر چھوڑتا ہوں۔ مجھے اپنی جان کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اسیر ہوں اور مَیں زندہ رہوں"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جب اس کی یہ گفتگو سنی تو اس کی گردن سے اپنی بیعت اُٹھاتے ہوئے فرمایا: تم آزاد ہو اور اپنے بیٹے کی رہائی کے لیے کوشش کرو۔

محمد بن بشیر نے جب امام علیہ السلام کی گفتگو سنی تو اس کی دینی غیرت جوش میں آگئی۔ ولایت کے ساتھ عشق و محبت نے اس کے اندر ایسا جذبہ پیدا کیا کہ وہ سچے دل سے امام علیہ السلام پر فدا ہونے اور ان کی حمایت کرنے کا اظہار کرے، لہٰذا اس نے حضرتؑ کی خدمت میں عرض کیا:

.....یا اَبَا عَبدِ اللهِ اَكَلَتْنِی السِّبَاعُ حَیًّا اَنْ فَارَقْتُكَ

......اے ابا عبداللہؑ! اگر بیابان کے درندے مجھے زندہ کھا جائیں تو پھر

بھی آپ سے جدا نہیں ہوں گا"۔

ہاں! جس کا ایمان محکم اور دل میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت راسخ ہو جائے تو وہ اسے عظمت وفضیلت کی بلندیوں تک لے جاتی ہے۔ اگر محمد بن بشیر کمزور عقیدے کا مالک ہوتا تو اس فرصت سے استفادہ کرتا جو امام علیہ السلام نے اسے دی تھی اور اسی کو خدا اور لوگوں کے سامنے حجت اور دلیل بنا کر کربلا سے لوٹ جاتا۔ لیکن اس کے ایمان راسخ اور سچے عقیدے نے اسے فرصت طلبی کی اجازت نہیں دی۔ لہٰذا وہ آخری دم تک کربلا میں موجود رہا اور حجت خدا کی حمایت کی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شجاعت و بزرگواری کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنے تمام اصحاب کو آزاد کر دیتے۔ من جملہ آپؑ نے ابوذر غفاری کے غلام جون حبشیؓ کو بھی رسمی طور پر آزاد کر دیا تھا تا کہ وہ جانے سے شرم محسوس نہ کرے۔ اس کے باوجود کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ جون مشکلات کے مقابلے میں کس قدر ثابت قدم ہے، لیکن وہ اس طرح کا امتحان لے کر دنیا اور آنے والی نسلوں کو سیاہ غلام کی شخصیت کا تعارف کرانا چاہتے تھے کہ شریعت جب خیانت کاروں کے ہاتھ کا کھلونا بن جائے اور بحران و انحطاط کا شکار ہو جائے تو وہ کس قدر فداکاری و جاں نثاری سے کام لیتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اس کی گردن سے اپنی بیعت اُٹھا لیتے ہیں اور اسے چلے جانے کی اجازت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

يَا جَونُ! إِنَّمَا تَبِعْتَنَا طَلَبًا لِلْعَافِيَةِ فَلَا تَبْتَلْ بِطَرِيقَتِنَا

"اے جونؓ! اگر تم قدرت اور عافیت طلبی کی غرض سے ہمارے ساتھ چل کر آئے ہو تو ابھی سے ہمارے راستے سے واپس چلے جاؤ"۔

جناب جونؓ نے جوں ہی حضرت کی یہ گفتگو سنی تو اس خوف سے کہ کہیں وہ سعادت جاوید کی توفیق حاصل کرنے رہ نہ جائیں، اس کے سیاہ رخساروں پر اشکوں سے مروارید جاری ہوئے۔ اس نے گریہ کرتے ہوئے کانپتی ہوئی آواز سے ایسی گفتگو کی کہ اس کی بازگشت ہمیشہ تاریخ کے کانوں میں باقی رہے گی اور اس نے تمام نسلوں کو سمجھا دیا کہ کامیابی و کامرانی نام

ہے مشکلات کے مقابلے میں پائے داری ومقاومت کا۔

جنابِ جون نے امامؑ کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے کہا:

وَ اِنَّمَا الرَّاحَةُ بَعْدَ الْعِنَاءِ

"بے شک! مشکلات کے بعد راحت وآسانی ہے"۔

اور اس کے بعد مزید کہا:

اَنَا فِي الرَّخَاءِ، اَلْحَسُ قِصَاعَكُمْ وَفِي الشِّدَّةِ اَخْذُلُكُمْ وَاللهِ اِنَّ رِيْحِي لَمُنْتَنٌ وَ اِنَّ حَسَبِي لَلَئِيْمٌ وَلَوْنِي لَاَسْوَدٌ فَتَنَفَّسْ عَلَيَّ بِالْجَنَّةِ لِيُطِيبَ رِيْحِي وَيُشَرَّفَ حَسَبِي وَيَبْيَضَّ وَجْهِي، لَا وَاللهِ لَا اُفَارِقُكُمْ حَتّٰى يَخْتَلِطَ هٰذَا الدَّمُ الْاَسْوَدُ مَعَ دِمَائِكُمْ

"آرام اور آسائش تک پہنچنے کے لیے مشکلات کے بیابانوں سے گزرنا چاہیے۔ مزید کہا: اے آقا ومولاؑ! میں آرام وآسائش کے دنوں میں آپؑ کے دسترخوان سے ٹکڑے چنتا رہا، کیا یہ مناسب ہے کہ مَیں مشکل حالات میں آپؑ کو تنہا چھوڑ دوں؟ دُرست ہے کہ میرے بدن کی بُو ناگوار ہے، میرا حسب بلند نہیں ہے اور میرے چہرے کا رنگ سیاہ ہے لیکن مَیں پسند کرتا ہوں کہ آپؑ میرے اُوپر ایسی پھونک ماریں کہ بہشت میں داخل ہوتے وقت میرا بدن خُوش بودار، میرا حسب بلند وشریف اور چہرہ نورانی اور سفید ہوجائے۔ نہیں، خدا کی قسم! مَیں اس وقت تک آپؑ سے جدا نہیں ہوں گا جب تک میرا سیاہ خون آپؑ کے پاک وپاکیزہ خونوں میں شامل نہ ہوجائے"۔

ہاں! اگر حضرت امام حسین علیہ السلام سے اس طرح کے حقائق اور صراحتیں نہ دیکھی گئی ہوتیں تو کسی کے لیے بھی ممکن نہ تھا کہ وہ اس سیاہ جوان کی پاکیزہ نیت اور خلوصِ دل سے آگاہ ہوسکتا کہ جو آزادی کا پروانہ ملنے کے باوجود جان کی بازی لگانے کو تیار ہو اور اپنے عقیدہ کی خاطر جہاد پر جائے۔

خلاصۂ کلام

عقلی و شرعی اعتبار سے امامؑ کی حفاظت کرنا اور اسے تنہا نہ چھوڑنا اسی طرح سے واجب ہے کہ جس طرح سے رسولؐ خدا کی پاس داری کرنے میں کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اس شرعی ذمہ داری سے پیچھے ہٹے بلکہ تمام پر واجب ہے کہ اپنی جان اور مال کی قربانی دے کر امامؑ کہ جو عالمِ وجود کی حیات اور عالمِ آفرینش کے بقا کی علّت ہیں، سے ظلم و بربریت کو دُور کریں۔ خود امامؑ پر بھی لازم ہے کہ لوگوں کو اپنی مدد اور دفاع کے لیے دعوت دیں۔ لیکن اگر امامؑ یہ تشخیص دیں کہ تمام دشمنوں نے یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ ان کا پاکیزہ خون بہائیں گے اور ان کی شہادت کے علاوہ کوئی اور چارۂ کار باقی نہ رہا ہو تو وہ کسی پر بھی اپنے دفاع کی ذمہ داری نہ ڈالیں، کیوں کہ اس صورت میں دفاع کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

چوں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ دشمن ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا اور انھوں نے یہی بات جنابِ اُمِ سلمہؓ سے بھی فرمائی تھی:

اِنْ لَمْ اَخْرُجِ الْیَوْمَ خَرَجْتُ فِی غَدٍ وَاِنْ لَّمْ اَخْرُجْ فِی غَدٍ فَبَعْدَ غَدٍ،
وَهَلْ مِنَ الْمَوْتِ بُدٌّ اَتَظُنِّیْنَ اَنَّکِ تَعْلَمِیْنَ مَا لَمْ اَعْلَمْهُ

”اگر میں آج روانہ نہیں ہوتا تو کل کو نکلوں گا اور اگر کل کو روانہ نہیں ہوتا تو اگلے دن جانا پڑے گا۔ کیا موت سے فرار ہو سکتا ہے؟ مادر جان! کیا آپ یہ خیال کرتی ہیں کہ جو کچھ آپ جانتی ہیں میں وہ نہیں جانتا ہوں؟“

لہٰذا امامؑ پر واجب نہیں تھا کہ دوسروں کو اپنا دفاع کرنے کے لیے روکتے۔ ہاں! وہ لوگ جو مقدراتِ الٰہی سے باخبر نہیں ہیں ان کی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ امام اور حجتِ خدا کا دفاع کریں۔ اگر وہ دیکھ رہے ہیں کہ امام اور حجتِ خدا دشمن کے محاصرے میں ہے، اور مدد کے تمام راستے بند ہیں، کے باوجود ان کی مدد کو نہیں آتے اور نہ ہی کوئی اقدام کرتے ہیں تو ان کا عذر قبول نہیں ہوگا۔ وہ لوگ جو ایسی صورتِ حال دیکھ رہے ہوں، پھر بھی ان کی مدد کو نہ آئیں اور انھیں بحران اور خطرناک حالات میں تنہا چھوڑ دیں تو خدا ان کا بہانہ قبول نہیں کرے گا۔ البتہ اگر امام علیہ السلام خود جانے کی اجازت دے دیں اور اس پر

راضی ہوں کہ انھیں بے شمار دشمنوں کے درمیان اکیلا چھوڑ دیں کیوں کہ وہ خداوند علیم وحکیم کی طرف سے اُمور کی مصلحتوں سے آگاہ ہوتے ہیں تو اس صورتِ حال میں عقل وشرع رکنے پر مجبور کرتی ہے نہ دفاع پر۔ اگر کوئی دفاع نہیں کرتا تو وہ ملامت کا مستحق نہیں ہے اور روزِ قیامت خدا کی بارگاہ میں عذر پیش کرسکتا ہے کہ اس نے خود امامؑ کی اجازت سے ان کی مدد کرنے سے ہاتھ اُٹھایا تھا، کیوں امام علیہ السلام نے شرعی احکام کا لحاظ کیے بغیر تو اسے جانے اور تنہا چھوڑنے کی اجازت نہیں دی ہے اور نہ ہی اپنی مرضی سے ان سے بیعت اُٹھائی ہے کیوں کہ امام علیہ السلام بال کے سر کے برابر بھی اسلام کی واقعی مصلحتوں سے آگے نہیں بڑھتا۔

یہاں تک تو امامؑ کی ذمہ داری تھی۔ اب اگر کوئی شخص امام علیہ السلام کا استغاثہ اور مدد کے لیے پکارے جانے کی آواز نہ سنے تو اس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کے اُوپر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر صدائے مظلومیت اور مدد کے پکارنے کی آواز سن لے تو پھر کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے کہ وہ سستی سے کام لے اور ان کی مدد کو نہ جائے کیوں کہ جب وہ مدد مانگ رہے ہیں تو دفاع کی ضرورت ہے تبھی تو مدد کی درخواست کر رہے ہیں ورنہ درخواست نہ کرتے۔ اس بنا پر اگر کوئی امامؑ کی مدد نہیں کرتا تو روزِ قیامت کسی صورت میں بھی اس کا عذر قبول نہیں ہوگا۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا کی طرف تشریف لائے تو قصرِ بنی مقاتل کے مقام پر ان کی عبیداللہ بن حر جعفی سے ملاقات ہوئی۔ اس سے مدد کی درخواست کی لیکن اس نے قبول نہ کی اور امام علیہ السلام کی درخواست رد کردی۔ حضرتؑ نے اس سے فرمایا:

اِنِّی اَنصحکَ اِنْ اِستَطَعتَ اَنْ لَا تَسْمَعَ وَاعِیَتَنا وَصُراخَنا وَلَا تَشْهَدَ وَقعَتَنا فَافعَل فَوَاللہِ لَا یَسْمَعُ وَاعِیَتَنا اَحَدٌ وَلَا یَنصُرُنا اِلَّا اَکَبَّہُ اللہُ عَلٰی مِنخَرَیہِ فِی نَارِ جَهَنَّمَ

"میں تمھیں وصیت کرتا ہوں اگر تمھارے اندر اتنی قدرت ہے کہ ہماری صدائے استغاثہ اور نالۂ مظلومیت نہ سنو تو کوئی بات نہیں ہے۔ تم ایسا ہی کرو ورنہ اگر کوئی ہماری صدائے مظلومیت سنے اور ہماری مدد نہ کرے تو

خداوندمتعال اسے اُلٹا کر کے آتشِ جہنم میں پھینکے گا"۔

اس جملے کا مفہوم کہ اگر کوئی ہماری صدائے مظلومیت نہ سنے اور ہماری مدد نہ کرے تو اس کا عذر قابلِ قبول ہے، ہماری بات کی تائید کرتا ہے اور اس پر دلیل ہے کہ اگر کوئی امام علیہ السلام کی صدائے استغاثہ سنے اور مدد کو نہ آئے تو اس کا عذر قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

اس بنا پر ضحاک بن عبداللہ مشرقی کا عذر قبول نہ ہوگا کیوں کہ اس نے امام حسینؑ کی صدائے استغاثہ سنی تھی اور دیکھا تھا کہ وہ دشمن کی فوج کے محاصرے میں ہیں لیکن یہ مدد کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ جب کہ اس پر واجب تھا کہ آخری سانس تک امام علیہ السلام کا دفاع کرتا۔

یہ شخص جنگ شروع ہونے سے قبل امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میں دیکھوں گا کہ دشمن جب تک آپؑ کے ساتھ جنگ کر رہا ہے تو میں بھی آپؑ کے ساتھ مل کر جنگ کروں گا لیکن جونہی دشمن ختم ہوجائے اور آپ کے ساتھ جنگ کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے تو مجھے جانے کی اجازت ہے؟ امام علیہ السلام نے بھی اس شرط کو قبول کیا۔ ضحاک نے مذکورہ گفتگو کے بعد اپنا گھوڑا اصطبل میں باندھا اور خود میدان میں آگیا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ امام علیہ السلام کے اصحاب کے گھوڑوں کی ٹانگیں تک کاٹی جاچکی ہیں، وہ پیدل جنگ کر رہے ہیں۔ امامؑ تنہا رہ چکے ہیں اور کوئی بھی باقی نہیں بچا تو وہ امام حسین علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا: اِنِّی عَلَی الشَّرطِ "کیا میں اپنی شرط پر عمل کرسکتا ہوں؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

نَعَم اَنتَ فِی حِلٍّ اِن قَدَرتَ عَلَی النَّجَاۃِ

"ہاں، میں اپنی بیعت اُٹھالیتا ہوں اگر اپنے آپ کو نجات دے سکتے ہو تو دے لو"۔

ضحاک نے جب امام علیہ السلام کے کلمات سنے تو اصطبل سے اپنا گھوڑا نکالا، اس پر سوار ہوا۔ لوگوں پر دھاوا بولا۔ جب راستہ بن گیا تو وہ "شفیہ" کی طرف روانہ ہوگیا جو کہ فرات کے قریب تھا۔ ایوب بن مُشرح، کثیر بن عبداللہ شعبی اور قیس بن عبداللہ صائدی نے اسے

پہچان لیا تو اپنے ساتھیوں سے کہا: یہ میرا چچازاد ہے اسے جانے دو۔ یوں وہ اس خطرے سے بچ نکلا جس کا اسے خطرہ تھا۔ (تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۵۵)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ تمھیں اجازت ہے، اس کا یہ عذر قیامت کے روز ہرگز قابلِ قبول نہیں کیونکہ ابوعبداللہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم میری شہادت تک یہاں پر صبر کرو کیونکہ امام علیہ السلام جانتے تھے کہ اس شخص کا شروع ہی سے یہ ذہن تھا کہ وہ محفوظ طریقے سے اپنی جان بچالے۔ اللہ تعالیٰ حشر کے دن اس کے عذر کو قبول نہیں کرے گا کیونکہ اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ کو سنا تھا اور جس نے بھی امامؑ کا استغاثہ سننے کے بعد ان کی مدد نہ کی، اللہ تعالیٰ اُسے منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا۔

□□□

قیامِ حسینؑ نے اسلام کا بیمہ کر دیا

حضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام ارکانِ دین کے استحکام کی علت تامہ کا آخری جز تھا، کیوں کہ اگر سید الشہداء کا قیام نہ ہوتا تو حق و باطل کے درمیان فرق مٹ جاتا اور کوئی بھی ان دونوں کے درمیان فرق باقی نہ رکھ سکتا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نہضت اس قدر موثر ہوئی کہ کہا گیا:

اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدْؤُهٗ مُحَمَّدِیٌّ وَبَقَائُهٗ حُسَیْنِیٌّ

"اسلام کی ابتدا محمدی ہے اور اس کی بقا حسینی ہے"۔

لہٰذا آئمہ معصومین علیہم السلام نے احکامِ اسلام کی نشر و اشاعت، اُمورِ اُمت کی اصلاح اور اپنے مطالب کو موثر بنانے کے لیے سب سے بہتر راستہ یہی سمجھا ہے کہ لوگوں کو اس مقدس تحریک کی طرف متوجہ کریں کیوں کہ اس مقدس تحریک میں یزیدیوں نے ظلم و بربریت کی ایسی داستانیں رقم کی ہیں کہ جن سے پتھر دل بھی پگھل اور بچوں کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے آئمہ علیہم السلام اپنے پیروکاروں کو مسلسل تشویش و تاکید کرتے رہے کہ ان مصائب کو ہمیشہ زندہ رکھو اور بیان کرو جو شہدائے کربلا پر آئے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ مصائبِ حسینؑ کو بیان کرنا عواطف کو جذب اور دل کو تسخیر کرنے کا باعث ہوں گے اور سننے والے کو مجبور کریں گے کہ وہ انھیں جاننے کی کوشش کریں، ستم گر کو پہچانیں اور اس طرح کے سخت اور ناگوار اعمال کے اسباب تلاش کریں اور اچھی طرح سے سمجھ جائیں کہ نواسۂ رسولؐ ایسا امام عادل ہے کہ جو دنیا کے سامنے نہیں جھکتا، اہلِ باطل کی دعوت اس پر اثر انداز نہیں ہوتی اور وہ سمجھتا ہے کہ اس نے امامت اپنے جدِ رسولِ خدا اور بابا وصی مصطفیؐ سے میراث میں پائی ہے کہ جو ہرگز باطل کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کوئی بھی اس کے ساتھ دشمنی کرے گا اس کو ایک پاؤں کے برابر بھی کرسی خلافت نصیب نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح جو کوئی بھی اس کی جگہ

لینا چاہے اور اس کے مانند عمل کرے، ہرگز اس کے اندر اتنی قدرت نہیں ہے۔

اگر سننے والا اس مطلب تک پہنچ جائے تو اچھی طرح سمجھ جائے گا کہ حق حضرت امام حسینؑ اور دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام کے ساتھ تھا۔ اس صورت میں وہ اپنے آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ ان کی اطاعت نہ کرے اور ان کے راستے کو نہ اپنائے کہ جو انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہیں۔

بنی اُمیہ اور بنی عباس کی ظالم و ستم گر حکومتوں نے رسولؐ خدا کے اہلِ بیتؑ کو گھروں میں محصور کر دیا تھا اور ان کے شیعوں پر ان کے ساتھ آمد و رفت کے دروازے بند کر دیے تھے، انھیں تنہا کر دیا تھا، ان پر ہر طرح کے ظلم و ستم کو روا سمجھتے تھے۔ یہی صورتِ حال تھی کہ جس کی وجہ سے آئمہ علیہم السلام نے گوشہ نشینی کو باطل کے خلاف مصلحانہ قیام کرنے پر ترجیح دی، حالانکہ وہ مشاہدہ فرما رہے تھے کہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کس طرح سے شیعیانِ علیؑ و اولادِ علیؑ کے حقوق پامال کر رہے تھے اور انھیں ہر طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔ وہ دن رات اس تلاش میں رہتے کہ علویوں اور شیعوں کو ڈھونڈ کر صفحۂ ہستی سے محو کر دیا جائے۔ منصور اور رشید عباسی نے تو ظلم و ستم کی انتہا کر دی کہ وہ اولادِ زہراؑ کو زندہ زندہ دیواروں میں چُن چُن کر شہید کر دیتے تھے۔ (عیون اخبار الرضا: شیخ صدوق، ج ۱، ص ۱۰۸-۱۱۲، باب ۹)

اِس دورانیہ میں جب کہ آئمہ معصومین علیہم السلام یکہ و تنہا ہو چکے تھے اور شیعوں کا ان کی خدمت میں حاضر ہونا ممنوع تھا تو وہ اپنے پیروؤں کو خودسازی اور جہادِ اکبر کی نصیحت فرماتے، انھیں ترغیب دلاتے کہ وہ باقاعدہ اکٹھے ہو کر مجالس کا انعقاد کریں۔ اس میں عاشورا کے واقعات بیان کریں، بنی اُمیہ کی طرف سے ڈھائے گئے ظلم و ستم کا تذکرہ کریں اور ان مصائب کا ذکر کریں جو اہلِ بیت علیہم السلام پر کیے گئے، ان پر اشک بہائیں اور اس کام پر بہت زیادہ اجر و ثواب کا ذکر کیا حتیٰ کہ بعض کی نگاہ میں اس کا ثواب حدِ تصور سے باہر ہے۔[1]

---

[1] حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کی مجالس برپا کرنا صرف امام بارگاہوں اور گھروں پر منحصر نہیں ہیں، بلکہ روایات کا اطلاق عموم پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے بھی ممکن ہو سکے امام حسینؑ کے مصائب بیان کیے جائیں۔ کتاب "امالی" شیخ صدوقؒ میں امام ہشتمؑ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا: مَن ذَکَرَ بِمَصَابِنَا فَبَکیٰ وَاَبْکیٰ وَلَم تَبکِ فِیہِ یَومَ تَعلَی العُیُونُ "جس شخص نے ہمارے مصائب کو ⇐

آئمہ معصومین علیہم السلام نے اس طرح کی مجالس برپا کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ وہ جانتے تھے کہ دین اسلام کو محفوظ رکھنے کا مضبوط ترین عامل انھی مجالس اور عزاداری کو برپا کرنا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اسی دین کو بچانے کے لیے ہر طرح کی مشکلات کو برداشت کیا۔ ان کے بڑے فرزند حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے بھی اسی دین کے لیے طرح طرح کے مصائب کا سامنا کیا اور اس دین کی خاطر جو جو مشکلات اور مصائب حضرت امام حسینؑ نے برداشت کیے وہ محکم پہاڑوں کو لرزہ دینے والے تھے۔

چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری مذہب کو انحراف سے محفوظ رکھنے کے درمیان مستقیم رابطہ ہے، لہٰذا ائمہ معصومین علیہم السلام نے لوگوں کو مختلف اور گوناگوں بیانات کے ذریعے اس کی ترغیب دلائی ہے۔ بعض اوقات عمومی وکلی طور پر اور بعض دفعہ بطور خاص اس کا ذکر کیا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

⇦ بیان کیا اور رویا اور رلایا اس کی آنکھ اُس دن نہیں روئے گی جس دن تمام آنکھیں ندامت کے آنسوؤں کی وجہ سے اندھی ہوں گی"۔

کتاب "قرب الاسناد" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہوئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: مَنْ ذَكَرَنَا أَوْ ذُكِرْنَا عِنْدَهُ فَخَرَجَ مِنْ عَيْنِهِ مِثْلُ جَنَاحِ الذُّبَابِ غَفَرَ اللهُ ذُنُوبَهُ "جس شخص نے ہمارا ذکر کیا یا اس کے سامنے ہمارا ذکر کیا گیا اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکل آیا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردے گا"۔

اسی طرح کتاب "کامل الزیارات" میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے: مَنْ ذُكِرَ الْحُسَيْنُ عِنْدَهُ فَخَرَجَ عَيْنُهُ مِنَ الدُّمُوعِ مِقْدَارَ جَنَاحِ الذُّبَابِ كَانَ ثَوَابُهُ عَلَى اللهِ وَلَمْ يَرْضَ لَهُ بِدُونِ الْجَنَّةِ۔ "جس شخص کے سامنے حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذکر ہو اور اس کی آنکھوں سے مکھی کے پَر کے برابر آنسو نکل آئے تو اس کا ثواب خدا پر ہے اور وہ اس کے لیے جنّت سے کم پر راضی نہیں ہوگا"۔

ان روایات اور ان کی طرح کی بہت سی اور روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ مصائب امام حسین علیہ السلام اور اہل بیتؑ کو جس طرح سے بھی ممکن ہو بیان کیا جائے، خواہ مجالس کی صورت میں ہو، خواہ وہ لکھنے اور مال ومنال خرچ کرنے سے ہو، کیوں کہ روایت میں مَنْ ذَكَرَ بِمَصَابِنَا یعنی جو چیز بھی ذکرِ مصائب کا موجب ہو اسے یہ اجر ملے گا کیوں کہ مِن عام لغوی ہے۔

رَحِمَ اللهُ عَبدًا اِجتَمَعَ مَعَ اٰخَرَ فَتَذَاکَرَ فِی اَمرِنَا فَاِنَّ ثَالِثَهُمَا مَلَكٌ یَستَغفِرُ لَهُمَا ، وَمَا اِجتَمَعَ اِثنَانِ عَلٰی ذِکرِنَا اِلَّا بَاهَی اللهُ بِهِمَا المَلَائِکَةَ ، فَاِذَا اِجتَمَعتُم فَاشتَغِلُوا بِالذِّکرِ فَاِنَّ فِی اِجتِمَاعِکُم وَمُذَاکَرَاتِکُم اَحیَائُنَا وَخَیرُ النَّاسِ بَعدَنَا مَن ذَاکَرَ بِاَمرِنَا وَدَعَا اِلٰی ذَاکِرِنَا

''خداوند اس بندے پر رحم کرے جو کسی دوسرے کے ساتھ ملاقات کرتا ہے تو اس کے ساتھ جب وہ ہمارے امر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو اس وقت ان کے ہمراہ تیسرا فرشتہ ہوتا ہے، جو ان دونوں کے لیے مغفرت کرتا ہے۔ ہمارے ذکر پر دو شخص اکٹھے نہیں ہوتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے متعلق اپنے فرشتوں پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ جب تم مل بیٹھتے ہو تو ذکر میں مشغول ہو جاؤ کیوں کہ تمھارے اجتماعات اور مذاکرات میں ہمارے اُمور کا احیا ہوتا ہے۔ ہمارے بعد لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے کہ جو ہماری یاد کو تازہ کرے اور ہماری یاد کو تازہ کرنے کے لیے دوسروں کو دعوت دے''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فُضیل بن یسار سے فرماتے ہیں:

اَتَجلِسُونَ وَتُحَدِّثُونَ؟ قَالَ نَعَم، فَقَالَ : اَمَا اِنِّی اُحِبُّ تِلكَ المَجَالِسَ فَاحیُوا اَمرَنَا، فَاِنَّ مَن جَلَسَ مَجلِسًا یُحیِی فِیهِ اَمرَنَا لَم یَمُت قَلبُهُ یَومَ تَمُوتُ القُلُوبُ

''کیا تم بیٹھتے ہو اور حدیثیں بیان کرتے ہو؟ اس نے کہا: جی ہاں۔ امامؑ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ کہ میں اُن محافل کو پسند کرتا ہوں جن میں ہمارے امر کا احیا ہوتا ہے۔ پس جو کوئی مجلس میں بیٹھ کر ہمارے امر کو زندہ کرتا ہے تو اس کا دل اس دن نہیں مرے گا جس دن قلوب مر چکے ہوں گے''۔

اس طرح کے بیانات سے آئمہ معصومین علیہم السلام کا مقصد یہ تھا کہ وہ مسلم اُمہ کو اس پر

آمادہ کریں کہ وہ اپنے اندر ان کی امامت وعصمت اور ان کے فضائل پر اعتقاد پیدا کریں اور ان کی طرف آنے کی دعوت دے، کیوں کہ ان کی طرف دعوت دینے کا لازمہ ان کی امامت و خلافت پر اعتقاد رکھنا ہے، نہ کہ ان کی خلافت کا جنھوں نے اس الٰہی منصب کو غصب کیا اور زور سے اس کے مالک بن گئے۔ ①

گھروں اور شاہراہوں پر حضرت امام حسین علیہ السلام کی عزاداری، سوگواری اور ماتم داری وغیرہ شیعوں کی دوسروں پر فوقیت کی بنیاد ہے۔ اسی طرح واقعۂ کربلا کی نمائش کے ذریعے شیعہ لوگوں کے سامنے بنی اُمیہ کی قساوتِ قلبی اور سنگ دلی کی نشان دہی کرتے ہیں کہ جس کا انھوں نے میدانِ کربلا میں ارتکاب کیا۔ بڑے بڑے اجتماعات، نوحہ خوانی اور مصائب اہلِ بیتؑ کے ذکر نے غیر شعوری طور پر بچوں اور ان لوگوں کے ذہنوں میں کہ جو شعری لطائف اور تحریری دقائق کو درک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس قدر مضبوط اثر چھوڑا کہ کوئی بھی دوسرا عامل اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اسی چیز نے ہی ان کے دلوں میں عشقِ اہلِ بیتؑ کی آتش کو شعلہ ور کیا اور آئمہ علیہم السلام اور ان کے دوستوں کے درمیان مذہبی وعقیدتی روابط کو مضبوط تر کیا۔ ②

شیعوں نے واقعۂ کربلا کو تمثیلی اور نمائشی صورت میں پیش کرنے کے لیے بعض دوسرے قبائل من جملہ ہندیوں اور ہندوستان میں آباد بعض اسلامی فرقوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

---

① یعنی ذاکر مصائب اہلِ بیتؑ کی اوّلین ذمہ داری ان کے مصائب بیان کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ منحرف حکومتوں کی فریب کاریوں اور دردناک حادثات کی وضاحت کرنا ہے کہ جس کے باعث وہ اسلام کے نام پر لوگوں کے مال، جان اور ناموس پر مسلط ہوئی ہیں تاکہ لوگ حق و باطل کو پہچانیں، نہ یہ کہ ظالم غلط نظام کی توجیح کرے۔

② جناب شیخ طوسیؒ نے کتاب تہذیب: ج ۲، ص ۳۲۵، طبع بیروت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: لَقَدْ شَقَقْنَ الْجُيُوبَ وَلَطَمْنَ الْخُدُودَ الْفَاطِمِيَّاتُ عَلَى الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَعَلَى مِثْلِهِ تُلْطَمُ الْخُدُودُ وَتُشَقُّ الْجُيُوبُ "حضرت امام حسین ابن علی علیہ السلام کی مصیبت پر حضرت فاطمہؑ کی بیٹیوں نے اپنے گریبان چاک کیے اور اپنے رخساروں پر ماتم کیا اور اس طرح کی مصیبت پر رخساروں کو پیٹا جانا چاہیے اور گریبان چاک کیے جانے چاہییں"۔

ماضی میں آئمہ علیہم السلام کے امر، جو ان کا مطلوب ومحبوب ہے، کا احیا کرنے کے لیے غیر مستقیم طور پر لوگوں کے افکار کو جلسے وغیرہ منعقد کرنے کی طرف جذب کیا جاتا تھا۔ شاید اکثر لوگ ان جلسوں اور پروگراموں میں صرف ثواب آخرت حاصل کرنے کی غرض سے اکٹھے ہوتے اور ان پروگراموں کا احترام کرتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کا ذکر اور واقعۂ کربلا کو بیان کرنے کا ہدف ومقصد کیا ہے، ان کے پیشِ نظر نہیں ہوتا لیکن وہ لوگ جو اَسرار اہلِ بیتؑ سے واقف ہوں اور ان کے اقوال وافعال کے مقاصد واہداف کی طرف توجہ کریں تو ان پر بخوبی واضح ہوجائے گا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کا ان اجتماعات اور جلسات سے کیا مقصد تھا اور وہ کیوں شیعوں کو ایسے جلسے اور کانفرنسیں منعقد کرنے کی ترغیب دلاتے تھے؟!

گریہ کی قدر وقیمت

حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں مجالسِ عزاداری وگریہ برپا کرنے کا ایک فائدہ وہ ہے کہ جس کا تذکرہ بہت سی متواتر اخبار وروایات میں ہوا ہے۔ روایت میں مذکور ہے کہ جو کوئی امام حسین علیہ السلام کے مصائب میں مکھی کے پَر کے برابر آنسو بہائے تو اس کا وہ آنسو آتشِ جہنم کو اس پر ٹھنڈا کردے گا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ آنکھ سے آنسو اس وقت بہتا ہے کہ جب انسان اپنے یا اپنے متعلقین پر نازل ہونے والی مصیبت سے متاثر ہوتا ہے۔ جب انسان تحت تاثیر واقع ہوجاتا ہے اور متاثر ہوتا ہے تو قہری طور پر اس کے دل میں ان لوگوں کی دشمنی وعداوت بیٹھ جاتی ہے جو اس طرح کے سخت مصائب وآلام کا موجب بنتے ہیں۔ چونکہ آئمہ علیہم السلام زمانے کے تقاضوں اور مشکل مسائل کے متعلق ہر کسی سے زیادہ آگاہ تھے اور مسلسل اس کے درپے تھے کہ اپنے ہدف اور مقصد تک پہنچنے کے لیے بہترین راستے کا انتخاب کریں تاکہ لوگوں کو خدا و رسولؐ کے دشمنوں سے دُور کریں، لہٰذا انھوں نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ حضرت امام حسینؑ پر وارد ہونے والے مصائب پر گریہ وزاری کریں کیونکہ امام عالی مقامؑ پر گریہ کرنے کا لازمہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے ظلم وبربریت اور جنایتوں کی یاد دہانی ہوگی۔ یہ چیز سامع کے لیے رنجیدہ خاطر اور غم زدہ ہونے کے اسباب فراہم کرے گی اور بے زاری کا باعث بنے گی۔

امام علیہ السلام کا فرمان: اَنَا قَتِیلُ الْعِبْرَۃِ لَا یَذْکُرُنِیْ مُؤْمِنٌ اِلَّا اِسْتَعْبَرَ[1] "میں مقتولِ اَشک ہوں کوئی مومن بھی میرا ذکر نہیں کرے گا مگر یہ کہ گریہ کرنا چاہے گا" کا مقصد بھی یہی تھا کہ اگر مومن حسینؑ کی ولایت ومحبت پر جان دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نامِ حسینؑ اس پر اثرانداز ہوا ہے اور اس کے دل میں آتشِ عشق شعلہ ور ہوئی ہے۔ جو لوگ ان مشکلات ومصائب کا باعث بنے ہیں ان سے نفرت کرتا ہے اور ان کی جنایتوں کو جس قدر زیادہ سنتا ہے اس کے دل میں ان کے بارے نفرت ودشمنی شدید تر ہوگی اور ان سے زیادہ متنفر ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اس جملہ اَنَا قَتِیلُ الْعِبْرَۃِ (میں مقتولِ اَشک ہوں) سے مراد فقط یہ نہیں تھی کہ وہ فرماتے کہ وہ اس لیے قتل ہوئے تاکہ ان پر گریہ کیا جائے اور ثوابِ آخرت کے مستحق ہوں اور اس کے علاوہ گریہ پر کسی قسم کے آثار مترتب نہیں ہیں۔ ہرگز حضرتؑ کی مراد یہ نہیں تھی، کیوں امام حسینؑ کی شہادت کے بہت زیادہ آثار وفوائد ہیں۔ ان میں سے اہم ترین فوائد اسلام کو زندہ رکھنا، پرچم دین کو بلند کرنا، اُمت کے درمیان سے فساد کو ختم کرنا، ظالم وجابر حکومتوں کے انحرافی راستوں کو اَفشاء کرنا اور مظلوموں پر ہونے والے ظلم وستم کو بیان کرنا تھا۔

البتہ اس پر دلیل کہ اس عنوان کی اپنی طرف نسبت دیتے ہوئے فرمایا کہ میں مقتولِ اَشکِ چشم ہوں۔ ذکرِ مقتلِ حسینؑ اور ان پر گریہ زاری کے درمیان گہرا تعلق ہے کہ ان پر آنے والی مصیبت کا سوز وگداز ہرگز ٹھنڈا نہیں ہوگا اور نہ ہی کبھی اِن کے مصائب بیان کرنے کے لیے مجالسِ عزاداری کا جوش وخروش ختم ہوگا کیوں کہ امام حسینؑ پر جتنے بھی غم انگیز اور بڑے بڑے مصائب آئے انھوں نے صبر وتحمل، استقامت اور کھلے دل سے انھیں قبول کیا۔ یوں کہ آسمانی فرشتے بھی امامؑ کی پائے داری واستقامت پر حیران وششدر رہ گئے! اس اعتبار سے امامؑ کے مصائب سننے والا ردِعمل کے طور پر سب سے پہلے جس چیز کا اظہار کرتا ہے وہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری ہونا ہے۔ ابھی نامِ حسینؑ لیا نہیں جاتا کہ آنکھیں پہلے برسنا شروع کردیتی ہیں۔ علاوہ ازیں اگر امام حسینؑ کے دوستوں کے دلوں میں ان کی محبت میں

[1] کامل الزیارات: ص ۱۰۸

اضافہ ہو جائے تو سید الشہداؑ اور ان پر گریہ زاری کے درمیان مضبوط رابطہ پیدا ہو جائے گا۔ اس اعتبار سے مناسب ہے ان کی طرف قتل کی نسبت دی جائے۔ لہٰذا فرمایا: اَنَا قَتِیلُ الْعِبْرَۃِ "میں مقتولِ اَشک ہوں"۔

عربوں کی گفتگو کا انداز ہی یہی ہوتا ہے کہ جب بھی وہ کسی شخص میں کوئی خاص صفت دیکھتے ہیں تو اس کا اس کے ہم راہ اضافہ کر دیتے ہیں اور اسے اسی صفت کے ساتھ بلاتے ہیں، مثلاً کہتے تھے: مَضَرُ الحَمرَاءِ، رَبِیعَۃُ الخَیلِ، زَیدُ النَّارِ، صَبِیَّۃُ النَّار اور مَسمّۃُ الاَزوَاج۔

ربیعہ اور مضر دونوں بھائی تھے۔ یہ بہت سے اوصاف کے مالک تھے، مگر ان کے پاس دولت اور گھوڑا نہیں تھا لیکن جب ان کے باپ کا مال و ثروت ان میں تقسیم کیا گیا تو گھوڑا ربیع کو دیا گیا، لہٰذا اسے ربیعۃ الخیل اور مضر کو سرخ سونا دیا گیا لہٰذا اسے مضر الحمراء کا نام دیا گیا۔ اسی طرح زید بن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کسی اچھی یا بری صفت کے اعتبار سے معروف نہیں تھا لیکن چونکہ اس نے بصرہ میں بنی عباس کے گھروں کو آگ لگائی تھی اس لیے اس کا نام زید النار رکھا گیا۔

ابن ابی معیط کی اولاد میں کوئی بھی انسانی صفت نہیں پائی جاتی تھی، لہٰذا رسولِ خدا نے حکم دیا کہ عقبہ بن ابی معیط کو قتل کر دیا جائے کیوں کہ وہ کافر تھا۔ جب اسے قتل کرنے لگے تو اس نے رسولِ خدا سے پوچھا: یَا مُحَمَّد مَن لِلصَّبِیَّۃ؟ ان بچوں کا کیا بنے گا؟

رسولِ خدا نے فرمایا: لَھُمُ النَّارُ، انھیں بھی آتشِ جہنم میں بھیج دوں گا، لہٰذا وہ صبیۃ النار کے نام سے معروف ہو گیا۔

اسی طرح امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام کی زوجہ جعدہ بنتِ اشعث کسی بھی اچھی صفت کے اعتبار سے مشہور نہ تھی۔ اس نے امام حسنؑ کو زہر پلایا تو وہ مسمۃ الازواج کے نام سے مشہور ہو گئی۔ بہر حال چونکہ مذکورہ صفتیں لوگوں کے اندر مشہور ہو گئی تھیں، لہٰذا مضر کو الحمراء، ربیعہ کو الخیل، زید کو النار اور جعدہ کو مسمۃ الازواج کہا جاتا تھا۔

اس بنا پر حضرت سید الشہدا علیہ السلام کا فرمان اَنَا قَتِیلُ الْعِبْرَۃِ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان بِاَبِی قَتِیلُ الْعِبْرَۃِ بھی اسی قبیل سے ہیں کہ جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔ ذکرِ مصائب

امام حسینؑ اور آنکھ سے اشک جاری ہونے کے درمیان انتہائی قریبی رابطہ ہے کہ جب بھی امام علیہ السلام کے مصائب بیان ہوں گے آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات شروع ہو جاتی ہے۔

رونے والے (تباکی) کی سی شکل بنانا

آئمہ ہدیٰ علیہم السلام اس کو پسند فرماتے تھے کہ یادِ حسینؑ کی محفلیں ہمیشہ کے لیے زندہ و جاوید رہیں اور ایک کے بعد ایک نسل تک ان کی یاد منتقل ہو اور وہ اسے جان سے عزیز سمجھے! کیوں کہ وہ دین کی بقا اور دوام انھی محافل و مجالس اور گریہ و سوگواری کا نتیجہ سمجھتے تھے لہٰذا انھوں نے اپنے پیروؤں کو گریہ و زاری کرنے کے علاوہ تباکی (رونے کی شکل بنانے) کا شوق دلایا، یعنی آنسو نہ نکلیں فقط دل سوزی و غم خواری کا اظہار کریں اور اپنے آپ کو گریہ کرنے والوں کے مانند بنائیں۔ اس بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

مَن تَبَاکیٰ فَلَهُ الْجَنَّةُ

''جو رونے کی شکل بناتا ہے اس کے لیے جنّت لازم ہے''۔

ظاہری بات ہے کہ تباکی کا تصور اس وقت ہوتا ہے کہ جب آنکھ سے آنسو نہ نکلیں لیکن مذکورہ مصائب و آلام کی وجہ سے دل تڑپتا اور رنجیدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس طرح کے بہت سے افراد نظر آتے ہیں۔ اس بنا پر وہ مصائب و مشکلات جو محبوب پر آتے ہیں انسان ان سے متاثر ہو کر قہری و جبری طور پر ان سے اظہار نفرت و بے زاری کرے گا کہ جنھوں نے یہ ظلم و ستم ڈھائے ہیں۔

حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولِ خدا نے انصار کے گروہ کے سامنے سورۂ زُمر کی آخری آیت وَسِیقَ الَّذِینَ کَفَرُوٓا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ''اور کفر اختیار کرنے والوں کو گروہ در گروہ جہنّم کی طرف ہنکایا جائے گا''۔ (سورۂ زُمر: آیت ۷۰) کی تلاوت فرمائی تو ایک جوان کے علاوہ تمام لوگوں نے گریہ کیا، اس نے رسولِ خدا کی خدمت میں عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میری آنکھ سے ایک قطرہ تک نہیں نکلا لیکن میں نے اپنے آپ کو گریہ کرنے والوں کی طرح

بنایا ہے تو آں حضرتؐ نے فرمایا: مَن تَبَاکٰی فَلَهُ الْجَنَّةُ ”جو رونے کی شکل بناتا اس کے لیے جنّت ہے“۔ (کنز العمال: ج۱،ص ۱۴۷)

جنابِ جریر رسولِ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا:

اِنِّی قَارِئٌ عَلَیْکُمْ ﴿اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ﴾ مَن بَکٰی فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ تَبَاکٰی فَلَهُ الْجَنَّةُ (کنز العمال: ج۱،ص ۱۴۸)

”میں تم لوگوں کے سامنے اَلْهٰکُمُ التَّکَاثُرُ پڑھتا ہوں، تم میں سے جو کوئی گریہ کرے گا اس پر جنّت لازم ہے اور جو کوئی رونے والی شکل بنائے گا وہ بھی جنّت میں جائے گا“۔

جنابِ ابوذر غفاریؓ رسولِ خدا سے نقل کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا:

اِذَا اسْتَطَاعَ اَحَدُکُم اَنْ یَبْکِیَ فَلْیَبْکِ وَمَن لَمْ یَسْتَطِعْ فَلْیَتَشْعَرْ قَلْبُهُ الْحُزْنَ وَلْیَتَبَاکَ فَاِنَّ الْقَلْبَ الْقَاسِی بَعِیْدٌ مِنَ اللهِ

”تم میں سے جو کوئی گریہ کرسکتا ہے وہ گریہ کرے اور جو گریہ نہیں کرسکتا تو ضروری ہے کہ اس کا دل غمگین ہو اور بزور گریہ کرے، کیوں کہ سخت دل کا مالک انسان خدا کی رحمت سے دُور ہے“۔ (لؤلؤ والمرجان، مرحوم نوری: ص ۷۴۔ مجموعہ ورّام: ص ۲۷۲)

ان روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ بکا کے مانند تباکی کی منشا بھی قلبِ محزون اور نفسانی تاثرات ہیں، لیکن خوفِ خدا کے بارے میں قلبی حزن اور متاثر ہونا مخالفت مولیٰ اور عذابِ آخرت سے ڈر کی وجہ سے ہے کہ جو گناہ سے پرہیز اور اعمالِ صالح کو انجام دینے کا موجب ہوتا ہے۔ لیکن ذکرِ مصائب اہلِ بیت علیہم السلام پر محزون و مغموم ہونا، ان پر ظلم وستم ڈھانے اور ان کی توہین کرنے والوں سے بُغض وحسد اور نفرت وعداوت کا باعث ہوتا ہے اور جن لوگوں نے آلِ رسولؐ کو اذیت دی اور ستایا، اِن کے خلاف بُغض وحسد اور دشمنی اہلِ بیتؑ کے دوستوں کے دل میں باقی رہ جاتی ہے۔

شاید شیخ محمد عبدہٗ کی اس قول اَلتَّبَاکِی تَکَلُّفُ الْبُکَاءِ لَا عَنْ رِیَاءٍ (رونے کی شکل بنانا

درحقیقت انسان کا رونے کے لیے کوشش کرنا ہے، اِس میں دکھلاوا نہیں ہوتا) سے مراد وہی معنی ہوں کہ جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

شریف جرجان کہتا ہے: باب تفاعل اکثر موارد میں ایسی صف کا اظہار کرنے کے لیے آتا ہے جو موجود نہ ہو، جیسے تغافل، تجاہل، تواجد۔ اس کے باوجود کہ کوئی غفلت، جہالت اور وجدان کا مالک نہیں۔ پھر بھی غفلت، جہالت اور وجدان کا اظہار کرتا ہے۔ بعض دوسرے گروہ اس معنی کو قبول نہیں کرتے کیوں کہ وہ کہتے ہیں: باب تفاعل ایسے موارد میں استعمال ہوتا ہے کہ جن میں تکلف و تصنع موجود ہو، نہ ایسی چیز کے اظہار کے لیے کہ جو موجود نہ ہو۔ لہٰذا بعض نے کہا ہے: باب تفاعل کسی شے یا صفت کو حاصل کرنے کے لیے آتا ہے نہ یہ کہ عدم یا تصنع یا تکلف کا اظہار کرنے کے لیے۔ ان کی اس پر دلیل رسولِؐ خدا کا یہ فرمان ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِن لَم تبکوا فَتَبَاکوا ''اگر تم گریہ نہ کرسکو گے تو گریہ کرنے کی شکل بناؤ''۔

اس سے مراد اس شخص کی تباکی اور اظہارِ بکاء ہے کہ جو بکاء کی استعداد اور آمادگی رکھتا ہو نہ کہ غافل و بے توجہ آدمی کی تباکی۔

اس بنا پر باکی اور تباکی اہلِ بیت علیہم السلام پر ہونے والے ظلم و بربریت کی وجہ سے دل سوزی اور تاثیر نفس میں دونوں مساوی ہیں اور اس کے لازمہ یعنی جن لوگوں نے مقامِ اہلِ بیتؑ کو غصب کیا، ان سے اظہارِ نفرت و بے زاری میں بھی برابر ہیں۔

لیکن وہ لوگ جو زبان شناس نہیں اور معصومین علیہم السلام کی گفتگو سے ان کی مراد نہیں سمجھ سکتے۔ تباکی کا معنی ریاکاری ہے اور ایسے شخص کے گریہ کو ریاکارانہ گریہ سمجھتے ہیں، لیکن بکا اور تباکی کے بارے میں جو تفصیل ہم نے بیان کی ہے اس سے بلاغت اور بلیغ کی ارزش سمجھ سکتے ہیں۔ اہلِ بیت علیہم السلام کے کلام میں کس قدر دقیق نکات سے استفادہ ہوا ہے۔ اہلِ فن اور اوضاع و احوال سے آگاہ شخص کے علاوہ کوئی بھی ان سے واقف نہیں ہوسکتا؟ آئمہ اہلِ بیتؑ مسلسل تحقیق و بررسی کے بعد لوگوں کی توجہ اپنی طرف جلب کرنے اور اپنے اُوپر ہونے والے ظلم کا اظہار کرنے کے لیے مناسب ترین اور دقیق ترین ذریعے کا انتخاب کرتے ہیں، مثلاً حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے یہ وصیت فرمائی کہ ان کے ترکہ سے آٹھ سو درہم ایسی خواتین پر

خرچ کیے جائیں، جو حج کے ایام میں منیٰ میں ان پر گریہ و ندبہ کریں۔ ①

اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ حج کے ایام میں منیٰ میں مختلف مذاہب کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور عورت کے علاوہ تمام محرمات حلال ہو جاتے ہیں اور وہ ایام بھی عید، میل ملاپ اور خوشی کے ایام ہوتے ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کو مبارک باد دینی چاہیے۔ لیکن جو دقیق اور ظریف نکتہ امامؑ کے پیش نظر تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے کیوں ایامِ منیٰ کو عرفات اور مشعر پر ترجیح دی ہے؟ کیونکہ عرفات اور مشعر میں وقت کم ہوتا ہے علاوہ ازیں لوگ عاجزی وانکسار کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں دعا اور عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، لہٰذا یہ ایام اس کام کے لیے مناسب نہیں تھے، لیکن ایامِ منیٰ میں تین دن کا وقت ہوتا ہے اور وہ دن بھی خوشی و سرور کے دن ہوتے ہیں نہ کہ حزن و گریہ کے۔ لہٰذا یہ ایام گریہ زاری کے لیے مناسب تر تھے کیوں کہ جو کوئی بھی خوشی کے ایام میں گریہ و ماتم کی مجلس برپا دیکھے گا تو اس کے اندر قہری طور پر یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ وہ اس کے علل و اسباب تلاش کرے اور یہ سمجھے کہ ان عورتوں کو کیا ہوا ہے، یہ کیوں گریہ زاری میں مشغول ہیں؟ نیز یہ بھی سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کس کے لیے گریہ و ماتم کر رہے ہیں؟ یہ پوچھے گا کہ کس نے ان کے ساتھ دشمنی کی اور ان کا حق غصب کیا ہے؟ ایسا کرنے سے اس کے سامنے حقیقت واضح و روشن ہو جائے گی؟ کیوں کہ نورِ خدا ایسے افراد پر مخفی نہیں رہتا اور وہ ایک واضح برہان کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہوگا۔

جب وہ اپنے وطن واپس جائے گا تو اپنے تمام ملنے والوں کو یہ عجیب و غریب خبر سنائے گا۔ اس طرح یہ خبر پوری دنیا میں پھیل جائے گی۔ لوگوں پر حجت تمام ہو جائے گی اور کسی کے لیے کوئی حیلہ بہانہ نہیں رہے گا کہ ہم مدینہ میں حجتِ خدا کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے کہ ان کے ارشادات سن کر ان کی حقانیت اور ان کے دشمنوں کی ضلالت و گمراہی کو سمجھ

---

① تہذیب شیخ طوسی: ج ۲، ص ۱۰۸۔ کتاب مکاسب و کتاب منتہی: علامہ حلی، ج ۲، ص ۱۱۴۔ ذکریٰ شہید اول، بحث چہارم از احکام اموات، من لا یحضرہ الفقیہ: ص ۳۶۔ اِنَّہُ أَوصیٰ بِثَمَانِ مِأۃِ دِرْهَمٍ لِمَاتَمِہٖ وَأَنْ یَنْدُبَ فِي الْمَوَاسِمِ عَشَرَ سِنِیْنَ۔ "حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے وصیت فرمائی: "آٹھ سو درہم ان کی عزاداری میں خرچ کیے جائیں تاکہ حج کے ایام میں منیٰ میں دس سال تک ان پر گریہ زاری کریں"۔

سکتے۔ اس صورت میں کوئی بھی جاہل قاصر باقی نہیں رہے گا۔

دوسرا نکتہ جو سمجھا جائے گا وہ یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے مکہ و مدینہ میں ایسا کرنے کی کیوں وصیت نہیں کی کہ عورتیں حج کے ایام میں وہاں پر گریہ و ماتم کرتیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مکہ و مدینہ میں عام طور پر مجالس وغیرہ گھروں اور ہوٹلوں میں منعقد ہوتی ہیں۔ اگر اس طرح کی مجلس وغیرہ کسی گھر یا ہوٹل میں برپا کی جاتی تو لوگوں کو اس کا کس طرح پتا چلتا اور وہ اس خاص مقصد کو کیسے سمجھ سکتے؟

ممکن ہے کہ یہ اِشکال کیا جائے کہ اجنبی مردوں کے لیے غیر محرم عورتوں کی آواز سننا حرام ہے۔ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کیوں کہ مرحوم کلینی نے کتاب شریف روضہ کافی میں روایت نقل کی ہے کہ اُمِ خالد ایک عاقل و خردمند عورت تھی۔ وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس وقت ابوبصیر بھی امامؑ کی خدمت میں موجود تھے۔ امام علیہ السلام نے ابوبصیر سے پوچھا: کیا تم اُمِ خالد کی گفتگو سننا چاہتے ہو؟ پھر انھیں اپنے پاس بٹھا لیا۔ اُمِ خالد نے گفتگو کرنا شروع کی۔ ابوبصیر کا کہنا ہے کہ جب میں نے اس کی گفتگو سنی تو پھر مجھے معلوم ہوا کہ وہ خاتون کس قدر دانا، خردمند اور سخن ور ہے۔ (وسائل الشیعہ: ج ۱۴، ص ۱۴۳، حدیث اوّل۔ روضہ کافی: طبع اخوندی، ص ۱۰۱، حدیث ۳۱۹، شرح مُلّا صالح مازندرانی: ج ۱۲، ص ۳۰۶)

اس روایت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ اگر اجنبی مرد کے لیے عورت کی آواز سننا حرام ہوتا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ابوبصیر کو کبھی اس چیز کی اجازت نہ دیتے کہ وہ اُمِ خالد کی آواز اور گفتگو سن لیں۔

علاوہ ازیں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ وصیت کرنا کہ ان کا کچھ مال عورتوں کو دیا جائے تاکہ وہ منیٰ میں گریہ زاری کریں، اس کے جائز ہونے پر دلیل ہے کیونکہ منیٰ میں عورتوں کے گریہ زاری کرنے کا لازمہ یہ ہے کہ مرد ان کی آواز سنیں اور امام علیہ السلام کا مقصد بھی یہی تھا کہ مرد ان کی آواز سنیں ورنہ وہ حکم دیتے کہ مکہ یا مدینہ کے اندر ہی گھروں میں مجالسِ عزا برپا کریں۔

حماد بن عیسیٰ کوفی سے روایت ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے ان سے فرمایا: میں

نے سنا ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ نیمہ شعبان کو حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ کی قبر پر آتے ہیں۔ وہاں کچھ پڑھتے اور قصہ گوئی کرتے ہیں اور عورتیں امام حسین علیہ السلام پر گریہ زاری کرتی ہیں؟

حماد نے جواب میں عرض کیا: جو کچھ آپؑ نے فرمایا ہے، اس کا کچھ حصّہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تعریف اس خدا کے لیے ہے کہ جس نے ہمارے شیعوں میں کچھ ایسے افراد پیدا کیے ہیں کہ جو باجماعت ہمارے پاس آتے ہیں اور ہمارے لیے مداحی و مرثیہ خوانی کرتے ہیں۔ (کامل الزیارات: ص ۳۲۵، باب ۱۰۸، اول نوادر)

اس طرف توجہ کرنا ضروری ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ مبارک پر عورتوں کے گریہ وزاری کی آواز کا اجنبی مردوں کے لیے سننا ناگزیر اور ناقابلِ انکار ہے۔ اگر ان کی آواز سننا حرام ہوتا تو حجتِ خدا کبھی ان کی تعریف و تحسین نہ کرتے اور نہ ہی ان کے لیے دعائے خیر فرماتے۔

بہرحال! کسی بھی روایت میں نقل نہیں ہوا ہے کہ عورت کی آواز سننا حرام ہے، البتہ جو کچھ روایات میں مذکور ہے وہ اجنبیہ کے ساتھ گفت وشنود کرنا اور ایک کمرے میں سونا حرام ہے۔ وہ بھی اس اعتبار سے نہیں ہے کہ اس کی آواز سننا جائز نہیں بلکہ نامطلوب عواقب کی خاطر ہے۔ البتہ جناب علامہ حلیؒ نے کتاب تحریر میں باب النکاح کے مسئلہ نہم میں جو کچھ فرمایا ہے وہ نابینا مرد کے لیے ہے کہ اس کے لیے نامحرم کی آواز سننا حرام ہے۔ شاید یہ بھی نامطلوب عواقب کی وجہ سے ہو نہ کہ عورت کی آواز کی وجہ سے۔ ہاں کتاب "تذکرہ" میں باب النکاح کے اوّل میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ آواز سننے سے فتنہ و فساد کا خوف ہو تو اس کا سننا حرام ہے۔ اگر ایسا کوئی خوف نہ ہو تو پھر حرام نہیں ہے۔[1]

---

[1] کتاب منتہیٰ: ج ۲، ص ۲۷۷، فرع ۲ میں لکھا ہے: عورت پر لازم ہے کہ نماز میں آواز بلند نہ کرے کیونکہ اس کی آواز عورت ہے اور جائز نہیں ہے کہ اس کا مردوں کے سامنے اظہار کیا جائے۔ مقدس اردبیلی شرح ارشاد: ص ۲۸۸، ج ۲، میں تحریر کرتے ہیں: جہریہ و اخفاتیہ نمازوں میں اخفات زن کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اجنبی اس کی آواز سنے۔ بالفرض اگر عورت پر خاموشی سے نماز پڑھنا واجب بھی ہو تو پھر مخالفت کی صورت میں نماز کے باطل ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اہلِ سنت کی فقہ میں بھی عورت کی آواز سننے سے منع نہیں کیا گیا۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ج۱،ص ۱۶۷ پر لکھا ہوا ہے کہ عورت کی آواز سننا حرام نہیں ہے کیونکہ ازواجِ پیغمبرؐ اصحابِ پیغمبرؐ سے بات چیت کرتی تھیں اور وہ ان سے احکامِ دین سنتے تھے۔

جناب شیبانی حنبلی نے اپنی کتاب نیل المآرب: ج۲،ص ۱۲۷ پر لکھا ہے: عورت کی آواز سننا حرام نہیں ہے بلکہ اس کی آواز سے لذت اُٹھانا اور کیف حاصل کرنا حرام ہے۔ ابن حجر نے بھی اپنی کتاب ''کف الرعاع'' کہ جو کتاب ''الزواجر'' کے حاشیے پر شائع ہوئی ہے، اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

ہاں! بعض اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ عورت کی آواز سننا حرام ہے، لیکن ابن حجر اُسے درست نہیں سمجھتے۔

ابن نجیم حنفی نے اپنی کتاب ''البحر الرائق'' ج۲،ص ۲۷۰ پر لکھا ہے کہ الکافی کے مصنف نے اپنی کتاب ''کافی'' میں لکھا ہے: عورت کو تلبیہ کے لیے اپنی آواز بلند نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس کی آواز عورت ہے۔

کتاب ''المحیط'' کے مصنف نے اذان کے باب میں اسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔

کتاب ''فتح القدیر'' میں محمد بن عبدالواحد لکھتا ہے: عورت کی آواز ہو تو اگر وہ بالجہر نماز پڑھتی ہے تو بعید نہیں ہے کہ اس کی نماز باطل ہو۔

کتاب ''شرح الامینیہ'' میں اس کے مصنف نے بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی لیکن اگر اس سے فتنہ و گناہ کا اندیشہ ہو تو اس سے پرہیز کیا جائے۔ جیسا کہ صاحب الہدایہ اور دیگر علما نے تلبیہ کے مسئلے میں اس کی یہی علت ہے۔

کتاب ''النوازل'' کے مصنف نے کہا ہے کہ عورت کے گیت سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے اور اس کی بنیاد اس قول پر ہے کہ عورت کا کسی دوسری عورت سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا زیادہ پسندیدہ عمل ہے بجائے اس کے کہ وہ کسی نابینا سے تعلیم حاصل کرے۔

ابن نجیم نے ''الاشباہ والنظائر'' ص ۲۰۰ پر خنثیٰ کے احکام میں ذکر کیا ہے کہ ایک قول کے مطابق خنثیٰ کی آواز بھی عورت ہے۔

ابن مفلح الحنبلی نے کتاب "الفروع"، ج ۳، ص ۱۲ پر بیان کیا ہے کہ صحیح ترین قول یہ ہے کہ خنثیٰ کی آواز کا سننا حرام نہیں ہے کیونکہ اس سے بے پردگی نہیں ہوتی۔

عینی نے "عمدۃ القاری فی الشرح الصحیح البخاری" ج ۴، ص ۱۲، کتاب "جنازہ" جنازے کے پیچھے چلنے کے حکم میں ذکر کیا ہے کہ عورت پر مرد کے سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن وہ اپنی آواز بلند نہ کرے کیونکہ اس کی اس سے بے پردگی ہوتی ہے۔

زین الدین عراقی نے "طرح التقریب" ج ۱، ص ۲۵۰ پر ابن عبدالبر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن عبدالبر نے "الاستذکار" میں بیان کیا ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی اور شافعی مذہب والوں کے نزدیک یہی قول صحیح ہے۔ اور اس حوالے کے تحت اسی کتاب ج ۷، ص ۴۵ پر نکاح کے مسائل میں ہے کہ عورت کی آواز سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی۔

نووی کی "شرح المجموع" ج ۷، ص ۲۴۹ پر ہے کہ دارمی اور قاضی ابوطیب نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ عورت کا تلبیہ کے وقت اپنی آواز بلند کرنا حرام نہیں ہے۔

شوکانی کی "نیل الاوطار" ج ۴، ص ۲۷۴ باب التلبیہ میں مذکور ہے کہ رویانی اور ابن رفعت کے نزدیک تلبیہ کہتے وقت عورت کا اپنی آواز بلند کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کی بے پردگی نہیں ہوتی۔

تربتِ حضرت امام حسین علیہ السلام پر سجدہ

آئمہ علیہم السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کو شناخت کرانے کی جو ایک اور رَوِش اختیار کی اور غیر مستقیم طور پر لوگوں کو بتایا کہ مخالفینِ حسینؑ حق سے بہت دُور ہیں۔ نیز انھیں سمجھایا کہ تحریکِ حسینی نے دعوتِ پیغمبر اکرمؐ کی بنیادوں کو مضبوط اور اس کی طرف راستے کو ہموار کیا، وہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ اپنی نماز میں تربتِ کربلا پر سجدہ کریں۔ کیوں کہ اس میں بنیادی ترین راز یہ ہے کہ جب نماز گزار شخص اپنی پنجگانہ نمازوں میں تربتِ کربلا پر سجدہ ریز ہوگا تو وہ یاد کرے گا کہ ظالموں نے روحِ پیغمبرؐ و اہلِ بیتؑ اور

ان کے اصحابِ باوفا کو قتل کر کے کس طرح خاک و خون میں غلطاں کیا، اُن دردناک حادثات کو یاد کرے گا جو ان لوگوں نے حضرت سیّدالشہدا ؑ پر ڈھائے کہ اگر وہ پہاڑوں پر بھی آتے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ لیکن حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ السلام نے یوں صبر و تحمل سے ان کا مقابلہ کیا کہ آسمانی فرشتے بھی اس پر حیران و ششدر رہ گئے جیسا کہ حضرت ؑ کی زیارت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ علاوہ ازیں نماز گزار شخص اس کو بھی یاد کرتا ہے کہ اس تربت میں مظلومِ کربلا، ان کے اہلِ بیت ؑ اور اصحاب کا پاکیزہ خون ملا ہوا ہے کہ حضرت امیرالمومنین ؑ نے جن کی تعریف "سادۃ الشہدا" کے طور پر کی اور فرمایا:

لَا یَسبِقُھُم سَابِقٌ وَلَا یَلْحَقُھُم لَاحِقٌ

"ان جیسا نہ پہلے پیدا ہوا ہے اور نہ بعد میں پیدا ہوگا"۔

اس طرح کے مطالب کا ذکر لازمی طور پر اہلِ بیت ؑ کے چاہنے والوں کے دلوں کو تڑپاتا اور آنکھوں سے آنسو بہانے کا موجب بنتا ہے۔ جس کسی نے بھی ان پر ظلم کیا "یا" ظالم کی پیروی کی اور اس کا زمینہ فراہم کیا، وہ ان سب سے اظہارِ بیزاری کرتے ہیں اور اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں کہ اس ناقابلِ تسلیم تحریک نے ظلم و ستم کی بنیادوں کو نابود کر دیا ہے اور تمام نسلیں سمجھ جائیں گی کہ ظالم و جابر حاکم نے کس طرح اقتدار کو نابود کیا اور صاحبِ عزت و وقار افراد کی توہین کی ہے جو اپنے عقیدۂ حق پر ڈٹے رہے۔

آئمہ علیہم السلام نے مذکورہ مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جس طرح تربتِ سیّدالشہدا ؑ پر سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی طرح اپنے پیروؤں کو یہ امر بھی کیا کہ وہ تربت سیّدالشہدا سے تسبیح بنائیں اور اس پر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی تسبیح پڑھیں۔ آئمہ علیہم السلام نے ان مقدس اَہداف پر اصرار کیا ہے اگرچہ اُمت ان دقیق اَسرار و رُموز کو نہیں سمجھ پائی۔

جو لوگ اس کا انکار کرتے ہیں یا اسے بدعت و گمراہی سمجھتے ہیں، یہ ان کی جہالت اور حکیمانہ اَسرار سے آگاہ نہ ہونے کا نتیجہ ہے، حتیٰ کہ وہ اس حدیث کو بھی نہیں سمجھ سکے کہ جس میں ارشاد ہے: جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطُھُوْرًا "زمین کو میرے لیے سجدہ گاہ اور پاکیزہ کرنے والی قرار دیا گیا ہے"۔

وہ یہ بھی نہیں سمجھے کہ یہ وہی خاک ہے جس میں پانی ملایا گیا ہے۔ اس بنا پر خاک کا یہ ٹکڑا حدیث کے مصادیق میں سے ہے کہ جس پر شیعہ وسُنّی سب کا اتفاق ہے۔

حیرانگی ان خودغرض لوگوں پر ہے کہ جو اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اسے بدعت و گمراہی سمجھتے ہیں۔

□□□

فلسفۂ زیارت

روایات میں گروپ کی صورت میں مل کر زیارتِ معصومینؑ کرنے کی بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے کیوں کہ جس کی زیارت کی جاتی ہے وہ ہادیِ دین اور لوگوں کی ہدایت کا وسیلہ ہوتا ہے، اس سے دینی تعلیمات لی جاتی ہیں اور وہ لوگوں کو اسلامی معارف سکھاتا ہے، لہٰذا محترم زائرین مختلف اطراف و اکناف سے اس کے مرقدِ اطہر کی زیارت کرنے کو آتے ہیں اور ایک دوسرے کے دوست بن جاتے ہیں۔ اس طرح سے لوگوں کا ایک بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوجاتا ہے۔ ہر کوئی مرقدِ مطہر کو بوسہ دینے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے، کیوں کہ صاحبِ مرقد اپنے حکیمانہ بیانات اور مواعظِ حسنہ کے ذریعے لوگوں کے اندر راہِ خدا کی طرف رُجحان کا جذبہ پیدا کرنے اور دعوتِ الٰہی کا سبب تھا۔

جس کی زیارت کی جاتی ہے زائر کی نگاہ میں وہ بہت بڑی عظمت و رفعت کا مالک ہوتا ہے۔ وہ عشق و محبت سے مملو دل بڑے شوق اور محکم یقین کے ساتھ اس کی طرف جذب ہوتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اس کے کچھ فرامین و ارشادات سیکھے، اس کی زندگی اور سیرت سے سبق حاصل کرے، اس کی پیروی کرے اور نتیجتاً اس کی مظلومیت کو سمجھے۔ یہ زیارت کے فوائد میں سے ایک انتہائی کم فائدہ ہے، ورنہ زیارت کے فوائد اس قدر ہیں کہ جنھیں شمار کرنا اور لکھنا زبان و قلم کی قدرت سے باہر ہے۔

ایک اور نکتہ کہ جسے زیارت کے فوائد میں سے شمار کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ زیارت دوستی اور اُخوت کے اس رشتے کو محکم تر اور پائیدار تر کرتی ہے کہ جس کی طرف قرآن نے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (سورۂ حجرات: آیت ۱۰) کے ذریعے دعوت دی ہے۔ کیوں کہ محترم زائرین جب حرم میں اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے کے ساتھ آمد و رفت کرتے ہیں تو اس دوران میں بہت سے مطالب کی رد و بدل کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں دوستیاں بڑھتی ہیں،

حقائق واضح ہوتے ہیں اور دین کے بارے میں ایک دوسرے سے درست مطالب سمجھنے کا موقع میسر آتا ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے درمیان محکم روابط برقرار ہوتے ہیں۔

مذکورہ حقیقت تمام آئمہ علیہم السلام کی زیارت میں پائی جاتی ہے کیوں کہ وہ تمام کے تمام ایک وسیع، صاف اور ہموار راستے کے مانند ہیں کہ ہدایت کا متلاشی ہر شخص اس سے استفادہ کرسکتا ہے اور مکمل ہدف تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ ناموس مصلح اور باطن سے آگاہ ہیں، ان کا طریقہ بے عیب و بے نقص، راستہ درست اور سیدھا اور ان کی معرفت مکمل ہے۔

چونکہ زائر ان حضرات کے بلند ترین فضائل اور جامع علوم ہونے کا معتقد ہے، لہٰذا وہ سمجھتا ہے کہ ان کا تقویٰ اور معجزات شمار نہیں کیے جاسکتے، جب وہ خداوند سبحان کی قربت حاصل کرنے کا جذبہ لے کر ان کے حرم میں ان کی قبر مطہر کے رُوبرو کھڑا ہوتا ہے تو یہ چیز ان کے عقیدے کو محکم تر اور راسخ تر کرتی ہے۔

یہ زیارات کو بیان کرنے کی حکمتوں میں سے ایک ہے۔ البتہ سیّد الشہداء کی زیارت جو مخصوص ایام میں وارد ہوئی ہے اور آئمہ علیہم السلام نے جس کی خصوصی تاکید فرمائی ہے اور معصومینؑ میں سے کسی کی بھی ویسی زیارت نہیں ہے۔ اس کے بہت زیادہ علل و اسباب ہیں کہ ان میں سے چند ایک اہم ترین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اہلِ بیت علیہم السلام اور ان کے شیعوں کے ساتھ بنی اُمیہ کی دشمنی اور آتشِ جنگ کے شعلے ہمیشہ بھڑکتے اور ٹھنڈے ہو رہے تھے، اس کے باوجود کہ خود اُموی نابود ہو چکے تھے اور ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ تاریخ میں ان کی سیاہ کاریوں کے علاوہ اور زبانوں پر ان کے اُوپر لعنت کرنے کے سوا کچھ بھی باقی نہ تھا لیکن پھر بھی خواہشاتِ نفس کے دلدادہ لوگ گاہے بہ گاہے ان کے حق میں آواز بلند کرتے ہیں تاکہ اس طرح سے اپنے منحوس مقاصد کو حاصل کرسکیں جبکہ مذکورہ اِقدام ایک الحادی اور مخالف دین اقدام تھا۔ ہر دور میں بعض لوگ اس کے درپے رہے اور کچھ لوگ ان کے ساتھ ملتے رہے۔

لہٰذا اہلِ بیت علیہم السلام کا تمام ہم وغم یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح اس آگ کو ٹھنڈا کیا جائے، اس کے شعلے بجھائے جائیں، اور لوگوں کی اس طرف توجہ دلائیں کہ مذکورہ اقدامات اُس دین

اور اسلام کے خلاف ہیں کہ جس کی طرف دعوت دینے کے لیے رسولؐ خدا نے مشکلات برداشت کیں اور اس کے احکام کی نشرو اشاعت کے لیے اذیتوں اور مصیبتوں کا سامنا کیا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جس بہترین راستے سے استفادہ کر سکتے اور ساتھ ساتھ مظلومیتِ اہلِ بیتؑ کی بھی شناخت کراتے کہ ان لوگوں نے وہ حق کس طرح سے غصب کیا جو خداوند متعال نے ان کے لیے قرار دیا تھا۔ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس واقعہ کو بیان کرتا تھا کہ جو غم و اندوہ سے اس قدر لبریز تھا کہ جس کو سننے سے شقی ترین دشمن کا دل بھی تڑپ اُٹھتا، ان کے دوستوں اور شیعوں کی جو اِن کی حقّانیت اور غصبِ خلافت کے معتقد ہیں، بات ہی نہ کریں۔

چونکہ ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام یہ چاہتے تھے کہ ان کے شیعہ اس سے غافل نہ رہیں جو ظالم و ستم گر حکمرانوں کے پیشِ نظر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو دین سے منحرف کریں اور اسلام کے نام سے اپنے منحوس مقاصد کو لوگوں میں رواج دیں، لہٰذا انھوں نے اپنے چاہنے والوں کو حکم دیا کہ وہ مخصوص و غیر مخصوص مواقع پر حضرت سیّدالشہداءؑ کے حرم میں حاضری دیں۔ ان کا وہاں پر صرف حاضر ہونا ہی بنی اُمیہ کے ظلم و بربریت، بچوں کو وحشیانہ طور پر قتل کرنے اور مخدراتِ رسولؐ خدا کو اسیر کر کے سر برہنہ شہر بہ شہر پھرانے کی یادتازہ ہونے کا باعث بنے گا۔

شیخ کاشف الغطاؒ رقم طراز ہیں:

مَغْلُولَةُ الْاَيْدِي اِلَى الْاَعْنَاقِ تَسْبِي عَلَى عَجَفٍ مِنَ النِّيَاقِ
حَاسِرَةَ الْوَجْهِ بِغَيْرِ بُرْقَعٍ لَا سَتْرَ غَيْرُ عِيٍ وَاَذْرُعٍ

"اہلِ کوفہ اہلِ بیت علیہم السلام کے ہاتھ گردنوں کے ساتھ باندھے ہوئے تھے، انھیں کمزور و لاغر بے پالان اُونٹوں پر باندھا ہوا تھا۔ انھیں بے مقنع و چادر اُسیر بنایا گیا، ان کے پاس پردہ کرنے کے لیے اپنے ہاتھ اور بازوؤں کے سوا کچھ نہیں تھا"۔

کوئی بھی شریف اور غیرت مند انسان اس کو قبول نہیں کرتا کہ کسی کے ساتھ اس طرح سے بُرا سلوک کیا جائے اور وہ اس کے مقابلے میں خاموش رہے۔ جبکہ پاک پیغمبرؐ کے حرم کی تو بات ہی اور ہے کہ ان پر ہونے والے ظلم کا سن کر دل تڑپ اُٹھتا ہے اور انسان کے

جذبات مجروح ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا انسان قہراً وجبراً اس کا معتقد ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ دین سے خارج اور غیر مسلم تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دوسرے آئمہؑ کی نسبت حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ میں یہ جذبہ بیش تر پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں اس طرح کے واقعات موجود ہیں جو دلوں کو تڑپا دیتے ہیں۔ اسی بنا پر آئمہ معصومین علیہم السلام نے دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے انھیں ایک وسیلہ قرار دیا، لہٰذا انھوں نے مختلف مواقع پر اپنے شیعوں کو کبھی یہ حکم دیا کہ ان پر گریہ زاری کریں اور بعض دفعہ حکم صادر فرمایا کہ جس طرح بھی ممکن ہوسکے ان کے لیے مجلسِ غم کا انعقاد کریں اور بعض اوقات اس کی تاکید فرمائی کہ ان کی زیارت کے لیے جائیں۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے احکامات کہ جن کی وجہ سے اُمت پیغمبرؐ اور شیعیانِ امیر المومنینؑ اب تک نامِ حسینؑ کی وجہ سے باقی ہیں جیسا کہ جو آغاز میں بھی نامِ حسینؑ کی وجہ سے محکم و اُستوار ہوئے، ان کی بقا بھی نامِ حسینؑ کی مرہونِ منت ہے۔

جنابِ معاویہ بن وہب نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دعا نقل کی ہے جو حضرت سجدہ میں پڑھتے تھے۔ یہ دعا ان وسائل میں سے ایک ہے جو دلوں کو نورِ ایمان سے گرماتے اور عقیدے کو محکم و راسخ کرتے، قلوب کو آرام بخشتے اور ان مشکل اعمال کے اسرار سے آگاہ کرتے ہیں کہ جو اُمت انجام دیتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سجدے کی حالت میں فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ یَامَنْ خَصَّنَا بِالْکَرَامَۃِ وَ وَعَدَنَا الشَّفَاعَۃَ وَخَصَّنَا بِالْوَصِیَّۃِ وَاَعْطَانَا عِلْمَ مَا مَضٰی وَعِلْمَ مَا بَقِیَ وَجَعَلَ اَفْئِدَۃً مِنَ النَّاسِ تَھْوِی اِلَیْنَا اِغْفِرْلِی وَلِاِخْوَانِی وَزُوَّارِ قَبْرِ جَدِّی الْحُسَیْنِ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوا اَمْوَالَھُمْ وَاَشْخَصُوا اَبْدَانَھُمْ رَغْبَۃً فِی بِرِّنَا وَرَجَاءً لِمَا عِنْدَکَ فِی صِلَتِنَا وَسُرُوْرًا اَدْخَلُوْہُ عَلٰی نَبِیِّکَ وَ اِجَابَۃً مِنْھُمْ لِاَمْرِنَا وَغَیْظًا اُدْخِلُوْہُ عَلٰی عَدُوِّنَا اَرَادُوْا بِذٰلِکَ رِضَاکَ فَکَافِھِمْ عَنَّا بِالرِّضْوَانِ وَاکْلَاھُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاخْلُفْ عَلٰی اَھَالِیْھِمْ وَاَوْلَادِھِمُ الَّذِیْنَ خَلَفُوْا بِاَحْسَنِ الْخَلَفِ وَاَصْحِبْھِمْ وَاکْفِھِمْ شَرَّ

كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَكُلِّ ضَعِيفٍ مِنْ خَلْقِكَ وَشَدِيْدٍ وَشَرِّ شَيَاطِيْنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔

وَاَعْطِهِمْ اَفْضَلَ مَا اَمَلُوْهُ فِي غُرْبَتِهِمْ عَنْ اَوْطَانِهِمْ وَمَا اٰثَرُوْنَا بِهٖ عَلٰى اَبْنَائِهِمْ وَاَهَالِيْهِمْ وَقَرَابَاتِهِمْ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اَعْدَائَنَا عَابُوْا عَلَيْهِمْ خُرُوْجَهُمْ اِلَيْنَا فَلَمْ يَنْهَهُمْ ذٰلِكَ عَنِ الشُّخُوْصِ اِلَيْنَا خِلَافًا مِنْهُمْ مَنْ خَالَفَنَا۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ تِلْكَ الْوُجُوْهَ الَّتِيْ غَيَّرَتْهَا الشَّمْسُ ، وَارْحَمْ تِلْكَ الْخُدُوْدَ الَّتِيْ تَقَلَّبَتْ عَلٰى حُفْرَةِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ ، وَارْحَمْ تِلْكَ الْاَعْيُنَ الَّتِيْ جَرَتْ دُمُوْعُهَا رَحْمَةً لَنَا ، وَارْحَمْ تِلْكَ الْقُلُوْبَ الَّتِيْ جَزِعَتْ وَاحْتَرَقَتْ لَنَا ، وَارْحَمْ تِلْكَ الصَّرْخَةَ الَّتِيْ كَانَتْ لَنَا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَوْدِعُكَ تِلْكَ الْاَنْفُسَ وَالْاَبْدَانَ حَتّٰى تُوَفِّيَهُمْ عَلَى الْحَوْضِ يَوْمَ الْعَطَشِ الْاَكْبَرِ

''اے اللہ! جس نے ہمیں عزت و کرامت کے ساتھ مخصوص کیا اور ہم سے شفاعت کا وعدہ کیا اور ہمیں وصیت سے مختص کیا اور جس نے ہمیں ماضی اور آنے والے زمانوں کے علم سے نوازا اور لوگوں کے دلوں کو ہماری طرف جھکا دیا۔ مجھ پر، میرے بھائیوں پر اور میرے جدِّ امجد امام حسینؑ کی قبر مبارک کی زیارت کرنے والوں پر رحم فرما کہ جنھوں نے اپنے مال کو راہِ حسینؑ میں خرچ کیا اور اپنے جسموں کو ہمارے ساتھ نیکی کرنے کی خاطر مشغول کیا۔

اس اُمید کے ساتھ کہ تیرے پاس ہمارے لیے بھلائی کا صلہ موجود ہے اور اُنھوں نے ایسا صرف تیرے نبیؐ کو خوش کرنے کے لیے اور ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اور ہمارے دشمنوں کو ناراض کرتے ہوئے کیا اور اُنھوں نے اس (عمل) کے ذریعے صرف تیری خوشنودی حاصل کرنا چاہی۔

پس! تُو انھیں ہماری طرف سے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا صلہ عطا فرما اور تُو دن رات ان کی حفاظت فرما اور اِن کے پیچھے اِن کے خاندان والوں اور اِن کی اولاد کو ان کا بہترین جانشین قرار دے۔ اور تُو ان کا ساتھ دے اور تُو اُنھیں ہر جابر و سرکش کی شرانگیزی سے محفوظ فرما۔ اور اپنی مخلوق میں سے ہر کمزور اور طاقتور کے ذریعے اِن کی مدد فرما اور انھیں جن و انس کے شیاطین کے شر سے محفوظ فرما۔

اور یہ لوگ اپنے وطن سے دُوری کے دوران جو کچھ خرچ کرتے ہیں اور تجھ سے جو اُمید رکھتے ہیں، تو انھیں اس سے زیادہ بہتر عطا فرما اور انھوں نے اپنی اولاد، خاندان اور رشتے داروں سے زیادہ ہمیں اہمیت دی۔ لہٰذا تو اُنھیں اس کا اجر اور بدلہ عطا فرما۔

اے اللہ! بے شک، ہمارے دشمنوں نے ان پر پابندیاں عائد کردی ہیں کہ یہ ہماری زیارت کے لیے گھروں سے نہیں نکل سکتے لیکن ان لوگوں کو یہ بات ہرگز ہماری طرف آنے سے نہ روک سکی اور جنھوں نے ہماری مخالفت کی، اس پر انھوں نے اس کے خلاف عمل کردکھایا۔

اے اللہ! ان کے چہروں پر رحم فرما جنھیں سورج نے متغیر کردیا۔ اور اِن رخساروں پر رحم فرما جو ابوعبداللہ الحسینؑ کی قبر مبارک سے مَس ہوئے ہوں اور ان آنکھوں پر رحم فرما جن سے ہم پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے آنسو برستے رہے اور ان دلوں پر رحم فرما جو ہماری وجہ سے دُکھ زدہ اور جلتے رہے اور اِن کی خاطر اس آہ و زاری اور گریہ و بکا پر رحم فرما جو ہماری خاطر کرتے رہے۔

اے اللہ! مَیں یہ روحیں اور بدن تیرے سپرد کر رہا ہوں یہاں تک کہ تُو انھیں اُس دن حوضِ کوثر تک پہنچا دے اور سیراب کردے کہ جس دن بہت زیادہ پیاس ہوگی"۔

جناب معاویہ بن وہب کو یہ دعا بہت پسند آئی اور اسے زوارِ امام حسین علیہ السلام کے لیے کافی سمجھا۔ امام علیہ السلام نے اس سے فرمایا: بے شک! جو آسمانوں پر زائرِ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے دعا کرتے ہیں، وہ زمین پر دعا کرنے والوں کی نسبت کہیں زیادہ ہیں۔ (بحارالانوار: ج ۱۰۱، ص ۸۔ کامل الزیارت: ص ۱۱۶۔ ثواب الاعمال: ص ۵۴)

حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہوا ہے کہ انھوں نے فرمایا: یہ دعا ایسے اہم ترین مطالب، خصوصیات اور فضائل کی حامل ہے کہ جنھیں صرف وہی سمجھ سکیں گے کہ جو نورِ اہلِ بیتؑ سے منور اور ان کی ولایت سے متوسّل ہوئے ہیں۔

اس دعا کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ اس سے اہلِ بیت علیہم السلام کے مصائب پر گریہ زاری، نالہ وفریاد صراخ کی طرف رجحان ہوتا ہے۔

علمائے لغت اور عربی زبان کے ماہرین نے "صراخ" اور "صرخہ" کی جو تعریف کی ہے وہ یہ ہے کہ مصیبت و بے قراری کے وقت شدید قسم کی فریاد اور چیخ و پکار کرنا۔ چونکہ مذکورہ دعا صرف گھروں میں پڑھنے کے لیے مخصوص نہیں ہے، لہٰذا اس کا اِطلاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو کوئی جس حال میں اور جہاں کہیں حرم، خلوت، جلوت، خیابان میں پڑھے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہر حال میں مطلوب و مقصود ہوگی۔

اس دعا کی خصوصیات میں سے ایک اور خصوصیت یہ ہے ۔ یہ دعا زائرِ محترم کو اس چیز کی اجازت دیتی ہے کہ وہ اپنا رُخسار حضرتؑ کی قبرِ مطہر پر رکھ سکتا ہے اور یہ کام صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبرِ مطہر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ کیوں کہ جناب شیخ طوسیؒ اپنی کتاب "تہذیب" میں قبور پر نماز کی بحث میں محمد بن عبداللہ حمیری سے روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: مَیں نے فقیہ یعنی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں خط لکھا اور عرض کیا کہ اگر کوئی قبور کی زیارت کرے تو اس کا حکم کیا ہے؟

حضرتؑ نے مجھے خط میں فرمایا: قبر پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے نہ نمازِ نافلہ میں اور نہ ہی نمازِ واجب میں، بلکہ اپنا دایاں رخسار رکھیں (يَضَعُ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى الْقَبْرِ)۔

عموم روایت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ مذکورہ حکم حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کے

ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ چیز تمام آئمہ علیہم السلام کی قبروں کے لیے جائز ہے۔

شیعہ آئمہؑ کو کیوں افضل سمجھتے ہیں؟

ایسے مطالب کہ جن کی طرف یہ دعا ہماری رہنمائی کرتی ہے، وہ شیعوں کے محبوب و مطلوب کام ہیں کہ وہ اپنے اُموال آئمہ علیہم السلام کے اُمر کا احیا کرنے، مجالسِ عزاداری برپا کرنے، جشنِ ولادت منانے اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح سے وہ آئمہ علیہم السلام کو اپنی اولاد اور اپنے خاندان پر برتری وفضیلت دیتے ہیں۔

عام طور پر ”ایثار“ کے معنی کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جس شخص پر ایثار کیا جارہا ہے اُسے ہر اعتبار سے اپنے اُوپر فضیلت و برتری دینا خواہ وہ اس کی عظمت و بزرگواری کی خاطر ہو یا خاص ہدف اور آرزو تک پہنچنے کے لیے مشکلات کو دُور کرنے کی غرض سے ہو۔ بہرحال! ایثار ایسی پسندیدہ صفات میں سے ہے کہ جو افراد کی کریمانہ فطرت اور اچھی عادات سے پیدا ہوتی ہیں۔ خداوند کریم نے ایسی صفات کے مالک شخص کی خوب تعریف کی اور فرمایا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ (سورۂ حشر: آیت ۹)

”اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انھیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو“۔

خصامت کا معنی شدید قسم کی ضرورت اور ناگوار زندگی ہے۔ (تاج العروس: ج ۴، ص ۳۸۷)

اس میں شک نہیں کہ جس شخص کے لیے ایثار کیا جا رہا ہے وہ جس قدر ایثار کے لیے لائق تر اور شائستہ تر ہوگا اس قدر اس کی برتری وفضیلت بھی بیش تر ہوگی۔ جب بھی صاحب فضیلت اور لائق افراد کے بارے میں غوروفکر کریں گے تو کوئی بھی ایسا شخص تلاش نہیں کر پائیں گے جو خاندانِ عصمت وطہارت سے زیادہ ایثار کے لائق ہو، کیونکہ خداوند متعال نے انھیں فضیلت و برتری کے تمام مراتب و درجات عطا کیے ہیں اور انھیں ایسے مقام و منزلت پر فائز کیا ہے جس پر کسی اور کو نہیں کیا، وہ خاص کرامتِ نفس اور عظمت و بزرگواری کے مالک ہیں۔ لہٰذا تمام اُمت کو چاہیے کہ ان کی طرح ہونے کی کوشش کریں۔ ان کا تمام

لوگوں کی گردن پر حق ہے کہ جسے ادا کرنا سب پر واجب ہے۔ اس بنا پر وہ ہر چیز سے افضل اور ہر کسی سے برتر ہیں۔

جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے کون ہے کہ جو ان سے عشق کرتا ہوا اور انھیں اپنے رشتہ داروں اور قریبی افراد پر برتری نہ دے؟ جبکہ اس کا معتقد ہے کہ وہ بندوں پر اسباب فیض خدا، بشر کو دین کی تعلیمات سکھانے والے اور بنی نوع انسان کی سعادت و خوش بختی کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں۔ انھیں عظیم کامیابی، اَخلاقِ فاضلہ اور حق پر مبنی سیاست تک پہنچنے، اجتماعی احکام اور نجات بخش تعلیمات سیکھنے کے لیے حق سمجھتا ہو، کسی دوسرے کو نہیں؟ تو کیا ایسا عقیدہ رکھنے کے باوجود یہ ہوسکتا ہے کہ انھیں ہر کسی اور ہر چیز پر ترجیح نہ دے اور افضل و برتر نہ سمجھے؟

اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ آئمہ علیہم السلام مسلسل اس کوشش میں رہے کہ کشتیٔ اُمت کو ہلاکت میں غرق ہونے سے بچا کر ساحلِ نجات تک پہنچائیں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی کی پروا نہیں کی اور اپنی جان قربان کردی تاکہ اُمت کے پاس خدا کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے کوئی دستاویز اور بہانہ ہو کہ وہ اس کے لطف و کرم کی مستحق قرار پائے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے آپ کو شیعوں کے لیے سپر قرار دیا اور ان کی خاطر ہر طرح کی مشکل برداشت کی۔ [1] کیونکہ آئمہ علیہم السلام اپنے شیعوں سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ صبح و شام ان کے لیے طلب رحمت و مغفرت کرتے ہیں۔ اور ان کی خوشی میں خوش اور غمی میں غمگین ہوتے ہیں کیونکہ شیعہ ان کی بچی ہوئی طینت سے خلق

---

[1] مرآۃ العقول: ج ۱، ص ۱۸۹، طبع قدیم کے حاشیے پر مطبوع اصولِ کافی میں روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: خدائے سبحان کی مشیت اس پر قرار پائی کہ ہمارے شیعوں پر غضب نازل کرے، لیکن مجھے اختیار دیا کہ میں خود ان مشکلات کو برداشت کروں یا ان پر غضب نازل ہو، لیکن میں نے اپنے آپ کو پیش کیا اور انھیں خدا کے غضب سے محفوظ رکھا۔

مرحوم علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: شاید وہ اس دلیل کی بنا پر موردِ غضب قرار پائے کہ وہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے امرِ امامت کو مخفی نہیں رکھتے تھے۔ اس بنا پر ہارون الرشید انھیں قتل کرتا یا امام علیہ السلام کو قید خانے میں بند کرتا اور بعد میں قتل کر دیتا لیکن امام کاظم علیہ السلام نے مصیبت کو اپنی جان پر برداشت کیا اور اپنے شیعوں کو محفوظ رکھا۔ ⇐

ہوئے ہیں اور وہ اس شجرۂ طیبہ کے پتّوں میں سے ہیں، جس کی جڑیں زمین میں محکم اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی دُعا میں وارد ہوا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ شِیْعَتَنَا خُلِقُوا مِنْ شُعَاعِ اَنْوَارِنَا وَبَقِیَّةِ طِیْنَتِنَا وَقَدْ فَعَلُوا ذُنُوبًا کَثِیْرَةً اِتِّکَالًا عَلٰی حُبِّنَا وَوَلَایَتِنَا ، فَاِنْ کَانَتْ ذُنُوبُھُمْ فِیْمَا بَیْنَکَ وَبَیْنَھُمْ فَاصْفَحْ عَنْھُمْ ، قَدْ رَضِیْنَا، وَمَا کَانَ مِنْھَا فِیْمَا بَیْنَھُمْ فَاصْلِحْ بَیْنَھُمْ وَقَاصِّ بِھَا عَنْ خُمْسِنَا ،

⇨ سید نعمت اللہ جزائری شرح صحیفہ کے صفحہ نمبر ۵ پر روایت نقل کرتے ہیں: چوں کہ شیعہ آئمہ علیہم السلام کے اَسرار کو مخفی نہیں رکھتے تھے اور انھیں ظاہر کردیتے تھے، لہٰذا خداوند متعال نے ارادہ کیا کہ انھیں تباہ و برباد اور نابود کردے۔ خدا نے حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو خبر دی کہ اس سال آپؑ کے شیعوں کو نابود کردوں گا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے عرض کیا:

یَارَبِّ اَحَبُّ اَنْ اَفْدِیْ شِیْعَتِیْ بِنَفْسِیْ وَیَبْقُوْنَ ھُمْ عَلَی الْاَرْضِ "اے میرے پروردگار! میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی جان اپنے شیعوں پر قربان کردوں اور وہ زمین پر باقی رہیں (اور ان کی نسل ختم نہ ہو)"۔

لہٰذا خداوند متعال نے اسی سال حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو شہادت نصیب فرمائی اور امام علیہ السلام کے وسیلہ سے شیعوں کی بقا کی ضمانت دی گئی۔

اس ضمن میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ جس طرح کتاب معانی الاخبار، ص ۱۰۰ اور بحار الانوار، ج ۶، ص ۲۵۰، باب مصافحہ، طبع قدیم میں روایت نقل ہوئی ہے کہ رسولؐ خدا نے خدا کی طرف سے شیعوں کے گناہ اپنے ذمہ لیے پھر انھیں بخش دیا۔

علل الشرائع سے ملحق کتاب روضہ کے ص ۱۳۵ پر روایت نقل ہوئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ نے خدا کی بارگاہ میں درخواست کی کہ ان کے شیعوں کے گناہ معاف کردے۔

کتاب بشارۃ المصطفیٰ، ص ۲۷۴ پر موجود ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مکرر فرمایا: اِنَّ حُقُوْقَ شِیْعَتِنَا عَلَیْنَا کَثِیْرَةٌ "ہمارے شیعوں کے ہمارے اُوپر بہت زیادہ حقوق ہیں"۔

کتاب کامل الزیارۃ میں آیا ہے: نَحْنُ فَنَتَرَحَّمُ عَلَیْھَا کُلَّ صَبَاحٍ وَمَسَاءٍ "ہم صبح و شام اپنے شیعوں کے لیے طلب رحمت کرتے ہیں"۔

عیون المعجزات، ص ۹۷ پر روایت ہے کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام نے قاسم بن محمد بن ابی بکر کی بیٹی اُمِّ فروہ سے فرمایا: "میں صبح و شام سو مرتبہ اپنے گناہ گار شیعوں کے لیے دعا کرتا ہوں کیونکہ جس کا ہمیں علم ہے ہم اس پر صبر کرتے ہیں اور وہ اس پر صبر کرتے ہیں جس کا انھیں علم نہیں"۔

وَاَدْخِلْهُمُ الْجَنَّةَ وَزَحزِحهُمْ عَنِ النَّارِ وَلَا تَجْمَعْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اَعْدَائِنَا فِی سَخَطِكَ

"اے پروردگار! ہمارے شیعہ ہمارے نُور کی شعاع اور ہماری باقی ماندہ طینت سے خلق کیے گئے ہیں۔ وہ ہماری دوستی و ولایت کے بھروسے پر بہت زیادہ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ خداوندا! اگر وہ ایسے گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں جو تیرے اور ان کے درمیان ہیں تو، تو اُن سے درگزر فرما۔ ہم بھی اس درگزر کرنے پر خوش ہوں گے اور اگر ان کے گناہ خود ان سے مربوط ہیں تو انھیں ہمارے خمس سے حساب کرتے ہوئے ان کی اِصلاح فرما۔ خداوندا! انھیں جنّت میں داخل کر اور انھیں آتشِ جہنم سے دُور فرما۔ بار الٰہا! انھیں اور ہمارے دشمنوں کو اپنے عذاب میں اکٹھا مت کر"۔

ہاں! اگر آئمہ علیہم السلام کی طرف سے اپنے دوستوں اور شیعوں کے ساتھ لطف و کرم اور عنایت کی طرف توجہ کریں تو کوئی بھی دین و مذہب اور قانون اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ انسان ان کے ساتھ بے وفائی کرے یا ان کے ساتھ محبت و ارادت کا اظہار کرنے میں (کسی قسم کی) کوتاہی کرے اور انھیں ہر حال اور ہر صورت میں اپنی ذات اور اپنے عزیز و اقارب پر ترجیح نہ دے، مگر یہ کہ ذلّت و پستی کا راستہ اختیار کرنا چاہے اور ایک طرف سے اپنے آپ کو تیر ملامت اور توبیخ عقل اور دوسری طرف سے دین کی ملامت اور شہامت و بزرگی کی سرزنش کا نشانہ اور ہدف قرار دے۔

معاویہ بن وہب نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک دعا نقل کی ہے کہ جس میں امام علیہ السلام نے اپنے شیعوں پر خاص توجہ دی ہے اور سیّد الشہداء کے زائر کے لیے دعا کرنے کے بعد خداوند کریم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ وہ ان کے شیعوں کو ان کی بہترین تمناؤں تک پہنچائے۔ اس دعا سے بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ امام علیہ السلام کس قدر پسند فرماتے تھے کہ ان کا امر زندہ رہے اور ان کے شیعہ اس سے غفلت نہ کریں۔ آپؑ نے اسے صرف حضرت امام حسینؑ

کی زیارت کے ساتھ مختص نہیں کیا کیوں کہ فرمایا: وَمَا آثَرُونَ بِہٖ...... "وہ ہمارے امر کو ہر دوسری چیز پر ترجیح دیتے ہیں"۔ اگر حضرتؑ کا مقصود صرف زیارت سیّدالشہداؑ ہوتا تو یوں فرماتے: وَمَا آثَرُوهُ...... چوں کہ حضرتؑ نے جمع کا کلمہ استعمال کیا ہے، مفرد کا نہیں۔

چنانچہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موردِ بحث "ایثار" تمام آئمہؑ سے مربوط ہے نہ کہ ان میں سے بعض پر منحصر ہے لیکن ان میں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت ایسی ہے کہ جو تمام زیارتوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے اور باقی تمام پر فضیلت رکھتی ہے، کیونکہ ان کی زیارت کربلا کی مقدس تحریک کی یاد دلاتی ہے۔ زائر حسینؑ جب ان کی ضریح مطہر کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ یوں سمجھتا ہے جیسے دو صفوں کے درمیان کھڑا ہے۔ ان میں سے ایک صف عظیم المرتبہ ہے کہ جو امام حسین علیہ السلام اور ان کے باوفا اصحاب پر مشتمل ہے۔ جب کہ دوسری ضلالت و گمراہی کی صف ہے کہ جس میں یزید لعین اور اس کے بدقماش پیروشامل ہیں۔ جب وہ ایسی کیفیت محسوس کرتا ہے تو اس کے دل میں عشق ولایت شعلہ زن ہوتا ہے اور ان کے دشمنوں سے نفرت و بیزاری کو قوت ملتی ہے۔

نقل شدہ دُعا میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا مقصود و مدعا آگاہ اور نکتہ سنج افراد سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اَعْدَائَنَا عَابُوا عَلَيْنَا خُرُوجَهُمْ اِلَيْنَا فَلَمْ يَنْهَهُمْ ذٰلِكَ عَنِ الشُّخُوصِ اِلَيْنَا خِلَافًا مِنْهُمْ عَلٰى مَنْ خَالَفَنَا

"پروردگارا! ہمارے چاہنے والے ہمارے دشمنوں سے رُوگردان ہوکر ہماری طرف آتے ہیں تو انھیں تکلیف ہوتی ہے اور وہ ہماری توہین کرتے ہیں، لیکن ان کی طرف سے توہین کا ہمارے دوستوں پر اُلٹا اثر ہوتا ہے اور وہ ہم سے زیادہ تمسک کرتے ہیں"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدنظر یہ ہے کہ شیعوں کو رغبت دلائیں اور ان کے اندر جرأت پیدا کریں کہ وہ شعائر اللہ کا احترام کرنے، آثار کو زندہ رکھنے اور ان کے احکام کی نشرواشاعت میں ان کا ساتھ دیں اور اس راستے میں جتنی بھی مشکلات اُٹھائیں گے، وہ اللہ کی

بارگاہ اور آئمہ اطہارؑ کے نزدیک ماجور ہوں گے اور جب تک وہ حق پر ثابت قدم رہیں گے مسخرہ کرنے والوں کا ٹھٹھہ اور مذاق ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کی استقامت و پائے داری ہی تھی کہ جس کے نتیجے میں یہود و مشرکین سرنگوں ہوئے اور مسلمانوں کے عزم و ارادہ میں ذرا برابر بھی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ دوسروں کی لغزشیں اور انحرافات اس کا باعث نہیں ہے کہ وہ اپنے ہدف سے ہاتھ کھینچ لیں اور راہِ مستقیم سے پیچھے ہٹ جائیں۔

ہاں! احمقوں کی تمسخر پر مبنی گفتگو حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائرین اور شعائرِ حسینی کا احترام کرنے کی خاطر ضریح مقدس کو بوسہ دینے میں سبقت حاصل کرنے والوں کی محبت و چاہت پر ذرا برابر اثر انداز نہیں ہوتی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَاللّٰہِ لَحَظَّهُمْ اَخْطَأُوا وَعَنْ ثَوَابِ اللّٰہِ زَاغُوا وَعَن جِوَارِ مُحَمَّدٍ تَبَاعَدُوا

”خدا کی قسم! وہ اپنے نظریہ میں خطا پر ہیں، وہ ثوابِ الٰہی سے محروم اور جوارِ رسولؐ خدا سے راندہ ہوئے ہیں (یعنی راندۂ بارگاہِ رسالت ہیں)“۔

ذریح محاربی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: میں جب بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے فضائل بیان کرتا ہوں، میری اولاد اور میرے رشتہ دار میرا مذاق اُڑاتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

یَا ذَرِیحَ! دَعِ النَّاسَ یَذْهَبُوْنَ حَیْثُ شَاؤُوا وَکُن مَعَنَا

”اے ذریح! انھیں اپنے حال پر چھوڑ دے وہ جہاں چاہیں، جائیں جب کہ تم خود ہمارے ساتھ رہو“۔

امام علیہ السلام نے حماد سے فرمایا: مَیں نے سنا ہے کہ کوفہ اور اس کے گرد و نواح سے کچھ لوگ قبرِ حسین علیہ السلام کی زیارت کو آتے ہیں۔ ان میں سے بعض قرآن پڑھتے ہیں، بعض وعظ و نصیحت کرتے ہیں، بعض ہماری تعریف میں اشعار پڑھتے ہیں اور خواتین گریہ زاری کرتی ہیں؟

حماد نے عرض کیا: جی ہاں! میں نے خود بھی دیکھا کہ جیسے آپؑ نے فرمایا ہے، اسی طرح کرتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جس نے بعض لوگوں کو ایسا قرار دیا ہے کہ وہ باجماعت ہماری طرف آئیں اور ہمارے لیے مدح سرائی اور مرثیہ خوانی کریں، جب کہ ہمارے دشمن کو ایسا قرار دیا کہ لوگ ان کی مذمت کریں اور ان کے کاموں کو برا بھلا کہیں لیکن حرم اہلِ بیتؑ سے دھتکارے ہوئے اور شعائر الٰہی کو زندہ رکھنے سے محروم لوگوں کا تمسخر اور ٹھٹھول پن کبھی بھی محبانِ اہلِ بیتؑ کے ان اعمال کی قدر و قیمت کو کم نہیں کرسکتا جو وہ امرِ آئمہ علیہم السلام کو زندہ رکھنے کی خاطر انجام دیتے ہیں، جبکہ اُمت اسلامی نے ان افعال کو انجام دینے کے بے شمار دُنیوی و اُخروی آثار کا مشاہدہ کیا اور ان سے مستفید ہوئے ہیں"۔

رسولِ خدا سے ایک حدیث میں نقل ہوا ہے کہ آپؐ نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے فرمایا:

إِنَّ حُثَالَةً مِنَ النَّاسِ يُعَيِّرُوْنَ زُوَّارَ قُبُوْرِكُمْ كَمَا تُعَيَّرُ الزَّانِيَةُ بِزِنَاهَا أُولٰئِكَ شِرَارُ أُمَّتِي لَا أَنَالَهُمْ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

"اے علیؑ! گھٹیا اور رذیل لوگ آپ اہلِ بیتؑ کی زیارت کرنے والوں کی مذمت کریں گے جیسے زنا کی وجہ سے زناکار عورت کی کرتے ہیں۔ یہ میری اُمت کے شریر ترین لوگ ہوں گے۔ میں ہرگز ان کی شفاعت نہیں کروں گا"۔ (فرحۃ الغرّی: ابن طاوس، ص ۳۱)

آئمہ علیہم السلام کی مدح سرائی

یہ بات مسلّم اور ناقابلِ تردید ہے کہ جس کے بارے میں شعر کہے جاتے ہیں، اس کی تعریف کی جاتی ہے اور اس کا نام زندہ رکھنا اور اس کے امر کو استحکام بخشنا مقصود ہوتا ہے کیوں کہ ممکن ہے بزرگ شخصیات جس قدر بھی معروف و مشہور ہوں، مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ان کی یاد گم نامی اور ان کے آثار فراموشی کے حوالے ہوجائیں اور کوئی انھیں خاص اہمیت نہ دے، لیکن چونکہ شعر کی لوگوں میں ایک خاص تاثیر ہے، وہ اس کا استقبال کرتے ہیں،

اس کے لیے انجمنیں اور کمیٹیاں تشکیل دیتے ہیں، اسے محفوظ کرتے ہیں، وردِ زبان قرار دیتے ہیں، اسے گنگناتے ہیں، ایک کے بعد ایک نسل اس کا استقبال کرتی ہے اور ہر قوم اسے گذشتہ ملت سے سیکھتی ہے لہٰذا شعر افراد یا کسی مکتب کو زندہ رکھنے کے عوامل میں سے ایک موثر ترین عامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادبیات عرب بہت سے واقعات، جنگوں اور جاہلیت و اسلام کی سیرت کو محفوظ اور زندہ رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔

اِنِّي اِذَا اَقُلْتُ بَيْتًا مَاتَ قَائِلُهُ
وَمَنْ يُقَالُ لَهُ وَالْبَيْتُ لَمْ يَمُتْ

"جب میں کوئی شعر کہتا ہوں تو اس شعر کا کہنے والا تو آخر مر جاتا ہے، لیکن جس کے بارے میں شعر کہا جاتا ہے اس کا نام اور اس کے متعلق شعر زندہ رہتا ہے"۔

عُروہ بن اُذینہ کہتا ہے:

نُبِّئْتُ اِنَّ رِجَالًا خَافَ بَعْضُهُمْ شَتْمِيْ وَمَا كُنْتَ لِلْاَقْوَامِ شَتَّامًا
فَاِنْ يَكُوْنُوْا الْبِرَاءُ قَوْلًا لَا تَطِفْ بِهِمْ مِنْهُ شَكَاةٌ وَلَا اَسْمَعُهُمْ ذَامًا
وَ اِنْ يَجِيْئُوْ اَقَلَّ قَوْلًا لَهُ اَثَرٌ بَاقٍ يَغْنِي قَرَاطِيْسًا وَ اَقْلَامًا

"مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بعض لوگ میری گالی گلوچ سے خوف زدہ ہیں حالانکہ یہ میری عادت نہیں ہے کہ کسی کو گالیاں دوں۔ اگر وہ لوگ اچھے ہیں اور بدخصال نہیں ہیں تو میری شاعری سے انھیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی میں ان کے متعلق کوئی شکوہ و شکایت سنوں گا۔ اگر وہ کوئی ایک معمولی اور کم معنی شعر بھی بیان کریں تو پھر بھی اس کا اثر باقی اور زندہ رہے گا۔ یعنی کاغذ اور قلم کے اثرات میں پائیداری ہے۔ ان کا اثر ہمیشہ زندہ رہتا ہے"۔

چونکہ ذکر اہلِ بیت علیہم السلام دین کے استحکام اور معاشرے کی اصلاح کی بنیاد ہے اور اس ذریعے سے ان کی تعلیمات سیکھی جاتی ہیں اور ان کے آثار کو زندہ رکھا جاسکتا ہے۔ لہٰذا

انھوں نے اپنے دوستوں اور شیعوں میں یہ جذبہ رکھنے کے لیے جو مصائب اور مشکلات برداشت کیں، ان کو بیان کرنے سے استفادہ کریں۔ کیونکہ یہ چیز ان کے امر کو زندہ رکھنے کا باعث ہوگی۔ خداوند قدوس ان پر اپنی رحمت نازل کرے جو امر آئمہ کو زندہ رکھیں اور لوگوں کو ان کی یاد کی طرف دعوت دیں۔

اہلِ بیت علیہم السلام سے منقول روایات میں اس مطلب کی طرف بہت زیادہ تاکید و ترغیب دلائی گئی ہے۔ ان کی مدح وثنا خواہ نظم کی صورت میں ہو یا نثر کے سانچے میں، انھوں نے اسے فضائل اور اشاعت شمار کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

مَن قَالَ فِينَا بَيْتُ شِعرٍ بَنَى اللهُ تَعَالَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

"جو کوئی ہمارے بارے میں شعر کہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے"۔

بعض دوسری روایات میں کلمہ شعر کے بعد فرمایا ہے:

.....حَتّٰى يُؤَيَّدَ بِرُوحِ الْقُدُسِ

"حتیٰ کہ روح القدس کے ذریعے اس کی تائید فرمائی ہے"۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ایک روایت میں فرماتے ہیں:

مَا قَالَ فِينَا مُؤْمِنٌ شِعْرًا يَمْدَحُنَا بِهٖ إِلَّا بَنَى اللهُ تَعَالَى لَهُ مَدِيْنَةً فِي الْجَنَّةِ أَوْسَعَ مِنَ الدُّنْيَا سَبْعَ مَرَّاتٍ يَزُوْرُهٗ فِيْهَا كُلُّ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَكُلُّ نَبِيٍّ مُرْسَلٍ.....

"جو مومن شعر کے ذریعے ہماری مدح کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک شہر تعمیر کردیتا ہے جو دنیا سے سات گنا بڑا ہے کہ تمام مقرب فرشتے اور تمام انبیائے مرسلینؑ اس میں مومن کی زیارت کرتے ہیں"۔ (عیون اخبار الرضاؑ: ج۱، ص۷)

جب اہلِ بیتؑ کے مشہور ومعروف شاعر کمیت بن زید نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

کے سامنے اپنا معروف شعر مَن لِقَلبٍ مُتَیَّمٍ مُستَهَامٍ پڑھا تو آپؑ نے اس کے لیے دعائے خیر کی اور فرمایا: "مجھے اُمید ہے کہ جب تک تم ہماری مداحی کرو گے مسلسل تمھیں روح القدس کی تائید حاصل رہے گی"۔

ایک دفعہ کُمیت نے ایامِ تشریق (یعنی: عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن: گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ) میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اجازت طلب کی کہ ان کے حضور میں ایک قصیدہ پڑھے۔ امام علیہ السلام پسند نہیں فرماتے تھے کہ ایسے عظیم اور مبارک ایام شعروشاعری کی نظر کریں، لہٰذا انھوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ کُمیت نے جواب میں عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! یہ اشعار اہلِ بیت علیہم السلام کی مدح میں ہیں۔ جوں ہی امام علیہ السلام نے یہ سنا اور سوچا کہ یہ اشعار امر آئمہؑ کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہیں اور ان کا ذکر ضروری ہے تو انھوں نے کُمیت کو اجازت دی کہ اپنے لکھے ہوئے اشعار پڑھے۔ اس کے بعد اپنے اہلِ خانہ کے کچھ افراد کو دعوت دی کہ وہ بھی آکر کُمیت کے اشعار سنیں۔

کُمیت نے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ حاضرین نے گریہ وزاری کی۔ جب کُمیت نے یہ شعر پڑھا:

يُصِيبُ بِهِ الرَّامُونَ عَن قَوسِ غَيرِهِم
فَيَا آخِرًا اَسدِی لَهُ الغَیِّ اَوَّلُ

"اُنھیں تیر اندازوں نے دوسروں کی کمان سے ہدف بنایا اور اس بات کو غور سے سنیے کہ پہلے نے آخری کی رہنمائی ہی غلط کی تھی"۔

تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اغفِرْ لِلکُمَیتِ مَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ وَمَا اَسَرَّ وَاَعلَنَ وَاَعطِهِ حَتّٰی یَرضٰی (الاغانی ابوالفرج اصفهانی: ج۱۵، ص ۱۱۸۔ معاہد التنصیص: ج ۲، ص ۲۷)

"پروردگارا کُمیت کے اگلے پچھلے اور مخفی وظاہری گناہ معاف کر دے اور

اسے اتنا عطا کر کہ یہ راضی ہو جائے"۔

حضرت امام جواد علیہ السلام نے عبداللہ بن صلت کی جانب سے اجازت طلب کرنے پر اسے اجازت دی کہ وہ ان اور ان کے پدر بزرگوار امام علی رضا علیہ السلام کے لیے مرثیہ خوانی و نوحہ سرائی کرے۔

ابوطالب نے حضرت امام جواد علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں اس نے امام ہشتمؑ کے بارے میں مرثیہ کے چند اشعار لکھے اور درخواست کی کہ اُسے یہ اشعار پڑھنے کی اجازت عنایت فرمائی جائے۔ حضرتؑ نے ابوطالب کے خط سے ان اشعار کو جدا کر کے اپنے پاس محفوظ کر لیا اور اس صفحہ کے ذیل میں ابوطالب کے نام لکھا:

قَدْ اَحْسَنْتَ وَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا

"یقیناً! تم نے اچھا کیا ہے اور خدا تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے"۔

(رجال کشی: ص ۵۶۸، ابوطالب، وہی عبداللہ بن صلت ہے)

جعفر بن عفان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور شرف یاب ہوا۔ آپؑ نے فرمایا: مَیں نے سنا ہے کہ تم میرے جد بزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق بہت اچھے شعر کہتے ہو؟ جعفر نے عرض کیا: جی ہاں! اے فرزند رسولؐ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسے پڑھنے کو کہا: جب اس نے اشعار پڑھنا شروع کیے تو امام علیہ السلام نے اس قدر گریہ فرمایا کہ آنسو آپؑ کے رخسار اور ریشِ مبارک پر بہنے لگے۔

آپؑ نے جعفر سے فرمایا: یہاں پر خدا کے مقرب فرشتے بھی موجود تھے۔ انھوں نے بھی یہ اشعار سنے ہیں اور میری طرح بلکہ مجھ سے زیادہ گریہ کیا ہے۔ خدا نے تمھارے گناہ معاف کر دیے ہیں اور تم پر بہشت واجب کر دی ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

مَنْ قَالَ فِى الْحُسَيْنِ شِعْرًا فَبَكٰى وَاَبْكٰى بِهٖ اِلَّا وَاَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ وَغَفَرَ لَهُ

"جو کوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں شعر کہے، روئے اور

رُلائے خداوند متعال اس کے گناہ معاف اور اس کے لیے بہشت واجب کر دیتا ہے"۔ (رجال کشی: ص ۲۸۹، حدیث ۵۰۸)

جعفر بن عفان طائی شیعہ اور آئمہ علیہم السلام کے مخلصین میں سے تھا۔ علمائے رجال نے اس کی بہت زیادہ تعریف و توثیق کی ہے۔ وہ وہی ہے کہ جس نے مروان بن ابی حفصہ کے شعر کا جواب دے کر اسے رد کیا۔ مروان نے کہا تھا:

خَلُّوا الطَّرِيْقَ لِمَعشَرٍ عَادَاتِهِمْ حَطْمُ الْمَنَاكِبِ كُلِّ يَوْمٍ زُحَامٍ
اَرضُوا بِمَا قَسَمَ الْاِلٰهُ لَكُمْ بِهٖ وَ دَعُوْا وَرَاثَةَ كُلِّ اَصِيْدٍ حَامٍ
اِنّي يَكُوْنُ وَلَيْسَ ذَاكَ بِكَائِنٍ لِبَنِي الْبَنَاتِ وَرَاثَةِ الْاَعْمَامِ

(الاغانی: ج ۱۲، ص ۱۷)

"اس گروہ کے لیے راستہ خالی کر دو کہ جن کی عادات میں شامل ہے کہ وہ ہر پُرہجوم دن شانوں کو توڑتے ہیں۔ اللہ کی اس تقسیم پر راضی رہو جو اس نے تمھارے لیے مقرر کر دی ہے اور ہر گھر کے اقربا کے لیے وراثت رہنے دو۔ یہ نہ ہو سکتا ہے اور نہ کبھی ایسا ہو گا کہ چچاؤں کی میراث بیٹیوں کے بیٹوں میں تقسیم کر دی جائے"۔

جعفر بن عفان نے اس کے جواب میں لکھا:

لَم لَا يَكُوْنُ وَ اِنَّ ذَاكَ لَكَائِنٌ لِبَنِي الْبَنَاتِ وراثة الْاَعْمَامِ
لِلْبِنْتِ نِصْفُ كَامِلٌ مِنْ مَالِهٖ وَالعَمّ مَتْرُوْكَ بِغَيْرِ سِهَامٍ
مَا لِلطَّلِيْقِ وَلِلتُّرَاثِ وَاِنَّمَا صَلَّى الطَّلِيْقُ مَخَافَةَ الصَّمْصَامِ

(الاغانی: ج ۹، ص ۴۵)

"بیٹی کے بیٹوں کو میراث کیوں نہ ملے؟ اور یہ امر یقینی ہے کہ چچاؤں کی وراثت سے بیٹیوں کے بیٹوں کو حصہ ملتا ہے۔ بیٹی کو اس کے پورے مال کا نصف دیا جاتا ہے جب کہ چچا کا اس میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔ ایک آزاد کردہ غلام وہ کیسے ورثے کی بات کرتا ہے؟ ایک آزاد کردہ غلام اگر نماز پڑھتا ہے تو وہ بھی تلوار کے خوف سے"۔

کچھ لوگ حضرت امام علی رضاعلیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو غمگین و افسردہ پایا۔ اُنھوں نے اس کی وجہ پوچھی تو حضرتؑ نے فرمایا: میں گذشتہ رات مروان بن ابی حفصہ کے اشعار کی فکر میں تھا لہٰذا مجھے نیند نہیں آئی۔ کافی وقت گزر جانے کے بعد جب نیند آئی تو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص دروازے کی زنجیر پکڑ کر کہہ رہا ہے:

اَنّٰی یَکُوْنُ وَلَیْسَ ذَاكَ بِکَائِنٍ	لِلْمُشْرِکِیْنَ دَعَائِمُ الْاِسْلَامِ
لِبَنِی الْبَنَاتِ نَصِیْبُھُمْ مِنْ جَدِّھِمْ	وَالْعَمُّ مَتْرُوْكٌ بِغَیْرِ سِھَامٍ
مَا لِلطَّلِیْقِ وَلِلتُّرَاثِ وَ اِنَّمَا	سَجَدَا الطلیقُ مُخَافَةَ الصَّمْصَامِ
قَدْ کَانَ اَخْبَرَكَ الْقُرآن بِفَضْلِهٖ	فَمَضَی الْقَضَاءُ بِهٖ مِنَ الحکَامِ
اِنَّ ابْنَ فَاطِمَةَ الْمنوّهِ بِاسمهٖ	حَازَ الْوِرَاثَةَ عَنْ بَنِی الْاَعْمَامِ
وَبَقِیَ ابْنُ نَثْلَةَ وَاقِفًا مترددًا	یَبْکِی وَیسعدہ ذَوُوْ الْاَرْحَامِ

”یہ کیسے ہوسکتا ہے اور نہ ایسا کبھی ہوگا۔ اسلام کے ستون مشرکین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ نواسوں کو اپنے نانا کی میراث سے حصّہ ملتا ہے، لیکن چچا محروم رہتا ہے۔ اُسے کچھ نہیں ملتا۔ عجیب ہے کہ ایک آزاد کردہ غلام میراث کے بارے میں کیسے بات کرسکتا ہے؟ حالانکہ اس نے تلوار کے خوف سے کلمۂ توحید پڑھا اور اُس ذات کا سجدہ کیا ہے۔ قرآن مجید نے آپ کو اس کی فضیلت سے پہلے ہی باخبر کر رکھا ہے اور قاضیوں نے اس کے متعلق حکم جاری کردیا ہے۔ بے شک! حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے بیٹے نے اپنے ارادے کے مطابق اپنے چچاؤں کے بیٹوں سے میراث پائی ہے۔ ابن نثلہ حیران و پریشان کھڑا رو رہا تھا اور اِس کے رشتہ دار خوش ہو رہے تھے“۔ (عیون اخبار الرضا: ج ۲، ص ۱۷۶، طبع طوس قم۔ احتجاج طبرسی، ص ۲۱۴)

مروان بن ابی حفصہ نے یہ معانی و مفہوم تمام بن معبد بن عباس بن عبدالمطلب کے شعر سے چوری کیے تھے۔ واقعہ کچھ اس طرح سے تھا کہ ایک دن عبیداللہ ابی رافع

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور کہا: اَنَا مَولاکَ "میں آپؑ کا آزاد شدہ غلام ہوں"۔ کیوں کہ عبیداللہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے زمانے میں ان کا کاتب تھا، جب تمام بن معبد نے عبیداللہ سے یہ بات سنی تو اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

جَحَدَت بَنِي العَبَّاسِ حَقَّ أَبِيهِمُ   فَمَا كُنتَ فِي الدَّعوىٰ كَرِيمَ العَوَاقِبِ
مَتَىٰ كَانَ أَولَادُ النَّبِيِّ كَوَارِثٍ   يَجُوزُ وَيدعىٰ وَالِدًا فِي المَنَاسِبِ

"عباس بن عبدالمطلب کی اولاد نے اپنے باپ کے حق سے انکار کر دیا اور تو اپنے دعویٰ کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ جب نبیؐ کی اولاد کو وارث کی طرح وراثت دی گئی تو پھر یہ کیسے جائز ہے کہ وہ اپنے والد سے تعلق ثابت کر کے وراثت کے دعوے دار ہوں"۔ (طبقات الشعراء ابن معتز: ص ۱۵)

مروان بن ابی حفصہ کے مختصر حالاتِ زندگی

مروان عزبور بن سلیمان بن یحییٰ[1] بن ابی حفصہ یہودی الاصل تھا، اسے مروان بن حکم نے مسلمان کیا۔ کہتے ہیں کہ یہ اصطخر شیراز کے اسیروں میں سے تھا اور اسے مروان بن حکم نے عثمان بن عفان سے خریدا تھا۔ یہ یوم الدار کے واقعہ میں مروان کے ساتھ تھا۔ جب مروان بن حکم زخمی ہوا تو اس کے اسی غلام یعنی مروان بن ابی حفصہ نے اسے اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور کھینچتا ہوا لے گیا۔ مروان کو اس طرح سے لے جانے کی وجہ سے تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے بلند آواز سے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔

ابن ابی حفصہ نے اس سے کہا: اُسکت اِن اعلمُوا بِکَ قُتِلتَ، "شور و غوغا مت مچاؤ اگر انھیں تمھارے بارے میں علم ہو گیا تو تمھیں قتل کر دیں گے"۔ وہ اسے اٹھا کر عنزہ قبیلہ کی ایک عورت کے گھر لے گیا، اس کا وہاں پر علاج معالجہ کیا۔ جب وہ صحت یاب ہو گیا تو اس نے مروان بن ابی حفصہ کو آزاد کر دیا۔ یہ جنگِ جمل اور مرج راھط میں مروان بن حکم کے لشکر میں شامل تھا۔ (الاغانی: ج ۹، ص ۳۴)

---

[1] طبقات الشعراء ابن معتز: ص ۱۵

صالح بن عطیہ اضجم کہ جو مروان بن ابی حفصہ کے شعر اَنّٰی یَکُوْنُ وَلَیْسَ ذَاکَ بِکَائِنٍ کی وجہ سے غضب ناک ہوا تھا، اس کے بہت قریب ہوگیا اور ایک مدت تک خدمت گار کے عنوان سے اس کے کام کاج کرتا رہا۔ مروان اور اس کا خاندان مکمل طور پر اس سے مطمئن تھا۔ ادھر صالح موقعہ کی تلاش میں تھا کہ اس سے انتقام لے۔ ایک دن مروان بیمار ہوا تو صالح اس کی دیکھ بھال میں مشغول ہوگیا۔ جب اس کے پاس صالح کے علاوہ اور کوئی بھی نہ تھا تو اس نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار دیا۔ چونکہ ایک مدت سے صالح ان کا مورد اعتماد شخص تھا لہٰذا کسی نے بھی اس پر شک نہیں کیا۔ (الاغانی: ج۹، ص ۳۶)

شاعر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے لیے خدا کے نزدیک ایسا ثواب ہے جو عظیم اور ناقابلِ توصیف ہے۔ وہ بہشت میں جس جگہ پر قیام کرنا چاہے گا خدا اسے وہی جگہ عطا کرے گا اور اسے بہشت کے حجروں میں سے قرار دے گا، کیوں کہ بلند فریاد اور صدائے رسا کے باعث اس کا شمار بھی خدا کی طرف دعوت دینے والوں، کلمۂ حق کو آشکارا کرنے والوں اور دین خدا کی مدد کرنے والوں میں سے ہوتا ہے۔ وہ کلمۂ حق کے ذریعے اصلاح کا پرچم بلند اور اس کے مبانی کو محکم کرتا ہے، وہ باطل کو پائے مال، مذہب کے راستے میں بکھرے ہوئے کانٹوں کو چنتا اور سُرعت سے اس کا واضح راستہ کھولتا ہے۔

اس کے باوجود کہ آئمہ علیہم السلام تقیہ کے بارے میں بڑے حساس تھے اور اپنے شیعوں کو تقیہ کرنے کی ترغیب دلاتے لیکن کسی بھی امام کو نہیں دیکھا گیا کہ اس نے حقائق کو بیان اور باطل کو افشا کرنے کے لیے شُعرا کو اشعار سے منع کیا ہو۔ جب کہ شُعرا دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے خوف، دوستی و ولایت کا کھلم کھلا اظہار کر کے اور ان کی سیرت پر عمل کرنے کی طرف دعوت دینے کی وجہ سے ہمیشہ مخفی جگہوں میں چھپ کر رہتے اور ان کا کوئی خاص ٹھکانا اور اَتا پتا وغیرہ نہیں ہوتا تھا۔ جیسے کیت، دعبلِ خزاعی اور ان کے مانند دوسرے شُعرا نہ صرف یہ کہ آئمہ علیہم السلام انھیں منع نہیں کرتے تھے بلکہ انھیں شوق دلاتے، ان کی تعریف کرتے، انھیں ہدیہ جات عطا کرتے اور انھیں اس کام کو انجام دینے پر ملنے والے ثواب کی خوش خبری سنا کر ان کے اندر یہ جذبہ پیدا کرتے کہ وہ اس راستے پر چلتے رہیں۔

ان کی تائید اور انھیں تاکید کرنے کی علت یہ تھی کہ آئمہ علیہم السلام جانتے تھے کہ خلافت و الٰہی کی نشر و اشاعت اور ولایت کی اساس کو آمادہ کرنے کے لیے حقائق اور ان کے امر کی حقانیت کو بیان کرنا ہر چیز سے زیادہ مؤثر تر اور مفید تر ہے تاکہ اس طریقہ سے صدائے حق تمام لوگوں کے کانوں تک پہنچے اور آنے والی نسلوں کی طرف منتقل ہو۔ دین کو قدامت کی طرف نہ کھینچا جائے اور امنائے وحی نے کلمۂ حق کی بلندی کے لیے جو قربانیاں دی ہیں، ختم نہ ہونے پائیں۔

اگر حجر بن عدی، عمرو بن حمق اور میثم تمار جیسے بے مثال انسانوں اور بزرگانِ شیعہ کا قیام نہ ہوتا، وہ حفاظت دین کے لیے جاں نثاری نہ کرتے اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ کے مقابلے میں کھڑے نہ ہوتے تو آج کی نسلیں آئمہ علیہم السلام کی شخصیت اور ان کے دشمنوں کے ناپاک مقاصد کو نہ سمجھ سکتیں۔

اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰی فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ

□□□

حضرت امام حسینؑ اہلِ بیتؑ کو اپنے ہمراہ کیوں لے کر گئے؟

اس سوال کے جواب میں بہت سے مطالب بیان کیے گئے ہیں کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو بخوبی معلوم تھا کہ ان اور ان کے اہلِ بیتؑ کے ساتھ کیا گزرے گی تو پھر وہ خواتین اور بچوں کو اپنے ہمراہ کربلا کیوں لے کر گئے تھے؟ اس سوال کا بہترین اور دُرست ترین جواب یہ ہے کہ چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ کربلا میں قتل کیے جائیں گے اور اگر ان کے قتل ہونے کے بعد کوئی ایسا نہ ہوتا جو آپؑ کے مشن کی حفاظت کرتا تو آپ کا اور دوسرے شہدا کا خون ضائع ہوجاتا، لہٰذا اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لیے ضروری تھا کہ ایسے لوگ ساتھ ہوں جو ایمان سے مملو دل اور تند و تیز اور بلیغ زبان کے ذریعے ان انحرافات اور ستم کاریوں کو بیان کرسکیں جو ابن میسون اور پسرِ مرجانہ نے ذُریت پیغمبرؐ کے ساتھ روا رکھے اور اُمت کو آگاہ کریں کہ ذُریت پیغمبرؐ نے ان منکرات اور بدعتوں کے خلاف قیام کیا جو بنی اُمیہ نے شریعت مقدس اسلام کے اندر وجود میں لائیں اور بنی اُمیہ نے اپنا مقام بچانے اور اپنا ظالمانہ تسلط قائم رکھنے کے لیے اہلِ بیتؑ کو قتل کرنے کا اقدام کیا!!

اس میں شک نہیں کہ حضرت امام حسینؑ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ بزرگانِ دین نے چپ سادھ رکھی ہے اور ظاہری طور پر اظہارِ دین کا بھی انکار کرتے ہیں۔ انھوں نے حکومتِ ظلم و ستم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اور پاؤں یوں زنجیرِ ستم سے باندھ رکھے ہیں کہ وہ کوئی چھوٹی سی ایسی حرکت بھی انجام نہیں دیتے تھے کہ جو بنی اُمیہ سے نفرت اور ان کی رُسوائی کو بیان کرتی ہو۔ اس پر شاہد عبداللہ بن عفیف ازدی کا واقعہ ہے کہ جو ظالمانہ تسلط اور بزرگانِ دین کی خاموشی کی حکایت کرتا ہے۔ (1)

---

(1) سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب "لہوف" میں لکھا ہے: ابن زیاد حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کروانے کے بعد منبر پر گیا اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَظْهَرَ الْحَقَّ وَاَهْلَهُ وَنَصَرَ اَمِیرَ الْمُؤْمِنِینَ وَاَتْبَاعَهُ وَقَتَلَ الْکَذَّابَ بْنَ کَذَّابٍ "سب تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں کہ جس نے حق اور اہلِ حق کو کامیابی ⇐

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے سفر کے تمام پروگراموں اور کاموں کی تدبیر خواتین کو بتائی اور مشکلات و مصائب کے مقابلے میں صبر و استقامت کی ذمہ داری ان کے کاندھوں پر ڈالی کہ وہ پہاڑ کے مانند ان کے مقابلے میں استحکام اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں اور خرافات و جہالت میں ڈوبے ہوئے اس گروہ کے چہرے سے نقاب اُٹھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔ ان گمراہ لوگوں کی سیاہ کاریوں کے نتائج لوگوں کے سامنے عیاں کریں کہ یہ دین کو نابود کرنا چاہتے ہیں اور ان پر واضح کریں کہ شہدائے کربلا نے اپنے امامؑ کے ساتھ مل کر جو قیام کیا اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان کے جد امجد رسولؐ خدا کی شریعت کو زندہ رکھنا چاہتے تھے۔

مخدراتِ اہلِ بیتؑ اگرچہ خطرناک اور غم آور مشکلات و مصائب سے گزر رہی تھیں

⇦ عطا کی، امیر المومنین (یزید) اور اس کی پیروی کرنے والوں کو کامیاب کیا، جھوٹے کے بیٹے جھوٹے کو قتل کیا"۔

ابن زیاد کی یہ لاف زنی سن کر عبداللہ بن عفیف کہ جو شیعہ زہاد و مبارزین میں سے تھے اور اپنی ایک آنکھ جنگِ جمل جب کہ دوسری جنگِ صفین میں کھو بیٹھے تھے، کھڑے ہوئے اور کہا:

يَابْنَ مَرجَانَةَ إِنَّ الْكَذَّابَ ابْنَ كَذَّابٍ أَنْتَ وَأَبُوكَ وَمَنِ اسْتَعْمَلَكَ وَأَبُوهُ، يَاعَدُوَّ اللهِ أَتَقْتُلُونَ أَبْنَاءَ النَّبِيِّينَ وَتَتَكَلَّمُونَ بِهٰذَا الْكَلَامِ عَلٰى مَنَابِرِ الْمُؤْمِنِينَ "اے ابن مرجانہ! تو، تیرا باپ اور وہ جس نے تمھیں استعمال کیا اور اس کا باپ کذاب ابن کذاب ہے، اے دشمنِ خدا! کیا اولادِ انبیاء کو قتل کرتے ہو اور مومنین کے منبر پر بیٹھ کر ایسی گفتگو کرتے ہو؟!

ابن زیاد نے غصے کے عالم میں پوچھا: ایسی گفتگو کرنے والا کون ہے؟ قبل اس کے کہ کوئی اور جواب دیتا، عبداللہ بن عفیف ازدی نے خود کھڑے ہو کر جواب دیا:

أَنَا مُتَكَلِّمٌ، يَاعَدُوَّ اللهِ! أَتَقْتُلُ الذُّرِّيَّةَ الطَّاهِرَةَ الَّتِي قَدْ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهَا الرِّجْسَ وَتَزْعَمُ أَنَّكَ عَلٰى دِيْنِ الْإِسْلَامِ؟ وَاغَوْثَاهُ أَيْنَ أَوْلَادُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ لَا يَنْتَقِمُوْنَ مِن طَاغِيَتِكَ اللَّعِيْنِ ابْنِ اللَّعِيْنِ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ رَسُولِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ "اے دشمنِ خدا! میں بات کر رہا ہوں، کیا تو ذریتِ طاہرہؑ کہ خدا نے جس سے رجس کو دور رکھا ہے، کو قتل کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ تو دین اسلام پر ہے؟ مہاجرین و انصار کی اولاد کہاں ہے؟ وہ رسولؐ خدا کے بقول لعین بن لعین سے انتقام نہیں لیں گے؟"

لیکن اس کے باوجود انھوں نے انقلاب کربلا کی رہبری اور دین مقدس اسلام کا دفاع کرنے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔

ان میں سے ایک دختر امیرالمومنین عقیلۂ بنی ہاشم سلام اللہ علیہا تھیں کہ جنھیں اسیری، غم زدہ دل، عزیز و اقارب کو ہاتھ سے کھو بیٹھنے، دشمنوں کی شماتت و خوشی، عورتوں کے گریہ و شیون، بچوں کے استغاثہ و فریاد اور بیمار کربلا کی آہ و بکا جیسی انتہائی جان لیوا مشکلات و آفات سخت پریشان کر رہی تھیں۔ اس کے باوجود کہ وہ وحشت ناک مشکلات کے گرداب میں غرق اور دشمن کے خونیں پنجوں میں گرفتار تھیں پھر بھی ذلت کے سامنے نہ جھکیں اور مناسب اوقات میں مثلِ صاعقہ چمکیں اور دشمن پر حملہ آور ہوئیں۔ یکہ وتنہا ہیں، کوئی حامی و مددگار نہیں، کوئی اسلحہ نہیں۔

صورتِ حال ایسی ہے کہ بیمار کربلا حضرت زین العابدینؑ کے سوا کوئی مرد ساتھ نہیں، جو کمزور و ناتواں ہو چکے ہیں اور اسی طرح غم دیدہ شدتِ پیاس کی وجہ سے بے جان و بے رمق کچھ خواتین اور بیٹیوں کے علاوہ کوئی عورت بھی ساتھ نہیں جب کہ انھوں نے سیّد کائنات مولائے شش جہات حسین علیہ السلام اور ان کے باوفا اصحاب کے مبارک سر نیزوں پر بلند کیے ہوئے دیکھے۔ بیابان میں شہدا کے پارہ پارہ بدن دیکھے کہ جن پر سورج چمک رہا تھا۔

ان مصائب و مشکلات میں سے کوئی ایک ہی اس کے لیے کافی تھی کہ بڑے سے بڑے اور طاقتور ترین شخص کو زمین پر دے مارا اور انسان کو وحشت زدہ اور حیران و پریشان کر دے۔ اس کے باوجود ابن زیاد کہ جو ایک بدنہاد دشمن تھا، کے مقابلے میں کسی خوف و خطرے کے بغیر قلبی اطمینان اور ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹ گئیں اور اپنے بابا علیؑ کے لہجے میں

---

① ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کیا جائے، اس کے ٹکڑوں پر پلنے والوں نے حملہ کر کے انھیں گرفتار کر لیا لیکن ان کی اولاد اور قبیلہ ازد کے لوگوں نے انھیں آزاد کرا لیا اور مسجد سے باہر لے گئے۔ ابن زیاد مارگزیدہ انسان کی طرح غصے سے تڑپ رہا تھا، اس نے حکم دیا کہ اسے دوبارہ گرفتار کر کے اس کے پاس لایا جائے۔ قبیلہ ازد کے لوگ پھر اکٹھے ہو گئے اور انھیں گرفتار نہ کرنے دیا۔ اس واقعہ میں بہت سے افراد قتل اور زخمی بھی ہوئے۔ آخرکار وہ عبداللہ کے گھر میں گھس گئے اور انھیں پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ وہاں پر ابن زیاد اور عبداللہ کے درمیان بہت سی گفتگو ہوئی۔ آخرکار ابن زیاد کے حکم کے مطابق انھیں قتل کر کے ان کی لاش تختۂ دار پر لٹکا دی گئی۔

ایسی گفتگو کی جو شمشیر سے زیادہ برندہ اور موثر تھی۔ ابن مرجانہ پر ایسی کاری ضربت لگائی کہ جو تا قیامِ قیامت بھر نہ سکے گی۔ مجسمۂ جرأت حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اس سے کہا:

هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ، فَبَرَزُوا اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ وَسَيَجْمَعُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ، فَتَحَاجُّ وَتَخَاصَمُ، فَانْظُرْ، لِمَنِ الْفَلَجُ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا ابْنَ مَرْجَانَه

''اے پسرِ مرجانہ! خداوند نے بعض مصلحتوں کی وجہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے لیے شہادت مقدر فرمائی تھی۔ انھوں نے بھی اپنے وظیفہ پر عمل کیا اور مقامِ شہادت پر فائز ہوئے، لیکن عنقریب خداوند تمھیں اور انھیں ایک مقام پر اکٹھا کرتے ہوئے فیصلہ کرے گا۔ اچھی طرح سے نگاہ کرو اور اب اس دن کی فکر میں رہو۔ اے ابن مرجانہ! تمھاری ماں تمھارے غم میں بیٹھے۔ یہ تم ہی ہو کہ جو اپنے کیے پر خدا کی بارگاہ میں ضرور جواب دہ ہوگا''۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یزیدیوں کی خباثتوں اور پستیوں کو یوں آشکارا کیا اور ان کی بے ہودہ کاریوں کی قباحتوں کو یوں برملا بیان کیا کہ قیامت تک کسی بھی پانی سے نہیں ڈھل سکیں گی۔

جیسا کہ بی بی نے کُناسہ [1] کے مقام پر ایک خطاب کیا اور لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، اور ناراحتی (ورنجیدگی) کی وجہ سے ان کے پاس گریہ زاری کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہ بچا، یہاں پر بھی انھوں نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

وَاَنّٰى يُرْخَصُ عَنْهُمُ الْعَارُ بِقَتْلِهِمْ سَلِيْلَ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ وَسَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ، وَقَدْ خَابَ السَّعْيُ وَتَبَّتِ الْاَيْدِيْ وَخَسِرَتِ الصَّفْقَةُ وَبَاؤُا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَخِزْيٌ فِي الْآخِرَةِ وَلَعَذَابُ اللّٰهِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

---

[1] کُناسہ کوفہ میں ایک محلے کا نام ہے کہ جہاں پر زید بن علی کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔

"جن کے ہاتھ فرزند پیغمبر، مرکز رسالت اور اہلِ بہشت کے جوانوں کے سردار کے خون سے آلودہ ہو چکے ہوں، وہ کس طرح دُھل سکیں گے؟ ٹوٹ جائیں وہ ہاتھ جو ان کے پاکیزہ خون سے رنگین ہوئے، ناکام و نامراد رہیں وہ لوگ کہ جنھوں نے اس راستے میں کوشش کی، گھاٹا ہو اس معاملے میں جو اُنھوں نے انجام دیا۔ غضبِ خدا اور ذلت و خواری میں گرفتار ہوں کہ جنھوں نے یہ خیانت کی ہے اور وہ جان لیں کہ عذابِ خدا ان کے تصور سے کہیں زیادہ اور بڑا ہوگا"۔

جوں ہی حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی گفتگو ختم ہوئی تو سیّدالشہداؑ کی بیٹی جنابِ فاطمہ علیہا السلام اپنی جگہ سے اُٹھیں اور انتہائی خوبصورت اور جذباتی لیکن بڑے سنجیدہ اور پُروقار انداز میں اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ جنابِ فاطمہؑ کی گفتگو کے لفظ لفظ نے ان کے دلوں پر تیر و تلوار کا کام کیا اور وہ بے حد متاثر ہوئے۔ اُنھوں نے ان کے ایک ایک ظلم و ستم کی نشان دہی کی کہ جس کا یزیدیوں نے ارتکاب کیا تھا۔ ان لوگوں نے بلند بلند گریہ کرنا شروع کر دیا اور کہا:

فَقَدْ اَحرَقْتِ قُلُوْبَنَا وَ اَنْضَجْعْتِ نُحُوْرَنَا

"اے دخترِ پیغمبرؐ! بس کریں آپؑ نے غم و اندوہ سے ہمارے دلوں کو تڑپایا اور ہمارے گلوں کو بھینچ دیا ہے"۔

ابھی فاطمہؑ بنتِ حسینؑ گفتگو کر رہی تھیں کہ جنابِ اُمِ کلثومؑ بنت علیؑ بن ابی طالبؑ نے گفتگو کرنا شروع کر دی۔ ان کی گفتگو سن کر لوگ سمجھ گئے کہ اُنھوں نے کتنی بڑی اور ہولناک جنایت کا ارتکاب کیا۔ لہٰذا وہاں پر موجود عورتوں اور مردوں نے اس قدر بلند آواز سے چیخ چیخ کر گریہ زاری شروع کر دی کہ اس دن تک ایسا منظر دیکھا نہیں گیا تھا۔ [1]

میں آپؑ کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ ان خطرناک حالات میں جہاں پر ہر طرف سے بنی اُمیہ کی تلواروں سے خون ٹپک رہا تھا کس میں اتنی جرأت تھی کہ ایک لفظ تک بولتا اور ہند جگر خوار کے بیٹے یزید اور ابن مرجانہ کے ظلم و ستم کو علانیہ طور پر بیان کرتا، خواہ

---

[1] کربلا کی ان تینوں مخدرات کی گفتگو اس کتاب کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

اس کے پیچھے جتنی بڑی خاندانی قوت ہی کیوں نہ ہوتی؟! کیا علیؑ کی بیٹیوں کے علاوہ کسی میں اتنی جرأت تھی؟...... نہیں، ہرگز نہیں۔ وہ لوگ یوں خاموش کھڑے ہوئے تھے جیسے ان کی زبانوں پر دنیا بھر کے تالے لگ گئے ہوں۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیریں ڈال دی گئی ہوں اور دنیا بھر کے خطرات ان کے دلوں میں بھر دیے گئے ہوں۔

ہاں! اگر اس طرح کے کام دنیا اور خواہشات نفس کے لیے انجام دیے جائیں تو یہ انتہائی قبیح اور مسخرہ پن ہے اور اگر دینی مصلحتوں اور مذہبی جذبوں کے تحت ہوں، اگر تمنا یہ ہو کہ دین پیغمبرؐ کو ان بدعتوں اور بے ہودگیوں سے پاک صاف کرنا ہے جو اس کے ساتھ چپکا دی گئی ہیں تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ یہ کام عقل وخرد کے نزدیک برا نہیں بلکہ شریعت اور معاشرہ بھی اس کی تائید وتحسین کرتا ہے۔

اگرچہ خداوند متعال نے عورت کو جہاد کرنے اور دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہونے سے منع فرمایا ہے اور اس پر واجب ٹھہرایا ہے کہ وہ گھر میں رہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مرد وافر مقدار میں موجود ہوں اور اس کے لیے اقدام بھی کریں لیکن اگر حق کی بقا صرف عورت کے قیام کرنے پر موقوف ہو، یوں کہ اگر وہ دشمن کے خلاف نہ اُٹھے اور اس کے خلاف میدان میں نہ اُترے تو دین وشریعت کی بنیاد واساس نابود اور ان پاکیزہ ہستیوں کی فداکاری وجاں نثاری نقش برآب ہوجائے گی تو اس صورت میں عورت پر واجب ہے کہ وہ قیام کرے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان نبرد میں اُترے۔

اسی دلیل کی بنا پر ہی تو سیدۃ نساء العالمین حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے امیر المومنین علیہ السلام کہ جنھیں خانہ نشین کردیا گیا تھا کی خلافت وولایت کا دفاع کرنے کے لیے قیام کیا۔ مسجد نبویؐ میں تشریف لے گئیں اور مہاجرین وانصار کے جم غفیر میں انتہائی تند وتیز اور آتشیں خطبہ ارشاد فرمایا۔

علاوہ ازیں حسین بن علی علیہما السلام نے اپنے جد رسولؐ خدا سے سنا ہوا تھا اور انھیں یقین تھا کہ دشمن ان پر جتنا بھی ظلم وستم کرے لیکن مخدرات عصمت وطہارت کے ساتھ دست درازی نہیں کرپائے گا، جیسا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے آخری وداع کے وقت خیمہ گاہ سے میدانِ نبرد کی طرف روانہ ہوتے وقت انھیں خبر دی اور فرمایا:

اَلبِسُوا اُزُرَكُمْ واستَعِدُّوا لِلبَلَاءِ وَاعلَمُوا اَنَّ اللهَ حَامِيكُمْ وَحَافِظُكُمْ وَسَينجِيكُمْ مِن شَرِّ الاَعدَاءِ وَيَجعَلُ عَاقِبَةَ اَمرِكُمْ اِلٰى خَيْرٍ وَيُعَذِّبُ اَعَادِيكُمْ بِاَنوَاعِ العَذَابِ وَيُعَوِّضُكُمْ عَن هٰذِهِ البَلِيَّةِ بِاَنوَاعِ النِّعَمِ وَالكَرَامَةِ فَلَا تَشكُوا وَلَا تَقُولُوا بِاَلسِنَتِكُمْ مَا يَنقُصُ مِنْ قَدْرِكُمْ

"چادریں سروں پر لے لیں اور مصائب ومشکلات کے لیے آمادہ ہوجائیں۔ یہ جان لیں کہ خداوند متعال تمھارا محافظ و مددگار ہوگا اور بہت جلد خدا تم لوگوں کو دشمن کے شر سے نجات دے گا، تمھاری عاقبت خیر کرے گا اور تمھارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب سے دوچار کرے گا۔ ان مشکلات و مصائب کے عوض میں تمھیں انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازے گا، لہٰذا خدا سے کسی قسم کا گلہ وشکوہ مت کرنا اور اپنی قدرو منزلت کو کم نہ کرنا"۔

گذشتہ تمام مطالب اس صورت میں ہیں کہ اگر ہم حضرت سیّدالشہدا علیہ السلام کی امامت کے قائل نہ ہوں اور اگر ہم آں حضرتؑ کی امامت کے قائل ہوں، اس پر یقین رکھتے ہوں کہ وہ مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ کا علم رکھتے ہیں اور ان کا ہر فعل مصالح واقعیہ کے مطابق ہوتا ہے اور فرض کریں کہ وہ اپنے اقوال و افعال میں معصوم ہیں تو اس وقت ہمیں یقین ہوجائے گا کہ حضرت سیّدالشہدا ؑنے جو کچھ انجام دیا ہے وہ حکمِ خدا اور الٰہی مصلحتوں کے عین مطابق تھا اور کسی قسم کا کوئی شک بھی پیدا نہیں ہوگا۔

اس صورت میں عقلی طور پر ہم پر یہ لازم و واجب نہیں ہے کہ ہم اپنے آقا و مولا سے صادر ہونے والے افعال کی شناخت کریں بلکہ عقل یہ کہتی ہے کہ تم پر یہ ضروری ہے کہ تم فقط اس سے صادر ہونے والے اعمال و افعال کی تصدیق کرو۔ ان کی مصلحتوں اور اسرار کو پہچاننا ضروری نہیں ہے۔ یہ حکم صرف اس مورد میں نہیں ہے بلکہ تمام واجبات و احکام میں یہی حکم ہے کہ بندوں پر اپنے مولا و آقا کے سامنے خاضع وخاشع اور سرنگوں ہونے کے سوا کوئی دوسری

چیز واجب نہیں ہے۔ کُلی طور پر بندہ اپنے مولیٰ کے حضور اسی طرح ہی ہے، یعنی عقل وخرد یہ کہتی ہے کہ تم پر اپنے مولا کی اطاعت و پیروی کرنا واجب ہے۔ یہ واجب نہیں ہے کہ تم مولیٰ سے صادر ہونے والے اوامر و نواہی کے اسباب تلاش کرو کہ مولیٰ کے ان سے کیا اغراض و مقاصد ہیں۔

علویوں کا قیام

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقدس تحریک اور فتح مبین کربلا نے جو انتہائی اہم ترین نتائج دیے وہ فکری انقلاب تھا جو علویوں کے اندر وجود میں آیا اور انھیں یہ سمجھایا کہ طاقتور لوگ نسب اور مذہب کے بہانے اپنے آپ کو رسولؐ خدا سے منتسب کرتے ہیں لیکن جو کچھ ظاہر کرتے ہیں دل میں اس کے برعکس پنہاں رکھتے ہیں۔ ظاہری طور پر حق کے طرف دار اور باطل کے مخالف ہیں لیکن دعوتِ حق کی پائیداری اور باطل کی نابودی کے لیے کوئی اقدام نہیں کرتے۔

اس مقدس تحریک نے لوگوں کو سمجھایا کہ طاقتور حکمرانوں نے اسلام کے نام پر آلِ محمدؐ کا حق غصب کیا ہے، لہٰذا ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے قیام کے ذریعے تجاوز کرنے والوں کے ہاتھ کاٹ دیں اور حق کو اہلِ حق کی طرف پلٹا دیں۔ لہٰذا علویوں کے پے در پے انقلابات اس کا باعث بنے کہ لوگوں میں سیاسی شعور اور حقیقت جوئی کے لیے سطح ہموار ہوتا کہ وہ خالص حقیقت اور حق نما باطل کے درمیان تشخیص دیں۔

اگرچہ اُمت اور عام لوگ اس کے معتقد تھے کہ وہ ان قدرت مندوں کے خلاف قیام نہیں کرسکتے جو اسلامی حکومت کے غاصب تھے کیوں کہ سنگ دل ستم گر کے خلاف قیام کرنے کا نتیجہ رُسوائی وشکست کے علاوہ کچھ بھی نہیں نکلے گا، جب کہ اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق اپنی حفاظت کرنا واجب ہے اور کسی فائدہ کے بغیر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے۔

لیکن جوان مردوں اور جوانانِ اہلِ بہشت کے سردار نے علی الاعلان تمام دینی ملتوں کو پیغام دیا اور دنیا اور تمام اقوام کے کانوں تک پہنچا دیا کہ اگر باطل کی سرکوبی کرنے کے لیے قیام کے علاوہ اور کوئی راستہ نہ ہو تو اس صورت میں اقدار کی حفاظت کرنے کے لیے انقلاب برپا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

جو کوئی بھی اپنی تحریک کا آغاز حق طلبی کے لیے کرتا ہے بے شک وہ اپنے مطلوب اور نتیجے تک پہنچ جاتا ہے، یا قیام کرنے والا شخص کامیابی حاصل کرتا ہے یا جو کوئی بھی اس کے علاوہ اس تحریک کی رہبری کی باگ ڈور سنبھالتا ہے تو وہ جو فتح مبین انجام دیتا ہے اس کے ذریعے اپنی تمناؤں کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ یہ مسئلہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ ہم جس کا مشاہدہ ان تحریکوں کی صورت میں کرتے ہیں جو دین کے ساتھ کھیل کھیلنے کی صورت میں بنی اُمیہ کے خلاف اُٹھیں اور ان کا نتیجہ قیامِ مختار کی صورت میں نکلا جو خونِ آلِ محمدؐ کا بدلہ لینے کے لیے کیا گیا تھا۔

اسی طرح زید بن علی بن حسین علیہ السلام اور یحییٰ بن علیؑ کا قیام ہے کہ انھوں نے لوگوں کو آلِ محمدؐ کی طرف دعوت دی جس کے نتیجے میں ہاشمیوں نے خلفائے جور کے خلاف قیام کیا اور گمراہی وضلالت کے سیلاب کے سامنے بند باندھ دیا۔

اگر معصومین علیہم السلام کی سیرت میں غور وخوض اور دقت کی جائے کہ جو کچھ خداوند متعال نے ان کے لیے مقدر کیا کہ ان کے ذریعے لوگوں کے راستے سے منکرات کے کانٹے اکٹھے کیے جائیں اور ان کی راہ نمائی حق کی طرف ہو تو یہ نکتہ روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ انھیں ایسے اجتماعات اور تشکیلات سے انتہائی عشق تھا جو جاں نثاری وفداکاری کے لیے حاضر ہوں۔ کیونکہ اس سے ان کی غرض وغایت لوگوں کو اس سے آگاہ کرنا تھا کہ آئمہ علیہم السلام رسولؐ خدا کی جانشینی اور خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں اور وہ لوگ جو اس خداداد منصب میں رکاوٹ بنے ہیں وہ گمراہ اور راہِ راست سے منحرف لوگ ہیں۔ اس طرح کا طرزِ تفکر اس وقت تک لوگوں کے ذہنوں میں نہیں بیٹھ سکتا اور ان کے لیے قابلِ ہضم اور قابلِ قبول نہیں ہے جب تک اسلامی مملکت کے اندر مختلف مقامات پر انقلابات اور جنگیں برپا نہ ہوں تاکہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے منصوص ومعین امامؑ کے بارے میں کسی کو کوئی شک وشبہ نہ رہے۔

بعض موارد میں آئمہ علیہم السلام نے علویوں کے قیام سے اظہار برأت کیا ہے اور بظاہر ان کے اس فعل کی تائید نہیں کی، البتہ یہ انکار واظہار برأت، تقیہ اور اصلی ہدف کو پنہاں کرنے کی

غرض سے تھا تا کہ ستم گروں کو معلوم نہ ہو سکے کہ انقلاب کی نسبت ان کی طرف دی جارہی ہے اور نتیجتاً ناگوار نتائج کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ہاں! سیاسی بازی گروں کے اندر کچھ ایسے لوگ تھے کہ جنھوں نے وقتی طور پر اہلِ بیتؑ کی مظلومیت سے ایسے چال کا کام لیا کہ جس سے سادہ لوح اور ناآگاہ افراد کو شکار کریں۔ مثلاً ابن زبیر نے مظلومیتِ حسینؑ کا نعرہ لگایا اور ان پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کی، لیکن جب حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لی تو اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کا نام تک نہیں لیا بلکہ اہلِ بیتؑ کے سخت ترین دشمنوں میں سے ہو گیا تھا اور جو کچھ دل میں چھپا رکھا تھا، اس کا اظہار کیا۔

اس نے چالیس نماز جمعہ میں رسولِؐ خدا پر درود بھیجنے کو عمداً چھوڑا تھا۔ جبکہ پاک پیغمبرؐ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ [1] جب اس سے پوچھا گیا کہ تم رسولِؐ خدا پر درود کیوں نہیں بھیجتے ہو تو اس نے جواب دیا: پیغمبرؐ کے اہلِ بیتؑ اچھے لوگ نہیں تھے۔ اگر میں ان کا نام ذکر کروں گا تو انھیں قوت ملے گی اور وہ خوش حال ہوں گے اور میں نہیں چاہتا کہ ان کی خوشی کا سامان فراہم کروں۔ [2]

ابن زبیرؓ نے توہین کرنے کا یہ انداز معاویہ سے سیکھا تھا، یوں کہ معاویہ نے جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کی آواز سنی تو جسارت کرتے ہوئے کہا:

"اے ابن عبداللہ (محمدؐ) تیرے باپ کی قسم! تو بہت ہشیار اور بلند پرواز

---

[1] یہ جو کہتے ہیں کہ اس نے نمازِ جمعہ میں صلوات کو ترک کیا ہے، چونکہ نمازِ جمعہ اسلامی رہبر کے مناصب میں سے ہے اور وہ اپنے آپ کو جانشینِ پیغمبرؐ سمجھتا تھا، لہٰذا دارالخلافہ میں وہ خود پڑھتا اور باقی مقامات پر معین شدہ گورنر اور آئمہ جمعہ نمازِ جمعہ برپا کرتے۔ ورنہ اگر دوسرے اوقات میں نماز پڑھتا تو اس میں درود کو ترک کرتا۔ البتہ یہ معلوم نہیں ہے کہ اس طرح کے رہبر نمازِ جمعہ کے علاوہ دوسری نمازیں پڑھتے تھے یا......؟ جب کہ وہ اپنے آپ کو حامی رسولؐ خیال کرتے تھے۔ ہاں! جب وہ تنہائی میں جاتے تو ناقابلِ ذکر افعال انجام دیتے تھے۔

[2] اِنَّ لَهٗ اَهْلَ بَيْتِ سُوْءٍ اِذَا ذَكَرْتُهٗ اِشْرَاَبَّتْ نُفُوْسُهُمْ اِلَيْهِ وَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ، فَلَا اُحِبُّ اَنْ اُقِرَّ اَعْيُنَهُمْ۔ مقاتل ابی فرج: ص ۱۶۵

تھا تو اس سے کم پر راضی نہیں ہوا کہ تیرا نام رب العالمین کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید: ج ۳، ص ۵۴۷)

مغیرہ بن شعبہ نے اس سے کہا: تو اب طاقتور اور قوی ہو چکا ہے، تیری حکومت محکم ہو چکی ہے اور اب تمھیں اپنے مخالفین سے کسی قسم کا کوئی خوف نہیں ہے، کیا یہ بہتر نہیں کہ بنی ہاشم کہ جو تیرے رشتہ دار ہیں کے ساتھ عدل و انصاف سے برتاؤ کرو؟

معاویہ نے کہا: نہیں! ہرگز ایسا نہیں ہے۔ قبیلہ تیم نے سال ہا سال لوگوں پر حکومت کی۔ انھوں نے جو چاہا وہ کیا، آخرکار وہ نابود ہو گئے اور اب ان کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے۔ اس کے بعد قبیلہ عدِی نے خلافت پر قبضہ کیا، ان کا بھی کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد ہمارے بھائی عثمان نے زمامِ حکومت سنبھالی۔ اس نے بھی جو کچھ چاہا وہی انجام دیا۔ جوں ہی وہ دنیا سے گیا اس کا نام بھی ختم ہو گیا۔ لیکن قبیلۂ ہاشم کو دیکھو کہ ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ بلند آواز سے ان کا نام زبانوں پر جاری و ساری ہے اور ہر کوئی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کہتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو محمدؐ کہاں پہنچے گا۔ اس کے علاوہ کون اور کیا چیز باقی رہے گی؟! اے بے مادر! خدا کی قسم! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ جس طرح سے بھی ہو سکے اس کا نام بھی دفن اور نابود ہونا چاہیے۔

جب مامون الرشید عباسی نے زمامِ حکومت سنبھالی اور سنا کہ معاویہ نے ایسی بات کی ہے تو اس نے اپنی حکومت کے اندر موجود تمام خطبا و واعظین حضرات کو خط لکھا کہ ان پر لازم ہے کہ وہ منبر پر جا کر معاویہ پر سبّ کریں۔ یہ حکم بعض لوگوں پر ناگوار گزرا اور وہ انتہائی ناراحت ہوئے۔ لہٰذا انھوں نے خلیفہ سے التجا کی کہ وہ اس حکم کو کینسل کر دیں تو پھر مامون نے بھی اس سے صرفِ نظر کی۔ (مروج الذھب: ج ۳، ص ۴۵۴)

جہاں تک ہو سکا بنی عباس نے بھی آلِ محمدؐ کو اذیتیں دیں اور محبانِ اہل بیتؑ کو ان صدمات کے باعث تکلیف پہنچائی جو ان پر ڈھائے۔ جب بنی عباس کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ قدرت کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں تو انھوں نے بھی بے شرمی و بے حیائی کی حدیں پھلانگتے ہوئے ایسے کام کیے اور ہر طرح کی کوشش کی کہ روئے زمین سے آلِ محمدؐ کا نام نابود ہو جائے۔

موسیٰ بن عیسیٰ عباسی کہ جو "واقعہ فخ" کا اصلی ذمہ دار تھا، نے کہا:

لَو نَازَعَنَا النَّبِیُّ هٰذَا الْاَمْرَ لَضَرَبْنَا خَیْشُومَهُ بِالسَّیْفِ

"اگر نبی بھی حکومت کے بارے میں میری مخالفت کرے تو میں تلوار کے ذریعے اس کی ناک بھی زمین پر رگڑوں گا"۔ (مقاتل الطالبین ابی الفرج: ص ۱۵۸، مطبوعہ ایران)

یہ اور اس طرح کے دوسرے لوگ جو وجدان اور اَخلاقی اصولوں سے بے بہرہ تھے، وہ حد درجہ بے لگام ہو چکے تھے۔ اُمت اسلامی مسلسل قیام اور تحریک چلا کر اس کے درپے رہی کہ حرب و اُمیہ کی اولاد میں سے جو آلِ محمدؐ کے دشمن ہیں، اُن کو نیست و نابود کریں۔

سیّد عبدالحلی نے اُن کے متعلق کیا خوب کہا ہے ؎

طمعت اَبنَاءُ حَرب اَنْ تَریٰ ۔۔۔ فِیهِ لِلضَّیمِ اِنعِطَافًا وَانکِسَارًا

حَاولت تصطاد مِنهُ اجدلا ۔۔۔ نفض الذلَّ عَلَی الوَکرِ وَطَارًا

ورجت لِلخیفِ أن تجذبہٖ ۔۔۔ ارقمًا قد الف العز وَجَارًا

کَیفَ یُعطِی بیَدِ الهَونِ اِلیٰ ۔۔۔ طَاعَةِ الرِجسِ عَن المَوتِ حَذَارًا

فَاَبیٰ اِلَّا الَّتی ان ذکرت ۔۔۔ هزت الکون اندهاشًا وَاندعارًا

فَاَتیٰ من بأسه فِی حجفلٍ ۔۔۔ زحفه سد عَلَی البَاغِی القفَارًا

وَلیوث مِن بَنِی عمر والعلیٰ ۔۔۔ لَبِسُوا الصَّبرَ عَلَی الطَّعنِ دثَارًا

اشعروا ضَربًا بِهیجاء غَدًا ۔۔۔ لَهُمُ فِی ضَنکِهَا المَوتُ شِعَارًا

فقضوا حَقَّ المَعَالِی وَمَضُوا ۔۔۔ طَاهِرِی الاَعرَاضِ لَم یدنسن عَارًا

بَذَلُوهَا اَنفسًا غَالِیَةً ۔۔۔ کبرت بالعز أن ترضی الصغارًا

"حرب کے بیٹوں نے یہ سوچا کہ وہ باوجود اپنے مظالم کے لوگوں میں ہمدرد اور مہربان سمجھے جائیں۔ اُنھوں نے کوشش کی کہ ایک بہادر و شجاع کا شکار کریں لیکن سوائے ذلّت کے ان کے ہاتھ میں کچھ نہ آیا اور اپنے عزم کو چھوڑ کر اُنھیں بھاگنا پڑا اور وہ بھرپور طاقت سے اُنھیں ذلیل

کرنے کے لیے پُرامید تھا، اگرچہ وہ عزت اور پناہ گیری سے مانوس تھا۔ یہ کس طرح ان کے لیے ممکن تھا کہ وہ موت کے خوف سے ذلیل و رُسوا لوگوں کی بیعت کریں۔ اُنھوں نے بیعت سے انکار کر دیا۔ اگر ان کے سامنے دوبارہ بیعت کا تذکرہ ہوتا تو اس کے نتیجے میں کائنات لرزہ براندام ہوجاتی۔ آپ اپنی ہیبت و جرأت کے ساتھ اپنے لشکرِ جرار میں آئے اور اپنے دشمن کی تمام چالوں کو ناکام بنا دیا۔

بنو عمر کے بپھرے ہوئے شیر شجاعت میں سب پر فوقیت رکھتے تھے اور اُنھوں نے اپنے نیزوں پر صبر و استقلال کا لبادہ چڑھا رکھا تھا۔ اُنھوں نے کل ہونے والی جنگ کی تیاری کر رکھی تھی اور اپنی ضربت سے دشمن کو آگاہ کر رکھا تھا اور گھمسان کی جنگ میں ان کا شعار موت ہوتی تھی۔ اُنھوں نے حق و حقیقت کی بلندی و برتری کا فیصلہ کیا اور اپنی زندگی پاکیزگی کے ساتھ بسر کی اور ذلّت و رُسوائی کی آلودگیوں سے دُور رہے اور اللہ اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور اس دُنیا کی کسی آسائش کی پرواہ نہ کی"۔

□□□

داستانِ کربلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِقَتْلِ الْحُسَیْنِ علیہ السلام حَرَارَةً فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَبْرُدُ اَبَدًا

"بے شک! حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت نے مومنوں کے دلوں کو ایسی حرارت بخشی ہے جو ہرگز ٹھنڈی ہونے والی نہیں"۔

(مستدرک الوسائل: ج ۲، ص ۲۱۷)

ماہِ محرم کی آمد

هَلَّ الْمُحَرَّمُ فَاسْتَهِلَّ مُكَبِّرًا وَانْثُرْ بِهِ دُرَرَ الدُّمُوعِ عَلَى الثَّرٰى
وَانْظُرْ بِغُرَّتِهِ الْهِلَالَ إِذَا انْجَلٰى مُسْتَرْجِعًا مُتَفَجِّعًا مُتَفَكِّرًا
وَاخْلَعْ شِعَارَ الصَّبْرِ مِنْكَ وَزُرْ مِنْ خَلْعِ السَّقَامِ عَلَيْكَ ثَوْبًا أَصْفَرًا
فَثِيَابُ ذِي الْأَشْجَانِ الفيها بِهِ مَا كَانَ مِنْ حُمْرِ الثِّيَابِ مُزَرَّرًا
شَهْرٌ بِحُكْمِ الدَّهْرِ فِيهِ تَحَكَّمَتْ شَرُّ الْكِلَابِ السُّودِ فِي أُسْدِ الشَّرٰى
لِلّٰهِ أَيُّ مُصِيبَةٍ نَزَلَتْ بِهِ بَكَتِ السَّمَاءُ لَهُ نَجِيعًا أَحْمَرًا
خَطْبٌ دَهِي الْإِسْلَامَ عِنْدَ وُقُوعِهِ لَبِسَتْ عَلَيْهِ حِدَادَهَا ﴿أُمُّ القرىٰ﴾
أَوَ مَا تَرَى الْحَرَمُ الشَّرِيفُ تَكَادُ مِنْ زَفَرَاتِهِ الجمرات أن تتسعرا
﴿وَأَبَا قبيس﴾ فِي حَشَاهُ تَصَاعَدَتْ قبسات وجدها يصلى ﴿حرا﴾
عِلْمٌ ﴿الحطيم﴾ بِهِ فَحَطَمَهُ الْأَسٰى وَدَرَى ﴿الصفا﴾ بِمُصَابِهِ فَتَكَدَّرَا
وَاسْتَشْعَرَتْ مِنْهُ الْمَشَاعِرُ بِالْبَلَاءِ وَعَفَا ﴿محسرها﴾ جَوًى وَتَحَسَّرَا
قَتْلُ الْحُسَيْنِ فَيَالَهَا مِنْ نَكْبَةٍ أَضْحٰى لَهَا الْإِسْلَامُ مُنْهَدِمَ الذُّرٰى

"محرم کا چاند نمودار ہوگیا ہے اور اس کا تکبیر کے ساتھ استقبال کرو اور اپنے کربلا والوں کی یاد میں اپنی آنکھوں سے آنسو اس طرح برساؤ کہ زمین تر ہوجائے۔ جب محرم کی پہلی کا چاند طلوع کرے تو اُسے غور سے دیکھو تو اس میں مایوسی ماتم وسوگ اور سوچ بچار کی علامات نمایاں ہوں گی۔ یہ تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اب صبر کے بندھن توڑ دو اور آلِ محمدؐ کے سوگ میں بیٹھو اور سوگواروں جیسا لباس پہنو۔ زمانہ کے مطابق اس مہینے میں بدترین سیاہ کتوں نے شجاع وپُرہیبت شیروں پر اپنا حکم نافذ کیا۔

خدا کی قسم! اس ماہ میں کس قدر فرزند رسولؐ پر مصیبت نازل ہوئی کہ آسمان بھی ان پر سرخ آنسوؤں سے روتا رہا۔ اسلام کو اس ماہ میں عظیم حادثہ پہنچا۔ اس مصیبت پر مکہ معظمہ نے بھی سوگ کا لباس پہنا۔ کیا تمھیں دکھائی نہیں دے رہا کہ حرمِ مقدس کی عمارت کیسے آہیں بھر رہی ہے۔ ابوقیس کی یہ خواہش تھی کہ وہ غار حرا میں نماز پڑھے۔ حطیم انھیں خوب جانتا ہے اس لیے غم زدہ اور حیران و پریشان ہے اور کوہ صفا ان پر واقع ہونے والے مصائب کی وجہ سے سوگوار ہے۔ ان مصائب کو ہر ذی شعور نے محسوس کیا۔ اس پر حسرت وافسوس کرنے والے اُس کے غم میں ہمیشہ جلتا رہا۔ حسینؑ تو بے دردی کے ساتھ شہید ہوگئے ہائے یہ کتنی بڑی مصیبت تھی لیکن اسلام کو زندگی مل گئی"۔ (دیوان معتوق بن شہاب الموسوی: مطبوعہ مصر، ۱۳۳۰ھ)

جناب کاشف الغطاء اور ماہِ محرم

مُحَرَّمٌ فِيهِ الهنا مُحَرَّمٌ — وَالْحُزْنُ فَرْضٌ وَالْبُكَاءُ مُحتَّمٌ
وَآلُ الْحَرْبِ حَارَبُوا رَبَّ السَّمَا — فِيْهِ ، وَحَلَّلُوا الدَّمَ الْمُحَرَّمَا
وَانْتَهَكُوا حُرْمَةَ سَادَاتِ الحَرَمِ — وَارْتَكَبُوا مَا أَمطَرَ السَّمَاءُ دَمٌ
يَا آلَ حَرْبٍ لَاتُقِيتُم سَلَمًا — وَلَا وَقِيْتُم مِن لِسَانٍ ذَمًّا
لَعنَتُم فِي الْأَرضِ وَالسَّمَاءِ — عَلَى لِسَانٍ جُمْلَةِ الْأَحْيَاءِ
بَشَرَاكُمْ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُورِ — وَبِالعَذَابِ يَوْمَ نَفخِ الصُّورِ
كُمْ حُرَّةٍ لِلْمُصْطَفٰى هَتَكْتُمْ — وَكَمْ دَمٍ لِوَلَدِهٖ سَفَكْتُمْ
يَا أُمَّةَ الْخِذْلَانِ وَالْكُفْرَانِ — وَعُصْبَةَ الضَّلَالِ وَالشَّيْطَانِ
بِأَيِّ عَيْنٍ تُبْصِرُونَ جَدَّهٗ — وَقَدْ فَعَلْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بَعْدَهٗ
جَزَرْتُمْ جَزَرَ الْأَضَاحِي نَسْلَهٗ — وَسُقْتُم سُوقَ الْإِمَاءِ أَهْلَهٗ
نَسِيتُمْ إِحْسَانَ يَوْمِ الْفَتحِ — نَسِيتُم فِيْهِ جَمِيْلَ الصَّفحِ

قَدْ كُنْتُمْ لَوْلَا بُدُورِ هَاشِمِ بِهَا يَضِيعُ فِي ضُلُوعِ كَاتِمِ
بِهِمْ تَسَنَّمْتُمْ ذَرَى الْمَنَابِرِ كَمَا عَلَوْتُمْ صَهْوَةَ الْمَفَاخِرِ

"ماہِ محرم میں خوشیاں منانا حرام ہیں اس میں رنج وغم کی مجالس قائم کرنا واجب ہے۔ آلِ عباؑ کے غم میں رونا ایک حتمی امر ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں ایمان کا عرش برباد ہوگیا اور کفر نے اسلام کے لباس میں اپنے آپ کو مضبوط کیا۔ محرم کا چاند کمان کے مانند ظاہر ہوا جو ہدایت اور رہبری کے قلب پر تیر کی طرح چلا اور دین تیروں کے نشانے پر تھا۔ حالانکہ کفر واسلام میں اس مہینے میں جنگ و قتال کرنا عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ تھا اور آلِ حرب نے اسی مہینہ میں آسمان کے پروردگار سے جنگ کی اور انھوں نے اس کا خون بہانا حلال سمجھا جسے خدا نے حرام قرار دیا تھا۔ ان لوگوں نے مدینہ منورہ کے سادات کی حرمت کو پامال کیا اور انھوں نے اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا کہ آسمان نے خون کی بارش برسائی۔

اے حرب کی اولاد! تم سے کوئی سلام کے ساتھ ملاقات نہیں کرتا اور نہ ہی تم کسی زبان کی مذمت میں محفوظ ہو۔ زمین و آسمان میں جو بھی آباد ہیں سبھی نے تم پر لعنت کی ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن تمھارے لیے جہنّم کے اَبدی عذاب کا اعلان ہوگا۔ تم لوگوں نے کس قدر رسولؐ اسلام کو محزون و مغموم کیا ہے اور ان کے فرزند امام حسینؑ کا کس قدر خون بہایا ہے۔

اے فریبی دھوکے باز اُمت! اے گمراہ لوگو اور شیطانی گروہ! تم کس طرح ان کے جدِّ بزرگوار سے آنکھیں ملاؤ گے، تم نے ان کے بعد جس قدر مظالم ڈھائے، ان کی مثالیں نہیں ملتی۔ تم نے قربانی کے جانوروں کی طرح ان کی اولاد کو ذبح کرڈالا اور ان کے خاندان کی عورتوں کو کنیزوں کی طرح شہر بہ شہر پھرایا۔ فتح مکہ کے دن نبی اکرمؐ نے تم لوگوں پر جو

احسان کیا تھا، اُسے بھول گئے ہو۔ انھوں نے کس خوبصورت انداز سے تم سے درگزر کیا تھا۔ اگر اس وقت بنو ہاشم کی اولاد اپنا کردار ادا نہ کرتی تو تمام راز تمھارے سینوں میں دفن ہو جاتے۔ بنو ہاشم کی محنت سے تم ان منبروں پر سوار ہوئے ہو اور انھی کے طفیل تمھیں بلندیاں نصیب ہوئی ہیں"۔

معاویہ کے بعد یزید کا برسرِ اقتدار آنا

جب معاویہ کی موت شام میں پندرہ رجب ۶۰ ہجری میں واقع ہوئی تو اس کا بیٹا یزید "حواران"① میں تھا۔ ضحاک بن قیس② معاویہ کا کفن اُٹھا کر اپنے ہمراہ منبر پر لے گیا اور پروردگار کی حمد وثنا کے بعد کہا:

"معاویہ ہمارا مہربان باپ اور ملت عرب کا مضبوط ناصر و مددگار تھا کہ خداوند متعال نے اسے حکومت عطا کی، فتنہ وفساد کو جڑ سے اُکھاڑا اور اس کے توسط سے کئی شہروں کو فتح کیا۔ لیکن اب وہ دنیا سے جا چکا ہے اور یہ اس کا کفن ہے کہ جو مَیں اپنے ہمراہ لایا ہوں۔ میں اسے اس کفن میں لپیٹ کر قبر کے سپرد کرتے ہوئے اپنے اعمال و کردار کے سپرد کر دوں گا۔ تم میں سے جو کوئی بھی اس کے مراسم میں شریک ہونا چاہتا ہے، وہ تیار ہو جائے"۔

اس کے بعد ضحاک نے اس کے جنازے پر نماز پڑھی اور اسے "باب الصغیر" کے قبرستان میں دفن کر دیا۔③ اس نے ایک قاصد کو یزید کی طرف روانہ کیا اور اس سے اس کے باپ کی موت کے حوالے سے تسلیت کرتے ہوئے درخواست کی کہ جتنی جلدی ہو سکے لوگوں سے زیادہ

---

① حواران، دمشق کے نزدیک ایک ایسا منطقہ ہے جو سرسبز و شاداب ہے اور اس میں کئی ایک دیہات ہیں۔ اس کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ عرب شعرا اپنے اشعار میں ہمیشہ اس منطقے کی تعریف کرتے تھے۔

② ضحاک بن قیس بن خالد فہری کی کنیت ابوانیس تھی۔ جب زیاد واصل جہنم ہوا تو معاویہ نے اسے کوفہ کا چیئرمین بنا دیا۔ جب وہ کوفہ میں داخل ہوا تو سب سے پہلے زیاد کی قبر پر گیا۔ وہ شام میں ابن زبیر کا جانشین بھی بنا۔

③ معاویہ کا محل دفن "زوایۃ الہندیہ، مقبرہ معاویہ" کے نام سے معروف ہے۔

بیعت لینے کے لیے شام کی طرف لوٹ آئے۔(البدایۃ والنہایۃ، ابن اثیر: ج ۸، ص ۱۴۳)

اس نے خط کے ذیل میں یہ اشعار لکھے:

مَضٰی اِبْنُ اَبِی سُفْیَانَ فَرْدًا شَاْنَهٗ ... وَخُلِّفْتَ فَانْظُرْ بَعْدَهٗ کَیْفَ تَصْنَعُ

اَقِمْنَا عَلَی الْمِنْهَاجِ وَارْکَبْ مُحَجَّةً ... سِدَادًا فَاَنْتَ الْمُرْتَجٰی حِیْنَ نَفْزَعِ

"ابوسفیان کا بیٹا ایک انفرادی قدر و منزلت کے ساتھ اس دنیا سے چلا گیا۔ اُس نے تمھیں اپنا جانشین نامزد کیا ہے۔ اب تم غور سے دیکھو کہ لوگوں کے ساتھ تم کیسا برتاؤ کرتے ہو۔ تم ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرنا، کیونکہ تم ہماری ہر پریشانی میں جائے اُمید ہو"۔(مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۱۷۸)

جب یزید نے ضحاک کا خط پڑھا تو یہ اشعار گنگنانے لگا:

جَاءَ الْبَرِیْدُ بِقِرْطَاسٍ یَخُبُّ بِهٖ ... فَاَوْجَسَ الْقَلْبُ مِنْ قِرْطَاسِهٖ فَزَعًا

قُلْنَا لَكَ الْوَیْلُ مَاذَا فِیْ صَحِیْفَتِکُمْ ... قَالَ الْخَلِیْفَةُ اَمْسٰی مُثْقَلًا وَجِعًا

مَادَتْ بِنَا الْاَرْضُ اَوْ کَادَتْ تَمِیْدُ بِنَا ... کَاَنَّ مَا عَزَّ مِنْ اَرْکَانِهَا اِنْقَلَعَا

"قاصد خط لے کر آیا جس نے ہماری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس خط نے مجھے پریشان کر کے میرے دل میں خوف پیدا کر دیا۔ ہم نے کہا: تم پر افسوس ہے تمھارے اس خط میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: شام سے خلیفہ کو درد کی وجہ سے پریشانی ہے۔ جب یہ سنا تو زمین ہمارے اِردگرد گھوم گئی یا قریب تھا کہ وہ ہمارے اردگرد گھومنے لگتی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے سارے ستون اُکھڑ گئے ہوں۔

ایک ایسا شخص جس کی روح ابھی تک پریشانی کے عالم میں تھی اور یہ قریب ہے کہ اس کے متعلق جس کا خوف تھا، وہ حقیقت نہ بن جائے۔

جب میں شہر میں آیا تو محل کا دروازہ بند پایا اور رملہ کی آواز نے میرے دل کو ہلا کر رکھ دیا اور یہ ٹوٹ کر رہ گیا"۔

اس کے بعد وہ شام کی طرف روانہ ہوا اور معاویہ کو دفن کرنے سے تین دن بعد میں پہنچا۔ ① ضحاک نے کچھ لوگوں کو اپنے ہمراہ لیا اور یزید کے استقبال کے لیے گیا۔ وہ سب سے پہلے اسے اس کے باپ معاویہ کی قبر پر لے گیا۔ یزید نے اس کے قبر کے پاس کھڑے ہوکر دو رکعت نماز بجالائی۔ ② اس کے بعد شہر میں داخل ہوا اور منبر پر جا کر لوگوں سے کہا:

"اے لوگو! معاویہ خدا کے بندوں میں تھا کہ خداوند متعال نے اپنی عنایات اس کے شاملِ حال کر رکھی تھیں۔ اب اسے اپنی طرف لے گیا ہے۔ وہ اپنے سے بعد میں آنے والوں سے بہتر اور گذشتگان سے کمتر تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ خدا کے نزدیک اس اور اس کے مقام و مرتبہ کی تعریف کروں۔ خدا اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ اگر وہ اسے بخش دے تو یہ اس کی رحمت ہے اور اگر اسے سزا دے تو یہ اس کے اپنے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اس کے بعد اب تمھارا حکمران میں ہوں۔ میں کسی سے بھی تسلیت پیش کرنے کی درخواست نہیں کروں گا اور نہ ہی اُمور سے متعلق کسی کی کوتاہی قبول کروں گا۔ وہ تم لوگوں کو جنگ کے لیے بھیجتا تھا، میں تمھیں نہیں بھیجوں گا، اس نے تمھیں سخت سردی میں روم کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا، جب کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ وہ بیت المال کا تیسرا حصہ تم لوگوں میں تقسیم کرتا تھا اور میں سارے کا سارا تمھیں دوں گا"۔ (البدایۃ والنہایۃ ابن اثیر: ج ۸، ص ۱۴۳)

کسی کے اندر یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ یزید کے ساتھ افسوس کرتا یا اسے مبارک باد دیتا۔

اس دوران میں عبداللہ بن ہمام سلولی داخل ہوا۔ اس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

---

① مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۱۷۸، اور الاصابہ کے حاشیے پر طبع استیعاب میں معاویہ کے حالات زندگی میں امام شافعی سے نقل ہوا ہے۔ جب معاویہ بیمار ہوا تو اس نے یزید کے نام خط لکھا اور اس میں اپنی حالت کے بارے میں تفصیل سے لکھا۔ یزید نے جب وہ خط پڑھا تو مذکورہ بالا اشعار گنگنانے لگا۔

② یزید سگ باز و شراب خوار..... اب لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے زاہد و عابد بن رہا ہے۔

اے امیرالمومنین! (یزید) خداوند تمھیں نازل ہونے والی اس مصیبت پر صبرواجر عطا کرے، ان شاء اللہ خدا کی برکات وعنایت تمہارے شامل حال ہوں اور رعیت کی حمایت حاصل کرنے پر کامیاب کرے۔ اگرچہ آپ پر بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی لیکن اس کے مقابلے میں بہت بڑی نعمت بھی میسر آئی۔ اس نعمتِ عظمیٰ پر خدا کا شکر ادا کرو اور اس مصیبت پر صبروتحمل سے کام لو۔ تم خلیفۂ خدا کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہو اور خلافتِ خدا پر براجمان ہوئے ہو۔ ایک بزرگ تمھارے ہاتھ سے چلا گیا اور ایک اہم منصب تمھیں مل گیا ہے کیوں کہ معاویہ خدا کے پاس چلا گیا ہے اور ریاست وسیاست تمھارے سپرد ہوگئی ہے۔ خداوند اُسے فرحت و سرور سے نوازے اور تمھیں اُمور کی مصلحتوں پر کامیاب وکامران کرے۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے:

اِصْبِرْ يَزِيْدُ فَقَدْ فَارَقْتَ ذَا كَرَمٍ   وَاشْكُرْ حِبَاءَ الَّذِي بِالْمُلْكِ اَصْفَاكَ

لَا رُزْءَ اَصْبَحَ فِي الْاَقْوَامِ قَدْ عَلِمُوا   كَمَا رُزِئْتَ وَلَا عُقْبٰى كَعُقْبَاكَ

اَصْبَحْتَ رَاعِيَ اَهْلِ الدِّيْنِ كُلِّهِمِ   فَاَنْتَ تَرْعَاهُمْ وَاللهُ يَرْعَاكَ

وَفِي مُعَاوِيَةِ الْبَاقِي لَنَا خَلَفٌ   اِذَا نُعِيْتَ وَلَا نَسْمَعْ بِمَنْعَاكَ

"اے یزید! صبر سے کام لو۔ بے شک! تم سے ایک سخی شخص جدا ہوگیا ہے اور اس نعمت پر خدا کا شکر ادا کرو، کہ اس نے تمھیں حکومت کے لیے چُن لیا ہے۔ تمھارے اُوپر آنے والی مصیبت کبھی کسی پر اس طرح نہیں آئی اور نہ ہی کسی قوم کو علم ہے اور اس مصیبت کے بعد کسی کو ایسا نتیجہ نہیں ملا جو تجھے ملا ہے۔ تم تمام دین داروں کے سرپرست بن گئے ہو۔ تم ان کا خیال رکھو خدا تمھارا خیال رکھے گا۔ معاویہ کے جانشین کی شکل میں ہمارے لیے وہ آدمی زندہ ہے اس لیے تمھیں کوئی تعزیت نہیں کر رہا ہے جبکہ تم حیران اور سوگوار اور غمزدہ ہو"۔

اس وسیلے سے فتح باب ہوا اور (عبداللہ بن ہمام سلولی کی اس تقریر سے) دوسرے

لوگوں کو بھی گفتگو کرنے کی ہمت ہوئی۔ ①

قبیلہ ثقیف کے ایک شخص نے یوں کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهٗ

تو بہترین باپ کے غم میں بیٹھا ہوا ہے، لیکن اس کے بدلے تمھیں سب کچھ دیا گیا ہے۔ اس مصیبت پر صبر کرو، اور اس بہترین عنایت پر خدا کا شکر ادا کرو، جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے کسی کو ایسے کوئی چیز نہیں دی گئی ہے، البتہ کسی پر ایسی مصیبت بھی نازل نہیں ہوئی ہے جو تمھارے اُوپر آئی ہے۔

اس کے بعد ایک کے بعد ایک آتا رہا اور یزید کو تسلیت و تبریک پیش کرتا رہا، آخر میں یزید نے کہا:

نَحْنُ اَنْصَارُ الْحَقِّ وَاَنْصَارُ الدِّیْنِ وَاَبْشِرُوا یَا اَهْلَ الشَّامِ، فَاِنَّ الْخَیْرَ لَمْ یَزَل فِیْکُمْ وَسَتَکُونُ بَیْنِی وَبَیْنَ اَهْلِ الْعِرَاقِ مُلْحَمَةٌ، وَذٰلِكَ اِنِّیْ رَأَیْتُ فِی مَنَامِیْ مُنْذُ ثَلَاثِ لَیَالٍ کَانَ بَیْنِی وَبَیْنَ اَهْلِ الْعِرَاقِ نَهْرًا یَطَّرِدُ بِالدَّمِ جَرْیًا شَدِیْدًا وَجَعَلْتُ اَجْهَدُ نَفْسِی لَاَجُوزَهٗ فَلَمْ اَقْدِرْ حَتّٰی جَازَهٗ بَیْنَ یَدَیْ عُبَیْدِ اللهِ بْنِ زِیَادٍ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهِ

"ہم حق کے مددگار اور دینِ خدا کے ناصر ہیں۔ اے شام والو! تمھیں خوش خبری ہو کہ تم مسلسل خیر و سعادت میں رہو گے لیکن عنقریب میرے اور اہلِ عراق کے درمیان ایک جنگ ہوگی، کیوں کہ مَیں نے تین راتیں قبل خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اور اہلِ عراق کے درمیان ایک بہت بڑی نہر خون سے پُر ہے کہ خون اس میں بڑی تیزی سے بہ رہا ہے۔ مَیں

---

① البیانُ والتبیین جاحظ: ج ۲، ص ۱۰۹، باب وصیت معاویہ۔ کامل مبرد: ج ۳، ص ۳۰۰۔ العمدۃ، ابن رشیق: ج ۲، ص ۱۳۸۔ باب الرثا، عقد الفرید: ج ۲، ص ۳۰۹، باب طلب المعاویہ البیعة لیزید۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔

نے اسے عبور کرنے کی جتنی بھی کوشش کی لیکن پار نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ
ابن زیاد نے میرے سامنے اسے عبور کیا اور میں اس کی طرف دیکھتا رہا"۔

شام کے لوگوں نے جب یزید کی ایسی گفتگو سنی تو چیخ چیخ کر کہنے لگے: تم جہاں چاہو اور جہاں پر مصلحت سمجھو، ہمیں بھیجو۔ ہماری وہ تلواریں تمہاری خدمت میں حاضر ہیں جو اہلِ عراق نے صفین میں دیکھی ہوئی ہیں۔

یزید نے جب یہ جواب سنا اور انھیں یوں تیار پایا تو خوش حال ہوا۔ وہ ان پر مہربان ہوا اور ان کے درمیان بہت زیادہ اموال تقسیم کیے۔ اس نے شہروں میں اپنے کارندوں کو خطوط لکھے تا کہ انھیں اپنے باپ کی موت سے آگاہ کرے اور انھیں اپنی اپنی پوسٹ پر باقی رکھنے سے آگاہ کرے۔

معاویہ کے خصوصی خدمت گار سرجون کی پیش نہاد کے مطابق عراق میں (ایران وعراق) کی حکومت عبیداللہ بن زیاد کے سپرد کی۔ مدینہ کا گورنر ولید بن عتبہ تھا، اس نے اس کے نام یوں لکھا:

"امابعد! معاویہ خدا کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا کہ اس پر خداوند کریم کا لطف تھا۔ خداوند کریم نے اسے منتخب کیا اور حکومت وقدرت عطا کی۔ پھر اسے روح وریحان، اپنی رحمت اور اس کے اپنے کردار کے نتیجہ کی طرف لے گیا۔ خدا نے جو کچھ اس کے مقدر میں لکھا تھا اسے انجام دیا اور جو اجل اس کے لیے حتمی تھا اس کی وجہ سے وہ دنیا سے چلا گیا ہے۔ اپنی ولایت عہدی اور جانشینی میرے سپرد کی اور مجھے کہا کہ خاندانِ ابوتراب کے لوگوں کا خون بہانے اور آدم کشی سے دریغ نہ کرنا، لہٰذا ان سے بچ کر رہوں۔

اے ولید! تو جانتا ہے کہ خداوند متعال عثمانِ مظلوم کے خون کا بدلہ آلِ ابی سفیان کے ذریعے لینا چاہتا ہے: لِاَنَّهُمْ اَنْصَارُ الْحَقِّ وَطُلَّابُ الْعَدْلِ، "کیوں کہ صرف آلِ ابوسفیان ہی حق وعدالت کی ناصر و مددگار ہے"۔

جوں ہی میرا خط تجھے ملے مدینہ کے تمام لوگوں سے میری بیعت لو۔

اس خط کے آخر میں لکھا:

حسین، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور عبداللہ بن زبیر سے ہر حال میں بیعت لو۔ ان میں سے جو کوئی بھی بیعت نہ کرے، اس کی گردن اُڑا دو اور اس کا سر میرے پاس بھیج دو۔ (مقتلِ خوارزمی: ج۱، ص ۱۷۸، طبع نجف۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۱۶، طبع لندن)

ولید نے یزید کے حکم پر عمل کرتے ہوئے آدھی رات کے وقت عبدالرحمٰن بن عمرو بن عثمان بن عفان [1] کو حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن زُبیر کے پاس بھیجا اور وہ اس موقع سے استفادہ کرنا چاہتا تھا کہ سب سے پہلے ان سے بیعت لے لے۔ وہ ان سے مسجد النبیؐ میں جا کر ملا اور انھیں پیغام دیا۔ ابن زبیر اس بے موقع اور غیر معمولی بلاوے پر شک میں پڑ گیا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۱۷، طبع لندن)

لیکن حجتِ خدا حضرت امام حسین علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ معاویہ ہلاک ہو گیا ہے اور ولید چاہتا ہے کہ ان سے یزید کی بیعت لے اور وہ خواب جو انھوں نے پہلے دیکھا تھا، وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ امام علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ معاویہ کا گھر آتش کی لپیٹ میں ہے اور اس کا منبر اُلٹا ہو چکا ہے۔ [2]

وَرَامَ اِبن مَیسُون عَلَی الدِّینِ اِمرَۃً	فَعَاثَت بِدِین اللهِ جَھراً جَرَائِمُہٗ
فَقَامَ مُغِیثًا شَرعَۃُ الدِّینِ شبل من	بِصَمصَامِہٖ بَدَءاً اُقِیمَت دَعَائِمُہٗ
وَحَفَّ بِہٖ ﴿از محص النَّاسِ﴾ مَعشَرٌ	نمتہ اِلیٰ اَوجِ المَعَالِ مَکَارِمُہٗ
فَمَن اَشوَسُ نِیمَہٖ لِلطَّعنِ ﴿حَیدَرٌ﴾	وَیَنمِیہِ جَدَّانِ قُرَی الطَّیرِ ﴿ھَاشِمُہٗ﴾

---

[1] ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۲۷

[2] مثیر الاحزان، ابن نما، ص ۱۰۔ مقتلِ خوارزمی: ج۱، ص ۱۸۲، فصلِ ہشتم۔ یقیناً امام علیہ السلام کا خواب ایک حقیقت کا مشاہدہ تھا کہ جو انھوں نے نورِ امامت سے دیکھا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا نے جسے دنیا کے لیے حجت قرار دیا ہو اسے حقائق کنایہ کے ذریعے دکھائے۔

وَرَهطٌ تَفَانَی فِی مِنَ الدِّیْنِ لَم تَہِن　　لَقَتَلتُهُ بَیْنَ الجُومِ عَزَائِمُهُ
اِلٰی أن قَضَوا دُونَ الشَّرِیعَةِ صرَّعًا　　کَمَا صرعتِ دُونَ العَرِینِ ضَرَاغِمُهُ
أَرَادَ اِبنُ هِندٍ خَابَ سَعَاهُ أن یُرٰی　　﴿حُسَینًا﴾ بِأیدِی انعیم تَلوِیْ شِکَائِمُهُ
وَلٰکِن أَبِی المَجدِ الموْثَل وَالآبَا　　لَهُ الذُّلُ ثَوبًا وَالحُسَامُ یُنَادِمُهُ
أَبُوهُ عَلِی وَاَبنَهُ الطُّهرِ أُمُّهُ　　وَطَهٰ لَهُ جَدٌّ وَجِبرِیلُ خَادِمُهُ
اِلٰی اِبنُ سَبِی وَابنُ مَیسُون ینشتی　　یَمدِیدًا وَالسَّیفُ فِی الیَدِ قَائِمُهُ
فَصَالَ عَلَیْهِم صَولَةَ اللَّیثِ مَغضَبًا　　وَعساله فَصَمُّ النُّفُوسِ وَصَارِمُهُ

”میسون کے بیٹے نے دین خداوندی پر حاکمیت اور تسلط کا ارادہ کیا۔ اس نے اپنے ظاہری اور کھلے ڈلے جرائم کے ساتھ دین خداوندی کو تباہ کر دیا۔ اِدھر فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے دین و شریعت کی نصرت کے لیے اپنی تند و تیز تلوار اُٹھائی اور شکاری شیر کے مانند قیام فرمایا اور دین کے ستون کو بلند اور مستحکم کیا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپؑ کے گرد جمع ہو گئی تا کہ آپؑ کے اعلیٰ مکارمِ اخلاق سے مستفید ہو سکیں۔ اس سے زیادہ جری اور بہادر کون ہو سکتا ہے جس کی حیدرِ کرّار نے پرورش کی ہو اور جس کے دادا حضرت ہاشم نے پرندوں کے شہروں کو پالا ہو۔ دین کی حمایت و سربلندی کے لیے قربانی دینے کے لیے ایک گروہ ہمیشہ تیار رہتا ہے اور لوگوں کے ہجوم کے باوجود ان کے حوصلے بلند رہتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے اَعوان و اصحاب نے دین خداوندی کے دفاع میں اپنی توانائیوں کو یوں صرف کیا جس طرح ایک شیر اپنے مسکن کو بچانے کی خاطر حملہ کرتے ہوئے اپنی ساری طاقت خرچ کر دیتا ہے۔

ہند کا بیٹا فرزند رسولؐ کو اپنے مظالم کے آگے سرنگوں دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ مراد پوری نہ ہو سکی۔ عزت و بلندی کی بنیاد رکھنے والے فرزندِ رسولؐ نے ذلت و عار کا لباس پہننے سے انکار کر دیا جبکہ تیز و تند تلوار ان کے

ہاتھ میں تھی۔ ان کے والد بزرگوار امام علیؑ ہیں اور ان کی والدہ کائنات کی سب سے بڑی پاکیزہ ہستی کی بیٹی ہے۔ ان کے ناناطٰہٰ کے مصداق ہیں اور جبرئیل ان کے خادم ہیں۔ اتنا بڑا عظیم بزرگوار سمیہ اور میسون کے بیٹے کے سامنے کیسے جھک سکتا تھا۔ جبکہ تلوار ان کے ہاتھ میں جنگ کے لیے مہیا تھی۔ انھوں نے ان پر ایک بپھرے ہوئے شیر کے مانند حملہ کیا اور اپنے دشمن کو سختیوں سے ہمکنار کرکے دُور بھگا دیا"۔

ابن زبیر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ارادے سے آگاہ ہو چکا تھا کہ وہ رات کے اس وقت والیِ مدینہ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے تجویز دی کہ ہوسکتا ہے کہ وہ رات کے اس وقت کوئی دھوکا دینا چاہتا ہو، لہٰذا وہ ملاقات کرنے سے صرفِ نظر کریں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ وہ ولید کی سازش کو ناکام کرسکتے ہیں۔ (۱) لہٰذا وہ بنی ہاشم اور اپنے شیعوں میں سے تیس افراد کے ہمراہ ولید کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ (۲) وہ سب کے سب مسلح تھے اور ولید کے گھر سے باہر دروازے پر کان لگائے کھڑے تھے کہ اگر امام حسین علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی تو وہ اپنے آقا کی حمایت کریں اور انھیں نجات دلائیں۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۱۸۳)

حضرت امام حسین علیہ السلام جب ولید کے ہاں تشریف لے گئے تو ان کے دستِ مبارک میں عصائے پیغمبرؐ تھا۔ جب آپؑ بیٹھ گئے تو ولید نے فوراً آپؑ کو معاویہ کے فوت ہونے کی خبر دی اور اس کے بعد یزید کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: مِثْلِي لَا يُبَايِعُ سِرًّا، میرے جیسی شخصیت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ چھپ کر بیعت کرے، جب تم سب لوگوں کو بلاؤ گے تو ہمیں بھی مطلع کردینا، تاکہ تمام لوگ ایک ہی وقت میں بیعت کریں۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۸۹)

ولید نے جب یہ تجویز سنی تو وہ مان گیا لیکن مروان نے شیطنت کرتے ہوئے کہا:

---

(۱) کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۶

(۲) لہوف، سید ابن طاؤس

اگر (امام) حسینؑ یہاں سے بیعت کیے بغیر چلا گیا تو پھر تم اس سے قتل و غارت گری کے بغیر بیعت نہیں لے سکو گے، لہٰذا میں تجھے تجویز دیتا ہوں کہ اسے روکو اور اس سے بیعت لو۔ اگر یہ بیعت نہیں کرتا تو پھر اس کی گردن اُڑا دو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

یَا بْنَ الزَّرْقَاءَ اَنْتَ تَقْتُلُنِی اَمْ ھُوَ؟

"اے ابن زرقا! [1] تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو یا وہ؟"

تم نے جھوٹ کہا ہے اور گناہ کے مرتکب ہوئے ہو۔ (تاریخ طبری، ابن اثیر، ارشاد

---

[1] زرقا اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں نیلی ہوں اور عرب معاشرے میں یہ رنگ انتہائی بدترین رنگ شمار ہوتا ہے۔ ابن جوزی تذکرۃ الخواص: ص ۲۲۹، طبع ایران اور فخری آداب السلطانیہ میں لکھتا ہے: (مروان کی دادی زانیہ عورت تھی)۔

ابن اثیر نے اپنی کتاب کامل: ج ۴، ص ۷۵ پر لکھا ہے: لوگ عبدالملک مروان کی اولاد کو موھب کی بیٹی زرقا کی وجہ سے سرزنش کرتے تھے کیوں کہ وہ جھنڈے والی عورت تھی۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ کے ص ۴۰۸، ج ۷ میں لکھا ہے: ایک دن عمرو عاص اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان نزاع ہو گیا۔ تو عبداللہ نے مروان سے کہا: اے زرقا کے بیٹے! تمھارا یہاں پر کیا کام ہے؟

بلاذری نے انساب الاشراف: ج ۵، ص ۱۲۹ پر لکھا ہے: ایک دن عمرو عاص اور مروان کے درمیان بحث ہو گئی تو عمرو عاص نے مروان سے کہا: اے زرقا کے بیٹے! مروان نے جواب میں کہا: اگر میری ماں زرقا تھی تو وہ قابلِ تعریف ہے کہ اس نے اپنی صفت مجھے دی ہے۔ وہ اس وقت قابلِ مذمت تھی جب اپنی صفت کسی غیر کو منتقل کرتی۔

طبری نے اپنی تاریخ کی ج ۸، ص ۱۶ پر لکھا ہے: مروان بن محمد اشعث مکرر کہتا: مروان کی اولاد کی ہمیشہ اس کی ماں زرقا کی وجہ سے مذمت کی جاتی ہے اور عاص کی اولاد اہل صفوریہ ہے۔ (صفوریہ اُردن کے اطراف میں ایک شہر ہے)۔

آدابِ اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ مومن شخص خواہ جتنی بھی مشکلات میں گرفتار ہو اُسے غلط القاب سے یاد یا زخم زبان لگانے سے پرہیز کیا جائے۔ امام و رہبر کہ جس سے احکامِ الٰہی سیکھے جاتے ہیں، اُسے سب سے زیادہ اس چیز کا خیال کرنا چاہیے۔ امام کہ جو بندوں پر حجت خدا ہے اور ہر چیز سے آگاہ ہے وہ ہرگز ان قواعد و ضوابط کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھاتا۔ چونکہ ہمیں سب چیزوں کا علم نہیں ہے لہٰذا ⇦

مرحوم شیخ مفیدؒ، و أعلام الوریٰ)

اس کے بعد آپؑ نے ولید کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

أَيُّهَا الْأَمِيرُ! إِنَّا أَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدِنَ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفِ الْمَلَائِكَةِ بِنَا فَتَحَ اللهُ وَبِنَا يَخْتِمُ وَيَزِيدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخُمُورِ وَقَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحْتَرَمَةِ ، مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ، وَمِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ وَلٰكِنَّ نُصْبِحُ وَتُصْبِحُوْنَ وَنَنْظُرُ وَتَنْظُرُوْنَ أَيْنَ أَحَق الْخِلَافَة

"اے امیر! ہم اہلِ بیتؑ نبوت ہیں، رسالت الٰہی کا مرکز ہیں، ہمارا گھر فرشتوں کی رفت و آمد کا مقام ہے۔ اللہ نے کائنات کا آغاز ہم سے کیا اور اختتام بھی ہم سے کرے گا۔ یزیدؔ جو کہ شراب خوار، نفسِ محترمہ کا قاتل اور علانیہ فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے، میرے جیسا شخص ہرگز اس جیسے کی بیعت نہیں کرے گا، لیکن آج کی رات گزرنے دو، کل صبح ہوگی تو

⇦ ہمارے اُوپر واجب ہے کہ امام معصومؑ کے سامنے تسلیم محض ہوں، جو کچھ وہ فرمائے اُسے قبول کریں اور کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں۔ خاص کر اس صورت میں جب قرآن کے مطابق ہو کہ جو تمام اسلامی احکام کا منبع و منشا ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے مروان کے بارے میں جو کہا وہ خداوند متعال کے اس فرمان کے عین مطابق ہے۔ جو اس نے ولید بن مغیرہ مخزومی کے بارے میں سورۂ قلم کی آیت نمبر ۱۳ میں فرمایا: عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ۔ لغت میں کلمہ زنیم کا معنی زنازادہ ہے۔

ایک روایت میں قولِ رسولؐ خدا ہے: عُتُلٍّ زَنِيمٍ۔

علاء الدین نے کنز العمال کی ج ۱، ص ۱۵۶، آلوسی نے روح المعانی کی ج ۲۹، ص ۲۸ اور صاحب منہج الصادقین نے ج ۹، ص ۳۷۷ پر روایت نقل کی ہے کہ جب ولید اٹھارہ سال کا ہوگیا تھا تو اس وقت مغیرہ نے اسے اپنا بیٹا بنایا تھا۔

اس بنا پر جب خداوند سبحان کہ جو ادب و اَسرار کا سرچشمہ ہے، کسی خاص شخص کا عیب بیان کرتا ہے اس کتاب میں کہ جو مسجد و محراب و منبر اور ہر جگہ پر شب و روز پڑھی جاتی ہے، کسی کو برے لقب سے یاد کرتا ہے تو اس صورت میں پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے کہ فرزندِ نبیؐ مروان جیسے معلوم الحال شخص کو برے لقب سے یاد کرے۔ مروان وہ شخص تھا کہ جو ہر قسم کے فتنہ و فساد کی جڑ تھا۔

پھر کچھ سوچیں گے کہ ہم میں سے کون خلافت کا زیادہ مستحق ہے، میں یا یزید؟"

ولید نے امام علیہ السلام سے تند لہجے میں گفتگو کی تو اُونچی اُونچی آوازیں آنے لگیں۔ اس دوران میں دروازے پر کھڑے ہوئے اسلحہ سے لیس اُنیس افراد فوراً اندر داخل ہوئے، اپنی تلواریں کھینچ لیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے ہمراہ لے کر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۰۸)

مروان نے ولید سے کہا: تم نے میری بات نہیں سنی ہے۔ خدا کی قسم! آج کے بعد ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔

ولید نے کہا: تم کیوں مجھے ملامت کر رہے ہو؟! تم مجھے ایسا مشورہ دے رہے ہو کہ میں اس راستے میں اپنا دین قربان کر دوں۔ میں حسینؑ کو اس لیے قتل کر دوں کہ اس نے کہا ہے کہ میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا؟ خدا کی قسم! جس کا بھی ہاتھ خونِ حسینؑ سے رنگین ہوگا، روزِ قیامت اس کے اعمال کا پلڑا خالی اور سبک ہوگا۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۰)

ہرگز اس پر خدا کا لطف و کرم نہیں ہوگا اور وہ دردناک عذاب میں گرفتار ہوگا۔ (لہوف: ص ۱۳)

ولید کی زوجہ اسماء بنتِ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام نے بھی جب ولید کی حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ سخت لہجے میں گفتگو سنی تو اس نے ولید کو جھڑکا۔ ولید نے عذر پیش کیا کہ پہلے (امام) حسینؑ نے اس کی توہین کی ہے۔

اسماء نے کہا: اگر انھوں نے تمھاری توہین کی ہے تو تُو کس قدر ان کے ماں باپ کی توہین کرے گا۔

ولید نے کہا: نہیں! ایسا کام ہرگز نہیں کروں گا۔ (تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۲۸)

اسی رات حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے جدِّ رسولؐ خدا کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ روضے سے ایک نُور نکلا۔ (امالی مرحوم صدوق: ص ۹۳، مجلس ۳۰)

امام علیہ السلام نے اس نُور کا مشاہدہ کرنے کے بعد فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ فَاطِمَةَ فَرْخُكَ وَابْنُ فَرْخَتِكَ وَسِبْطُكَ الَّذِي خَلَّفْتَنِي فِي اُمَّتِكَ فَاشْهَدْ عَلَيْهِمْ يَانَبِيَّ اللهِ اِنَّهُمْ خَذَلُوْنِي وَلَمْ يَحْفَظُوْنِي، وَهٰذَا شَكْوَايَ اِلَيْكَ حَتّٰى اَلْقَاكَ

"اے رسولؐ خدا! آپؐ پر سلام ہو، میں فاطمہؑ کا بیٹا حسینؑ ہوں۔ آپ کا بیٹا، آپؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں، آپؐ کی دختر کا لاڈلا ہوں کہ آپ نے اپنی اُمت میں مجھے اپنا جانشین بنایا۔

اے رسولؐ خدا! ان پر گواہ رہنا، ان لوگوں نے میری مدد کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ میری حرمت کا خیال نہیں رکھا۔ یہ آپؐ سے میری ان کے خلاف شکایت ہے یہاں تک کہ جس روز آپؐ سے ملاقات ہوگی"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام صبح ہونے تک مسلسل حالت رکوع اور سجدے میں رہے۔ ①

جب حضرت امام حسین علیہ السلام ولید کے گھر سے تشریف لے گئے تو ولید نے اپنے

① کتاب عقل العوالم، ص ۵۴ اور بحار الانوار میں محمد بن ابی طالب سے نقل ہوا ہے کہ کیا انبیا اور اوصیا علیہم السلام کے بدن رحلت کے بعد قبر میں باقی رہتے ہیں یا آسمان کی طرف اُٹھا لیے جاتے ہیں؟ مذکورہ سوال کے جواب میں علما کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے کیوں کہ کتب حدیث میں مختلف روایات نقل ہوئی ہیں۔ مثلاً کتاب کامل الزیارات، توحید، مجالس، عیون، خصال صدوقؒ، خرائج راوندی اور بصائر میں ایسی روایات نقل ہوتی ہیں کہ رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، امام حسینؑ، حضرت نوحؑ، شعیب، یوشع بن نون، حضرت آدمؑ، حضرت یوسفؑ کی ہڈیاں، اسی طرح اس پیغمبر کی ہڈی کہ جس کا ذکر دعائے استسقاء میں ہوا ہے، زمین پر ہیں۔ یہ تمام کی تمام روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ انبیاء، اوصیاء اور آئمہ علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی دلیل کی بنا پر سید محمود بن فتح اللہ حسینی کاظمی نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اور ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنی قبروں میں موجود ہیں۔

لیکن کتاب کامل الزیارات محمد بن قولویہ اور تہذیب طوسیؒ اور مزارات کے باب الزیارات میں ایسی روایات نقل ہوئی ہیں کہ کوئی بھی پیغمبر یا ان کا وصی تین دن سے بیشتر زمین پر باقی نہیں رہتا، ان کا جسم اور روح آسمان پر لے جاتے ہیں۔ کتاب تہذیب میں اس طرح کی روایات بھی ہیں کہ وہ چالیس دن سے زیادہ اپنی قبروں میں نہیں رہتے، اس کے بعد انھیں آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ ⇦

جاسوسوں کو بلا کر حکم دیا کہ وہ (امام) حسینؑ کا پیچھا کریں اور صورت حال کی مکمل طور پر رپورٹ پیش کریں۔ جاسوسوں نے یہ رپورٹ دی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام گھر میں نہیں ہیں۔ اس سے ولید یہ سمجھا کہ (امام) حسینؑ مدینہ سے چلے گئے ہیں۔ اس سے اس نے یہ خیال کیا کہ یہ مسئلہ اب ختم ہو چکا ہے اور اس پر ولید نے خدا کا شکر ادا کیا۔

اسی دن صبح کے وقت مروان نے امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کی اور جس طرح دوسروں

⇦ روایات میں تین دن اور چالیس دن کا اختلاف شاید کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کو بیان کرنے کے لیے ہو، یا شاید ان کے درجات کو ذکر کرنے کی غرض سے ہو کہ بلند درجات کے مالکوں کو جلدی اور کم درجات والوں کو دیر سے لے جاتے ہوں۔ کتاب اربعین مجلسیؒ کے ص ۷۶ پر ان اخبار کے درمیان ایک اور جمع کو ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض کو تین اور بعض کو چالیس دن کے بعد لے جاتے ہیں، شاید اس وجہ سے ہو کہ خوارج کو نا اُمید کیا جائے، کیوں کہ وہ نبش قبر کر کے اجساد کو باہر نکالنا چاہتے تھے۔

وہ حضرات جو اس کے معتقد ہیں کہ انبیاء، اوصیا اور آئمہ علیہم السلام کے اجساد آسمان کی طرف لے جائے جاتے ہیں، ان میں سے مرحوم شیخ مفیدؒ، کتاب مقالات: ص ۴۵، طبع قم، مرحوم کراجکی کتاب کنز الفوائد: ص ۲۵۸، مرحوم مجلسیؒ کتاب مرآت العقول: ج ۱، ص ۲۲۷، مرحوم شیخ یوسف بحرانی، کتاب درۃ النجفیہ: ص ۲۶۶، مرحوم محدث نوری کتاب دار السلام، ج ۲، ص ۳۳۱، اور مرحوم فیض کاشانی کتاب وافی میں اسی بات کے معتقد ہیں لیکن مرحوم فیض کاشانی فرماتے ہیں:

ان حضرات کے اجساد مثالی آسمان کی طرف لے جاتے ہیں اور ان کے اجساد عنصری زمین پر باقی رہتے ہیں۔ مرحوم مجلسیؒ نے کتاب "مرآۃ العقول"، ج ۱، ص ۲۲۷ پر لکھا ہے۔ بعض اس کے معتقد ہیں کہ انھیں آسمان پر لے جانے کے بعد دوبارہ ضریح میں لوٹا دیا جاتا ہے۔

ابن حاجب نے شیخ مفیدؒ سے پوچھا: اگر ان ہستیوں کے اجساد آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو پھر زائرین کا ان ضریحوں پر حاضری دینے کا کیا فائدہ ہے؟

جناب شیخ مفیدؒ نے جواب میں فرمایا: خدا کے بندے ان حضرات کی قبور پر ان کے احترام اور اس جگہ کے مقدس ہونے کی وجہ سے وہاں پر حاضر ہوتے ہیں۔ پھر انھیں آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس کی مثال خانۂ خدا کے طواف کے مانند ہے، جبکہ کوئی بھی جگہ خدا کا احاطہ نہیں کر سکتی اور نہ وہ کسی جگہ میں محدود ہوتا ہے بلکہ خدا کی تعظیم اور اس کے مقامِ اُلوہیت کی تکریم کی خاطر بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ ان بزرگوں کی مقدس ضریحوں پر حاضر ہونا بھی اسی طرح سے ہے۔ ⇦

کو نصیحتیں کرتا تھا امامؑ کو بھی نصیحت کی اور کہا: میں تمہارے دین و دنیا کی بہتری اسی میں سمجھتا ہوں کہ تم یزید کی بیعت کر لو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کلمہ استرجاع "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" کی تلاوت

ابن حجر کی کتاب "الفتاوئ الحدیثیہ" ص ۲۱۳ پر ابن عربی سے نقل ہوا ہے کہ جب انبیاؑ کے اجساد قبروں میں رکھے جاتے ہیں تو ان کی روح ان کے جسم میں لوٹ آتی ہے اور انھیں اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو قبر سے باہر آ کر ملکوت اعلیٰ یا سفلی میں تصرف کریں۔ اس بنا پر کوئی بھی ایسا مانع نہیں ہے کہ رسولؐ خدا اپنے زائرین کو دیکھیں، کیوں کہ وہ خورشید کے مانند ہیں جو سب پر چمکتا ہے۔

لیکن آئمہ معصومین علیہم السلام سے وارد روایات کے ظاہر سے استفادہ ہوتا ہے کہ اجسادِ مطہر قبور میں باقی رہتے ہیں یا اگر آسمان پر لے جائے جائیں تو انھیں دوبارہ لوٹایا جائے گا، جیسا کہ کتاب "مرآۃ العقول" میں بھی ایک جماعت کی طرف اس کی نسبت دی گئی ہے۔ بہرحال حضرت سید الشہداؑ نے رات کے وقت اپنے جدِ امجد کے روضۂ منورہ پر جا کر انھیں مخاطب کرتے ہوئے جو گفتگو کی اور عرض کیا: اَسْئَلُکَ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِیْہِ۔۔۔۔۔ اس جملہ وَمَنْ فِیْہِ میں اس کا مکمل ظہور ہے کہ رسولؐ خدا کا بدنِ مطہر اس قبر کے اندر موجود ہے۔

اگر کہا جائے کہ بدنِ شریف کا قبر میں ہونا اس سے اہم ہے کہ وہ تھا لیکن بعد میں اسے آسمان کی جانب لے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً: اگر انصراف کے افراد اور مراتب ہوں اور مربوط مولود میں سے کسی مورد کے معین و مشخص ہونے پر کوئی دلیل بھی نہ ہو تو پھر اس کا انصراف کامل ترین فرد کی جانب ہوگا اور کامل ترین فرد اس کا مسلسل قبر میں ہونا ہے نہ کہ اس کا انقطاع (یعنی کبھی ہے اور کبھی نہیں)۔

علاوہ ازیں منقول روایات کی عبارات بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ آئمہ علیہم السلام اور مومنین کی سیرت بھی یہی ہے کہ وہ قبر پر حاضر ہو کر اہلِ قبر کو سلام کے ذریعے مخاطب قرار دیتے ہیں۔ یہ بھی اس پر دلیل ہے کہ یہ خطاب، خطابِ حقیقی ہے نہ کہ تشریفاتی اور احتراماً۔

اسی طرح ایسی روایات وارد ہوئی ہیں کہ اگر کوئی دُور دراز سے کسی امام یا معصوم کی زیارت کرنا چاہے تو قبر کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو اور کہے: اگر یہ صرف تشریفاتی اور احترام کی غرض سے ہوتا تو یہ چیز صرف ان لوگوں کے لیے ہوتی جو قبر کے قریب ہوں لیکن وہ لوگ جو دُور دراز کے شہروں میں رہتے ہیں ان کے لیے کیوں ضروری ہے کہ وہ قبر کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوں؟ یہ چیز ذہن میں رہے کہ مذکورہ عمل ایک طرح کا ذہنی ارتکاز اور مذہبی کام ہے کہ جو معصومؑ کے زمانے سے متصل ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کام سے روکا نہیں گیا بلکہ بہت سی روایات میں اس کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس بنا پر مذکورہ سیرت حجت ہے۔

کی اور فرمایا: عَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذَا بُلِيَتِ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلَ يَزِيدَ، "جب اُمتِ مسلمہ یزید جیسے شخص کی حکومت سے دوچار ہوجائے تو پھر اسلام کا فاتحہ پڑھ دینا چاہیے"۔ مَیں نے رسولِ خدا سے مکرر سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

"حکومت اور خلافت آلِ ابی سفیان پر حرام ہے۔[1] جب بھی تم دیکھو کہ معاویہ منبر پر میری جگہ پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہے تو اس کا پیٹ پھاڑ دو"۔ مدینہ کے لوگوں نے اسے رسولِ خدا کے منبر پر دیکھا لیکن حکمِ خدا پر عمل نہیں کیا۔ لہٰذا خداوند متعال نے انھیں یزید جیسے فاسق شخص سے دوچار کردیا۔ امامؑ اور مروان کے درمیان گفتگو اس قدر طول پکڑ گئی کہ وہ غصے میں آکر امامؑ سے جدا ہوگیا۔ (مقتلِ خوارزمی: ج۱، ص۱۸۵، فصل ۹)

حضرت امام حسین علیہ السلام دوسری رات کو دوبارہ اپنے جدّ رسولِ خدا کی زیارت کے لیے آئے، کچھ رکعتیں نماز پڑھی، نماز کے بعد گریہ کرتے ہوئے عرض کیا: "خداوندا! یہ تیرے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر ہے اور میں تیرے پیغمبر کی بیٹی کا فرزند ہوں، جس مشکل کا مجھے سامنا ہے تُو اس سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ خداوندا! مَیں معروف کو پسند اور منکر سے نفرت کرتا ہوں۔ اے خدائے ذوالجلال والاکرام! مَیں اس قبر اور اس کے صاحب کی قسم دے کر تیری بارگاہ میں درخواست کرتا ہوں، مجھے اس سے دوچار کر جس میں تیری اور تیرے رسولؐ کی رضا و خوشنودی ہو!"

جب طلوعِ فجر کا وقت قریب ہوا تو امامؑ نے اپنا سر مبارک قبر پر رکھا، اُونگھ آگئی۔ اس دوران میں آپؑ نے رسولِ خدا کو فرشتوں کے جھرمٹ میں دیکھا کہ جو دائیں بائیں اور آگے پیچھے ان کے ہمراہ چل رہے ہیں۔ آں حضرتؐ نے امام حسین علیہ السلام کو گلے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے فرمایا:

حَبِيْبِي يَا حُسَيْنُ كَأَنِّي أَرَاكَ عَنْ قَرِيْبٍ مُرَمَّلًا بِدِمَائِكَ مَذْبُوحًا بِأَرْضِ كَرْبَلَا بَيْنَ عِصَابَةٍ مِنْ أُمَّتِي وَأَنْتَ مَعَ ذٰلِكَ عَطْشَانٌ لَا تُسْقٰى وَظَمْآنٌ لَا تُرْوٰى، وَهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ يَرْجُونَ شَفَاعَتِي، لَا

---

[1] لہوف: ص ۱۲، مثیر الاحزان ابن نما: ص ۱۰۔

أَنَالَهُمُ اللهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَبِيبِي يَاحُسَيْنُ اِنَّ اَبَاكَ وَاُمَّكَ وَاَخَاكَ قَدِمُوا عَلَيَّ وَهُمْ مُشْتَاقُوْنَ اِلَيْكَ

"اے میرے پیارے حسینؑ! گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپؑ عنقریب اپنے خون میں غوطہ زن ہوں گے، صحرائے کربلا میں میری اُمت کا ایک لشکر آپؑ کو تشنہ لب شہید کرے گا۔ آپؑ کے ہونٹ پیاس سے خشک ہو چکے ہوں گے، پھر بھی پانی نہیں دیں گے۔ اس کے باوجود وہ میری شفاعت کے اُمیدوار ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ روزِ قیامت خداوند انھیں میری شفاعت سے محروم کرے گا۔

اے میرے عزیز حسینؑ! آپؑ کے باپ، ماں اور بھائی میرے پاس آچکے ہیں اور آپؑ کے منتظر ہیں"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے جدِّ امجد کی گفتگو سنی تو گریہ کرتے ہوئے ان سے التجا کی کہ وہ انھیں اپنے ساتھ قبر کے اندر لے جائیں لیکن رسولؐ خدا نے قبول نہ فرمایا، سوائے اس کے کہ ان کا فرزند دنیا سے اس حالت میں رخصت ہو کہ ان کے اجروثواب میں اضافہ ہو اور روزِ قیامت خدا کے حضور فیصلے کے وقت ان کے پاس دشمن کے خلاف حجت اور دلیل ہو، لہٰذا اپنے بیٹے کے جواب میں فرمایا:

لَابُدَّ اَن تُرزَقَ الشَّهَادَةُ لِتَكُوْنَ لَكَ مَا كَتَبَ اللهُ فِيهَا مِنَ الثَّوَابِ الْعُظِيمِ، فَاِنَّكَ وَاَبَاكَ وَعَمَّكَ وَعَمَّ اَبِيكَ تَحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي زُمْرَةٍ وَاحِدَةٍ حَتَّى تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

"اے میرے فرزند! ضروری ہے کہ آپؑ کو شربتِ شہادت پلایا جائے تاکہ وہ اجرِ عظیم حاصل کر سکیں جو خدا نے آپؑ کے لیے لکھا ہے۔

اے میرے لال! آپؑ، آپؑ کے باپ، آپؑ اور آپؑ کے چچا اور آپؑ اور آپؑ کے باپ کے چچا تمام کے تمام مل کر بہشت میں داخل ہوں گے"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نیند سے بیدار ہوئے اور اپنا خواب اپنے اہلِ بیتؑ کے سامنے بیان کیا۔ وہ بے حد غم زدہ اور ناراحت ہوئے، گریہ کیا اور انھیں معلوم ہوگیا کہ وہ وعدہ جو رسولِؐ خدا نے کیا ہے اس کا وقت قریب آچکا ہے۔ نُورِ نبوت سے شدید محبت اور اس خوف سے کہ کہیں انھیں ہاتھ سے نہ کھو بیٹھیں اور تمام فیوضاتِ عالیہ سے محروم نہ ہوجائیں۔ ان کے اردگرد اکٹھے ہوگئے اور ان سے گزارش کی کہ کہیں دُور دراز شہر کی طرف چلے جائیں جہاں پر یزیدی نہ پہنچ سکیں۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہمدردی کرنے والی شخصیات

۱۔ عمر اطرف [1]

سب سے پہلے امیر المومنین علی علیہ السلام کے فرزند عمر اطرف نے اپنے بھائی حضرت سید الشہداؑ کی خدمت میں عرض کیا: بھائی جان! میں نے ابو محمد امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے سنا ہے کہ انھوں نے اپنے پدرِ بزرگوار امیر المومنین علی علیہ السلام سے حدیث نقل کی ہے کہ آپؑ قتل کیے جائیں گے، لہٰذا اگر آپؑ یزید کی بیعت کر لیں تو میری نظر میں یہ بہتر ہوگا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی کو جواب میں یوں فرمایا: مَیں نے خود اپنے والدِ گرامی سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا: رسولؐ خدا نے مجھے بتایا: اے علیؑ! تُو اور حسینؑ دونوں قتل کیے جاؤ گے اور اس کی قبر میری قبر کے نزدیک ہوگی۔ تم یہ خیال کر رہے ہو کہ جو کچھ تم جانتے ہو، میں اس سے بے خبر ہوں؟ میں ان پست انسانوں کے سامنے کبھی سرِ تسلیم خم نہیں کروں گا۔

---

[1] جنابِ عمر اطرف امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ وہ اور حضرت امیر المومنینؑ کی بیٹی جنابِ رقیہ جڑواں پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام اُمِ حبیبہ بنت ربیعہ تھا۔ ان کے نام اطرف کی وجہِ تسمیہ یہ تھی کہ وہ علیؑ بن حسینؑ کے فرزند عمر اشرف کے برابر تھے۔ چونکہ وہ صرف باپ کی طرف سے فضیلت کے مالک تھے اور حضرت صدیقہ اطہر فاطمہ علیہا السلام سے نہیں تھے جب کہ علی بن حسینؑ کے فرزند عمر امیر المومنین علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کی نسل سے تھے، لہٰذا انھیں عمر اشرف اور اُنھیں عمر اطرف کہا جاتا تھا۔ عمر اطرف کا سن پچاسی سال تھا۔ انھوں نے اپنے چچا عقیل کی بیٹی اسماء سے شادی کی، ان کی کئی اولادیں تھیں۔ وہ امیر المومنینؑ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ وہ فاضل اور مستقیم العقیدہ شخص تھے۔ ان کی وفات پچاسی سال کی عمر میں مدینہ سے باہر "ینبوع" کے مقام پر ہوئی۔ ان کی بہن حضرت رقیہ سلام اللہ علیہا مسلمؑ بن عقیلؑ کی زوجہ بنیں۔ ان کا ایک بیٹا عبداللہ مسلمؑ تھا جو کربلا میں شہید ہوا ہے۔

جناب فاطمہ علیہا السلام ضرور اپنے پدر بزرگوار کی زیارت کو جائیں گی اور اس اُمت کی شکایت کریں گی۔ جن لوگوں نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ان کی ذُریت کی وجہ سے اذیت دی ہے وہ ہرگز بہشت میں نہیں جائیں گے۔ (لہوف: ص ۱۵)

لَاُبُدَّ اَنْ تَرِدَ الْقِيَامَةَ فَاطِمٌ ۔۔۔ وَقَمِيصُهَا بِدَمِ الْحُسَيْنِ مُلَطَّخٌ

وَيْلٌ لِمَنْ شُفَعَاؤُهُ خُصَمَاؤُهُ ۔۔۔ وَالصُّورُ فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ يُنْفَخُ ①

"خاتونِ قیامت حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا قیامت کے پُرہولناک ماحول میں اس طرح میدانِ حشر میں تشریف لائیں گی کہ آپؑ کی قمیض امام عالی مقامؑ کے خونِ مطہر سے لت پت ہوگی۔ افسوس ہے امامِ مظلومؑ کے اُن دشمنوں پر، جو اس روزِ حساب میں جس دن صُور پھونکا جائے گا، حسینؑ کے نانا کی شفاعت کے اُمیدوار ہیں"۔

۲۔ ابن حنفیہ ②

جناب محمد بن حنفیہ نے کہا: بھائی جان! آپؑ میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تر اور انتہائی عزیز ہیں۔ میں نے آج تک آپؑ کے علاوہ ہر کسی کو نصیحت کی ہے کیوں کہ میں آپ کو اس سے بے نیاز اور ہر کسی کو آپ کی نصیحت کا محتاج سمجھتا ہوں، لہٰذا مَیں نے آپؑ سے کبھی کچھ عرض نہیں کیا (لیکن اب مَیں آپؑ کے لیے جو بہتر سمجھتا ہوں عرض کر رہا ہوں)۔ اگر

---

① مناقب ابن شہر آشوب: ج ۴، ص ۹۱ پر مذکورہ اشعار کی نسبت مسعود بن عبداللہ قائنی کی طرف دی گئی ہے۔

② علامہ حلیؒ نے ابن مہنا کے مسائل کے جواب میں فرمایا ہے: جناب محمد بن حنفیہ اس لیے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے نہیں گئے تھے کیوں کہ وہ مریض تھے۔

ابن نما نے کتاب آخذ الثار: ص ۸۱ پر لکھا ہے: جناب محمد حنفیہ کو آنکھوں میں تکلیف تھی جس کی بنا پر وہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ قیام نہیں کر سکے، ورنہ محمد حنفیہ کا مقام و مرتبہ، ان کے مسلّم نظریات اور وہ اعترافات کہ جو انھوں نے حضرت امام سجادؑ کی امامت کے بارے میں کیے ہیں، کو پیشِ نظر رکھیں تو مدینہ میں ان کے باقی رہنے پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

مؤلف کتاب عرض کرتا ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام کہ جو ایک عالمی قیام کرنا چاہتے تھے، ان کی راہ روی میں تمام کام منظم طور پر اور متعارف طریقہ سے انجام پانے کی ضرورت تھی، لہٰذا مدینہ کہ جو اس وقت ⇐

آپؑ نے یزید کی بیعت نہیں کرنی ہے تو کسی ایسی جگہ پر چلے جائیں جو یزید کی دسترس اور ان شہروں سے دُور ہو۔ وہاں پر لوگوں کی طرف اپنے نمائندے بھیجیں اور انھیں اپنی بیعت کرنے کی دعوت دیں۔ اگر انھوں نے آپؑ کی بیعت کر لی تو اس پر خدا کا شکر ادا کریں اور اگر وہ کسی اور کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں تو اس طرح آپؑ کی دیانت و سیاست پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔ آپؑ کی شخصیت اور احترام بھی محفوظ رہے گا۔ لیکن اگر آپؑ کسی ایک شہر میں تشریف لے جاتے ہیں تو مجھے خوف ہے کہ لوگوں کے درمیان اختلاف ہو جائے گا۔ ایک گروہ آپؑ کا حامی اور دوسرا مخالف ہوگا۔ یوں اس کا انجام کشت و کشتار اور خون ریزی پر ہوگا اور آپؑ مشکلات میں گرفتار ہو جائیں گے۔ نتیجتاً آپؑ جو کہ بہترین اُمت اسلامی ہیں، کا خون رائیگاں جائے گا اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ پریشان و خوار ہوں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: فَاَیْنَ اَذْهَبُ؟ تیرے خیال میں، مَیں کہاں جاؤں؟

جناب محمد حنفیہؒ نے عرض کیا: میرے خیال میں اگر آپؑ مکہ تشریف لے جاتے ہیں تو یہ بہتر ہے۔ البتہ اگر وہاں پر آپؑ محفوظ نہ ہوں تو دشت و بیابان سے گزرتے ہوئے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف سفر کرتے رہے اور لوگوں کی صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھیں۔ البتہ آپؑ کا اپنا نظریہ درست تر اور مقامِ عمل میں ہر کسی سے محتاط تر ہے (اُمید ہے کہ آپؑ احتیاط کی رعایت فرمائیں گے)۔ اور معاملات ہمیشہ آپؑ کے فائدہ میں ہوں، آپؑ کو کوئی مشکل پیش نہ آئے اور ایک کے بعد ایک تمام مشکلات کو حل کرتے جائیں۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۹۱۔

⇦ بھی اہم ترین مرکز شمار ہوتا تھا، درست نہیں تھا کہ امام حسینؑ وہاں سے چلے جائیں اور ان کا اس کے ساتھ کوئی رابطہ نہ رہے۔ نیز جنگی اعتبار سے بھی ضروری تھا کہ کوئی نہ کوئی وہاں پر ہو جو انھیں وہاں کی صورتِ حال سے آگاہ کرتا رہے۔ اگر محمد حنفیہ مریض نہ ہوتے تو تب بھی ضروری تھا کہ امامؑ کسی نہ کسی کو اس کام کے لیے معین کرتے، لہٰذا اس مورد میں جب بنا یہ تھی کہ ان کے بھائی محمد بن حنفیہ وہاں پر رہیں تو امامؑ نے رسمی طور پر یہ ذمہ داری ان کے سپرد کر دی اور واضح طور پر فرمایا:

فَتَكُوْنُ لِيْ عَيْنًا عَلَيْهِمْ لَا تُخْفِيْ عَنِّيْ شَيْئًا مِنْ اُمُوْرِهِمْ ''آپؑ ان کے درمیان میرے نمائندے ہو اور سب کچھ مجھے بتاتے رہیں''۔

کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۷)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب میں محمد بن حنفیہؒ سے فرمایا:

يَا أَخِي لَوْلَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا مَلْجَاءٌ وَلَا مَاوٰى لَمَا بَايَعْتُ يَزِيدَ بْنَ مُعَاوِيَةَ

"اے میرے بھائی! اگر اس وسیع و عریض دنیا میں میرے لیے کہیں بھی کوئی ملجا و ماویٰ اور پناہ گاہ نہ ہو، میں تب بھی یزید بن معاویہ کی بیعت نہیں کروں گا"۔

اس وقت محمد بن حنفیہ نے گریہ کرتے ہوئے امامؑ کی گفتگو کاٹ دی، لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے کچھ لمحوں کے بعد اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اے میرے بھائی! خداوند قدوس آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نے خیر خواہی اور نصیحت کرنے کی ذمہ داری پوری کی ہے لیکن میں اپنا وظیفہ بہتر سمجھتا ہوں۔ میں مکہ کی طرف روانہ ہونے کا پکا ارادہ کر چکا ہوں۔ میں، میرے بھائی، بھتیجے اور میرے شیعوں کی ایک جماعت روانہ ہونے کے لیے تیار ہو چکے ہیں۔ وہ ہر اعتبار سے میرے ہم عقیدہ ہیں اور انھیں میری رائے سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ اگر آپ مدینہ میں رہنا چاہتے ہیں تو آپؒ کی ذمہ داری یہ ہے کہ میری عدم موجودگی میں آپ ان لوگوں کی چھوٹی بڑی تمام حرکات وسکنات پر نگاہ رکھیں اور مجھے رپورٹ دیں۔ وَلَا تُخْفِ عَلَيَّ شَيْئًا مِنْ أُمُورِهِمْ "تاکہ ان کی کوئی بھی حرکت مجھ سے مخفی نہ رہے"۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۱۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۷)

اس کے بعد آپؑ، محمد حنفیہؒ کے پاس سے اُٹھے، مسجد میں گئے اور رسولؐ خدا کے روضۂ مقدسہ کے پاس یہ اشعار پڑھے:

لَا ذَعَرْتُ السَّوَامَ فِي فَلَقِ الصُّبْحِ

مُغِيرًا وَلَا دعيت يَزِيدًا [1]

يَوْمَ اعطي مَخَافَةَ الْمَوْتِ ضَيْمًا

---

[1] مراد یزید بن مفرغ ہے۔

وَالْمَنَايَا يَرْصِدْنِي اَنْ اُحِيْدَا[1]

"میں صبح کی پو پھٹتے وقت ظاہر باہر حملہ آور کی وجہ سے حیران و پریشان نہیں ہوں۔ اور نہ ہی میں جارح کہلایا جاؤں گا۔ کیا مظالم کی وجہ سے مجھے موت سے ڈرنا چاہیے جبکہ موت میرے راستے میں گھات لگائے ہوئے بیٹھی ہے؟ کہ میں کنارہ کشی اختیار کرلوں"۔

اس وقت ابوسعید مقبری وہاں پر موجود تھے، جب انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو یہ اشعار گنگناتے ہوئے سنا تو وہ سمجھ گئے کہ انھوں نے کسی اہم ترین کام کا ارادہ کر رکھا ہے۔[2]

۳۔ حضرت اُمِ سلمہؓ

جس وقت حضرت اُمِ سلمہؓ کو معلوم ہوا کہ امام حسین علیہ السلام عراق کی جانب روانہ ہو رہے ہیں تو وہ امامؑ کے پاس آئیں اور کہا:

لَا تَحْزِنِّي بِخُرُوجِكَ اِلَى الْعِرَاقِ.....

"آپؑ عراق کی طرف جا کر مجھے غمگین مت کریں......" کیونکہ میں نے آپؑ کے جدّ رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا: میرا بیٹا حسینؑ عراق میں سرزمینِ کربلا پر قتل کیا جائے گا"۔ اس شیشی میں آپؑ کی وہ تربت ہے جو پیغمبرؐ خدا نے مجھے دی ہے۔

امام علیہ السلام نے جواب میں ان سے فرمایا:

يَا اُمَّاهُ اَنَا اَعْلَمُ اَنِّي مَقْتُوْلٌ مَذْبُوْحٌ ظُلْمًا .....

"اماں! میں بھی آگاہ ہوں کہ میں ظلم و ستم کے ساتھ قتل کیا جاؤں گا، وہ میرا سرتن سے جدا کریں گے لیکن خداوند عزیز و جلیل نے یہ چاہا ہے کہ

---

[1] انساب الاشراف: ج ۳، ص ۷۶ پر لکھا ہے: امام علیہ السلام نے مکہ میں اس شعر سے مثال دی ہے لیکن یہ بعید نہیں ہے کہ مکہ و مدینہ دونوں شہروں میں پیش آنے والے حالات کی مناسبتوں سے اس مثال کو بیان کیا ہو۔

[2] ابوسعید کیان مقبری مولی بن لیث رسولؐ خدا کے صحابی تھے اور ابوسعید مقبری کے والد ہیں۔ ان کی وفات ولید بن عبدالملک کی خلافت کے زمانے میں ہوئی ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۱۔ کتاب الاغانی: ج ۱۷، ص ۶۸۔ مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۱۸۶، فصل ۹۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۲۹۔

- میرے اہلِ بیتؑ دَر بہ دَر ہوں۔ میرے بیٹے شہید ہوں اور زنجیروں میں جکڑے جائیں، وہ فریاد بلند کریں لیکن کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آئے"۔

جنابِ اُمِ سلمہؓ نے فرمایا: حیران کن بات ہے، اس کے باوجود کہ آپؑ جانتے ہیں کہ آپؑ قتل کیے جائیں گے، پھر کہاں جا رہے ہیں؟!

امام علیہ السلام نے فرمایا: مادرِ جان! اگر آج نہیں جاتا تو کل جانا پڑے گا اور اگر میں کل رخصت نہ ہوا تو اگلے دن روانہ ہونا پڑے گا۔ خدا کی قسم! موت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ مجھے ابھی سے معلوم ہے کہ میں کس دن قتل کیا جاؤں گا، کس وقت مارا جاؤں گا اور وہ میرا سرتن سے جدا کریں گے، حتیٰ کہ مجھے اس قبر کا بھی علم ہے جہاں پر دفن کیا جاؤں گا۔ میرے لیے سب کچھ یوں واضح و روشن ہے جیسے آپ میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اماں! اگر آپؑ چاہیں تو میں ابھی آپ کو اپنی قبر اور اپنے دوستوں کے مقامات دکھاؤں؟

اس کے بعد جنابِ اُمِ سلمہؓ کی خواہش کے مطابق اپنی اور اپنے دوستوں کی پاکیزہ تُربت دکھائی۔ (مدینۃ المعاجز: ص ۲۴۴ منقول در کتاب ثاقب المناقب، دارالسلام محدث نوری: ج ۱، ص ۱۰۲۔ روضات الجنات: ص ۵۹۳۔ اثبات الوصیۃ: ص ۱۶۲۔ بحارالانوار: ج ۴۴، ص ۳۳۱)

اس کے بعد وہاں سے تھوڑی سی تُربت انھیں دی اور فرمایا: یہ شیشی سنبھال کر رکھیں، جب دیکھیں کہ اس سے خون اُبل رہا ہے، تو یقین کر لینا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔

جنابِ اُمِ سلمہؓ نے دسویں محرم کو ظہر کے بعد دونوں شیشیاں دیکھیں تو دونوں میں خون اُبل رہا تھا۔ (خرائج راوندی: باب معجزات امام حسینؑ۔ مقتل العوالم: ص ۴۷)

۴۔ خواتینِ بنی ہاشم

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی بنی عبدالمطلب کی خواتین پر انتہائی گراں اور ناگوار گزری، لہٰذا انھوں نے پُرنم آنکھوں کے ساتھ اور گریہ زاری کرتے ہوئے امام علیہ السلام کے اردگرد حلقہ باندھا اور امام علیہ السلام سے التجا کرنے لگیں کہ وہ اپنے اس سفر کو ملتوی کردیں۔

سیّدالشہداؑ نے ان کے درمیان قدم رکھا اور انھیں سکوت و آرام کرنے کے ضمن میں فرمایا:

آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں، گریہ وزاری اور آہ و بکا کے ذریعے اپنی آوازیں بلند مت کریں۔ یہ کام خدا اور رسولؐ خدا کی رضا کے خلاف ہے۔

مخدرات نے امام علیہ السلام کے جواب میں عرض کیا: ہم کس طرح گریہ وزاری اور آہ و بکا کو روک سکتی ہیں۔ ہمارے لیے آج کا دن اس روز کے مانند ہے جس دن رسولؐ خدا، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ اے تمام گذشتگان کے دوست! ہماری جانیں آپؑ پر قربان، آپؑ کو خدا کا واسطہ، اس سفرموت سے پرہیز کریں۔

ان کی ایک پھوپھی نے کہا: میں نے سنا ہے کہ ہاتف نے غیب سے کہا ہے:

وَ اِنَّ قَتِیْلَ الطَّفِ مِن آلِ ھَاشِمٍ
اَذَلَّ رِقَابًا مِن قُرَیْشٍ فَذَلَّت ①

"میدانِ کربلا میں قریش کے ذلیل ورُسوا لوگوں کے ہاتھوں بنوہاشم کے ایک فرد کو قتل کیا جائے گا اور قریش مزید ذلیل ورُسوا ہوں گے"۔

---

① ابن قولویہ نے کامل الزیارات: ص ۹۶ پر دو بیت نقل کیے ہیں، لیکن حماسہ ابی تمام اور اس کی شرح تحریر تبریزی: ج ۳، ص ۱۳۔ مروج الذھب: ج ۲، ص ۹۳، مناقب شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۲۸، اور مثیر الاحزان نے چار بیت نقل کیے ہیں۔ معجم البلدان: ج ۶، ص ۵۲ اور مقالات الاسلامیین، تالیف ابی الحسن اشعری: ج ۱، ص ۳، ۱۳۲ پر پانچ بیت تحریر ہیں۔ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۷ ۳، سیر اعلام النبلا ذہبی: ج ۳، ص ۲۱۵ پر چھے بیت ثبت ہیں۔

مقاتل الطالبین: ص ۱۹، طبع ایران اور کتاب نسب قریش، تالیف مصعب الزبیری: ص ۴۱ پر سات بیت درج ہیں۔ بدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۲۱۱۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۱۳۹۔ مثیر الاحزان ابن نما پر آٹھ شعر نقل ہوئے ہیں۔

شعر کہنے والے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۷ ۳ پر لکھا ہوا ہے کہ یہ شعر تیمی تیم بن مرۃ کے ہیں۔ کتاب الاصابہ: ج ۳، ص ۳۷ اور مقالات الاسلامیین نے بیان کیا ہے کہ یہ شعر ابورمح خزاعی کے ہیں۔ ابن نما نے بھی یہی قول مرزبانی سے نقل کیا ہے۔

کتاب شرح تبریزی: ج ۳، ص ۱۳ پر تحریر ہے کہ مذکورہ اشعار ابورمح خزاعی کے ہیں جو "ج" کے ساتھ ہے۔ لیکن المعجم مما استعجم میں بکری نے ابن رمح (حا) کے ساتھ نقل کیا ہے اور یہی ایک بیت جس کا ذکر متن میں ہوا ہے۔ صرف اسی کو ذکر کیا ہے۔ ⇦

امام علیہ السلام نے انھیں صبر و تحمل کرنے کا حکم کرتے ہوئے فرمایا: یہ امر مقدراتِ الٰہی میں سے ہے، اسے ہر حال میں انجام پانا چاہیے۔

۵-عبداللہ بن عمرؓ

عبداللہ بن عمر بھی جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے ارادہ سے مطلع ہوا تو وہ آں حضرتؑ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ امام علیہ السلام مدینہ ہی میں رہیں۔ امام علیہ السلام نے اس کی درخواست

⇦ مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے: یہ شعر سلیمان بن قبہ کا ہے، لیکن ابن عساکر نے اپنی تاریخ کی جلد ۴، ص ۳۴۲، ذہبی نے سیر اعلام النبلا کی جلد ۳، ص ۲۱۵، اور ابوعمر نے الاستیعاب میں قاف کے بعد نون یعنی قتہ ذکر کیا ہے۔ جبکہ تہذیب کامل مبرد: ج ۲، ص ۲۳۵، اعیان الشیعہ: ج ۳۵، ص ۱۳۵، اور نسب قریش، تالیف مصعب الزبیری میں سلیمان بن قتہ ذکر کیا ہے۔ مقاتل ابی الفرج: ص ۴۹، اور بدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۲۱۱ پر قُتَیبہ ذکر کیا ہے۔

مثیر الاحزان میں لکھا ہے: سلیمان بن قتیبہ عدوی ولی بنی تیم حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے تین دن بعد کربلا سے گزرا تو جب اس کی نگاہ ان کی قتل گاہ پر پڑی تو اس نے وہاں پر اپنی کمان پر تکیہ کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھے۔

سید ابن طاؤس نے لہوف: ص ۱۱۶ پر لکھا ہے: ابن قُتَیبہ پر خدا رحمت کرے، اس نے کتنے اچھے اشعار کہے ہیں۔ کتاب معجم البلدان: ج ۶، ص ۵۲ پر لکھا ہے کہ یہ اشعار ابی دھبل حجمی کے ہیں۔ تاج العروس نے بھی مادہ "الطف" میں ایک بیت کو ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہوئے معجم البلدان کی موافقت کی ہے۔

کتاب اغانی: ج ۶، ص ۱۳۹ پر ذکر ہوا ہے کہ یہ اشعار وہب بن زمعہ بن اسدی کے ہیں کہ جو معاویہ اور عبداللہ بن زبیر کا مداح اور یمن میں اس کا گورنر تھا، لیکن چونکہ مداح ظالم تھا لہٰذا بعید ہے کہ یہ اشعار اس کے ہوں مگر یہ کہ منافقانہ زندگی گزارتا رہا ہو۔

کتاب اغانی، ج ۶، ص ۱۳۹ پر تحریر ہے کہ مصعب بن زبیر کوفہ میں داخل ہوا اور اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کی شہادت کے بارے میں پوچھا تو عروہ بن مغیرہ نے سلیمان بن قتہ کے قول سے مثال پیش کرتے ہوئے کہا:

فَإِنَّ الأُولَى بِالطَّفِّ مِن آلِ هَاشِمٍ　　　تَأَسَّوا فَسَنُّوا لِلكِرَامِ التَّأَسِّيَا

ابن جزری نے طبقات القراء: ج ۱، ص ۳۱۴ پر لکھا ہے کہ اس کا نام سلیمان بن قتہ، جب کہ قتہ سلیمان کی ماں تھی۔ بہرحال معروف ہے کہ جس خاتون نے ہاتفِ غیبی کی ندا سنی وہ امِ ہانی تھی۔ لیکن یہ ⇦

قبول نہ کی اور جواب میں فرمایا:

عبداللہ بن عمر خدا کے نزدیک دنیا کی پستی و بے قدری یہ ہے کہ لوگ خدا کے پیغمبر یحییٰ بن زکریا کا سرتن سے جدا کر کے بنی اسرائیل کے ایک ستم گر اور زانی کے پاس بطور ہدیہ لے جاتے ہیں، اور میرا سر بھی بنی اُمیہ کے زنازاد کے پاس بطور ہدیہ لے جائیں گے۔

کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ بنی اسرائیل طلوع فجر سے لے کر طلوع آفتاب تک ستر پیغمبروں کو قتل کرنے کے بعد یوں خرید وفروخت اور اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے تھے، گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ اس کے باوجود خداوند متعال نے انھیں مہلت دی۔ چونکہ انھیں ہوش نہیں آیا تھا، لہٰذا خدا نے اپنی قدرت اور سختی سے ان سے انتقام لیا۔ (ابن نما، لہوف)

چونکہ عبداللہ بن عمر سمجھ چکا تھا کہ امام علیہ السلام نے مدینہ کو چھوڑنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے اور وہ منکرات کا قلع قمع کرنے اور شریعت مقدس کے راستے سے باطل کے کانٹے دُور کرنے کے لیے دشمن کا مقابلہ کرنے میں مصمم ہیں۔ اس نے عرض کیا:

اے ابا عبداللہ! میں چاہتا ہوں کہ مفارقت کے اس وقت میں بھی آپ کے بدن کی اس جگہ پر بوسہ دوں جہاں پر رسولؐ خدا مسلسل بوسہ دیا کرتے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا سینہ اس کے سامنے نمایاں کیا۔ عبداللہ بن عمر نے گریہ کرتے اور آنسو بہاتے ہوئے تین مرتبہ امامؑ کے سینہ پر بوسہ دیا اور کہا: اَستَودِعُكَ یَا اَبَا عَبدِ الله ''میں آپ کو خدا کے حوالے کرتا ہوں''۔ اس نے یوں حضرت امام حسین علیہ السلام سے خدا حافظی کی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس سے آخری گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: اے ابا عبدالرحمٰن! خدا سے ڈرو اور میری مدد کرنے سے ہاتھ مت کھینچو۔ (لہوف: ص ۱۷)

□□□

⇦ درست نہیں ہے کیونکہ ابن شہر آشوب نے مناقب: ج ۱، ص ۱۱۰ پر لکھا ہے کہ وہ رسولؐ خدا کے زمانے میں ہی دنیا سے رخصت ہو گئی تھی۔ البتہ تقریب التہذیب، ص ۴۲۰، طبع لکھنؤ میں ابن حجر کے بقول اس کی وفات معاویہ کے زمانے میں ہوئی ہے۔

نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی

امام علیہ السلام کی محمد بن حنفیہ کو وصیت

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینہ سے روانگی کے وقت ایک وصیت نامہ لکھا جس میں یوں تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

''یہ وصیت نامہ حسینؑ بن علیؑ کی جانب سے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے نام ہے۔ حسینؑ گواہی دیتا ہے۔ خدا کی توحید و یگانگی کی، شہادت دیتا ہے کہ خدا کا کوئی شریک و ہم کفو نہیں اور گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور اس کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں کہ جو حق یعنی اسلام کو خدا کی طرف لائے، گواہی دیتا ہے کہ جنت و جہنم حق ہیں، بلاشک و شبہ روزِ جزا آئے گا اور اس دن خدا تمام مردوں کو زندہ کرے گا۔

مَیں خود خواہی اور سرپیچی یا فتنہ و فساد اور ستم گری کے لیے مدینہ سے روانہ نہیں ہو رہا ہوں بلکہ اس سفر سے میرا ہدف امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور مفاسد کی اصلاح ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے جد ہیں اور مَیں چاہتا ہوں کہ اپنے جد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور اپنے پدر علیؑ ابن ابی طالبؑ کی سیرت کو زندہ کروں۔ اس بنا پر جو کوئی بھی مجھ سے اس حقیقت کو قبول اور میری پیروی کرے درحقیقت اس نے راہِ خدا کہ جو برتری ہے کو قبول کیا اور جو کوئی بھی مجھ سے اس حقیقت کو قبول اور میری پیروی کرے۔ درحقیقت اس نے راہِ خدا کہ جو برترین ہے کو قبول کیا اور جو کوئی مجھ سے قبول نہ کرے،

میں اسی اعتقاد پر پائے دار ہوں گا، یہاں تک کہ خداوند میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کرے کہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اے میرے بھائی! آپ کے نام ہے میری یہ وصیت، البتہ کام کو درست کرنا خدا کے ہاتھ میں ہے اور میں اسی پر توکل کرتا ہوں اور میری بازگشت اسی کی طرف ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اس کے بعد وصیت نامے پر اپنی مُہر لگائی اور اسے لپیٹ کر اپنے بھائی محمد حنفیہؒ کے سپرد کر دیا۔①

رَافِعُ رَایَةَ الْهُدیٰ بِمَهْجَتِهٖ　　كَاشِفُ ظُلْمَةِ الْعَلیٰ بِبَهْجَتِهٖ
بِهٖ اسْتَقَامَتْ هٰذِهِ الشَّرِیعَه　　بِهٖ عَلَتْ أَرْکَانُهَا الرَّفِیْعَهُ
بَنٰی الْمَعَالِیَ بِمَعَالِی هِمَّهُ　　مَا اخضَرَّ عُودُ الدِّیْنِ اِلَّا بِدَمِهٖ
نَبْعُهُ اشْتَرٰی حَیَاةَ الدِّیْنِ　　فَیَالَهَا مِنْ ثَمَنٍ ثَمِیْنِ

---

① جیسا کہ مقتل العوالم، ص ۵۴ اور مقتل خوارزمی: ج۱، ص ۱۸۸ پر اشارہ ہوا ہے کہ اس وصیت سے امام علیہ السلام کی مراد و مقصد واضح و روشن ہے۔ امام علیہ السلام یہ چاہتے تھے کہ اپنی اس مقدس تحریک کا ہدف و مقصد سب کے سامنے واضح طور پر بیان کریں۔ آغاز سے انجام تک اپنی شخصیت، اپنے عقائد اور مبداء و معاد سب کچھ بیان کریں تاکہ تمام لوگوں پر حجت تمام ہو اور بنی اُمیہ کی مسموم و منحوس تبلیغات کے فریب میں نہ آئیں کہ جو یہ کہیں گے کہ حسینؑ نے خلیفہ وقت کے خلاف قیام کیا، مسلمانوں میں انتشار پیدا کیا اور اُمت اسلامی کے اتحاد و یگانگت کا شیرازہ بکھیرا ہے اور اس نے حکومت کا دعویٰ اور راہبری کا لالچ کیا ہے۔
چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ وہ خاندان پیغمبرؐ کی بیخ کنی کرنے، اور اسے ایک کنارے لگانے اور اپنے اعمال کو جلوہ دینے کے لیے مسلسل کوشش کریں گے۔ لہٰذا خود امام علیہ السلام، ان کا خاندان اور اصحاب باوفا بھی پہلے سے ہی اس کے درپے تھے کہ ان کے جھوٹ کو نقش برآب کریں اور اس تحریک کو چلانے کا اپنا ہدف سب پر واضح کریں۔ لہٰذا امام علیہ السلام نے اپنے وصیت نامہ میں اپنے قیام کے اسباب کہ جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر، فتنہ و فساد کا مقابلہ اور بنی اُمیہ کی طرف سے احکام میں کی گئی تبدیلی کہ جو ظلم و ستم اور فساد کے زیادہ ہونے کا باعث بنی، کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام حسین علیہ السلام اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہیں کہ سنت پیغمبرؐ اور سیرت علیؑ کو زندہ کریں اور معاشرے میں عدل و انصاف حکم فرما ہو۔

أَحيَا مَعَالِمَ الهُدىٰ بِرُوحِهِ ۔ دَاوِی جُرُوحُ الدِّیْنِ مِن جُرُوحِهِ
جَفَّت رِیَاضُ العِلمِ بِالسُّمُومِ ۔ لَم یَرْوِھَا اِلَّا دَمُ المَظلُومِ
فَاَصحَبَت مُورِقَةُ الاَشجَارِ ۔ یَانِعَةٌ زَاکِیَةٌ الثِّمَارِ
أُقعُد کُلَّ قَائِمٍ بِنَهضَتِهِ ۔ مذ لجأت بِرُکنِهَا الشَّدِیدِ
غَدَت بِهِ سَامِیَةُ القِبَابِ ۔ مَعَاهِدَ السُّنَّةُ وَالکِتَابِ
أَفَاضَ کَالحَیَا عَلَی الوَرَادَ ۔ مَاءُ الحَیَاۃِ وَھُوَ ظَامٍ صَادِی
وَکُظَّهُ الظَّمَاء وَفِی طَیِّ الحَشَا ۔ رَی الوَرٰی وَاللّٰهِ یَقضِی مَا یَشَا
وَالتهبت أَحشَاؤُہُ مِنَ الظَّمَا ۔ فَأَمطَرَت سَحَائِبُ القُدسِ دَمَا

"فرزند رسولؐ نے پوری قوت اور دلجمعی کے ساتھ ہدایت کے پرچم کو بلند و برتر کیا اور اپنی شادابی اور نُورِ منور کے ساتھ تاریکی کا خاتمہ کیا۔ آپؐ کے وجود سے شریعت مستحکم ہوئی اور آپؐ کے وجود سے ہی شریعت کے ارکان بلند ہوئے۔ آپؐ کی بلند ہمتی اور عزم کی وجہ سے شرافت و عظمت کو قرار آیا اور آپؐ کے مقدس خون سے دین کی پژمردہ شاخ کو ہریالی ملی، آپؐ نے اپنی قربانی کے عوض دین کو ہمیشہ کی زندگی دے دی۔ کیا زمانے میں کسی چیز کی اس قدر بھی مہنگی قیمت لگی ہے؟

آپؐ نے اپنی پاکیزہ روح کے ذریعے ہدایت کی علامات کو زندگی بخشی اور اپنے زخموں کے ذریعے دین کے زخموں کا علاج کیا۔ چمنِ علم بادِ سموم کی وجہ سے پژمردہ ہو چکا تھا۔ اس صورت میں اُسے صرف مظلوم کا خون ہی سیراب کر سکتا تھا۔ پھر اسی باغ کے اَشجار سرسبز ہو گئے اور انھیں ثمر لگ گئے جو خوشبودار اور خوش ذائقہ تھے۔ آپؐ کے قیام کی وجہ سے ہر قیام کرنے والا بیٹھ گیا، یہاں تک کہ آپؐ نے اپنی قربانی سے دین کو قائم کر دیا۔ آپؐ کی وجہ سے توحید کے ستون سربلند ہو گئے۔ ایک مدت سے توحید نے اپنے مضبوط رکن کے ذریعے آپؐ کی طرف رجوع کر رکھا تھا۔

امامؑ کی بدولت اس کا منارۂ نور منور ہو گیا اور قرآنِ مجید اور سنت کی تعلیم کا مکتب بن گیا۔ اس نے اس طرح آبِ حیات کا کام کیا جیسے اشجار کی کلیوں پر بارش برسا کر انھیں مستفیض کرتی ہے۔ حالانکہ وہ شدت کی پیاس سے مرجھا چکی ہوتی ہیں۔ فرزند رسولؐ خود شدتِ پیاس سے جاں بلب تھے لیکن وہ مرکزِ فیض تھے کہ اُنھوں نے ساری مخلوق کو سیراب کر دیا اور خدا جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے جب ان کی پسلیاں پیاس کی شدت سے جل رہی تھیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر بادل خون کی بارش برسا رہے تھے"۔

مدینہ سے روانگی کے وقت امام حسین علیہ السلام کی گفتگو

حضرت امام حسین علیہ السلام ۶۰ ہجری رجب ختم ہونے سے دو روز قبل اتوار کی رات کو اپنی اولاد، اپنے بھائیوں، اپنے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کی اولاد اور اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔[1]

جب وہ شہر مدینہ سے نکل چکے تو اس وقت آپؑ نے اس آیۂ کریمہ کی کہ جو حضرت موسیٰ بن عمرانؑ کی مصر سے روانگی اور فرعونیوں کے ساتھ مبارزت کرنے کے لیے آنے سے متعلق نازل ہوئی، تلاوت فرمائی:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (سورۂ قصص: آیت ۲۱)

"پس موسیٰؑ خوف اور انتظار کی حالت میں شہر سے نکلے اور کہا: پروردگار! مجھے اس ستم گر قوم سے نجات دے"۔

امام علیہ السلام نے عبداللہ بن زبیر کہ جس نے رات میں اصلی راستے کو چھوڑ کر سفر کیا، کے برعکس اسی عام راستے کا انتخاب کیا جس سے عام لوگ آمدورفت کے لیے استفادہ کرتے تھے۔

---

[1] تاریخ طبری: ج ۲، ص ۱۹۰۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۱۸۹، فصل نہم میں لکھا ہے کہ ساٹھ ہجری میں شعبان کے تین روز گزر چکے تھے۔

امام علیہ السلام کے ایک صحابی ① نے یہ تجویز دی کہ آپؑ بھی عبداللہ بن زبیر کے مانند اصلی راستے کو چھوڑ کر فرعی اور کوہستانی راستے کو اختیار کریں تا کہ اگر یزید کے کارندے آپ کا پیچھا کریں تو آپؑ تک نہ پہنچ پائیں۔

امام علیہ السلام نے اس تجویز کے جواب میں فرمایا:

لَا وَاللّٰہِ لَا اُفَارِقُہٗ

"نہیں، خدا کی قسم! میں ہرگز راستہ تبدیل نہیں کروں گا"۔

اسی راستے پر اپنا سفر جاری رکھوں گا تا کہ جو کچھ رضائے خدا ہے اس تک پہنچ جاؤں۔ ②

آپؑ پانچ دن سفر کرنے کے بعد تین شعبان کو مکہ میں پہنچے تو مکہ میں داخل ہوتے وقت اس آیت کریمہ کہ جو حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے زیر تسلط علاقے سے نکل جانے کے بعد پڑھی تھی، تلاوت فرمائی:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (سورۂ قصص: آیت ۲۲)

"اور جب (موسیٰ علیہ السلام) نے مدین کا رُخ کیا تو کہا کہ عنقریب پروردگار مجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کردے گا"۔ (ارشاد: ص ۲۰۰۔ مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۱۸۹۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۲۲ و ۲۷۱۔ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۲۶۵)

حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ میں عباس بن عبدالمطلب کے ہاں تشریف لے گئے۔ مکہ کے لوگ اور مختلف شہروں سے آئی ہوئی شخصیات ان سے ملاقات کرنے کے لیے آنے لگیں۔ من جملہ ان میں سے ابن زبیر کہ جو مکہ کے جوار میں رہ رہا تھا۔ دوسرے لوگوں کے ہمراہ امامؑ سے ملنے کے لیے آیا، جب کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے مکہ میں تشریف لانے کی وجہ سے

---

① امامؑ کے چچازاد بھائی مسلمؑ بن عقیلؑ نے تجویز دی تھی۔ (مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۱۸۹)

② اس جواب سے یہ خوبی استفادہ ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام بڑے اطمینان کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں۔ انھیں کسی قسم کا کوئی خوف اور خطرہ نہیں تھا ورنہ وہ اصلی اور عام راستے کو اپنے لیے انتخاب نہ کرتے، وہ علانیہ طور پر کفر، بے دینی اور ظلم وستم کا مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔

پریشان بھی تھا، چونکہ وہ جانتا تھا کہ امام حسین علیہ السلام اس کی نسبت لوگوں میں زیادہ مقبول اور اہم تر ہیں، جب تک امامؑ وہاں پر موجود ہیں، لوگ اس کی بیعت نہیں کریں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ میں اپنے قیام کے دوران ایک دن اپنی جدہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کے روضہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہاں پر روضے کے پاس کچھ رکعتیں نماز بجالائیں اور خدا کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کے ساتھ گریہ وزاری کی۔(خصائص الحسینیہ، شیخ جعفر شوستری: ص ۳۵، طبع تبریز۔ مقتل العوالم: ص ۲۰)

مرحوم کاشف الغطاء رضوان اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

أَفْدِي الأُلَى لِلْعُلَى أَسْرَى بِهِم ظَعَنٌ — وَرَاءَهُ حَادٍ مِنَ الأَقْدَارِ يُزْعِجُهُ

رَكْبٌ عَلَى جَنَّةِ المَأْوَى مُعَرَّسَهُ — لَكِن عَلَى مِحَنِ البَلْوَى مُعَرَّجُهُ

مِثْلَ الحُسَيْنِ تَضِيقُ الأَرْضُ فِيهِ فَلَا — يَدْرِي إِلَى أَيْنَ مَأْوَاهُ وَمَولِجُهُ

وَيَطْلُبُ الأَمْنَ بِالبَطْحَا وَخَوفَ بَنِي — سُفيَان يقلقه مِنْهَا وَيُخْرِجُهُ

وَهُوَ الَّذِي شَرَفَ البَيْتِ الحَرَامِ بِهِ — وَلَاحَ بَعْدَ العَلَى لِلنَّاسِ مَنْهَجُهُ

يَاخَاطِراً لَا وَحَاشَا نُورَ عَزمَتِهِ — بِمَن سِوَاكَ الهُدَى قَد شَعَّ مَسْرَجُهُ

وَوَاسِعَ الحِلمُ وَالدُّنْيَا تَضِيقُ بِهِ — سِوَاكَ إِن ضَاقَ خَطْبَ مَن يُفَرِّجُهُ

وَيَا مَلِيكًا رَعَايَاهُ عَلَيْهِ طَغَت — وَبِالْخَلَافَةِ بَارِيه مُتَوِّجه

”کوئی اس صاحبِ عظمت وفضیلت پر اپنی جان قربان کردے جو سفر کے لیے روانہ ہوا اور لوگ اُسے اس کے بلند ہدف سے ہٹانے کے لیے ان کے پیچھے پڑگئے۔ وہ ایک ایسے قافلے کے سالار بنے جن کی منزل جنت تھی لیکن انھیں اپنی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بہت سے مصائب اور امتحانات سے گزرنا تھا۔

حسینؑ جیسی ہستی پر زمین تنگ ہوگئی اور اس وقت آپؑ نہیں جانتے تھے کہ وہ کہاں جائیں اور کس طرف جائیں۔ وہ بطحا میں ان کے طالب ہیں، لیکن ابوسفیان کی اولاد اُنھیں اس شہر میں خطرات سے دوچار کررہی ہے،

اور وہ اُنھیں وہاں سے نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس محترم گھر کو انھی کی وجہ سے شرف عطا ہوا اور لوگوں کے سامنے تاریکی و نابینائی کے بعد ان کا راستہ ظاہر ہوا۔ اے حیران و پریشان! آپؑ کے علاوہ کسی اور خانوادے کا نُور دنیا کی رہنمائی نہیں کرسکتا اور اس نُور کی روشنی ہر طرف پھیل گئی، لیکن اس حلیم وکریم انسان پر دنیا تنگ ہوگئی۔ آپؑ کے علاوہ کسی اور شخص پر دنیا تنگ ہوجاتی تو وہ اس مشکل سے چھٹکارا پانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا۔ اے جبر کے بادشاہ! تم نے ظلم و جبر سے حکومت کی اور اپنے اس دورِ سلطانی میں تُو نے کس کو چھوڑا ہے اور کون ہے جو (یزید) تیرے ظلم وستم کا نشانہ نہ بنا ہو"۔

امام علیہ السلام کا بصرہ کے لوگوں کے نام خط

حضرت امام حسین علیہ السلام نے شہر مکہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد بصرہ شہر کے جن قبائل کے رؤسا کے نام خط لکھا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

① مالک بن مسمع بکری[1] ② احنف بن قیس ③ منذر بن جارود[2]

④ مسعود بن عمرو ⑤ قیس بن ہیثم ⑥ عمرو بن عبید بن مَعمر

---

① تاریخ طبری: ج۶، ص ۶۳ پر لکھا ہے کہ مالک بن مسمع بنی اُمیہ کی طرف مائل تھا اور مروان نے جنگِ جمل میں اسے پناہ دی تھی۔

② منذر بن جارود ابن زیاد کا سُسر تھا۔ کتاب الاصابہ: ج۳، ص ۴۸۰ پر لکھا ہے کہ مُنذر بن جارود جنگِ جمل میں حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھا۔ ان کے دَور میں شہر اصطخر کا امیر بنا، اس کی ماں کا نام امامہ بنت نعمان تھا۔ وہ عبیداللہ کے زمانے میں ہند کا گورنر بنا اور ۶۰ ہجری میں وہاں پر ہی فوت ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنے آخری زمانۂ حیات میں سندھ کا والی تھا۔ اور ۶۲ ہجری میں وہاں پر ہی دنیا سے رخصت ہوگیا۔ تاریخ طبری: ج۷، طبع اوّل، ص ۷۱ پر لکھا ہے: مصعب بن زبیر نے حکم بن منذر بن جارود سے کہا: جارود بے ایمان اور خدا ناشناس شخص ہے کہ جو جزیرہ ابن کاوان گیا، وہاں سے ساحل سمندر پر آیا اور عبدالقیس کے پاس گیا۔ مَیں نے اس سے بدتر اور ناپاک تر کوئی شخص نہیں دیکھا۔

تاریخ طبری: ج۳، ص ۲۰۰ اور لہوف نے ص ۲۱ پر اس کی کنیت ابوزرین لکھی ہے۔ مثیر الاحزان: ص ۱۲ پر لکھا ہے کہ خط ذراع السدوسی کے توسط سے اہلِ بصرہ کی طرف بھیجا۔

امام علیہ السلام نے یہ خط اپنے ایک صحابی کے ذریعے سلیمان کی طرف روانہ کیا۔ اس خط کی عبارت یہ ہے:

"اما بعد! خداوند نے اپنے بندوں میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منتخب کیا، نبوت کے ذریعے انھیں کرامت عطا کی، اپنی رسالت کے لیے چُنا، اس کے بعد کہ انھوں نے خدا کے بندوں کو اچھی طرح سے نصیحت اور ان کی راہنمائی فرمائی اور پیغمبری کی ذمہ داری کو بہ خوبی انجام دیا تو خدا نے ان کی روح قبض کرلی اور اپنے پاس بلا لیا۔ ہم ان کے اہلِ بیتؑ، اولیا، اوصیا، وارث اور ان کے مقام و منصب کے لیے شائستہ ترین افراد تھے، اس کے باوجود کہ خداوند متعال نے یہ حق ہمیں عطا کیا اور ہمیں بھی معلوم تھا کہ ہم سب سے زیادہ اس حق کے لائق ہیں، لیکن کچھ لوگوں نے تجاوز کیا اور یہ حق ہم سے چھین لیا، ہم نے بھی اختلاف و پراگندگی کی روک تھام کرنے کے لیے اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی ہے اور مسلمانوں کے اندر عافیت اور آرام و سکون کو اپنے حق پر ترجیح دی ہے۔ البتہ اب میں آپ لوگوں کی طرف اپنا قاصد روانہ کر رہا ہوں جو میرا خط آپ لوگوں تک پہنچائے گا۔ میں آپ حضرات کو کتابِ خدا اور سنت کی طرف دعوت دیتا ہوں، کیوں کہ اب ہم ایسے حالات سے گزر رہے ہیں کہ سنت پیغمبر نابود ہو چکی ہے اور اس کی جگہ بدعت نے لے لی ہے۔ اگر تم لوگ میری بات سنو گے (اور میری اطاعت کرو گے) تو میں تمھیں راہِ راست کی جانب ہدایت کروں گا"۔

سلیمان نے امام حسین علیہ السلام کا خط اشرافِ بصرہ تک پہنچایا۔ ہر کسی نے خط پڑھ کر اسے مخفی رکھا اور کسی کو خبر تک نہیں دی البتہ منذر بن جارود کو جو ابن زیاد کا سُسر تھا، نے یہ خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس قاصد کا آنا ابن زیاد کی طرف کوئی سازش اور نقشہ نہ ہو۔ وہ خط ابن زیاد کے حوالے کیا۔ ابن زیاد نے اسی رات اسے تختہ دار پر لٹکا دیا اور اگلے روز کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا تا کہ امام حسین علیہ السلام سے پہلے کوفہ میں پہنچ جائے۔ (تاریخ طبری:

ج۶،ص ۲۰۰)

لیکن احنف بن قیس نے امام علیہ السلام کے خط کے جواب میں ایک خط لکھا کہ جس میں یہ آیت تحریر کی:

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ○

(سورۂ روم: آیت ۶۰)

"یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور ہرگز ہلکا نہ پائیں تم کو وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے"۔(مثیر الاحزان: ص ۱۳)

البتہ یزید بن مسعود نے بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کے قبائل کو دعوت دی اور ان سے کہا: اے بنی تمیم! میرے بارے میں تمھارا عقیدہ کیا ہے اور میری آپ لوگوں کے درمیان کیا حیثیت و مقام ہے؟[1]

انھوں نے جواب میں کہا: انتہائی اچھا ہے، تم ہمارے قبیلہ میں ریڑھ کی ہڈی کے مانند ہو، تمھو ہماری سربلندی اور افتخار کا باعث ہے کہ تمھو اس اعتبار سے سب سے افضل و برتر ہے۔

جب وہ اپنے بارے میں ان لوگوں سے اعتماد کی رائے لے چکا تو ان سے کہا: میں نے آپ لوگوں کو اس لیے بلایا ہے کہ میں آپ سے ایک انتہائی اہم معاملے کے بارے میں

---

[1] کتاب مثیر الاحزان میں یزید بن مسعود ثبت ہوا ہے، لیکن تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۴۰، طبع لندن، اور کامل ابن اثیر میں مسعود بن عمرو لکھا ہوا ہے۔ ابن حزم نے کتاب جمہرۃ انساب العرب: ص ۲۱۸ پر لکھا ہے کہ عباد بن مسعود بن خالد بن مالک النہشلی اپنے قبیلہ کے سرداروں میں سے تھا۔ اس کی بہن لیلیٰ بنت مسعود حضرت علی بن ابی طالبؑ کی زوجہ اور ابوبکر بن علیؑ کی ماں تھی۔ ابوبکر بن علی کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے ہیں، ان کا بھائی عبداللہ قیام مختار میں مصعب بن زبیر کے ہمراہ تھا اور اصحاب مختار کی شکست کے دن قتل ہو گیا تھا۔

لیکن بعض نے کہا ہے: عبداللہ بصرہ کے ایک دیہات بنام "مزار" میں نامعلوم طور پر قتل ہو گیا تھا اور اس کے قاتل کے بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔

قطب راوندی نے خرائج میں معجزات علیؑ کے ضمن میں لکھا ہے: اس کا بدن اس کے خیمہ میں پایا گیا ہے کہ جسے قتل کیا گیا تھا البتہ اس کا قاتل معلوم نہیں ہو سکا۔

مشورہ کروں اور اسے انجام دینے کے لیے آپ سے مدد لوں۔

جواب میں انھوں نے کہا: ہم اپنا اپنا نظریہ بتائیں گے اور اس کام کو انجام دینے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ اب ہم وہ سننے کے لیے تیار ہیں۔

ابن مسعود نے کہا: معاویہ مر چکا ہے، میرے خیال میں اس کی ہلاکت سے ستم اور گناہ کا بند ٹوٹ چکا اور ظلم و بربریت کے ستون نابود ہو رہے ہیں۔ اس نے اپنی زندگی میں اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے لوگوں سے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لے لی تھی اور اس نے یوں خیال کیا کہ اس کی بیعت کروا کر محکم کاری (پختگی) کی ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ سخت اشتباہ میں تھا۔ وہ چیز کہ جس کے لیے اس نے کوشش کی وہ اس کی حماقت ہے اور جس چیز کی اس نے فکر کی وہ ذلت و خواری ہے۔ اب یزید شراب خوار کہ جو ہر قسم کے فسق و فجور کی جڑ ہے، نے پر نکالے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کا دعویدار ہے، جبکہ کوئی بھی مسلمان اس پر راضی نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ ذرا برابر بھی حق پر نہیں ہے وہ اپنی تمام حماقتوں اور بے لیاقتوں کے باوجود مسلمانوں پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ میں خداوند عظیم کی قسم کھاتا ہوں کہ اپنے دین کے دفاع کے لیے اس کے خلاف جنگ اور جہاد کرنا مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے سے افضل ہے۔

اب حسینؑ بن علیؑ کہ جن کا تعلق نجیب واصیل خاندان سے ہے، ان کا طرزِ فکر بھی مشخص ہے۔ وہ ناقابلِ توصیف فضائل اور ختم نہ ہونے والے علم و دانش کے مالک ہیں۔ اس کام کے لیے شائستہ تر اور سزاوار تر ہیں، کیوں کہ ان کا سابقہ، سن اور ان کی رسولؐ خدا کے ساتھ قرابت سب سے زیادہ ہے۔ وہ بچوں کے ساتھ مہربانی و شفقت اور بڑوں کے ساتھ احسان و بخشش سے پیش آتے ہیں۔ کون ہے ان سے اچھا رہبر، کون سا امامؑ ان سے باعزت تر کہ خداوند نے ان کے وسیلہ سے اپنی حجت کو تمام کیا اور ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا۔ اپنے آپ کو ظلمت و گمراہی سے بچانے کی کوشش کریں اور ان کی ہدایت کی روشنی میں باطل کو نابود کرنے میں ذرا برابر شک نہ کریں۔

آپ لوگوں کو جنگِ جمل میں صخر بن قیس نے شکست دی لیکن اب فرزند رسولؐ خدا کا ساتھ دے کر ننگ و عار کے اس داغ کو دھو ڈالیں۔ خدا کی قسم! آپ لوگوں میں سے جو کوئی

بھی ان کی مدد کرنے میں کوتاہی کرے گا تو خداوند متعال اسے اور اس کی اولاد کو ذلت و خواری سے دوچار اور اس کے خاندان کو نابود کر دے گا۔ میں جنگ کا ساز و سامان تیار اور اسلحہ سے لیس ہو چکا ہوں۔ یہ بات اچھی طرح سے سمجھ لو کہ اگر کوئی راہ خدا میں نہیں مارا جاتا تو آخرکار اسے مرنا ہے، موت کسی کو معاف نہیں کرتی ہے، لہٰذا آئیں اور بہترین موت کا انتخاب کر کے دنیا سے جائیں تاکہ آپ پر خداوند متعال کی رحمت ہو۔

طائفہ بن حنظلہ نے جواب میں کہا: اے ابوخالد! ہم تیرے لیے ذخیرہ شدہ تیر اور سوار طاقت ہیں۔ اگر تُو ہمیں تیر اندازی کا حکم دے گا تو ہمارا ایک بھی تیر خطا نہیں جائے گا اور اگر میدانِ جنگ میں بھیجا تو یقیناً ہم کامیاب ہوں گے۔ تمھارے اُوپر جو بھی مشکل آئے گی ہم اسے پاؤں تلے روندھ ڈالیں گے۔ اسی طرح تمھیں جو دشوار مسئلہ پیش آیا ہم اسے آسان اور حل کریں گے۔ ہم اپنی تمام تر قدرت کے ساتھ تمھاری حمایت کریں گے اور اگر تم اجازت دو تو ہم اپنی جاں تمھارے قدموں پر نچھاور کر دیں گے۔

اس کے بعد قبیلہ بنی عامر بن تمیم نے اپنی گفتگو کے دوران میں اس سے کہا: اے ابوخالد! ہم آپ کے خاندان سے ہیں، ہمارا آپؑ کے ساتھ عہد و پیمان ہے۔ ہمیں صرف آپؑ کی رضا و خوشنودی کی ضرورت ہے اور ہم صرف آپؑ کے راستے پر چلیں گے۔ آپ جس میں مصلحت سمجھیں، ہمیں اس کا حکم دیں، ہم اسے پورا کریں گے۔

طائفہ بنی سعد بن زید نے کہا: اے ابا خالد! ہمارے عقیدہ کے مطابق سب سے مبغوض ترین چیز آپ کی نافرمانی اور عدم اطاعت ہے۔ جنگِ جمل کے دن صخر بن قیس نے ہمیں جنگ سے روکا، اس کی اطاعت کے سائے میں ہماری عزت و آبرو بچ گئی۔ ہماری التجا ہے کہ ہمیں آپس میں مشورہ کرنے کا موقع عنایت کریں۔ باہم صلاح مشورے کے بعد ہم اپنا نظریہ آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔

یزید بن مسعود نے ان سے کہا: جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اگر آپ لوگ اس پر عمل نہیں کریں گے تو خداوند متعال تم لوگوں کو ایسی جنگ میں گرفتار کر دے گا کہ جس کا شعلہ کبھی خاموش ہونے والا نہیں ہوگا۔

اس کے بعد انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام ایک خط لکھا کہ جس کا مضمون یہ ہے:

اما بعد! ہمیں آپ کا خط ملا، پڑھ کر ہم اس کے مطالب سے آگاہ ہوئے۔ آپؑ نے ہمیں اپنی اطاعت کرنے کی دعوت دی ہے، آپؑ کی مدد کرنے سے ہمیں رہائی نصیب ہوگی۔ ہمیں معلوم ہوا کہ آپؑ نے لکھا ہے: خداوند کبھی بھی زمین کو خیر اندیش اور نیکوکار افراد اور اس ہدایت و رہنمائی سے کبھی خالی نہیں چھوڑتا جو لوگوں کو گمراہی سے نجات دے۔ میں جانتا ہوں کہ صرف آپؑ ہی دنیا والوں پر خدا کی حجت اور زمین پر اس کی امانت ہیں۔ آپؑ ہی شجرہ (طیبہ) احمد کی شاخیں ہیں کہ جس کا تنا اور شاخ آپؑ ہیں۔ ہم آپؑ کی تشریف آوری کو نیک فال سمجھتے ہوئے چشم براہ ہیں۔ بنی تمیم کے تمام قبائل آپؑ کے حضور سر تسلیم خم اور آپؑ کے امر کے مطیع ہیں۔ وہ آپؑ کے سامنے یوں تسلیم اور سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں جیسے ہلاک کر دینے والی سخت گرمی میں کوئی تشنہ اُونٹ پانی کے پاس پہنچے۔ طائفہ بنی سعد بھی گردنیں جھکائے ہوئے آپؑ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں، انھوں نے اپنے دل کا گرد و غبار آپؑ کی محبت کے صاف و زُلال پانی سے دھولیا ہے کہ اس کا نُور چمک رہا ہے"۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کا خط پڑھا تو فرمایا: تمھیں کیا ہوا ہے؟ خدا آپ کو عزت دے، آپ کے دلوں کو خوف و ہراس سے محفوظ رکھے اور جس دن لوگ تشنگی سے مارے مارے پھر رہے ہوں گے اس دن آپ کو سیراب کرے۔

جس دن یزید بن مسعود اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ امام حسین علیہ السلام کی مدد کو روانہ ہونے کے لیے تیار ہوا تو اس نے شہادت سیّد الشہداءؑ کی خبر سنی، وہ انتہائی متاثر اور غمگین ہوا کہ وہ اپنی آرزو کو نہ پا سکا اور فیضِ شہادت سے محروم رہ گیا۔ (مثیر الاحزان: ص ۱۳۔ لہوف: ص ۲۱)

ماریہ بنت سعد یا بنت منقذ ایک بیوہ اور مخلص شیعہ خاتون تھی۔ اس کا گھر شیعوں کے

اجتماع اور فضائل اہلِ بیت علیہم السلام بیان کرنے کی جگہ تھی۔ یزید بن ثبیط نے اولاد عبدالقیس سے جو ایک ہی خاندان کے دس افراد تھے، سوال کیا: تم میں سے کون حاضر ہے کہ میرے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی مدد کو چلے؟

ان دس افراد میں سے صرف دو افراد عبداللہ اور عبیداللہ نے مثبت جواب دیا اور باقی لوگوں نے کہا: تم خود بھی ایسا مت کرو کیوں کہ ہم تمھارے بارے میں ابن زیاد کے لشکر سے خوفزدہ ہیں۔

ابن ثبیط نے ان سے کہا: خدا کی قسم! اگر وہ اس پورے منطقے کو دلیر اور تازہ دم لشکروں سے ڈھانپ دے تو پھر بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۱۹۸)

جب وہ روانہ ہوا تو اس کے بعض دوست بنام عامر و سیف بن مالک اور ادھم بن اُمیہ اس کے ہمراہ روانہ ہوئے اور مکہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے جا ملے۔ انھوں نے اپنا سارا ساز و سامان امام حسین علیہ السلام کے سامان کے ساتھ ضم کر دیا اور ہمیشہ امامؑ کی خدمت میں رہے یہاں تک کہ کربلا میں رُتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ (ذخیرۃ الدارین: ص ۲۲۴)

اہلِ کوفہ کے خطوط

جب تک حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ میں قیام پذیر رہے۔ کوفہ والوں کی جانب سے ایک ایک فرد، دو دو، تین تین، چار چار افراد کی طرف سے متعدد خطوط ان تک پہنچے۔ ان سب کا مضمون ایک ہی طرح کا تھا کہ انھوں نے لکھا: کوفہ والے بشیر بن نعمان[1] کی بیعت میں نہیں ہیں۔ اس کے پیچھے نمازِ جمعہ و جماعت پڑھنے کے لیے حاضر نہیں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت دی کہ وہ ان کی بیعت لینے کی غرض سے ان کے ہاں تشریف لائیں۔ انھوں نے اس قدر دعوت نامے اور خطوط لکھے کہ ایک دن میں چھے سو خطوط حضرت امام حسین علیہ السلام کو موصول ہوئے!! مختلف گروہوں سے مجموعی طور پر بارہ ہزار خط امام علیہ السلام کے پاس اکٹھے ہوئے۔ ان تمام میں بار بار امام علیہ السلام کو اپنی طرف آنے کی تاکید کی

---

[1] نعمان بن بشیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا اور یزید نے اسے اپنی سیٹ پر باقی رکھا۔ (بحارالانوار: ج ۴۴، ص ۳۳۶)

گئی تھی، لیکن سید الشہداؑ نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آخری خط جو پہنچا وہ شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن حارث [1] عزرۃ بن قیس، عمرو بن حجاج اور محمد بن عمیر بن طارد کا تھا کہ اس میں اُنھوں نے لکھا تھا:

تمام لوگ آپ کی تشریف فرمائی کے منتظر ہیں اور مکمل طور پر آپ کے اختیار میں ہیں۔ لَا رَأيَ لَهُمْ غَيْرَكَ، لہٰذا جتنی جلدی تشریف لائیں، بہتر ہے۔ اَلْعَجَلُ الْعَجَلُ يَابْنَ رَسُولَ اللهِ۔ اس کے علاوہ ہمارے پھل پک چکے ہیں، فصلیں سرسبز ہیں اور درخت ہرے بھرے ہو چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا منطقہ سرسبز و شاداب ہے۔ ہم فراواں نعمتوں سے مالا مال ہیں (لیکن جس چیز کی کمی ہے وہ یہ ہے کہ) ہمارا کوئی رہبر و امام نہیں ہے۔ اگر آپؑ ہمارے پاس تشریف لائیں تو ایسے لشکروں کے ہاں آئیں گے جو ہمہ تن آپؑ کے حکم کے تابع ہوں گے۔ (مثیر الاحزان ابن نما: ص ۱۱۔ مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۱۹۳)

شیخ محمد بن اسماعیل بغدادی المعروف حلّی کی خطوط کے بارے منظر کشی

بُعِثَت بِزورِ الكُتُبِ بِهٖ وَأَقدَمُ إِلى — نَحوِ العِرَاقِ بِمكرِهَا وَدِهَاتِهَا
هٰذِي الخَلَافَةُ لا ولِيّ لَهَا وَلَا — كُفوٌ وَإِنَّكَ مِن خِيَارِ كُفَاتِهَا
فَأَتِي يِزِجُّ اليَعمَلَاتِ بِمَعشَرٍ — كَالأَسَدِ وَالأَشطَانِ مِن غَابَاتِهَا
وَحَصَانَ ذَيلٌ كَالأَهِلَّه أَوجُهَا — بِسَنَائِهَا وَ بِهَائِهَا وَ صَفَاتِهَا
مَا زَالَ يِختَرِقِ الفَلَاحِ أَتٰى — أَرضَ الطُفوفِ وَحَلَّ فِي عَرَصَاتِهَا
وَإِذَا بِهٖ وَقفَ الجَوَادِ فَقَالَ يَا — قَومِ اخبِرُونِي عَن صُدُوقِ رُوَاتِهَا
مَا الأَرضُ قَالُوا، ذِهِّي مَعَالِمَ كَربَلَا — مَا بَالَ طَرفُكَ حَادَ عَن طَرَفَاتِهَا

---

[1] انساب الاشراف بلاذری، ج ۵، ص ۳۳۸ پر لکھا ہوا ہے: حوشب بن یزید بن حارث بن رویم بن عکرمہ بن ربعی اور بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کا ایک شخص کھانا کھلانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے چکر میں رہتے۔

مصعب نے کہا: دَعُوهُمَا يُنفِقَا مِنْ خِيَانَتِهِمَا وَفُجُورِهِمَا "ان دونوں کو چھوڑ دو کہ انھوں نے فسق و فجور اور گناہ کے ذریعے جو کچھ اکٹھا کیا ہے اسے خرچ کریں"۔

قَالَ أُنزِلُوا فَالحُكْمُ فِي أَجدَاثِنَا أَن لَا تَشُقُّ سِوَى عَلَى جَنبَاتِهَا
حَطَّ الرِّحَالِ وَقَامَ يَصلَحُ عَضبَهُ المَاضِي لَقَطعُ البِيضِ فِي قَمَّاتِهَا
بَينَا يَجِيلُ الطَّرفِ إِذ دَارَتِ بِهِ زمر يَلُوحُ الغَدرُ مِن رَايَاتِهَا
مَا خلت أَنَّ بَدُورَتهم بِالعَرَا تمسی ﴿بنو الزرقاء﴾ مَن فَالَاتِهَا

"فرزندِ رسولؐ کی طرف بیجوں کی کثرت کی طرح خطوط ارسال کیے گئے۔ کوفیوں نے اپنے مکروفریب اور چالاکیوں کے ذریعے آپؑ کو عراق آنے کی دعوت دی۔ کوفیوں نے آپؑ سے کہا کہ اس حکومت وخلافت کا کوئی والی اور وارث نہیں ہے۔ آپؑ ہی اس خلافت کے بہترین حق دار ہیں۔ آپؑ اس طرح مدینہ سے روانہ ہوئے جس طرح شیر اور چیتے جنگوں میں اپنی ہیبت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ آپؑ ایسے جوانوں کے ساتھ ظاہر ہوئے جن کے چہرے چاند کی طرح روشن تھے اور وہ اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ آپؑ پہاڑوں کی چوٹیوں کو عبور کرتے ہوئے سرزمینِ کربلا پر پہنچے اور وہاں پر اپنے خیام میں قیام کیا اور جب آپؑ کا تیز رفتار گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا تو امام علیہ السلام نے ان لوگوں سے کہا: اے قوم! مجھے سچ بتاؤ یہ کون سی زمین ہے؟ ان میں سے صاحبانِ علم نے کہا: یہ کربلا ہے۔ کیا ہوگیا ہے تمھاری آنکھ کو، ان راستوں کو دیکھنے سے نظریں کیوں پھیر لی ہیں؟

فرزندِ رسولؐ نے فرمایا: آپؑ سب اپنی سواریوں سے اُتر آؤ اور اب یہاں ہماری قبریں بنیں گی اور اسی سرزمین کے پہلو ہماری قبور کے لیے کٹے ہوئے ہیں۔ آپؑ نے اپنا سامان اُتارا اور اپنی تلوار کو درست کیا تاکہ وہ سروں پر رکھے جانے والے خُودوں کو کاٹ سکے۔ جب آپؑ نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی تو آپؑ کو دھوکا اور فریب کے جھنڈے نظر آئے۔
مَیں نے لمحہ بھر کے لیے بھی یہ تصور تک نہیں کیا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے

کہ ایک روشن چاند صحرا میں اس قدر چمکے گا اور "زرقا" کی اولاد اس حلقۂ نُور میں رات گزارے گی"۔ (کتاب شعرائے حلہ: ج ۵، ص ۱۷۴)

حضرت سید الشہدا کا اہلِ کوفہ کے خطوط کا جواب

کوفہ والوں نے حضرت سید الشہدا کے نام جو خطوط ارسال کیے، ان سے ایک تھیلا بھر گیا تھا۔ امام علیہ السلام نے ان تمام کے خطوط کے جواب میں صرف ایک خط لکھا جو ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ہاتھ کوفہ والوں کے پاس بھیجا۔ یہ کوفہ سے آنے والا آخری وفد تھا۔ اس خط کا متن یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حسینؑ بن علیؑ کی جانب سے کوفہ کے مسلمان و مومن بزرگوں اور سربراہوں کے نام!

امابعد! آپ لوگوں کے تمام خطوط کہ جن میں سے آخری خط ہانی اور سعید کے ہاتھ ارسال کیا گیا تھا، مجھے مل چکے ہیں۔ آپ حضرات نے ان خطوط میں جو کچھ وضاحت سے لکھا، اُسے پڑھ چکا ہوں۔ بیشتر خطوط میں آپ لوگوں نے یہ درخواست کی ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے، آپؑ ہمارے ہاں تشریف لائیں تاکہ ان شاء اللہ خداوند قدوس آپ کے وسیلہ سے ہماری ہدایت اور حق کی طرف رہنمائی فرمائے: لَعَلَّ اللّٰهُ اَن یَجمَعَنَا بِكَ عَلَى الْهُدٰى وَالْحَقِّ

اب مَیں اپنے بھائی اور چچازاد مسلمؑ کو آپ لوگوں کی طرف بھیج رہا ہوں، میں اپنے خاندان میں سب سے زیادہ اسی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ قریب سے جاکر آپ لوگوں کے حالات و افکار سے آشنا ہو اور جس نتیجہ تک پہنچے وہ مجھے تحریر کرے۔ اَنْ یَكْتُبَ اِلَیَّ بِحَالِكُمْ وَأَمرِكُمْ وَرَایِكُمْ

اگر اس کے لکھنے سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ آپ سربراہوں، فضلا اور عقلا کا نظریہ وہی ہے کہ جو خطوں میں لکھا اور ایلچیوں نے بیان کیا تو میں بھی ان شاء اللہ بہت جلد آپ لوگوں کی طرف آؤں گا۔ خدا کی قسم! امامِ برحق اور صادق پیشوا وہی ہوتا ہے کہ جو کتابِ خدا پر عمل کرے، عدل و انصاف سے کام لے، حق کی پیروی کرے اور اپنے آپ کو راہِ خدا میں وقف کرے۔ فَلَعَمْرِی مَا الْاِمَامُ اِلَّا الْعَامِلُ بِالْکِتَابِ وَالْآخِذُ بِالْقِسْطِ وَالدَّائِنُ بِالْحَقِّ وَالْحَابِسُ نَفْسَهٗ عَلٰی ذَاتِ اللہِ وَالسَّلَامُ!

خوارزمی: ج ۱، ص ۱۹۶، فصل دہم میں نقل ہوا ہے کہ امام علیہ السلام نے یہ خط مسلمؑ بن عقیلؑ کو دیا اور فرمایا: کوفہ والوں کی طرف روانہ ہو جاؤ تا کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے انجام پائے۔ مجھے اُمید ہے کہ میں اور تُو شہادت سے محروم نہیں ہوں گے۔ ابھی ہی خدا کی برکت اور مدد سے روانہ ہو جاؤ اور کوفہ میں اس کے پاس جانا جو سب سے زیادہ قابلِ وثوق اور موردِ اطمینان ہو۔ فَاَنْزِلْ عِنْدَ اَوْثَقِ اَھْلِھَا (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۸۔ اخبار الطوال: ص ۲۳۸)

□□□

جنابِ مسلمؑ ابن عقیلؑ کا کوفہ کی جانب سفر

امام علیہ السلام نے مسلمؑ بن عقیلؑ کو قیس بن مُسہر صیداوی، عمارۃ بن عبداللہ مسلولی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ کے ہمراہ کوفہ کی طرف روانہ کیا اور انھیں حکم دیا کہ تقویٰ الٰہی کا خیال رکھیں۔ اہلِ کوفہ کے طرزِ تفکر اور سیاسی نظریات کی اچھی طرح جانچ پڑتال کریں اگر یہ دیکھیں کہ وہ اپنے عقیدہ پر محکم اور قابلِ اعتماد ہیں تو جتنی جلدی ہوسکے خط کے ذریعے مجھے مطلع کریں۔(ارشاد، شیخ مفیدؒ)

جنابِ مسلمؑ ابن عقیلؑ نے پندرہ رمضان[1] کو مکہ چھوڑا اور مدینہ کے راستے سے ہوتے ہوئے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے مدینہ میں پہنچے، مسجد النبی میں نماز پڑھنے اور اپنے اہلِ بیتؑ[2] سے رخصت ہونے کے بعد طائفہ قیس کے دو افراد کرائے پر لیے تاکہ وہ ان کی رہنمائی کریں۔ آپ وہاں سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ساری رات سفر کرتے رہے۔ صبح ہوئی تو معلوم پڑا کہ راستہ گم کر بیٹھے ہیں، بہت زیادہ تگ و دو کرنے کے بعد جہت کا پتا چلا۔ سخت گرمی اور پیاس کی شدت نے ان پر اس قدر غلبہ کیا کہ ان میں سفر کو جاری رکھنے کی سکت نہ رہی۔ انھوں نے اسی حالت میں جنابِ مسلمؑ سے کہا: عَلَيْكَ بِهٰذَا السَّمْتْ فَالْزِمْهُ لَعَلَّكَ تَنْجُو۔ اسی سمت چلتے رہیں۔ اس راستے سے اِدھر اُدھر مت ہونا، شاید آپ اس وسیع و عریض بیاباں سے نجات پا جائیں۔ انھوں نے یہ کہا اور وہاں پر ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔(اخبار الطوال: ص ۲۳۲)

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے ان دونوں کو ان کی حالت پر چھوڑا اور ان کی رہنمائی کے مطابق اس گرم اور ریتلے صحرا میں اپنا سفر جاری رکھا۔ وہ ان دونوں کو اپنے ہمراہ نہیں لے

---

[1] مروج الذھب: ج ۲، ص ۸۲

[2] تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۸

جاسکتے تھے کیوں کہ وہ حالتِ احتضار میں تھے۔ علاوہ ازیں راستہ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں تھا، کیوں کہ رہنماؤں نے فقط راستے کی سمت دریافت کی تھی لیکن راستے کا علم نہ ہوا تھا۔ اسی طرح ان کا اور پانی کی جگہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہے وہ بھی معلوم نہیں تھا۔ ان افراد میں سوار ہونے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ اگر بنا یہ ہوتی کہ جناب مسلمؑ بھی ان کے پاس رہتے تو وہ خود اور ان کے ساتھی کسی ہدف تک پہنچے بغیر سب موت کے منہ میں چلے جاتے۔ اس بنا پر ان کی اہم ترین ذمہ داری یہ تھی کہ وہ آخری حد تک کوشش کرتے کہ شاید ان کی جان بچ جائے، لہٰذا انھوں نے ان دونوں کو وہاں پر چھوڑا اور خود بڑی مشکل سے "مُضیق" کے مقام پر پہنچے، جہاں پر ایک قبیلہ آباد تھا۔ اس طرح سے انھیں موت سے نجات ملی۔ وہاں پر قیام کیا اور ادھر ہی سے حضرت امام حسینؑ کے نام ایک خط لکھا، اس قبیلہ کے ایک شخص کو اُجرت پر لیا اور خط دے کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔

جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ نے اس خط میں پیش آنے والے حوادث، راہ نماؤں کی ہلاکت اور سفر میں پیش آنے والی تمام مشکلات کا وضاحت سے ذکر کیا اور لکھا کہ میں اس وقت وادیِ بطنِ خبت میں "مضیق" کے مقام پر رُکا ہوا ہوں اور آپؑ کے جدید نظریے اور حکم کا منتظر ہوں کہ کیا اپنا سفر جاری رکھوں یا نہ؟

جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ کے ایلچی نے مکہ پہنچ کر وہ خط حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔

امام علیہ السلام نے اس خط کے جواب میں مرقوم فرمایا: "اس سفر کو جاری رکھو اور اس میں تاخیر مت کرو"۔

جب حضرت مسلمؑ نے وہ خط پڑھا تو فوراً وہاں سے روانہ ہوئے۔ سفر کے دوران میں قبیلہ بنی طے کی سرزمین پر پہنچے، وہاں پر تھوڑی سی مدت قیام کرنے کے بعد روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو اسی دوران میں دیکھا کہ ایک شخص نے ہرن کا شکار کیا ہے۔ جناب مسلمؑ نے اسے نیک فال خیال کرتے ہوئے کہا: ہم دشمن کو ہلاک کریں گے۔ (ارشاد شیخ مفید۔ بحارالانوار: ج ۴۴، ص ۳۳۵)

حضرت مسلم ابن عقیلؑ کا کوفہ میں وُرُود

جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ مکہ سے روانہ ہونے کے بعد پانچ شوال کو کوفہ میں وارد ہوئے[1] اور مختار بن عبیدہ ثقفی کے گھر میں گئے۔[2] جنابِ مختار اپنے قبیلہ میں انتہائی شریف النفس، بزرگوار اور بلند ہمت کے مالک، دلیر، تجربہ کار اور اہلِ بیت علیہم السلام کے دشمنوں کے سخت ترین مخالف تھے۔ وہ عقل مند ترین شخص تھے، خاص کر جنگی اُمور اور دشمن پر غلبہ پانے میں ان کی رائے اور نظریہ درست ہوتا۔ گویا یوں ہے کہ انھوں نے تمام تجربات سیکھے ہوں اور انھیں آزمایا ہوا ہو، یا انھوں نے پیش آنے والے تمام ناگوار حالات کا مزہ چکھا ہو، اپنے آپ کو تمام چیزوں سے دُور کیا ہو، فقط آلِ رسولؐ کی خدمت کی ہو، اور تمام اچھے اخلاق و آداب ان سے سیکھے ہوں۔ وہ مخفی طور پر آلِ محمدؐ کی حمایت کرتے۔

اہلِ کوفہ کا حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کی بیعت کرنا

جب شیعوں نے یہ خبر سنی کہ حضرت مسلمؑ کوفہ میں تشریف لا چکے ہیں تو وہ گروہ گروہ کی صورت میں انھیں خوش آمدید کہنے، اظہارِ اطاعت و فرماں برداری کرنے اور ان کا دیدار کرنے کے لیے گئے۔ جنابِ مسلمؑ بھی ان لوگوں کے جوش و جذبے سے استقبال کرنے پر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے دیدار کو آئے ہوئے لوگوں کے اجتماع میں حضرت سیدالشہداؑ کا خط پڑھا تو انھوں نے بھی خوشی کے آنسو بہائے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا خط سننے کے بعد عابس بن ابی شبیب شاکری کھڑے ہوئے اور کہا: میں ان لوگوں کے دل سے آگاہ نہیں ہوں، ان کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا اور نہ ہی میں آپ کو ان کی باتوں سے دھوکا و فریب دوں گا (ہوشیار رہیں اور ان کے فریب میں مت آئیں)۔ میں اپنے اعتقاد اور ارادے کے مطابق آپؑ سے وعدہ کرتا ہوں کہ خدا کی قسم! میں ذاتی طور پر آپ کے فرمان کے تابع ہوں۔ ہمیشہ آپؑ کے دشمن سے لڑوں گا اور رضائے خدا کی خاطر جب تک خدا سے ملاقات نہ کرلوں آپؑ کی حمایت کرنے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

---

[1] مروج الذھب: ج ۲، ص ۸۲

[2] تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۹۹

حبیب ابن مظاہرؓ نے عابس سے کہا: آپ نے اپنی مختصر اور مفید گفتگو میں حق سخن ادا کر دیا ہے، وَاَنَا وَاللهِ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ هُوَ عَلٰی مِثْلِ مَا اَنْتَ عَلَيْهِ۔ ''اس خدا کی قسم! جس کا کوئی شریک نہیں ہے، میں بھی ہمیشہ آپ کے مانند ہوں گا''۔

سعید بن عبداللہ حنفی نے بھی انھی جیسی گفتگو کی۔ (طبری: ج۶،ص ۱۹۹)

خلاصہ یہ کہ شیعہ مسلسل آتے رہے، حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کی بیعت کرتے رہے اور وفاداری کا قول وقرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار افراد نے جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی بیعت کی۔ ①

ایک اور قول کی بنا پر پچیس ہزار افراد ② اور شعبی کے بقول چالیس ہزار لوگوں نے بیعت کی۔ ③

بیعت کے مراسم ختم ہونے کے بعد جناب مسلمؑ اور عابس بن ابی شبیب شاکری نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام ایک خط لکھا۔ کوفہ کے لوگوں کی ساری صورت حال بیان کرنے کے ساتھ ساتھ امام علیہ السلام کو مُطلع کیا کہ لوگ بڑی شدت سے آپؑ کی تشریف آوری اور اطاعت کرنے کے منتظر ہیں۔ اور اس جملے کا اضافہ کیا: اَلرَّائِدُ لَا يَكْذِبُ اَهْلَهُ۔ ''آپؑ کا ایلچی اپنے وابستگان سے جھوٹ نہیں بول رہا ہے''۔ کوفہ کے اٹھارہ ہزار سے زیادہ لوگوں نے میری بیعت کی ہے، لہٰذا جوں ہی میرا خط آپ کی خدمت میں پہنچے تو فوراً اس طرف تشریف لے آئیں۔ فَعَجِّلِ الْاِقْبَالَ حِيْنَ يَاْتِيْكَ كِتَابِي۔ (تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۱۰)

حضرت مسلمؑ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام جو خط لکھا وہ ان کی شہادت سے ستائیس راتیں پہلے کا تھا۔ ④ انھوں نے کوفہ والوں کا خط بھی اس کے ساتھ بھیجا جس میں انھوں نے لکھا تھا: ''اے فرزند رسولؐ! ہماری خواہش اور تمنا ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے، ہمارے

---

① تذکرۃ الخواص: ص ۱۳۸۔ تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۱۱

② ابن شہر آشوب: ج۴،ص ۲۱۰

③ مثیر الاحزان ابن نما: ص ۱۱

④ تاریخ طبری: ج۶،ص ۲۲۴

یہاں تشریف لائیں کہ کوفہ کی ایک لاکھ تلواریں آپؑ کی خدمت میں ہیں، ذرا برابر انتظار نہ کریں"۔ (بحارالانوار، ج ۴۴، ص ۷، ص ۳۳۶)

کوفہ کے لوگوں کا یوں حضرت مسلمؑ کے اردگرد اکٹھا ہونا بنی اُمیہ کے بعض حامیوں مثلاً عمر بن سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسلم بن ربیعہ حضرمی اور عمارۃ بن عقبہ بن ابی معیط پر ناگوار گزرا۔ لہٰذا اُنھوں نے اسی وجہ سے یزید کے نام ایک خط لکھا اور اسے مسلمؑ بن عقیلؑ کے کوفہ میں آنے اور لوگوں کے پُرجوش استقبال سے آگاہ کیا، البتہ اس چیز کا اضافہ کیا کہ نعمان بن بشیر میں مسلمؑ بن عقیلؑ کا مقابلہ کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۹۹ تا ۲۰۱)

یزید نے اپنے دوست سرجون کہ جو اس کا منشی اور ہم دم تھا، سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ ①

سرجون نے کہا: وہاں پر نعمان کے بجائے ابن زیاد کو مقرر کرو۔

یزید نے کہا: عبیداللہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

سرجون نے کہا: اگر معاویہ زندہ ہوتا اور تمھیں کہتا کہ اس کی جگہ پر عبیداللہ کو نامزد کرو تو کیا تم اسے قبول کرتے؟

یزید نے کہا: ہاں! قبول کرتا۔

سرجون نے اپنی جیب سے ایک خط نکالا اور کہا: یہ معاویہ کا حکم ہے کہ جسے اس نے خود مہر لگا کر بند کیا ہے۔ چونکہ میں جانتا تھا کہ تو عبیداللہ کو پسند نہیں کرتا لہٰذا میں نے اس (خط) سے تمھیں آگاہ نہیں کیا لیکن اب اس کا زمینہ ہموار ہے۔ یہی حکم اس کے لیے نافذ کرو

---

① کتاب حضارۃ العربیہ: ج ۲، ص ۱۵۸، تالیف محمد کرد علی میں لکھا ہے: سرجون بن منصور شام کے نصاریٰ میں سے تھا۔ معاویہ نے اسے اپنے حکومتی کاموں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ اس کا باپ منصور حکومت معاویہ میں مالی اُمور کا سرپرست تھا۔ ہرقل کے زمانہ میں فتح سے قبل اس نے روم کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ سرجون کا بیٹا منصور بن سرجون بن منصور بھی اپنے باپ کی طرح حکومتی نوکر تھا۔ یہ باپ بیٹا اور دادا تینوں نصرانی تھے اور حکومت کے کارندے تھے۔ درحالانکہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب نے نصرانیوں کو ملازمت دینے سے روکا ہوا تھا۔

اور نعمان بن بشیر کو معزول کر دو۔

یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کے نام ایک خط میں لکھا:

اما بعد! ہر ممدوح ایک دن مبغوض و مسبوب (جس پر سبّ و شتم کیا جائے) اور ہر مسبوب ایک دن قابلِ ستائش قرار پائے گا۔ اب جس قدر تم اپنی لیاقت کا مظاہرہ کرو گے (رُتبہ کے اعتبار سے) اُوپر لائے جاؤ گے، جیسا کہ خلیفۂ اوّل نے کہا:

رَفِعْتَ وَجَاوَزْتَ السَّحَابَ وَفَوْقَهُ
فَمَا لَكَ إِلَّا مَرْقَبَ الشَّمْسِ مَقْعَدُ

"تم بلند ہوئے اور بادلوں سے بھی آگے نکل گئے، تمھیں صرف یہ بیماری ہے کہ معذور شخص کی طرح بیٹھ کر سورج کو دیکھتے رہتے ہو"۔ (انساب الاشراف بلاذری: ج ۴، ص ۸۲)

آخر میں حکم دیا کہ کسی انتظار کے بغیر کوفہ کی جانب روانہ ہو جاؤ اور مسلمؑ بن عقیلؑ سے کہو کہ وہ بیعت کرے۔ اگر بیعت نہیں کرتا تو اسے قتل کر دو یا ذلت و خواری کے ساتھ کوفہ بدر کر دو۔ (تاریخ طبری: ج ۶، ص ۱۹۹)

ابن زیاد بغیر کسی انتظار کے مسلم بن عمرو باہلی، مُنذر بن جارود، شریک حارثی، عبداللہ بن حارث بن نوفل اور پانچ سو دوسرے افراد کہ جن سب کو بصرہ سے منتخب کیا، کے ہمراہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ شب و روز تیزی سے سفر کرتا رہا تاکہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے پہلے کوفہ شہر میں پہنچ جائیں، حتیٰ کہ اگر اس کے بعض ساتھی تھک ہار کر بیٹھ جاتے اور اپنا سفر جاری رکھنے کی طاقت نہ رکھتے تو وہ ان کی کوئی پروا نہ کرتا اور انھیں چھوڑ کر آگے بڑھتا گیا، مثلاً شریک بن اعور راستے میں عاجز آ گیا اور حرکت تک نہیں کر سکتا تھا۔ اسے وہیں پر چھوڑا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ اسی طرح عبداللہ بن حارث بھی ناچار ہو کر زمین پر گر گیا۔ اسے اُمید تھی کہ ابن زیاد اس کی خاطر تھوڑا رُکے گا تاکہ تھکاوٹ ختم ہو جائے تو اپنا سفر جاری رکھ سکے۔ لیکن ابن زیاد نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی اور تیز رفتاری سے آگے بڑھتا رہا تاکہ حسینؑ بن علیؑ

اس سے پہلے کوفہ نہ پہنچ جائیں!!

جب وہ قادسیہ پہنچا تو اس کا دوست مہران بھی مجبور ہو گیا اور اس میں بھی سفر جاری رکھنے کی سکت نہ رہی۔ ابن زیاد نے اس سے کہا: اگر تم ہمت کر سکو اور دارالامارہ کے محل تک پہنچ جاؤ تو میں تمھیں ایک لاکھ دینار انعام دوں گا۔

مہران نے کہا: خدا کی قسم! بالکل ختم ہو چکا ہوں۔ ابن زیاد نے اپنے یمنی دوست مہران کو وہاں پر چھوڑا، یمنی لباس پہنا، سر پر سیاہ عمامہ رکھا اور اپنے دوست کے بغیر کوفہ کے نشیبی راستے پر آگے بڑھا، وہ شہر کے نگہبانوں اور محافظوں میں سے جس کے پاس بھی پہنچا اس نے خیال کیا کہ وہ حسینؑ بن علیؑ ہیں، لہٰذا اسے خوش آمدید کہا، لیکن اُس نے اِس خوف سے کہ کہیں پہچانا نہ جاؤں، کسی کو کوئی جواب نہ دیا اور نجف کے راستے سے کوفہ میں داخل ہو گیا۔ (مثیر الاحزان ابن نما)

جب وہ کوفہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے بڑے جوش و جذبے سے اس کا استقبال کیا اور یہ نعرہ لگاتے رہے: اے فرزندِ رسولؐ! خوش آمدید۔ لوگ جب فرزندِ رسولؐ کا نام لے کر اسے خوش آمدید کہہ رہے تھے تو وہ اندر سے سخت ناراض ہو رہا تھا، لیکن مصلحت کے پیش نظر اس نے کوئی بات نہیں کی۔ جب وہ دارالامارہ کے محل کے دروازہ پر پہنچا تو نعمان نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ وہ حسینؑ بن علیؑ ہے، اس کے لیے محل کا دروازہ نہ کھولا اور محل کی چھت سے دیکھتے ہوئے کہا: اے فرزندِ رسولؐ! جو امانت میری تحویل میں دی گئی ہے، میں وہ ہرگز آپؑ کے حوالے نہیں کروں گا۔

ابن زیاد[1] نے اس سے کہا: دروازہ کھولو کہ رات بیتی جا رہی ہے، جب وہ بولا تو ایک شخص نے اسے پہچان لیا اور لوگوں سے کہا: خدائے کعبہ کی قسم! وہ ابن مرجانہ ہے نہ کہ

---

[1] تاریخ میں ابن زیاد کی پیدائش کا وقت واضح طور پر نہیں لکھا گیا، جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا کچھ حصہ غلط ہے اور کچھ ظنی و تقریبی طور پر لکھا گیا ہے۔ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ: ج۸، ص ۲۸۳ پر ابن عساکر سے اور وہ احمد بن یونس ضبی سے نقل کرتا ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد ۳۹ ہجری قمری میں پیدا ہوا ہے۔ اس بنا پر واقعۂ کربلا کے وقت کہ جو ۶۰ ہجری کے اواخر میں رُونما ہوا، اس کی عمر ۲۱ سال بنتی ہے، اس کا باپ ۵۳ ہجری کو مرا ہے تو اس وقت اس کی عمر ۱۳ سال ہو گی ⇐

حسینؑ بن علیؑ۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ ابن زیاد ہے تو انھوں نے اس پر پتھروں کی بارش کردی۔ اس نے اپنے آپ کو قصر کے اندر مخفی کرلیا۔ اس کے بعد لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اگلے دن ابن زیاد نے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں دعوت دی اور اپنی گفتگو کے دوران انھیں ڈرایا دھمکایا اور انھیں لالچ بھی دی اور کہا:

⇦ جو کچھ ابن کثیر نے لکھا ہے وہ اس کے ساتھ جو کچھ ابن جریر نے اپنی تاریخ کی جلد ۶، ص ۱۲۶ پر لکھا کہ معاویہ نے عبیداللہ ابن زیاد کو ۵۳ ہجری قمری میں خراسان کا گورنر بنایا۔ سازگار نہیں ہے، کیونکہ ابن کثیر کے بقول عبیداللہ اس وقت چودہ سال کا تھا۔ یہ بعید نظر آتا ہے کہ معاویہ ایک چودہ سالہ بچے کو خراسان جیسے وسیع وعریض منطقے کا گورنر بنائے۔ اس بنا پر ابن جریر کا قول حدس وگمان پر مبنی ہے کیوں کہ یہ اپنی تاریخ کی جلد ۶، ص ۱۲۶ پر کہتا ہے کہ معاویہ نے ۵۳ ہجری میں ابن زیاد کو خراسان کا والی بنایا درحالانکہ اس کی عمر ۲۵ سال تھی۔ اس صورت میں ابن زیاد کی پیدائش ۲۸ ہجری اور واقعۂ کربلا میں اسے ۳۲ سال کا ہونا چاہیے۔

جو کچھ ابن جریر نے لکھا ہے وہ اس کے ساتھ کہ جو ابن کثیر نے البدایہ، ج ۸، ص ۲۸۳ پر فضل بن رکین سے نقل کیا ہے، زیادہ سازگار ہے کیوں کہ وہاں پر اس نے لکھا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت ابن زیاد ۲۸ سال کا تھا۔ اس نقل کے مطابق اس کی پیدائش ۳۲ ہجری بنتی ہے اور ۵۳ ہجری میں جب اس کا باپ زیاد مرا، تو اس وقت اس کی عمر ۲۱ سال ہونی چاہیے۔

ابن حجر نے کتاب تعجیل المنفعۃ، ص ۲۷۱، طبع حیدرآباد میں لکھا ہے: عبیداللہ بن زیاد ۳۲ ہجری میں متولد ہوا اور ۶۱ ہجری میں واقعۂ کربلا کے موقع پر وہ ۲۷ یا ۲۸ سال کا تھا۔ بہرحال اس کی ماں مجوسی تھی۔

ابن کثیر نے کتاب البدایہ: ج ۸، ص ۲۸۳ پر اور اسی طرح عمدۃ القاری فی شرح البخاری: ج ۷، ص ۶۵۶ پر "الفضائل فی مناقب الحسنین" کے باب میں لکھا ہے کہ اس کی ماں اصفہان سے اسیر ہو کر آئی تھی اور کہتے ہیں کہ وہ مجوسی تھی۔

تاریخ طبری: ج ۷، ص ۶ پر لکھا ہے کہ جس وقت حسینؑ بن علیؑ کی شہادت ہوئی تو مرجانہ نے ابن زیاد سے کہا: تم برباد ہو جاؤ، یہ تم نے کیا کیا ہے اور کتنے بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے ہو۔

کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۰۳ پر مقتل ابن زیاد میں لکھا ہے کہ اس کی ماں مرجانہ نے عبیداللہ سے کہا: اے خبیث! تُو نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا ہے؟ خدا کی قسم! تو ہرگز بہشت کا منہ نہیں دیکھے گا۔

کتاب النبلا ذہبی میں لکھا ہے کہ ابن زیاد کی ماں مرجانہ نے اس سے کہا: تُو نے فرزند رسولؐ کو قتل کیا ہے، تو بہشت کا منہ نہیں دیکھ سکے گا اور اسی طرح کے کئی دوسرے کلمات۔ ⇦

اگر کسی حکومتی عہدے دار شخص کے پاس علیؑ کا کوئی طرف دار اور حامی ہو اور وہ ہمیں آگاہ نہ کرے تو اسے اس کے گھر کی چھت پر لٹکا دوں گا اور اس کی تنخواہ کاٹ دوں گا۔ (ارشاد شیخ مفید، ص ۲۰۷)

مسلمؑ ابن عقیلؑ پر کیا گزری؟

جب عبیداللہ ابن زیاد کی گفتگو اور دھمکیاں حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ تک پہنچیں تو وہ متوجہ ہوئے کہ لوگوں کی کیا صورت حال ہے؟ انھیں خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انھیں دھوکہ دے کر گرفتار نہ کرلیں۔ لہٰذا جب رات کا کچھ حصّہ گزرنے کے بعد تاریکی چھا گئی تو وہ جناب

⇦ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مرجانہ نے اس سے کہا: وَدِدْتُ اَنَّکَ حَیْضَةٌ وَلَمْ تَاتِ اِلَی الْحُسَیْنِ مَا اَتَیْتَ "اے کاش! تو حیض کا لوتھڑا ہوجاتا اور حسینؑ کے ساتھ ایسی جنایت کا ارتکاب نہ کرتا"۔

تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۶۸، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۴ اور مروج الذہب میں لکھا ہے کہ ابن زیاد کے بھائی عثمان نے اس سے کہا: اے کاش! بنی زیاد کے قیامت تک کے تمام مرد عورتیں ہوجاتیں اور حسینؑ قتل نہ ہوتے۔

عبیداللہ نے اپنے بھائی کے یہ کلمات سنے اور اسے کچھ نہیں کہا۔ وہ کس طرح کچھ کہہ سکتا تھا درحالانکہ اس نے دیکھا کہ جب امام حسین علیہ السلام کا سرِ اقدس اس کے پاس لے گئے تو اس وقت دارالامارہ کے قصر کے در و دیوار سے خون کا سیلاب جاری تھا جیسا کہ صواعق محرقہ، ص ۱۱۶ اور تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹ پر لکھا ہوا ہے۔

بلاذری نے انساب الاشراف: ج ۴، ص ۷۷ پر لکھا ہے: عبیداللہ ابن زیاد خوب صورت شخص تھا۔ اس کے چہرے پر چیتے کے مانند سیاہ تل تھے۔ ص ۸۱ پر لکھا ہے: وہ سر سے لے کر پاؤں تک شرِ اور بدکار شخص تھا۔ وہ سب سے پہلا شخص تھا کہ جس نے برائیوں کو رواج دیا تاکہ ان لوگوں کا مقابلہ کرسکے جو اس کی سرزنش کرتے تھے۔ ص ۸۶ پر لکھا ہے: وہ پُرخور اور پیٹو شخص تھا۔ ہرگز سیر نہیں ہوتا تھا اور دن میں پچاس سے زیادہ بار کھاتا تھا (اگر یہ بات درست ہو کہ دن میں پچاس مرتبہ کھاتا ہو اور فرض کریں ہر دفعہ پندرہ منٹ لگیں تو بطور معمول ۷۵۰ منٹ یعنی ۱۲ گھنٹے سے زیادہ وقت کھانے میں لگے تو شب و روز میں ہر گھنٹے میں ہر آدھا گھنٹہ دوسرے کاموں میں لگاتا تھا)۔

ابن قتیبہ نے معارف: ص ۲۵۶ پر لکھا ہے: ابن زیاد کا قد لمبا تھا جو کوئی اسے دُور سے پیدل آتے ہوئے دیکھتا تو خیال کرتا کہ وہ سوار ہے۔

مختار ثقفی کے گھر سے نکلے اور ہانی بن عروہ مذحجی کے گھر میں چلے گئے۔ جناب ہانی بڑے راسخ العقیدہ اور معتقد شیعہ تھے۔[1] ان کا تعلق کوفہ کے اشراف[2] اور قراء[3] سے تھا۔ وہ اپنی قوم کے بزرگ اور رئیس تھے۔ وہ جہاں پر بھی جاتے ان کے ہمراہ چار ہزار پولیس سوار اور آٹھ ہزار پیادہ افراد ہوتے۔ وہ جب بھی قبیلہ کندہ کے ان لوگوں کو بلاتے جن سے انھوں نے عہد و پیمان باندھ رکھا تھا تو تیس ہزار سوار[4] افراد ان کے ارد گرد اکٹھے ہو جاتے۔ وہ حضرت امیر المومنین علیؑ ابی طالبؑ[5] کے خاص افراد میں سے تھا اور تینوں جنگوں میں حضرتؑ[6] کی

جاحظ نے کتاب البیان والتبیین: ج ۱، ص ۲۶، طبع اوّل میں لکھا ہے: عبیداللہ کی زبان میں لکنت تھی اور بعض حروف کے صحیح مخرج سے آگاہ نہ تھا، مثلاً وہ "حاء" حلقی کو "ھاء" ھوز تلفظ کرتا۔ اس نے ہارون بن قبیصہ سے کہا: "اھروری سائر الیوم" جبکہ اس کی مراد "حروری" تھا۔ قاف کو کاف بولتا اور کہتا تھا۔ "کلت لہ" حالانکہ اس کا مقصود "قلت لہ" ہوتا۔ اسی کتاب البیان والتبیین: ج ۲، ص ۱۵۶ پر لکھا ہے کہ اسے بعض حروف کا تلفظ اس لیے صحیح طور پر یاد نہ تھا کیوں کہ اس کی ماں فارسی زبان اور طائفہ شیرویہ اسواری سے تھی، لہٰذا وہ انھی کے لہجہ میں گفتگو کرتا تھا۔

انساب الاشراف: ج ۵، ص ۸۳ پر لکھا ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد کو جب کسی پر غصہ آتا تو اسے دارالامارہ کے محل کی چھت سے نیچے گرا دیتا اور جو کوئی بھی سر اُٹھاتا، اسے نابود کر دیتا۔ وہ ص ۸۲ پر لکھتا ہے کہ عبیداللہ ابن زیاد نے اسماء بن خارجہ کی بیٹی ہند سے شادی کی تو محمد بن عمیر بن عطارد، محمد بن اشعث اور عمرو بن حریث نے اس کو برا بھلا کہا۔ لہٰذا اس نے دوبارہ محمد بن اشعث کی بیٹی اُم نعمان سے شادی کی۔ اس کے ایک بھائی عثمان نے عمیر بن عطارد اور دوسرے بھائی عبداللہ عمرو بن حریث کی بیٹی سے نکاح کیا۔ سب سے پہلے جس نے کھوٹے درہموں پر ضرب لگائی اور انھیں رواج دیا وہ عبیداللہ ابن زیاد تھا۔ ۶۴ ہجری میں جب اس نے بصرہ سے فرار کیا، تب تک کسی کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے کس طرح اسلامی اقتصاد کو نقصان پہنچایا ہے۔

1. کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۰
2. اخبار الطوال: ص ۲۳۵
3. الاغانی: ج ۴، ص ۹۵
4. مروج الذہب: ج ۲، ص ۸۹
5. الاصابہ: ج ۲، ص ۶۱۶
6. ذخیرۃ الدارین: ص ۲۷۸۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۰ میں ہے کہ وہ عمار یاسر کے ساتھ مل کر جنگ کرتے تھے۔

خدمت میں حاضر رہے۔

جناب ہانی نے رسولِ خدا کا زمانہ درک کیا اور ان کی خدمت میں شرف یاب ہوئے تھے۔ جس دن انھیں شہید کیا گیا ان کی عمر نوے سال تھی۔ ①

شریک بن اعور بھی جناب مسلمؑ کے ہمراہ حضرت ہانی کے گھر میں آئے۔ ② شریک شیعہ بزرگوں، بصرہ کے معروف افراد اور جلیل القدر صحابی تھے۔ انھوں نے جنگِ صفین میں حضرت عمار یاسر کے ساتھ مل کر دشمنانِ علیؑ کے ساتھ جنگ لڑی تھی۔ چونکہ وہ قوم کی شناخت اور صاحبِ عزت و منزلت تھے، لہٰذا عبیداللہ ابن زیاد نے انھیں معاویہ کی طرف سے کرمان کا والی بنا دیا۔ (النجوم الظاہرہ: ج ۱، ص ۱۵۳۔ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۲۰۶۔ الاغانی: ج ۱۷، ص ۶۰، ۶۴، ۷۰)

ان کی ہانی بن عروہ کے ساتھ ملاقات تھی۔ وہ اپنی عمر کے آخری ایام میں سخت بیماری میں مبتلا تھے اور ہانی کے گھر پر رہ رہے تھے۔ ابن زیاد ان کی عیادت کرنے کے لیے ہانی کے گھر گیا۔

شریک کو جب خبر ملی کہ ابن زیاد اس کی عیادت کرنے کے لیے آنا چاہتا ہے تو اس نے ابن زیاد کے آنے سے قبل جنابِ مسلمؑ سے کہا: آپؑ اور تمام شیعوں کا ہدف یہ ہے کہ یہ شخص نابود ہو جائے، لہٰذا اب بہترین موقع ہاتھ آیا ہے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ آپ اسٹور میں چھپ کر بیٹھ جائیں۔ جب ابن زیاد محوِ گفتگو ہو جائے تو اس پر حملہ کر کے اسے ہلاک

---

① الاصابہ: ج ۲ ص، ۶۱۶، قسم ۳

② بعض نے شریک کو شریک بن عبداللہ حارث ہمدانی بصری ذکر کیا ہے جسے خوارزمی نے اپنی مقتل ج ۱، ص ۲۰۱، ابن نما نے مثیر الاحزان اور ابن جریر نے اپنی تاریخ کی جلد ۱۲ میں بھی ذکر کیا ہے حالانکہ شریک مذحجی تھا نہ کہ ہمدانی۔ ظاہراً اشتباہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حارث بن اعور کہ جو امیر المومنین علی علیہ السلام کا صحابی تھا کو شریک بن عبداللہ کے ساتھ اشتباہ کیا ہے اور کلمہ حارث کا شریک کے ساتھ اضافہ کر دیا۔
ابن دُرید نے اپنی کتاب "الاشتقاق"، ص ۴۰۱ پر بڑی مفصل تحقیق کی ہے اور صراحت سے لکھا ہے کہ شریک مذحجی تھا۔ اگر شریک ہمدانی ہوتا تو اسے اپنے باپ کے گھر میں جانا چاہیے تھا نہ کہ جنابِ مسلمؑ کے ہمراہ ہانی کے گھر میں جاتا کہ جو مذحجی اور اس کے رشتہ داروں میں سے تھا۔

کردے۔ اس کے بعد کوفہ میں آپ کی سلامتی کا ذمہ دار میں ہوں۔ (مثیر الاحزان: ص ۱۴)

یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ خبر ملی، ابن زیاد پہنچ چکا ہے۔ جناب مسلمؑ فوراً اسٹور میں چھپ گئے۔ ابن زیاد آ کر شریک کے سرہانے بیٹھ گیا۔ شریک اس انتظار میں رہا کہ مسلمؑ آئیں اور اس کا کام تمام کرے، لیکن اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ شریک نے کئی مرتبہ اپنا عمامہ سر سے اُتارا اور زمین پر رکھا کہ شاید جناب مسلمؑ متوجہ ہو جائیں۔ آخرکار بلند آواز سے یہ اشعار پڑھے:

مَا تَنظُرُونَ بِسَلمِی لَا تُحیُوهَا　　حَیُّوا سُلَیلِی وَحیُوا مَن یُّحیِیهَا

هَل شُرَبَةٌ عُذَبَةٌ أَسقِی عَلَی ظَمَأ　　وَلَو تَلَفتُ وَکَانَت مَنِیَّتِی فِیهَا

وَاَن تَخشَیتَ مِن سَلمٰی مُرَاقِبَةِ　　فَلَستَ تَأمُن یَومًا مِن دَوَاهِیهَا

”تم سلمیٰ کو مبارک کیوں نہیں دیتے ہو، تم اُسے اور اس کے علاوہ جسے بھی مبارک دینا چاہتے ہو اُسے مبارک دو۔ کیا میٹھے پانی سے مجھے پیاس کی شدت میں سیراب کیا جائے گا۔

اگر میں ختم ہو جاؤں تو میری مراد اُسی میں ہے۔ اگر تمھیں اس بات کا خوف ہے کہ سلمیٰ کی نظریں تمھیں دیکھ رہی ہیں، تو پھر تم کبھی اُس کے فریب سے نہیں بچ سکتے“۔

کئی مرتبہ اشعار کی تکرار کی اور اس انتظار میں رہا کہ مسلمؑ آجائیں، لیکن وہ نہ آئے۔ آخرکار شریک جب انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو اس نے بلند آواز سے کہا: اسقونیها ولو کان فیها حتفی۔ ”میرے لیے شربت کا ایک گلاس لے آئیں اگرچہ اس سے میری موت واقع ہو جائے“۔ (ریاض المصائب: ص ۶۰۔ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۰۴)

اس دوران میں عبیداللہ ابن زیاد مشکوک ہو گیا اور اس نے جناب ہانی کی طرف متوجہ ہو کر کہا: شاید تمھارا چچا پاگل ہو گیا ہے؟!

جناب ہانی نے کہا: جس دن سے مریض ہوا ہے، بہت زیادہ ہذیان کہتا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے کہ اسے خود کو بھی سمجھ نہیں آتا ہے۔ (مثیر الاحزان ابن نما: ص ۱۴)

اس کے بعد ابن زیاد وہاں سے چلا گیا۔ شریک نے جناب مسلمؑ سے کہا: کون سی رکاوٹ

اس کا باعث بنی ہے کہ آپؑ نے یہ کام انجام نہیں دیا؟

جنابِ مسلمؑ نے فرمایا: اس کی دو علتیں ہیں: پہلی علت وہ حدیث ہے جو امیرالمومنین حضرت علیؑ نے نقل کی کہ رسولِ خدا نے فرمایا:

اِنَّ الْاِیْمَانَ قَیْدُ الْفَتْکِ فَلَا یَفْتِکُ مُوْمِنٌ

"ایمان قتل وخون ریزی سے روکتا ہے، مومن شخص کسی کو قتل نہیں کرتا"۔ ①

میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے میزبان کے گھر میں یہ کام انجام دوں۔

شریک نے کہا: اگر آپؑ اسے قتل کر دیتے تو آپؑ نے ایک فاسق، فاجر اور منافق شخص کو قتل کیا ہوتا۔

ثانیاً: ہانی کی زوجہ رُکاوٹ بن گئی تھی اور اس نے گریہ وزاری کرتے ہوئے مجھے خدا کی قسم دی کہ میں یہ کام انجام نہ دوں۔ ②

جنابِ ہانیؓ نے حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کی جب یہ گفتگو سنی تو کہا: یہ عورت برباد

---

① تاریخ کامل: ج ۴، ص ۱۱۔ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۰۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۱۶۶۔ منتخب کنزالعمال درحاشیہ جامع صغیر: ج ۱، ص ۹۵۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۳۵۲۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۰۲، فصل ۱۰۔ مناقب شہرآشوب: ج ۲، ص ۳۱۸۔

② مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۳۰۱ پر لکھا ہوا ہے: ہانی رکاوٹ بنے، لیکن یہ چیز ہانیؓ سے بعید ہے کیوں کہ جب ابن زیاد نے ہانی کو شکنجوں میں کسا اور انھیں جنابِ مسلمؑ کو حوالے کرنے کے لیے کہا تو جنابِ ہانیؓ کسی صورت میں بھی اس کے لیے تیار نہ ہوئے اور کہا کہ میں ہرگز اپنا مہمان تمھارے سپرد نہیں کروں گا کہ تم انھیں قتل کر دو۔ یعنی جنابِ ہانیؓ اس پر تیار تھے کہ وہ انھیں قتل کر دے لیکن حضرت مسلمؑ کو اس کے سپرد نہ کرے۔ ادھر سے جنابِ ہانیؓ نے سیاسی صورتِ حال پر مکمل آگاہی کے باوجود حضرت مسلمؑ کو قبول کیا تھا، اب یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ ذلت و بے چارگی کا اظہار کرتے؟! اس بنا پر جو کچھ متن میں آیا ہے کہ جنابِ ہانیؓ کی زوجہ مانع ہوئی، درست تر لگتا ہے اور ابن نما نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔
بہرحال! حضرت مسلمؑ کہ جو خاندانِ اہلِ بیتؑ کے ایک عالم اور دینی و اجتماعی اُمور میں حضرت سیدالشہداءؑ کے نمائندے ہیں، کی یہ گفتگو ہمیں سکھاتی ہے کہ اسلامی شریعت اور فقہ اپنے پیروکاروں کو بے وفائی، حیلہ گری اور بزدلی کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ دوسری طرف سے اسلامی اَخلاق بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مہمان اپنے میزبان کے گھر میں ایسے عمل کا مرتکب ہو کہ صاحبِ خانہ جسے پسند نہ کرتا ہو۔

ہوجائے، اس نے مجھے اور اپنے آپ کو قتل کے مرحلہ تک پہنچا دیا ہے اور جس سے خوف کھا رہی تھی اسی جال میں پھنس گئی ہے۔ یَا وَیْلَهَا قَتَلَتْنِی وَقَتَلَتْ نَفْسَهَا وَالَّذِی فَرَّتْ مِنْهُ وَقَعَتْ فِیْهِ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۰۲)

اس واقعہ سے تین روز بعد شریک فوت ہوگیا۔ ابن زیاد نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے "ثویہ" میں دفن کیا گیا۔ بعد میں جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ شریک نے جناب مسلمؑ کو اسے قتل کرنے پر آمادہ کیا تھا تو ابن زیاد نے قسم کھائی کہ جب تک زندہ ہے کسی عراقی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائے گا اور کہا کہ اگر اس قبرستان میں زیاد کی قبر نہ ہوتی تو میں شریک کی قبر کھولتا۔

⇦ کتنا اچھا ہے کہ محترم طلاب علوم دینی جب تبلیغ کے موقع پر اپنے میزبانوں کے گھروں میں جائیں تو تمام اخلاقی نکات کی رعایت کریں۔

ایک اور نکتہ کہ جس کا حضرت مسلمؑ کی گفتگو سے استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جناب مسلمؑ نے اپنے جد امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے فرمان سے تمسک کیا ہے، جب حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا کہ ابن ملجم مجھے قتل کرے گا تو ان سے پوچھا گیا: اَلَا تَقْتُلُ اِبْنَ مُلْجَم؟ "آپ ابن ملجم کو کیوں قتل نہیں کردیتے؟"۔ حضرتؑ نے فرمایا: اِذَنْ فَمَنْ یَقْتُلُنِی "اگر میں اسے قتل کردوں تو پھر مجھے کون قتل کرے گا؟"

حضرت سید الشہداء علیہ السلام کا قول، جو انھوں نے جناب اُم سلمہؓ کے جواب میں فرمایا: "اگر میں کربلا نہ جاؤں تو پھر مجھے کون قتل کرے گا اور میری قبر میں کون سوئے گا؟ اور لوگوں کا کس طرح امتحان کیا جائے گا؟"

اس ساری گفتگو کا مفاد یہ ہے کہ مقدرات حتمیہ الٰہیہ کو کوئی بھی تبدیل نہیں کرسکتا ہے۔ خداوند متعال نے یوں مقدر کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ابن ملجم، حضرت سید الشہداءؑ شمر و یزید اور جناب مسلمؑ بن عقیلؑ ابن زیاد کے ہاتھوں شہید ہوں۔

اس میں کیا اشکال ہے جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب میثم تمار، حبیب، رُشید اور کمیل کو غیبی علوم سے آگاہ کیا، نیز ان کی شہادت کیسے ہوگی اور ان کے قاتل کون کون ہوں گے بیان فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت سید الشہداءؑ نے بھی جناب مسلم کو ان تمام واقعات سے آگاہ کیا تھا کہ جن کا انھیں سامنا کرنا پڑے گا اور وہ بھی جناب مسلم جیسی شخصیت کو جو یقین، بصیرت اور اعتقاد کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

اس بنا پر جناب مسلمؑ ابن عقیلؑ سب کچھ جانتے تھے لیکن وقت کے تقاضے اور افراد کی ظرفیت نے انھیں اجازت نہیں دی کہ سب کچھ تمام افراد کو بتاتے۔

مسلمؑ ابن عقیلؑ کی تلاش

ہر جگہ پر خوف و ہراس کی حکمرانی تھی۔ شیعہ حضرات انتہائی احتیاط کے ساتھ اور مخفی طور پر جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کے پاس آمد ورفت کرتے تھے، نیز ایک دوسرے کو تاکید کرتے تھے کہ کسی کو جناب مسلمؑ کی اقامت گاہ کے متعلق مت بتانا، کہیں ایسا نہ ہو کہ ابن زیاد اور اس کے جاسوسوں کو پتا چل جائے۔ ادھر ابن زیاد اس کوشش میں تھا کہ حضرت مسلمؑ کے ٹھکانے سے باخبر ہو، لہٰذا اس نے اپنے تجربہ کار جاسوس معقل کو طلب کیا، اسے تین لاکھ درہم دیے اور کہا کہ شیعوں کے ساتھ رفت و آمد رکھو، اپنا تعارف یوں کراؤ کہ میں شام کا رہنے والا اور ذی الکلاع کا موالی ہوں اور کہو کہ خدا نے مجھے اہلِ بیتؑ پیغمبرؐ کی ولایت ومحبت کی نعمت سے نوازا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا نمائندہ آیا ہوا ہے۔ میں دوست دار اہلِ بیتؑ ہوں اور امامؑ کے نمائندہ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کچھ وجوہات شرعیہ ہیں میں چاہتا ہوں کہ زیارت کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ان کی خدمت میں تقدیم کروں، تاکہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف ضروری کاموں میں خرچ کرسکیں۔

معقل نے وہ رقم دریافت کی اور مسجد جامع میں آیا، وہاں پر اس نے مسلمؓ بن عوسجہ کو دیکھا کہ جو نماز پڑھنے میں مشغول تھے۔ وہ وہاں پر انتظار کرنے لگا کہ مسلمؓ بن عوسجہ نماز پڑھ کر فارغ ہوں۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو معقل ان کے قریب گیا اور خود ساختہ داستان کی تکرار کی۔ جناب مسلمؓ بن عوسجہ اس سے بہت متاثر ہوئے، خدا کی بارگاہ میں اس کے لیے خیر کی دُعا اور توفیق طلب کی اور اسے اپنے ہمراہ جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کے پاس لے گئے!!

اس نے وہ رقم حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو دی اور ان کی بیعت کی۔ (اخبار الطوال: ص ۲۳۷)

حضرت مسلمؑ نے وہ درہم ابوثمامہ صائدی کے سپرد کیے۔ وہ ایک صاحب بصیرت، شجاع شخص اور شیعوں کی شناخت تھے۔ حضرت مسلمؑ نے انھیں اموال دریافت اور اسلحہ خریدنے کے لیے معین کررکھا تھا۔

اس دن کے بعد معقل ہر روز کسی رکاوٹ کے بغیر جناب مسلمؑ کے پاس آتا جاتا تھا اور وہاں کی رپورٹ لے کر رات کو چھپ کر ابن زیاد تک پہنچاتا تھا۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ: ص ۲۰۷)

جنابِ ہانیؓ کی گرفتاری

مخفی رپورٹیں ملنے پر ابن زیاد کو اس کا یقین ہوگیا کہ مسلمؑ بن عقیلؑ ہانیؓ بن عروہ کے گھر میں چھپے ہوئے ہیں، لہٰذا اس نے اسماء بن خارجہ، محمد بن اشعث اور عمرو بن حجاج کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور ہانیؓ کو اس کے پاس لائیں۔ مذکورہ افراد نے کہا کہ ہانیؓ بیمار ہیں لہٰذا انھیں بیماری کی حالت میں نہیں لاسکتے۔

لیکن ابن زیاد کو اپنے جاسوسوں اور حفاظتی مامورین کے ذریعے معلوم ہوچکا تھا کہ ہانیؓ بہتر ہوچکے ہیں اور ہر روز عصر کے وقت اپنے گھر کے دروازے کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ وہ ان کی اس بات پر قانع نہ ہوا اور دوبارہ تاکید کے ساتھ کہا کہ وہ اس کام کو ہر حال میں انجام دیں۔

مذکورہ افراد مل کر جنابِ ہانیؓ کے ہاں آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ امیر کے پاس جائیں۔ البتہ انھیں یقین دلایا کہ امیر ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کرے گا۔ چونکہ ان لوگوں نے بے حد اصرار کیا تو جنابِ ہانیؓ اپنے خچر پر سوار ہوئے اور ابن زیاد کی طرف چل پڑے۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے تو ابن زیاد نے قاضی شُریح کی طرف متوجہ ہوکر کہا: أَتَتْكَ بِخَائِنٍ رِجلَاهُ ''خائن اپنے پاؤں سے چل کر خود تیرے جال میں پھنس گیا ہے''۔ اس کے بعد مزید کہا:

أُرِيدُ حَيَاتَهُ وَ يُرِيدُ قَتْلِي

عُذَيرَكَ مِن خَلِيلِكَ مِنْ مُرَادِ

''میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے،

اب تمھارا دوست کیا عذر اور بہانہ تلاش کرے گا''۔ ①

---

① کتاب الاصابہ: ج ۲، ص ۲۷۳۔ پر قیس بن مکشوح کے حالات زندگی کے ضمن میں لکھا ہوا ہے کہ مذکورہ شعر عمرو بن معدیکرب کے اشعار میں سے ایک شعر ہے اور ان اشعار سے مربوط ہے کہ جو اس نے اپنے بھانجے کے فراق میں کہے ہیں۔ کتاب الاغانی: ج ۴، ص ۱۳ پر درج ہے کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام نے اس شعر سے اس وقت مثال دی جب ابن ملجم مرادی نے آکر حضرتؑ کی بیعت کی تھی۔

اس کے بعد ابن زیاد نے جناب ہانیؓ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: تو ابن عقیل کو اپنے گھر لایا ہے اور اس کے لیے اسلحہ اکٹھا کر رہا ہے؟

جناب ہانیؓ نے انکار کیا اور اسی بات کی تکرار کرتا رہا۔ جب طرفین سے انکار و اِصرار حد سے بڑھ گیا تو ابن زیاد نے معقل کو آواز دی کہ وہ وہاں پر آئے۔ جب معقل وہاں پر آیا تو جناب ہانیؓ اسے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ ابن زیاد کا جاسوس تھا اور اس نے ساری خبریں اس تک پہنچائی ہیں، لہٰذا انھوں نے ابن زیاد سے کہا: تمھارے باپ کا میری گردن پر ایک حق ہے، میں چاہتا ہوں کہ تیرے حق میں اس کی تلافی کروں، کیا تم خیر وسعادت تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ ابن زیاد نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

جناب ہانیؓ نے کہا: تو اور تیرے گھر والے صحیح و سالم اور کسی پریشانی کے بغیر اپنا سازوسامان اُٹھاؤ اور شام واپس چلے جاؤ اور اپنے آپ کو اس ماجرے سے دُور رکھو، کیوں کہ ہمارے پاس کوفہ کی حکمرانی کے لیے وہ شخص آیا ہے جو تم اور تمھارے دوست سے اس چیز کا زیادہ حق دار ہے، اور اس کا مطالبہ کر رہا ہے۔ (مروج الذھب: ج ۳، ص ۵۷، طبع جدید، دارالاندلس بیروت، طبع قدیم، ج ۲، ص ۸۸)

ابن زیاد نے کہا: تم ایسی باتیں کر کے مجھ سے نجات حاصل نہیں کر سکتے مگر یہ کہ اسے میرے حوالے کر دو۔

جناب ہانیؓ نے کہا: اگر وہ اس جگہ پر میرے پاؤں کے نیچے بھی ہوں تو میں اپنا پاؤں تک نہیں اُٹھاؤں گا کہ تم انھیں دیکھ سکو۔ وَاللّٰہِ لَو کَانَ تَحتَ قَدَمِی مَا رَفَعتُھُمَا عَنہُ۔

ابن زیاد نے ان کے ساتھ سخت لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے انھیں قتل کرنے کی دھمکی دی۔ جناب ہانیؓ نے بھی اس کے مقابلے میں کہا: اگر تم ایسا کام کرنا چاہتے ہو تو تمھارے سارے محل کو چمکتی ہوئی تلواروں کی روشنی گھیرے گی۔ جناب ہانیؓ نے یہ بات اس اعتماد پر کہی کہ ان کا قبیلہ دارالامارہ کے اردگرد موجود ہے، وہ ان کی مدد کو آجائے گا۔

ابن زیاد نے جب جناب ہانیؓ کا یہ جواب سنا تو تلوار اُٹھائی اور حضرت ہانیؓ کے چہرے پر اس قدر وار کیے کہ ان کی ناک ٹوٹ گئی، ان کی پیشانی اور رخساروں کا گوشت جگہ

جگہ سے کٹ کر چہرے پر لٹکنے لگا۔ اس کے بعد ابن زیاد نے انھیں اپنے ایک کمرے میں بند کر دیا۔(مثیر الاحزان ابن نما)

جناب ہانیؓ کے سسر عمرو بن حجاج کو پتا چلا کہ انھیں قتل کر دیا گیا ہے تو اس نے قبیلہ مذحج کے افراد کو ساتھ لیا اور دارالامارہ کا گھیراؤ کر لیا۔ ابن زیاد کہ جو اس شورش سے پریشان تھا اس نے قاضی شُریح سے کہا کہ وہ ہانیؓ کو جا کر دیکھے اور محاصرہ کرنے والوں کو بتائے کہ ہانیؓ زندہ ہے۔

قاضی شُریح کہتا ہے کہ جب ہانیؓ کی نگاہ میرے اُوپر پڑی تو اس نے بلند آواز سے کہا:

یَالِلْمُسْلِمِیْنَ اِنْ دَخَلَ عَلَیَّ عَشَرَۃٌ اَنْقَذُوْنِیْ

''اے مسلمانو! اگر میرے قبیلہ کے دس افراد مجھ تک پہنچ جائیں تو مجھے نجات دلائیں گے''۔

قاضی شُریح کہتا ہے: اگر ابن زیاد کا ذاتی محافظ میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں جناب ہانیؓ کا یہ کلام ان کے دوستوں کو بتا دیتا، لیکن میں ان کا کلام تو بیان نہ کر سکا، انھیں صرف اتنا بتایا کہ ہانیؓ زندہ ہیں۔ عمرو بن حجاج نے خدا کا شکر ادا کیا اور محل کا محاصرہ ختم کر دیا۔[1]

حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ کا قیام

جب حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ تک جناب ہانیؓ کی خبر پہنچی تو انھیں یہ خوف لاحق ہوا کہ دشمن کہیں دھوکا و فریب دے کر انھیں گرفتار نہ کر لے، لہٰذا حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے معین شدہ

---

[1] یہ مخفی نہ رہے کہ عمرو بن حجاج ان تین افراد میں سے تھا جو ابن زیاد کی طرف سے اسماء بن خارجہ اور محمد بن اشعث کے ہمراہ گیا اور جناب ہانیؓ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سپرد کیا۔ عمرو بن حجاج کی بیٹی کہ جو جناب ہانیؓ کی بیوی تھی، کا نام ''روعہ'' تھا۔ جناب ہانیؓ کا بیٹا یحییٰ اسی سے پیدا ہوا تھا۔

قاضی شُریح بنی اُمیہ کا ایک درباری مُلا اور حکومتی مزدور تھا۔ یہ حکومتی مشینری کے تمام کاموں کی توجیہ کرتا اور انھیں دینی رنگ دے کر بیان کرتا۔ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا فتویٰ دیا۔

جناب ہانیؓ کی جب اس پر نگاہ پڑی تو انھوں نے اس لیے یاللمسلمین (یا ولی المسلمین) کہہ کر استغاثہ کیا کہ عام طور پر اس طرح کے لباس میں ملبوس افراد سے لوگوں کو اچھائی کی اُمید ہوتی ہے۔ ⇦

تاریخ سے پہلے اپنی تحریک کو شروع کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس بنا پر انھوں نے عبداللہ بن حازم کو حکم دیا کہ وہ ان دوستوں اور اصحاب کے درمیان تیار رہنے کا اعلان کردیں جو اطراف کے گھروں میں اکٹھے ہوچکے تھے۔ چار ہزار افراد اکٹھے ہوگئے اور انھوں نے وہی نعرہ لگایا جو جنگِ بدر میں مسلمانوں نے لگایا تھا: یَا مَنْصُوْرُ اَمِتْ، "اے کامیاب لوگو! حملہ کرو"۔

اسلحہ سے لیس ہونے کے بعد حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے قوم کے سربراہوں سے دوبارہ بیعت لی۔ من جملہ ان میں سے عبیداللہ بن عمرو بن عزیز کندی ہے کہ جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ قبیلہ کندہ اور ربیعہ کو جنگ کے لیے لائے گا، انھیں لشکر کا ہراول دستہ قرار دیا۔ مسلم بن عوسجہؓ کہ جو قبیلہ مذحج و اسد کو لایا تھا، سے دوبارہ عہدوپیمان لیا اور اسے ان دونوں قبیلوں کا سرپرست بنایا۔ ابوثمامہ صائدی کہ جو قبیلہ تمیم ہمدان کو لایا تھا، سے دوبارہ بیعت لی۔ عباس بن جعدہ جدلی کہ جو مدینہ کے لوگوں کو لایا تھا، سے بھی دوبارہ بیعت لی اور اس کے بعد روانہ ہونے کا حکم صادر کردیا۔

یہ سب لوگ قصر دارالامارہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابن زیاد اتنا بھاری لشکر دیکھ کر وحشت زدہ ہوگیا۔ وہ فوراً محل میں داخل ہوا اور اس کے تمام دروازے بند کردیے۔ اس کے اندر اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ تھی کیوں کہ اس وقت دارالامارہ میں تیس سپاہیوں اور بیس حکومتی اشراف کے علاوہ کوئی نہ تھا، جب کہ حضرت مسلمؑ کے لشکر میں کسی اور کا کوئی پرچم نہیں تھا۔ لیکن اہلِ کوفہ کی منافقت، مکاری اور حیلہ گری کہ جو اُن کی ذات میں پوشیدہ تھی، نے ایسا کام کیا کہ ان چار ہزار افراد میں سے صرف تین سو افراد باقی رہ گئے۔ (تاریخ طبری: ج۶، ص ۲۰۷۔ مقتلِ خوارزمی: ج۱، ص ۲۰۶-۲۰۷)

احنف بن قیس نے کہا تھا کہ کوفہ کے لوگ اس فاحشہ عورت کے مانند ہیں کہ جو ہر روز

⇦ ورنہ بہت سے دوسرے لوگ بھی جناب ہانیؓ کے پاس گئے تھے لیکن ان کے جاہ وجلال نے ہرگز انھیں اس کی اجازت نہ دی کہ ان سے مدد مانگتے۔ شُریح چونکہ حکومتی مزدور تھا وہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ جناب ہانیؓ کی صحیح صورتِ حال کا لوگوں کو پتا چلے ورنہ وہ رات کے وقت یا کسی اور بہانے سے اطلاع پہنچا کر جناب ہانیؓ کو نجات دلا سکتا تھا۔ اس بنا پر اس کے مذکورہ جملے اس کی ایک اور چال بازی، غلط توجیہ اور دروغ گوئی ہے۔ (لعنۃ اللہ علیہ)

کسی نہ کسی نئی آغوش میں ہوتی ہے۔ ①

بہرحال! جب کاخ نشینوں نے دیکھا کہ لشکر پراگندہ ہو چکا ہے تو انھوں نے خطرے کی گھنٹی بجائی اور کہا: اے کوفہ والو! خدا سے ڈرو، لشکرِ شام ابھی پہنچنے والا ہے، تم لوگ اس کے ساتھ مت الجھو، تمھیں اس کی قدرت کا علم ہے کہ اگر وہ پہنچ گیا تو پھر کیا ہوگا اور......!

اس سیاسی حملے سے باقی تین سے افراد بھی تتر بتر ہو گئے۔ اب صورتِ حال یہ بن گئی کہ ہر کوئی آتا اپنے اپنے بیٹے، بھائی، چچازاد وغیرہ وغیرہ کا ہاتھ پکڑتا اور اسے لے جاتا۔ اسی طرح عورتیں آتیں، اپنے شوہروں کے گلے میں بانہیں ڈالتیں تاکہ انھیں واپس لے جائیں۔ ②

جنابِ مسلمؑ نے باقی بچے کھچے تیس افراد کے ہمراہ مسجد میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد وہ کندہ ③ کی طرف روانہ ہونا چاہتے تھے کہ صرف تین افراد باقی رہ گئے۔ وہ کچھ ہی قدم آگے

---

① کتاب انساب الاشراف بلاذری: ج ۵، ص ۳۳۸ اور الاغانی: ج ۷، ص ۱۹۲ پر لکھا ہے کہ مذکورہ جملہ ابراہیم بن مالک اشترؒ کا ہے کہ جب مصعب نے سوچا کہ انھیں اپنے ہمراہ عراق لے جائے تو انھوں نے کہا: اِنَّهُمْ كَالْمُومِسَةِ تُرِيْدُ كُلَّ يَوْمٍ بَعْلًا (وہ اس بدکار عورت کے مانند ہیں کہ جو ہر روز نیا شوہر تلاش کرتی ہے)۔

② تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۰۸۔ خوارزمی، ج ۱، ص ۲۰۷۔ خوارزمی لکھتا ہے: جس وقت جنابِ مسلمؑ نے قیام کیا تو اس وقت ابن زیاد مسجد میں لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا تھا۔ اس نے شور وغل سنا تو سمجھ گیا کہ مسلمؑ نے قیام کیا ہے۔ اس نے فوراً اپنی گفتگو ختم کی اور مسجد سے نکل کر دارالامارہ میں گھس گیا اور تمام داخلی دروازے بند کر دیے۔ اب وہ اس انتظار میں تھا کہ کب مسلمؑ کے حامی محل کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ اس نے مکر وحیلہ سے کام لیتے ہوئے اپنے مزدوروں کی چھت سے چیخ چیخ کر کہنا شروع کر دیا: اَلَا يَا شِيْعَةَ مُسْلِمِ بْنِ عَقِيْلٍ اَلَا يَا شِيْعَةَ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ، اَللهَ اَللهَ فِيْ اَنْفُسِكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ فَاِنَّ جُنُوْدَ اَهْلِ الشَّامِ قَدْ اَقْبَلَتْ...... امیر عبیداللہ نے قسم کھائی ہے کہ اگر تم لوگ جنگ سے باز نہیں آؤ گے تو وہ لشکرِ شام کی مدد سے تمھیں شکست سے دوچار کرے گا، تمھاری تنخواہیں کاٹ دے گا، اس کے بعد گناہ گار، بے گناہ، موجود اور غیر موجود سب کو سزا دے گا اور کسی کو بھی معاف نہیں کرے گا۔ یہ سننا تھا کہ لوگ متفرق ہونا شروع ہو گئے اور کہنے لگے: ہمیں کیا ہے؟ يَنْبَغِيْ اَنْ نَقْعُدَ فِيْ مَنَازِلِنَا وَنَدَعْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ حَتّٰى يُصْلِحَ اللهُ ذَاتَ بَيْنِهِمْ۔ معروف مقولہ ہے کہ ہم اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہوا ہماری ٹوپی لے اڑائے اور انھیں بھی خدا ٹھیک کرے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ غروبِ آفتاب کے وقت صرف دس افراد جنابِ مسلمؑ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ غریب مسجدِ کوفہ میں گئے، نماز پڑھی تو وہ دس افراد بھی فرار کر گئے۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۰۷)

③ اخبار الطوال: ص ۲۴۰

گئے تھے کہ وہ تین افراد بھی غائب ہو گئے۔ اب کوئی بھی نہیں تھا کہ جو ان کی رہنمائی کرتا۔ ①
وہ اپنی سواری سے نیچے اُترے اور حیران و پریشان کوفہ کی گلیوں میں چل رہے تھے اور انھیں کوئی پتہ نہیں تھا کہ کہاں پناہ حاصل کریں۔ (لہوف: ص ۲۹۔ مقتلِ خوارزمی: ج۱، ص ۲۰۷)

جونہی لوگ تتر بتر ہو گئے اور شور و غل ختم ہوا تو ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسجد کو جا کر اچھی طرح دیکھا جائے کہ کوئی کمین لگائے نہ بیٹھا ہو۔ اس کے کارندوں نے شمعیں جلائیں، ساری مسجد کی چھان بین کی اور چلتے ہوئے جامع مسجد کے صحن تک پہنچ گئے، لیکن انھیں وہاں پر کوئی شخص نہ ملا۔ جب ابن زیاد کو اطمینان ہو گیا کہ وہاں پر کوئی نہیں ہے تو اس نے حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ تمام لوگ مسجد میں اکٹھے ہو جائیں۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ ابن زیاد نے منبر پر جا کر کہا:

آپ سب کو معلوم ہے کہ یہ احمق جاہل ② ابن عقیل (نعوذ باللہ) آیا ہے اور آپ کے اندر نفاق و اختلاف کی افشائی و تخم پاشی کی ہے۔ ہم نے مسلمؑ کو جس شخص کے پاس دیکھ لیا وہ ہم سے محفوظ نہیں رہے گا اور اس کے خون کی دیت اس شخص کی گردن پر سمجھتے ہیں۔ وَمَن جَاءَ بِه فَلَهُ دِيَتُهُ "اے خدا کے بندو! تقویٰ و پرہیز کو ملحوظ خاطر رکھو، اور اپنے ولی امر کی بیعت و اطاعت پر مضبوطی سے ڈٹ جاؤ اور اپنے آپ کو خطرے میں مت ڈالو۔

اس کے بعد اس نے اپنی پولیس کے ہمراہ حصین بن تمیم کو حکم دیا کہ وہ تمام گھروں اور گلی کوچوں کی اچھی طرح سے چھان بین کریں تا کہ مسلمؑ کو تلاش کیا جا سکے اور یہ حکم بھی دیا کہ مکمل طور پر احتیاط سے کام لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمؑ تمھارے اُوپر حملہ کر دے یا کوفہ سے باہر نکل جائے۔ ③

---

① شرح مقامات حریری: ج۱، ص ۱۹۳، آخر المقامۃ العاشرہ

② تاریخ طبری: مطبوعہ لندن، ص ۲۶۰، ج ۷

③ ابن زیاد نے حصین بن تمیم سے کہا: تم پر لعنت ہے کہ آج اگر کوفہ کے گلی کوچوں سے کوئی آواز اُٹھے یا مسلمؑ کوفہ سے فرار کر جائے اور اسے میرے پاس نہ لا سکو۔ میں نے کوفہ کے تمام گھر تمھارے سپرد کر دیے ہیں تُو جس طرح مناسب سمجھتا ہے، اسی طرح سے عمل کر اور مسلمؑ بن عقیلؑ کو گرفتار کر۔ اپنے جاسوسوں کو شہر کے گلی کوچوں میں پھیلا دو تا کہ وہ ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھیں اور دوسرے سپاہیوں کی یہ ڈیوٹی لگا دے کہ وہ اچھی طرح سے خانہ تلاشی کریں۔

حصین بن تمیم نے کوفہ کے داخلی و خارجی تمام راستے بند کر کے کوفہ کو سیل کر دیا۔ اس کے بعد کوفہ شہر کے ان اشراف اور بزرگوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا جنھوں نے جناب مسلمؑ کے ساتھ مل کر قیام کیا تھا۔ عبدالاعلی بن یزید کلبی اور عمارہ بن صلخب ازدی کو گرفتار کرلیا اور تھوڑی بہت تفتیش کرنے کے بعد انھیں تختہ دار پر لٹکا دیا۔ ماحول کے اندر وحشت پیدا کرنے کے لیے بعض دوسرے بزرگوں کو قید میں ڈال دیا۔ اصبغ بن نباتہ اور حارث اعور ہمدانی انھی میں سے تھے۔

جنابِ مختارؒ قید میں

جب حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ نے قیام کیا تو اس وقت جنابِ مختارؒ ایک قریہ بنام ''خطوانیہ'' ① میں تھے۔ وہ اپنے دوستوں کے ہمراہ سبز پرچم کے ساتھ عبداللہ بن حارث کہ جس نے سرخ پرچم بلند کیا ہوا تھا، کو ساتھ لے کر عمرو بن حریث کے گھر آئے۔

جنابِ مختارؒ نے اپنا پرچم زمین پر رکھتے ہوئے عمرو بن حریث سے کہا: ہمارا قیام آپ کی حمایت اور دفاع کرنے کی غرض سے تھا② اور ان کے سامنے حضرت مسلمؑ اور جنابِ ہانیؒ کی شہادت کا واقعہ وضاحت سے بیان کیا۔ عمرو بن حریث نے انھیں اجازت دی کہ وہ ان کے گھر میں رہیں، انھیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

علاوہ ازیں انھوں نے ابن زیاد کے سامنے گواہی دی کہ ان دونوں کا مسلمؑ بن عقیلؑ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ابن زیاد نے انھیں مارا پیٹا اور نیام کی ضرب سے جنابِ مختارؒ کی آنکھ پر بھی شدید زخم آیا۔ (معارف ابن قتیبہ دینوری: ص ۲۵۳۔ المجبر ابن حبیب: ص ۳۰۳)

اس کے بعد ابن زیاد نے انھیں قید خانے میں ڈال دیا اور وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت تک زندان میں رہے۔ (انساب الاشراف: ج ۵، ص ۲۱۵)

---

① بابل کے نواح میں ایک جگہ کا نام ہے۔

② ابن زیاد نے عمرو بن حریث کو لوگوں کا امیر بنایا تھا، درواقع وہ ابن زیاد کا قائم مقام تھا۔

ابن زیاد نے لوگوں کو فریب دینے کے لیے محمد بن اشعث [1]، شبث بن ربعی، قعقاع بن شور ذھلی، حجارہ بن ابجر [2]، شمر بن ذی الجوشن اور عمرو بن حریث کو حکم دیا کہ وہ امن و آشتی کا پرچم بلند کریں اور لوگوں سے کہیں کہ اس کے بعد کسی کو ان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ افراد کی ایک تعداد کہ جو خوف و ہراس کے مارے چھپ گئی تھی وہ بڑی خوش ہوئی اور اس کا استقبال کیا۔ ایک تعداد لالچ کی وجہ سے فریب میں آکر ان کے ساتھ مل گئی، لیکن وہ جن کے دل صاف اور ذہن روشن تھے، اسی طرح پناہ گاہوں میں چھپے رہے اور اس انتظار میں رہے کہ کب اُمید کی کرن نظر آتی ہے تاکہ وہ اس کمزور اور باطل حکومت پر حملہ کر کے اسے درہم برہم کریں۔

مسلمؑ ابن عقیلؑ طوعہ کے گھر میں

حضرت مسلمؑ یکہ و تنہا اور حیران و سرگردان کوفہ کے گلی کوچوں میں پھر رہے تھے کہ قبیلہ کندہ کے محلہ بنی جبلہ میں پہنچے اور طوعہ نامی عورت کے گھر کے سامنے رُکے۔ طوعہ اشعث بن قیس کی لونڈی تھی۔ اشعث نے اسے آزاد کیا تو اُسید حضرمی نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس سے اس کا ایک بیٹا پیدا ہوا کہ جس کا اس نے نام بلال رکھا۔ بلال کہیں باہر گیا ہوا تھا اور اس کی ماں اس کا انتظار کر رہی تھی۔

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے اس خاتون سے پانی مانگا۔ انھوں نے پانی پینے کے بعد ضیافت کا یعنی مہمان بننے کا تقاضا کیا۔ وہ عورت انھیں پہچاننے کے بعد کہ اس شہر میں ان کا کوئی نہیں ہے، ان کا تعلق اہلِ بیتؑ شفاعت سے ہے اور وہ مسلمؑ بن عقیلؑ ہیں۔ انھیں اپنا مہمان بنایا، بیٹے کے کمرے کے علاوہ دوسرے کمرے میں جگہ دی۔ وہ ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان کے کمرے میں زیادہ رفت و آمد کر رہی تھی۔ اس کا بیٹا مشکوک ہوگیا۔ اس نے ماں سے پوچھا تو ماں نے اصل بات اس سے چھپائی۔ بالآخر جب اس کے لڑکے نے

---

[1] محمد بن اشعث کی ماں اُمِ فروہ ابوبکر کی بہن اور ابوقحافہ کی بیٹی تھی۔ (طبقات الخلیفہ: ج ۱، ص ۳۳۱، شمارہ ۱۰۴۳)

[2] ابجر نصرانی تھا اور وہ ۴۰ ہجری میں مرا تھا۔

قسم کھائی اور کہا کہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا تو اس کی ماں نے سارا واقعہ اس کو بتا دیا۔

اگلی صبح ہوئی تو اس عورت کے لڑکے نے جا کر ابن زیاد کو حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کا ٹھکانہ بتا دیا۔ اس نے محمد ابن اشعث کو قبیلہ قیس کے ستر افراد کے ہمراہ حضرت مسلمؑ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ جونہی جنابِ مسلمؑ نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ وہ اس کے پیچھے آئے ہیں۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۰۸، فصلِ دہم)

وہ نمازِ صبح کی تعقیبات میں مشغول تھے، انھیں فوراً ختم کیا اور سامان اُٹھانے کے بعد طوعہ سے کہا: آپ نے اپنی ذمہ داری پوری طرح سے انجام دی ہے اور رسولؐ خدا کی شفاعت میں سے اپنا حصّہ لے لیا ہے۔

وَلَقَدْ رَأَيْتُ الْبَارِحَةَ عَمِّي اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْمَنَامِ وَهُوَ يَقُوْلُ لِي اَنْتَ مَعِي غَدًا (نفس المہموم: ص ۵۶)

"لیکن گذشتہ رات میں نے اپنے چچا امیرالمومنین علی علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا ہے کہ تم کل ہمارے پاس ہو گے"۔

سپاہیوں نے طوعہ کے گھر پر حملہ کر دیا۔ حضرت مسلمؑ نے تلوار کھینچی اور سب کو گھر سے باہر نکال دیا۔ انھوں نے دوبارہ حملہ کیا تو جنابِ مسلمؑ نے پھر انھیں نکال دیا اور یہ اشعار گنگنا رہے تھے:

هُوَ الْمَوْتُ فَاصْنَعْ وَيْكَ مَا اَنْتَ صَانِعٌ　　فَاَنْتَ بِكَاسِ الْمَوْتِ لَاشَكَّ جَارِعٌ
فَصَبْرًا لِاَمْرِ اللهِ جَلَّ جَلَالَهُ　　فَحُكْمُ قَضَاءِ اللهِ فِي الْخَلْقِ ذَائِعٌ

"یہ صرف موت ہی ہے تم جو چاہو کر لو، بے شک! تمھیں ہر صورت موت کا پیالہ پینا ہی ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر صبر کروں گا اور اللہ کا فیصلہ اس کی مخلوق میں نافذ ہو کر ہی رہتا ہے۔ اس امر سے ہر فرد واقف ہے"۔

جنابِ مسلمؑ نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں چالیس افراد کو واصلِ جہنّم کیا (مناقب شہر ابن آشوب: ج ۲، ص ۲۱۲)۔ حضرت مسلمؑ اس قدر طاقت ور تھے کہ وہ ان میں سے جسے بھی پکڑتے، اُچھال کر چھت پر پھینک دیتے۔ (نفس المہموم: ص ۵۷)

محمد بن اشعث نے ابن زیاد کے نام پیغام بھیجا کہ وہ اس کے لیے تازہ دم فوج بھیجے۔

ابن زیاد نے اسے لعنت ملامت کرتے ہوئے کہا: یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ستر افراد ایک شخص کا مقابلہ نہ کر سکیں؟!

ابن اشعث نے ابن زیاد کو پیغام بھیجا:

أَتَظُنُّ أَنَّكَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى بَقَّالٍ مِنَ الْكُوفَةِ! أَوْ جُرمُقَانِيٍ مِن جُرَامِقَةِ الحِيرَة؟ إِنَّكَ أَرْسَلْتَنِي إِلَى سَيْفٍ مِنْ أَسْيَافِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ

"تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم نے ہمیں کوفہ کے کسی سبزی فروش یا حیرہ کے کسی جرامقہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا ہے؟! [1] تو نے ہمیں محمد بن عبداللہ کی تلواروں میں ایک تلوار کا مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا ہے"۔

اس کے بعد ابن زیاد نے اس کی مدد کرنے کے لیے اور تازہ دم فوج بھیجی۔ (المنتخب: ص ۲۹۹، اللیلۃ العاشرہ)

حضرت مسلمؑ اور بکیر بن حمران کے درمیان سخت جنگ ہوئی۔ دونوں میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے پر دو دو حملے کیے۔ بکیر نے ایک وار جناب مسلمؑ کے چہرے پر کیا اور ان کا اُوپر والا ہونٹ جدا کر دیا اور دوسرا حملہ ان کے نیچے والے ہونٹ پر کیا اور ان کے دو دانت جدا کر دیے۔ حضرت مسلمؑ نے بھی اس پر دو حملے کیے۔ ایک سر پر کیا کہ جس سے وہ گھوڑے سے نیچے گر گیا اور دوسرا وار اس کے شانے پر یوں کیا کہ تلوار اس کے بدن میں اُتر گئی اور اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۰، فصل ۱۰)

ابن زیاد کے سپاہی گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بعض نے ان پر سنگ باری اور بعض نے آگ برسانا شروع کر دی۔

حضرت مسلمؑ یکہ و تنہا گلی کوچوں میں ان کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے درج ذیل رجزیہ اشعار پڑھتے رہے۔

---

[1] جُرمُق (بروزن بلبل) کی جمع جُرامِق ہے۔ یہ ایک عجمی قبیلہ تھا جو اوائل اسلام میں موصل میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔

أَقْسَمْتُ لَا أُقْتَلُ إِلَّا حُرًّا
وَ إِنْ رَأَيْتُ الْمَوتَ شَيْئًا نُكْرًا
كُلُّ امْرِءٍ يَوْمًا مُلَاقٍ شَرًّا
وَيَخْلُطُ الْبَارِدَ سُخْنًا مُرًّا
رُدَّ شُعَاعُ النَّفْسِ فَاسْتَقَرَّا
أَخَافُ أَنْ أُكْذَبَ أَوْ أُغَرَّا[1]

”میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں ایک آزاد مرد کی طرح شہادت پاؤں گا، اگرچہ موت ناپسندیدہ اَمر ہے۔ لیکن ہر شخص کو ایک دن اس شر کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ پھر گرم اور ٹھنڈا سب آپس میں خلط ملط ہو جاتا ہے۔ نفس اور روح کی کرن واپس لوٹ آئی اور مستحکم ہو گئی۔ مجھے صرف اس بات کا خوف ہے کہ مجھ سے جھوٹ بولا جائے گا یا مجھے دھوکا دیا جائے گا“۔

زیادہ زخموں نے حضرت مسلمؑ کو تھکا دیا اور مسلسل ان کے بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ کمزوری ان پر غالب آچکی تھی۔ اُنھوں نے تھوڑی دیر کے لیے دیوار کا سہارا لینا چاہا کہ اچانک افراد کے ایک جتھے نے ان پر حملہ کر دیا اور اطراف سے ان پر تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا:

مَالَكُمْ تَرْمُونِي بِالْحِجَارَةِ كَمَا تُرْمِي الْكُفَّارُ وَأَنَا مِنْ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ الْمُخْتَارِ أَلَا تَرْعَوْنَ حَقَّ رَسُولِ اللّٰهِ فِي عِتْرَتِهِ

”تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم مجھے یوں پتھروں سے مار رہے ہو جیسے

---

[1] یہ اشعار سید ابن طاؤس نے لہوف اور ابن نما نے مثیر الاحزان میں تیسرے شعر کے سوا ذکر کیے ہیں اور اسے یوم القرم کا نام دیا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ ہمارے لیے واضح نہیں ہو سکی لیکن قرم بمعنی خون یا حملہ ہے۔ چونکہ اس دن انھوں نے بے شمار لوگوں کو قتل کیا، لہٰذا اس دن کا نام یوم القرم یعنی خون کا دن رکھا گیا۔

کفار کو مارتے ہیں۔ کیا تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ میں رسولِ مختار کے اہلِ بیتؑ میں سے ہوں؟"

محمد بن اشعث نے ان سے کہا: تم اپنے آپ کو موت کے سپرد مت کرو، ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں۔

حضرت مسلمؑ نے فرمایا:

أَتَظُنَّ يَابْنَ اشعث اِنِّي اُعْطِي بِيَدِي وَاَنَا اَقْدِرُ عَلَى الْقِتَالِ؟ لَا وَاللهِ لَا يَكُونُ ذٰلِكَ اَبَدًا

"تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب تک میرے اندر نبرد کرنے کی قدرت ہے میں تمہارے سامنے تسلیم ہو جاؤں گا؟ نہیں، خدا کی قسم! ہرگز ایسا کام نہیں کروں گا"۔

جنابِ مسلمؑ نے یہ کہا اور اس پر حملہ کر دیا اور اس کے ساتھیوں تک اس کا پیچھا کیا۔ پھر اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ ① دشمنوں نے دوبارہ مل کر ہر طرف سے ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت شدتِ پیاس سے جنابِ مسلمؑ کی بری حالت ہو رہی تھی اور ان سے مقاومت اور حملہ کرنے کی قوت و طاقت سلب ہو چکی تھی۔ اس دوران میں ایک شخص نے پیچھے سے جنابِ مسلمؑ پر حملہ کیا، آپؑ زمین پر گر گئے تو ان لوگوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔ (مناقب شہر ابن آشوب: ج۲، ص ۲۱۲)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے: ان لوگوں نے جنابِ مسلمؑ کے راستے میں ایک گڑھا کھودا اور اسے اُوپر سے خاک وغیرہ سے چھپا دیا اور یوں جنگ کرنے لگے تا کہ انھیں اس گلی سے گزرنا پڑے۔ آخرکار جنابِ مسلمؑ بن عقیلؑ اس گڑھے میں گر گئے اور ان لوگوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔ (منتخب طریحی: ص ۲۹۹)

---

① مقتلِ خوارزمی نے ج ا، ص ۲۱۰ پر لکھا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر لوٹ آئے اور کہا: اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَطَشَ قَدْ بَلَغَ بِنِي فَلَمْ يَجْتَرِءْ اَحَدٌ اَنْ يَسْقِيَهُ الْمَاءَ "پروردگارا! پیاس نے مجھے نڈھال کر دیا ہے، اور کوئی ایک بھی نہیں ہے کہ جو مجھے پانی سے سیراب کرے"۔

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ اور ابن زیاد

حضرت مسلمؑ کو گرفتار کرنے کے بعد انھیں ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا۔ آپؑ نے دارالامارہ کے دروازے پر ٹھنڈے پانی کا ایک بڑا سا مٹکا دیکھا تو ان (ظالموں) سے کہا: اِسْقُوْنِی مِنْ هٰذَا الْمَاءِ "مجھے کچھ پانی پلائیں"۔

مسلم بن عمرو باہلی نے جواب دیا: اس پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکو گے مگر یہ کہ دوزخ میں جا کر پیئو۔

حضرت مسلمؑ نے پوچھا: مَنْ اَنْتَ "تُو کون ہے؟"

اُس نے کہا: میں وہ ہوں جس نے حق کو پہچانا اور تم منکر ہو۔ مَیں نے اپنے امام ① کی اطاعت کی اور تم نے اس سے خیانت کی، مَیں مسلم بن عمرو باہلی ہوں۔

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے اسے جواب میں فرمایا: تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے! تُو کس قدر شقی اور بے رحم انسان ہے۔ اے ابن باہلی! تم مجھ سے زیادہ دوزخ کے مستحق ہو۔ اس کے بعد جناب مسلمؑ دارالامارہ کی دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئے۔ (ارشاد شیخ مفیدؒ)

عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط نے قیس ② نامی شخص کو پانی پلانے کے لیے بھیجا۔ حضرت مسلمؑ نے پانی پینا چاہا تو پیالہ خون سے بھر گیا۔ جب آپؑ نے تیسری مرتبہ پینا چاہا تو پھر پیالہ خون سے بھر گیا اور آپؑ کے دانت ٹوٹ کر پیالے میں گر گئے۔ آپؑ نے پانی پینے سے صرف نظر کرتے ہوئے فرمایا: اگر پانی میرے مقدر میں ہوتا تو یوں نہ ہوتا۔

پھر ابن زیاد کا ایک ملازم آیا اور جناب مسلمؑ کو اس کے پاس لے گیا۔ آپؑ نے ابن زیاد کو سلام نہ کیا۔ اس کے محافظوں نے کہا: تم نے امیر کو سلام کیوں نہیں کیا؟

حضرت مسلمؑ نے فرمایا: اُسْکُتْ اِنَّهٗ لَیْسَ لِیْ بِاَمِیْرٍ "خاموش ہو جاؤ! یہ میرا امیر نہیں ہے"۔ (لہوف: ص ۳۰۔ تاریخ طبری: ج ۷، طبع لیدن (Ledan)

بعض نے لکھا ہے کہ حضرت مسلمؑ نے اسے سلام کہنے کے بجائے کہا:

---

① امام سے اس کی مراد ابن زیاد تھا۔ (مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۰)

② مرحوم شیخ مفیدؒ کا خیال ہے کہ عمرو بن حریث نے اپنے غلام سلیم کو بھیجا کہ وہ جا کر حضرت مسلمؑ کے لیے پانی لائے۔

اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَخَشِیَ عَوَاقِبَ الرَّدٰی وَاَطَاعَ مَلِكَ الْاَعْلٰی

''اس پر سلام ہو کہ جس نے راہِ حق کا اتباع کیا، اپنے برے عواقب سے ڈرے اور خدائے بزرگ کی اطاعت کی''۔

ابن زیاد نے جناب مسلمؑ کا یہ رویہ دیکھا تو مسکراتے ہوئے کہا: سلام کرو یا نہ کرو، ہر حال میں مارے جاؤ گے۔ (منتخب طریحی: ص ۳۰۰)

جناب مسلمؑ نے فرمایا:

اِنْ قَتَلْتَنِیْ فَلَقَدْ قَتَلَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مِنْكَ مَنْ هُوَ خَیْرٌ مِنِّیْ

''اگر تُو مجھے قتل کرے گا (تو کیا ہوا) تجھ سے بدتر نے مجھ سے بہتر کو قتل کیا ہے''۔

ابن زیاد نے کہا:

لَقَدْ خَرَجْتَ عَلٰی اِمَامِكَ وَشَقَقْتَ عَصَا الْمُسْلِمِیْنَ وَالْحَقْتَ الْفِتْنَةَ

''تم نے اپنے امامؑ کے خلاف قیام کیا، مسلمانوں کی طاقت کو ختم کیا اور فتنے کا بیج بویا ہے''۔

حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ نے فرمایا: تُو جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ معاویہ اور اس کا لڑکا تھا کہ جنھوں نے مسلمانوں کی طاقت ختم کی اور تمھارا باپ تھا کہ جس نے فتنہ و فساد کا بیج بویا ہے۔ میری آخری آرزو یہ ہے کہ خداوند متعال مجھے اپنی بدترین مخلوق کے ہاتھوں شہادت نصیب فرمائے۔

اس کے بعد حضرت مسلمؑ نے درخواست کی کہ وہ اپنی قوم کے کسی شخص کو وصیت کرنا چاہتے ہیں؟ ابن زیاد نے موافقت کی۔ جناب مسلمؑ نے وہاں پر موجود افراد کو دیکھا اور عمرو بن سعد پر نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا: تیرے اور میرے درمیان تھوڑی بہت رشتہ داری ہے، اب مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ تمھارے اُوپر لازم ہے کہ میری اس مخفی حاجت کو پورا کرو۔ عمر بن سعد نے انکار کیا اور تیار نہ ہوا کہ جناب مسلمؑ کی بات سنے۔

ابن زیاد نے کہا: کوئی بات نہیں، جاؤ اور دیکھو کہ تمھارے چچازاد کی کیا حاجت ہے؟

اس کے بعد عمر ابن سعد حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے ہمراہ ایسی جگہ پر گیا جہاں ابن زیاد انھیں دیکھ سکے۔

حضرت مسلمؑ نے اسے چند ایک وصیتیں کیں:

① جب سے کوفہ آیا ہوں، مَیں نے سات سو درہم قرض لیا ہے، میری زرہ اور تلوار بیچ کر میرا قرض ادا کر دینا۔[1]

② مجھے قتل کرنے کے بعد ابن زیاد سے میری میت لے کر اسے دفن کر دینا۔

③ امام حسین علیہ السلام کے نام ایک خط لکھنا اور انھیں میرے قتل ہونے کی اطلاع کر دینا تاکہ وہ کوفہ تشریف نہ لائیں۔

عمر بن سعد حضرت مسلمؑ کی وصیتیں سننے کے بعد وہاں سے اُٹھا اور سیدھا ابن زیاد کے پاس آیا اور جو کچھ آپؑ نے بصیغۂ راز اسے بتایا تھا، اس نے وہ سب فاش کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا: امین ہرگز خیانت نہیں کرتا لیکن بعض اوقات خیانت کار کو امین سمجھا جاتا ہے۔[2] اس کے بعد ابن زیاد حضرت مسلمؑ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: خبردار! اے ابن عقیلؑ! تم مسلمانوں کی وحدت کو ختم کرنے اور انھیں ایک دوسرے کے مقابلے میں

---

① کتاب اخبار الطوال: ص ۲۴۱ پر ایک ہزار درہم کا ذکر ہوا ہے۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۶۶ اور مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۳ پر سات سو درہم لکھا ہے اور وصیت نامے کا متن یوں ذکر کیا ہے: اُوصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فَاِنَّ التَّقْوٰی دَرکُ کُلِّ خَیْرٍ وَلِیْ اِلَیْکَ حَاجَۃٌ، فَقَالَ عمر: ﴿قُلْ مَا اَحْبَبْتَ﴾ فَقَالَ علیہ السلام حَاجَتِیْ اِلَیْکَ اَنْ تَسْتَرِدَّ فَرَسِیْ وَسَلَاحِیْ مِنْ ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَتَبِیْعَہٗ وَتَقْضِیْ عَنْ سَبْعَ مِائَۃِ دِرْھَمٍ اِسْتَدَنْتُھَا فِیْ مِصْرِکُمْ ھٰذَا وَاِنْ تَسْتَوْھَبُ جُثَّتِیْ اِنْ قَتَلَنِیْ ھٰذَا الْفَاسِقُ فَتُوَارِیْنِیْ فِی التُّرَابِ.....

② ارشاد شیخ مفید اور تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۱۶۔ جملہ لَا یَخُوْنُکَ الْاَمِیْنُ وَلٰکِن یُؤْتَمِنُ الْخَائِنُ۔ ایک ضرب المثل ہے جو اہل بیت علیہم السلام کی زبان سے وارد ہوئی ہے۔ کتاب وسائل الشیعہ: ج ۱۳، ص ۲۳۳، باب ۹، عدم جواز ایتمان الخائن..... حدیث ۴، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: لَمْ یَخُنْکَ الْاَمِیْنُ وَلٰکِن ائْتَمَنْتَ الْخَائِنَ یعنی ”امین ہرگز آپ کے ساتھ خیانت نہیں کرے گا یہ آپ ہیں کہ جو خائن کو امین سمجھتے ہیں“۔ سوال یہ ہے کہ حضرت مسلمؑ نے عمر ابن سعد جیسے خائن شخص کو کیوں وصیت کی؟ اس کی چند ایک وجوہات ہیں:

کھڑا کرنے کے لیے آئے ہو؟

حضرت مسلمؑ نے فرمایا: نہیں! میں اس کام کے لیے نہیں آیا ہوں۔ اس شہر کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تمھارے باپ نے ان کے بزرگوں کو قتل کیا اور ان کا خون زمین پر بہایا اور قیصر وکسریٰ کے مانند حکومت کرتا رہا۔ ہم تو عدالت کو رواج دینے اور لوگوں کو احکامِ قرآن کی پیروی کرنے کی دعوت دینے کے لیے آئے ہیں۔

ابن زیاد نے کہا: تمھیں کیا، کیا ہم عدالت پر عمل نہیں کرتے کہ تم ہمیں عدالت سکھانے آئے ہو۔ وَمَا اَنْتَ وَذَاكَ اَوَلَم نَكُنْ نَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالعَدلِ تم کل تک مدینہ میں

⇦ ① وہاں پر سب لوگ خائن تھے، لہٰذا حضرت مسلمؑ کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ انھی خیانت کاروں میں سے کسی کو وصیت کرتے۔

② ان میں سے کوئی بھی اس کے لیے تیار نہ تھا کہ حضرتؑ کی وصیت کو قبول کرے۔

③ چونکہ حضرت مسلمؑ بن عقیل مقروض تھے لہٰذا وہ وصیت سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے تھے۔ ضروری تھا کہ کسی نہ کسی کے ذمے لگاتے کہ وہ ان کا قرض ادا کرتے۔ اس طرح سے انھوں نے ایک تو اپنا دینی فریضہ انجام دیا اور دوسرا یہ کہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو ولی مسلمین اور امین سمجھتے تھے، جس طرح سے بھی ممکن تھا، ان کی لوگوں کی پہچان کرائی کہ یہ جھوٹے ہیں۔ لہٰذا حضرت مسلمؑ نے اپنی حیات کے آخری لمحہ تک جہاں تک ممکن ہو سکا ان کے بوسیدہ پیکر پر آخری ضرب لگائی اور دنیا والوں کو بتایا کہ یہ امین الاسلام ہونے کے مدعی اور قدرت (طاقت ور) حاکم کہلانے والے دروغ گو ہیں۔

جناب مسلمؑ فقط یہ چاہتے تھے کہ کوفہ کے لوگوں کو بتادیں کہ یہ صرف دھنیوں یعنی روئی صاف کرنے والوں کا ایک ٹولہ ہے۔ ان کے دھوکے میں نہ آئیں۔ ایک اور نکتہ کہ جس کا استفادہ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ لوگوں کو پتا چل جائے اہلِ بیت علیہم السلام کو بیت المال مسلمین سے کوئی لالچ نہیں ہے بلکہ لوگوں کے دین و دنیا کی اصلاح اور وظیفۂ الٰہی کی انجام دہی کے لیے اس فاسد نظامِ حکومت سے مبارزت کرتے ہیں۔ حضرت مسلمؑ جب سے کوفہ آئے، بیت المال انھی کے پاس اکٹھا ہوتا۔ انھوں نے مالی اُمور کا مسئول بھی معین کیا تھا۔ معقل کے پیسے بھی انھی کے سپرد کیے گئے۔ وہ جس طرح سے چاہتے اسے خرچ کر سکتے تھے، لیکن اس وصیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسلمؑ دو ماہ اور چار دن جو کوفہ میں رہے، اپنی زندگی قرض لے کر گزارتے رہے۔ علاوہ ازیں حضرت مسلمؑ کا قرض لینا حکمرانوں کے لیے ایک بہت بڑا درس ہے کہ انھیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ فقرا و مساکین کے مال سے اپنی جیبیں بھریں اور اپنی عیش و عشرت پر خرچ کریں۔

شراب نوشی کرتے تھے اور آج عدالت کا امر کرنے آئے ہو؟

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے فرمایا: خدا جانتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، نہ جانتے ہوئے زبان کھولتے ہو (یعنی بکواس کرتے ہو) اور خشم، دشمنی اور بدگمانی کی وجہ سے قتل کا حکم دیتے ہو۔

ابن زیاد نے جب حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کا جواب سنا تو بدگوئی کرنے لگا۔ نیز انھیں، حضرت علیؑ، حضرت عقیلؑ اور امام حسینؑ کو فحش گالیاں بکنے لگا۔ ①

جناب مسلمؑ نے فرمایا: تُو اور تیرا باپ اس قسم کی گالیوں کے زیادہ حق دار ہیں۔ فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ یَا عَدُوَّ اللهِ۔ اے دشمنِ خدا! تُو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر۔ (لہوف: ص ۳۱)

---

① مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۳ اور تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۱۶ پر حضرت مسلمؑ اور ابن زیاد کا مکالمہ مفصل تر بیان ہوا ہے۔ چونکہ اس میں قابلِ توجہ نکات ہیں لہٰذا انھیں ذکر کرتے ہیں۔

ابن زیاد نے حضرت مسلمؑ سے کہا: وَمَا اَنْتَ وَذَاكَ یَا فَاسِقُ اَوَلَمْ نَكُنْ نَعْمَلُ بِذٰلِكَ فِیْهِمْ اِذَا اَنْتَ بِالْمَدِیْنَةِ تَشْرَبُ الْخَمْرَ؟ ''اے فاسق! تمھیں کیا ہے، تو جس وقت مدینہ میں شراب نوشی کرتا تھا ہم نے یہاں عدالت پر عمل کیا، اب تم کیا کہتے ہو؟''

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ نے حیرانی کے عالم میں فرمایا: اَنَا اَشْرَبُ الْخَمْرَ؟ واللہ! خدا جانتا ہے کہ تُو جھوٹ بول رہا ہے اور اپنی جہالت کا اظہار کر رہا ہے۔ جو کچھ تُو کہہ رہا ہے وہ میں (ہرگز) نہیں کرتا رہا۔ جو شخص مسلمانوں کے خون میں غوطہ زن ہے، نفسِ محترمہ کو قتل کرتا ہے، ناحق آدم کشی کا مرتکب ہوتا ہے، دشمنی اور خشم کی بنا پر قتل کرنے کا حکم دیتا اور لہو لعب میں مشغول رہتا ہے اور اپنے آپ کو گناہ گار نہیں سمجھتا، وہ شراب نوشی کرتا ہے نہ کہ میں۔ حضرت مسلمؑ اور اس ملعون کے درمیان گفتگو طول پکڑ گئی۔ تفصیل سے پڑھنے کے مشتاق حضرات مندرجہ بالا حوالے کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔ البتہ جو کچھ فی الحال بیان ہوسکتا ہے وہ یہ ہے:

① جبری نظام علم وتحقیق کے بغیر حکم صادر کرسکتا ہے اور اسے ناروا نسبت دینے میں کوئی خوف نہیں، جیسا کہ حضرت مسلمؑ نے اس کے بارے میں کہا: اِنَّكَ قُلْتَ بِغَیْرِ عِلْمٍ۔

② اس نے فحش گالی دی جیسا کہ حضرت مسلمؑ نے کہا: یَا فَاسِقُ، اسی طرح حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اور امام حسن وحسین علیہما السلام کو فحش گالیاں بکیں۔

⇐

ابن زیاد نے ایک شامی کو حکم دیا کہ جنابِ مسلمؑ کو دارالامارہ کی چھت پر لے جاؤ اور ان کا سرتن سے جدا کر کے زمین پر پھینک دو۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۳)

جب وہ لوگ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو دارالامارہ کی چھت پر لے جا رہے تھے تو ان کی زبان پر مسلسل ذکر جاری تھا اور وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور سبحان اللہ کا ورد کر رہے تھے۔ اسی طرح وہ فرشتوں اور پیغمبرانِ خدا پر درود بھیج رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ احکُم بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمٍ غَرُّوْنَا وَکَذَّبُوْنَا وَاَذَلُّوْنَا

"اے اللہ! تُو ہمارے اور اس قوم کے درمیان کہ جنھوں نے ہمیں دھوکا دیا، ہمیں رُسوا کیا اور ہمیں جھٹلایا، فیصلہ کر"۔

جنابِ مسلمؑ نے چھت کے اُوپر سے مدینہ کی طرف نگاہ کرتے ہوئے فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللهِ۔ (اسرار الشہادۃ، ص ۲۵۹)

وہ شامی سپاہی حضرت مسلمؑ کو دارالامارہ کی چھت کی اس طرف لے گیا جس طرف قصائیوں کا محل تھا۔ اس نے جنابِ مسلمؑ کی گردن کاٹی اور سر اور بدن کو زمین پر پھینک دیا۔ (مثیر الاحزان، ص ۱۸)

اور خود وحشت زدہ اور بے ہوشی کے عالم میں نیچے اُترا۔ ابن زیاد نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو اس سے کہا: مَا شَأْنُکَ "تمھیں کیا ہوا ہے؟"

اس نے جواب دیا: جب اُن کی گردن کاٹنا چاہتا تھا تو میں نے بدصورت اور سیاہ چہرے والا شخص دیکھا جو میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور اپنی انگلی منہ میں لیے کاٹ رہا تھا۔ اسے دیکھنے سے میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔

⇦ ③ بے جا تہمت اور الزام لگایا کہ حضرت مسلمؑ مدینہ میں شراب نوشی کرتے تھے۔

④ امر بالمعروف اور بیانِ حقائق کو معاشرے میں تفرقہ کی اساس سمجھتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔ اس نے حضرت مسلمؑ سے کہا: اَتَیْتَ النَّاسَ امرھم جمیعٌ وکلمتھم وَاحِدَۃٌ لِتُشَتِّتَھُمْ وَتُفَرِّقَ کَلِمَتَھُمْ و......

⑤ وہ اپنے تمام فسق و فجور کو مصلحت و عدالت پر عمل سمجھتا لیکن دوسروں کے ہر اچھے کام کو تفرقہ...... لہٰذا اس نے حضرت مسلمؑ سے کہا: اَوَلَمْ نَکُنْ نَعْمَلُ فِیْھِمْ بِالْعَدْلِ۔

ابن زیاد نے کہا: شاید تمھیں وہم ہوا ہے۔ (مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۲، لہوف)

جنابِ ہانیؓ کا قتل

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد جنابِ ہانیؓ کو غیر معمولی حالت میں مشکیں باندھ کر گوسفند فروشوں کے بازار میں لے جایا گیا۔ جنابِ ہانیؓ نے داد و فریاد کرنا شروع کر دی:

وَا مَذحِجَاهُ وَلَا مَذحِجَ لِيَ الْيَوْمُ، وَا مَذحِجَاهُ وَاَيْنَ مِنِّي مَذحِجٌ

''اے قبیلہ مذحج والو! میری مدد کو پہنچو، اے مذحجیو! تم کہاں ہو؟''

جب انھوں نے دیکھا کہ کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں آ رہا تو انھوں نے اپنے ہاتھ کھینچے اور انھیں رسیوں سے آزاد کرتے ہوئے کہا: کیا یہاں پر کوئی لکڑی، چاقو، پتھر اور ہڈی وغیرہ نہیں ہے کہ جس سے انسان اپنا دفاع کر سکے؟ ابن زیاد کے کارندوں نے دوبارہ حملہ کر دیا اور ان کے بازو باندھ دیے اور کہا: اپنی گردن سیدھی رکھو۔

انھوں نے جواب میں کہا: کیا فائدہ کہ میں اسے معاف کر دوں، میں ہرگز اپنے قتل ہونے میں تمھاری مدد نہیں کروں گا۔

ابن زیاد کے ایک ترک غلام نے جسے رشید کہتے تھے، جنابِ ہانیؓ کی گردن کاٹنے کے لیے تلوار سے وار کیا لیکن پہلی ضرب صحیح طور پر نہ لگی۔ جنابِ ہانیؓ نے اسی حالت میں کہا:

اِلَى اللهِ الْمَعَادِ اَللّٰهُمَّ اِلٰى رَحْمَتِكَ وَرِضْوَانِكَ

اس خبیث نے دوسری ضرب لگائی اور انھیں شہید کر دیا۔

عبدالرحمٰن بن الحصین مرادی [1] نے اس غلام کو خازر میں عبیداللہ ابن زیاد کے ہمراہ دیکھا۔

بہرحال! حضرت مسلمؑ ابن عقیلؑ اور جنابِ ہانیؓ کو شہید کرنے کے بعد ابن زیاد کے حکم سے ان دونوں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر انھیں بازاروں [2] میں گھسیٹا گیا اور کوڑا

---

[1] تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۶۶ پر لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حصین مرادی نے جب اس ترک غلام کو دیکھا تو کہا: خدا مجھے قتل کرے اگر میں اسے قتل نہ کروں، اس پر حملہ کیا اور اسے واصلِ جہنم کر دیا۔

[2] مقتل خوارزمی: منتخب طریحی: ص ۳۰۱

کرکٹ کے ڈھیر پر پاؤں کے بل لٹکا دیا گیا۔[1] اور ان دونوں کے سر یزید کے پاس دمشق میں بھیج دیئے گئے۔ اس نے بھی سروں کو شہر کے ایک دروازے پر لٹکا دیا تا کہ تمام لوگ انھیں دیکھیں۔ (تاریخ ابوالفدا: ج ۱، ص ۱۹۰۔ البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۵۷)

ابن زیاد نے ان سروں کے ہم راہ یزید کے نام کا ایک خط لکھا، اس میں یوں تحریر کیا:

اما بعد! خدا کا شکر کہ اس نے امیر المومنین (یزید) کا حق لیا اور اسے اس کے دشمنوں پر کامیابی عطا کی۔ امیر المومنین (یزید) کو معلوم ہو کہ مسلمؑ بن عقیلؒ نے ہانی بن عروہ مرادی کے گھر پناہ لی۔ میں نے اسے تلاش کرنے کے لیے اپنے جاسوس چھوڑے اور ایسا منصوبہ تیار کیا کہ خدا کی مدد سے ان دونوں کو وہاں سے باہر نکالا اور ان کی گردنیں اُڑا دیں۔ اب میں ان کے سر ہانی بن ابی حیۃ الوادعی اور زُبیر بن روح تمیمی کہ جو دونوں نوکر، فرماں بردار اور خیر خواہ ہیں، کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ امیر المومنین (یزید) اگر کسی قسم کی تفصیل کے طالب ہوں تو ان دونوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ دونوں آگاہ، صادق، فہمیدہ (و سنجیدہ) اور صاحبِ تقویٰ ہیں۔ والسلام![2]

یزید کے جواب نامے میں ابن زیاد کے نام رقم رکھا۔

اما بعد! جو کچھ میں چاہتا ہوں ابھی تک تم نے وہ انجام نہیں دیا اور اس تک نہیں پہنچے ہو۔ اگرچہ تم نے ہوش یاری کا ثبوت دیا اور شجاعات سے کام لیا ہے، تم نے مجھے بے نیاز کیا اور تم میرے لیے کافی ہو اور تم نے میری توجہ اپنی طرف جذب کی ہے۔ میں نے تمھارے

---

[1] جیسا کہ کتب میں ذکر ہوا ہے کہ اگر کسی کو پاؤں کے بل لٹکایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ حجاج بن یوسف نے ابن زبیر کے ساتھ یہی سلوک رکھا۔ انساب الاشراف: ج ۵، ص ۳۶۸۔ فقہائے قیروان نے ابراہیم فزاری جو خدا و رسولؐ کا مسخرہ اُڑاتا تھا، کے متعلق یہی فتویٰ دیا۔

[2] ظالم حکومتوں میں یہ ہوتا ہے کہ جو ان کی ہاں میں ہاں ملائے وہ پرہیزگار اور صاحبِ تقویٰ ہوتا ہے اور جو ان کا مخالف ہے وہ ہر قسم کی فضیلت سے بے بہرہ اور تمام رذائل کا مالک ہوتا ہے۔ لہٰذا ابن زیاد نے دو مقدس سروں کو لے جانے والوں کا تعارف آگاہ، صادق اور صاحبِ تقویٰ کے طور پر کرایا جبکہ حضرت مسلمؑ و ہانیؒ کو فاسق، فاجر، شراب نوش کے عنوان سے پہچنوایا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ایلچیوں کو بلایا ہے، ان کے ساتھ بات چیت کی ہے اور ان سے کئی ایک سوالات کیے ہیں۔ جس طرح سے تم نے لکھا، میں نے انھیں اسی طرح سے عالم و فاضل پایا۔ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ میں نے سنا ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اب تمھاری ذمہ داری یہ ہے کہ مکمل طور پر ہوشیار رہو، ہر جگہ پر اپنے جاسوسوں اور محافظوں کو متعین کرو، کوئی جگہ تمھارے سربازوں سے خالی نہ ہو۔ جس پر بدگمان یا مشکوک ہو، اسے فوراً گرفتار کرلو۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۷۱)

یہ حسینؑ ہے کہ جس کا تمام زمانوں میں سے تمھارے زمانے کے ساتھ واسطہ پڑا ہے۔ حکومت کے تمام کارندوں میں سے صرف تمھاری حکومت اس سے دوچار ہوئی ہے۔ اب وقت ہے کہ آزاد ہو جاؤ یا تمام غلاموں کی طرح بردگی و بندگی میں چلے جاؤ (العوالم: ص ۶۶۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۲)۔ اس کے ساتھ جنگ کرو یا اسے میرے پاس بھیج دو۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۱۵)

سیّد باقر ہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

سَقَتكَ دَمًا يَا ابنَ عَمِّ الحُسَينِ   مَدَامِعُ شِيعَتُكَ السَّافِحَةُ
وَلَا بَرِحَت هَا طَلَاتُ العُيُونِ   تَحيِيكَ غَادِيَةُ رَائِحَةُ
لِاَنَّكَ لَم تَروِ مِن شُربَةٍ   ثَنَايَاكَ فِيهَا غَدَت طَائِحَةُ
رَمُوكَ مِنَ القَصرِ إذ أو ثُقُوكَ   فَهَل سَلِمَت فِيكَ مِن جَارِحَةُ
وَسَحبًا تُجَرُّ بِأسوَاقِهِم   أَلَستَ أَمِيرَهُمُ البَارِحَةُ
أَتَقضِي وَلَم تَبكِكِ البَاكِيَاتُ   أَمَالَك فِي المِصرِ مِن نَائِحَةُ
لَئِن تَقضِ نَحبًا فَكَم فِي زَرُودٍ   عَلَيكَ العَشِيَّةُ مِن صَائِحَةٌ

"اے فرزندِ رسولؐ کے برادرِ عزیز! آپؑ کے شیعوں کی خون روتی ہوئی آنکھیں آپؑ کی سیرابی کے لیے خون مہیا کر رہی ہیں۔ یہ اشک بھری آنکھیں آپؑ کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے کبھی نہیں تھمیں گی۔ ان آنسوؤں کی آمد و رفت مسلسل رہے گی، کیونکہ آپؑ پیاسے شہید ہوئے

ہیں۔ جب آپؑ آخری وقت پانی پینے لگے تھے تو آپؑ کے سامنے کے دو دانت پانی میں گر گئے تھے۔ آپؑ کو رسیوں سے جکڑ کر قصر الامارہ کی چھت سے نیچے گرا دیا گیا۔ کیا اس ظالم نے آپؑ پر ظلم کیا وہ آپؑ سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ آپؑ کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر بازاروں میں پھرایا گیا۔ کیا یہ وہی لوگ نہیں تھے کہ آپؑ جن کے ایک دن قبل اُمیر تھے۔

کیا آپؑ اس مظلومیت میں اس دنیا سے رحلت فرما گئے کہ گریہ کرنے والی خواتین آپؑ پر گریہ بھی نہ کر سکیں۔

کوفہ کس قدر ظلم و ستم سے بھرپور شہر ہے کہ کیا آپؑ پر نوحہ کرنے والا بھی کوئی نہیں تھا؟

اگر آپؑ یوں ہی شہادت سے ہمکنار ہوئے ہیں، لیکن "زرود" میں کتنے افسردہ و غم زدہ لوگ ہیں، جو آپؑ پر دن رات آہ و زاری میں مبتلا ہیں"۔

□□□

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مکہ سے عراق کی طرف روانگی

جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یزید نے عمر سعد کو سپاہیوں کی ایک تعداد کے ساتھ امیر کارواں بنا کر مکہ کی طرف بھیجا ہے اور اسے وصیت کی ہے کہ اسے (امام حسینؑ) کو جہاں پر پاؤ، قتل کر دو تو امام علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ اعمالِ حج کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے پہلے مکہ سے روانہ ہو جائیں، لہٰذا انھوں نے حج کو عمرہ میں تبدیل کیا اور خانۂ خدا کی حرمت کو محفوظ رکھنے کے لیے مکہ سے روانہ ہو گئے۔[1] البتہ انھوں نے مکہ چھوڑنے سے پہلے ایک خطاب کیا کہ جس میں فرمایا:

> ''تمام تعریفیں خدا کے لیے ہیں اور جو کچھ خدا چاہتا ہے وہی ہوگا۔ ارادۂ خدا کے علاوہ کوئی بھی قوت و قدرت حاکم نہیں ہے اور اپنے رسولؐ پر خداوند کا درود و سلام ہو۔
>
> موت ہر انسان کے لیے ایسے ہی ضروری ہے جیسے جوان لڑکیوں کے لیے ہار۔ میں اپنے اسلاف کا دیدار کرنے کے لیے اس قدر مشتاق ہوں جیسے حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کے دیدار کے مشتاق تھے۔ میری قتل گاہ معین ہو چکی ہے کہ وہاں تک پہنچ جاؤں، گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ سرزمینِ نواویس اور کربلا کے درمیان وحشی درندے میرے بدن کے اعضا چیر پھاڑ کر اپنے خالی شکم بھر رہے ہیں۔ جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے اس سے فرار نہیں ہے۔
>
> رَضِیَ اللّٰهُ رِضَانَا اَهْلَ الْبَیْتِ، نَصْبِرُ عَلٰی بَلَائِهٖ وَیُوَفِّیْنَا اُجُوْرَ الصّٰبِرِیْنَ
>
> ''جس پر خدا راضی ہے، ہم بھی اس پر راضی و خوشنود ہیں۔ ہم اس کے

---

[1] مثیر الاحزان ابن نما: ص ۸۹۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۷۶

امتحان اور آزمائش کے مقابلے میں صبر و استقامت سے کام لیں گے اور وہ ہمیں صابرین کا اجر عطا کرے گا"۔

پیغمبرؐ خدا اور ان کے پارۂ تن کے درمیان ہرگز جدائی نہیں ہوگی بلکہ تمام کے تمام بہشت بریں میں ان کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے کیونکہ وہ نُورِ چشم پیغمبرؐ اور ان کے وعدوں کے متحقق ہونے کا وسیلہ ہیں۔[1]

آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے جو کوئی ہمارے راستے اور لقاء اللہ تک پہنچنے کے لیے اپنی جان قربان کرنا پسند کرتا ہے، وہ ہمارے ساتھ روانہ ہونے کے لیے تیار ہو جائے، ان شاء اللہ میں کل صبح کے وقت روانہ ہو جاؤں گا"۔ (لہوف: ص ۳۳۔ مثیر الاحزان ابن نما: ص ۲۰)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے آٹھ ذی الحجہ کو اپنے اہلِ بیتؑ اور ان دوستوں اور شیعوں کے ہمراہ مکہ کو چھوڑا جو حجاز، کوفہ اور بصرہ سے آئے ہوئے تھے اور مکہ میں آپؑ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ روانگی سے قبل امامؑ نے ہر کسی کو دس دینار اور ایک اُونٹ دیا تاکہ وہ اپنا سامان اور زادِ راہ وغیرہ اس پر لاد سکیں۔ (نفس المہموم محدث قمی: ص ۹۱)

اس خطاب کے بعد امام علیہ السلام کے کچھ اہلِ بیتؑ اور دوسرے افراد جب ان کے ارادہ سے آگاہ ہوئے تو آنحضرتؑ کی خدمت میں آئے اور تقاضا کیا کہ فی الحال اس سفر سے صرفِ نظر کریں تاکہ ان لوگوں کی صورتِ حال مشخص ہو جائے کیونکہ وہ کوفہ والوں کے دھوکا وفریب اور مکر وحیلہ سے خوفزدہ تھے اور ڈر رہے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ امامؑ کے خلاف کھڑے ہو جائیں۔ لیکن کربلا کے نہ جھکنے والے مجاہد تمام کے سامنے یہ سب کچھ کھل کر بیان نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ہر حقیقت ہر تلاش کرنے والے کو نہیں بتانی چاہیے۔ کیونکہ افراد کی ظرفیت مختلف ہوتی ہے۔ ہر کوئی ہر مسئلہ کو درک نہیں کر سکتا، لہٰذا امام علیہ السلام نے ہر کسی کو اس کی ظرفیت، برداشت اور معرفت کے مطابق مناسب جواب دیا۔

اس اعتبار سے ابن زبیر کو یوں جواب دیا: میرے پدر بزرگوار نے حدیث بیان کی

---

[1] شاید مراد حکومتِ الٰہی ہو کہ جو حضرت امام مہدی علیہ السلام کے وسیلہ سے قائم ہوگی۔

ہے کہ مکہ میں کسی سردار اور بڑی شخصیت کو قتل کریں گے کہ اس کے قتل سے مکہ کی ہتک حرمت ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ سردار میں ہوں۔ اگر میں مکہ سے ایک بالشت باہر قتل کیا جاؤں یہ اس سے بہتر ہے کہ میں مکہ میں قتل کیا جاؤں۔[1] خدا کی قسم! اگر میں چیونٹیوں کے سوراخ میں بھی چھپ جاؤں تو تب بھی یہ مجھے تلاش کریں گے اور اپنا کام انجام دیں گے۔ خدا کی قسم! یہ تجاوز کریں گے جیسا کہ اصحاب سبت نے تجاوز کیا تھا۔

امام علیہ السلام اور ابن زبیر

جب ابن زبیر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاں سے اُٹھ کر باہر چلا گیا تو امام علیہ السلام نے حاضرین سے فرمایا: اس (ابن زبیر) کے لیے دنیا میں اس سے محبوب تر کوئی چیز نہیں ہے کہ میں مکہ (حجاز) سے چلا جاؤں، کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتا ہے کہ لوگ میری موجودگی میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیں گے، لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ میں مکہ میں نہ رہوں تاکہ مقابلے میں اور کوئی نہ ہو۔ (تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۶)

امام علیہ السلام اور ابن حنفیہؓ

امام علیہ السلام کی عراق کی طرف روانگی سے ایک رات قبل ابن حنفیہ آئے اور کہا: آپؑ اپنے پدر بزرگوار اور برادر محترم کے ساتھ اہلِ کوفہ کی بے وفائی سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں وہ آپؑ کے ساتھ بھی ایسا ہی نہ کریں جیسا ان کے ساتھ کیا ہے، لہٰذا اسی جگہ پر رہیں، کیوں کہ حرم میں آپؑ کا احترام محفوظ رہے گا اور کوئی آپؑ کے مزاحم بھی نہیں ہوگا۔

امام علیہ السلام نے انھیں جواب میں فرمایا: مجھے اس کا خوف ہے کہ یزید بن معاویہ کہیں مجھے حرم میں قتل نہ کروا دے اور پھر حرمتِ خانۂ خدا میری وجہ سے حلال ہو جائے۔

محمد بن حنفیہؓ نے تجویز دی کہ وہ یمن یا کسی اور طرف چلے جائیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس تجویز کے متعلق سوچا جا سکتا ہے۔ امام علیہ السلام اسی رات کی سحر کے وقت روانہ ہوئے۔

---

[1] تاریخ مکہ للازرقی نے ج ۳، ص ۱۵۰ پر لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے یہ جملہ ابن عباس سے فرمایا ہے۔

جناب محمدؒ بن حنفیہؒ دوبارہ آئے اور حضرت جس ناقہ پر سوار تھے اس کی مہار پکڑی اور عرض کیا: کیا آپؑ نے وعدہ نہیں کیا تھا کہ آپؑ میری اس تجویز پر غور وفکر کریں گے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، لیکن جب میں آپ سے جدا ہوا تو میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا، انھوں نے مجھ سے فرمایا: یَا حُسَیْنُ اُخْرُجْ فَاِنَّ اللّٰہَ شَآءَ اَنْ یَّرَاکَ قَتِیْلًا "اے حسینؑ! اپنے سفر پر نکلو۔ بے شک! خدا تمھیں قتل ہوتا ہوا دیکھنا چاہتا ہے"۔

محمدؒ بن حنفیہؒ نے جب یہ جملہ سنا تو کلمۂ استرجاع پڑھا۔ چونکہ ان حالات میں اہلِ وعیال کو ساتھ لے جانے کی علت انھیں معلوم نہیں تھی، لہٰذا امام علیہ السلام نے اضافہ کرتے ہوئے فرمایا: قَدْ شَآءَ اللّٰہُ اَنْ یَّرَاھُنَّ سَبَایَا۔ "خداوند متعال انھیں پابند رسن دیکھنا چاہتا ہے"۔

امام علیہ السلام اور جناب عبداللہ ابن جعفر طیارؓ

جناب عبداللہ ابن جعفر طیارؓ نے ایک خط لکھا جو اپنے بیٹوں عونؓ اور محمدؓ کے ہاتھ امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ اس خط میں انھوں نے لکھا تھا: امابعد! میری آپؑ سے التجا ہے کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد اس سفر سے صرفِ نظر فرمائیں۔ میں آپؑ کا خیر خواہ ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ وہ اس سفر میں آپؑ کو قتل کردیں اور آپؑ کے اہلِ بیتؑ بے چارے ہوجائیں۔ اگر آج وہ آپؑ کو قتل کردیں تو نُورِ خدا خاموش اور زمین تاریک ہوجائے گی کیونکہ تمام مومنین کی اُمیدیں آپؑ سے وابستہ ہیں اور آپؑ ہی کے وسیلہ سے راہِ ہدایت پاتے ہیں۔ آپؑ اس کے بارے میں جلدی مت کریں، مَیں خود بھی اس خط کے پیچھے آرہا ہوں۔ والسلام!

اس کے بعد عبداللہ بن جعفرؓ نے مکہ میں یزید کے حاکمِ شہر (ڈی سی) عمرو بن سعید بن عاص سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے امان نامہ لیا اور وہ خط مکہ کے حاکم کے بھائی یحیٰی بن سعید بن عاص امامؑ کے پاس لایا اور کوشش کی کہ امام علیہ السلام کو اس ارادے سے منصرف کرے جو انھوں نے کر رکھا تھا۔ لیکن اس نے جتنا بھی اصرار کیا امام علیہ السلام نے اسے قبول نہ کیا اور اسے سمجھایا کہ رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا ہے، انھوں نے حکم دیا ہے لہٰذا اسے انجام دینا ضروری ہے۔

عبداللہ بن جعفر نے التجا کی کہ جو خواب انھوں نے دیکھا ہے ہمیں بھی بتائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں نے وہ کسی کو نہیں بتایا اور نہ ہی بتاؤں گا، یہاں تک کہ اپنے خداوند عزیز و عظیم سے ملاقات کرلوں۔ (تاریخ طبری: ج ۷۔ تاریخ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۷۔ البدایہ ابن اثیر: ص ۱۶۳)

امام علیہ السلام اور ابن عباسؓ

ابن عباس امام علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: اے ابن عم! میں جس قدر چاہوں تو بھی صبر نہیں کرسکتا کیوں کہ مجھے اس کا ڈر ہے کہ وہ اس سفر میں آپؑ کو نابود کردیں گے، کیوں کہ اہلِ عراق خائن اور حیلہ باز لوگ ہیں۔ آپؑ ان کے قریب مت جائیں اور اُدھر مکہ ہی میں رہیں۔ آپؑ اہلِ حجاز کے سرور و سردار اور سب کے نزدیک محترم ہیں۔ اگرچہ اہلِ عراق آپؑ کے طالب ہیں اور آپؑ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے۔ اگر وہ سچے ہیں تو پہلے طاغوت کے نمائندے اور اپنے دشمن کو وہاں سے نکالیں۔ اس کے بعد آپؑ ان کی طرف جانے پر اقدام کریں۔ اگر مکہ سے باہر جانا مجبوری ہے تو پھر یمن کی طرف روانہ ہوجائیں۔ وہ ایک وسیع و عریض سرزمین ہے، اس میں مضبوط پناہ گاہیں ہیں اور بے شمار درّے ہیں۔ آپؑ وہاں پر زندگی گزار سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں پر آپؑ کے پدر بزرگوار کے شیعوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے (اور وہ آپؑ کی حمایت بھی کریں گے)۔ وہاں پر خطوط اور دعوت دینے والے افراد کے ذریعے بڑی آسانی سے اپنا پیغام پہنچا سکیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ بڑے آرام سے اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے چچازاد! مجھے یقین ہے کہ آپ کا مقصد خیر خواہی و دل سوزی ہے، لیکن میں ارادہ کرچکا ہوں اور سفر کے لیے جا رہا ہوں۔

ابن عباس نے کہا: اگر آپؑ اس سفر پر جانے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں تو کم از کم خواتین اور بچوں کو اپنے ہمراہ نہ لے جائیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ ان کے سامنے آپ کو قتل کریں گے اور وہ اس منظر کو دیکھیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! جب تک یہ لوگ میرا خون نہیں بہا لیتے تب تک میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور جب یہ اپنے مقصد کو پالیں گے تو اس وقت خداوند متعال ان پر کسی

ایسے کو مسلط کرے گا جو انھیں ذلیل و خوار کرے گا۔ حَتّٰی یَکُوْنُوا اَذَلَّ مِن فَرَامِ الْمَرأۃِ
"حتیٰ کہ وہ انھیں خونِ حیض کے لیے رکھے گئے کپڑے سے بھی زیادہ ذلیل و خوار کرے گا"۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۶)

جن افراد نے امام حسین علیہ السلام کو عراق کی طرف جانے سے روکنے کی کوشش کی، ان کی باتوں سے میری سمجھ میں یہی کچھ آسکا ہے البتہ اہلِ کوفہ کہ جنھوں نے پوری زندگی ضیافت و نفاق میں گزاری ہو، امام علیہ السلام سے ان کی حقیقت اور روحی کیفیت پوشیدہ نہیں تھی چوں کہ ان لوگوں نے امام علیہ السلام سے دوستی اور ان کی اطاعت و پیروی کرنے کا اظہار کیا تھا تو ایسی صورتِ حال میں امامؑ کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ جب کہ انھوں نے ارشاد و ہدایت کا تقاضا کیا اور التجا کی کہ انھیں ضلالت و گمراہی کے دیو کے چنگل سے نجات دیں اور اس راستے کی طرف رہنمائی کریں جو خداوند متعال کا پسندیدہ ہے اور امام علیہ السلام نے بھی ان سے کسی دشمنی اور مخالفت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اگر آپؑ چاہتے تو اپنے پدر گرامی اور برادر بزرگوار کے ساتھ ان کی بے وفائی کو بہانہ بنا کر ان کی طرف روانہ نہ ہوتے۔ یہ کام ہر ظاہر بین شخص کی نگاہ میں ان کی توہین اور ملامت کا باعث بنتا۔ وہ امامؑ جسے خدا نے ہدایتِ بشر کے لیے معین کیا ہے، اس کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ کوئی ایسا کام انجام دے جو اس کی ذات کے خلاف کوئی بہانہ بنے۔

جن شہروں کی طرف جانے کی ابن عباس اور دوسروں نے پیش نہاد دی تھی، اگر امامؑ ان میں سے کسی ایک کی طرف جانا چاہتے تو ان میں سے کوئی بھی قابلِ اطمینان نہ تھا اور کسی طرح بھی امامؑ وہاں پر محفوظ نہ ہوتے۔ بُسر بن ارطاۃ نے اہلِ یمن کے ساتھ جو برتاؤ کیا، یہ ستم گروں کے مقابلے میں ان کی کمزوری و ناتوانی پر ایک واضح دلیل ہے۔[1]

---

[1] بُسر بن ارطاہ معاویہ کے اعوان و انصار میں سے تھا۔ وہ ایک پتھر دل، ظالم اور بے رحم شخص تھا۔ معاویہ نے اسے تیس ہزار کا لشکر دے کر حجاز اور یمن کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ جہاں پر بھی شیعیانِ علیؑ کو دیکھیں انھیں قتل کر دیں، ان کے اموال لوٹ لیں اور گھروں کو نذرِ آتش کر دیں۔ اس نے مدینہ میں قتلِ عام کیا، مکہ و مدینہ کے درمیان بہت سے نیک اور شریف لوگوں کو خاک و خون میں غلطاں کیا اور ان کے اموال لوٹ لیے۔ وہ یمن کو جانے کے لیے جہاں پر بھی پہنچا، قتلِ عام کرتا گیا، یمن میں پہنچنے کے بعد تمام وہ حضرات جو حضرت علیؑ کے طرف دار تھے، سب کو قتل کیا، ان کی خواتین کو اُسیر کیا اور انھیں ⇦

اس بنا پر امام علیہ السلام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ جو دعوت انھیں دی گئی تھی اس کے مطابق کوفہ والوں کے پاس جاتے۔ مرحوم شیخ جعفر شوشتری اعلی اللہ مقامہٗ نے بھی اسی مطلب کو صراحت سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی دو ذمہ داریاں تھیں ایک واقعی اور دوسری ظاہری۔

واقعی ذمہ داری

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امام علیہ السلام تمام مسائل سے آگاہ تھے اور کوئی بھی چیز ان سے پوشیدہ نہیں تھی۔ اس کے باوجود جس چیز نے انھیں اپنی جان خطرے میں ڈالنے، اپنے اہل وعیال کو اسیر کرانے اور اپنے بچوں کو موت کے حوالے کرنے کی ترغیب دلائی، وہ یہ تھی کہ بنی اُمیہ کے گستاخ ستم گر اپنے آپ کو حق اور علی علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو باطل پر خیال کرتے تھے۔ اس نظریے پر اس حد تک پابند تھے کہ حضرت علی علیہ السلام پر سب وشتم کو خطبہ نماز جمعہ کا جزء اور واجب سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بنی اُمیہ کے کسی امامِ جمعہ کو سفر کے دوران یاد آیا کہ وہ جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام پر سب وشتم کرنا بھول گیا ہے۔ اس نے اسی جگہ پر اس کی قضا کی اور اس مقام پر ایک مسجد تعمیر کی کہ جس کا نام "ذکر" رکھا۔

اس مسموم اور تحریف شدہ صورتِ حال کے باوجود اگر حضرت امام حسین علیہ السلام یزید جیسے فاسق و فاجر کی بیعت کر لیتے اور سب کچھ اس کے سپرد کر دیتے تو حق و حقیقت کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہتا۔ کیوں کہ اگر آپؑ بنی اُمیہ کے ساتھ مل جاتے تو بہت سے لوگ اس کے معتقد ہو جاتے کہ بنی اُمیہ کا طرزِ تفکر درست اور ان کا راستہ صحیح ہے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی ان کے ساتھ مبارزت، اپنے خاندان اور بچوں کی جان کو خطرے میں ڈالنے کے بعد اس زمانے کے لوگوں اور بعد میں آنے والی تمام نسلوں پر واضح ہو گیا کہ وہ خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں اور تمام وہ لوگ جو ان کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور ان کی مخالفت کی،

---

① بازاروں میں فروخت کرنے لگا۔ ان کے اموال لوٹ لیے، تمام عہدے داروں کو تبدیل کر دیا۔ اس سے جس قدر ظلم وستم ہو سکا، اس نے انجام دیا۔ قارئین! اس کے بارے میں تاریخ کی مربوط کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

وہ تمام کے تمام باطل اور گمراہی پر تھے۔

ظاہری ذمہ داری

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ظاہری فریضہ یہ تھا کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے، لیکن آپؑ کے لیے کوئی اور راستہ باقی نہ تھا۔ بنی اُمیہ نے ان کے لیے تمام راستے بند کر دیے تھے یہاں تک کہ یزید نے مدینہ کے والی کو لکھا تھا کہ وہ حسینؑ کو مدینہ میں قتل کر دے۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو اس سازش کا پتا چلا تو وہ مدینہ سے نکلے اور خانۂ خدا یعنی مکہ میں پناہ لی جو خائف اور پناہ گاہ کی تلاش کرنے والے کے لیے پناہ گاہ اور محلِ امن و سکون ہے۔ دشمن نے وہاں پر بھی منظم پروگرام بنایا کہ جس طرح بھی ممکن ہو، امام علیہ السلام کو گرفتار یا قتل کر دیں، خواہ اس نے اپنے آپ کو خانۂ خدا کے ساتھ چسپاں کر رکھا ہو۔ امام علیہ السلام نے اپنے حج تمتع کو عمرہ مفردہ میں تبدیل کیا۔ چونکہ کوفہ کے لوگوں نے امامؑ کو خطوط لکھے تھے اور بیعت کر رکھی تھی اور ان کے اصرار کی بنا پر مکہ کو ترک کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اس بنا پر ظاہراً واجب تھا کہ آپؑ اتمامِ حجت کرنے کے لیے ان کی طرف جائیں تاکہ کل کو روزِ قیامت وہ کوئی بہانہ پیش نہ کر سکیں کہ ہم نے ظلم و ستم کے خوف سے ان کی پناہ لی اور ان سے مدد طلب کی، لیکن اس کے بدلے انھوں نے ہمارے اُوپر شقی و منافق کا اتہام لگایا اور ہماری مدد نہ کی۔ علاوہ ازیں اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں تھا۔ اگر امام علیہ السلام اُن کی طرف نہ جاتے تو پھر کہاں جاتے؟

ان لوگوں نے امام علیہ السلام پر وسیع و عریض زمین تنگ کر رکھی تھی، لہٰذا انھوں نے اشارۃً یہی مطلب اپنے بھائی محمد حنفیہؒ کے سامنے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَو دَخَلتُ فِی حُجرِ هَامَّةٍ مِن هٰذِهِ الهَوَامِ لَاستَخرَجُونِی حَتّٰی یَقتُلُونِی

''اگر میں ان چیونٹیوں کی بلوں میں گھس جاؤں تو یہ پھر بھی مجھے کھینچ کر باہر نکالیں گے اور قتل کر دیں گے''۔

امام علیہ السلام نے ابوہرہ اسدی سے فرمایا:

إِنَّ بَنِي أُمَيَّةَ أَخَذُوا مَا لِي فَصَبَرْتُ وَشَتَمُوا عِرْضِي فَصَبَرْتُ فَطَلَبُوا دَمِي فَهَرَبْتُ

''بنی اُمیہ نے ہمارے اموال لوٹ لیے، ہم نے صبر کیا، ہماری آبروریزی کی تو ہم نے پھر بھی صبر کیا۔ انھوں نے ہمارا خون بہانا چاہا تو ہم وہاں سے چلے گئے''۔ (الخصائص الحسینیہ: ص ۳۲)

مکہ میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا کہ جو عراق کی طرف امام علیہ السلام کی روانگی سے غمگین نہ ہوا ہو، چونکہ لوگوں نے ان کے سامنے مسلسل پریشانی کا اظہار کیا تو انھوں نے برادر اویس کہ جس نے اپنے چچازاد کو رسولؐ خدا کی معیت میں جہاد کرنے سے منع کیا تھا، کے شعر بطور مثال بیان کیے۔

سَأَمضِي فَمَا بِالمَوتِ عَارٌ عَلَى الفَتَى ... إِذَا مَا نَوَىٰ حَقًّا وَجَاهَدَ مُسلِمًا

وَوَاسَى الرِّجَالَ الصَّالِحِينَ بِنَفسِهِ ... وَفَارَقَ مَثبُورًا وَخَالَفَ مُجرِمًا

''میں عنقریب جہاد پر روانہ ہوں گا، کیونکہ ایک مرد کے لیے موت ننگ و عار اور ذلّت و رُسوائی کا باعث نہیں ہے۔ ہاں! اس صورت میں کہ اس نے حق کی خاطر موت کی نیت کی ہو اور ایک مسلم کی حیثیت سے جہاد کیا ہو''۔

اس کے بعد آیہ شریفہ وَكَانَ أَمرُ اللهِ قَدَرًا مَقدُورًا ''اور اللہ تعالیٰ کا حکم پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے''۔ (سورۂ احزاب: آیت ۳۸) کی تلاوت فرمائی اور اس طرح سے اس چیز کو بیان کیا کہ جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے وہی ہوگا۔

□□□

کاروانِ نور کی مکہ سے کربلا تک منازِل

کاروانِ نور کی پہلی منزل تنعیم

حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے اور مقام تنعیم (1) سے عبور کیا تو وہاں پر ان کی ایک ایسے کاروان سے ملاقات ہوئی جو والیِ یمن بحیر بن یسار (2) حمیری کی طرف سے یزید کے لیے زیب و زینت کا سامان وغیرہ لے کر جا رہا تھا۔

امام علیہ السلام نے اس کاروان پر قبضہ کر لیا اور اہلِ کاروان سے فرمایا کہ تم لوگوں میں سے جو کوئی ہمارے ساتھ عراق آنا چاہتا ہے آجائے ہم اسے مکمل کرایہ دیں گے اور اس کے علاوہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے اور جو کوئی ہمارے ساتھ نہیں آنا چاہتا ہم اسے یہاں تک کا کرایہ دیں گے اور اس سے جدا ہو جائیں گے۔ ان میں سے بعض علاحدہ ہو گئے اور بعض جو پسند کرتے تھے وہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے۔

امام علیہ السلام اس بات کے معتقد تھے کہ مذکورہ اموال ان کے اپنے ہیں کہ خداوند متعال نے امام المسلمین ہونے کے اعتبار سے انھیں ان میں تصرف کرنے کا حق دیا ہے۔ وہ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں، کیوں کہ وہ اپنے آپ کو خدا کی طرف سے منصوب امام سمجھتے تھے اور اسی طرح اس بات کے بھی معتقد تھے کہ یزید اور اس کے باپ معاویہ نے ان کا اور مسلمانوں کا حق غصب کیا ہے۔ امامؑ پر واجب ہے کہ مسلمانوں کا مالِ غنیمت اکٹھا کریں

---

(1) مقامِ تنعیم مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے کہ جو آخری میقات اور محلِ احرام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایک پہاڑ اس کے بائیں طرف ہے جس کا نام "نعیم" اور دوسرا دائیں طرف ہے کہ جس کا نام "ناعم" ہے اور خود اس وادی کو "نعیمان" کہتے ہیں۔ اس مناسبت سے اس پورے علاقے یا کسی مسجد کو تنعیم کا نام دیا گیا ہے۔ مذکورہ جگہ اب مکہ کے ساتھ متصل ہو چکی ہے۔

(2) تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۷۷ اور مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۲۰ پر بحیر بن ریسان حمیری لکھا ہے جبکہ متنِ کتاب میں بحیر بن یسار حمیری ہے۔

اور اس کے ذریعے ان کی ضروریات کو پورا کریں اور مشکلات کو برطرف کریں۔ لہٰذا انھوں نے ان اموال کے ذریعے اپنے ساتھیوں کی ان مشکلات کو دفع کیا جن کا انھیں علم ہوا تھا۔ البتہ مقدراتِ الٰہی نے انھیں مزید مہلت نہ دی کہ وہ مسلمانوں کے ان تمام اُموال کو اکٹھا کرتے جو ستم گروں نے اُمتِ پیغمبرؐ سے غصب کر رکھے تھے لیکن امام علیہ السلام نے اپنی شہادت سے ریاکاری اور عوام فریبی کے تمام پردے ان کی آنکھوں سے ہٹا دیے اور خلافتِ الٰہی پر قبضہ کرنے والوں کی سب کو پہچان کروا دی۔

کاروانِ نُور کی دوسری منزل صفاح

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا سفر مسلسل جاری رکھا اور چلتے چلتے صفاح کے مقام پر پہنچے تو وہاں پر آپؑ کی ملاقات فرزدق بن غالب نامی شاعر سے ہوئی۔ آپؑ نے اس سے کوفہ اور اس منطقے کے حالات پوچھے۔

فرزدق نے عرض کیا: قُلُوبُهُمْ مَعَكَ وَالسُّيُوفُ مَعَ بَنِي أُمَيَّةَ وَالْقَضَاءُ يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ ''ان کے دل آپؑ کے ساتھ اور تلواریں بنی اُمیہ کی طرف دار ہیں'' اور قضا و قدر خدا کی جانب سے نازل ہوتی ہے''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے: لِلّٰهِ الْأَمْرُ وَاللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ۔ ''سب کچھ خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے''۔ خداوند متعال کی طرف سے ہر روز مقدرات ہیں۔ اگر مقدراتِ الٰہی ہمارے مطلوب کے مطابق ہوں تو ہم اس کی تمام نعمتوں پر اس کا شکر بجا لاتے ہیں اور اس سے شکر ادا کرنے کی توفیق مانگتے ہیں۔ اگر وہ ہماری خواہش کے مطابق نہ ہوں تو جس کی نیت حق اور دل میں تقویٰ ہو، اس نے کوئی نقصان نہیں کیا۔

اس کے بعد فرزدق نے امام علیہ السلام سے نذر اور حج کے اعمال سے متعلق کچھ شرعی مسائل پوچھے اور ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ [1]

---

[1] تاریخ طبری، کامل ابن اثیر اور ارشاد میں لکھا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی فرزدق سے ملاقات تیسری منزل بنام ذاتِ عرق پر ہوئی لیکن معجم البلدان اور یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ صفاح کے مقام پر ہوئی ہے۔ ''صفاح'' مکہ اور تنعیم اور جعرانہ کے بعد اور طائف سے پہلے واقع ہے۔

کاروانِ نُور کی تیسری منزل ذاتِ عرق

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا سفر جاری رکھا اور ذاتِ عرق [1] کے مقام پر پہنچے تو وہاں پر بِشر بن غالب سے ملاقات ہوئی۔ آپؑ نے اس سے اہلِ کوفہ کی صورتِ حال کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب میں کہا: اَلسُّیُوفُ مَعَ بَنِی اُمَیَّةَ وَالْقُلُوبُ مَعَكَ، "ان کی تلواریں بنی اُمیہ اور دل آپؑ کے ساتھ ہیں"۔

حضرتؑ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے۔ (مثیر الاحزان ابن نما: ص ۲۱)

رَیاشی ان افراد میں سے ہے جو راستے میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ملے تھے، وہ نقل کرتا ہے کہ ان میں سے ایک نے کہا: میں اعمالِ حج بجا لانے کے بعد روانہ ہوا۔ ایک دن میں بے ترتیب اور اُکھڑے ہوئے قدم رکھ رہا تھا کہ چلنے کے دوران میں میری نگاہ ایک خیمہ گاہ پر پڑی تو میں اس طرف چل پڑا اور ان سے پوچھا: یہ خیمہ کس کا ہے؟

انھوں نے کہا: حسینؑ بن علیؑ کا ہے۔ مَیں اس کی طرف روانہ ہوا اور دیکھا کہ وہ خیمے کے دروازے کا سہارا لیے ہوئے کوئی خط پڑھ رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: اے رسولِ خداؐ کے فرزند! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں، کون سی چیز اس بات کا باعث بنی ہے کہ آپؑ نے اُس خشک اور جلتے ہوئے بیابان میں قیام کیا ہے جب کہ یہاں پر کوئی آبادی بھی نہیں ہے؟

---

[1] ابن نجیم نے بحرالرائق: ج ۲، ص ۳۱۷ پر لکھا ہے کہ مکہ اور ذاتِ عرق کے درمیان دو منزلوں کا راستہ ہے۔ ابن مفلح نے کتاب فروع: ج ۲، ص ۲۱۶ پر بیان کیا ہے کہ مکہ اور ذاتِ عرق کے درمیان دو راتوں کا راستہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ وہ پہاڑ ہے جو اس نام سے وہاں پر موجود ہے چنانچہ تاج العروس، ج ۷، ص ۸ پر بھی یہی لکھا ہے۔

اہلِ سنت کے نزدیک ذاتِ عرق مشرق والوں کے لیے میقات ہے لیکن شیعہ، اہلِ عراق اور خراسان وغیرہ کے لیے عقیق کو میقات سمجھتے ہیں۔ شافعی نے کتاب الام: ج ۲، ص ۱۱۸ اور فتح الباری: ج ۳، ص ۲۵۰ پر لکھا ہے کہ غزالی، واقعی، نووی اور مالک نے بطور قطع بیان کیا ہے کہ کوئی ایسی نص نہیں ہے کہ ذاتِ عرق میقات ہو، لیکن عمر نے اسے میقات قرار دیا ہے، لہٰذا ابن قدامہ نے کتاب مغنی: ج ۳، ص ۲۵۷ پر ابن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ مقامِ عقیق سے احرام باندھنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اگرچہ ذاتِ عرق بھی میقات ہے۔ بہرحال ذاتِ عرق مکہ کی طرف سے وادیِ عقیق کا آخری حصہ ہے۔ فقہائے امامیہ کہتے ہیں کہ وہاں سے احرام کو ترک کرنا احتیاطِ وجوبی کی بنا پر ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: انھوں نے مجھ سے امنیت سلب کرلی ہے اور یہ اہلِ کوفہ کے خطوط ہیں کہ انھوں نے مجھے اپنی طرف آنے کی دعوت دی ہے اور یہی میرے قاتل بھی ہوں گے۔ جب وہ مجھے قتل کریں گے اور احکامِ خدا سے تجاوز کریں گے تو خداوندمتعال ان پر کسی ایسے کو مسلط کرے گا کہ جو انھیں اس قدر قتل کرے گا کہ لوگوں کی نگاہ میں حیض کے کپڑے سے پست تر اور خوار تر ہوں گے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، طبع لیدن، ص ۲۸۷)

کاروانِ نور کی چوتھی منزل حاجر

حضرت سیّدالشہدا علیہ السلام جب حاجر [1] وادیِ رُمہ کے مقام پر پہنچے تو اہلِ کوفہ کو حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے خط کا جواب لکھا اور قیس بن صیداوی [2] کے ہاتھ ان کی طرف بھیجا۔ اس خط کا کچھ حصّہ یوں ہے:

"امابعد! مسلمؑ بن عقیلؑ کا خط مجھے مل چکا ہے۔ انھوں نے مجھے مطلع کیا ہے کہ آپ لوگوں نے ہماری مدد اور ہمارا حق لینے کے لیے اجتماع کیا

---

[1] معجم البلدان میں ہے: حاجر وادی کا کنارہ ہے کہ جہاں سے پانی بھرتے ہیں اور بطن الرمہ وہ جگہ ہے کہ جہاں اہلِ بصرہ مدینہ کی طرف سفر کے دوران میں قیام کرتے ہیں، وہاں سے ایک راستہ کوفہ اور دوسرا بصرہ کو جاتا ہے۔
عمر فروخ نے تاریخ الادب العربی: ج ۱، ص ۱۵۹ پر لکھا ہے: حاجر سرزمین نجد میں ریاض کے جنوب میں واقع ہے۔
رضا کحالہ نے کتاب جغرافیائی شبہ جزیرۃ العرب، ص ۲۷۳ کے حاشیہ میں لکھا ہے: رُمّہ ایک ہموار اور وسیع سرزمین ہے کہ اس میں کئی وادیاں اور دڑے پائے جاتے ہیں۔ ابن اعرابی سے نقل کیا ہے: رُمّہ ایک وسیع و عریض سرزمین ہے جو بنی کلاب کے مقام سے اُوپر ایک دن کی مسافت ہے۔

[2] علی بن محمد فتال نیشاپوری نے روضۃ الواعظین: ص ۱۵۲ پر لکھا ہے: امام علیہ السلام نے اپنا خط عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ بھیجا۔ اس بنا پر احتمال یہ ہے کہ امامؑ نے دو خط لکھے ہوں اور دو افراد کے ذریعے بھیجے ہوں۔
کتاب الاصابہ: ج ۳، ص ۴۹۲ پر لکھا ہے: قیس بن مسھر صیداوی کربلا میں شہید ہوا ہے۔ یہ اشتباہ ہے کیوں کہ قیس کو ابن زیاد نے کوفہ میں شہید کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے: ابن زیاد کی فوج کا رئیس حصین بن نمیر انھیں گرفتار کرکے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ ابن زیاد نے کہا: قصر پر جاکر کذاب ابن کذاب پر سب و شتم کرے۔ وہ چھت پر گئے اور حسینؑ بن علیؑ کی تعریف و تمجید کی اور کہا: میں ان کی طرف سے ⇦

ہے۔ میں نے خداوندمتعال کی بارگاہ میں دعا کی ہے کہ وہ ہمارے بارے میں اپنے کام کو نیک کرے اور آپ لوگوں کو اس عمل پر اجرعظیم عنایت فرمائے۔ میں منگل کے دن آٹھ ذی الحجہ روز ترویہ کو مکہ سے آپ لوگوں کی طرف روانہ ہو چکا ہوں۔ ①

فَاِذَا قَدِمَ عَلَیْکُمْ رَسُوْلِیْ فَانْکَمِشُوْا فِیْ اَمْرِکُمْ وَجِدُّوْا فَاِنِّیْ قَادِمٌ عَلَیْکُمْ فِیْ اَیَّامِیْ هٰذِهٖ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۸۹)

"جب میرا ایلچی تم لوگوں کے پاس پہنچے تو آستینیں چڑھا لینا، کمریں مضبوطی سے باندھ لینا اور کام کے لیے آمادہ ہو جانا، ان شاء اللہ میں انھی چند دنوں میں تم لوگوں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!"

کاروانِ نور کی پانچویں منزل ایک چشمہ

حضرت امام حسین علیہ السلام حاجر سے روانہ ہوئے۔ راستے میں کوئی آبادی نہ آئی اور پانی نہ ملا۔ چلتے چلتے اعراب کے پانیوں کے ایک چشمے پر پہنچے، وہاں پر دیکھا کہ عبداللہ بن مطیع عدوی بھی خیمہ زن ہے۔ جب عبداللہ بن مطیع کو معلوم ہوا کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف عازم ہیں، اس نے امام علیہ السلام سے گفتگو کی تاکہ انھیں عراق جانے سے منصرف کریں۔ عبداللہ بن مطیع کی گفتگو کا کچھ حصہ یوں ہے:

اے فرزند رسولؐ! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں، میں آپؑ کو حرمت اسلام کی خاطر نصیحت کرتا ہوں، خدا نہ کرے کہ آپؑ اس کام کو انجام دیں، آپؑ کو خدا کی قسم! حرمت پیغمبرؐ کی حفاظت کریں، آپؑ کو خدا کی قسم! عرب کی حرمت بچائیں۔ خدا کی قسم! اگر آپؑ اس چیز کے طالب ہیں جو بنی اُمیہ لے چکے ہیں تو یقیناً وہ آپؑ کو قتل کر دیں گے۔

لَئِنْ طَلَبْتَ مَا فِیْ اَیْدِیْ بَنِیْ اُمَیَّةَ لَیَقْتُلُنَّكَ

⇦ آیا ہوں اور حاجر کے مقام سے ان سے الگ ہوا ہوں۔ اس کے بعد عبیداللہ اور اس کے باپ زیاد پر لعنت بھیجی اور علیؑ بن ابی طالبؑ کے لیے استغفار کی۔ اس کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں دارالامارہ کی چھت سے نیچے گرا دیا جائے۔ اس کے نوکروں نے انھیں چھت سے گرا کر شہید کر دیا۔

"اگر انھوں نے آپؑ کو قتل کردیا تو اس کے بعد وہ کسی کا احترام باقی نہیں رکھیں گے"۔

خدا کی قسم! آپؑ کے اس کام سے اسلام کا احترام نیست و نابود ہو جائے گا۔ قریش اور عرب کی جنگ محرمت ہوگی۔ آپؑ ایسا کام مت انجام دیں اور بنی اُمیہ کے متعرض نہ ہوں۔

امام علیہ السلام نے اس کی گفتگو کو رڈ کیا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ (البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۶۸۔ ارشاد شیخ مفیدؒ: ص ۲۲۱۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۸۹)

کاروانِ نُور کی چھٹی منزل خُزیمیہ

امام علیہ السلام نے خُزیمیہ [1] میں وارد ہونے کے بعد ایک دن اور رات وہاں پر قیام کیا۔ اس دن صبح کے وقت امام علیہ السلام کی خواہر جناب زینب سلام اللہ علیہا ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: میں نے غیب سے ایک آواز سنی ہے کہ کوئی کہہ رہا تھا:

اَلَا يَاعَيْنُ فَاحتَفِلِي بِجُهدِي فَمَنْ يَبْكِي عَلَى الشُّهَدَاءِ بَعْدِي
عَلَى قَوْمٍ تَسُوقُهُمُ الْمَنَايَا بِمِقْدَارٍ اِلَى اِنْجَازِ وَعْدِي

"اے آنکھ! تُو پوری کوشش کر کے اپنے آنسوؤں کو جمع کر، اس لیے کہ میرے بعد اِن شہدائے کربلا پر کون گریہ کرے گا؟ ان شہدا کو موت کھینچ کر آگے کی طرف لے جارہی ہے، تاکہ یہ اپنے وعدے کو پورا کریں"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میری پیاری بہن! جو مقدر ہو چکا ہے وہی ہوگا۔ (مثیر الاحزان: ص ۲۳)

---

[1] خُزیمیہ، خزیمہ بن حازم کی طرف منسوب ہے۔ مکہ کی طرف سے جائیں کہ خُزیمیہ، زرود سے پہلے آتا ہے۔ صاحبِ کتاب نے منازل کی ترتیب یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مطابق ذکر کی ہے لیکن تاریخ طبری نے زرود کو خُزیمیہ سے پہلے ذکر کیا ہے۔

کاروانِ نُور کی ساتویں منزل زُرود

جب حضرت امام حسین علیہ السلام مقامِ زُرود (1) پر پہنچے تو زہیر بن قین بجلی بھی ان کے قریب ہی خیمہ زن تھے۔ وہ امام علیہ السلام کے ہمراہ سفر نہیں کر رہے تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ جہاں پر امامؑ قیام فرمائیں وہ بھی وہیں پر خیمہ زن ہوں۔ لیکن یہاں پر پانی ہونے کی وجہ سے رُکنے پر مجبور ہو گئے۔ زُہیر بن قین اور ان کے ساتھی کھانا کھانے میں مشغول تھے کہ امامؑ کا ایلچی ان کے پاس پہنچا اور کہا: میرے مولا حسینؑ! آپ کو بلا رہے ہیں۔ جنابِ زُہیر نے امامؑ کے قاصد کو کوئی جواب نہ دیا۔ ان کی زوجہ دُلھم بنت عَمرو نے انھیں ترغیب دلائی کہ وہ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کی بات سنیں۔ (لہوف: ص ۴۰)

جنابِ زُہیر، امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں گئے، کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہ خوش حال اور کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ لوٹے، چہرے سے نقاب ہٹائی اور حکم دیا کہ خیمہ اور ساز وسامان اُٹھائیں اور جوانانِ بہشت کے آقا کی خدمت میں چلیں۔ اپنی زوجہ سے کہا: تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔ (2) کیونکہ مَیں پسند نہیں کرتا کہ میری طرف سے تمھیں اچھائی اور نیکی کے سوا کچھ اور ملے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے بھی کہا: تم لوگوں میں سے جو کوئی پسند کرتا ہے وہ فرزندِ رسولؐ کی مدد کو چلے ورنہ یہ آخری دیدار ہوگا۔

اس کے بعد اُنھیں وہ کچھ بتایا جو جنابِ سلمان فارسیؓ سے اس بارے میں سنا تھا اور کہا: ایک دفعہ ہم نے بَلَنجَر میں جنگ لڑی، کامیاب ہوئے اور کافی سارا مالِ غنیمت ہمارے ہاتھ آیا اور ہم بہت خوش ہوئے۔ جنابِ سلمان فارسیؓ نے جب ہمیں یوں خوش باش

---

(1) زُرود ایک ریگستان ہے کہ جو ثعلبیہ اور خزیمیہ کے درمیان ہے۔ خزیمیہ قریب قریب ایک میل کے فاصلے پر ہے، وہاں پر پانی کا ایک حوض ہے اور وہاں پر مسافر اُترتے ہیں۔ وہاں پر کوئی اتفاق اور واقعہ ہوا ہے کہ جسے یوم زُرود کا نام دیا گیا ہے۔

(2) جن افراد نے تصریح کی ہے کہ جنابِ سلمان فارسیؓ اس جنگ میں شریک تھے، وہ درج ذیل ہیں: مرحوم شیخ مفیدؒ ارشاد: ص ۲۲۱، روضۃ الواعظین فتال: ص ۱۵۳، مثیر الاحزان ابن نما: ص ۲۳، مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۲۲۵، تاریخ کامل: ج ۴، ص ۷ معجم ما استعجم البکری: ج ۱، ص ۲۷۶۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۹۱۔

اور شادماں دیکھا تو کہا: ① جب تم آلِ محمدؐ کے جوان کو درک کرو گے تو اس کے لشکر میں جنگ کرنے کے بعد جو غنائم تمہارے ہاتھ آئیں گے، اس وقت تم اس سے بھی زیادہ خوش حال و شادمان ہو گے، چونکہ اب وہ وقت پہنچ چکا ہے، لہٰذا میں آپ کو خدا حافظ کہتا ہوں۔(تاریخ طبری: ج ۷،ص ۲۹۱۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱،ص ۲۲۲)

ان کی زوجہ نے کہا: میں اُمید کرتی ہوں کہ خداوند متعال آپ کو وہی کچھ عطا کرے جو بہتر ہو، لیکن میری ایک گزارش ہے کہ روزِ قیامت ابا عبداللہ الحسینؑ کے جدِ بزرگوار کی خدمت میں مجھے فراموش نہ کرنا۔(مثیر الاحزان: ص ۲۳۔لہوف: ص ۴۰)

امام علیہ السلام اسی زَرُود کے مقام پر ہی تھے کہ آپؑ کو حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ اور جناب ہانیؒ کی شہادت کی خبر دی گئی۔ جب آپؑ نے یہ خبر سنی تو مسلسل کلمۂ استرجاع "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" پڑھتے ہوئے ان دونوں کے لیے طلبِ رحمت کرتے رہے۔ ② آپ نے گریہ کیا۔ اسی طرح بنی ہاشم بھی روئے اور ان کی خواتین نے حضرت مسلمؑ کے غم میں یوں بلند آواز سے گریہ و شیون کیا کہ فضا کانپنے لگی اور ان کے رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے۔(لہوف: ص ۴۱)

عبداللہ بن سلیم اور منذر بن مشمعل اسدی حضرتؑ کی خدمت میں آئے اور آپؑ کو قسم دی کہ اسی مقام سے اس سفر کا ارادہ ترک کر دیں، کیوں کہ اب کوفہ میں کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔ خاندانِ عقیلؑ نے جب یہ پیش نہاد سنی تو اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: جب تک ہم اپنے خون کا انتقام نہ لے لیں، ہرگز لوٹ کر نہیں جائیں گے یا ہم بھی وہی کچھ چکھیں گے جو ہمارے بھائی مسلمؑ بن عقیل نے چکھا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے ان کی طرف نگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَا خَيْرَ فِي الْعَيْشِ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ "ان کے بعد زندگی کی کوئی وقعت نہیں ہے"۔ ③

---

① تاریخ طبری: ج ۷،ص ۲۹۱۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱،ص ۲۲۲۔

② تاریخ طبری: ج ۷،ص ۲۹۱۔ بدایہ ابن کثیر: ج ۸،ص ۱۶۸

③ ارشادِ شیخ مفیدؒ: ص ۲۲۹ پر یوں لکھا ہے کہ عبداللہ بن سلیم اور منذر بن مشمعل نے کہا: اب کوفہ میں آپ کا کوئی مددگار اور شیعہ نہیں ہے بلکہ لوگ آپؑ کے خلاف ہو چکے ہیں، لہٰذا اس سفر کو ترک کر دیں۔ امامؑ نے فرزندانِ عقیلؑ سے مشورہ کیا تو انھوں نے مذکورہ بالا جواب دیا۔ اس کے بعد حضرتؑ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر ہماری درخواست کے جواب میں فرمایا: لَا خَيْرَ فِي الْعَيْشِ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ۔

کاروانِ نور کی آٹھویں منزل ثعلبیہ

حضرت امام حسین علیہ السلام جب ثعلبیہ کے مقام پر پہنچے تو ایک شخص آپؑ کی خدمت میں آیا اور آپؑ سے آیۂ کریمہ۔ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ (سورۂ اسراء: آیت ۷۱) "اس دن ہر کسی کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ایک امام وہ ہے کہ جو لوگوں کو راہِ ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور دوسرا وہ ہوتا ہے جو ضلالت و گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں۔ پہلا گروہ بہشت اور دوسرا دوزخ میں جائے گا اور خدا نے بھی یہی فرمایا ہے: فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (سورۂ شوریٰ: آیت ۷)

یہاں پر ہی امام علیہ السلام کی ایک کوفی شخص سے ملاقات ہوئی اور آپؑ نے اس سے فرمایا: اگر میں نے تمہیں مدینہ میں دیکھا ہوتا تو تمہیں اپنے گھر کی وہ جگہ دکھاتا جہاں پر جبرئیلؑ میرے جد بزرگوار رسولِ خداؐ پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔ اے برادر کوفی! تمام علوم کا سرچشمہ ہمارے پاس ہے۔ کس طرح وہ ہم سے علم سیکھتے ہیں اور اس کے بعد ہمارے منکر ہوجاتے ہیں؟ یہ شدنی نہیں ہے۔[1]

طائفہ ثعلبیہ کا بحیر نامی شخص کہتا ہے: جب حسینؑ بن علیؑ ثعلبیہ کے مقام پر پہنچے تو میں (عمر کے اعتبار سے) ایک لڑکا سا تھا۔ میرے بڑے بھائی نے پوچھا: اے دخترِ رسولؐ کے فرزند!

---

[1] بصائر الدرجات صفار: ص ۳۔ اصولِ کافی: باب حتیٰ العلم من بیت آلِ محمدؐ۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۲۶ پر لکھا ہوا ہے کہ امام علیہ السلام ظہر کے قریب ثعلبیہ کے مقام پر پہنچے۔ تمام اصحاب اتر آئے۔ امامؑ نے سر رکھا تو انہیں تھوڑی دیر کے لیے نیند آگئی، بیدار ہوئے تو گریہ کرنے لگے۔ علیؑ بن حسینؑ نے امام علیہ السلام سے پوچھا: مَا يُبْكِيكَ يَا أَبَةِ لَا أَبْكَى اللهُ عَيْنَيْكَ۔ "بابا جانؑ! آپؑ کو کس چیز نے رلایا ہے، خدا آپؑ کو نہ رلائے"۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ابھی ابھی میں نے رؤیائے صادقہ دیکھا ہے کہ ایک اسپ سوار میرے پاس آیا اور کہا: يَا حُسَيْنُ! إِنَّكُمْ تُسْرِعُونَ وَالْمَنَايَا تُسْرِعُ بِكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ۔ "آپؑ تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں اور موت بھی تیزی سے بہشت کی طرف آپؑ کی رہنمائی کر رہی ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عمر تمام ہونے کو ہے۔

کیا آپؑ ان تھوڑے سے افراد کے ہمراہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے جا رہے ہیں؟

حضرتؑ نے ایک تھیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: هٰذِهٖ مَمْلُوَّةٌ كُتُبًا "یہ تھیلا خطوں سے بھرا ہوا ہے"۔ (سیر اعلام النبلاء ذھبی: ج ۳، ص ۲۰۵)

کاروانِ نور کی نویں منزل شقوق

حضرت امام حسین علیہ السلام شقوق ① کے مقام پر تھے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو کوفہ سے آیا تھا۔ آپؑ نے اس سے عراق کے حالات پوچھے۔ اس نے جواب میں عرض کیا: تمام لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر آپؑ کے خلاف قیام کر چکے ہیں۔

حضرتؑ نے فرمایا: اِنَّ الْاَمْرَ لِلّٰهِ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ۔ "امر خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے"۔ خداوند متعال کے ہر روز کچھ مقدرات ہیں کہ جو انجام پاتے ہیں۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

فَاِنْ تَكُنِ الدُّنْيَا تُعَدُّ نَفِيْسَةً ... فَدَارُ ثَوَابِ اللّٰهِ اَعْلٰى وَاَنْبَلُ

وَ اِنْ تَكُنِ الْاَمْوَالُ لِلتَّرْكِ جَمْعُهَا ... فَمَا بَالُ مَتْرُوكٍ بِهِ الْمَرْءُ يَبْخَلُ

وَاِنْ تَكُنِ الْاَرْزَاقُ قِسْمًا مُقَدَّرًا ... فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِي الْكَسْبِ اَجْمَلُ

وَاِنْ تَكُنِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِئَتْ ... فَقَتْلُ امْرِئٍ بِالسَّيْفِ فِي اللّٰهِ اَفْضَلُ

عَلَيْكُمْ سَلَامُ اللّٰهِ يَا آلَ مُحَمَّدٍ ... فَاِنِّي اَرَانِي عَنْكُمْ سَوْفَ اَرْحَلُ ②

⇦ علیؑ بن حسینؑ نے عرض کیا: کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: کیوں نہیں، اے میرے بیٹے! مجھے اس کی قسم کہ جس کی طرف تمام کی بازگشت ہے ہم حق پر ہیں۔ امام علیہ السلام کے فرزند علیؑ بن حسینؑ نے عرض کیا: اِذَنْ لَا نُبَالِيْ بِالْمَوْتِ۔ "تب ہمیں موت کی کوئی پروا نہیں ہے"۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے لیے دعا کی اور فرمایا: جَزَاكَ اللّٰهُ يَا بُنَيَّ خَيْرَ مَا جَزَا بِهٖ وَلَدًا عَنْ وَالِدِهٖ......

① شقوق ایک جگہ کا نام ہے کہ جو مکہ سے کوفہ کی طرف جائیں، تو ثعلبیہ کے بعد واقع ہے اور کوفہ سے مکہ کی طرف جائیں تو زبالہ کے بعد آتی ہے۔ یہاں پر بنی اسد آباد تھے۔

② خوارزمی نے اپنے مقتل کی ج ۱، ص ۲۲۳ پر آخری شعر کے علاوہ باقی تمام اشعار ذکر کیے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ یہ تمام اشعار امامؑ کے اپنے ہیں۔

"اگر دنیا کی زیب و زینت کوئی قیمتی چیز تصور کی جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں گھر اور ثواب زیادہ اَرفع و اکمل مقام پر ہیں۔ اگر مال و متاع کو اس لیے جمع کیا جاتا ہے کہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ کر جانا ہے تو پھر انسان اس چیز میں کنجوسی کیوں کرتا ہے جسے اپنے بعد پیچھے چھوڑ کر جانا ہے۔ اگر رزق و روزی معین ہے اور اس کے حصّے بخرے ہو چکے ہیں تو پھر انسان کا کسب و معاش میں کم حرص کرنا زیادہ بہتر ہے۔ اگر انسانی بدنوں کو موت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو پھر راہِ خدا میں تلوار سے قتل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ اے آلِ محمدؐ! آپؐ پر اللہ رب العزت کا سلام و سلامتی ہو، آپؐ دیکھیں گے کہ میں آپؐ سے جلد کوچ کر جاؤں گا"۔

کاروانِ نُور کی دسویں منزل زُبالہ

جب حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام زُبالہ [1] کے مقام پر پہنچے تو انھیں قیس بن مسہر صیداوی کی شہادت کے متعلق بتایا گیا۔ آپؑ نے یہ خبر اپنے ساتھیوں کو دی اور انھیں اجازت دے دی کہ اگر کوئی جانا چاہتا ہے تو جا سکتا ہے۔ وہ لوگ جو سفر کے دوران راستے میں آپؑ کے ہمراہ ہوئے تھے، وہ دائیں بائیں پراگندہ ہو گئے اور جو مکہ سے آں حضرت کے ساتھ آئے تھے وہ باقی رہ گئے۔ دورانِ سفر بہت سے اعراب یہ سمجھ کر امامؑ کے ساتھ ہو لیے کہ وہ ایسے شہر میں داخل ہوں گے کہ وہاں کے بسنے والے ان کی اطاعت و پیروی کریں گے، لہٰذا امام علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ہمراہ آنے والے لوگ ناآگاہ کوئی کام کریں اور وہ جانتے تھے کہ جب وہ لوٹ جانے کی اجازت دیں گے تو ناخالص اور کھوٹے افراد چلے جائیں گے، صرف وہی افراد ان کے ساتھ رہ جائیں گے جو جان نثار کرنے کے لیے حاضر اور موت کو قبول

---

[1] زُبالہ وہ جگہ ہے جو کوفہ سے مکہ کی طرف جائیں تو شقوق سے قبل اور بطنِ عقبہ کے بعد واقع ہے۔ وہاں پر ایک قلعہ ہے جو بنی اسد سے مربوط ہے۔ اس محل کا نام عمالقہ کی ایک خاتون زُبالہ بنت مسعر کے نام پر زُبالہ رکھا گیا ہے۔

کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ①

کاروانِ نور کی گیارہویں منزل بطنِ عقبہ

حضرت امام حسین علیہ السلام زبالہ سے رخصت ہوئے اور بطنِ عقبہ کے مقام پر پہنچے۔ وہاں پر اپنے اصحاب و انصار سے فرمایا: میں ابھی سے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دیکھ رہا ہوں کیوں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کتوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے اور میرے بدن کو کاٹ رہے ہیں۔ ان میں سے بدترین کتا اَبلق یعنی چتکبرا ہے کہ جو مجھے نوچ رہا ہے۔ (کامل الزیارات ابن قولویہ: ص ۷۵)

اس مقام پر بھی بنی عکرمہ کے ایک شخص بنام عمرو ابن لوذان نے امام علیہ السلام کو تجویز دی کہ وہ مدینہ کی طرف واپس چلے جائیں کیونکہ کوفہ کے لوگ بے وفا اور خیانت کار ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: لَیۡسَ یَخۡفٰی عَلَیَّ الرَّأیُ، ''جو کچھ تم جانتے ہو یہ مجھ سے مخفی نہیں ہے'' لیکن یہ جان لو کہ جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے وہ ٹل نہیں سکتا ہے۔

آپ نے جعفر بن سلیمان ضبعی سے فرمایا: یہ ہرگز مجھے چھوڑنے والے نہیں ہیں مگر یہ کہ یہ لوگ میرے خون کا ٹکڑا (یعنی دل) باہر نکالیں، جب وہ ایسا کریں گے تو خداوند متعال پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انھیں خونِ حیض والے کپڑے کے ٹکڑے سے بھی زیادہ ذلیل و خوار کرے گا۔

---

① زبالہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کے قتل ہونے کی خبر دی گئی کہ جسے انھوں نے مسلمؑ بن عقیلؑ کی طرف پیغام بر بھیجا تھا۔ حصین بن نمیر نے اسے قادسیہ سے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجا۔ ابن زیاد نے اس سے کہا: دارالامارہ کی چھت پر جا کر تمام لوگوں کے سامنے کذاب بن کذاب کو برا بھلا کہے۔ وہ اُوپر گیا اور کہا: اَیُّهَا النَّاسُ، ''اے لوگو! میں دخترِ پیغمبرؐ کے فرزند حسینؑ کا قاصد ہوں۔ ابنِ مرجانہ بن سمیہ بن الدعی کے خلاف ان کی مدد کرو''۔

یہ سنتے ہی ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے چھت سے زمین پر گرا دیا جائے۔ گرتے ہی اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ ابھی تھوڑی بہت رمق بدن میں باقی تھی کہ عبدالملک عمرلخمی نے اس کا سر قلم کر دیا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے تو اس نے جواب دیا: میں اسے خوش کرنا چاہتا تھا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۹۳، مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۲۲۸)

کاروانِ نُور کی بارھویں منزل شراف

حضرت امام حسین علیہ السلام بطنِ عقبہ سے روانہ ہوئے اور مقامِ شراف [1] تک پہنچے۔ صبح کا ہنگام تھا کہ آپؑ نے جوانوں کو حکم دیا۔ اپنے اپنے برتن پانی سے بھر لیں۔ پھر دوپہر ہوئی تو آپؑ کے ایک صحابی نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔

امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تم نے کس مناسب کی وجہ سے تکبیر کہی ہے؟

اُس نے عرض کیا: میں نے ایک نخلستان دیکھا ہے اس لیے تکبیر کہی ہے۔

آپؑ کے تمام اصحاب نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ بیابان کے اس مقام پر کسی قسم کا کوئی نخلستان نہیں تھا۔ بعد میں جب انھوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ نیزے، سامانِ حرب اور گھوڑوں کے کان ہیں۔ امام علیہ السلام نے اس بات کی تائید کی اور پھر پوچھا: کیا یہاں پر کوئی پناہ گاہ ہے کہ تم لوگ مورچہ بنا سکو۔

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں! ذوحُسم [2] ہے کہ جو بائیں طرف واقع ہے اور اس کام کے لیے مناسب ہے۔ امام علیہ السلام نے مخالفین کا لشکر پہنچنے سے قبل وہاں پر خیمے نصب کر لیے تھے۔

حُر ریاحی بھی ایک ہزار کا لشکر لے کر ظہر کے وقت وہاں پر پہنچا [3] اور اصحابِ امام حسین علیہ السلام کے سامنے آ رکا۔ ابن زیاد نے انھیں بھیجا تھا کہ وہ جہاں پر (امام) حسینؑ کو دیکھے اسے کوفہ لے آئے یا اسی جگہ پر روک دے اور اسے مدینہ واپس نہ جانے دے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دیکھا کہ حُر کے سپاہی سخت پیاسے ہیں، اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان سب کو پانی پلائیں اور ان کے گھوڑوں کو بھی سیراب کریں۔

---

[1] سب سے پہلے جس شخص نے یہاں سے چشمہ نکالا تھا، اس کا نام شراف تھا، لہٰذا اس چشمہ کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا۔ اس کے بعد وہاں پر بڑے بڑے کنویں کھودے گئے جن کا پانی میٹھا تھا۔ شراف سے واقصہ تک دو میل کا فاصلہ ہے۔

[2] حُسم ایک پہاڑ ہے کہ جس میں پیچ دار راستے زیادہ تھے اور نعمان بن منذر اکثر اوقات شکار کے لیے جاتا تھا۔

[3] ابن حزم نے کتاب ''جمھرۃ انساب العرب'' ص ۲۱۵ پر جنابِ حُر کا نسب یوں تحریر کیا ہے: حُر بن یزید بن ناجیۃ بن قعنب بن عتاب الردف بن ہرمی بن ریاح بن یربوع اور ص ۲۱۳ پر نسب کو بیان کرتے ہوئے تمیم تک پہنچتا ہے۔ یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم۔

علی بن طعان محاربی کہ جو حُر کا لشکری تھا، وہ کہتا ہے: میں وہاں پر پہنچنے والا آخری فرد تھا کہ شدت پیاس کی وجہ سے بے جان ہو چکا تھا۔ امام علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: اَنِخِ الرَّاوِیَۃَ۔ راویہ حجاز کی زبان میں شتر اور عراقی زبان میں مشک کے معنی میں ہے۔ وہ کہتا ہے: میں حضرتؑ کی مراد نہ سمجھ سکا۔ حضرتؑ متوجہ ہوئے اور عراقی زبان میں فرمایا: اَنِخِ الْجَمَلَ یعنی اپنا اُونٹ بٹھاؤ"۔ جب مَیں نے پانی پینا چاہا تو پانی مشک کے کناروں سے نیچے گر رہا تھا۔ ریحانہ رسولؐ نے فرمایا: اَخْنِثِ السِّقَاءَ۔ شدت پیاس کی وجہ سے مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں"۔ حضرت ابی عبداللہؑ خود اُٹھے اور مشک کا منہ لپیٹا، مجھے اور میری سواری کو پانی پلایا۔ (1)

یہ تھا ایک نمونہ دلاورِ کربلا کے لطف و کرم اور محبت و مہربانی کا، اس بے وفا گروہ پر۔ ظہر کے وقت اس خشک اور جلتے ہوئے بیابان میں کہ جس میں ایک گھونٹ پانی تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس کے باوجود کہ عزیز زہراؑ حضرت امام حسین علیہ السلام اس مقام کی صورت حال اور نایابی آب سے آگاہ تھے اور انھیں معلوم تھا کہ کل کو پیاس کی وجہ سے جان لبوں تک آ جائے گی لیکن اصالت پاک نبوی اور دریائے کرم علوی مانع ہوا کہ حسینؑ اس فضیلت کو انجام نہ دیں۔

جب وہ تمام کے تمام پانی پی چکے اور اپنے گھوڑوں کو بھی سیراب کر چکے تو حضرت امام حسین علیہ السلام (2) ان کی طرف متوجہ ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا بجا لانے کے بعد فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّهَا مَعْذِرَةٌ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اِلَيْكُمْ وَ اِنِّي لَمْ اٰتِكُمْ حَتّٰى اَتَتْنِي كُتُبُكُمْ وَقَدِمَتْ بِهَا رُسُلُكُمْ اَنْ اَقْدِمْ عَلَيْنَا فَاِنَّهُ لَيْسَ لَنَا اِمَامٌ وَلَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ يَّجْمَعَنَا بِكَ عَلَى الْهُدٰى، فَاِنْ كُنْتُمْ

---

(1) تاریخ طبری میں ہے کہ علاوہ ازیں کہ وہ خود جتنا پانی استعمال کر سکتے تھے کیا، ان کے پاس پانی کے جو برتن تھے، وہ انھوں نے دو دو، تین تین، چار چار اور پانچ پانچ بار بھرے اور اپنے تمام حیوانوں کو بھی سیراب کیا۔

(2) حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی تلوار کا سہارا لیا درحالانکہ آپؑ کے پاؤں میں نعلین تھے۔ ان کا لباس ایک عربی پیراہن اور سادہ عبا تھی اور ان سے کہا: اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهَا مَعْذِرَةٌ......

عَلَىٰ ذٰلِكَ فَقَدْ جِئْتُكُمْ فَاعْطُونِي مَا اَطْمَئِنُّ بِهٖ مِنْ عُهُودِكُمْ وَمَوَاثِيقِكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ لِمَقْدَمِي كَارِهِينَ اَنْصَرِفُ عَنْكُمْ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِي جِئْتُ مِنْهُ اِلَيْكُمْ ①

"اے لوگو! میری گفتگو تمھارے لیے حجت اور خدا کی بارگاہ میں انجام وظیفہ ہے۔ میں تم لوگوں کے یہاں خود نہیں آیا مگر یہ کہ تمھارے دعوت نامے اور قاصد ہمارے پاس آئے کہ ہماری دعوت قبول کریں اور ہماری طرف آئیں کیوں کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپؑ کے وسیلہ سے ہماری رہنمائی ہو۔ اگر تم لوگ اپنی اس دعوت کے پابند اور وفادار ہو تو اب میں تمہاری طرف آچکا ہوں۔ لہٰذا میرے ساتھ پکا وعدہ کرو اور مجھے بیشتر اطمینان دلاؤ، اور اگر میرے آنے سے تم لوگ پشیمان اور ناخوش ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں کہ جہاں سے آیا ہوں، اسی طرف لوٹ جاؤں"۔

یہ سن کر سب کے سروں پر پرندے بیٹھ گئے۔ کسی نے کوئی بات نہ کی۔

حجاج بن مسروق جعفی نے امام علیہ السلام کے حکم سے اذان دی۔ اذان کے ختم ہونے کے بعد امام علیہ السلام نے حُر سے فرمایا: أَتُصَلِّي بِأَصْحَابِكَ "کیا تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نماز پڑھو گے؟"

حُر نے کہا: لَا بَلْ نُصَلِّي جَمِيعًا بِصَلَاتِكَ "نہیں بلکہ ہم تمام آپؑ کی اقتداء میں نماز بجالائیں گے"۔ ان تمام نے امام علیہ السلام کی اِقتدا کی۔

نماز ختم ہونے کے بعد امام علیہ السلام دوبارہ کھڑے ہوئے، ان کی طرف رُخ کیا اور خدا کی حمد و ثنا بجالائے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنے کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! خدا سے ڈرو! اگر تم چاہتے ہو کہ حق اہلِ حق کے پاس آئے تو

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۹۸-۲۹۷ پر ہے: فَاِنْ تُعْطُونِي مَا اَطْمَئِنُّ اللّٰهَ مِنْ عُهُودِكُمْ وَمَوَاثِيقِكُمْ اَقْدِمْ مِصْرَكُمْ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوا و کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۲۸۰۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۲۴، مقتل خوارزمی: ج ۱، ص ۲۳۱۔

یہ خوشنودیِ خدا کا باعث ہوگا۔ ہم اہلِ بیتِ محمدؐ، بنی اُمیہ سے لائق تر اور
سزاوار تر ہیں کہ وہ ناحق اس مقام کے دعوے دار ہیں۔ انھوں نے ستم گری
اور لوگوں کے ساتھ دشمنی کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اگر تم منحرف ہوجاؤ اور
ہمارے حق کی اعتنا نہ کرو اور فی الحال تمھارا ارادہ بدل چکا ہے اور اس
کے علاوہ کچھ ہے جو کچھ تم نے میری طرف بھیجے ہوئے خطوط میں لکھا تھا
تو میں یہاں سے لوٹ جاتا ہوں"۔

امام علیہ السلام کی گفتگو کے بعد حُر نے کہا: مجھے ان خطوں کا کوئی علم نہیں ہے۔ امام علیہ السلام نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا۔ وہ خطوں سے بھرے ہوئے دو تھیلے لایا جو حضرتؑ نے اسے دکھائے۔

حُر نے کہا: میں دعوت دینے والوں میں سے نہیں ہوں! بلکہ میں ابن زیاد کی طرف سے مامور ہوں کہ آپؑ کو کوفہ میں ابن زیاد کی تحویل میں دوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اَلْمَوتُ اَدنیٰ اِلَیْکَ مِنْ ذٰلِکَ "اس کام سے موت تیرے قریب تر ہے"۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا کہ تمام اصحاب اور خواتین سوار ہوجائیں۔ انھوں نے جوں ہی وہاں سے مدینہ کی طرف واپس جانا چاہا، حُر نے راستہ روک لیا اور انھیں واپس نہ جانے دیا۔

امام علیہ السلام نے حُر سے فرمایا: ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ مَا تُرِیدُ مِنَّا "تمہاری ماں تمہارے غم میں بیٹھے، تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟"

حُر نے جواب میں حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا: اگر آپؑ کے علاوہ کوئی اور مجھے یہ جملہ کہتا تو میں اُسے ویسا ہی جواب دیتا اور مَیں بھی اس کی ماں کے متعلق یہی جملہ کہتا خواہ وہ کوئی بھی ہوتا۔ لیکن:

وَاللهِ مَالِی اِلیٰ ذِکْرِ اُمِّکَ مِن سَبِیْلٍ اِلَّا بِاَحْسَنِ مَا یُقْدَرُ عَلَیْهِ

"خدا کی قسم! مجھے یہ حق حاصل نہیں ہے (بلکہ میرا یہ حق ہے کہ) میں
آپؑ کی مادرِ گرامی کا نام جہاں تک ہوسکے بہترین تعظیم وتکریم کے طور پر
اپنی زبان پر لاؤں"۔

البتہ آپؑ کوئی درمیانہ راستہ اختیار کریں کہ جو نہ کوفہ کی طرف جائے اور نہ مدینہ کی

سمت، تاکہ میں ابن زیاد کے نام ایک خط لکھوں اور اس سے اپنی ذمہ داری کا پوچھوں۔ شاید خداوند متعال کوئی ایسا وسیلہ بنا دے کہ میں اس مشکل سے نجات پا سکوں اور آپؑ کے کام سے واسطہ نہ پڑے۔ ①

اس پیش نہاد کے بعد حُر نے دوبارہ امام علیہ السلام کو واعظ و نصیحت کرنا شروع کر دی اور کہا: آپؑ کو خدا کا واسطہ، اپنے آپؑ پر رحم کریں۔ فَاِنِّي اَشْهَدُ لَئِنْ قَاتَلْتَ لَتُقْتَلَنَّ، "مجھے یقین ہے کہ اگر آپؑ نے ان کے ساتھ جنگ کی تو قتل کر دیے جائیں گے"۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب میں حُر سے فرمایا: اَفَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِي، "کیا تم ہمیں موت سے ڈراتے ہو؟ کیا مجھے قتل کرنے کے سوا تمھارا اور کوئی کام ہے؟" میں چند ایک اشعار تمھارے گوش گزار کرتا ہوں جو ایک "اوسی برادر" نے اس وقت اپنے چچازاد کے لیے پڑھے تھے جب اس نے رسولؐ خدا کی مدد کرنے کے لیے جنگ پر جانے کا ارادہ کیا اور اس کے چچازاد نے اس کام پر اس کی مخالفت کی تو اس نے کہا:

سَاَمْضِي وَمَا بِالْمَوْتِ عَارٌ عَلَى الْفَتٰى ۔۔۔ اِذَا مَا نَوٰى حَقًّا وَجَاهَدَ مُسْلِمًا
وَوَاسَى الرِّجَالَ الصَّالِحِيْنَ بِنَفْسِهٖ ۔۔۔ وَفَارَقَ مَثْبُوْرًا وَخَالَفَ مُجْرِمًا
فَاِنْ عِشْتُ لَمْ اَنْدِمْ وَاِنْ مُتُّ لَمْ اُلَمْ ۔۔۔ كَفٰى بِكَ ذُلًّا اَنْ تَعِيْشَ وَتُرْغَمَا

"میں موت کی طرف جاؤں گا، بہوت جوان کے لیے ننگ و عار نہیں ہے۔ اگر وہ خدا کے راستے میں اسلام و جہاد کا معتقد ہو۔ نیز اگر وہ اپنی جان قربان کر کے نیک افراد کی حمایت کرنا چاہے اور خدا کے دشمنوں سے

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۹۹ اور دوسری تواریخ میں لکھا ہے: راستے کا انتخاب کرنے اور روانہ ہونے سے قبل امامؑ اور حُر کے درمیان کافی گفتگو ہوئی۔ اس کا کچھ حصہ یہ ہے: امام علیہ السلام نے حُر سے پوچھا: تم کیا چاہتے ہو؟ حُر نے کہا: میں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اِذَنْ وَاللّٰهِ لَا اَتَّبِعُكَ، "میں ہرگز تمھاری اطاعت نہیں کروں گا"۔ حُر نے کہا: اِذَنْ وَاللّٰهِ لَا اَدَعُكَ۔ "خدا کی قسم! میں آپ کو اپنے حال پر نہیں چھوڑوں گا"۔ امام علیہ السلام اور حُر کے درمیان اس جملے کا تین بار تکرار ہوئی۔ حُر نے کہا: مجھے آپؑ کے ساتھ جنگ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ میری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ میں آپؑ کو کوفہ لے جاؤں۔ اس بنا پر آپؑ کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کر سکتے۔

دُوری اور جنایت کاروں کی مخالفت اختیار کرے۔ میں دشمن کے ساتھ لڑنے کے لیے جنگ میں شرکت کروں گا۔ اگر زندہ رہا تو پشیمان نہیں ہوں گا اور اگر مارا جاؤں تو ناراحت نہیں ہوں گا، لیکن تمھارے لیے یہی ذلت کافی ہے کہ تم بے آبرو زندگی گزارو گے"۔

حُر نے جب امام علیہ السلام کی ایسی گفتگو سنی جو ان کی قاطعیت کی حکایت کر رہی تھی تو وہ ایک طرف ہوگیا۔ اس کے بعد امام حسین علیہ السلام اور ان کا قافلہ ایک طرف اور حُر اور اس کا لشکر دوسری طرف برابر چلتے رہے اور بیضہ کے مقام پر پہنچے۔

کاروانِ نُور کی تیرھویں منزل بیضہ

امام علیہ السلام نے بیضہ ① کے مقام پر فرصت سے دوبارہ استفادہ کیا اور حُر کے ساتھیوں کو خطاب کیا۔ خداوند قدوس کی حمد وثنا کرنے کے بعد آپؑ نے فرمایا:

اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ مَن رَاٰی سُلطَانًا جَائِرًا مُستَحِلًّا لِحَرَامِ اللّٰهِ، نَاکِثًا عَهدَهٗ، مُخَالِفًا لِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ یَعمَلُ فِی عِبَادِ اللّٰهِ بِالاِثمِ وَالعُدوَانِ فَلَم یُغَیِّر عَلَیهِ بِفِعلٍ وَلَا قَولٍ، کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰهِ اَن یُدخِلَهٗ مَدخَلَهٗ..... وَالسَّلَامُ عَلَیکُم وَرَحمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ

"اے لوگو! رسولؐ خدا نے فرمایا: جس کسی کا ایسے ستم گر اور ظالم سلطان سے واسطہ پڑے جو حرامِ خدا کو حلال کرے، عہد و میثاقِ الٰہی کو توڑے، سنتِ پیغمبرؐ کی مخالفت کرے، بندگانِ خدا کے درمیان گناہ اور دشمنی پر عمل کرے لیکن وہ ایسے ظالم حاکم کے سامنے خاموشی اختیار کرے اور اپنے کردار و گفتار سے اس کی مخالفت نہ کرے تو خداوند متعال پر واجب ہے کہ اُسے سلطانِ جائر کے ٹھکانے تک پہنچائے اور دوزخ میں ڈالے"۔

اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ، ان لوگوں (بنی اُمیہ) نے رحمان کی اطاعت کو

---

① بیضہ ایک وسیع و عریض زمین ہے کہ جو واقصہ اور عذیب الہجانات کے درمیان واقع ہے۔ حُر کے جد یربوع بن حنظلہ کا قبیلہ وہاں پر آباد تھا۔

ترک کر دیا اور اطاعتِ شیطان کا طوق گلے میں پہن لیا ہے۔ انھوں نے فساد کو رواج دیا اور حدودِ الٰہی کو ختم کیا۔ فیئی (کہ جو پیغمبرؐ اور خاندانِ پیغمبرؐ کا مال ہے) کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے، حرامِ خدا کو حلال اور حلالِ خدا کو حرام کیا ہے، میں ان تمام مُفسدوں سے معاشرے کی ہدایت و رہبری کرنے کا زیادہ حق دار ہوں کہ جنھوں نے دین میں تبدیلیاں کی ہیں آپ لوگوں کے وہ دعوت نامے جو ہم تک پہنچے اور وہ پیغامات جو تمھارے قاصدوں نے ہمارے پاس بھیجے، وہ اس کی حکایت کرتے ہیں کہ تم میری بیعت کرو اور مجھے تنہا مت چھوڑو اور میری مدد کرنے سے ہاتھ مت کھینچو۔ اب بھی اگر تم اپنے عہدو پیمان پر وفادار رہو تو ہدایت و انسانیت کو حاصل کرتے ہوئے سعادت تک پہنچ جاؤ گے۔ میں حسینؑ بن علیؑ اور تمھارے پیغمبرؐ کی بیٹی کا فرزند ہوں، میرا وجود تم لوگوں کے وجود کے ساتھ اور میرا خاندان تمھارے خاندان کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ہم ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔ تم پر فرض ہے کہ میری پیروی کرو۔ وَلَکُمْ فِی اُسْوَۃ "اور مجھے اپنے لیے نمونۂ عمل قرار دو"۔

اگر تم لوگوں نے اپنی ذمہ داری پر عمل نہ کیا اور وعدہ شکنی کی اور اپنی کی ہوئی بیعت پر باقی نہ رہے تو مجھے میری جان کی قسم! تم لوگوں کا یہ کام کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس کا سابقہ (نمونہ) ہو، کیوں کہ تم لوگ میرے پدرِ گرامی، میرے برادرِ بزرگوار اور میرے چچازاد مسلمؑ بن عقیلؑ سے ایسا کر چکے ہو، لہٰذا جو کوئی تمھاری بات پر اعتماد کرے، وہ دھوکا کھانے والا ہے۔ تم ایسے لوگ ہو کہ جنھوں نے اسلام سے بہرہ مند ہونے کے لیے غلط راستے کا انتخاب کیا۔ اپنی اصلیت گنوا بیٹھے ہو، جو کوئی بھی وعدہ شکنی کرتا ہے، وہ اسی کے نقصان میں تمام ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ خداوند متعال

مجھے تم لوگوں سے بے نیاز کرے گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ①

کاروانِ نور کی چودھویں منزل رُھَیمہ

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب رُھَیمہ ② پہنچے تو وہاں پر ابوہرم نامی ایک شخص امامؑ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! آپؑ نے اپنے

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۰۰۔ تاریخ کامل: ج ۳، ص ۲۸۰۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۳۴۔ انساب الاشراف: ج ۳، ص ۱۷۱۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۵ اور ص ۲۳۴ پر لکھا ہے کہ ابن اعثم کوفی نے نقل کیا ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے اصحاب اور حُر اور اس کا لشکر اکٹھے سفر کرتے رہے۔ جب وہ عذیب الھجانات پہنچے تو وہاں پر حُر کے نام ابن زیاد کا خط آیا۔ اس نے حُر کی توہین کی اور کہا: تم کیوں حسینؑ کے ساتھ نرمی سے پیش آ رہے ہو؟ اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ اگلے دن جب امام علیہ السلام نے وہاں سے رخصت ہونا چاہا تو حُر مانع ہوا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے یہ تجویز نہیں دی تھی کہ راستے سے ہٹ کر چلیں۔ ہم نے اس کی موافقت کی اور تمھاری پیش نہاد کو قبول کیا ہے؟ حُر نے کہا: کیوں نہیں اے فرزند رسولؐ! آپؑ سچ کہہ رہے ہیں، لیکن یہ ابن زیاد کا خط ہے، اس میں اس نے لکھا ہے کہ آپ کے ساتھ سختی سے پیش آؤں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: پس اجازت دو کہ نینویٰ یا غاضریہ کے علاقہ میں اُتریں۔ حُر نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! ایسا نہیں کر سکتا ہوں۔ ابن زیاد نے میرے اُوپر جاسوس چھوڑے ہوئے ہیں جو تمام کی تمام خبریں اس تک پہنچاتے ہیں۔ زہیر بن قین نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! اجازت دیں اس گروہ کے ساتھ جنگ کریں۔ آج کی جنگ کل کے معرکے سے کہیں آسان تر ہے۔ امام علیہ السلام نے جناب زُہیر کی تائید کرتے ہوئے فرمایا: ہم ہرگز اس جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے مگر یہ کہ وہ لوگ ⇦ ⇨ ابتدا کریں۔ زُہیر نے عرض کیا: ہمیں کربلا لے چلیں کیوں کہ وہ فرات کے کنارے پر واقع ہے۔ اگر جنگ شروع ہوگئی تو ہم ان کے ساتھ جنگ کرسکیں۔

امام علیہ السلام نے جب کربلا کا نام سنا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَرْبِ وَالْبَلَاءِ، "پروردگارا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کرب وبلا سے"۔ آخرکار امامؑ نے وہاں پر قیام کیا۔ حُر بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پر رُکا۔ یہی مقام ہے کہ جہاں پر حضرت نے قلم و دوات کا تقاضا کیا اور کوفہ والوں کے نام مذکورہ مطالب تحریر کیے۔ خوارزمی کے بقول یہ امامؑ کا خطاب نہیں تھا بلکہ اہلِ کوفہ کے نام خط تھا، لیکن بعید نہیں ہے کہ اہمیت موضوع کی خاطر امام نے دونوں کام انجام دیئے ہوں۔

② رُھَیمہ، رھمہ کی تصغیر ہے کہ جس کا معنی ہلکی ہلکی بوندا باندی پڑنا ہے۔ رُھیمہ ایک چشمہ ہے کہ جو "خفیہ" سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور خفیہ مغرب کی سمت "رُحبہ" سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ہے۔

جدِّ بزرگوار کے حرم کو کیوں ترک کیا ہے جبکہ وہ امن و امان کی جگہ تھی؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے جواب میں فرمایا: اے اباہرم! بنی اُمیہ نے ہمیں فحش گالیاں دیں ہم نے صبر کیا، انھوں نے ہمارے اموال لوٹے، ہم نے صبر سے کام لیا۔ اب وہ ہمیں قتل کرنا چاہتے تھے کہ ہم تسلیم نہیں ہوئے، لیکن خدا کی قسم! آخرکار وہ ہمیں قتل کریں گے۔ اس کے نتیجے میں خداوند متعال انھیں ایک بہت بڑی ذلت اور کاٹنے والی شمشیر میں گرفتار کرے گا، کسی ایسے کو، ان پر مسلط کرے گا کہ جو ان تمام کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دے گا۔ ① یوں کہ جیسے قومِ سبا پر ایک عورت نے حکمرانی کی۔ ان کے اموال چھین لیتی تھی اور انھیں تختۂ دار پر لٹکا دیتی تھی۔ ②

کاروانِ نُور کی پندرھویں منزل قادسیہ

قادسیہ وہ مقام ہے کہ جہاں پر حصین بن نُمیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاصد قیس بن مسہر صیداوی کو گرفتار کیا۔ ابن زیاد نے حصین بن نمیر کو حکم دے رکھا تھا کہ قادسیہ سے خفان کے درمیان اور وہاں سے قطقطانہ کے سارے علاقے میں فوج پھیلا دے۔ جب قیس بن مُسہر نے وہاں سے عبور کرنا چاہا تو انھوں نے اسے گرفتار کرلیا۔ جامہ تلاشی کے موقع پر قیس نے ہشیاری سے کام لیا اور امام کا خط نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ جناب قیس کو ابن زیاد کے پاس لے گئے۔ اس نے ان سے پوچھا: تم نے کیوں خط کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: تاکہ تم اس کے مطالب سے آگاہ نہ ہوسکو۔ ابن زیاد نے خط کے مطالب جاننے کے لیے بے حد اصرار کیا لیکن جناب قیس نے ہرگز نہ بتائے۔

ابن زیاد نے کہا: تم منبر پر جاؤ اور حسینؑ، اُن کے باپ اور بھائی پر سبّ وشتم کرو ورنہ میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کردوں گا۔

جنابِ قیس منبر پر گئے، پروردگار کی حمد و ثنا کرنے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنے کے بعد امیرالمومنین، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام پر بے حد درود سلام بھیجا اور ابن زیاد، اس کے

---

① امالی شیخ صدوق: ص ۹۳، مجلس ۳۰

② مقتلِ خوارزمی میں ابوہرم کی بجائے ابوہرہ لکھا ہے اور متن کی عبارت لفظی اعتبار سے بھی مختلف ہے۔

باپ اور بنی اُمیہ پر لعنت کی اور مزید کہا: اے لوگو! میں تمہاری طرف حسینؑ بن علیؑ کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ میں فلاں مقام پر اُن سے جدا ہوا ہوں، ان کا ساتھ دو۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے دارالامارہ کی چھت سے نیچے گرا دو۔ جب وہ نیچے گرے تو ان کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں اور وہ دنیا سے چل بسے۔[1] ابھی ان کے بدن میں تھوڑی سی رمقِ جاں باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر لخمی نے ان کا سرتن سے جدا کیا، جب لوگوں نے اس کام پر اسے لعنت ملامت کی تو اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ اسے جلدی راحت کر دوں تاکہ وہ زیادہ تکلیف نہ اُٹھائیں۔

کاروانِ نُور کی سولھویں منزل عُذیب

حضرت امام حسین علیہ السلام اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے کہ اچانک کوفہ سے باہر عُذیب الہجانات[2] میں کچھ افراد کہ جنھوں نے نافع بن ہلال کے گھوڑے کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا، آپؑ تک پہنچے، ان کے نام یہ ہیں: عمرو بن خالد صیداوی، اس کا دوست سعد، مجمع بن عبداللہ مذحجی اور نافع بن ہلال۔ ان کا رہنما طرماح بن عدی طائی تھا کہ جو یہ رجز پڑھ رہا تھا:

یَانَاقَتِی لَا تَذعَرِی مِن زَجرِی   وَشَمِّرِی قَبلَ طُلُوعِ الفَجرِ

بِخَیرِ رُکبَانٍ وَخَیرِ سَفَرٍ   حَتّٰی تَحَلّٰی بِکَرِیمِ النَّجرِ

---

[1] کتاب ارشاد مفید، مرحوم شیخ مفیدؒ، روضۃ الواعظین فتال اور میزان الاعتدال ذھبی: ج۱، ص ۱۵۱ پر لکھا ہے: عبدالملک بن عمیر لخمی، شعبی کے بعد ابن زیاد کی طرف کوفہ کے قضائی اُمور کا رئیس بنا۔ وہ کم حافظہ اور اشتباہ کار شخص تھا۔ ۱۳۶ھ میں ۱۰۳ سال کی عمر میں مرا۔ ضمناً اسی واقعہ کے مشابہ مؤرخین نے زُبالہ کے مقام پر عبداللہ یقطر کے بارے میں بھی نقل کیا ہے کہ عبداللہ کو چھت سے نیچے گرایا گیا اور عبدالملک بن عمر لخمی نے ان کا سر جدا کیا۔

[2] عُذیب ایک بیابان ہے کہ جو بنی تمیم کی ملکیت تھا۔ وہاں پر حیوانوں کی چراگاہ تھی۔ قادسیہ اور عُذیب کے درمیان چھے میل کا فاصلہ ہے۔ عُذیب کا پانی ٹھنڈا اور مزیدار تھا اور ہیجان شتر کے معنی میں ہے۔ چونکہ حیرہ کے بادشاہ کے اُونٹ اور گھوڑے وہاں چرتے تھے لہٰذا اس مناسبت کی وجہ سے اس جگہ کا نام عُذیب الہجانات رکھا گیا۔

اَلْمَاجِدُ الْجُدُ رَحِيبُ الصَّدرِ   اَتٰى بِهِ اللهُ لِخَيْرِ اَمرٍ
ثَمَّةَ اَبقَاهُ بَقَاءِ الدَّهرِ

"اے میری اُونٹنی! میری بے صبری کا شکوہ و شکایت نہ کرنا، اور مجھے طلوع فجر سے پہلے لے چل، (تاکہ) ہم اُس کریم تک پہنچ جائیں جو تمام سواروں اور سفر کرنے والوں سے بہتر و برتر ہے۔ تم بھی اپنے آپ کو اس حسبی و نسبی انسان سے آراستہ کرلو جو کریم النسل ہے۔ وہ بزرگ، آزاد منش، مردِ حر، فراخ دل اور بڑے بلند و بالا عزائم کا مالک ہے۔ پروردگار عالم نے انھیں نیک و صالح امر کی طرف بھیجا ہے۔ اللہ رب العزت اُس کا سایہ اُس وقت تک باقی رکھے جب تک یہ دنیا باقی ہے"۔

جب وہ حضرت ابا عبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے تو مذکورہ اشعار پڑھے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، خدا کی قسم! بہر حال خواہ مَیں قتل ہو جاؤں یا شہید، خدا نے خیر کو ہمارے مقدر میں لکھا ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے لوگوں کی صورتِ حال دریافت کی تو انھوں نے کہا: اِنَّ الاشرَافَ عُظِمَت رِشوَتُهُم وَقُلُوبُ سَائِرِ النَّاسِ مَعَكَ وَالسُّيُوفُ عَلَيكَ "اشراف میں فساد و انحراف فراواں ہو چکا ہے۔ لوگوں کے دل آپؑ کے ساتھ جب کہ ان کی تلواریں آپؑ کے خلاف ہیں"۔

اس کے بعد انھوں نے امام علیہ السلام کو قیس صیداوی کی شہادت کے بارے میں بتایا۔

حضرتؑ نے فرمایا: فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (سورۂ احزاب: آیت ۲۳) "غرض اِن میں سے بعض وہ ہیں جو اپنا وقت پورا کر گئے اور اِن میں بعض منتظر بیٹھے ہیں اور اِن لوگوں نے اپنی بات ذرا بھی نہیں بدلی"۔

اس آیت کریمہ کہ بعض اپنے ہدف کو پا چکے اور بعض انتظار میں ہیں اور کوئی تبدیلی و تغییر واقع نہیں ہوگی، سے یہ سمجھایا کہ ہم بھی اپنے اجداد کے ساتھ ملحق ہونے کے راستے پر ہیں۔ اس آیت کریمہ کی تلاوت کرنے کے بعد یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اجعَل لَنَا وَلَهُمُ الجَنَّةَ وَاجمَع بَينَنَا وَبَينَهُم فِي مُستَقَرٍّ مِن

رَحْمَتِكَ وَرَغَائِبِ مَذْخُورِ ثَوَابِكَ

"اے اللہ! ہمیں اور ان لوگوں کو جنت میں ایک جگہ پر اپنی رحمت کے زیرِسایہ اکٹھا فرما اور ان کی نیکیاں تیرے اَجروثواب کے لیے ذخیرہ کی گئی ہیں"۔

جب امام علیہ السلام کی دعا ختم ہوئی تو طرماح نے عرض کیا: کوفہ سے نکلنے سے قبل ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جو کوفہ کے باہر اجتماع کیے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: یہ سب لوگ کیوں اکٹھے ہوئے ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ اس لیے اکٹھے ہیں کہ انھیں حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔ آپؑ کو خدا کا واسطہ، ان کی طرف مت جائیں، میں نے ایک بھی شخص ایسا نہیں دیکھا جو آپؑ کا حامی ہو۔ اگر وہاں پر موجود افراد کے علاوہ کوئی اور بھی جنگ کرنے والا نہ ہو تب بھی وہ کافی ہیں۔

میری تجویز یہ ہے کہ آپؑ ہمارے ساتھ ہمارے پہاڑوں کی طرف آجائیں۔ ہماری آبادی میں "اُجا" نام کی ایک جگہ ہے جو ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ وہاں تک کسی کی بھی دسترس نہیں ہوسکتی، حتیٰ کہ غسّان، حمیر، نعمان بن منذر اور ہر سیاہ وسرخ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہم آپؑ کی حفاظت کریں گے، دس دن سے زیادہ نہیں گزرنے پائیں گے کہ قبیلہ طی کے سوار اور پیادہ آپؑ کی طرف آئیں گے، میں ضمانت دیتا ہوں کہ بیس ہزار طائی جوان تلواروں کے ہمراہ آپؑ کی خدمت میں بھیجوں گا تاکہ ذمہ داری معلوم ہوسکے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کے لیے اور اس کے قبیلہ کے لیے دعائے خیر کی اور فرمایا: ہمارے اور اس قوم کے درمیان ایک عہدوپیمان ہے کہ مَیں اسے توڑ نہیں سکتا، دیکھیں کہ ہمارے اور ان کے لیے کیا ہوتا ہے۔

ان میں سے فقط طرماح نے جانے کی اجازت لی تاکہ اپنے گھر والوں کے اخراجات ان تک پہنچا کر آئیں اور فوراً اپنے آقا کی مدد کے لیے لوٹ آئیں۔ امام علیہ السلام نے بھی اسے اجازت دی اور باقی افراد امامؑ کے ساتھ ہو لیے۔

طرماح نے اپنے گھر والوں کے لیے کھانے پینے کا سامان خریدا اور اُن تک پہنچایا اور پھر

جلدی سے واپس آ گیا۔ جب وہ عذیب الہجانات پہنچا تو امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کی خبر ملی۔ یہ خبر سنتے ہی وہ وہاں سے اپنے خاندان کی طرف لوٹ گیا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۰۵)

کاروانِ نور کی سترھویں منزل، قصر بنی مقاتل

امام علیہ السلام کا کاروانِ عذیب سے روانہ ہوا اور قصر بنی مقاتل [1] پہنچا۔ انھوں نے وہاں پر ایک نصب شدہ خیمہ دیکھا۔ وہاں پر ایک نیزہ موجود ہے اور ایک گھوڑا بھی کھڑا ہے۔ امامؑ نے پوچھا: یہ خیمہ کس کا ہے؟ جواب دیا: یہ خیمہ عبیداللہ بن حر جعفی کا ہے۔ [2]

حضرت امام حسین علیہ السلام نے حجاج بن مسروق کو اس کے پاس بھیجا تاکہ اسے ہمارا ساتھ دینے کی دعوت دے۔ جب حجاج، عبیداللہ کے وہاں پہنچے تو اس نے پوچھا: کس لیے آئے ہو؟! حجاج نے کہا: تمہارے لیے ایک انتہائی قیمتی ہدیہ لایا ہوں اور وہ یہ ہے کہ حسینؑ بن علیؑ نے

---

[1] قصر بنی مقاتل، مقاتل بن حسان بن ثعلبہ کی طرف منسوب ہے کہ اس کا نسب امرؤ القیس بن زید بن مناۃ بن تمیم پر ختم ہوتا ہے۔ قصر بنی مقاتل، عین التمر، قطقطانہ اور قریات کے درمیان واقع ہے کہ جسے عیسیٰ بن علی بن عبداللہ بن عباس نے گرانے کے بعد دوبارہ تعمیر کیا۔

[2] عبیداللہ بن حر جعفی عثمانی العقیدہ تھا، لہٰذا وہ معاویہ کے پاس گیا اور جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے خلاف معاویہ کے لشکر میں شامل تھا۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۱۶۹ پر ہے کہ شریعت کے مقابلے میں اس کی سرکشی و بغاوت، لوگوں کے اموال غارت کرنے اور اس کے راہ زن ہونے کا ذکر کیا ہے۔

ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل: ج ۴، ص ۱۱۲ پر لکھا ہے: وہ ایک عرصہ تک شام میں مقیم رہا اور اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ چونکہ اس کا قیام وہاں پر طولانی ہوگیا تو اس کی بیوی کے بھائی نے اس کا نکاح عکرمہ بن خبیص سے کر دیا۔ جب عبیداللہ بن حر جعفی کو اس چیز کا پتا چلا تو اس نے امیرالمومنین حضرت علیؑ کے پاس عکرمہ کی شکایت کی۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا: ظَاهَرتَ عَلَینَا عَدُوَّنَا۔ "تو ہمارے دشمنوں کا طرف دار ہے؟" ابن حر نے کہا: کیا آپؑ کی عدالت میری شکایت کی جانچ پڑتال کرنے سے مانع ہے؟ حضرت علیؑ نے فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد امیرالمومنینؑ نے ابن حر کی بیوی عکرمہ سے واپس لی۔ جب کہ وہ حاملہ تھی اور اسے ایک امین شخص کے پاس رکھا تاکہ بچہ پیدا ہونے کے بعد وہ بچہ عکرمہ کو دے اور وہ عورت عبیداللہ بن حر کو لوٹا دے۔ عبیداللہ دوبارہ شام چلا گیا اور امیرالمومنین علی علیہ السلام کی شہادت واقع ہونے تک وہاں پر رہا۔

⇦

تمھیں اپنی مدد کرنے کی دعوت دی ہے، اگر تم ان کی معیت میں دشمن کے ساتھ جنگ کرو گے تو تمھیں اجروثواب ملے گا اور اگر قتل ہو جاؤ گے تو درجۂ شہادت پر فائز ہو جاؤ گے۔

عبیداللہ بن حُر جعفی نے کہا: خدا کی قسم! جب مَیں کوفہ سے نکل رہا تھا تو مَیں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ امام حسین علیہ السلام کے خلاف قیام کر چکے تھے، ان کے ساتھ جنگ کرنا اور ان کے شیعوں کو ذلیل وخوار کرنا چاہتے تھے۔ مَیں نے جب یہ ساری صورتِ حال دیکھی تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ قتل ہو جائیں گے، لہٰذا مَیں ان کی مدد نہیں کرنا چاہتا اور مَیں بالکل پسند نہیں کرتا کہ وہ مجھے دیکھیں یا میں انھیں دیکھوں۔(اخبار الطوال: ص ۲۴۹۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۰۵)

حجاج بن مسروق نے ابن حُر جعفی کا جواب امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرتؑ نے جب اس کا جواب سنا تو خود اُٹھے۔ اپنے خاندان اور اصحاب میں سے کچھ افراد کو اپنے ہمراہ لیا اور اس کے پاس گئے۔ اس کے خیمے میں داخل ہوئے اور اسے صدرِ محفل پر بٹھایا۔

ابن حُر کہتا ہے: میں نے ہرگز حسینؑ سے نیک تر کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی حسینؑ کے سوا کسی اور کے لیے اس قدر میرا دل تڑپا ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ وہ جس طرف جاتے بچوں نے انھیں گھیرے میں لے رکھا تھا۔ میری نگاہ ان کی ریش مبارک پر پڑی تو وہ بالکل سیاہ نظر آ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا: کیا یہ واقعی سیاہ ہے یا خضاب کر رکھی ہے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا: یَابنَ الحُرِّ عَجَّلَ عَلَیَّ الشَّیبُ، "میں جلدی

⇦ محمد بن حسن نے کتاب مبسوط: ج ۱، ص ۱۳۶ پر باب خوارج میں بھی داستان ذکر کی ہے لیکن عبیداللہ حُر کا نام ذکر نہیں کیا۔

عبیداللہ جعفی ۶۸ ہجری قمری میں عبدالملک کے زمانے میں شہر انبار کے نزدیک مارا گیا تھا اور کتاب انساب الاشراف: ج ۵، ص ۲۹۷ پر لکھا ہے کہ اس کا قاتل عبیداللہ بن عباس سلمی تھا۔

اخبار الطوال: ص ۲۸۹ پر لکھا ہے: جس وقت حضرت مختارؒ نے کربلا میں ظلم و بربریت کرنے والوں کے خلاف قیام کیا تو اسے بھی دعوت دی کہ خونِ امام حسینؑ کا بدلہ لینے کے لیے ان کی مدد کرے، مگر اس نے یہ دعوت قبول نہ کی۔ لہٰذا جناب مختار نے اس کا گھر گرا دیا، اَموال قبضے میں لے لیے اور اس کی بیوی کو کوفہ میں قید کر دیا۔

بوڑھا ہو گیا ہوں اور تُو جانتا ہے کہ یہ خضاب ہے"۔(خزانۃ الادب بغدادی: ج۱،ص ۲۹۸۔ انساب الاشراف: ج ۵،ص ۲۹۱)

جب مجلس تیار ہوگئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام پروردگار کی حمد وثنا بجا لائے اور فرمایا: اے ابن حر! تمہارے شہر کے لوگوں نے ہمارے نام دعوت نامے ارسال کیے کہ تمام لوگ ہماری مدد کرنے کو تیار ہیں اور انھوں نے درخواست کی کہ ہم ان کی طرف آئیں۔ لیکن اب وہ صورت حال نہیں ہے جو انھوں نے لکھی ہے۔(نفس المہموم: ص ۱۰۴)

تم بھی بہت زیادہ گناہوں کے مرتکب ہو چکے ہو، کیا تم توبہ کرنا چاہتے ہو کہ تمھارے گناہ معاف ہو جائیں۔

عبیداللہ نے کہا: میں کس طرح توبہ کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تَنصُرُ ابنَ بنتِ نَبِیِّکَ وَتُقَاتِلُ مَعَہُ "اپنے رسولؐ کی بیٹی کے فرزند کی مدد کرو اور ان کے ہم رکاب ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کرو"۔(اسرار الشہادۃ: ص ۲۳۳)

ابن حر نے کہا: خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ جو کوئی بھی آپؑ کے فرمان کی پیروی کرے گا وہ سعادت مند ہو گا لیکن مَیں یہ احتمال نہیں دیتا کہ میں آپؑ کے لیے مفید واقع ہو سکوں، کیوں کہ جب میں کوفہ سے نکلا تو مَیں نے ایک شخص بھی نہیں دیکھا جو آپؑ کی مدد کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، میں آپؑ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے اس کام سے معاف کر دیں۔ مَیں موت سے بے حد فرار کرتا ہوں، لیکن اپنا "ملحقہ" نامی گھوڑا آپؑ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ ایسا گھوڑا ہے کہ اس پر بیٹھ کر مَیں نے جس کا بھی پیچھا کیا ہے، اسے پکڑ لیا ہے اور جس نے میرا پیچھا کیا، میں اس کے چنگل سے نجات پا گیا ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَمَّا اِذَا رَغِبتَ بِنَفْسِكَ عَنَّا فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِي فَرَسِكَ وَلَا فِيكَ

"جب تُو جان قربان کرنے سے دریغ کر رہا ہے تو نہ تمھارے گھوڑے کی ضرورت ہے اور نہ ہی تمھاری"۔(اخبار الطوال: ص ۲۴۹)

وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا

''اور میں گمراہ لوگوں سے مدد نہیں لوں گا''۔(امالی شیخ صدوق: ص ۹۴، مجلس ۳۰)

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا: جس طرح تم نے ہمیں نصیحت کی ہے، ہم بھی تمھیں نصیحت کرتے ہیں، جہاں تک ہو سکے ہم سے دُور چلے جاؤ تا کہ صدائے مظلومیت اور ہماری فریاد نہ سُن سکو اور جو سلوک ہمارے ساتھ ہوگا اسے نہ دیکھ سکو۔ خدا کی قسم! اگر کوئی ہماری فریاد سنے اور ہماری مدد کرنے کے لیے نہ آئے تو خداوند قدوس اسے دوزخ میں سرنگوں کرے گا۔(خزانۃ الادب: ج ۱، ص ۲۹۸)

عبیداللہ بن حُر جعفی امام علیہ السلام کی نصیحت قبول نہ کر کے بہت پچھتایا اور اظہار افسوس کرتا رہا۔

یہ قصرِ مقاتل ہی کا مقام تھا کہ عَمرو بن قیس مشرقی اور اس کا چچازاد امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے اِن سے سوال کیا: کیا آپ لوگ ہماری مدد کرنے کے لیے آئے ہیں؟

انھوں نے جواب میں کہا: اَنَا کَثِیرُ العَیَالِ وَفِی اَیدِینَا بَضَائِعُ النَّاسِ، ''ہم کثیر العیال ہیں اور ہمارے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ آپؑ کا انجام کیا ہوگا اور ہم لوگوں کی امانتیں ضائع نہیں کرنا چاہتے''۔

حضرتؑ نے فرمایا: (اگر ایسی بات ہے تو) اس منطقہ سے اس قدر دُور چلے جاؤ کہ ہماری صدائے استغاثہ نہ سن سکو کیوں کہ جو کوئی بھی ہماری صدائے استغاثہ سنے، ہمارے لشکر کی سیاہی دیکھے اور ہماری مدد کو نہ آئے اور نہ ہی ہماری فریاد رسی کرے تو خداوند متعال پر واجب ہے کہ اسے جہنم میں اوندھے منہ پھینکے۔ [1]

---

[1] عقاب الاعمال، شیخ صدوق: ص ۳۵۔ رجال کشی، ص ۴۷۔ عبیداللہ جعفی، عَمرو بن قیس اور اس کے چچازاد کو امامؑ کی دعوت سے امر بالمعروف اور ارشاد جاہل کرنے کے علاوہ اس چیز کا استفادہ ہوتا ہے کہ امامؑ نے بتادیا ہے کہ ظلم کے خلاف قیام کرنا شرعی ذمہ داری ہے اور سب پر حجت تمام کردی کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ حسینؑ نے اپنی مدد کرنے کی دعوت نہیں دی۔

کاروانِ نور کی اٹھارویں منزل قری طف [1]

ابھی قصرِ بنی مقاتل ہی میں تھے کہ امام علیہ السلام نے رات کے آخری حصے میں حکم دیا کہ اپنے تمام برتن پانی سے بھر لیں اور روانگی کے لیے تیار ہو جائیں۔ رات کے اندھیرے میں چل رہے تھے کہ اچانک امام علیہ السلام کی آواز بلند ہوئی اور آپ مکرر فرما رہے تھے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت امام حسین علیہ السلام کے بڑے فرزند علی اکبرؑ نے کلمۂ استرجاع پڑھنے کی وجہ پوچھی تو امامؑ نے اپنے فرزند کے جواب میں فرمایا: میں نے اپنا سر گھوڑے کی زین پر رکھا ہوا تھا کہ مجھے تھوڑی سی اُونگھ آ گئی۔ اس دوران میں نے ایک سوار کو دیکھا کہ جو کہہ رہا تھا: اَلْقَوْمُ یَسِیْرُوْنَ وَالْمَنَایَا تَسْرِیْ اِلَیْهِمْ۔ "یہ کارواں جو رات کے اندھیرے میں چل رہا ہے موت اس کے پیچھے پیچھے ہے"، اس سے مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہمیں ہماری موت کی خبر دی ہے۔

حضرت علی اکبرؑ نے عرض کیا: لَا اَرَاكَ اللّٰهُ سُوْءًا اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ "خدا کرے آپؑ کو بدی کا سامنا نہ ہو، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم! کہ جس کی طرف تمام انسانوں کی برگشت ہے، ہم حق پر ہیں۔

حضرت علی اکبرؑ نے فرمایا: اِذَنْ لَا نُبَالِیْ اَنْ نَمُوْتَ مُحِقِّیْنَ "حق کے راستے میں موت سے ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے"۔

امام علیہ السلام نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور فرمایا: جَزَاكَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ خَیْرَ مَا جَزٰی وَلَدًا عَنْ وَالِدِهٖ "خداوند قدوس آپ کو بہترین جزا عطا کرے جو ایک باپ کی طرف سے اپنے بیٹے کے لیے ہوتی ہے"۔ [2]

---

[1] قریٰ قریہ کی جمع بہ معنی دیہات ہے کہ جو طف کے اطراف میں واقع تھے۔

[2] انساب الاشراف: ج ۳، ص ۱۸۵۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۰۶۔ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۲۸۲۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۲۶۔ صاحب لہوف نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ثعلبیہ میں پیش آیا تھا۔ مقتلِ خوارزمی نے لکھا ہے کہ ثعلبیہ میں ظہر کے وقت پیش آیا۔ کتاب مقتل العوالم میں ہے کہ مقام عذیب پر قیلولہ کی نیند میں ایسا ہوا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مسلسل اپنا سفر جاری رکھا۔ نمازِ صبح کے بعد نینویٰ پہنچے [1] تو وہاں پر ایک مسلح شخص کو دیکھا جو تیز رو گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ ابن زیاد کا ایلچی تھا کہ جو حُر ریاحی کے نام اس کا خط لے کر آیا تھا۔ اس خط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ یہ خط ملتے ہی حسینؑ پر سختی کردو اور انھیں ایسے بے آب و علف بیابان میں اُترنے پر مجبور کرو، جس میں کوئی پناہ گاہ نہ ہو۔

حُر ریاحی نے وہ خط امام حسین علیہ السلام کو پڑھ کر سنایا اور ساری صورتِ حال آپؑ کے سامنے رکھ دی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہمیں بیابانِ نینویٰ، یا غاضریات [2] یا شفیہ میں اُترنے دو۔

حُر نے کہا: مَیں آپؑ کی اس تجویز کو قبول نہیں کرسکتا کیوں کہ ابن زیاد نے اسی ایلچی کو میرے اُوپر جاسوس مقرر کردیا ہے کہ یہ میرے تمام کاموں کی رپورٹ اس کو دے اور مَیں اس پر مجبور ہوں کہ ان تمام احکامات پر عمل کروں۔ [3]

اس وقت زُہیر بن قین نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! موجودہ حالات میں اس تھوڑی تعداد کے ساتھ جنگ کرنا اُس وقت سے آسان تر ہے، جب ان کی افرادی قوت زیادہ

---

① نینویٰ، طف کے نواح میں واقع تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں علمی مرکز تھا، لیکن مورخین کے مطابق تیسری صدی کے اوائل تک اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔

② غاضریہ، بنی اسد کے قبیلۂ غاضرہ سے منسوب ہے، یہ کربلا سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں پر ایک قلعہ کے آثار ہیں کہ یہ قلعہ بنی اسد کے نام سے معروف ہے۔

③ ارشاد شیخ مفید: ص ۲۲۷۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۰۷۔ تاریخ طبری نے لکھا ہے کہ جب حُر ریاحی نے امامؑ کے سامنے خط پڑھا تو ابن زیاد کا ایلچی بھی وہاں پر موجود تھا۔ یزید بن زیاد بن مہاجر المعروف ابوشعثاء آگے بڑھے اور اس سے کہا: کیا تو مالک بن نُسیر بدّی نہیں ہے؟ اس نے کہا: ہاں! مَیں وہی ہوں (ان دونوں کا تعلق قبیلہ کندہ سے تھا)۔
یزید بن زیاد بن مہاجر نے اس سے کہا: ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ مَاذَا جِئْتَ فِيْهِ، "تمھاری ماں تمھارے غم میں بیٹھے۔ اس میں کیا لائے ہو؟" ابن زیاد کے ایلچی نے جواب دیا: مَاجِئْتُ فِيْهِ اَطَعْتُ اِمَامِيْ وَوَفَيْتُ بِبَيْعَتِيْ، "مَیں نے جو کچھ کہا ہے اپنے امام کے حکم کی اطاعت کی ہے (امام سے اس کی مراد ابن زیاد تھا)"۔ ⇦

ہو جائے گی۔ مجھے میری جان کی قسم! ان کی مدد کرنے کے لیے اس قدر لشکر آئیں گے کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ان کی تعداد ابھی کم ہے، لہٰذا اجازت دیں کہ ابھی جنگ شروع کریں اور ان کا کام تمام کر دیں۔

امام علیہ السلام نے ان کی تجویز کے جواب میں فرمایا: مَا كُنْتُ لِاَبْدَأَهُمْ بِالْقِتَالِ "میں ہرگز جنگ کا آغاز نہیں کروں گا"۔

جناب زُہیر بن قین نے دوبارہ تجویز دی اور عرض کیا: اب جب کہ ایسا ہے تو پھر آپؑ ہمیں شطِ فرات کے کنارے واقع اس قریہ میں لے چلیں جسے پانی نے تین طرف سے گھیرا ہوا ہے۔ اس کا خشکی کی طرف صرف ایک ہی راستہ ہے، تاکہ جنگ کی صورت میں ہمارے پاس پناہ گاہ ہو اور دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اس قریہ کا کیا نام ہے؟

جناب زُہیر نے عرض کیا: اسے عقر کہتے ہیں۔

حضرتؑ نے جب یہ کلمہ سنا تو اس کے شر سے خدا کی پناہ مانگی اور فرمایا: اَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْعَقْرِ

اس کے بعد امام علیہ السلام نے حُر ریاحی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بہتر ہے کہ تھوڑا سا اور آگے چلیں (اس سے آپؑ کی مراد یہ تھی کہ ٹھہرنے کے لیے کوئی مناسب جگہ منتخب کریں)۔

حُر ریاحی نے موافقت کی، دونوں قافلے آگے بڑھتے رہے۔ جب سرزمینِ کربلا پر پہنچے تو حُر اور اس کے ساتھی امامؑ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور انھیں فرات کی طرف جانے

⇦ ابوالشعثاء نے اس سے کہا: عَصَيْتَ رَبَّكَ وَاَطَعْتَ اِمَامَكَ فِي هَلَاكِ نَفْسِكَ، كَسَبْتَ الْعَارَ وَالنَّارَ، قَالَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ، وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ۔ "تو نے اپنے رب کی معصیت کی اور اپنے امیر کی اطاعت کی، اپنے نفس کی ہلاکت میں تُو نے عار و نار کمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور ہم نے ان میں سے ائمہ بنائے جو جہنم کی دعوت دیتے ہیں اور قیامت کے دن اُن کی مدد بھی نہ کریں گے"۔

جناب شیخ مفیدؒ نے ارشاد: ص ۲۲۷ اور علامہ مجلسیؒ نے بحار: ج ۴۴، ص ۳۸۰ پر اس کا اضافہ کیا ہے: وَبِئْسَ الْاِمَامُ اِمَامُكَ وَاِمَامُكَ مِنْهُمْ، "تمھارا امام کتنا برا امام ہے اور تمھارا امام انھی میں سے ہے"۔

سے روکتے ہوئے کہا: یہاں سے آگے دریائے فرات ہے اور اس کے نزدیک جانا ممنوع ہے۔

بعض نے لکھا ہے کہ چلتے چلتے اچانک امام علیہ السلام کی سواری رُک گئی اور آگے نہ بڑھی۔ بالکل ناقۂ پیغمبرؐ کے مانند، کہ جسے خدائے متعال نے حدیبیہ میں روکا تھا۔ (بحارالانوار: ج۲، ص۳۲۹۔ مجمع البیان سے منقول ذیل آیہ: اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، سورۂ فتح: آیت ۱۸)

اس وقت امام علیہ السلام نے پوچھا: اس سرزمین کا نام کیا ہے؟

زُہیر نے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: راستہ مشتبہ نہیں ہے، اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے تا کہ خدا کی طرف سے کوئی آسانی ہوجائے۔ اس کے بعد مزید کہا کہ اس سرزمین کو طف کہتے ہیں۔

امام عالی مقامؑ نے پوچھا: کیا اس سرزمین کا اور بھی کوئی نام ہے؟

جنابِ زُہیر نے عرض کیا: اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔

امام علیہ السلام کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَعُوذُبِكَ مِنَ الْكَرْبِ وَالْبَلَاءِ "خدایا! میں اندوہ وغم اور بلا ومصیبت سے تیری پناہ مانگتا ہوں"۔

یہی ہمارے اُترنے کی جگہ ہے۔ اسی مقام پر ہی ہمارا خون بہایا جائے گا اور اسی جگہ پر ہماری قبریں بنیں گی۔ یہ وہ حدیث ہے جو میں نے رسولِ خدا سے سُنی ہے۔

□□□

کاروانِ نُور کی آخری منزل کربلا

کربلا کربلا اُجالا ہے
خون نے روشنی کو پالا ہے

کربلا میں وُرُود

فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے دو محرم ۶۱ ہجری کو سرزمین کربلا میں وُرُود فرمایا تھوڑے سے توقف کے بعد آپؑ نے اپنے بیٹوں، بھائیوں اور خاندان کے دوسرے افراد کو جمع کیا۔ اُن پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ یہ گفتگو فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا عِتْرَۃُ نَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَدْ اُخْرِجْنَا وَطُرِدْنَا وَاُزْعِجْنَا عَنْ حَرَمِ جَدِّنَا وَتَعَدَّتْ بَنُو اُمَیَّۃَ عَلَیْنَا ، اَللّٰھُمَّ فَخُذْ لَنَا بِحَقِّنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ

"خداوندا! ہم تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں، ہمیں اپنے جد کے حرمِ مبارک سے باہر نکال دیا گیا۔ خداوندا! بنواُمیہ نے ہم پر ظلم و تعدی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہمارا حق اُن سے وصول کر اور ہمیں اُن ظالموں پر فتح عطا فرما"۔

امام علیہ السلام کا اپنے اصحاب سے خطاب

پھر آپؑ نے اپنے اصحاب سے یوں خطاب فرمایا:

اَلنَّاسُ عَبِیْدُ الدُّنْیَا ، وَالدِّیْنُ لَعِقٌ عَلٰی اَلْسِنَتِھِمْ یَحُوطُونَہٗ مَا دَرَّتْ مَعَایِشُھُمْ فَاِذَا مُحِّصُوا بِالْبَلَاءِ قَلَّ الدَّیَّانُوْنَ

"لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں پر رہتا ہے۔ یہ

بس اس وقت تک دین کے حامی ہیں جب تک ان کی زندگی آرام و آسائش سے گزرے اور جب امتحان میں ڈالے جائیں تو یہ بہت کم دین دار رہ جاتے ہیں"۔

بعدازیں آپؑ نے خداوند تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجا اور پھر حسبِ ذیل خطبہ دیا۔

سرزمینِ کربلا پر امام علیہ السلام کا پہلا خطبہ

اَمَّا بَعدُ! فَقَد نَزَلَ بِنَا مِنَ الاَمرِ مَا قَدْ تَرَونَ وَاَنَّ الدُّنيا قَدْ تَغَيَّرَت وَ تَنَكَّرَت وَ أَدبَرَ مَعرُوفُهَا وَلَمْ يَبقَ مِنهَا الاَصَابَة كَصُبَابَةِ الاِنَاءِ وَخَسِيسُ عَيْشٍ كَالمَرعَى الوَبِيلِ اَلَا تَرَونَ اِلَى الحَقِّ لَا يُعمَلُ بِهِ وَاِلَى البَاطِلِ لَا يُتَنَاهى عَنهُ لِيَرغَبَ المُؤمِنُ فِي لِقَاءِ اللهِ مُحِقًّا فَاِنِّي لَا اَرَى المَوتَ اِلَّا سَعَادَةً وَالحَيَاةُ مَعَ الظَّالِمِينَ اِلَّا بَرَمًا

"امابعد! معاملات نے ہمارے ساتھ جو صورت اختیار کرلی ہے وہ آپؑ کے سامنے ہے۔ یقیناً! دنیا نے رنگ بدل لیا ہے اور بہت بُری شکل اختیار کرگئی ہے۔ اس کی بھلائیوں نے منہ پھیر لیا ہے اور نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اور اب اس میں اتنی اچھائیاں باقی رہ گئی ہیں جتنا (پینے کے بعد) کسی برتن کی تہہ میں باقی رہ جانے والا پانی (تلچھٹ)۔ اب زندگی ایسی ہی ذلت آمیز اور پست ہوگئی ہے جیسے کوئی ناپسندیدہ چراگاہ ہو۔ تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں کیا جارہا اور باطل سے دُوری اختیار نہیں کی جارہی ہے۔ مومن کے لیے ضروری ہے کہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے لیے جان ودل سے راغب ہو۔ تحقیق! میری نظر میں موت خوش بختی اور سعادت ہے اور ظالموں کے ساتھ زندگی ذلت وخواری کے سوا کچھ نہیں ہے"۔

زُہیر کا خطاب

جونہی سید الشہداؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خطاب ختم پذیر ہوا تو جناب زُہیر بن قین کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

"اے فرزند رسولؐ! جو کچھ آپؑ نے بیان فرمایا ہم نے سنا، اگر یہ دنیا اپنے رہنے والے انسانوں پر ہمیشہ باقی رہ جائے اور ہمیں اختیار دے دیا جائے کہ ہم اس دنیا میں ہمیشہ باقی رہ جائیں یا آپؑ کے ہم رکاب ہوں تو ہم ہر صورت آپؑ کی ہمراہی ہی کو ترجیح دیں گے"۔

آپؑ کے ساتھ جینا مرنا ہو
بندگانی بھی ہماری ہے

جناب بُریر کی گفتگو

"اے فرزند رسولؐ! آپؑ کے توسط سے اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا۔ اس ذات نے ہمیں توفیق دی کہ ہم آپؑ کی رکاب میں رہ کر آپؑ کے دشمنوں سے جنگ کریں۔ ہم اس امر پر آمادہ ہیں کہ اس راستے میں ہمارے اعضا و جوارح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اس قربانی کے عوض ہم قیامت کے دن آپؑ کے نانا کی شفاعت حاصل کریں"۔ (لہوف: ص ۴۴)

نافع بن ہلال کا خطاب

جناب بُریر کی گفتگو کے بعد جناب نافع بن ہلال کھڑے ہوئے اور سید الشہداؑ کی خدمت میں عرض کیا:

"اے فرزند رسولؐ! آپؑ کے جدِ نامدار پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ اپنی اُمت کے ہر فرد کو اپنے قرب کا شربت شیریں جام پلاتے اور ہر فرد ان کی محبت کا گرویدہ ہو جاتا کیونکہ بعد ایسے لوگ موجود تھے جنھوں نے منافقانہ چال اختیار کر رکھی تھی۔ ظاہری صورت میں اپنی

نصرت کے دعوے کرتے تھے اور دل میں آپؑ سے بغض وعناد رکھتے تھے۔ ظاہراً انھیں شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے لیکن اپنے باطن میں حنظل سے تلخ تر جانتے تھے۔ اُن کے ساتھ لوگوں کا یہی سلوک رہا۔ آخرکار وہ اپنے خالق سے جاملے۔ آپؑ کے والد گرامی کے ساتھ لوگوں نے وہی سلوک کیا جو آپؑ کے جدِ نامدار کے ساتھ کیا تھا۔ ایک گروہ نے ان کے ساتھ نصرت و امداد کا وعدہ کر رکھا تھا۔ ان لوگوں نے آپؑ سے ہم رکاب ہوکر ناکثین، قاسطین، مارقین سے جنگ کی۔ انجامِ کار وہ بھی اس دنیا سے چلے گئے اور بارگاہِ خداوندی میں جا پہنچے۔ آج آپؑ کی ذاتِ گرامی ہمارے درمیان میں ہے۔ آپؑ کے ساتھ بھی وہی سلوک ہو رہا ہے جو آپؑ کے جدِ نامدار اور والد حیدرِ کرّار کے ساتھ کیا گیا تھا۔ جس کسی نے آپؑ سے عہد کیا اور پھر اپنے عہد کو نہ نبھایا تو اُس نے اپنا ہی نقصان کیا۔ خداوند تعالیٰ ایسے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ آپؑ کا راستہ ہدایت و سعادت کا راستہ ہے۔ آپؑ ہماری جانوں کے مالک ہیں۔ ہمیں جدھر چاہیں لے جائیں، چاہے مشرق کی طرف لے جائیں یا مغرب کی طرف۔ بخدا! جو کچھ اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے ہمیں اس سے کوئی خوف نہیں ہے۔ ہم اس عقیدہ پر قائم ہیں کہ ہم موت سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ ہم آپؑ کے دوستوں کے دوست اور آپؑ کے دشمنوں کے دشمن ہیں''۔ (مقتل العوالم: ص ۷۶)

بِأَبِي مَنْ شَرَوْا لِقَاءَ الْحُسَيْنِ بِفِرَاقِ النُّفُوسِ وَالْأَرْوَاحِ
وَقَفُوا يَدْرَؤُنَ سُمْرَ الْعَوَالِي عَنْهُ وَالنَّبْلَ وَقْفَةَ الْأَشْبَاحِ

''میرے والدین ان مجاہد و مبارز جوانوں پر قربان جائیں جنھوں نے فرزندِ رسولؐ پر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ وہ فرزندِ رسول اللہؐ کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو گئے اور انھوں نے نیزوں اور تیروں کو اپنے سینے پر لیا

اور ان کی محافظت کی"۔

اس وقت جہاں سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر شریف ہے آپؑ نے یہ زمین نینوی اور غاضریہ کے لوگوں سے ساٹھ ہزار درہم میں خریدی اور پھر یہ زمین انھی لوگوں کو اس شرط پر ہبہ کردی کہ وہ ان کی قبر اطہر کے زائرین کی رہنمائی کریں گے اور تین دن تک ان کے لیے ضیافت کا اہتمام کریں گے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو زمین خریدی، وہ چار مربع میل تھی۔ یہ سرزمین بابرکت سرزمین ہے۔ سید الشہداءؑ کی اولاد اور دوستوں کا اس سرزمین سے استفادہ کرنا حلال ہے۔ اغیار اور دشمنوں کا اس سے استفادہ کرنا حرام ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: اَنَّهُمْ لَمْ يَفُوا بِالشَّرْطِ "زمین بیچنے والوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شرط پر عمل نہیں کیا تھا"۔

سید الشہداءؑ کا حضرت محمد حنفیہؒ اور بنوہاشم کی طرف خط

أَمَّا بَعْدُ! فَكَأَنَّ الدُّنْيَا لَمْ تَكُنْ، وَكَأَنَّ الْآخِرَةَ لَمْ تَزَلْ، وَالسَّلَامُ

"گویا یہ دنیا تھی ہی نہیں اور آخرت ہی سب کچھ ہے جسے زوال نہیں"۔

والسلام![1]

---

[1] جناب ابن قولویہ نے کامل الزیارت کے صفحہ ۷۵ پر یہ خط یوں نقل کیا ہے: یہ حسینؑ ابن علیؑ کا محمد بن علی اور بنوہاشم کے نام خط!

"گویا یہ دنیا وجود ہی نہیں رکھتی یعنی جلد گزر جانے والی ہے اور آخرت کو ہمیشگی اور پائیداری حاصل ہے۔ یعنی وہ چیز جسے فنا ہونا ہے جس کے مقدر میں زوال ہے تو عقل مند انسان ایسی چیز کی طرف نہیں جاتا جو فنا کے ہاتھوں تباہ ہونے والی ہو۔ انسان عاقل اس چیز کو اپناتا ہے جو جاودانہ ہوتی ہے"۔

اسی بنا پر دنیاوی رہبروں کو یہ جاننا چاہیے کہ تمام لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ زندگی عارضی ہے اس سے ضرورت کے مطابق استفادہ کریں۔

ابوالفرج نے اپنی کتاب اغانی کی جلد ۸، ص ۱۵۱ پر لکھا ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز کو حکومت ملی تو حسن بصری نے یہی فرمان اس کے لیے لکھا۔ ⇐

امام عالی مقامؑ کا ابن زیاد کے خط کا جواب

جب حر ظلمی نے ابن زیاد کو خط پیش کیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سرزمین کربلا میں تشریف فرما ہیں تو اُس نے امام علیہ السلام کی طرف خط لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

اما بعد! اے (امام) حسینؑ! مجھے معلوم ہے کہ تم سرزمین کربلا میں وارد ہو چکے ہو۔ امیر المومنین یزید (لعین) نے میری طرف خط لکھا ہے جس میں اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس وقت تک اپنا سر تکیہ پر نہ رکھوں اور نہ سیر ہو کر کھانا کھاؤں جب تک تمہیں قتل نہ کردوں مگر یہ کہ تم میرا حکم تسلیم کرو اور یزید (لعین) کی اطاعت کرلو"۔ والسلام!

مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے ابن زیاد کا خط پڑھا تو اس کے خط کو دُور پھینک دیا اور فرمایا:

لَا اَفْلَحَ قَوْمٌ اِشْتَرَوْا مَرْضَاتِ الْمَخْلُوْقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ

"ایسی قوم کبھی فلاح و کامیابی نہیں حاصل کر سکتی جس نے خوشنودی خالق پر مخلوق کی خوشنودی کو مقدم کر رکھا ہو"۔

ابن زیاد کے ایلچی نے خط کے جواب کا مطالبہ کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

مَا لَهُ عِنْدِی جَوَابٌ لِاَنَّهُ حَقَّتْ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ

"میرے پاس ابن زیاد کے خط کا کوئی جواب نہیں ہے کیونکہ اس پر اللہ کا عذاب واجب ہو چکا ہے"۔

جس وقت ابن زیاد کا ایلچی اس کے پاس واپس پہنچا اور صورتِ حال بیان کی تو اس کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ اور اُس نے عمر ابن سعد کو اپنے ہاں بلوایا کیونکہ وہ اُسے

⇦ مروج الذھب میں ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز ابو حازم سے نصیحت کی درخواست کرتا تو وہ یہی الفاظ اس کے لیے تحریر کرتا لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ الفاظ سرچشمۂ ولایت اور خاندانِ وحی سے جاری ہوئے ہیں۔ لوگوں نے انھیں اپنی طرف نسبت دینے کی لاحاصل کوشش کی۔ ان لوگوں نے سید الشہداؑ کا نام لینا ہی گوارا نہ کیا کہ یہ ان کا فرمان ہے، ایسے لوگوں نے امامؑ کے حق میں ظلم کیا ہے۔

ریاست رَے کا پروانہ دے چکا تھا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۰۸،۹)

مورخین کے مطابق ابن زیاد عمر بن سعد کو اس امر سے قبل حکم دے چکا تھا کہ وہ دیلموں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے دستبی ① کی طرف جائے۔ فوراً اپنے پاس بلایا کہ وہ حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے کربلا کی طرف کوچ کرے۔

عمر ابن سعد نے ابن زیاد سے کہا کہ وہ اُسے اس ماموریت سے دُور رکھے۔ ابن زیاد نے اس وقت تو عمر بن سعد کی بات مان لی لیکن اُسے یہ بھی کہا کہ وہ ریاست رَے کا پروانہ واپس کرے۔

عمر ابن سعد نے ابن زیاد سے ایک رات کی مہلت مانگی۔ جب عمر ابن سعد واپس گھر آیا تو اُس نے اپنے گھر والوں اور دوستوں سے مشورہ کیا کہ اب وہ کیا کرے۔ اس کے تمام ساتھیوں نے اُسے حضرت امام حسینؑ سے جنگ کرنے سے منع کیا۔ حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ جو اس کا خالہ زاد بھائی تھا، اُس نے اُسے کہا: میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تو یہ کام مت کر؛ ورنہ تو معصیت خداوندی اور قطع رحم میں مبتلا ہو جائے گا۔

خدا کی قسم! اگر تمام دنیا اور اس کی حکومت تیرے پاس ہو اور تجھ سے اس کی واپسی کا کہا جائے یہ تیرے لیے اس سے بہتر ہے کہ تُو فرزند رسولؐ کے خون سے اپنے دامن کو آلودہ کرے۔

ابن زیاد نے عمر سعد کو مہلت دی تا کہ وہ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے۔ جب رات چھا گئی تو عمر سعد سو نہ سکا اور ساری رات اِسی فکر میں گم رہا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ کبھی وہ خاموش ہو جاتا اور کبھی یہ اشعار اپنی زبان پر لاتا۔

أَأَتْرُكُ الرَّيَّ وَالرَّيُّ رَغْبَتِي   أَم أَرجِعُ مَذمُومًا بِقَتلِ الحُسَيْنِ

وَفِي قَتلِهِ النَّارَ الَّتِي لَيسَ دُونَهَا   حِجَابٌ وَمَلَكٌ الرَّيِّ قُرَّةُ عَينِي

"کیا میں رَے کی ولایت کو ترک کر دوں حالانکہ رَے کی حکومت میری زندگی ہے اور میری کائنات ہے یا پھر فرزند رسولؐ کو قتل کروں اور قیامت تک کی ذلت و رُسوائی اپنا مقدر بنا لوں۔ مجھے معلوم ہے کہ حضرت

---

① ہمدان اور رَے کا درمیانی علاقہ۔

امام حسینؓ کے قتل کا انجام ابدی جہنم ہے لیکن ملک رَے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔

جب صبح ہوئی تو ابن سعد دربار ابن زیاد میں پہنچا اور اُسے کہا: تُو نے مجھے رَے کی حکومت عطا کی ہے۔ اس امر سے سبھی لوگ آگاہ ہیں لہٰذا مجھے رَے کی طرف بھیج دے اور حسینؓ ابن علیؓ کی طرف کسی اور کو بھیج دیجیے۔ اس نے کوفہ کے کچھ اشراف کا نام لیا۔

ابن زیاد نے اس سے کہا: اگر تجھے ملک رَے کی خواہش ہے تو پھر تجھے حسینؓ ابن علیؓ سے جنگ کرنا پڑے گی بصورتِ دیگر ملک رَے کا پروانہ واپس کرنا پڑے گا۔

جب ابن سعد نے ابن زیاد کا قطعی فیصلہ سنا تو کہا: اُسے حسینؓ ابن علیؓ سے جنگ کرنے کا حکم قبول ہے۔

ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کے لیے عمر ابن سعد چار ہزار کا لشکر لے کر کربلا پہنچا اور حُر کے لشکر کے ساتھ آملا۔ ① اُس نے عزرہ بن قیس احمسی سے کہا کہ وہ حضرت امام حسینؓ کے پاس جائے اور ان سے پوچھے کہ اُن کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ چونکہ ابن قیس کا تعلق کوفہ سے تھا اور وہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جنھوں نے حضرت امام حسینؓ کو خطوط لکھے تھے۔ اس نے عمر سعد کو اس ماموریت پر معذرت پیش کی کہ وہ اس کام کے لیے نہیں جاسکتا۔ اس مجلس میں کثیر بن عبداللہ شعبی بھی موجود تھا۔ وہ ایک درندہ صفت، خون آشام اور بے حیا

---

① عمر بن سعد کو چار ہزار نفر کی امارت سپرد کی گئی تھی۔ وہ تین محرم کو وارد کربلا ہوا یعنی حضرت امام حسینؓ کے وُرود کربلا سے ایک دن بعد کربلا پہنچا۔ ابن جوزی نے اپنی کتاب صفوۃ الصفوہ، ج ۳، ص ۱۶۱ پر نقل کیا ہے کہ قبیلہ قواد سے تعلق رکھنے والا ابن زیاد کا ایک آدمی بصرہ میں اپنے گھر کی چھت سے گر پڑا۔ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ ابوقلابہ اس کی عیادت کے لیے آیا اور اُس سے کہا: ان شاء اللہ اس میں اچھائی ہے۔ جب ابوقلابہ اس سے روانہ ہوا تو اس شخص کے پاس ابن زیاد کا آدمی پہنچا کہ وہ حسینؓ ابن علیؓ سے جنگ کرنے کے لیے کربلا جائے۔ اُس نے ابن زیاد کے آدمی سے کہا: دیکھو میری تو یہ حالت ہے میں کیسے جنگ کے لیے جاسکتا ہوں۔ اُسے ایک ہفتے بعد معلوم ہوا کہ حسینؓ ابن علیؓ کو شہید کردیا گیا ہے۔ جب اس نے یہ خبر سنی تو اُس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی ٹانگوں کی شکستگی میں بھلائی تھی۔ اگر اس کی ٹانگیں سلامت ہوتیں تو اُسے میدانِ کربلا کی طرف ضرور جانا پڑتا۔

آدمی تھا۔ وہ کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ میں اس کام کے لیے جاتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو حسینؑ ابن علیؑ کا سر قلم کر کے تمھارے پاس لے آؤں گا۔

ابن سعد نے اُس سے کہا: ان سے صرف یہ پوچھو کہ وہ اس سرزمین پر کس مقصد کی خاطر آئے ہیں؟

جب کثیر بن عبداللہ کو ابوثمامہ صائدی نے حضرت امام حسینؑ کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اُسے پہچان لیا اور اُسے روک کر کہا کہ وہ اپنی تلوار اس کے حوالے کر دے اور بغیر اسلحہ کے حضرت امام حسینؑ سے ملاقات کرے لیکن اس نے اپنا اسلحہ دینے سے انکار کر دیا۔ جب ان دونوں میں بات بڑھی تو وہ امامؑ سے ملاقات کیے بغیر واپس چلا گیا۔

ابن سعد نے قُرہ بن قیس حنظلی سے کہا کہ وہ امامؑ کے پاس جائے اور ان کے یہاں آنے کا مقصد پوچھے۔ آخر کار قُرہ بارگاہِ امامت میں پہنچا اور اس نے امامؑ سے یہاں آنے کا مقصد پوچھا تو امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: تمہارے شہر کے لوگوں نے میری طرف دعوت نامے بھیجے ہیں اس لیے میں یہاں چلا آیا۔ اب اگر تم لوگ اپنی دعوت سے برگشتہ ہو چکے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

امام علیہ السلام کا فرمان سن کر قُرہ واپس آیا اور ابن سعد کو امام علیہ السلام کا پیغام دیا۔ ابن سعد نے امام علیہ السلام کا پیغام ابن زیاد کی طرف بھیج دیا۔ جب ابن سعد کا خط ابن زیاد کو ملا تو اُس نے ابن سعد کو جواباً کہا: حسینؑ ابن علیؑ سے کہو کہ وہ یزید کی بیعت کرے اگر وہ بیعت کر لے تو مجھے اطلاع دینا، پھر میں دیکھوں گا کہ اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۰)

یہ اور بات ہے کہ بیعت طلب نہیں کرتے
یزید آج بھی دُنیا میں پائے جاتے ہیں

ابن زیاد کا خطبہ

ابن زیاد نے لوگوں کو مسجدِ کوفہ میں جمع کیا اور اُن سے کہا:

"اے لوگو! تم لوگ خاندانِ ابوسفیان کو اچھی طرح سے جانتے ہو کہ وہ

خاندان کیسا ہے۔ جب بھی تم نے اُن سے کسی چیز کا مطالبہ کیا تو وہ چیز تم نے فوراً پالی۔ تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ امیرالمومنین یزید (ملعون) ایک خوش سیرت، باکردار، خوش رفتار، مہربان اور خدمت گار انسان ہے۔ اس نے تم پر اپنے خزانوں کا منہ کھول دیا ہے۔ دیکھیں ہر طرف امن ہی امن ہے۔ اس کے والد نے بھی اپنی زندگی میں خدمات کے حوالے سے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اب اس کا بیٹا یزید اسی کے مقام پر ہے۔ وہ لوگوں کا احترام کرتا ہے۔ اس نے تمھیں اتنا دیا ہے کہ اب تمھاری ضروریات پوری ہوگئی ہیں۔ وہ ہمیشہ تمھارے اموال میں اضافہ کرتا رہا ہے۔ اب اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھارے حقوق میں اضافہ کروں اور تمھیں اس کے دشمن حسینؑ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے آمادہ کروں۔ میری بات کو سنو اور تعمیل کرو"۔ ①

---

① عبیداللہ ابن زیاد نے جوں ہی کوفہ میں قدم رکھا اپنی حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے لوگوں میں خوف و ہراس کی فضا پیدا کی تاکہ لوگ خوف زدہ ہوں اور ان میں انتشار پیدا ہوجائے اور نتیجتاً اس کی حکومت مستحکم ہو تو اُس نے سب سے پہلے حریص اور طمع پرور لوگوں کو زر و جواہر کا لالچ دیا اور عوام میں خوف پیدا کیا تاکہ لوگ جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کو تنہا چھوڑ دیں۔ اس نے حکم دیا کہ کوفہ کے تمام راستوں کو بند کردیا جائے اور ہر آنے جانے والے پر نظر رکھی جائے۔ تمام مشکوک افراد کو جو مسلمؑ بن عقیلؑ یا حسینؑ ابن علیؑ کے طرف دار نظر آئیں، انھیں گرفتار کرلیا جائے اور انھیں پسِ زندان بھیج دیا جائے اور وہاں اُنھیں سخت سزائیں دی جائیں۔ ابن زیاد نے عمومی زندانوں کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں خصوصی زندان درست کروائے تاکہ اپنے مخالفین کو وہاں بند کر کے سزائیں دی جاسکیں۔ اس تمام قید و بند کا مقصد صرف اور صرف یزید کی حکومت کو مستحکم کرنا تھا۔

ابن زیاد نے حکومت کی طرف سے واعظ و خطیب مقرر کیے تاکہ وہ جمعہ کے خطبات میں عوام میں حکومت کی ہمدردیاں پیدا کریں اور یزید جیسے فاسق و فاجر اور فاسد انسان کو ایک خالص، مخلص اور خیر خواہ انسان کی صورت میں پیش کریں۔

کیسے کیسے خبیث لوگ ہوئے — تم سبق لو تو عبرتیں ہیں بہت
واعظو! سوچ کر زبان کھولو — اہلِ باطل کی سازشیں ہیں بہت

خطبے کے اختتام پر وہ منبر سے نیچے آیا اور لوگوں میں درہم و دینار کی تقسیم شروع کر دی۔ بعدازیں نخیلہ ① کی طرف حرکت کی۔ اس نے نخیلہ کو لشکرگاہ کے طور پر منتخب کیا اور وہاں اس نے حصین بن نمیر تمیمی، حجار بن ابجر، شمر بن ذی الجوشن اور شبث بن ربعی کو طلب کیا تا کہ انھیں عمر ابن سعد کی نصرت کے لیے بھیجا جائے۔ شبث بن ربعی نے ابن زیاد کے آدمی سے کہا کہ وہ بیمار ہے اس لیے وہ آنے سے قاصر ہے۔(اخبار الطوال: ص ۲۵۳)

ابن زیاد نے اس کی طرف دوبارہ اپنا کارندہ بھیجا کہ اس نے بیماری کا بہانہ بنایا ہوا ہے اور حقیقت میں بیمار نہیں ہے۔ مجھے خوف ہے کہ تمھارا شمار ان لوگوں میں نہ ہو کہ ”جب وہ مومنین سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب وہ اپنے شیاطین سے خلوت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ساتھ ہیں۔ ہم نے ان سے مسخرہ کیا ہے“۔ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں کہ اگر تُو ہمارا دوست ہے تو فوراً حاضر ہو۔ جب ہر طرف رات کی تاریکی پھیل گئی تو اس تاریکی میں شبث، ابن زیاد کے دربار میں حاضر ہوا تا کہ ابن زیاد اس کے تروتازہ چہرے کو نہ دیکھ سکے اور آخرکار اس نے بھی ابن زیاد کی اطاعت قبول کر لی۔

ابن زیاد نے زجر بن قیس جعفی کو پانچ سو کا مسلح لشکر دیا کہ وہ کوفہ اور کربلا کے راستوں کو بند کر دے تا کہ کوئی آدمی حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت کے لیے نہ جا سکے۔ زجر بن قیس نے ابن زیاد کے کہنے پر ہر طرف ناکہ بندی کر دی۔ اسی دوران میں عامر بن ابی سلامہ بن عبداللہ بن عرار دالانی امام علیہ السلام کی نصرت کے لیے کوفہ سے نکلا تو زجر بن قیس نے اُسے روکا کہ وہ آگے نہیں جا سکتا لیکن عامر ابن سلامہ نے اس کے حکم کی پروا نہ کی اور اس کے مسلح لشکر پر حملہ کر دیا اور اُسے منتشر کر کے اپنی راہ لی۔ یوں عامر کربلا پہنچے اور روزِ عاشور امام علیہ السلام کی نصرت کرتے ہوئے شہادت پائی۔

عامر بن سلامہ وہ تاریخی شخصیت ہیں کہ جنھوں نے حضرت امام علی علیہ السلام کے ہم رکاب

---

① ابن ثما نے اس مقام کو عباسیہ لکھا ہے۔ ہمارے زمانے میں اس مقام کا نام عباسیات ہے اور کوفہ سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔

ہو کر بھی منافقین و خوارج سے جنگیں کی تھیں۔ ①

حضرت امام حسین علیہ السلام اہلِ کوفہ کی نظر میں

اگر اہلِ کوفہ پر ابن زیاد کی حکومت کا دباؤ اور خوف نہ ہوتا تو اہلِ کوفہ ہرگز سیدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ نہ کرتے۔ اُس دور کی تاریخ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ جب ابن زیاد کوفہ وارد ہوا تو کوفیوں نے اس کی آمد کو ناپسند کیا اور اُس سے سخت نفرت کا اظہار کیا کیونکہ وہ رسولؐ اللہ کے فرزند (امام حسینؑ) کے فضائل سے خوب آگاہ تھے کہ رسولؐ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ وہ جنت کے سردار ہیں۔ ان کے والدِ گرامی امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اور ان کے برادر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہ انھیں اچھی طرح سے یاد تھا۔ اہلِ کوفہ کو وہ زمانہ بھی اچھی طرح سے یاد تھا جب اہلِ کوفہ قحط کا شکار ہوئے تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے والدِ گرامی کے حکم کی تعمیل میں اہلِ کوفہ کے لیے بارش کی دعا کی تھی جس سے اہلِ کوفہ نے قحط اور خشک سالی سے نجات پائی تھی۔

جنگِ صفین کے موقع پر جب دریا کے گھاٹ پر جناب امیر علیہ السلام کا قبضہ تھا تو جناب امیرؑ نے اپنے دشمنوں کو بھی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ بھی دریا کے گھاٹ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ حُر کی نسبت ان کے دلوں میں سیدالشہداؑ سے جو محبت پیدا ہوئی تھی وہ باقی تھی۔ حُر کا ایک ہزار کا لشکر صحرا میں شدت کی پیاس سے دوچار تھا۔ ان سخت ترین لحات میں بھی امام علیہ السلام نے سارے لشکر کو سیراب کیا تھا، صرف انسانوں کو نہیں بلکہ ان کی سواریوں کو بھی سیراب کیا تھا۔ (امام علیہ السلام کی اس کریمی کا یہ اثر ہوا کہ) جہاں اہلِ کوفہ بیٹھتے تھے وہاں پر فرزندِ رسولؐ کے اس کارنامے کا تذکرہ کرتے تھے۔

ان تمام اُمور کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہَوا و ہوس و طغیانِ نفس کا غلبہ نہ ہوتا، نیز حکومتی دباؤ نہ ہوتا تو کون بے حیا تھا، جو حسینؑ ابن علیؑ سے جنگ کرتا؟ ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ بہت سے لوگ جنھیں بہ جبر و اِکراہ کربلا میں لایا گیا تھا جب بھی اُنھیں فرار کا موقع ملا، وہ بھاگ نکلے تھے۔

---

① کتاب الاکلیل ہمدانی: ج ۱۰، ص ۱۰۱،۸۷۔ والان، ہمدان کا علاقہ ہے اور بنو مُراد وہاں کے رہنے والے تھے۔

جب یزیدی لشکر کی تعداد کم ہونے لگی اور اس امر کی اطلاع ابن زیاد تک پہنچی تو اس نے سوید بن عبدالرحمٰن منقری کو حکم دیا کہ وہ فوج کی تعداد کا حساب رکھے اور کوفہ کے تمام محلوں، کوچوں میں جائے اور اعلان کرائے کہ تمام لوگ اپنے گھروں سے باہر نکلیں اور امام علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لیے کربلا کا رُخ کریں اور جو شخص حکم کی تعمیل نہ کرے اُسے گرفتار کر کے دربار میں لایا جائے۔ انھی دنوں کچھ شامی لوگ میراث کے سلسلے میں کوفہ آئے ہوئے تھے، انھیں بھی گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لایا گیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے۔ اسی خوف وہراس کی وجہ سے لوگوں نے کوفہ چھوڑا اور فوج میں شامل ہو گئے اور کوفہ شہر مردوں سے خالی ہو گیا۔ (اخبار الطوال: ص ۲۵۳)

اہلِ کوفہ کی بے وفائی میں جبر کا ہاتھ کارفرما تھا
چھوڑتا ورنہ سبطِ احمدؐ کو شہرِ کوفہ میں کون ایسا تھا

لشکرِ یزید کی تعداد

عبیداللہ ابن زیاد نے اپنی فوج کے جو امیر مقرر کیے، ان کی تفصیل یہ ہے:

● شمر کے پاس چار ہزار نفر کی کمان تھی۔ ● یزید بن رکاب دو ہزار نفر پر مامور تھا۔ ● حصین بن نمیر تمیمی کے پاس چار ہزار فوجی تھے۔ ● شبث بن ربعی کی قیادت میں ایک ہزار نفر تھے۔ ● کعب بن طلحہ کو تین ہزار نفر کا سپاہ سالار مقرر کیا گیا۔ ● حجار بن ابجر کے پاس ایک ہزار نفر کا پرچم تھا۔ ● مضایر بن رھینہ تین ہزار نفر کا کمانڈر تھا۔ ● نصر بن حرشہ کے پاس دو ہزار فوجی تھے۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۱۵)

اس تعداد کے لحاظ سے عمر ابن سعد کے پاس ساتویں محرم کو بیس ہزار فوج تھی (مثیر الاحزان، لہوف)۔ کوفہ میں ابن زیاد نے فوج میں جو نئے لوگ بھرتی کیے وہ اس تعداد کے علاوہ تھے۔ اس اعداد وشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ یزیدی لشکر تیس ہزار نفر پر مشتمل تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے: جب حضرت امام حسن علیہ السلام کا وقتِ شہادت تھا، اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بھائی کے پاس موجود تھے۔ جب آپؑ نے اپنے مسموم بھائی کی حالت دیکھی تو رونے لگے۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے پوچھا: مَا یُبْكِیكَ

يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ؟ ''اے حسینؑ اگریہ کیوں کر رہے ہو؟''

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے برادر کے حضور عرض کیا: اس زہر کی وجہ سے جو آپؑ کو دی گئی ہے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے جو زہر دی گئی ہے، اس سے صرف میری شہادت ہونے والی ہے وَلٰکِن لَا یَوْمَ کَیَوْمِکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ؟ ''لیکن جو آپؑ پر گزرے گی اس کی کوئی مثال نہیں''۔ کیونکہ ہمارے نانا کی اُمت کے تیس ہزار نفر جو اسلام کے دعویدار بھی ہوں گے وہ بھی ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیں گے تاکہ آپؑ کو شہید کردیں۔ وہ آپؑ کے اہل وعیال کی قیدی بنالیں گے۔ آپؑ کے خیام کو لوٹ لیں گے۔ جب وہ ایسا کریں گے تو بنواُمیہ پر لعنت جائز ہوجائے گی۔ اس وقت آسمان سے خون کے قطرات کی بارش ہوگی۔ تمام موجودات حتیٰ کہ جنگلوں کے جانور اور دریاؤں کی مچھلیاں بھی آپؑ کی مظلومیت پر اشک ریزی کریں گے۔ ①

---

① امالی شیخ صدوق: ص ۹۴ پر یزیدی لشکر کے اُمراء کی تفصیل کچھ اس طرح نقل ہے: عمر بن سعد چار ہزار سوار، عبداللہ بن حصین تمیمی ایک ہزار سوار، شبث بن ربعی ایک ہزار سوار، محمد بن اشعث بن قیس کندی ایک ہزار سوار۔ ابن زیاد نے ان تمام امراء کو فوج کے ساتھ کربلا کی طرف روانہ کیا اور انھیں تاکید کی کہ وہ عمر سعد کی اطاعت کریں۔ جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ عمر ابن سعد حضرت امام حسینؑ سے صلح کر رہا ہے تو اس نے شمر کو چار ہزار سوار کا امیر بنا کر عمر بن سعد کی طرف بھیجا اور اس کی طرف خط لکھا۔ اِذَا اَتَاکَ کِتَابِیْ هٰذَا فَلَا تُمْهِلَنَّ الْحُسَیْنَ.... ''جب تجھے میرا خط ملے تو اس کے بعد حسینؑ ابن علیؑ کو کسی قسم کی مہلت نہ دینا اس پر دریا کا پانی بند کردینا۔ اس کے خیام میں کسی صورت میں پانی نہ پہنچنے دینا۔ جونہی یہ خط عمر ابن سعد کو ملا اس نے اعلان کردیا کہ ہم حسینؑ ابن علیؑ کو آج کے دن اور آنے والی شب کو مہلت دے رہے ہیں۔

تذکرۃ الخواص کے حاشیہ، ص ۲۲۲ کے مطابق روز عاشورا یزیدی فوج کی تعداد بیس ہزار سے ایک لاکھ تھی۔ صاحب تحفۃ الازھار نے فوج کی تعداد اسی ہزار نقل کی ہے۔ اسرار الشہادۃ، ص ۲۳۷ پر ہے کہ یزیدی لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار سوار اور کئی ہزار پیدل دستے تھے۔ صاحب تاریخ ابوالفدا نے ج ۲، ص ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ عمر سعد کے پاس چار ہزار نفر اور حُر کے پاس دو ہزار سپاہی تھے۔

بعض مورخین سے روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں کوفہ کی تعداد ۲۰ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔ اگر اس تعداد کو صحیح مانا جائے تو علامہ دربندی کی روایت صحیح نظر آتی ہے۔

دریائے فرات اور اس کا گھاٹ

عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دریا کے گھاٹ کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ ایک قطرۂ آب امام حسین علیہ السلام تک نہ جانے پائے۔ اس واقعہ کے بعد جب خیام میں پانی نہ رہا تو پانی کی ضرورت پڑی لیکن دریا کا گھاٹ یزیدی فوج کے قبضہ میں تھا۔ امام علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لیے بہت مشکل تھا کہ وہ دریا سے پانی لے آتے۔ جب اہلِ حرم کی پیاس بڑھی تو امام علیہ السلام نے بیلچہ لیا اور خواتین کے خیام کے پیچھے نو قدم کے فاصلے پر کنواں کھودا تو وہاں سے شیریں پانی کا چشمہ برآمد ہوا۔ اس پانی سے تمام افراد نے استفادہ کیا۔ بعدازیں وہ چشمہ غائب ہوگیا۔

ابن زیاد نے عمر سعد کی طرف خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسینؑ نے کنواں کھودا ہے۔ اس نے اپنے اور اپنے دوستوں کے لیے پانی کا بندوبست کرلیا ہے۔ لہٰذا تم اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھاؤ۔ جوں ہی میرا خط تمہیں ملے تو اُس کے کنواں کھودنے میں مانع ہو اور جس طرح ممکن ہو حسینؑ ابن علیؑ پر زندگی تنگ کر دو۔ جوں ہی یہ خط عمر ابن سعد کو ملا تو اُس نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے ساتھ دریائے فرات پر بھیجا تا کہ وہ خیامِ حسینؑ تک پانی نہ پہنچنے دے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۲۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۴۴۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۲)

سات محرم

سات محرم وہ دن ہے، جس دن عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ وہ دریا پر قبضہ کرلے اور کسی صورت میں قطرۂ آب خیامِ حسینؑ تک نہ پہنچنے پائے۔

سات محرم کو خیامِ حسینؑ میں پانی ختم ہوگیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لیے بہت مشکل تھا کہ وہ دریا پر جائیں اور اپنے خیام میں پانی لے آئیں۔ جب خیام میں پانی نہ رہا تو پیاس نے اہلِ حرم کو بے تاب کر دیا۔ ہر طرف سے بچوں کی العطش العطش کی دردناک صدائیں بلند ہونے لگیں۔ خیامِ حسینؑ میں ایک کہرام برپا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے خالی مشکیزوں کے پاس آتے، جب ان میں کچھ نہ پاتے تو مشکیزوں کے نیچے والی نم ناک

زمین پر اپنے شکم رکھ دیتے شاید کہ اس خنکی سے ان کے جگر میں ٹھنڈک پہنچے اور پیاس سے نجات ملے۔ فرزند رسولؐ اور ان کے غیور و بہادر اصحاب اس دل گداز و دل خراش منظر کو دیکھ رہے تھے لیکن ان کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ فوراً خیام تک پانی لائیں اور اہلِ حرم کی پیاس بجھائیں۔ کیونکہ ان کے اور پانی کے درمیان چمکتے نیزے اور خون آشام تلواریں لہرا رہی تھیں۔

لیکن جب ساقی اہلِ بیتؑ نے اہلِ حرم اور بچوں کی یہ حالت دیکھی تو برداشت نہ کر سکے۔ جب آپؑ کو پانی لانے کی اجازت ملی تو بیس پیادے اپنے ہمراہ لیے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک ایک مشک تھی۔ ان بہادروں کی نگاہ میں صرف ایک ہی بات تھی کہ چاہے جو کچھ ہو جائے خیامِ حسینؑ تک پانی لانا ہے۔ نہ انھیں تیروں کا خوف تھا، اور نہ ہی ننگی تلواروں کا، اسی عزم کے ساتھ وہ دریا پر پہنچے۔ جنابِ نافع بن ہلال آگے آگے تھے۔ ان کے ہاتھ میں علَم تھا۔ جب عمرو بن حجاج کی نظر ان پر پڑی تو چلّا کر بولا: کون ہو تم؟

جنابِ نافع نے فرمایا: میں دریا کے گھاٹ پر آیا ہوں کہ پانی پیوں کیونکہ تم ہمارے اور دریا کے درمیان حائل ہو چکے ہو۔ عمرو نے جواب دیا: جتنا چاہو پی سکتے ہو لیکن وَلَا تَحمِل اِلَی الحُسَینِ مِنهُ ''پانی امام حسینؑ تک نہ پہنچنے پائے''۔

جنابِ نافع نے کہا: لَا وَاللّٰهِ لَا اَشرَبُ مِنهُ قَطرَةً وَالحُسَینُ وَمَن مَعَهٗ مِن آلِهٖ وَصَحبِهٖ عُطَاشٰی ''خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ امام حسینؑ اور ان کے اہلِ حرم پیاسے ہیں''۔

اس دوران میں جنابِ نافع نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اِملَؤُوا أَسقِیَتَکُم ''وہ اپنے مشکیزے پانی سے بھر لیں''۔ اِدھر انھوں نے اپنے مشکیزوں میں پانی بھرنا شروع کر دیا اُدھر دشمن کی فوج نے حملہ کر دیا۔ یہ حسینی شہباز دو دستوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک دستہ پانی بھرنے لگا اور دوسرا دشمن کی فوج سے لڑنے لگا۔ حضرت عباسِ علَم دارِ حسینیؑ، جنھوں نے بہادری اور جنگ کا درس اپنے بابا جنابِ امام علیؑ سے لیا تھا۔ دشمن کی فوج پر ایسا حملہ کیا کہ وہ پراگندہ ہو کر رہ گئی اور کس کو جرأت تھی کہ وہ عباسِ علَم دارؑ کے سامنے آئے؟ آخرکار حسینیؑ شہبازوں کی

کوشش کامیاب ہوئی اور خیامِ حسینیؑ میں پانی آ گیا اور پیاسوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ ①

ذرا سوچیے جس مقام پر ۱۵۰ سے لے کر ۲۰۰ افراد تک رہ رہے ہوں جن میں عورتیں بھی ہوں، چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہوں، کیا یہ معمولی سی پانی کی مقدار اُن کی کفایت کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ حقیقت ہے کہ جب انسان شدت کی پیاس سے دوچار ہوتا ہے، جب اُسے ایک مرتبہ پانی دیا جائے تو تھوڑی دیر کے بعد اس کی تشنگی اور بڑھ جاتی ہے۔

وَ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ الْمُشْتَكٰى "اللہ اور اس کے رسولؐ کی بارگاہ میں ان ظالموں کے خلاف فریاد ہے"۔

عمر ابن سعد کا غرور و تکبر

فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے صحابی قرظہ انصاری کو عمر ابن سعد کے پاس بھیجا کہ رات کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان ایک دوسرے سے ملاقات کریں۔ اِدھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بیس افراد کے ساتھ میدان میں آئے اور اُدھر عمر ابن سعد بھی بیس آدمیوں کے سات میدان میں آیا۔ بوقتِ ملاقات حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے

---

① جنابِ صدوق نے اپنی امالی: مجلس ۳۰، ص ۹۵ پر نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت علی اکبرؑ کو تیس سوار اور بیس پیدل نفر کے ساتھ دریا پر بھیجا کہ وہ پانی لے آئیں۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۲، مقتلِ خوارزمی و مقتلِ محمد ابن ابی طالبؒ نے بھی یہی روایت کی ہے۔ شاید اسی روایت کی بنا پر کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ ساتویں محرم کو خیامِ حسینیؑ میں پانی لائے تھے۔ ذاکرین و واعظین نے روزِ ہفتم کو حضرت ابوالفضل العباسؑ کے ذکر کے ساتھ مختص کر دیا (البتہ ہندوپاک میں بعض مقامات پر چار محرم اور اکثر مقامات پر آٹھ اور نو محرم کو حضرت عباسؑ کا علم برآمد کیا جاتا ہے اور ذکرِ عباسؑ کیا جاتا ہے)۔

حضرت کا کامل اسمِ شریف ابوالفضل العباسؑ ہے۔ آپؑ کے اسمِ شریف کے عدد ۱۳۳ بنتے ہیں۔ یہ عدد بابُ الحسینؑ کے عدد کے مساوی ہیں۔ تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مجلس میں حضورِ قلب کے ساتھ ۱۳۳ مرتبہ اس ذکر کو زبان پر جاری کرے تو ہر صورت اس کی دعا قبول ہوگی۔ يَا كَاشِفَ الْكَرْبِ عَنْ وَجْهِ الْحُسَيْنِ اِكْشِفْ كَرْبِيْ بِحَقِّ اَخِيْكَ الْحُسَيْنِ

میرا ہر کام سنور جاتا ہے فوراً مظہر
جب بھی کہتا ہوں میں عباسؑ علیؑ اور کی

ساتھ صرف اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ اور اپنے فرزند حضرت علی اکبرؑ کو اپنے ساتھ رکھا۔ اُدھر عمر ابن سعد نے اپنے بیٹے حفص اور اپنے غلام کو اپنے ساتھ رکھا۔

جب فریقین کے درمیان ملاقات ہوئی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمر ابن سعد سے فرمایا: اے پسرِ سعد! کیا تُو مجھ جیسے مظلوم کی خون ریزی پر ڈٹ گیا ہے؟ خدا کی طرف تُو نے واپس جانا ہے۔ تجھے اس کا خوف نہیں ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ تُو میری نصرت کر اگر تُو نے میری نصرت کی تو یہ کام اللہ کے نزدیک عظیم کام ہے۔

عمر ابن سعد نے جواب میں کہا: اَخَافُ اَن تُھدَمَ دَارِی "اگر میں آپؑ کی مدد کروں تو میرا گھر ویران کر دیا جائے گا"۔

فرزند رسولؑ نے فرمایا: میں تیرا گھر بنوا دوں گا۔

عمر ابن سعد نے جواب دیا: میرا تمام مال حکومت اپنے قبضے میں لے لے گی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے تمام مالی نقصان کا اَزالہ کر دوں گا اور ملکِ حجاز میں تجھے اس مال سے بہتر مال عطا کروں گا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ فرزند رسولؑ نے فرمایا: مَیں تمہیں اپنا بُغَیبِغَہ نامی مزرع (قطعہ اراضی) عطا کروں گا۔ آپؑ کا یہ مزرع وسیع وعریض مزرع تھا جسؑ میں کھجور کے باغات تھے۔ معاویہ نے اپنی زندگی میں اس مزرع کو بھاری قیمت میں خریدنا چاہا تھا لیکن امام حسین علیہ السلام نے انکار کر دیا تھا۔ (تظلم الزہرا: ص ۱۰۳)

عمر ابن سعد نے کہا: کوفہ میں میری بیوی اور بچے ہیں مجھے خوف ہے کہ ابن زیاد انھیں کہیں قتل نہ کر دے۔ ①

جب حضرت امام حسین علیہ السلام عمر ابن سعد کی باتوں سے مایوس ہوئے تو آپؑ نے فرمایا: تجھے کیا ہو گیا ہے؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ بہت جلد تجھے اپنی خواب گاہ میں قتل کر دیا جائے گا۔ خداوند تعالیٰ تجھے ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ تجھے عراق کی گندم بھی بہت کم نصیب ہوگی۔

---

① مقتل خوارزمی: ج۱، ص ۲۴۵ پر ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: مَیں تیرے بچوں کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہوں۔ یہ سن کر ابن سعد خاموش ہو گیا۔

امام علیہ السلام کا فرمان سن کر عمر ابن سعد نے کہا: فِي الشَّعِيرِ كِفَايَةٌ "اگر عراق کی گندم میرے نصیب نہ ہوئی تو جَو پر اکتفا کرلوں گا"۔

ابن سعد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ناراض کر کے خدا کی ناراضگی مول لے لی اور جس مُلکِ رَے کے لیے اُس نے آلِ محمدؐ کا قتلِ عام کیا تھا، وہ مُلکِ رَے بھی اُسے نصیب نہ ہوا۔ جب وہ کربلا سے واپس کوفہ آیا اور ملکِ رَے کی طرف جانا چاہا تو ابن زیاد نے اُسے روک دیا اور اُسے کہا کہ وہ خط اُسے واپس کردے۔ ابن سعد نے ابن زیاد سے کہا کہ وہ خط گم ہوگیا ہے لیکن جب ابن زیاد نے سختی کی تو اُس نے کہا کہ وہ مَیں نے محفوظ کرلیا ہے تاکہ قریش کی عورتوں، بڑی اور بوڑھیوں کے سامنے یہ خط پڑھوں اور اُنھیں کہوں کہ وہ امام حسینؑ کے معاملے میں معذور و مجبور تھا۔

عمر ابن سعد نے ابن زیاد سے کہا: تیرے حکم کی تعمیل میں مَیں نے جو کچھ امام حسینؑ کے ساتھ کیا اگر میں یہ خدمت اپنے باپ سعد کی کرتا تو ہر اعتبار سے اس کے تمام حقوق جو مجھ پر واجب تھے وہ ادا ہوجاتے۔

اس وقت ابن زیاد کا بھائی عثمان بن زیاد موجود تھا۔ اس نے کہا: عمر ابن سعد نے سچ کہا ہے۔ اے کاش! قیامت تک زیاد کی نسل میں صرف اور صرف بیٹیاں ہوتیں، کوئی بیٹا نہ ہوتا اور حسینؑ قتل نہ ہوتے۔

جناب مختار ثقفیؓ نے اپنے دورِ حکومت میں سب سے پہلے عمر ابن سعد کو امان دی اور اُس نے کچھ عورتوں کو اُجرت دے کر عمر ابن سعد کے گھر کے دروازے پر بٹھایا اور اُنھیں کہا کہ وہ سید الشہداءؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت پر بلند آواز کے ساتھ گریہ کریں تاکہ راستہ چلنے والوں کو معلوم ہوجائے کہ اِس گھر کا مالک جوانانِ جنت کے سردار کا قاتل ہے۔

اس عمل سے عمر ابن سعد سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس کا آرام و سکون برباد ہوگیا۔ آخر جناب مختار ثقفیؓ کے دربار میں آیا اور کہا: ان عورتوں کو میرے گھر کے دروازے سے ہٹا دیا جائے۔

جناب مختارؓ نے جواب دیا: کیا امام حسینؑ کا اتنا حق بھی نہیں ہے کہ ان پر گریہ کیا جائے۔ (عقد الفرید: ج۴، ص ۲۰۵۔ خبر مختار ابن ابی عُبید)

یزید کی ہلاکت کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ عارضی طور پر کوفہ کی حکومت عمر ابن سعد کے حوالے کردی جائے اور بعد میں کسی مناسب آدمی کی طرف لوٹا دی جائے۔ اسی دوران میں قبیلہ ہمدان اور ربیعہ کی عورتوں کا ایک دستہ جامع مسجد میں آیا اور انھوں نے بلند آواز سے سیّدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ کیا اور کہا: یہ وہی عمر ابن سعد ہے جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔ کیا اس کے لیے یہ کافی نہیں کہ پھر اسی کو ہم پر مسلط کیا جارہا ہے۔

جب حاضرین نے یہ آواز سنی تو ان کی چیخیں نکل گئیں، وہ سب رونے لگے۔ البتہ (حکومتی) لوگ ابن سعد کو وہاں سے نکال کر باہر لے گئے۔

عمر ابن سعد کا ابن زیاد کے نام خط

عمر ابن سعد نے کچھ باتیں اپنی طرف سے گھڑلیں اور انھیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کردیا۔ اس خط کا متن یہ ہے، جو اُس نے ابن زیاد کی طرف بھیجا تھا:

> ''امابعد! اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے کہ اُس نے بھڑکتی ہوئی آگ کو خاموش کر دیا۔ ہمیں وحدت اور اتحاد عطا کردیا ہے اور اُمت کے معاملات کی اِصلاح کردی ہے۔ حسینؑ ابن علیؑ نے مجھ سے معاہدہ کرلیا ہے کہ وہ جہاں سے آیا ہے واپس چلا جائے گا یا پھر کسی دُور دراز سرحدی علاقے کی طرف چلا جائے گا اور عام مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کرے گا اور ان کے نفع ونقصان میں برابر کا شریک ہوگا یا یزید کے پاس جا کر اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دے گا اور یزید جو مناسب سمجھے گا وہی کرے گا۔ میری نظر میں اس میں آپ کی بھی خوشنودی ہے اور اُمت کی بھی بہتری ہے''۔

یہ ابن سعد کا کتنا بڑا جھوٹ اور حضرت امام حسین علیہ السلام پر کتنی بڑی تہمت ہے حالانکہ آپؑ کربلا میں اپنے اصحاب کو صبر وپایداری کی تلقین کررہے تھے کہ ہر صورت میں نہیں جھکنا۔ اِدھر ان کی طرف یہ الفاظ منسوب کرنا کہ وہ ابن زیاد اور یزید کو تسلیم کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ہر موڑ پر دنیا کو بتا دیا تھا کہ وہ کسی صورت میں ذلت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ کی نگاہ میں یزید کی بیعت ذلت تھی۔ آپؑ نے عمراطرف سے کہا تھا: وَاللّٰهِ لَا أُعطِيَ الدَّنِيَّةَ مِن نَفسِي اَبَدًا؟ "خدا کی قسم! مَیں کبھی بھی ذلت برداشت نہیں کر سکتا"۔

کیا آپؑ نے اپنے برادر محمد حنفیہؒ سے نہیں کہا تھا: "اے میرے بھائی! لَو لَم يَكُن مَلجَأ لَمَا بَايَعتُ يَزِيدَ "اگر مجھے اس دنیا میں کہیں بھی پناہ نہ ملے تو پھر بھی مَیں یزید کی بیعت نہیں کروں گا"۔

کیا آپؑ نے زرارہ بن سالم سے نہیں کہا تھا: "میں اچھی طرح جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اور میرے تمام اصحاب سوائے میرے فرزند علیؑ کے سب کے سب شہید ہوں گے"۔

آپؑ نے جعفر بن سلیمان ضبعی سے کہا تھا: "بنواُمیہ مجھے کسی صورت میں نہیں چھوڑیں گے حتیٰ کہ میرا جگر میرے بدن سے باہر کھینچ لیں گے"۔

اگر آپؑ کے روزِ عاشورا کے خطبے میں غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ آپؑ کسی صورت میں بھی یزید اور اُس کے حواریوں کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے تھے۔

روزِ عاشورا جب جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے تو اس وقت آپؑ نے یزیدی لشکر کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> اَلَا وَاِنَّ الدَّعِيَّ بنَ الدَّعِي قَد رَكَزَنِي بَينَ اثنَتَينِ : بَينَ السِّلَةِ وَالذِّلَّةِ، هَيهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةَ .....
>
> "اے لوگو! غفلت کو چھوڑو اور عقل سے کام لو۔ پست اور فرومایہ باپ کے پست اور رذیل بیٹے (ابن زیاد) نے مجھے دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے انتخاب پر مجبور کر دیا ہے یا تو تلوار اُٹھا لوں یا ذلت قبول کر لوں۔ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم ذلت قبول کریں۔ خداوند تعالیٰ، اس کا رسولؐ، پاک و پاکیزہ آغوشِ مادر، بلند و بالا اور عنتواں ناک اور غیور نفس،

قطعاً ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم عزت کی موت پر کمینوں کی اطاعت کو ترجیح دیں"۔

کیا عقبہ بن سمعان کا بیان تاریخ نے محفوظ نہیں کر رکھا؟ یہ اس کا بیان ہے جو مدینہ سے آپؑ کی شہادت تک آپؑ کے ہمراہ رہا ہے۔ وہ کہتا ہے: "میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پیش پیش رہا ہوں۔ مَیں کسی مقام پر ان سے جدا نہیں ہوا۔ آپؑ کی شہادت تک ان کے ہمراہ رہا اور جہاں پر بھی آپؑ نے گفتگو کی وہ مَیں نے سنی۔ مَیں نے اس طویل سفر میں آپؑ سے یہ کہیں نہیں سنا کہ آپؑ نے فرمایا ہو کہ مَیں یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا چاہتا ہوں اور اس کی بیعت کرنا چاہتا ہوں یا مجھے یہاں سے جانے دیا جائے تاکہ کسی سرحدی علاقے کی طرف چلا جاؤں اور وہاں جا کر زندگی بسر کروں بلکہ میں نے ان کی زبان سے یہ سنا کہ آپؑ فرما رہے تھے:

دَعُونِي أَذْهَبُ إِلَى هٰذِهِ الْأَرْضِ الْعَرِيضَةِ حَتّٰى نَنْظُرَ مَا يَصِيرُ أَمْرُ النَّاسِ

"مجھے یہاں سے جانے دیا جائے تاکہ اللہ کی وسیع زمین کی طرف چلا جاؤں اور دیکھوں کہ لوگوں کا ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے"۔[1]

شمر کی سرکشی اور رذالت

جس وقت عمر ابن سعد کا جھوٹا اور مصلحت آمیز خط ابن زیاد کے پاس پہنچا تو اُس نے اُسے پڑھا اور کہا: یہ خط ایک ناصح و شفیق آدمی کا خط ہے جو اپنی قوم پر مہربان ہے۔

ابن زیاد نے اس خط کا جواب لکھنے کے لیے کہا تو اسی اثنا میں شمر کھڑا ہو گیا اور کہا: کیا

---

[1] ان تمام شہادتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ عمر ابن سعد کے جھوٹے خط پر یقین کیا جائے۔ امام حسین علیہ السلام کے صبر و مقاومت اور پائیداری کو کون نہیں جانتا تھا کہ کیا ایسا مرد کامل یزید (جیسے فاسق و فاجر) کی بیعت کر سکتا تھا؟ کیا عمر سعد کا خط دروغ مصلحت آمیز کے علاوہ کوئی اور چیز ہو سکتا ہے کہ جس طرح تہذیب التہذیب: ج۲، ص ۲۵۳ پر مذکور ہے۔ عقبہ بن سمعان کا آخری جملہ کہ امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے کہ مَیں اللہ کی اس وسیع سرزمین کی طرف چلا جاؤں...... اتمام حجت کے لیے تھا تاکہ دشمن کے لیے عذر باقی نہ رہے۔

تُو نے حسینؑ ابن علیؑ کے ان کلمات کو قبول کر لیا ہے حالانکہ وہ اب تیری قلمرو اور تیری گرفت میں ہے۔ اگر وہ تیری حکومت کی حدود سے باہر چلا گیا تو وہ ہرگز تیری بیعت نہیں کرے گا۔ بعد ازیں وہ مضبوط و مستحکم ہو جائے گا اور تُو کمزور تر ہو جائے گا۔ ①

ابن زیاد نے شمر کی بات کو درست ٹھہرایا اور ابن سعد کی طرف یہ خط لکھا:

"اما بعد! میں نے تجھے حسینؑ کی طرف اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تو اس کی

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۵، شمر نے ابن زیاد سے جو گفتگو کی وہ محفوظ ہے۔ اس کی گفتگو کا ایک جملہ یہ ہے: یَنزِلُ عَلٰی حُکْمِكَ هُوَ وَأَصْحَابُهُ، اس وقت حسینؑ تیری گرفت میں ہے۔ اگر حسینؑ اور اس کے اصحاب تیری حکومت کو تسلیم کر لیں تو تمھیں اختیار ہے کہ فَاَنْتَ وَلِیُّ الْعُقُوْبَةِ اگر چاہو تو انھیں سزا دو اگر چاہو تو (کَانَ ذٰلِكَ لَكَ) انھیں معاف کر دو، کیونکہ تم صاحب امر ہو، سب کچھ تمھارے اختیار میں ہے۔ سزا و معافی سب کچھ کے مالک تم ہو۔

شمر لعین کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد اس کے نزدیک ولی مطلق تھا یعنی وہ لوگوں کی گردنوں کا مالک ہے اور سب کچھ وہی ہے باقی تمام لوگ ذرا حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ وہ صرف بھیڑیں ہیں جنھیں حاکم کے حکم پر ذبح ہوتا ہے۔ ایسے بے دینوں سے خدا کی پناہ۔

ابن کثیر نے کتاب البدایہ، ج ۸، ص ۱۸۸ پر نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے نانا رسولؐ خدا سے سن رکھا تھا کہ ایک کالے رنگ کا کتا میدانِ کربلا میں میرے اہل بیتؑ کی خون ریزی کرے گا۔ امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے اس وقت جب آپؑ نے شمر لعین کو مبروص حالت میں دیکھا تو فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یَتَوَلّٰی قَتْلِیْ "میرا قاتل یہ ہے"۔ ذہبی نے میزان الاعتدال: ج ۲، ص ۲۸۰ پر نقل کیا ہے کہ شمر حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں میں سے ہے جس وقت اس سے پوچھا گیا تھا کہ تُو نے حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے فرزند حضرت امام حسین علیہ السلام کو کیوں قتل کیا؟

اس نے جواب دیا: "حکومت کے لوگوں نے مجھے حکم دیا تھا، اس لیے میں نے ان کی اطاعت میں انھیں قتل کیا۔ اگر میں قتل سے انکار کرتا تو میرا انجام بدترین ہوتا"۔

شمر کے اس نظریہ کے بارے میں ذہبی نے کہا: اِنَّ هٰذَا الْعُذْرَ لَقَبِیْحٌ فَاِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ "شمر کا یہ عذر قبیح ترین عذاب ہے۔ اطاعت تو صرف نیک کاموں میں ہوتی ہے"۔ یہ وہ عذر ہے جو گناہ سے بھی بدتر ہے۔ بہت سے مامورین نے ایسے اُمور میں اس کی تقلید کرتے ہوئے کہا: اَلْمَامُوْرُ مَعْذُوْرٌ "مامور معذور ہوتا ہے"۔ حالانکہ ایسے لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ اطاعت صرف جائز کاموں میں ہوتی ہے، ناجائز کاموں میں اطاعت نہیں ہوتی۔ ایسے امر و مامور دونوں جہنم میں جائیں گے۔

حمایت کرے یا اس اہم ترین معاملے کو طول دے اور آج اور کل کی بات کرے یا اس کی عافیت کی آرزو کرے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تُو اس کی سفارش و شفاعت کرے۔ ہوشیاری اور ذمہ داری سے کام لیجیے۔ اگر حسینؑ اور اس کے اصحاب میری حکومت کو تسلیم کرلیں تو انھیں میری طرف بھیج دو۔ بصورتِ دیگر ان سے جنگ کرو اور انھیں قتل کردو۔ پھر ان کے اجسام کا مُثلہ کرو کیونکہ وہ اس سزا کے مستحق ہیں۔ جب حسین قتل ہوجائے تو اس کے لاشے کو گھوڑوں کے سُموں سے پامال کردو تاکہ اس کا سینہ ٹوٹ کر اس کی پشت سے جالگے ہیں۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کے قتل کے بعد اس عمل سے اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ چونکہ مَیں نے کہہ دیا ہے، اس کی تعمیل لازمی ہے۔ جو کچھ مَیں نے کہہ دیا ہے اس کا اجرا لازم ہے۔ جو احکام مَیں نے جاری کردیے ہیں اگر ان کا اجرا تم سے ممکن نہیں ہے تو تم اپنے آپ کو معزول سمجھو۔ میرے لشکر کو شمر کی تحویل میں دے دو کیونکہ میں نے اس کی امارت کا حکم جاری کردیا ہے"۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۵، طبع لندن، وکامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۳)

شمر یہ خط لے کر کوفہ سے کربلا آیا اور عمر ابن سعد کو خط پیش کیا۔ خط پڑھ کر عمر ابن سعد نے کہا: اللہ کی رحمت تجھ سے دُور ہو تُو نے کتنا بدترین کام کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے ہی یہ رائے ابن زیاد کو دی ہے۔ ہمارا بنا بنایا سارا کام بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ خدا کی قسم! حسینؑ وہ شخص ہے جو کسی سازش کو قبول کرے وہ کسی صورت میں ان باتوں کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۷)

شمر نے ابن سعد سے کہا: اب کیا خیال ہے اپنی امارت کو باقی رکھنا چاہتے ہو یا نہیں؟ اگر تمہیں امارتِ لشکر سے انکار ہے تو میرے حوالے کردو۔

ابن سعد نے کہا: یہ عہدہ میں اپنے پاس رکھوں گا میں تجھے یہ امتیاز حاصل نہیں ہونے دوں گا۔

امان نامہ

جب عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کی امارت سنبھالی تو یَاخَیلَ اللهِ اِرْکَبِی کی آواز بلند کی۔ شمر نے اپنی فریاد بلند کی: اَیْنَ بَنُو اُخْتِنَا ''کہاں ہیں میرے بھانجے؟ عباسؑ اور اس کے بھائی ؟'' جنابِ عباسؑ اور ان کے برادران نے شمر کی آواز کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے برادران سے فرمایا: اَجِیبُوهُ وَلَوْ کَانَ فَاسِقًا ''اگرچہ وہ فاسق ہے لیکن اُسے جواب ضرور دیجیے''۔ حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں نے شمر سے کہا: تُو کیا چاہتا ہے؟

شمر نے کہا: اے میرے بھانجو! تمہیں امان ہے۔ تمھارے ساتھ کوئی جنگ نہیں ہے۔ تم اپنے آپ کو بچالو۔ کہیں حسینؑ کے ساتھ تم بھی نہ مارے جاؤ۔ تم یزید کی اطاعت میں آجاؤ۔

شمر کی یہ بدکلامی سن کر حضرت عباس علمدارؑ نے فرمایا: خداوند تعالیٰ تجھ پر اور تیری امان پر لعنت کرے۔ رسولؐ خدا کے فرزند کو امان نہیں ہے اور ہمیں امان حاصل ہے؟ کیا تیرا مقصد یہی ہے کہ ہم اُن لوگوں کی اطاعت کریں جن پر اللہ کی لعنت ہے؟ (مثیر الاحزان ابن نما: ص ۴۸۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۷)

کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ ایک پست فطرت، ظالم اور احمق آدمی ایسے انسان کے لیے ناصح بن رہا ہے جو غیرت و شرافت کا پیکر ہے کہ وہ عزت و شرافت کو خیرباد کہہ کر ذلت وخواری کو اپنا لے؟ کیا اس نے یہ سوچا کہ ابوالفضل العباسؑ نُور کو چھوڑ کر ظلمت کو اپنا لیں گے؟ وہ علمِ نبوت کو چھوڑ کر پسرِ میسون کے زیرِ سایہ پناہ لیں گے؟ ہرگز ان سے ممکن ہی نہیں تھا۔

جس وقت حضرت ابوالفضل العباسؑ اور ابن سعد کے درمیان یہ مکالمہ ختم ہوا تو جنابِ زُہیر بن قینؓ کھڑے ہوئے اور حضرت عباسؑ کی خدمت میں عرض کیا: اگر اجازت ہو تو میں آپؑ کو ایک حدیث سناؤں؟

حضرت عباسؑ نے اجازت دی تو جنابِ زُہیر نے کہا: جب آپؑ کے والد گرامی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے چاہا کہ ازدواج کریں تو آپؑ نے اپنے بھائی جناب عقیلؑ سے فرمایا، جو انساب عرب کے ماہر تھے کہ وہ اُن کے لیے عرب کے ایسے خاندان میں خواستگاری کریں جو شجاع و بہادر ہو تا کہ خداوند متعال مجھے ایسا فرزند عطا کرے جو شجاع و بہادر ہو اور وہ میدانِ کربلا میں میرے فرزند حضرت حسینؑ کی نصرت کرے۔

اے عباسؑ! وَقَدْ اِدَّخَرَكَ اَبُوْكَ لِمِثْلِ هٰذَا الْيَوْمِ فَلَا تَقْصُرْ عَنْ نُصْرَةِ اَخِيْكَ وَحِمَايَةِ اِخْوَاتِكَ ''آپؑ کے والد گرامی نے آپؑ کو اس دن کے لیے ذخیرہ کیا تھا۔ اب اس سلسلے میں آپؑ سے کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے''۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ نے جناب زُہیر سے فرمایا: اے زہیر! اس بات سے تمھارا مقصد یہ ہے کہ میں اپنی شجاعت اور جرأت کا مظاہرہ کروں؟ وَاللهِ لَاُرِيَنَّكَ شَيْئًا مَا رَأَيْتَه ''خدا کی قسم! میں تجھے اس قدر اپنی شجاعت دکھاؤں گا کہ تم نے ایسی شجاعت کبھی دیکھی نہ سنی ہوگی''۔ (اسرار الشہادۃ: ص ۳۸۷)

اس وقت آپؑ نے اپنے گھوڑے کو دوڑایا اور قلبِ لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپؑ کا مقصد جنگ نہیں تھا بلکہ صرف پیاسے بچوں کے لیے پانی لانا تھا۔ آپؑ نے پلک جھپکتے ہی بڑے بڑے نامی گرامی شجاعانِ عرب کو خاک میں ملا دیا اور دشمن کے پرچم کو سرنگوں کر دیا۔ آپؑ کے تابڑ توڑ حملوں کے سامنے کوئی ٹھہر نہ سکا۔ دشمن کا لشکر آپؑ کے سامنے اس طرح بھاگ رہا تھا جیسے شیر کے سامنے بھیڑ بکریاں بھاگتی ہیں۔

مرحوم حاج شیخ محمد حسین کمپانی نے اپنے اشعار میں کیا خوب کہا ہے:

يُمَثِّلُ الْكَرَّارَ فِيْ كَرَّاتِهِ — بَلْ فِي الْمَعَانِي الْغُرِّ مِنْ صِفَاتِهِ
لَيْسَ يَدُاللهِ سِوٰى أَبِيْهِ — وَقُدْرَةُ اللهِ تَجَلَّتْ فِيْهِ
فَهُوَ يَدُ اللهِ وَهٰذَا سَاعِدُهٗ — تُغْنِيْكَ عَنْ اِثْبَاتِهِ مَشَاهِدُهٗ
صَوْلَتُهٗ عِنْدَ النِّزَالِ صَوْلَتُهٗ — لَوْلَا الْغُلُوُّ قُلْتُ جَلَّتْ قُدْرَتُهٗ

''اپنے حملوں میں اُس نے کرّار کی کرّاریت کا سماں باندھ دیا۔ وہ اپنی صفات و عظمت میں سب پر ظاہر و باہر ہے۔ کائنات میں یداللہ صرف

اُسی کے والد گرامی ہیں۔ اُسی کے اندر اللہ کی قدرت کی تجلّیاں ہیں۔ ان کے والد گرامی یداللہ ہیں اور یہ ان کے بازو ہیں۔ ہر دیکھنے والا تجھے بتا دے گا کہ وہ جب میدان میں اترتے ہیں تو اپنے والد گرامی کے کارناموں کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ جب وہ میدانِ جنگ میں اُتر پڑتے ہیں اور گھمسان کی جنگ ہوتی ہے تو وہ دشمن کی صفوں کو اُلٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اگر مبالغہ نہ ہو تو میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ قدرتِ الٰہی کے مظہر ہیں"۔

جنابِ حبیب ابنِ مظاہرؓ اور بنی اسد

جنابِ حبیب ابن مظاہرؓ کا تعلق بنو اسد قبیلہ سے تھا۔ یہی قبیلہ کربلا کے نزدیک آباد تھا۔ جنابِ حبیب نے حضرت امام حسینؑ کی بارگاہ میں درخواست پیش کی کہ انھیں اجازت دی جائے کہ وہ اپنے قبیلہ والوں کو آپ کی نصرت کے لیے تیار کر کے یہاں لے آئے۔ جب جنابِ حبیب کو اجازت ملی تو آپ اپنے قبیلہ کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے پاس پہنچے، اُنھیں اپنا تعارف کرایا اور انھیں کہا کہ وہ رسولؐ اللہ کی دختر کے فرزند کی مدد کریں کیونکہ ان کی نصرت میں ہی دین و دنیا کی عزت ہے۔ آپؑ کی درخواست پر بنو اسد کے نوے جوان تیار ہوئے لیکن اُسی محلہ کے ایک فرد نے اس واقعہ کی رپورٹ عمر ابن سعد کو دے دی۔

ابن سعد نے اس مہم کے لیے چار سو آدمیوں کا دستہ ازرق کی سربراہی میں دیا کہ وہ جائے اور بنو اسد کے لوگوں سے جنگ کرے اور اُنھیں میدانِ کربلا میں حضرت امام حسینؑ کی نصرت کے لیے نہ پہنچنے دے۔ راستے میں ان دونوں کی جنگ ہوئی۔ بنو اسد کے بہت سے لوگ مارے گئے اور باقی واپس چلے گئے۔ ابن سعد کے خوف سے بستی کے تمام لوگ بستی چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو گئے۔ جنابِ حبیب واپس آئے اور بارگاہِ حسینی میں سارا واقعہ عرض کیا۔

آنحضرتؑ نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ ①

---

① مقتلِ خوارزمی: ج ۱، ص ۲۲۳ و بحار: ج ۴۴، ص ۳۷۶-۳۷۷۔ یہ واقعہ آٹھ محرم کی رات کو پیش آیا تھا۔

نویں محرم

نویں محرم جمعرات کے دن عصر کے وقت عمر ابن سعد نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر پر حملہ کر دیں۔ اس وقت فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ کے آگے تشریف فرما تھے اور اپنی تلوار کی اصلاح کر رہے تھے۔ اسی دوران میں بیٹھے بیٹھے آپؑ کو نیند آگئی۔ آپؑ نے اپنے نانا بزرگوار حضرت رسولؐ اللہ کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے فرمایا: حسینؑ جان! اِنَّکَ سَائِرٌ اِلَیْنَا عَنْ قَرِیْبٍ "آپؑ بہت جلد ہمارے پاس آنے والے ہیں"۔

جب حضرت زینب کبریٰؑ نے ابن سعد کے لشکر کا شور سنا تو فوراً اپنے بھائی کے پاس آئیں اور فرمایا: قَدِ اقْتَرَبَ الْعَدُوُّ مِنَّا "دشمن کی فوج ہمارے قریب آچکی ہے"۔ یہ دیکھ کر آپؑ نے اپنے بھائی حضرت عباسؑ سے فرمایا: اِرْکَبْ بِنَفْسِی اَنْتَ یَا اَخِی "اے بھائی! آپؑ پر قربان جاؤں فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر ان سے پوچھو کہ ان کی اس پیش روی کا کیا مقصد ہے اور وہ کیا چاہتے ہیں؟"

حضرت ابوالفضل العباسؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ابن سعد کے لشکر کے سامنے آئے اور ان کی آمد کا مقصد پوچھا تو انھوں نے کہا: ہمارے امیر نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تم لوگ ہماری حکومت کو تسلیم کرلو، وگرنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

لشکر کا جواب سن کر حضرت ابوالفضل العباسؑ بارگاہ حسینیؑ میں واپس آئے اور ان کی خدمت میں دشمن کا پیغام پہنچایا۔

اِدھر اصحابِ حسینیؑ نے عمر ابن سعد کے لشکر کے لیے وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے اُن سے فرمایا: خدا کی قسم! قیامت کے دن تم لوگوں کا بدترین انجام ہوگا کہ تم لوگوں نے خاندانِ پیغمبرؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا ہے حالانکہ یہی لوگ اللہ کے عظیم بندے ہیں۔ جو شب زندہ دار ہیں اور ہر وقت ذکرِ خداوندی میں مصروف ہیں۔

ابھی جنابِ حبیبؓ کی گفتگو جاری تھی کہ ان کی گفتگو کو قطع کرتے ہوئے عزرہ بن قیس نے کہا: جتنی چاہو اپنی تعریف کرلو۔

جنابِ زُہیر بن قین نے اُسے کہا: اے عزرہ! خداوند تعالیٰ نے اس کی تعریف کی ہے اور اُسے ہدایت دی ہے، خدا سے ڈر۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نفوسِ زکیہ کے قتل میں ان لوگوں کی اعانت نہ کر۔

عزرہ نے کہا: تُو کب سے اہلِ بیتؑ رسولؐ کی پیروی کرنے لگا ہے حالانکہ تُو تو ان کا مخالف تھا؟

جناب زُہیر نے فرمایا: ہاں! تیری بات ٹھیک ہے لیکن خدا کی قسم! نہ تو مَیں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا تھا اور نہ ان کی طرف کوئی پیغام بھیجا تھا اور نہ ہی ان سے ان کی نصرت کا وعدہ کیا تھا۔ جی ہاں! جب راستے میں میری اُن سے ملاقات ہوئی اور میری نظر ان کے چہرۂ اقدس پر پڑی تو مجھے پیغمبرؐ خدا یاد آگئے اور پیغمبرؐ خدا کے نزدیک جو ان کا مقام تھا وہ مجھے یاد آگیا۔

مَیں نے یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ ان کے اور تمھارے درمیان جنگ ہونے والی ہے اس لیے میں نے اُنھی کا ساتھ دیا ہے تاکہ ان پر اپنی جان قربان کر دی جائے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے حق کی حفاظت کروں جسے تم لوگوں نے ضائع کر دیا ہے۔

اس دوران میں حضرت امام حسینؑ نے اپنے برادر جان جنابِ عباسؑ سے فرمایا کہ آپؑ ان لوگوں کے پاس جائیں اور ایک رات کی مہلت طلب کریں تاکہ ہم خداوند تعالیٰ کی بندگی وعبادت کرلیں کیوں کہ خداوند متعال کے علم میں ہے کہ مجھے اس کے قرآن کی تلاوت اور اس کی بارگاہ میں دعا واستغفار سے کتنی محبت ہے۔

حضرت ابوالفضلؑ لشکر کے قریب آئے اور ایک رات کی مہلت مانگی۔ عمر ابن سعد خاموش رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا تو عمرو بن حجاج نے کہا: سبحان اللہ! عجیب بات ہے اگر یہ لوگ اولادِ پیغمبرؐ نہ بھی ہوتے، ترک و دیلم ہوتے اور اسی طرح درخواست کرتے تو ہم ان کی بھی درخواست قبول کر لیتے۔

قیس ابن اشعث نے بھی کہا کہ ان کی درخواست قبول کرلی جائے لیکن خدا کی قسم! کل ضرور جنگ ہوگی۔ آخرکار ابن سعد نے حضرت امام حسینؑ کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم آپؑ

کو آج رات کی مہلت دیتے ہیں۔ اگر کل ہمیں تسلیم کر لیا تو ہم تمہیں ابن زیاد کے پاس صحیح و سالم لے جائیں گے، ورنہ جنگ ہو گی۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۱۹-۳۲۰)

مقامِ حریت اور شانِ حریت

فرزند رسولؐ مقبول حضرت امام حسین علیہ السلام نے نویں محرم کے دن شام کے وقت اپنے خاندان کے افراد اور اپنے اصحاب کو جمع کیا اور اُن سے خطاب فرمایا:

"میں اللہ تعالیٰ کی بہترین سے بہترین حمد و ثنا کرتا ہوں۔ آسائشوں اور سختیوں میں اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری حمد بجا لاتا ہوں کہ تُو نے ہمارے گھرانے کو نبوت کے ذریعے شرف و احترام عطا فرمایا اور ہمیں قرآن کی تعلیم دی۔ ہمیں دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائی اور ہمیں حق کو سننے والے کان، حق کو دیکھنے والی آنکھیں اور روشن و منور قلب عطا فرمایا۔ نیز ہمیں مشرکین میں قرار نہیں دیا۔

امابعد! مَیں نے اپنے اصحاب سے بہتر اصحاب کہیں نہیں دیکھے اور کسی کے اہلِ خانہ اپنے اہلِ بیتؑ سے بڑھ کر باوفا اور حق شناس نہیں پائے۔ خداوند تعالیٰ آپ سب کو میری طرف سے جزائے خیر عنایت فرمائے۔

میرے نانا رسولؐ خدا نے مجھے بتایا کہ مجھے عراق بلایا جائے گا اور مَیں عمورا اور کربلا نامی ایک مقام پر ٹھہروں گا اور وہیں پر شہید کر دیا جاؤں گا۔ اب اُسی شہادت کا وقت آن پہنچا ہے۔ میرے خیال میں کل ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جنگ کا دن ہوگا۔ میں تم سب کو یہاں سے چلے جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ مَیں نے آپ تمام لوگوں سے اپنی بیعت اُٹھا لی ہے اور اب آپ لوگوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ رات کی تاریکی نے آپؐ سب کو چھپایا ہوا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ تم میں سے ہر شخص میرے اہلِ بیتؑ میں سے کسی ایک کا ہاتھ تھام کر اس کے

ساتھ یہاں سے چلا جائے۔ خدا تم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔
تم سب اپنے اپنے علاقوں اور شہروں کی طرف چلے جاؤ۔ ان لوگوں کو میری ضرورت ہے۔ اگر مجھے قتل کردیں گے تو پھر دوسروں سے انھیں کوئی سروکار نہیں ہوگا"۔

جب فرزند رسولؐ کا خطبہ ختم ہوا تو آپؑ کے باوفا اہل بیتؑ اور جان نثار اصحاب نے عرض کیا: ہم اس طرح کبھی نہیں کرسکتے؟ آپؑ کے بعد ہم کیا کریں گے۔

حضرت ابوالفضل العباسؑ اور آپؑ کے خاندان کے افراد نے عرض کیا: لَا أَرَانَا اللهُ ذٰلِکَ اَبَدًا ''ہمیں خدا کبھی ایسا دن نہ دکھائے کہ ہم آپؑ کو چھوڑ کر اپنے گھروں کی طرف چلے جائیں"۔

اس دوران میں امام علیہ السلام نے حضرت عقیلؓ کے صاحبزادوں سے فرمایا: حَسْبُکُمْ مِنَ الْقَتْلِ بِمُسْلِمٍ اِذْهَبُوْا قَدْ اَذِنْتُ لَکُمْ، ''تم لوگوں کی طرف سے مسلمؑ کی قربانی ہی کافی ہے، تم لوگ بھی چلے جاؤ، میں تمھیں اجازت دیتا ہوں"۔

انھوں نے امامؑ کے جواب میں عرض کیا: اگر ہم چلے گئے اور ہم سے پوچھا گیا کہ اپنے مولاؑ اور آقاؑ کو چھوڑ کر کیوں چلے آئے ہو تو ہم کیا جواب دیں گے؟ کہ ہم نے اپنے بزرگ، سید و سردار اور اپنے چچا اور اس کے بیٹوں کو تنہا چھوڑ دیا جو بہترین چچا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ مل کر کوئی کوشش نہ کی۔ نہ ہم نے کوئی نیزہ مارا اور نہ ہی کوئی تلوار سے وار کیا۔ جب کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ہمارے آقا و سردار پر کیا گزری ہے۔ نہیں، خدا کی قسم! ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے بلکہ اپنا مال، جان اور اولادیں آپؑ کی راہ میں قربان کردیں گے اور آخری دم تک آپؑ کی رکاب میں رہتے ہوئے جنگ لڑیں گے اور آپؑ کے ساتھ وارد بہشت ہوں گے۔ فَقَبَّحَ اللهُ الْعَیْشَ بَعْدَکَ ''آپؑ کے بعد زندہ رہنا ہمیں قطعاً پسند نہیں ہے"۔ [1]

---

[1] تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۲۲۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۴۔ ارشاد مفید: ص ۲۳۱۔ اعلام الوریٰ: ص ۱۴۱۔ اعلام النبلاء ذہبی: ج ۲، ص ۲۰۲۔

جنابِ مسلم بن عوسجہؓ کا خطاب

اُس موقع پر جنابِ مسلمؓ ابن عوسجہؓ نے خطاب کرتے ہوئے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! کیا ہم کیسے آپؑ کی مدد سے ہاتھ اُٹھائیں؟ اس صورت میں ہم خدا کے حضور کیا عذر پیش کریں گے؟! خدا کی قسم! میں آپؑ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اپنے نیزے سے آپؑ کے دشمنوں کے سینے چھید ڈالوں گا اور جب تک تلوار ہاتھ میں رہے گی ان سے جنگ کرتا رہوں گا۔ اگر میرے پاس اسلحہ نہ رہا تو ان سے پتھروں سے حملہ آور ہوں گا یہاں تک کہ اپنی جان، جانِ آفرین کے حوالے کر دوں۔

جنابِ سعید بن عبداللہ کا خطاب

امام علیہ السلام کے ایک اور صحابی جناب سعید بن عبداللہ نے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! خدا کی قسم! ہم ہرگز آپؑ کی مدد ترک نہیں کریں گے تا کہ خدا کے حضور یہ ثابت کرسکیں کہ ہم نے آپؑ کے سلسلے میں رسولِؐ خدا کے حق کا لحاظ رکھا ہے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو کہ ستر مرتبہ مارا جاؤں گا اور ہر مرتبہ میرے جسم کو جلا کر راکھ کرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا تو تب بھی میں آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا اور ہر مرتبہ زندہ ہونے کے بعد آپؑ کی مدد کروں گا۔ حالانکہ میں جانتا ہوں کہ موت صرف ایک ہی مرتبہ آئے گی اور اس کے بعد لازوال نعمتیں ہیں۔

جنابِ زُہیر بن قین کا خطاب

جنابِ زُہیر بن قین نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم! میں تو چاہتا ہوں کہ آپؑ کی نصرت میں ہزار بار مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں اور ہر بار میری یہ آرزو ہوگی کہ میرے مارے جانے سے آپؑ اور بنی ہاشم کے کسی جوان کی جان بچ جائے۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے بنی ہاشم اور اپنے اصحاب کے اس ردِعمل کا مشاہدہ فرمایا اور ان کی زبان سے وہ کلمات سنے جو اُن کی معرفتِ حق، احساسِ ذمہ داری اور اپنے امامؑ سے وفاداری کی دلیل تھے، تو انھیں ان الفاظ میں دعا دی: جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا ''خدا تم سب کو بہترین جزا عنایت فرمائے''۔ (ارشادِ شیخ مفیدؒ: ص ۲۳۱۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۲۳)

جناب محمد بن بشیر حضرمی

ابھی امام علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ امام علیہ السلام کے صحابی محمد بن بشیر حضرمی کو خبر ملی کہ ان کے بیٹے کو قید کر لیا گیا ہے۔ یہ سن کر محمد بن بشیر نے کہا: مجھے یہ پسند نہیں کہ میرا بیٹا قید ہو اور میں زندہ رہوں۔

فرزندِ رسولؐ نے فرمایا: اپنے فرزند کی آزادی کے اقدام کے لیے جا سکتے ہو۔

یہ سن کر محمد بن بشیر نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں کسی صورت میں آپؑ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ مزید کہا: اگر میں آپؑ کو چھوڑ دوں تو جنگل کے درندے میرے ٹکڑے کر کے مجھے اپنی خوراک بنا لیں۔

(یہ سن کر) امام علیہ السلام نے چند قیمتی لباس انھیں عطا کیے تاکہ وہ یہ لباس اپنے دوسرے بیٹے کے حوالے کرے جو اپنے بھائی کے چھڑانے کی کوشش کرے۔ ان میں سے ہر لباس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ (لہوف: ص ۵۳)

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خاندان کے افراد اور اپنے اصحاب کے خلوص اور وفاداری کا مشاہدہ کیا تو انھیں مستقبل کے حقائق سے آگاہ فرمایا:

اِنِّی غَدًا اُقْتَلُ وَكُلُّكُمْ تُقْتَلُوْنَ مَعِی وَلَا يَبْقٰى عَنكُمْ اَحَدٌ حَتّٰى الْقَاسِمُ وَعَبْدُ اللهِ الرَّضِيعُ اِلَّا وَلَدِی عَلِیٌّ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ لِاَنَّ اللهَ لَمْ يَقْطَعْ نَسْلِی مِنهُ وَهُوَ اَبُو اَئِمَّةٍ ثَمَانِيَه (اسرار الشہادہ)

"میں کل شہید کر دیا جاؤں گا۔ آپ لوگوں میں سے بھی کوئی زندہ نہیں بچ پائے گا حتیٰ کہ قاسمؑ اور علی اصغرؑ بھی شہید کر دیے جائیں گے۔ صرف میرا فرزند زین العابدینؑ بچ جائے گا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ان کے ذریعے میری نسل کو باقی رکھنا ہے اور وہ آٹھ اماموں کے والد بنیں گے"۔

آپؑ کی یہ گفتگو سن کر آپؑ کے اصحاب نے یک آواز ہو کر عرض کیا: ہم خداوند تعالیٰ کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں آپؑ کی نصرت کی توفیق دے کر فضیلت بخشی اور آپؑ کے ہمراہ شہادت دے کر عزت و شرافت عطا فرمائی۔ اے فرزندِ رسولؐ! کیا ہم اس بات پر خوش نہ ہوں

کہ ہم جنت میں آپؑ کے ساتھ رہیں گے۔

امام علیہ السلام نے ان کے لیے دعا خیر کی۔[1] ان کی آنکھوں کے آگے سے پردہ ہٹا دیا اور ان میں سے ہر ایک کو جنت میں ان کا مقام اور ان کی نعمتیں دکھائیں جو اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھی تھیں۔ (خرائج راوندی)

اس قسم کے واقعات و معجزات جس طرح خداوند تعالیٰ سے صادر ہوتے ہیں، امامؑ سے بھی صادر ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ ولایتِ تکوینی رکھتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰؑ نے فرعونی جادوگروں کو جو ایمان لائے تھے، ان کے قتل سے قبل جنت میں ان کے لیے مقامات دکھائے تھے۔ (اخبار الزمان مسعودی: ص ۲۴۷)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا: تمہیں جنگ مبارک ہو۔ بعد از شہادت جس وقت خداوند متعال چاہے گا ہمیں جنت میں رکھے گا۔ پھر امامِ زمانہؑ کے ظہور کے وقت خداوند تعالیٰ ہمیں اور تمہیں واپس دنیا میں لائے گا تاکہ وہ ظالموں سے انتقام لیں اور ہم ان کے انجام کا نظارہ کریں کہ وہ کس طرح زنجیروں میں جکڑے جا رہے ہوں گے اور مختلف قسم کے عذاب سے دوچار ہوں گے۔

جب آپؑ سے پوچھا گیا: اے فرزند رسولؐ! آپؑ میں سے قائم کون ہوگا تو فرمایا: وہ میرے فرزند محمد باقرؑ کی اولاد میں سے ساتواں ہے۔ یعنی حجتؑ بن الحسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ بن علیؑ۔ اللہ تعالیٰ انھیں ایک طولانی عرصہ کے لیے غیبت میں رکھے گا۔ پھر انھیں ظاہر فرمائے گا، وہ اپنے ظہور کے بعد دنیا کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ (اثبات الرجعت)

□□□

---

[1] نفس المہموم: ص ۱۲۲

شبِ عاشور

عاشور کی شب ایک سخت ترین شب تھی جو اہلِ بیتؑ پر گزری۔ اسی رات مصائب و آلام نے آلِ محمدؐ کو ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ یہ رات اس قدر تیرہ و تاریک اور خوفناک تھی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی اپنی ماؤں کے دامن میں قرار حاصل نہ تھا۔ اُموی حکمرانوں اور ان کے وفاداروں نے ان کی زندگی کی تمام اُمیدوں کو مایوسی و حیرانی میں بدل کر رکھ دیا تھا۔ چھوٹے بچوں کی اَلْعَطَش کی جاں سوز و جانکاہ آوازیں بلند تھیں کہ جن کو سن کر کلیجے منہ سے باہر آتے تھے۔

(اندازہ کیجیے) جب حالات اس طرح کے تھے تو بنو ہاشم کے بہادر و غیور اور پُرعظمت افراد کیا کرتے؟ ان کے دل و دماغ کی قوت باقی رہتی کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ کیا ان کی زندگی باقی رہے گی یا اُنھیں دشمن سے جنگ کرنا پڑے گی؟ اور وہ اتنے بڑے لشکر سے کس طرح نبرد آزما ہوں گے یا انھیں بے بسی و پریشانی نے گھیر رکھا تھا اور ان کی سوچ بچار کی قوت کو ختم کر کے انھیں گوشہ نشین بنا کر رکھ دیا تھا اور ان کی زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی تھی؟؟

نہیں! اس رات چاہے جناب عبدالمطلب کی اولاد تھی یا ان کے اصحاب تھے، سب اطمینان کی منزل پر تھے۔ ان کا ہر آدمی اپنی زندگی کی آخری شب میں پُرمسرت اور شادمان تھا۔ ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔ ان میں خوف و ہراس، پریشانی و یاس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ وہ سب لِقَاءَ اللّٰہ کے متمنی تھے۔ ان کی نگاہ بہشت کی نعمات پر تھی۔ جس قدر دشمن کی طرف سے بحرانی کیفیت بڑھتی تھی، اس قدر ان کے چہروں کی نورانیت دوبالا ہوتی تھی۔ ان کے لیے یہ رات عیش و نشاط کی رات تھی۔

جناب بُریر اور جناب عبدالرحمٰن انصاری

اسی شب جناب بُریر نے جناب عبدالرحمٰن انصاری سے مذاق کیا۔ جناب عبدالرحمٰن

انصاری نے جناب بریر سے کہا: بریر! یہ وقت شوخی و مذاق کا نہیں ہے۔

جناب بریر نے جواب دیا: سب جانتے ہیں کہ میں نے کبھی اپنی جوانی میں اور نہ اس بڑھاپے میں شوخی و مذاق کیا ہے۔ لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ میں آج رات کتنا خوش ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میرے اور لقاء اللہ اور حورالعین کے درمیان کوئی فاصلہ باقی نہیں ہے۔ اِدھر دشمن کی تلوار کی ضربت کام کرے گی اُدھر میں اپنی منزل پر ہوں گا۔ (طبری: جلد ۷، ص ۳۲۷)

جب حبیب ابن مظاہرؓ کسی بات پر خندہ زن ہوئے تو یزید بن حصین نے کہا: یہ بھی کوئی خندہ زنی کا وقت ہے؟

جناب حبیبؓ نے جواب دیا: ہنسنے کا اس سے بہتر وقت کب ملے گا؟ وہ وقت قریب ہے جب دشمن مجھ پر حملہ آور ہوگا اور میں اس کی تلوار کی ضربت سے شہید ہو کر حورالعین کی آغوش میں ہوں گا۔

یہ تمام غیور و شجاع انسان منزلِ اطمینان پر تھے۔ انھوں نے سوچ رکھا تھا کہ کل ہر صورت میں جنگ ہوگی اور اس جنگ میں اپنی شجاعت و غیرت کا بھرپور مظاہرہ کرنا ہے۔ وہ سبھی اللہ کی بندگی میں مصروف تھے۔ کوئی قیام میں تھا تو کوئی رکوع و سجود میں اور کوئی قرآنِ مجید کی تلاوت میں مصروف تھا۔ ان کی تسبیح اور قرآنِ مجید کی تلاوت سے کربلا کی فضا معطر تھی۔

ضحاک بن عبداللہ مشرقی کا بیان ہے کہ شبِ عاشور عمر ابن سعد کی فوج کے ایک دستے کا ہم سے گزر ہوا۔ اس وقت فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقدس زبان پر قرآنِ مجید کی یہ آیت تھی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِى لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ○ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ

(سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۷۸-۱۷۹)

"اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم نے جو اُن کو مہلت دے رکھی ہے وہ اُن کے حق میں بہتر ہے۔ (حالانکہ) ہم نے مہلت اور فارغ البالی صرف اس وجہ سے دی ہے کہ وہ خوب گناہ کریں اور (آخرتو) اُن کے لیے رُسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (منافقو!) خدا ایسا نہیں ہے کہ بُرے بھلے کی تمیز کیے بغیر جس حالت پر تم ہو، اسی حالت پر مومنوں کو بھی چھوڑ دے"۔

جب ان میں سے ایک آدمی نے یہ آیت سنی اور اس آیت کا مضمون سمجھا کہ خداوند تعالیٰ اپنے پاکیزہ بندوں کو خبیث بندوں سے جدا کرتا ہے۔

تو کہنے لگا: ربِ کعبہ کی قسم! ہم ہی نیک وطیب افراد ہیں۔ اللہ نے ہمیں تم سے جدا کیا ہے۔

جناب بریر اپنی جگہ سے اُٹھے اور اُسے کہا: اے فاسق! کیا خداوند متعال نے تجھ جیسے کو پاکیزہ لوگوں میں سے قرار دیا ہے؟

اگر تُو پاکیزہ افراد کا حصہ بننا چاہتا ہے تو ہماری طرف آ اور اپنے ان گناہانِ کبیرہ سے توبہ کر۔ خدا کی قسم! ہم پاکیزہ افراد ہیں اور تم لوگ خبیث ہو۔

یہ سن کر اس آدمی نے ازراہِ استہزاء کہا: وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ۔ (1)

بارگاہِ امامت میں بتیس اہلِ ایمان کی حاضری

بعض مقاتل میں آیا ہے کہ شبِ عاشور عمر ابن سعد کے لشکر کے کچھ لوگ فرزندِ رسولؐ اور ان کے اصحاب کے اطمینان اور بندگی وعبادت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے لشکر کو چھوڑ کر

---

(1) صاحب تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۲۵ نے یہ واقعہ کچھ اضافے کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ضحاک نے اس آدمی کو پہچان لیا۔ ضحاک نے بریر سے پوچھا: کیا تو اس آدمی کو جانتا ہے؟

بریر نے جواب دیا: میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے؟ ضحاک نے بریر سے کہا کہ وہ عبداللہ ابن شہر ہے جو ابوحرب سبیعی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایک ظالم اور بدترین انسان ہے اور اپنے جرائم کی وجہ سے کئی مرتبہ زندان کی ہوا کھا چکا ہے۔ ابھی ضحاک کی بات جاری تھی کہ جناب بریر نے اس سے کہا: "اے فاسق! اللہ تجھ جیسے آدمی کو پاک وپاکیزہ سمجھتا ہے؟"

حسینی لشکر سے آملے، ان کی تعداد بتیس کے قریب بتائی گئی ہے۔ (لہوف سید ابن طاؤس)

شبِ عاشور اور حضرت امام حسینؑ کے کچھ اشعار

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے: عاشورا کی رات تھی۔ میرے والدِ گرامی جب اپنی شمشیر کی اصلاح فرما رہے تھے تو اُس وقت آپؑ کی زُبانِ مبارک پر یہ اَشعار تھے:

يَادَهْرُ اُفٍّ لَكَ مِنْ خَلِيْلٍ　　كَمْ لَكَ بِالْاِشْرَاقِ وَالْاَصِيْلِ
مِنْ صَاحِبٍ وَطَالِبٍ قَتِيْلٍ　　وَالدَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيْلِ

"اے ناپائیدار دنیا! تجھ پر بھی افسوس ہے اور تیری دوستی پر بھی حیرت ہے کہ تُو صبح و شام اپنے کتنے دوستوں اور دشمنوں کو موت سے ہم کنار کردیتی ہے (اور) اگر کوئی اپنا عوض دینا چاہے تو اُسے بھی قبول نہیں کرتی"۔

وَاِنَّمَا الْاَمْرُ اِلَى الْجَلِيْلِ　　وَكُلُّ حَيٍّ سَالِكٍ سَبِيْلِ

"یہ حقیقت ہے کہ تمام اُمور خالقِ کائنات کے یدِ قدرت میں ہیں جو ہمیشہ زندہ ہے (اور ہمیں) ہر حال میں اسی راستے کو طے کرنا ہے"۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں: میرے بابا نے چند بار ان اشعار کو دُہرایا۔ میں ان اشعار کے مفہوم سے سمجھ گیا کہ آپؑ ان کے ذریعے اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں البتہ میں نے رونے سے گریز کیا۔ جوں ہی میری پھوپھی زینبؑ نے یہ اشعار سنے تو وہ برداشت نہ کرسکیں اور بے ساختہ اُٹھ کر امامؑ کے پاس پہنچیں اور روتے ہوئے فرمایا:

وَاثُكْلَاهُ لَيْتَ الْمَوْتَ اَعْدَمَنِي الْحَيَاةَ

⇦ جی ہاں! یہ ہے دنیا اور اس کے (معکوس) قوانین وہ لوگ جو چور، ڈاکو، ظالم ہوں، وہ ان کے نزدیک محترم ہیں اور جو پاک و پاکیزہ لوگ ہیں وہ ان کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہیں۔ یہی غیر عادل حکومتوں کے قوانین ہیں وہ اپنے بہی خواہوں کو امین جانتے ہیں چہ جائیکہ وہ خائن ہی کیوں نہ ہوں اور اپنے مخالفین کو مجرم اور خیانت کار سمجھتے ہیں حالانکہ وہ زمانے بھر میں اپنی امانت کے لحاظ سے معروف ہوتے ہیں۔

"کاش! میں مرگئی ہوتی اور آج یہ مصیبت کا دن نہ دیکھتی"۔

اے یادگار اسلاف! اے پناہ گاہ پسماندگان! یوں لگتا ہے کہ میرے تمام عزیز آج ہی مجھ سے جدا ہوئے ہیں۔ آج یہ مصیبت دیکھ کر (میرے دل میں) والد گرامی، علی ابن ابی طالبؑ والدۂ محترمہ فاطمۃ الزہراؑ اور برادر بزرگ امام حسن مجتبیٰؑ کے بچھڑنے کا غم تازہ ہوگیا ہے۔

فرزندِ رسولؐ نے جناب زینب عالیہؑ کو تسلی دی اور صبر و تحمل کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: اے میری بہن! صبر و تحمل سے کام لو اور یاد رکھو کہ ایک دن تمام دنیا والوں نے مرنا ہے اور جو آسمانوں میں ہیں وہ بھی باقی نہیں رہیں گے۔ وہ خدا جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے دنیا کو خلق کیا ہے۔ اس کے سوا سب نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور وہی تمام مخلوقات کو دوبارہ اُٹھائے گا اور وہ یکتا اور بے مثل ہے۔ میرے والد میری والدہ اور میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے، لیکن اللہ نے میرے لیے نیز اُن کے لیے اور تمام عالَم کے لیے اپنے نبیؐ کو نمونہ بنایا، وہ سب اس دنیا سے چلے گئے ہیں۔

ع جب احمدِ مرسلؐ نہ رہے تو پھر کون رہے گا

یہ سن کر عقیلۂ قریش نے عرض کیا: اے میرے بھائی! آپؑ ان باتوں سے مجھے اپنی شہادت کی خبر دے رہے ہیں؟ آپؑ کی ان باتوں سے میرا دل چھلنی چھلنی ہو کر رہ گیا ہے۔ حیرانی و پریشانی نے مجھے گھیر لیا ہے۔ جناب زینب عالیہ نے بلند آواز سے گریہ کیا۔ آپؑ کی آواز سن کر باقی تمام خواتین نے بھی آہ و بکا شروع کر دی۔ وہ اپنی فریادیں بھی بلند کر رہی تھیں اور اپنے چہروں پر طمانچے بھی مارے جا رہی تھیں۔ ①

جناب اُمِ کلثومؑ ان الفاظ میں بین کر رہی تھیں: وَا مُحَمَّدَاہُ، وَاعَلِیَاہُ، وَا اُمَّاہُ، وَاحُسَیْنَاہُ۔ آپؑ احباب کے بعد ہماری کائنات لٹ گئی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی بہن اور باقی خواتین سے فرمایا: اے میری بہن! اے

---

① جناب شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الارشاد میں لکھا ہے کہ حضرت زینبؑ نے اپنے چہرے پر طمانچے مارے، اپنا گریبان چاک کرلیا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑیں۔ امام علیہ السلام نے اپنی بہن کے چہرے پر پانی چھڑکا اور انھیں ہوش میں لا کر انھیں تسلی دی اور صبر کی تلقین فرمائی۔

اُمِ کلثومؑ! اے فاطمہؑ! اے ربابؑ! میری شہادت کے بعد گریبان ہرگز چاک نہ کرنا، اپنا منہ نہ نوچنا، اپنے مراتب کا خیال رکھنا کہ کہیں نامناسب بات آپ لوگوں سے صادر نہ ہونے پائے۔ ①

اسی شبِ عاشور سیدالشہداؑ نے اپنے تمام اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے خیام کو ایک دوسرے کے نزدیک کرلیجیے تاکہ دشمن پر سب کی نگاہ برابر رہے۔ جب تمام خیمے ترتیب کے ساتھ لگا دیے گئے تو آپؑ نے حکم دیا کہ ان خیام کے پیچھے خندق کھودی جائے اور اُسے ایندھن سے بھر دیا جائے اور اُسے بوقتِ ضرورت آگ لگا دی جائے تاکہ دشمن پیچھے سے اچانک حملہ نہ کرسکے۔ ②

---

① جنابِ شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں یہی الفاظ نقل کیے ہیں (و تقلن علیٰ بالویل والشبور)۔ جنابِ مقرم نے یوں روایت کی ہے کہ امام علیہ السلام نے صبر و تلقین کے بعد اپنی بہن جنابِ زینب عالیہؑ سے فرمایا: دین کے احکام میرے بیٹے علی بن الحسینؑ سے حاصل کرنا اور اپنے شیعوں تک پہنچانا۔ حضرت امام حسینؑ نے حضرت زینبؑ کو حضرت سجادؑ کی موجودگی میں اس لیے وصیت کی کہ دشمن کو حضرت امام سجادؑ کے مقام و مرتبہ و منصب کا پتا نہ چلے اور ان کی امامت کا امر مخفی رہے۔

جنابِ مقرم نے اس وصیت کا اسناد احمد بن ابراہیم کی روایت سے حاصل کیا ہے، جسے جنابِ شیخ صدوق نے کتاب اکمال الدین میں توقیعات کے باب میں نقل کیا ہے۔ اُن کی روایت یہ ہے: احمد بن ابراہیم کا بیان کہ مَیں نے ایک دن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی دختر اور جنابِ امام حسن عسکری علیہ السلام کے والد بزرگوار کی بہن جنابِ حکیمہ خاتون سے پسِ پردہ سوال کیا۔ آپ اپنے دین کے احکام کس سے حاصل کرتی ہیں؟ تو انھوں نے تمام آئمہؑ کے نام لیے اور آخر میں فرمایا کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کے فرزندِ ارجمند سے۔ میں نے اُن سے پوچھا: کیا آپؑ ان سے بلاواسطہ یا بالواسطہ سوال کرتی ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: میرے بھتیجے (امام) محمد مہدیؑ نے دین کے احکام اپنی والدۂ گرامی کے لیے لکھ دیے ہیں۔ میں وہاں سے اپنے احکام لیتی ہوں۔ یہ سن کر میں نے عرض کیا: میں اب کس کی اقتدا کروں کیونکہ امامؑ نے اپنی وصیت خاتون کو کی ہے۔ جنابِ حکیمہ نے جواب دیا: امامؑ نے یہ طریقہ حضرت امام حسینؑ سے لیا ہے، کیونکہ انھوں نے بھی اپنی وصیت اپنی بہن جنابِ زینبِ عالیہؑ کو کی تھی، تاکہ راز راز ہی رہے۔ یہاں پر ہم نے حدیث کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ مکمل حدیث کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں موجود ہے۔

② الارشاد، اور تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۲۲ پر ہے کہ امام علیہ السلام نے خیموں کی طنابوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے کا حکم فرمایا اور اصحاب کے خیموں کو اہلِ بیتؑ کے خیموں کے دائیں بائیں منظم کیا۔

بعدازیں آپؑ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ جب آدھی رات ہوئی تو آپؑ اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ پھر اپنے خیام کے پیچھے چلے آئے اور بیابان کے اطراف کی بلندیوں اور پستیوں کو اچھی طرح سے دیکھا۔ اسی دوران میں نافع بن ہلال جملی آپؑ کے پیچھے پیچھے چلتے رہے تا کہ وہ آپؑ کی حفاظت کر سکے۔ جب نافع پر امامؑ کی نگاہ پڑی تو ہمراہی کا سبب پوچھا؟

جناب نافع نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں نے جب آپؑ کو رات کے وقت اکیلا دیکھا اور آپؑ کا رُخِ انور بھی دشمن کے لشکر کی طرف تھا تو مجھے خوف لاحق ہوا کہ کہیں کوئی دشمن آپؑ پر حملہ نہ کر دے۔

فرزند رسولؐ نے فرمایا: میں اس وقت یہاں اس لیے آیا ہوں کہ میدانِ جنگ کی صورتِ حال اور اطراف کے اُونچ نیچ کو دیکھ لوں تا کہ کل جب جنگ شروع ہو تو دشمن ان جگہوں کو کمین گاہ کے طور پر استعمال کر کے نقصان نہ پہنچائے۔

بعدازیں امامؑ اپنے خیام کی طرف تشریف لائے جس وقت امامؑ اپنے خیام کی طرف واپس آ رہے تھے اُس وقت نافع کا ہاتھ امامؑ کے ہاتھ میں تھا۔

آپؑ نے اسی دوران نافع سے فرمایا:

هِيَ هِيَ وَاللهِ وَعدٌ لَا خُلفَ فِيهِ

''آج کی رات کا وعدہ ہے اسی عہد کو ہر صورت وفا ہونا ہے''۔ ①

---

① ظاہراً یہ گفتگو توہم کے دفع کرنے کے لیے ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امام علیہ السلام نے فرما دیا کہ ہم نے ہر صورت شہید ہونا ہے تو پھر امامؑ نے میدان اور بیابان کے اطراف کے اُونچ نیچ کو کیوں سنبھالا جب کہ ظاہری فتح آپؑ کے لیے ممکن نہیں رہی تھی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام علیہ السلام اپنے ان دفاعی اُمور سے یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ کل کوئی یہ کہہ دے کہ اگر امام جنگی فنون کو کام میں لاتے تو ضرور فتح مند ہوں گے۔ اس لیے امام علیہ السلام نے جنگی نظام کے تمام پہلوؤں کو منظم کیا۔ علاوہ ازیں آپؑ اپنے اسی عمل سے یہ درس بھی دینا چاہتے تھے کہ انسان کو بد سے بدترین حالات میں بھی نا اُمید نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک طبعی اسباب وعلل کو بروئے کار لانا چاہیے۔

فرزندِ رسولؐ اور نافع

جب فرزندِ رسولؐ جناب نافع کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے تو اس دوران میں امام علیہ السلام کی نگاہ دُور ترین پہاڑوں پر پڑی اور آپؑ نے نافع سے فرمایا: کیا تمھیں پہاڑ نظر آرہے ہیں؟

نافع نے جواب دیا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ ان پہاڑوں کی طرف چلے جاؤ اور اپنی جان بچالو؟!

جس وقت نافع نے اپنے امامؑ کی یہ گفتگو سنی تو اپنے آپ کو امام کے قدموں میں گرادیا اور امام علیہ السلام کے پاؤں مبارک کو بوسے دیتے ہوئے عرض کیا:

ثَكِلَتْنِي اُمِّي ، اِنَّ سَيفِي بِأَلفٍ وَفَرَسِي مِثلِهِ ، فَوَاللهِ الَّذِيْ مَنَّ بِكَ عَلَيَّ لَا فَارَقْتُكَ حَتّٰى يَكِلَّا عَن فَرْيِي وَجَرْيِي

"میری ماں میرے ماتم میں بیٹھے! مَیں نے یہ تلوار ایک ہزار درہم میں خریدی ہے اور اسی قیمت میں گھوڑا خریدا ہے تاکہ آپؑ کی خدمت میں رہوں اور آپؑ کا دفاع کروں۔ خداوند تعالیٰ نے میرے دل میں آپؑ کی محبت پیدا کر کے مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں ہرگز آپؑ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ چہ جائیکہ میری تلوار کند ہوجائے اور میرا گھوڑا تھک کر نڈھال ہوجائے"۔

نافع کا بیان ہے: جب حضرت امام حسینؑ مجھ سے جدا ہوکر اپنی بہن جنابِ زینب عالیہؑ کے خیمے میں پہنچے تو مَیں نے بھائی اور بہن کے درمیان ہونے والا مکالمہ سنا کہ جنابِ عقیلۂ قریش نے امامؑ سے پوچھا: اے میرے بھائی! کیا آپؑ نے اپنے اصحاب کو آزمالیا ہے کہ کل جب جنگ شروع ہو اور وہ آپؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور آپؑ اکیلے رہ جائیں؟

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، بخدا! مَیں نے اُنھیں آزمالیا ہے۔ مَیں نے اُنھیں بہادر و غیور اور جنگ جو پایا ہے۔ وہ میرے قدموں میں قتل ہونے سے اس قدر مانوس ہیں کہ جس طرح شیر خوار بچے اپنی ماؤں کے سینوں سے مانوس ہوتے ہیں۔

جنابِ نافع کا بیان ہے: جب میں نے بہن اور بھائی کی یہ دردناک باتیں سنیں تو برداشت نہ کرسکا۔ فوراً جنابِ حبیب ابن مظاہرؓ کے پاس آیا اور بھائی اور بہن کی تمام گفتگو اس کے گوش گزار کی۔

یہ سن کر جنابِ حبیب ابن مظاہرؓ نے کہا: خدا کی قسم! اگر مجھے امام علیہ السلام کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو میں اسی وقت دشمن پر حملہ کردیتا۔

جنابِ نافع نے جنابِ حبیب ابن مظاہرؓ سے کہا: اس وقت فرزندِ رسولؐ اپنی بہن کے خیمے میں ہیں۔ ممکن ہے عورتیں اور بچے بھی اسی خیمے میں ہوں۔ بہتر ہے کہ آپ تمام اصحاب کو بلائیں تاکہ خیمے کے دروازے پر جاکر اظہارِ وفاداری کریں تاکہ اہلِ بیتؑ کے قلوب میں ٹھنڈک محسوس ہو۔

جنابِ حبیب ابن مظاہرؓ فوراً اُٹھے اور انھوں نے امام علیہ السلام کے اصحاب کو آواز دی، یہ سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں محوِ عبادت تھے۔ جوں ہی انھوں نے حبیب ابن مظاہرؓ کی آواز سنی تو اس طرح اپنے خیام سے باہر آئے جیسے شیر اپنی کچھار سے باہر آتا ہے۔ جنابِ حبیب ابن مظاہرؓ نے بنوہاشم کے جوانوں سے کہا: آپ اپنی جگہوں پر واپس تشریف لے جائیں اور آرام فرمائیں۔ پھر آپؓ نے اصحابِ حسینؑ کے سامنے جنابِ نافع والا واقعہ پیش کیا۔ جب اصحابِ حسینؑ نے سنا تو سبھی نے یک زبان ہوکر کہا: خداوند تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس ذات نے ہمیں یہ افتخار بخشا ہے۔ خدا کی قسم! اگر ہمیں آپؑ کے حکم کا انتظار نہ ہوتا تو اسی وقت اپنی تلواروں کو بے نیام کرکے آپؑ کے دشمنوں پر ٹوٹ پڑتے۔

اے حبیبؓ! خداوند متعال آپ کو سکون عطا کرے اور آپؓ کی آنکھیں روشن ہوں۔

مر مر کے بھی مرنے کی دعا کون کرے گا
اصحابِ حسینؑ سی وفا کون کرے گا

جنابِ حبیبؓ نے تمام اصحاب کے حق میں دعائے خیر کی اور انھیں کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چلے آیئے تاکہ ہم مخدراتِ عصمت و طہارت کے خیام کے دروازے پر جاکر انھیں اپنی وفاداری کا یقین دلائیں۔

جب اصحابِ حسینؑ خواتین اہلِ بیتؑ کے دروازے کے قریب آئے تو جنابِ حبیبؓ نے بانوانِ بنی ہاشم سے خطاب کیا: اے رسولؐ خدا کی شہزادیو! اے حرمِ رسولؐ اللہ! یہ فداکار وجاں باز اور بہادر جوان اور ان کی تیز و تند تلواریں حاضر ہیں۔ ان سب نے آپؑ کی قسم اُٹھا رکھی ہے کہ وہ انھیں نیام میں رکھنے کے بجائے آپؑ کے دشمنوں کی گردنوں میں پیوست کریں گے۔ آپؑ کے ان غلاموں نے قسم اُٹھا رکھی ہے کہ ان کے ہاتھوں میں جو نیزے بلند ہیں وہ آپ کے دشمنوں کے سینوں کے آر پار ہوں گے۔

ابھی جنابِ حبیبؓ کا خطاب جاری تھا کہ بانوانِ حرم نالہ وشیون کے ساتھ اپنے خیام سے باہر آئیں اور فرمایا:

> أَيُّهَا الطَّيِّبُونَ حَامُوا عَنْ بَنَاتِ رَسُولِ اللهِ وَحَرَائِرِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ
>
> ''اے پاک و پاکیزہ جوانو! رسولؐ خدا اور جنابِ امیرالمومنینؑ کے خاندان کی بہو بیٹیوں کی حفاظت کرو''۔

جب اصحابِ حسینؑ نے مخدراتِ عصمت و طہارت کی گفتگو سنی تو اصحاب میں گریہ کی اس قدر پُر درد آوازیں بلند ہوئیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین لرز رہی ہے۔[1] آسمان کانپ رہا ہے، پہاڑ آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ عاشور کی رات کا وقتِ سحر تھا کہ فرزندِ رسولؐ کو اُونگھ آ گئی۔ جب آپؑ بیدار ہوئے تو آپؑ نے اپنے اصحاب کو خبر دی کہ میں نے خواب میں چند کتوں کو اپنے اُوپر حملہ آور ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ ان کتوں میں سیاہ و سفید رنگ کا کتا تھا جو مجھ پر زیادہ حملہ آور تھا۔ آپؑ نے اپنے قاتل کی نشانی بتائی کہ وہ مبروص ہوگا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: میرے نانا رسولِ مقبولؐ اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا: آپ اس اُمت کے شہید ہیں۔ آسمانوں اور عرشِ اعلیٰ کے ساکنان ایک دوسرے کو آپؑ کی آمد پر مبارک پیش کر رہے ہیں۔ جلدی کیجیے آپؑ نے کل دن کا افطار ہمارے ساتھ کرنا ہے۔ آسمان سے ایک فرشتہ زمین پر آ چکا ہے۔ وہ آپؑ کا خون سبز رنگ کے شیشے میں محفوظ کرے گا۔ (مقتلِ خوارزمی: ج۱،ص ۲۵۲۔ نفس المہموم: ص ۱۲۵) □□□

---

[1] الدمعۃ الساکبہ: ص ۳۲۵

روزِ عاشور

حضرت امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشور فرمایا:

اِنِّی لَا اَرَی الْمَوتَ اِلَّا سَعَادَةً

وَالحَیَاةُ مَعَ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا بَرَمًا

''مَیں جاں بازی اور شجاعت کی موت کو ایک سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا میرے نزدیک (باعثِ) ذِلّت وحقارت ہے''۔

روزِ عاشور اور خاندانِ تطہیرؑ

تاریخِ عالم میں یومِ عاشور وہ دن ہے جس دن اہلِ بیتؑ رسولؐ پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے جس کی مثال نہ اس واقعہ سے پہلے موجود ہے اور نہ ہی بعد میں ظاہر ہونے والی ہے۔ بنواُمیہ سے جس قدر ممکن ہوا انھوں نے اُسی قدر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو مصائب سے دوچار کیا۔ جب انسان آلِ محمدؐ کے مصائب کی دردناک داستان سنتا ہے تو اُس کا دل خون ہونے لگتا ہے اور آنکھوں سے خون کے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ یہ وہ دن تھا کہ میدانِ کربلا سے ہرسو مظلوم خواتین کے درد بھرے بین بلند ہو رہے تھے یا اُن ماؤں کی دل خراش فریادیں سننے کو ملتی تھیں جن کے جوان بیٹوں کو ان کے سامنے بے دردی سے تہِ تیغ کردیا گیا تھا اور جو زندہ تھے تو انھیں حیرانیوں اور پریشانیوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ وہ دل گرفتہ و افسردہ خاطر، غم وحزن کے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے۔ کون سی ایسی مصیبت ہے جو اس دن آلِ محمدؐ پر نہ پڑی ہو۔ اگر اس دن عالمِ بالا کے دروازے کھلتے تو معلوم ہوتا کہ عالمِ ملکوت میں کس قدر ہیجان برپا تھا۔ حورانِ جنّت اور ملائکہ سب آلِ محمدؐ کے مصائب میں ماتم کناں تھے۔

جی ہاں! ایسا کیوں نہ ہوتا، اس دن یادگارِ رسالتؐ، خورشیدِ خلافت، نُورِ امامت، فرزند پیمبرؐ، پارہ تنِ فاطمہ زہراؑ، جگر گوشہ وصیِ مرتضیٰؑ، برادرِ حسنِ مجتبیٰؑ اور حجتِ خدا کو بے دردی کے ساتھ شہید کردیا گیا۔ ان کے غم میں جس قدر گریہ کیا جائے اور غم گساری کی جائے کم ہے۔ اگر اس عظیم مصیبت کو سن کر قلوب پارہ پارہ ہوجائیں اور اَرواح قفسِ عنصری سے پرواز کرجائیں تو پھر بھی کم ہے۔ کسی طرح کوئی بھی اس ہستی کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

یہ حیوانی زندگی کیوں قربان نہ ہوگئی حالانکہ سرچشمۂ حیات اور اصیل و پاک انسانی کو خاک وخون میں غلطاں کردیا گیا۔ ہماری آنکھوں سے یہ بے قیمت آنسو کیوں نہ جاری ہوں حالانکہ دنیا کے مظلوم ترین انسان کا خون بے دردی سے بہا دیا گیا۔ یہ کشتیِ آفرینش ساحل پر

کس طرح لشکرانداز ہو حالانکہ لشکر اور لشکرگاہ خود تلاطم و خروش میں ہیں؟

کیا یہ آنکھیں آلِ محمدؐ کے غم میں ساون کے بادل کی طرح نہ برسیں کہ جنھیں قتل کرنے کے بعد ان کے سروں کو ان کے اجسام سے جدا کیا گیا اور ان کے مقدس سروں کو نیزوں پر اُٹھایا گیا اور شہر بہ شہر، دیار بہ دیار پھرایا گیا۔ یہ وہ مقدس ہستیاں تھیں جو دنیا اور آخرت کی آبرو تھیں۔ ان پر آبِ فرات بند کردیا گیا اور دریا کے کنارے پر انھیں پیاسا شہید کیا گیا حالانکہ جنگل کے تمام حیوانات اپنی پیاس بجھا رہے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کی خواتین اور بچوں پر پانی بند تھا۔

جی ہاں! آلِ محمدؐ کے جوانوں کے مقدس اجسام پر کس طرح گھوڑے دوڑائے گئے اور ان کے طاہر و طیب اجسام کو کس طرح تاخت و تاراج کیا گیا۔

فرزندِ رسولؐ کا سینہ اور اسی سینے پر گھوڑوں کے دوڑائے جانے کی داستان کوئی معمولی داستان نہیں ہے۔ تمام انبیاؑ کے سردار اور سرتاجؐ نبی اپنے اس فرزندؑ کے مصائب کو یاد کرکے روتے رہے۔ جو اپنے نبیؐ کا پیرو ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے نبیؐ کی پیروی میں سیّدالشہداؑ کی یاد میں تعزیتی مجالس بپا کرے۔ اپنے گھر والوں کو تلقین کرے کہ وہ بھی سیّدالشہداؑ کے غم میں آنسو بہائیں۔

اسی مضمون پر مشتمل حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے: جب اہلِ ایمان آپس میں ملیں تو ایک دوسرے سے یہ کلمات کہیں:

> اَعْظَمَ اللّٰهُ اُجُوْرَنَا وَاُجُوْرَكُمْ بِمُصَابِنَا بِالْحُسَيْنِ وَجَعَلَنَا وَ اِيَّاكُمْ
> مِنَ الطَّالِبِيْنَ بِثَارِهٖ مَعَ وَلِيِّهِ الْمَهْدِيِّ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ علیہم السلام [1]
>
> ”اللہ زیادہ کرے ہمارے اجر و ثواب کو اس پر کہ جو کچھ ہم امام حسین علیہ السلام کی سوگواری میں کرتے ہیں اور ہمیں اور تمھیں امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے والوں میں قرار دے، اپنے ولی امام مہدی علیہ السلام کے ہم رکاب ہوکر کہ جو آلِ محمد علیہم السلام میں سے ہیں“۔

---

[1] کامل الزیارات: باب ۱۷، ص ۱۷۵۔ مصباح المتہجد: ص ۳۹

عبداللہ بن سنان بروزِ عاشور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حضور حاضر ہوئے تو آپؑ کو غم زدہ پایا۔ آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جن سے آپؑ کی ریشِ مقدس بھیگ گئی تھی۔

عبداللہ کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے امام علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کیوں رو رہے ہیں؟

آں حضرتؑ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ دن فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کی مصیبت کا دن ہے؟

عبداللہ بن سنان کہتے ہیں: پھر آپؑ نے حکم دیا کہ اپنی شکل عزاداروں اور مصیبت زدہ لوگوں کی سی بناؤ، اپنی آستینوں کو اُلٹ دو، قمیص کے بٹن کھول دو، سر سے ننگے ہو جاؤ۔ اس دن فاقہ کرو اور عصر کے بعد پانی سے افطار کرو کیوں کہ ان لمحات میں کربلا کی جنگ کے شعلے سرد ہوئے تھے۔ اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہوتے تو آج خود صاحبِ عزا ہوتے۔ (مزار ابن مشہدی از اعلام قرن ششم)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام محرم کے ان دس دنوں میں ہمیشہ غم زدہ رہتے تھے۔ ان دنوں میں کسی نے آپؑ کے چہرۂ انور پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔

ہمارے آٹھویں امام حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا فرمان ہے:

اِنَّ یَوْمَ الْحُسَیْنِ اَقْرَحَ جُفُوْنَنَا وَاَذَلَّ عَزِیْزَنَا بِاَرْضِ کَرْبٍ وَبَلَاءٍ

"ہمارے ماننے والوں کو چاہیے کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام پر گریہ کریں کیونکہ ان کی شہادت کے دن نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا ہے۔ اس دن ہمارے عزیزوں کو تنہا و بے کس کر دیا گیا"۔

زیارتِ ناحیہ مقدسہ میں امامِ زمان علیہ السلام فرماتے ہیں:

فَلَاَنْدُبَنَّکَ صَبَاحًا وَمَسَاءً وَلَاَبْکِیَنَّ عَلَیْکَ بَدَلَ الدُّمُوْعِ دِمَاءً

"اے میرے جدِ بزرگوار! میں ہر صبح و شام آپؑ کے غم میں نالہ و فریاد بلند کرتا رہتا ہوں۔ میں آنسو کے بدلے خون روتا ہوں"۔

اگر مندرجہ بالا بیان پر غور کیا جائے تو کیا ہم پر واجب نہیں ہے کہ ان دس دنوں میں

اپنی خوشیوں کو ایک طرف رکھ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کی مصیبت میں مغموم و محزون رہیں؟ اور یہ بھی جاننے کی کوشش کریں کہ ایامِ محرم میں کس طرح مجالسِ عزا قائم کریں اور شعائرِ حسینیؑ کی تعظیم و تکریم کریں؟

شیخ ہادی نجفی کی اپنے اشعار میں یومِ عاشور کی منظر کشی:

اَلْيَوْمَ قَامَتْ بِهِ ﴿الزَّهْرَاءِ﴾ نَادِبَةً   اَلْيَوْمَ ﴿آسِيَةٌ﴾ وَافَتْ تَوَاسِيهَا

اَلْيَوْمَ عَادَتْ لِدِينِ الْكُفْرِ دَوْلَتُهُ   اَلْيَوْمَ نَالَتْ بَنُوهِنْدٍ اَمَانِيهَا

مَا عُذْرُ اَرْجَاسِ هِنْدٍ يَوْمَ مَوْقِفَهُ   وَالْمُصْطَفٰى خَصْمُهُمْ وَاللّٰهُ قَاضِيهَا

"ہائے آج کا دن ایک دردناک ترین دن ہے۔ اس دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے گھرانے پر مظالم ڈھائے جانے والے ہیں۔ آج کے دن فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اپنے بیٹوں پر آہ و بکا کریں گی۔ آج جنابِ آسیہ بھی جناب زہراؑ کے ہمراہ ان کے گھرانے پر ماتم کریں گی۔ آج کفر نے بظاہر دین پر غلبہ حاصل کیا۔ آج ہندہ کے گھرانے میں خوشیاں ہیں اور وہ جشن منا رہے ہیں۔ آخر قیامت کا دن آئے گا تو یہ ظالم بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں گے۔ ان پر بارگاہِ خداوندی میں مقدمہ چلے گا۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعویٰ دائر کریں گے اور اللہ اپنا فیصلہ سنائے گا"۔

(کتاب شعراء حلہ: ج۵، ص ۲۴۰)

فرزندِ رسولؐ اور روزِ عاشور

جنابِ ابن قولویہ اور مسعودی نے نقل کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشور کی نمازِ صبح اپنے اصحاب کے ساتھ پڑھی۔ نماز سے فراغت کے بعد اپنے اصحاب کی طرف رُخِ انور کیا اور خداوند متعال کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ بعد ازیں اپنے اصحاب سے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذِنَ فِي قَتْلِكُمْ وَقَتْلِي فِي هٰذَا الْيَوْمِ، فَعَلَيْكُمْ بِالصَّبْرِ وَالْقِتَالِ

''خداوند تعالیٰ نے آج کے روز ہماری تمھاری شہادت کا حکم دے رکھا ہے۔ آج ہم نے ہر صورت قتل ہونا ہے۔ اس جنگ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا''۔

بعد ازیں آپؑ نے اپنے لشکر کی صفوں کو منظم کیا۔ آپؑ کے لشکر کی تعداد بیاسی افراد پر مشتمل تھی، جن میں کچھ سوار اور کچھ پیادہ تھے۔ ①

تنظیم لشکرِ حسینیؑ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی فوج کے میمنہ پر زُہیر بن قین اور میسرہ پر جناب حبیبؓ ابن مظاہر کو مقرر فرمایا۔ قلب لشکر میں اپنے آپؑ کو اور اپنے خاندان کے افراد کو رکھا اور اپنی فوج کا علم بردار حضرت ابوالفضل العباسؑ کو ٹھہرایا۔

---

① حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں اور وہ یہ ہیں:

۱- آپؑ کے اصحاب میں سے بتیس نفر سوار اور چالیس پیادہ تھے۔ (ارشاد: ص ۲۳۳۔ اعلام الوریٰ: ص ۱۴۲۔ روضۃ الواعظین: ص ۱۸۵۔ اخبار الدول: ص ۱۰۸۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۴۔ تاریخ طبری: ج ۶، ص ۲۴۱۔ کامل: ج ۴، ص ۲۴، اخبار الطوال: ص ۲۵۴)

۲- صاحب الدمعۃ الساکبہ نے ص ۳۲۷ پر بیاسی نفر کی روایت نقل کی ہے اور یہی روایت مستند ہے۔

۳- دمیری نے اپنی کتاب حیاۃ الحیوان خلافت یزید کے باب میں ج ۱، ص ۷۳ پر ۶۰ نفر تعداد لکھی ہے۔

۴- شریشی نے شرح مقامات حریری: ج ۱، ص ۱۹۳ پر ۷۳ نفر تعداد نقل کی ہے۔

۵- ابن عساکر نے اپنی کتاب تہذیب تاریخ: ج ۴، ص ۳۳۷ پر ۴۵ نفر سوار اور ایک سو نفر پیادہ کی روایت نقل کی ہے۔

۶- مسعودی نے اثبات الوصیت: ص ۳۵ پر اکسٹھ کی تعداد لکھی ہے۔

۷- ابن نما نے مثیر الاحزان: ص ۲۸ اور صاحب لہوف نے ص ۵۶ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان نقل کیا ہے کہ تعداد ایک سو پینتالیس لکھی۔

۸- شبراوی نے الاتحاف بحب الاشراف: ص ۱۴ پر یہ تعداد ۱۷ نقل کی ہے۔

۹- ذہبی نے تاریخ دول الاسلام: ج ۱، ص ۳۱ پر لکھا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام مدینہ سے نکلے تھے تو ان کے ساتھ ستر سوار تھے۔

فرزندِ رسولؐ نے حضرت ابوالفضل العباسؑ کو اپنی فوج کا علَم اس لیے عطا فرمایا تھا کیونکہ آپؑ دوسروں کے مقابلے میں اس ذمہ داری کے لیے اہم تر تھے اور اس ذمہ داری کے حق وحرمت کو خوب جانتے تھے۔ آپؑ دعوتِ حق کے لیے داعی تر، صلۂ رحم میں بے مثال، عہدوامان کی حفاظت میں امین تر، مبارزہ میں استوارتر اور شدید ترین اضطرابی مواقع پر مضبوط ترہستی تھے۔

عمر ابنِ سعد کا لشکر

فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلے میں عمر بن سعد کے پاس تیس ہزار کا لشکر موجود تھا۔ علاوہ ازیں کوفہ کے چار رئیس بھی موجود تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

① عبداللہ بن زہیر بن سلیم ازدی، رئیس محلۂ اہلِ مدینہ۔

② عبدالرحمٰن بن ابی سبرہ حنفی، رئیس محلۂ مذحج واسد۔

③ قیس بن اشعث، رئیسِ محلہ ربیعہ وکندہ۔

④ حُر بن یزید ریاحی، رئیسِ محلۂ تمیم وہمدان۔

سوائے جنابِ حُر بن یزید ریاحی کے تمام کوفی فوج اور ان کے رؤسا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ میں شرکت کی تھی۔

عمر ابن سعد نے اپنی فوج کے میمنہ پر عمرو بن حجاج زبیدی کو اور میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو، عزرہ بن قیس احمسی کو سواروں پر اور شبث بن ربعی کو پیادہ لشکر پر مقرر کیا۔ اپنی فوج کا پرچم ذُوَید کے حوالے کیا۔

جس وقت ابن سعد کے لشکر نے خیامِ حسینی کے اطراف میں اپنے گھوڑوں کو دوڑایا تو انھیں خیام کی پشت پر آگ نظر آئی کیونکہ فرزندِ رسولؐ نے شبِ عاشور خیام کی پشت پر خندق کھدوائی تھی اور اس میں ایندھن بھروا کر آگ لگا دی تھی تاکہ دشمن پشتِ خیام سے حملہ نہ کرسکے تو شمر نے بلند آواز سے کہا: اے حسینؑ! قیامت کی آگ سے قبل اپنے آپ کے لیے دنیا کی آگ کا انتظام کر رکھا ہے؟

جب امام علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو فرمایا: ایسی بات کرنے والا شمر ہی ہوسکتا ہے؟ جب

اُسے جواب دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ شمر ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اے بکریاں چرانے والی عورت کے بیٹے! تُو نے ہی جہنم کی آگ میں جلنا ہے۔

اسی وقت جناب مسلم ابن عوسجہؓ نے عزم بالجزم کیا کہ شمر کو اپنے تیر کا ہدف بنائے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے اُنھیں منع کردیا کہ مَیں جنگ کا آغاز نہیں کرنا چاہتا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی صبحِ عاشور دُعا

جب عاشورۂ محرم کی صبح ہوئی تو عمر ابن سعد نے اپنے لشکر کی صف بندی شروع کی۔ اِدھر جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی دشمن کے ایک کثیر لشکر پر نگاہ پڑی تو آپؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور یہ دعا پڑھی:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِی فِی کُلِّ کَرْبٍ وَرَجَائِی فِی کُلِّ شِدَّۃٍ وَاَنْتَ لِی فِی کُلِّ اَمرٍ نَزَلَ بِی ثِقَۃٌ وَعُدَّۃٌ.....

''بار الٰہا! ہر رنج و غم میں تُو ہی میرا سہارا اور ہر مشکل میں تُو ہی میری اُمید کا مرکز و محور ہے۔ مجھ پر جب کبھی مصیبت نازل ہوئی تو مَیں نے تیری ہی پناہ لی ہے''۔

کَم مِن ھَمٍّ یُضعَفُ فِیہِ الفُؤَادُ وَتَقِلُّ فِیہِ الحِیلَۃُ وَیَخذُلُ فِیہِ الصَّدِیقُ وَیَشمَتُ فِیہِ العَدُوُّ اَنزَلتُہ بِکَ وَشَکَوتُہٗ اِلَیکَ.....

''کتنے ہی ایسے مصائب و آلام کی آندھیاں چلیں جب دل کمزور پڑ گئے۔ چارہ و تدبیر کے راستے بند ہوگئے۔ دوست ساتھ چھوڑ گئے اور دشمنوں نے خوشیاں منائیں لیکن مَیں نے تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری بارگاہ میں فریاد کی''۔

رَغبَۃً مِنِّی اِلَیکَ عَمَّن سِوَاکَ ، فَکَشَفتَہٗ وَفَرَّجتَہٗ فَاَنتَ وَلِیُّ کُلِّ نِعمَۃٍ وَمُنتَھٰی کُلِّ رَغبَۃٍ

''اور تیرے سوا ہر ایک سے بے نیاز ہوکر صرف تیری ذات ہی سے لو

لگائی اور تُو نے مجھ سے ہر مصیبت کو دُور کیا اور ہر رنج و اَلم سے نجات دلائی۔ بے شک تُو ہی ہر نعمت کا مالک اور ہر حاجت روائی کا مرکز ہے"۔

روزِ عاشور امام علیہ السلام کا اوّلین خطبہ

صبح عاشورا جب امام علیہ السلام اپنے لشکر کی تنظیم سے فارغ ہوئے تو اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اپنے خیام سے کچھ دُور چلے گئے اور آپؑ نے عمر بن سعد کے لشکر سے بلند آواز میں خطاب فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِیْ وَلَا تَعْجَلُوْا حَتّٰی اَعِظَکُمْ بِمَا هُوَ حَقٌّ لَکُمْ عَلَیَّ وَحَتّٰی اَعْتَذِرَ اِلَیْکُمْ مِنْ مَقْدَمِیْ عَلَیْکُمْ فَاِنْ قَبِلْتُمْ عُذْرِیْ وَصَدَّقْتُمْ قَوْلِیْ وَاَعْطَیْتُمُوْنِیَ النَّصَفَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ کُنْتُمْ بِذٰلِکَ اَسْعَدَ وَلَمْ یَکُنْ لَکُمْ عَلَیَّ سَبِیْلٌ وَ اِنْ لَمْ تَقْبَلُوْا مِنِّی الْعُذْرَ وَلَمْ تُعْطُوا النَّصَفَ مِنْ اَنْفُسِکُمْ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَکُمْ وَشُرَکَاءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنَ ﴿اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتَابَ وَهُوَ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیْنَ﴾

"اے لوگو! میری بات سنو اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرو تاکہ میں تمھیں وعظ و نصیحت کرنے کے سلسلے میں، مَیں اپنی ذمہ داری انجام دے سکوں اور تمھارے پاس آنے کا سبب بتا سکوں۔ اگر تم نے میری بات قبول کی، میری تائید کی اور میرے بارے میں عدل و انصاف کا راستہ اختیار کیا تو اس طرح تم سعادت اور کامیابی حاصل کرو گے اور پھر تمھارے پاس میرے خلاف جنگ کی کوئی دلیل نہیں ہوگی لیکن اگر تم میری بات تسلیم نہ کی اور عدل و انصاف سے کام نہ لو تو پھر اپنا ارادہ پختہ کرلو اور اپنے مددگاروں کو بلا لو اور تمھاری کوئی بات تم پر مخفی نہ رہے۔ اس کے بعد جو چاہو کر گزرو اور مجھے کسی طرح کی مہلت نہ دو۔" "بے شک! میرا مالک و مختار وہ خدا ہے، جس نے کتاب نازل کی ہے اور وہ اپنے نیک بندوں کا

والی و وارث ہے"۔ (سورۂ اعراف: آیت ۱۹۶)

جہاں دشمن کی فوج امام علیہ السلام کا خطبہ سن رہی تھی وہاں آپؑ کے یہ الفاظ خیام میں مخدرات عصمت و طہارت بھی سن رہی تھیں۔ جب انھوں نے امام علیہ السلام کے یہ دردناک جملے سنے تو ان کے گریہ و شیون کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جب امام علیہ السلام نے ان کے نالہ و فریاد کی دردناک صدائیں سنیں تو اپنے خطاب کو چھوڑ کر حضرت ابوالفضل العباسؑ اور شہزادہ علی اکبرؑ کو حکم دیا کہ وہ خواتین کو خاموش کرائیں۔ فَلَعَمْرِی لَیَكْثُرُ بُكَاؤُهُنَّ "خدا کی قسم! انھوں نے بہت رونا ہے"۔

جب خواتین اور بچے خاموش ہو گئے تو امام علیہ السلام نے ایک بار پھر اپنی تقریر کا آغاز کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد دوبارہ خطبہ ارشاد فرمایا:

عِبَادَ اللهِ اِتَّقُوا اللهَ وَكُونُوْا مِنَ الدُّنْيَا عَلٰى حَذَرٍ فَاِنَّ الدُّنْيَا لَوْ بَقِيَتْ لِاَحَدٍ اَوْ بَقِيَ عَلَيْهَا اَحَدٌ لَكَانَتِ الْاَنْبِيَاءُ اَحَقَّ بِالْبَقَاءِ وَاَوْلٰى بِالرِّضَاءِ وَاَرْضٰى بِالْقَضَاءِ غَيْرَ اَنَّ اللهَ خَلَقَ الدُّنْيَا لِلْفَنَاءِ فَجَدِيْدُهَا بَالٍ وَنَعِيْمُهَا مُضْمَحِلٌّ وَسُرُوْرُهَا مُكْفَهِرٌّ وَالْمَنْزِلُ تَلْعَةٌ وَالدَّارُ قُلْعَةٌ فَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى خَلَقَ الدُّنْيَا فَجَعَلَهَا دَارَ فَنَاءٍ وَزَوَالٍ بِاَهْلِهَا حَالًا بَعْدَ حَالٍ فَالْمَغْرُوْرُ مَنْ غَرَّتْهُ وَالشَّقِيُّ مَنْ فَتَنَتْهُ فَلَا تَغُرَّنَّكُمْ هٰذِهِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا تَقْطَعُ رَجَاءَ مَنْ رَكَنَ اِلَيْهَا وَتُخَيِّبُ طَمَعَ مَنْ طَمِعَ فِيْهَا وَاَرَاكُمْ قَدِ اجْتَمَعْتُمْ عَلٰى اَمْرٍ قَدْ اَسْخَطْتُمُ اللهَ فِيْهِ عَلَيْكُمْ وَاَعْرَضَ بِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ عَنْكُمْ وَاَحَلَّ بِكُمْ نِقْمَتَهُ فَنِعْمَ الرَّبُّ رَبُّنَا وَبِئْسَ الْعَبِيْدُ اَنْتُمْ اَقْرَرْتُمْ بِالطَّاعَةِ وَآمَنْتُمْ بِالرَّسُوْلِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ اِنَّكُمْ زَحَفْتُمْ اِلٰى ذُرِّيَّتِهِ وَعِتْرَتِهِ تُرِيْدُوْنَ قَتْلَهُمْ لَقَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْكُمُ الشَّيْطَانُ فَاَنْسَاكُمْ ذِكْرَ اللهِ الْعَظِيْمِ

فَتَبًّا لَكُمْ وَلِمَا تُرِيْدُوْنَ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ كَفَرُوا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

"اے بندگانِ خدا! اللہ نے دنیا کو خلق فرمایا اور اُسے زوال وفنا کا گھر قرار دیا۔ یہ اپنے مکینوں کو ایک حال سے دوسرے حال میں اُلٹتی پلٹتی رہتی ہے۔ وہ انسان فریب خوردہ ہے جسے دنیا دھوکے میں ڈال دے۔ اور بدنصیب وہ ہے جسے دنیا اپنے فتنوں میں جکڑ لے۔ پس! تم دنیا کے دھوکے میں نہ آجاؤ۔ کیونکہ جو شخص بھی اس پر بھروسا کرتا ہے یہ اس کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیتی ہے اور جو شخص اس کی طمع کرتا ہے، وہ اس سے محروم رہتا ہے۔

تم سب لوگوں نے ایک ایسی بات پر اکا کرلیا ہے جو خداوند متعال کے غیظ وغضب کا باعث ہے اور اس نے اپنا رُخ تمھاری طرف سے پھیر لیا ہے اور تم پر اپنے عذاب کو مسلط کردیا ہے۔ کتنا اچھا ہے ہمارا پروردگار اور کیسے بدکردار بندے ہو تم لوگ کہ "اللہ کی اطاعت کا اقرار کیا اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے اور پھر اسی رسول کی آلؑ و اولاد کو قتل کرنے کے لیے حملے کی تیاری کر رہے ہو۔ شیطان تم پر غالب آگیا ہے اور اُس نے تمھیں خدا کی یاد سے غافل کردیا ہے۔ وائے ہو تم پر اور تمھارے ارادوں پر۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ "ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے"۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا ہے اور یہ ظالم لوگ اللہ کی رحمت سے دُور ہیں۔ (1)

(1) امام علیہ السلام نے اپنے خطبے کے اس حصے میں لوگوں کے انحراف کے اسباب کو بھی بیان کیا ہے۔ آپؑ نے ان کے گوش گزار کیا کہ تم لوگ دنیا کے حصول کے لیے یہ کام کر رہے ہو اور اب تم نے فرزندِ رسولؐ کے قتل کے لیے کمریں کس لی ہیں۔ آپؑ کے خطبے کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی زرق برق انسان کی تباہی کا سبب ہے۔

یومِ عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام کے خطبے کا تیسرا حصّہ

اَیُّهَا النَّاسُ اَنْبِئُوْنِیْ مَنْ اَنَا ثُمَّ ارْجِعُوْا اِلٰی اَنْفُسِکُمْ وَعَاتِبُوْهَا وَانْظُرُوْا هَلْ یَحِلُّ لَکُمْ قَتْلِیْ وَانْتِهَاکُ حُرْمَتِیْ؟ اَلَسْتُ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ وَابْنَ وَصِیِّهٖ وَابْنَ عَمِّهٖ وَاَوَّلِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاللّٰهِ وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُوْلِهٖ بِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ؟

اَوَلَیْسَ حَمْزَةُ سَیِّدُ الشُّهَدَاءِ عَمَّ اَبِیْ؟ اَوَلَیْسَ جَعْفَرُ الطَّیَّارُ عَمِّیْ؟

اَوَلَمْ یَبْلُغْکُمْ قَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِیْ وَلِاَخِیْ: هٰذَانِ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟

فَاِنْ صَدَّقْتُمُوْنِیْ بِمَا اَقُوْلُ وَهُوَ الْحَقُّ وَاللّٰهِ مَا تَعَمَّدْتُ الْکِذْبَ مِنْهُ عَلِمْتُ اَنَّ اللّٰهَ یَمْقُتُ عَلَیْهِ اَهْلَهٗ وَیَضُرُّ بِهٖ مَنِ اخْتَلَقَهٗ وَاِنْ کَذَّبْتُمُوْنِیْ فَاِنَّ فِیْکُمْ مَنْ اِنْ سَاَلْتُمُوْهُ عَنْ ذٰلِکَ اَخْبَرَکُمْ

سَلُوْا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ اَنْصَارِیْ وَاَبَا سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ وَسَهْلَ بْنَ سَعْدِ السَّاعِدِیْ وَزَیْدَ بْنَ اَرْقَمَ وَاَنَسَ بْنَ مَالِکٍ یُخْبِرُوْکُمْ اِنَّهُمْ سَمِعُوْا هٰذِهِ الْمَقَالَةَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِیْ وَلِاَخِیْ اَمَا فِیْ هٰذَا حَاجِزٌ لَکُمْ عَنْ سَفْکِ دَمِیْ

”اے لوگو! میرے شجرۂ نسب اور میرے خاندان کو دیکھو پھر پلٹ کر سوچ بچار کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو کہ کیا تمھارا مجھے قتل کرنا اور میری حرمت و تقدیس کو پامال کرنا جائز ہے؟! کیا میں تمہارے پیغمبرؐ کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے وصی اور ان کے چچازاد بھائی کا فرزند نہیں جو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لائے اور جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، اللہ کی طرف سے لائے تھے، سب سے پہلے اس کی تصدیق کی۔

کیا جناب حمزہ سیّدالشہداؑ میرے چچا نہیں؟ کیا جعفر طیارؑ میرے چچا نہیں؟ کیا تم لوگوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں نبی

اکرم ﷺ کا وہ فرمان نہیں سنا جس میں آپؐ نے فرمایا:

"یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں"۔ اگر تم لوگ میری ان باتوں کی تصدیق کرتے ہو تو یہی حق ہے اور خدا کی قسم! میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے والے سے نفرت کرتا ہے اور اس کے جھوٹ کا نقصان خود بھی اسی کی طرف پلٹتا ہے۔ اگر تم لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو اب بھی مسلمانوں کے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر ان سے ان باتوں کے بارے میں پوچھو تو وہ تمہیں بتائیں گے (کہ میں سچ کہہ رہا ہوں)۔

جابر ابن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل ابن سعد ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک ان میں سے کسی سے بھی پوچھو تو وہ تمہیں بتائیں گے کہ انھوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسولؐ اکرم کا یہ قول سنا ہے۔ کیا یہی جملہ کافی نہیں ہے جو تمہیں میرا خون بہانے سے روک سکے؟[1]

شمر لعین کا شیطانی حربہ

جب امام علیہ السلام کا خطاب جاری تھا تو شمر ابن ذی الجوشن کو خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام علیہ السلام کی تقریر اس کی فوج کو متاثر کردے اور وہ جنگ کرنے سے انکار کردیں۔ امام علیہ السلام

---

[1] کیونکہ اہلِ کوفہ اُموی حکومتی زہریلے پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے تھے اور ان کے اَذہان میں یہ بات کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی کہ حسینؑ ابن علیؑ کے خلاف ان کی جنگ اپنے شرعی اور قانونی خلیفہ کی حمایت کے لیے ہے کیونکہ حسینؑ ابن علیؑ نے مسلمانوں کے مصالح کے برعکس اور ان کے خلیفہ کے خلاف قیام کیا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان کے خلاف جنگ کرے۔ اسی وجہ سے امام علیہ السلام نے اپنے خطاب کے تیسرے حصے میں اس پروپیگنڈے کو توڑنے کے لیے اپنے خاندان اور اجداد کی بعض خصوصیات اور اپنے ذاتی اوصاف اور اس مقام و منزلت کی جانب اشارہ فرمایا ہے، جس کی تائید پیغمبر اکرمؐ نے فرمائی تھی۔

⇦

کی گفتگو کو منقطع کرنے کی غرض سے بلند آواز سے کہا: ھُوَ یعبد اللہ علی حرف ان کان یدری ما تقول۔ "شمر گمراہ ہو جائے اگر اُس نے اس کی کوئی بات سمجھی ہو، یعنی مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

یہ سن کر حضرت حبیب ابن مظاہرؓ نے اصحابِ حسینؑ کی نمائندگی کرتے ہوئے اُسے جواب دیا:

وَاللّٰهِ اِنِّیْ اَرَاكَ تَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی سَبْعِیْنَ حَرْفًا وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ صَادِقٌ مَا تَدْرِیْ مَا یَقُوْلُ قَدْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قَلْبِكَ

"خدا کی قسم! تُو سخت ترین گمراہی کی دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ تُو نے سچ کہا ہے کہ تُو امامؑ کی کوئی بات نہیں سمجھا کیونکہ اللہ نے تیرے دل پر مُہر لگا دی ہے"۔

جنابِ حبیبؓ کے جواب کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطاب کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:

فَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ أَفَتَشُكُّوْنَ اَنِّیْ اِبْنُ بِنْتِ نَبِیِّكُمْ

⇦ یہ وہ خصوصیات تھیں جو ہر مسلمان کے سامنے واضح اور ثابت تھیں۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے بارے میں وہ بات فرمائی جس کا کوئی بھی مسلمان انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ان فضائل کے ذریعے اور ان خصائص کے ذریعے امامؑ ان گمراہ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر تم ہماری جدوجہد کو اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتوں کے خلاف سمجھتے ہو تو جان لو کہ اسلام ہمارے ہی گھرانے میں پلا بڑھا ہے اور ہماری کاوشوں سے تم تک پہنچا ہے۔ تمہارے نام نہاد خلیفہ کے آباؤ اجداد کفر و الحاد کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آج جنہیں تم اسلام کے حامی سمجھتے ہو اور اُن کی حمایت میں کمربستہ ہو چکے ہو، وہ اس دَور میں نہ صرف اسلام کے مخالف تھے بلکہ لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کے خلاف جنگ کی تحریک دیتے تھے۔ میرے چچاؤں نے اسلام کی خاطر ان جیسے افراد کے خلاف تادمِ شہادت جنگ کی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شخص جسے رسولِ خداؐ تو جنّت کے جوانوں کا سردار قرار دیں وہ اسلام کا مخالف ہو اور وہ لوگ جو کل تک اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے آج اسلام کی حمایت میں سینہ سپر ہوں۔

اسلام سے بڑا مذاق بھلا اب کیا ہوگا
ٹھیکے دار اسلام کے دشمن بن بیٹھے

فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ابْنُ بِنْتِ نَبِيٍّ غَيْرِيْ فِيْكُمْ وَلَا فِيْ غَيْرِكُمْ وَيْحَكُمْ اَتَطْلُبُوْنِيْ بِقَتِيْلٍ قَتَلْتُهُ أَوْ مَالٍ اِسْتَهْلَكْتُهُ اَوْ بِقِصَاصٍ جَرَاحَةٍ؟

"اگر تمھیں میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسولؐ خدا کے اس قول کے بارے میں کچھ شک ہے تو کیا تمھیں اس حقیقت میں بھی شک ہے کہ میں تمھارے پیغمبرؐ کی بیٹی کا بیٹا ہوں؟ خدا کی قسم! مشرق اور مغرب کے درمیان تم میں اور تمھارے علاوہ تمام لوگوں میں میرے علاوہ نبیؐ کا کوئی اور نواسہ نہیں ہے۔ وائے ہو تم پر! کیا میں نے تمھارا کوئی آدمی قتل کیا ہے جس کے قصاص میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ یا میں نے تم میں سے کسی کو مالی نقصان پہنچایا ہے؟ یا کسی کو مجروح کیا ہے جس کا بدلہ لینا چاہتے ہو؟"

جب فرزندِ رسولؐ کا ملکوتی خطاب جاری تھا تو عمر ابن سعد کے لشکر پر سکوت طاری تھا۔ ہر طرف سناٹے کا عالم تھا جیسے ہر طرف جمود طاری ہو چکا ہو۔ سب لوگ خاموش تھے۔ ان کی طرف سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آ رہا تھا۔ اس دوران میں ان کی اس حالت کو دیکھ کر آپؑ نے کوفہ کے چند روساء کا نام لے کر انھیں آواز دی: اے شبث بن ربعی! اے حجار ابن ابجر! اے قیس ابن اشعث! اے زید ابن حارث! کیا تم لوگوں نے میری طرف خطوط نہیں بھیجے تھے کہ پھل پکنے کے قریب ہیں، درخت سرسبز و شاداب ہیں اور تیار لشکر آپؑ کے لیے حاضر ہے اور ہم آپؑ کے انتظار میں ہیں؟؟

حضرت امام حسین علیہ السلام کے جواب میں ان لوگوں کے پاس سوائے انکار کے کوئی اور جواب نہ تھا۔

ان لوگوں نے کہا: ہم نے کوئی ایسے خطوط آپؑ کی طرف نہیں لکھے۔

ان کا یہ جواب سن کر امام علیہ السلام نے ازراہِ تعجب فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ! بَلٰى وَاللّٰهِ لَقَدْ فَعَلْتُمْ

"تم لوگ کس صورت میں انکار کر رہے ہو بخدا! تم لوگوں نے میری طرف خطوط لکھے ہیں"۔

اس وقت آپؑ نے فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ! اِذَا كَرِهْتُمُونِي فَدَعُونِي اَنْصَرِفُ عَنْكُمْ اِلٰى مَأْمَنٍ مِنَ الْاَرْضِ

"اگر میرا آنا تمہیں اچھا نہیں لگا تو مجھے کہیں اور جانے دیجیے۔ میں اس علاقے کی طرف چلا جاتا ہوں جو پُرامن ہے"۔

اس موقع پر قیس بن اشعث نے بلند آواز سے کہا: اے حسینؑ! آپؑ اپنے چچازاد بھائی کی بیعت کیوں نہیں کر لیتے؟ اگر آپؑ بیعت کر لیں تو اس صورت میں وہ آپؑ کی پسند کے مطابق آپؑ سے سلوک کرے گا اور آپؑ کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچے گی۔

قیس بن اشعث کی یہ بات سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: تُو اپنے بھائی کی طرح ہے۔ کیا تُو یہ چاہتا ہے کہ بنو ہاشم کے مرد تجھ سے حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے خون سے زیادہ انتقام لیں؟

لَا وَاللّٰهِ لَا اُعْطِيهِم بِيَدِي اِعْطَاءَ الذَّلِيلِ وَلَا اُقِرُّ فِرَارَ الْعَبِيدِ

"خدا کی قسم! نہیں قطعاً نہیں۔ میں اپنا ہاتھ ذلت کے ساتھ ان کے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح میدانِ جنگ سے فرار کروں گا"۔

پھر آپؑ نے وہ آیت کریمہ تلاوت کی جو جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے سامنے پڑھی تھی:

وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ (سورۂ دخان: آیت ۲۰)

"میں اپنے رب اور تمہارے رب کی بارگاہ میں پناہ لیتا ہوں کہ تم لوگوں نے میری بات قبول نہیں کی"۔

جب امام علیہ السلام نے اپنی گفتگو ختم کی تو اپنا اُونٹ عقبہ بن سمعان کے حوالے کیا کہ وہ اُسے باندھ دے۔[1]

---

[1] اسی دوران میں عمر ابن سعد کی فوج نے آپؑ کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ (تاریخ طبری، ج ۷، ص ۳۳۱)

عبداللہ بن حوزہ تمیمی کا بدترین انجام

جب یومِ عاشور عمر ابن سعد اپنے لشکر کی صف بندی کر چکا اور حضرت امام حسین علیہ السلام پر حملے کا حکم دے چکا تو اس دوران میں اس کی فوج کا ایک فرد جس کا نام عبداللہ بن حوزہ تمیمی نقل ہوا ہے، میدانِ جنگ میں آیا اور بلند آواز سے کہنے لگا: أَفِيكُمْ حُسَيْن ''کیا تمھارے درمیان حسینؑ ہے''۔

اُسے کسی نے کوئی جواب نہ دیا لیکن وہ بار بار کہنے لگا کہ تم میں حسینؑ کون ہے تو آپؑ کے کسی صحابی نے آپؑ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ہیں حسینؑ۔ تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے آپؑ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے کہا: اے حسینؑ! تجھے جہنم کی خوشخبری ہو (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِن ذٰلِكَ)۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: تُو اپنے قول میں جھوٹا ہے۔ جب میں اللہ کے حضور پیش ہوں گا تو اسی وقت اس کے فرشتے میرا استقبال کر رہے ہوں گے اور میں جنت میں وارد ہوں گا۔ تُو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ''ابن حوزہ'' ہوں۔

جب اس نے اپنا تعارف کرایا تو امام علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں کو بارگاہِ خداوندی میں اُٹھایا۔ آپؑ نے اپنے ہاتھوں کو اس قدر بلند کیا کہ آپؑ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی۔ آپؑ نے اس کا نام لے کر اس پر لعنت کی: اَللّٰهُمَّ حُزْهُ اِلَى النَّارِ ''اے اللہ! اسے جہنم کی طرف کھینچ لے''۔

جب اس ملعون نے امام علیہ السلام کی دعا کے الفاظ سنے تو غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو تازیانہ لگایا تاکہ دریا کی طرف چلے اور امام علیہ السلام پر حملہ کرے۔ جب گھوڑے کو اچانک تازیانہ لگا تو وہ اپنی جگہ سے اُبھرا (یعنی بیچ پا ہوا) اور یہ ملعون زین سے زمین پر آ گرا۔ اس کا ایک پاؤں رکاب میں پھنس کر رہ گیا۔ گھوڑے نے پوری رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا۔ کبھی وہ اُسے دائیں طرف مارتا، کبھی بائیں طرف اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی اور آخر بدن سے جدا ہو گئی۔ ابھی اس کی دوسری ٹانگ رکاب میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس کا گھوڑا اس کے نیم جان بدن کو پتھروں پر مارتا رہا۔ آخر یہ ملعون جہنم رسید ہوا اور دنیا نے دیکھا کہ

امام علیہ السلام کی دعا کتنی جلد مستجاب ہوئی۔ ①

مسروق بن وائل حضرمی کی توبہ

مسروق کا بیان ہے کہ میں ابن زیاد کے لشکر کے ہراول دستے میں تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں امام حسین علیہ السلام کو قتل کروں اور ابن زیاد کے پاس ان کے سر سمیت جا کر انعام حاصل کروں۔ جب میں نے ابن حوزہ کا انجام دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ اہل بیت رسولؐ ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں ان کا مقام و احترام ہے۔ میں نے فوراً ابن سعد کے لشکر کو چھوڑا اور توبہ کر لی کہ کہیں ان سے جنگ کر کے جہنم میں نہ پہنچ جاؤں۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۲۷)

مسروق ابنِ حوزہ کا انجام دیکھ کر
پہچان ہی گئے کہ ہدایت کہاں پہ ہے

روزِ عاشور جناب زُہیر بن قین کا خطاب

جب روزِ عاشور عمر ابن سعد کی فوج میدانِ جنگ میں آ چکی اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے خلاف یورش برپا کر دی تو اسی وقت جناب زُہیر ابن قین اپنے مضبوط اور طاقتور گھوڑے پر مسلح ہو کر سوار ہوئے اور کوفی لشکر کے سامنے آ کر انھیں خطاب فرمایا:

"اے اہلِ کوفہ! عذابِ خداوندی سے خوف کھایئے جب تک ہمارے اور تمھارے درمیان تلوار کے حملے واقع نہیں ہوتے اس وقت تک ہم اور تم دینی بھائی ہیں اور ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر حق بنتا ہے۔ اس لیے ایک برادرِ دینی کے اعتبار سے میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ جب

---

① کامل ابن اثیر اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ ابن حوزہ کا گھوڑا اُسے اس خندق کے پاس لے آیا جس میں آگ جل رہی تھی۔ اس کا جسم اس آگ میں گرا اور جل کر راکھ ہو گیا۔ اسی طرح وہ دوزخ کی آگ سے قبل اس دنیا کی آگ میں جل مرا۔ ان مورخین نے امام علیہ السلام کی دُعا کچھ اس طرح ذکر کی ہے: وَاَذِقه حرّھا قبل مصیرہ الی نار الآخرہ۔ جب امام علیہ السلام نے اس کا بدترین انجام دیکھا تو اپنا سرِ نیاز بارگاہِ ایزدی میں (بطور شکرانہ) رکھ دیا۔

ہمارے اور تمہارے درمیان شمشیر چل جائے گی تو برادرانہ حقوق و احترامات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ اس وقت ہم ایک اُمت اور شریعت پر ہوں گے جبکہ تم دوسری اُمت اور شریعت پر ہو گے۔

سر دست خداوند تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتؑ کے معاملے میں آزما رہا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہم میں سے کس نے اپنے نبیؐ سے عہد وفا باندھ رکھا ہے اور وہ کون ہے جس نے عہد اور بیعت کو توڑ کر رکھ دیا ہے اور اپنی راہ اپنائی ہے۔ ہم تمہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیتؑ کی نصرت اور طاغوتِ زمان عبیداللہ ابن زیاد کی دوستی کو ختم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ آپ سب جانتے ہیں کہ عبیداللہ ابن زیاد کس کردار و عادات کا مالک ہے اور اس کی ظالمانہ حکومت اور اس کے عیارانہ و مکارانہ طور طریقوں کو بھی تم جانتے ہو۔

وہ خود اور اس کی حکومت برائی اور شرارت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جنھوں نے تمہارے بھائیوں کی آنکھیں نکلوائیں تھیں اور ان کے ہاتھوں اور ٹانگوں کو قطع کروا دیا تھا۔ نیز ان کے اُنگ اُنگ کو جدا کروایا۔ ان کے اجسام کو درختوں پر لٹکایا۔ تمہارے خوبصورت اور نیک سیرت نوجوانوں اور قرآن مجید کے قاری جیسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں اور ہانی ابن عروہ کو قتل کروایا۔ جب حسینی جانباز کا فصیح و بلیغ خطاب اس مقام پر پہنچا تو عمر بن سعد کے کچھ بد بخت سپاہی آگے بڑھے اور جناب زُہیر کو گالیاں دینے اور نازیبا الفاظ کہنے لگے، ابن زیاد کی تعریف کرنے لگے اور کہنے لگے: ہم تم سے قطعاً دُور نہیں ہوں گے جب تک تمہیں اور تمہارے رفیق (حسینؑ) کو قتل نہ کر دیں یا پھر اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے عبیداللہ ابن زیاد کے پاس نہ لے جائیں"۔

جونہی کوفی سپاہیوں کی بات ختم ہوئی تو جناب زُہیر نے دوبارہ انھیں نصیحت کرنا شروع کر دی:

"اے لوگو! حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند کی نصرت کرنا، پسرِ سمیّہ کی نصرت سے کہیں زیادہ سزاوار تر اور اوّلیت رکھتی ہے۔ اگر تم لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت نہیں کر سکتے تو کم سے کم اُن سے جنگ بھی نہ کیجیے اور انھیں اپنے حال پر چھوڑ دیجیے یقیناً! یزید تم پر راضی رہے گا"۔

ابھی جناب زُہیرؓ کا خطاب جاری ہی تھا کہ شمر لعین نے انھیں اپنے تیر کا ہدف بناتے ہوئے کہا: خاموش رہو! خدا تجھے خاموش کرے۔ تُو نے اپنی باتوں سے میرے تن بدن میں آگ لگا دی ہے۔

جناب زُہیر نے شمر کے جواب میں کہا: اے اپنے پاؤں پر پیشاب کرنے والی عورت کے بیٹے! میرا مخاطب تُو تھوڑا ہے، تُو کوئی انسان ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تجھے اللہ کے قرآن کی دو آیات بھی یاد نہیں ہیں۔ تجھے جہنم کی آگ اور آخرت کی ذلت کی خوشخبری ہو۔

شمر نے جناب زُہیرؓ کو قتل کی دھمکی دی اور کہا: ابھی تُو اور تیرا آقا ہمارے ہاتھوں قتل ہونے والے ہو۔

جناب زُہیر نے فرمایا: کیا تُو مجھے قتل سے ڈراتا ہے؟

خدا کی قسم! اس کی رکاب میں قتل ہونا اس زندگی جاودانہ سے ہزار گنا بہتر ہے جو تم جیسے پست فطرت لوگوں کے ساتھ گزاری جائے۔

جوں ہی شمر کی بات ختم ہوئی۔ جناب زُہیرؓ نے پھر اپنی گفتگو کا آغاز کیا:

"اے خدا کے بندو! ایسے تہی مغز، ستم پیشہ افراد کے دھوکے میں مت آؤ۔ یہ تمھیں تمھارے دین سے برگشتہ کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جن لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذریت کا خون گرایا ایسے لوگوں کو کل قیامت کے دن ان کی شفاعت قطعاً نصیب نہ ہوگی"۔

ابھی جناب زُہیر کی تقریر جاری تھی کہ ایک حسینی جانباز اِن کے پاس آیا اور کہنے لگا: فرزندِ رسولؐ! آپ کو واپس بلا رہے ہیں اور وہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اپنی جان کی قسم! جس

طرح مومنِ آلِ فرعون نے فرعونیوں کو نصیحت کی تھی، آپؑ نے بھی اسی کی طرح حق ادا کیا ہے اور اس قوم کی نصیحت کے لیے یہی کچھ کافی ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۳۱)

روزِ عاشور جناب بُریر کا خطاب

حضرت بُریر بن خضیر ہمدانی جب میدانِ کربلا میں نصرتِ امام حسین علیہ السلام کے لیے تشریف لائے تو اس وقت ان پر بڑھاپا چھا چکا تھا اور پُرسال خوردگی اور ضعیفی و پیری کا غلبہ تھا۔ آپ تابعین میں سے تھے۔ آپ کا شمار جامع مسجد کوفہ کے اِن قراء میں ہوتا تھا، جن کا شہرہ عراق وحجاز میں تھا اور عبادت و زُہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ قبیلۂ ہمدان میں ایک بہت بڑی عزت و منزلت کے مالک تھے۔ آپؑ فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے اور کوفی فوج سے گفتگو کی اجازت مانگی۔ جب آپ کو بارگاہِ امامت سے اجازت ملی تو کوفی فوج کے قریب پہنچے اور بلند آواز سے انھیں خطاب کرتے ہوئے کہا:

> اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری انسانیت کی طرف بشیر و نذیر اور داعی الی الحق بنا کر ارسال فرمایا۔ تمھارے سامنے دریائے فرات ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ کتے، سور اور جنگلی جانور سب اس سے استفادہ کر رہے ہیں لیکن تم نے اسی دریا کے پانی کو اپنے نبیؐ کی بیٹیؑ کے بیٹے پر بند کر رکھا ہے۔ کیا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زحمات کا یہی اجر ہے جو تم ان کی اولاد کو دے رہے ہو؟!"

عمر ابن سعد کی فوج کے کچھ سپاہیوں نے بُریر کی بات کو قطع کرتے ہوئے کہا: اے بُریر! بس کر اس سے زیادہ بولنے کی کوشش نہ کر۔ خدا کی قسم! حسینؑ کو ہر صورت پیاسا ہی رہنا ہے۔ اس سے پہلے بھی کچھ لوگ پیاسے ہی اس دنیا سے سدھارے ہیں۔

لیکن جناب بُریر نے اپنی گفتگو جاری رکھی اور فرمایا: اے لوگو! تمہارے سامنے ثقلِ پیغمبر موجود ہے۔ ان کے ہمراہ ان کی اولاد بیٹے، بیٹیاں اور خاندان کے دوسرے افراد موجود ہیں۔ اب تم ان کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو اور تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو؟!

عمر ابن سعد کے سپاہیوں نے کہا: ہمارا ارادہ ہے کہ ہم انھیں ابن زیاد کے حوالے کر

دیں وہ جس طرح چاہے ان سے سلوک کرے۔

جناب بریر نے فرمایا: کیا تمھیں یہ بات قبول نہیں ہے کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں پر واپس چلے جائیں؟

اے اہل کوفہ! تم پر وائے ہو! کیا اس بات کو بھول گئے ہو کہ کل تم نے ان کی طرف خطوط ارسال کیے۔ تم نے ان سے وعدے کیے۔ یہ تمام باتیں تم فراموش کر بیٹھے ہو۔ کیا کل تم لوگوں نے جب ان کی طرف خط لکھے تھے اور وعدے کیے تھے تو تم نے اپنے اور اُن کے درمیان اپنے اللہ کو بطور شاہد مقرر کیا تھا؟!

کیا تم وہی لوگ نہیں ہو کہ تم نے اہل بیت پیغمبرؐ کو اپنی طرف دعوت دی اور انھیں اپنی فداکاری و وفاداری کا یقین دلایا تھا؟! جب وہ تمھاری دعوت پر تمھاری طرف چلے آئے تو تم نے دریائے فرات کا پانی بھی ان پر بند کر دیا۔ اب تم چاہتے ہو کہ انھیں ابن زیاد کے حوالے کر دیں؟ تم نے اپنے پیغمبرؐ کے جانے کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا ہے؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ خداوند تعالیٰ قیامت کے روز تم سب کو اپنی رحمت کے پانی سے محروم رکھے۔ تم بدترین لوگ ہو۔

ابھی جناب بریر کی عقلی و منطقی گفتگو جاری تھی کہ عمر بن سعد کے چند فوجی شور مچانے لگے: مَا نَدرِی مَا تَقُولُ "تمھاری باتوں کی سمجھ نہیں آرہی؟"

جناب بریر نے ان کے جواب میں فرمایا: خداوند تعالیٰ کے لیے حمد وثنا ہے کہ وہ میری بصیرت میں اضافہ فرمائے تاکہ میں تمھیں اچھی طرح سے سمجھا سکوں۔ پھر آپؒ نے اپنے ہاتھوں کو آسمانوں کی طرف بلند کیا اور ان سے اعلانِ بیزاری کرتے ہوئے کہا: "اے پروردگار! ان دشمنوں کو آپس میں لڑا دے اور ان پر اپنا غضب نازل فرما"۔

جب دشمن جناب بریر کی گفتگو سے لاجواب ہوا تو اپنے ترکش سے تیر نکال کر جناب بریر کو نشانہ بنانے لگا۔ آخرکار جناب بریر واپس امام علیہ السلام کی طرف چلے آئے۔ [1]

---

[1] بحار الانوار: ج ۴۵، ص ۵ پر ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بریر سے فرمایا کہ وہ جائیں اور ان لوگوں سے گفتگو کریں۔

روزِ عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام کا دوسرا خطبہ

جب جنابِ بریر واپس آئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور عمر بن سعد کی طرف فوج کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ آپؑ نے قرآنِ مجید کھولا اور اپنے سر کے اُوپر بلند کر کے فرمایا: اے لوگو! میرے اور تمھارے درمیان اللہ کا قرآن اور میرے نانا کی شریعت بطورِ فیصل ہے۔

پھر آپؑ نے ان سے گواہی طلب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں رسولؐ اللہ کا فرزند ہوں اور رسولؐ خدا نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں کیا کچھ کہا تھا؟۔ کیا تمھیں معلوم ہے کہ جو شمشیر میرے ہاتھ میں ہے، جو زرہ مَیں نے پہن رکھی ہے اور جو عمامہ میرے سر پر ہے یہ سب رسولؐ خدا کے ہیں؟

جب تمام لوگوں نے آپ کے فرمودات کی تائید کی تو پھر آپؑ نے ان سے پوچھا: ان حالات کے باوجود کیا تم لوگ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟! ان سب لوگوں نے آپؑ کے جواب میں کہا: جی ہاں! کیونکہ امیر عبیداللہ ابن زیاد نے ہمیں حکم دیا ہے، اس کے حکم کی تعمیل ہم پر واجب ہے۔

جب امامؑ نے ان کا احمقانہ اور ظالمانہ جواب سنا تو آپؑ نے فرمایا:

تَبًّا لَكُمْ اَيَّتُهَا الْجَمَاعَةُ وَتَرَحًا اَفَحِيْنَ اِسْتَصْرَخْتُمُوْنَا وَلِهِيْنَ
مُتَحَيِّرِيْنَ فَاَصْرَخْنَاكُمْ مُؤَدِّيْنَ مُسْتَعِدِّيْنَ سَلَلْتُمْ عَلَيْنَا سَيْفًا فِيْ
رِقَابِنَا وَحَشَشْتُمْ عَلَيْنَا نَارَ الْفِتَنِ الَّتِيْ جَنَاهَا عَدُوُّكُمْ وَعَدُوُّنَا
فَاَصْبَحْتُمْ اِلْبًا عَلٰى اَوْلِيَائِكُمْ وَيَدًا عَلَيْهِمْ لِاَعْدَائِكُمْ بِغَيْرِ عَدْلٍ
اَفْشَوْهُ فِيْكُمْ وَلَا اَمَلَ ، اَصْبَحَ لَكُمْ فِيْهِمْ اِلَّا الْحَرَامَ مِنَ الدُّنْيَا
اَنَالُوْكُمْ وَخَسِيْسَ عَيْشٍ طَمِعْتُمْ فِيْهِ مِنْ حَدَثٍ كَانَ مِنَّا بَيْنَ
اثْنَتَيْنِ بَيْنَ السِّلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَهَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةِ يَاْبَى اللّٰهُ لَنَا ذٰلِكَ
وَرَسُوْلُهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَحُجُوْرٌ طَابَتْ وَطَهُرَتْ وَاُنُوْفٌ حَمِيَّةٌ
وَنُفُوْسٌ اَبِيَّةٌ مِنْ اَنْ تُؤْثَرَ طَاعَةَ اللِّئَامِ عَلٰى مَصَارِعِ الْكِرَامِ اَلَا

اِنِّی قَدْ أَعْذَرْتُ وَأَنْذَرْتُ اَلَا اِنِّی زَاحِفٌ بِهٰذِهِ الْاُسْرَةِ عَلٰی قِلَّةِ الْعَدَدِ وَخِذْلَانِ النَّاصِرِ

"اے لوگو! پھر تم جیسے لوگوں کے مقدر میں ہمیشہ کی ذلت ورسوائی ہے۔ تم لوگوں نے خود حیران و پریشان ہو کر ہمیں مدد کے لیے بلایا اور جب ہم بھرپور تیاری کے ساتھ تمہاری مدد کو پہنچے تو تم نے اپنی تلواریں ہمارے ہی خلاف کھینچ لیں اور جس آگ کو ہمارے مشترکہ دشمن نے ہمارے خلاف بھڑکایا تھا، تم نے اُسے ہمارے لیے شعلہ ور کر دیا۔ آج تم اپنے دوستوں کے دشمن اور اپنے دشمنوں کے دست و بازو بن گئے ہو۔ جبکہ دشمنوں نے تمہارے ساتھ انصاف کیا نہ اُن سے بھلائی کی کوئی توقع ہے۔ سوائے دنیا کے اس مالِ حرام کے جو تم نے ان سے حاصل کیا ہے اور ذلت و نکبت کی اُس حیات کے لیے جس کی تم ان سے آس لگائے بیٹھے ہو۔ اتنی جلدی نہ کرو کہ بدبختی اور بربادی تمہارا مقدر بن جائے۔ کیونکہ تم نے ہماری نصرت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے اور ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہو۔ حالانکہ نہ تو ہم سے تمہارے خلاف کوئی بات صادر ہوئی ہے، نہ ہمارے متعلق تمہارا کوئی خیال غلط ثابت ہوا ہے اور نہ ہی ہم نے تمہارے خلاف تلوار اُٹھائی ہے۔ ہمارے دل بھی تمہاری طرف سے مطمئن تھے اور تمہارے متعلق ہماری رائے میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی لیکن تم ٹڈی دَل فوج کی طرح چاروں طرف سے ہم پر ٹوٹ پڑے ہو۔

بُرائی تمہارا مقدر ہو! تم اُمت کے سرکش لوگوں میں سے ہو۔ بدقماش لوگوں کے بچے کھچے لوگ ہو۔ کتابِ خدا کو چھوڑ دینے والے ہو۔ شیطان کی ناک کا نزلہ، گناہ گاروں کی ٹولی، کتابِ خدا کی تحریف کرنے والے اور سنتِ رسولؐ کو مٹا دینے والے، تم آلِ رسولؐ کو قتل کرتے ہو۔ اولیاء اور اوصیاء کی نسلوں کو برباد کرتے ہو۔ جبکہ ولد الحرام کو نسبی اولاد قرار دیتے

ہو۔ اہلِ ایمان کو اذیت و آزار پہنچانے اور کتابِ الٰہی کا مذاق اُڑانے والوں کی ٹولی کے سرغنہ کے معاون ہو اور اب تم ابن حرب اور اس کے پیروکاروں کے معاون و مددگار بن گئے ہو اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔

ہاں، خدا کی قسم! تمھاری دھوکا دہی اور بے وفائی زمانہ میں مشہور ہے۔ یہ تمھاری جڑوں میں دوڑ رہی ہے اور تمھاری شاخوں نے اُسے وراثت میں پایا ہے۔ اسی کے ساتھ تمہارے قلوب پروان چڑھے ہیں اور اسی کو تمہارے سینے چھپائے ہوئے ہیں۔ تم بدترین پھل ہو جو اپنے باغبان کے گلے میں پھنس جاتا ہے اور غاصبوں کے لیے خوش مزہ ہوتا ہے۔ خدا کی لعنت ہو ان لوگوں پر جو مضبوط قول وعہد کے بعد اپنے وعدوں سے پھر جاتے ہیں حالانکہ تم لوگوں نے عہد و پیمان پر خدا کو بھی گواہ اور ضامن قرار دیا ہے۔

خدا کی قسم! تم ہی وہ ہو۔ دیکھو پست اور فرومایہ باپ کے پست اور کمین بیٹے ابن زیاد نے مجھے دو میں سے کسی ایک بات کے انتخاب پر مجبور کر دیا ہے کہ یا تو تلوار اُٹھا لوں یا ذلت قبول کر لوں۔

یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ہم ذلت قبول کریں۔ خدا، اس کا رسولؐ، پاک و پاکیزہ آغوش، بلند و بالا ناک اور غیرت مند نفس قطعاً ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم عزت کی موت پر کمینوں کی اطاعت کو ترجیح دیں۔

یاد رہے! میں نے تمہیں سب کچھ بتا کر اتمامِ حجت کر دی ہے اور تمہیں متنبہ بھی کر دیا ہے۔ اعوان و انصار کی کمی اور مددگاروں کے منہ موڑ لینے کے باوجود میں اس مختصر کنبے کے ساتھ تمہارے خلاف جنگ کے لیے تیار ہوں"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے چند اشعار پڑھے:

فَاِنْ نَهْزِمْ فَهَزَّامُونَ قِدْمًا — وَاِنْ نُهْزَمْ فَغَيْرُ مُهَزَّمِينَا
وَمَا اِنْ طِبَّنَا جُبْنٌ وَلٰكِنْ — مَنَايَا وَ دَوْلَةُ آخَرِينَا

فَقُل لِلشَّامِتِيْنَ بِنَا افِيقُوا سَيلقى الشَّامِتُوْنَ كَمَا لَقِيْنَا
اِذَ مَا الْمَوتُ رَفعَ عَن اُنَاسٍ بِكَلْكَلِهٖ اَنَاخَ بِآخَرِيْنَا

"اگر ہم دشمن پر کامیاب ہو جائیں تو یہ نئی بات نہیں ہے۔ ہم تو پہلے بھی کامیاب ہوتے رہے ہیں اور اگر شکست کھا جائیں تو تب بھی وہ ہماری شکست نہ ہوگی۔ خوف زدہ اور بزدل ہونا ہمارا شیوہ نہیں ہے لیکن اس وقت ہم حوادث کی زد میں ہیں اور بظاہر ہمارا دشمن فائدے میں ہے۔ ہماری مصیبت پر خوشیاں منانے والوں سے کہو کہ وہ بھی ایک دن ایسے ہی حالات کا سامنا کریں گے۔ جب دوسرے ان کی مصیبت پر خوشیاں منائیں گے کیونکہ موت کا اُونٹ ایک دَر سے ہٹ کر دوسرے دَر پر بیٹھ جاتا ہے"۔

آپؑ نے بعد میں فرمایا:

اَمَا وَاللّٰهِ لَا تَلْبِثُوْنَ بَعدَهَا اِلَّا كَرِيثَ مَا يَرْكَبُ الْفَرَسَ، حَتّٰى تَدُورَ بِكُمْ دَوْرَ الرَّحٰى وَتَقْلَقَ بِكُمْ قَلَقَ الْمِحْوَر

"خدا کی قسم! اس کے بعد تم اتنی ہی دیر تک سکو گے جتنی دیر گھوڑے پر سوار ہونے میں لگتی ہے یہاں تک کہ تمھیں حوادث کی چکی بدترین گردش میں مبتلا کر دے گی جس طرح چکی کا مرکز مسلسل گردش میں رہتا ہے۔ اس طرح تم بھی حیرانی و سراسیمگی میں زندگی کا ہر لحظہ بسر کرو گے"۔

عَهِدَ عَهِدَهٗ اِلَيَّ اَبِي عَن جَدِّي رَسُوْلِ اللّٰهِ

"یہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے یہ وہ وعدہ ہے جو میرے والد نے نبی اکرمؐ سے سن کر مجھے بتایا ہے"۔

فَاَجْمِعُوا اَمْرَكُم وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُن اَمْرُكُم عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا اِلَيَّ وَلَا تُنظِرُوْنَ اِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِن دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ط اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

"اب تم اور تمھارے شریکِ کار ایکا کرلو اور تم پر کوئی بات مخفی نہ رہے، میرے بارے میں اپنے باطل ارادے کو عملی جامہ پہناؤ اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ مَیں تو صرف اللہ ہی پر بھروسا کرتا ہوں۔ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی اور جو زمین پر چلنے والے ہیں وہ اُن سب کا مالک ہے۔ بے شک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے"۔

پھر آپؑ نے اپنے مبارک ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور عمر بن سعد کی فوج پر ان الفاظ میں لعنت ونفرین فرمائی:

اَللّٰهُمَّ احْبِسْ عَنْهُمْ قَطْرَ السَّمَاءِ وَابْعَثْ عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِي يُوْسُفَ

"خداوندا! ان پر آسمان سے برسنے والی بارش کو روک دے، انھیں قحط کی بدحالی سے اس طرح دوچار فرما جس طرح حضرت یوسفؑ کے زمانے میں ایک قوم قحط سے دوچار ہوئی تھی"۔

وَسَلِّطْ عَلَيْهِمْ غُلَامَ ثَقِيْفٍ يَسْقِيْهِمْ كَاْسًا مُصَبَّرَةً

"خداوندا! ان پر بنو ثقیف کے جوان کو مسلط فرما جو انھیں ذلت وخواری کا بدترین مزہ چکھائے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے"۔

فَاِنَّهُمْ كَذَّبُوْنَا وَخَذَلُوْنَا

"کیونکہ انھوں نے ہمیں جھٹلایا ہے اور دشمن کے مقابلے میں اکیلا چھوڑ دیا ہے"۔

وَاَنْتَ رَبُّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ

"تُو ہی ہمارا پروردگار ہے، ہم نے تجھ پر توکل کیا ہے اور تیری طرف ہی بازگشت ہے"۔

وَاللّٰهِ لَا يَدَعُ اَحَداً مِنْهُمْ اِلَّا انْتَقَمَ لِي مِنْهُ قَتْلَةً بِقَتْلَةٍ وَضَرْبَةً بِضَرْبَةٍ وَاَنَّهُ لَيَنْتَصِرُ لِي وَلِاَهْلِ بَيْتِي وَاَشْيَاعِي

"اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ یہاں تک کہ قتل کا بدلہ قتل سے اور ضرب کا بدلہ ضرب سے نہ لے لے اور میرا اور میرے انصار اور میرے

اہلِ بیتؑ کا انتقام ان سے نہ لے لے کیونکہ ان لوگوں نے ہمیں دھوکا دیا، ہمیں جھٹلایا اور ہماری مدد اور حمایت سے انکار کیا ہے۔ تُو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا ہے اور تیری ہی طرف پلٹنا ہے"۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمرابنِ سعد سے گفتگو

جب حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے دوسرے خطاب سے فارغ ہوئے تو عمرابن سعد کو گفتگو کی دعوت دی۔ عمرابن سعد نہیں چاہتا تھا کہ وہ فرزندِ رسولؐ کے سامنے جائے اور ان سے ہم کلام ہو۔ لیکن ازراہ اِکراہ (مجبوراً) وہ امامؑ کے قریب آیا۔ امامؑ نے اس پر آخری مرتبہ اتمامِ حجت کی اُسے اپنے ساتھ جنگ اور اس کے نتائج سے آگاہ فرماتے ہوئے کہا:

اَیْ عُمَرُ! اَتَزْعَمُ اَنَّكَ تَقْتُلُنِیْ وَاَنْ يُوَلِّيَكَ الدَّعِیُّ بِلَادِ الرَّیِّ وَجُرْجَانَ وَاللهِ لَاتَتَهَنَّأُ بِذٰلِكَ اَبَدًا عَهْدٌ مَعْهُوْدٌ فَاصْنَعْ مَا اَنْتَ صَانِعٌ فَاِنَّكَ لَا تَفْرَحُ بَعْدِیْ بِدُنْيَا وَلَا آخِرَةٍ وَكَاَنِّیْ بِرَاْسِكَ عَلٰى قَصَبَةٍ يَتَرَامَاهُ الصِّبْيَانُ بِالْكُوْفَةِ وَيَتَّخِذُوْنَهٗ غَرَضًا بَيْنَهُمْ

"اے عمر! تیرا کیا خیال ہے کہ جب تم مجھے قتل کرلو گے تو پھر وہ بے حیا (یزید) "رَے" اور "گرگان" کی حکومت تیرے حوالے کرے گا۔ نہیں خدا کی قسم! یہ حکومتیں تمھیں کبھی نصیب نہ ہوں گی اور یہ وعدہ یقینی وعدہ ہے، جو تم کر سکتے ہو، کر گزرو۔ میرے قتل کے بعد تم اس دنیا میں اور آخرت میں بلکہ کہیں بھی سکھ اور چین سے نہ رہ سکو گے۔ وہ وقت کچھ زیادہ دُور نہیں، جب اسی شہر کوفہ میں تیرا سر ایک بانس پر ہوگا اور شہر کے بچے اُسے کھلونا بنا کر اس پر سنگ باری کریں گے"۔

جب عمرابن سعد نے امام علیہ السلام کی گفتگو سنی تو غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا اور بغیر

---

[1] حضرت امام حسین علیہ السلام کی یہ دوسری گفتگو لہوف کے متن کے مطابق ذکر کی گئی ہے۔ لیکن ابن عساکر نے تاریخ شام: ج ۴، ص ۳۳۳ اور خوارزمی نے اپنی مقتل، ج ۲، ص ۶ پر جو کچھ نقل کیا ہے وہ لہوف کے مطابق نہیں ہے۔

جواب دیے اپنے لشکر کی طرف واپس چلا آیا۔ ①

جنابِ حُر کی توبہ اور واپسی

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اتمامِ حجت کے لیے کوفی فوج سے فرمایا: کیا تم لوگ وہی نہیں ہو جنھوں نے مجھے خطوط لکھے تھے؟ تو ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا: نہیں! ہم نے آپؑ کو خطوط نہیں لکھے تھے۔

جب حُر بن یزید ریاحی نے فرزندِ رسولؐ کا استغاثہ سنا تو عمر ابن سعد کے قریب آئے اور پوچھا: ''کیا تم لوگ ہر صورت اس مرد سے جنگ کرو گے؟''

---

① حضرت امام حسین علیہ السلام نے عمر ابن سعد کو ہر اعتبار سے نصیحت کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ اس سے وعدہ فرمایا کہ اگر اُسے کوئی مالی نقصان اُٹھانا پڑا تو امامؑ اس کا بھی اپنی طرف سے ازالہ کریں گے۔ اس طرح امام علیہ السلام اس کی خیر خواہی اور راہ نمائی کرنا چاہتے تھے تا کہ وہ اس ظلم و بربریت سے بچ جائے اور دُنیا و آخرت کے عذاب و عتاب سے محفوظ ہو جائے۔

لیکن حُبِ دنیا نیز مقام و عہدے کی لالچ عمر ابن سعد کے دل و دماغ پر اس قدر چھا چکی تھی کہ اس نے اس کے نفسِ لوامہ کی تمام طاقتوں کو سلب کر رکھا تھا۔ ان دونوں مقامات پر امامؑ کو اس کے منفی جواب کا سامنا کرنا پڑا۔ ان تمام نصائح کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر امامؑ نے اس کے حق میں ان الفاظ میں بددعا کی: ذَبَحَكَ اللهُ عَلٰى فِرَاشِكَ ''خدا تجھے تیرے بستر پر ذبح کرائے اور قیامت کے دن تیری مغفرت نہ فرمائے اور اُمید ہے کہ عراق کی گندم تجھے بہت کم ہی نصیب ہوگی''۔

خدا نے اپنے ولی کی دُعا قبول فرمائی۔ دنیا نے عمر ابن سعد کو کربلا کی جنگ کے بعد دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتا ہوا دیکھا۔ جب وہ کربلا کی جنگ کے بعد اُسیرانِ اہلِ بیتؑ کے ساتھ کوفہ پہنچا تو وہ جنگ کی رپورٹ دینے کی خاطر ابن زیاد کے پاس پہنچا جب ابن زیاد نے تمام تفصیلات سُن لیں۔

تو عمر ابن سعد سے کہا: وہ خط جو میں نے تجھے حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے دیا تھا اب وہ مجھے واپس دے۔ ابن سعد نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ جنگی افراتفری کی وجہ سے وہ خط کہیں گم ہو گیا ہے۔ کیونکہ وہ ابن زیاد کو خط واپس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب ابن زیاد کا اِصرار بڑھا تو عمر ابن سعد نے اُسے کہا کہ تم اپنے اس حکم نامے کی واپسی پر کیوں مُصر ہو؟ میں نے تمھارے حکم کی تعمیل میں حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اب اس حکم نامے کا میرے پاس رہنا ضروری ہے تا کہ میں اُسے مدینہ اور دوسرے شہروں میں قریش کی بڑی بوڑھیوں کو دکھا کر اپنا عذر پیش کرسکوں۔ ⇦

عمر ابن سعد نے حُر سے کہا: جی ہاں! خدا کی قسم! ان لوگوں سے ضرور جنگ ہوگی اور ان کے سر گرانا اور ان کے اَبدان سے ان کے ہاتھ جدا کرنا بہت آسان ہے۔

جنابِ حُر نے کہا: انھوں نے جو پیش کش کی ہے، تم لوگ اُسے کیوں ٹھکرائے جا رہے ہو؟!

عمر ابن سعد نے کہا: اگر کُلی اختیارات میرے ہاتھ میں ہوتے تو میں ضرور قبول کر لیتا لیکن تمام اختیارات امیر کے ہاتھ میں ہیں۔ اس نے ہمیں سختی سے منع کر رکھا ہے کہ حسینؑ کی کوئی بات قبول نہ کی جائے۔

جب جنابِ حُر نے عمر ابن سعد کی ان باتوں کو سنا تو اُس سے دُور چلا گیا اور واپس

⇦ عمر ابن سعد کا یہ انجام ہوا کہ جہاں کہیں وہ جاتا تھا۔ لوگ اس سے کنارہ کشی کرتے تھے۔ گلی کوچے میں جب کسی کی اس پر نگاہ پڑتی تو وہ اُسے سب و شتم کر کے گزر جاتا تھا۔ اُسے دیکھ کر لوگ ایک دوسرے سے کہتے تھے: دیکھیے یہی فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کا قاتل ہے۔

۶۵ ہجری میں جب مختار ثقفیؒ کو حکومت ملی تو اس نے اپنی پولیس کے رئیس جناب کیسان تمار سے کہا کہ وہ عمر ابن سعد کو قتل کر کے اس کا سر اس کے پاس لے آئے۔ جس وقت کیسان عمر ابن سعد کے گھر گئے تو وہ سو رہا تھا۔ جب اس نے کیسان کو دیکھا تو اس نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ وہ اپنے لحاف سے نکل کر بھاگنے لگا تو لحاف اس کے پاؤں میں اُلجھ کر رہ گیا اور وہ اپنے بستر پر ہی گر پڑا۔ کیسان نے فوراً اپنی تلوار چلائی اور اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ یوں اس کی ذلت آمیز زندگی اپنے اختتام کو پہنچی۔

جناب کیسان اس کا سر لے کر جناب مختار کے پاس پہنچے۔ اس وقت عمر ابن سعد کا بیٹا حفص جناب مختارؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جناب مختارؒ نے حفص سے کہا پہچان کہ یہ کس کا سر ہے؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے پہچان لیا ہے کہ یہ سر کس کا ہے، اس کے بعد زندگی میں کوئی اچھائی باقی نہیں رہی۔ جناب مختارؒ نے کہا: جی ہاں! اب تیری زندگی میں بھی تیرے لیے کوئی فائدہ نہیں رہا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ حفص کو بھی قتل کر دیا جائے۔ جب باپ بیٹے کے سروں کو اکٹھا رکھا گیا تو مختار نے کہا: عمر ابن سعد، امام حسینؑ کا بدلہ اور حفص، علی اکبرؑ کا بدلہ ہے۔ پھر کہا: خدا کی قسم! یہ لوگ ان ذواتِ مقدسہ کا بدلہ و عوض ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اگر میں تمام قریش کے تین چوتھائی کو قتل کر ڈالوں تو پھر بھی میرے آقا امام حسین علیہ السلام کی انگلی کے ایک بند کا بدلہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے حُبِ ریاست (و جاہ) کا انجام اور یہ ہے امامؑ کی دُعا کا اثر۔ عمر ابن سعد کو دُنیا میں ایک لمحے کے لیے سکون نہ ملا اور آخرت میں اس کے لیے سوائے دوزخ کے کوئی اور ٹھکانا نہیں۔ یہ ہے تاریخ کے مجرم ترین شخص کا انجام۔

اپنی جگہ پر پہنچ گیا۔

قرہ ابن قیس، عمر ابن سعد کا ایک فوجی تھا جو جناب حُر کے ساتھ تھا۔ جناب حُر نے اس سے پوچھا: کیا تُو نے آج اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا ہے؟

قرہ نے جواب دیا: جی ہاں! مَیں نے اُسے پانی پلا لیا ہے؟ پھر دوبارہ جناب حُر نے کہا: کیا تُو اُسے دوبارہ پانی نہیں پلانا چاہتا؟

قرہ کا بیان ہے: اس وقت میرے دل میں یہ بات آئی کہ حُر نہیں چاہتا کہ میں مزید اس کے قریب رہوں بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اُس سے دُور چلا جاؤں اور اُسے دیکھ نہ سکوں کہ وہ کدھر کا ارادہ رکھتا ہے۔ قرہ کہتا ہے: میں ایک طرف ہو گیا۔ مَیں نے حُر پر نگاہ رکھی تو دیکھا کہ وہ آہستہ آہستہ امام حسینؑ کی طرف جا رہا ہے۔

جب مہاجر بن اوس کی نگاہ حُر پر پڑی کہ اس کا رُخ حضرت امام حسینؑ کے لشکر کی طرف ہے تو اُس نے حُر سے پوچھا: کیا تو حسینؑ لشکر پر حملہ کرنا چاہتا ہے؟

مہاجر کا بیان ہے: جب میری نگاہ حُر پر پڑی تو اس وقت اس کے جسم میں لرزہ طاری تھا لیکن حُر نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔

مہاجر نے اس کی یہ حالت دیکھ کر حُر سے کہا: اے حُر! اگر اس وقت مجھ سے کوئی سوال کرتا کہ پورے کوفہ میں سب سے جری اور بہادر جوان کون ہے؟ تو میں تیرا ہی نام لیتا۔ لیکن اب تُو نے یہ کیسی حالت بنا رکھی ہے جسے مَیں دیکھ رہا ہوں؟ (لہوف: ص ۵۸۔ امالی صدوق: مجلس ۳۰۔ روضۃ الواعظین: ص ۱۵۹)

جناب حُر نے کہا: میں اس وقت اپنے آپ کو جنّت اور دوزخ کے درمیان دیکھ رہا ہوں۔ وَاللهِ لَا أَخْتَارُ عَلَى الْجَنَّةِ شَيْئًا وَلَوْ اُحْرِقْتُ "خدا کی قسم! اگر میرے جسم کو زندہ جلا دیا جائے تو پھر بھی جنّت پر مَیں کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دوں گا"۔ اس وقت آپ نے اپنے راہوار کو تازیانہ مارا اور امام حسین علیہ السلام کی طرف چل پڑا۔ اس دوران میں آپ اپنے سر کو جھکائے ہوئے تھے اور ہاتھوں کو سر پر رکھا ہوا تھا۔ شرمندگی اور خجالت کی حالت میں فرزند رسولؐ کی بارگاہ میں پہنچے اور بلند آواز سے کہا:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اُنِیبُ فَتُبْ عَلَیَّ فَقَدْ اَرْعَبْتُ قُلُوْبَ اَوْلِیَائِکَ وَاَوْلَادَ نَبِیِّکَ

"بار الٰہا! میں نے تیرے دوستوں اور تیرے نبیؐ کی اولاد کے دل کو دکھایا ہے، اب میں اپنی کارکردگی پر پشیمان ہوں، میری توبہ قبول فرما"۔

حُر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا: اے فرزند رسولؐ! میں سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ ان لوگوں نے آپؑ کے ساتھ اس طرح سلوک کرنا ہے، ورنہ میں کبھی ان لوگوں کا ساتھ نہ دیتا۔ اب میں آپؑ کی بارگاہ میں حاضر ہو چکا ہوں اور عزم بالجزم کر رکھا ہے کہ تا دمِ مرگ آپؑ کے ساتھ رہوں گا۔ فَھَل مِن تَوْبَۃٍ "کیا میری توبہ قبول ہے؟"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! اللہ نے تیری توبہ قبول کر لی ہے۔

اس وقت حُر کی حالت دیدنی تھی، خوشی سے پھولے نہیں سماتا تھا کیونکہ اُسے حیاتِ اَبدی جاودانہ نعمات مل چکی تھیں۔

حُر کا بیان ہے کہ مجھ پر اس وقت یہ راز کھلا جب میں کوفہ سے باہر نکل رہا تھا تو میں نے غیب سے آواز سنی: اے حُر! تجھے مبارک ہو کہ اس راستے میں تجھے بہت کچھ حاصل ہونے والا ہے۔ جنابِ حُر نے اپنی یہ داستان حضرت امام حسین علیہ السلام کو سنائی کہ جب میں دارالامارہ سے فوج لے کر آپؑ کی طرف چلا تھا کہ آپؑ سے جنگ کروں تو میرے کانوں میں آواز آئی: اے حُر! تجھے جنت مبارک ہو۔ میں نے اس وقت اپنے آپؑ سے کہا تھا: اے حُر! تجھ پر افسوس یہ کون سی خوشخبری ہے کہ تو فرزندِ رسولؐ سے جنگ کرنے نکلا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے ہدایت کا سامان کیا ہے اور اب تُو نے اپنا اجر پا لیا ہے۔

دُنیا میں مودّت سی جو اکسیر نہ ہوتی
حُر تیری کبھی معاف ہی تقصیر نہ ہوتی

جنابِ حُر کا عمر ابن سعد کی فوج کو نصیحت کرنا

جنابِ حُر حضرت امام حسین علیہ السلام سے اجازت لے کر کوفی لشکر کے سامنے آئے اور بلند آواز سے کہا: اے اہلِ کوفہ! خدا تمہیں موت سے ہمکنار کرے، تم پر ایسے مصائب نازل

فرمائے کہ زندگی بھر روتے اور چیختے چلاتے رہو۔ خوش حالی تمہارے قریب آنے نہ پائے۔ کیوں کہ تم نے پیغمبرؐ کی بیٹی کے بیٹے کو اپنے ہاں دعوت دی اور پھر ان کے دشمن بن گئے اور ان پر گھیرا تنگ کر دیا۔ ان پر اور ان کے اہلِ بیتؑ پر اللہ کی وسیع زمین تنگ کر دی کہ وہ کسی پرامن علاقے کی طرف چلے جائیں۔ اب وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدیوں کے مانند ہیں۔ وہ اب اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔ (اے اہلِ کوفہ!) سامنے دریائے فرات بہہ رہا ہے جس سے یہودی، عیسائی، منکرین خدا، ان کے علاوہ جنگل کے تمام جانور کتّے اور سور بھی استفادہ کر رہے ہیں لیکن تم نے اپنے نبیؐ کے فرزند اور ان کی آلؑ پر پانی بند کر رکھا ہے۔ اِدھر دیکھیے خیام میں خواتین اور چھوٹے بچے پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہیں۔ تمہارے نبیؐ کا تم پر یہی حق تھا جو تم ادا کر رہے ہو۔ قیامت کا دن آئے گا تم جہنم کی آگ کا ایندھن بنو گے۔ پیاس سے تمہارا برا حال ہو چکا ہوگا جب کہ تم چیخو گے، چلاؤ گے، مگر تمہاری قطعاً فریاد رسی نہیں ہوگی۔

ابھی جناب حُر کی گفتگو جاری تھی کہ کوفی لشکر کے تیر اندازوں نے جناب حُر پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ جناب حُر واپس چلے آئے اور بارگاہِ امامت میں پہنچے۔ ①

---

① ابن اثیر نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کی توبہ قبول کی تو جناب حُر نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ اب آپؑ کے سامنے منزلِ شہادت پر پہنچوں۔ آپؑ میدانِ جنگ میں آئے، جنگ کی اور شہید ہو گئے لیکن مؤرخ طبری نے ج ۷، ص ۳۵۵ اور ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ: ج ۸، ص ۱۸۳-۱۸۴ پر لکھا ہے کہ جناب حُر جناب حبیب ابن مظاہرؓ کے بعد نمازِ ظہر سے قبل زُہیر بن قین کے ساتھ میدانِ جنگ میں گئے اور دونوں نے مل کر دشمن سے جنگ کی۔ ان میں سے جب ایک محصور ہو جاتا تو دوسرا جا کر محاصرے کو توڑ دیتا اور اپنے ساتھی کو بچا لیتا۔ آخر کار آپ کے گھوڑے کو پے کر دیا گیا۔ اس دوران میں آپ نے دشمن کے چالیس آدمیوں کو جہنم پہنچایا۔ آخر آپ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ ابھی آپ میں رمقِ جان باقی تھی کہ حضرت امام حسینؑ ان کے پاس آئے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے ان کے سر اور چہرے سے خاک و خون کو صاف کیا اور فرمایا: اَنْتَ الْحُرُّ کَمَا سَمَّتْکَ اُمُّکَ، وَاَنْتَ الْحُرُّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ "اے حُر! تم حُر ہو جیسے تمہاری ماں نے حُر نام رکھا اور تُو دنیا اور آخرت میں حُر ہے"۔ حُر کے سوگ میں آپؑ نے مرثیہ بھی پڑھا جو کتاب بحار: ج ۴۵، ص ۱۴ پر موجود ہے۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۱۱ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

دشمن کا پہلا حملہ

جب جناب حُر خیامِ حسینیؑ کی طرف واپس آئے تو عمر ابن سعد نے خیامِ حسینیؑ کے قریب آ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی طرف تیر پھینکا اور اپنی سپاہ سے کہا: تم سب امیر کے سامنے گواہ رہنا کہ جس نے سب سے پہلے حسینؑ کی طرف تیر پھینکا ہے، وہ میں ہوں۔ ①
پھر اس نے حملے کا حکم دے دیا۔ جونہی فوج کو تیراندازی کا حکم ملا تیراندازوں نے خیامِ حسینیؑ پر تیروں کی بارش کر دی۔ لشکرِ امامؑ پر اس قدر تیر بارانی کی گئی کہ اصحابِ حسینیؑ میں سے کوئی نفر ہی ایسا ہوگا کہ جسے تیر نہ لگے ہوں۔۔ قریب قریب آپؑ کی فوج کا ہر آدمی تیروں سے زخمی ہوا۔

اس دوران میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے غیور اصحاب سے فرمایا: قُوْمُوا رَحِمَكُمُ اللهُ اِلَى الْمَوْتِ الَّذِیْ لَابُدَّ مِنْهُ ''خداوند تعالیٰ تم پر اپنی رحمت برسائے، اُٹھیے اور موت کے لیے اپنی کمروں کو کس لیجیے، اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کیونکہ یہ تیر بارانی تمھارے لیے موت کا پیغام لائی ہے''۔

امام علیہ السلام کے حکم پر اصحابِ حسینیؑ دشمن کی فوج پر اس طرح حملہ آور ہوتے جس طرح شیر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ تھوڑے سے لمحات میں اصحابِ حسینیؑ نے دشمن کی فوج کے بڑے بڑے پچاس سورماؤں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اب زیاد کا غلام ''یسار'' اور عبیداللہ ابن زیاد کا غلام ''سالم'' یہ دونوں میدانِ جنگ میں آئے اور مبارزہ طلبی کی۔ جناب حبیب ابن مظاہرؓ اور جناب بریر بڑی تیزی کے ساتھ اپنی جگہوں سے اُٹھے اور اپنی آمادگی کا اعلان کیا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے اُنھیں اجازت نہ دی۔ اس دوران میں قبیلہ ''بنی علیم'' کے جوان عبداللہ بن عمیر کلبی جن کی کنیت ابووہب تھی، اپنی جگہ سے اُٹھے۔ آپؓ بلند و بالا قد و قامت کے مالک تھے۔ آپؓ کے بازو مضبوط و توانا تھے اور آپؓ چوڑے چکلے سینہ کے حامل تھے۔ اپنی قوم میں عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھے جاتے

---

① صاحب بحار: ج ۴۵، ص ۱۲ اور صاحب ارشاد نے ص ۲۳۶ پر نقل کیا ہے کہ عمر ابن سعد نے اپنے غلام ذُوید یا زُوید کو بلایا اور اُسے کہا کہ ابن زیاد کے سامنے گواہی دینا کہ پہلا تیر لشکرِ حسینؑ کی طرف میں نے مارا ہے (لعنت بر عمر ابن سعد)

تھے اور بہادری و شجاعت میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ امام علیہ السلام نے انھیں اجازت دی اور ان کے بارے میں فرمایا: یہ دونوں کے لیے کافی ہیں۔

جناب عبداللہ ان کے مقابلے میں میدانِ جنگ میں آئے۔ ان دونوں نے پوچھا: تُو کون ہے جو ہمارے ساتھ جنگ کے لیے نکلا ہے؟ اپنا تعارف کرا کیونکہ ہم تجھے نہیں جانتے۔ ہمارے مقابلے کے لیے زُہیر یا حبیب یا بُریر کو آنا چاہیے تھا، نہ کہ تجھے!

آپؓ نے زیاد کے غلام یسار سے کہا: اے پسر زانیہ! کیا تُو میرے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتا اور اس پر حملہ کر دیا۔ اُسے مار گرایا۔ پھر عبید اللہ کے غلام سالم کو قتل کیا اور یہ رجز پڑھا:

اِن تَنکرُونِی فَأَنَا ابنُ کَلبَ حَسبِی بِبَیتِی فِی عُلَیمِ حَسَبِی

"اگر تم لوگ مجھے نہیں جانتے میں کلبی جوان ہوں اور عُلیم میرا حسب و نسب ہے"۔ (طبری: ج ۷، ص ۳۳۶)

ان کی زوجہ اُمِ وہب دختر عبداللہ، نمر بن قاسط کے قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھوں نے خیمہ کی چوب ہاتھ میں لی اور میدانِ جنگ میں ان کی طرف آئی اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ پیغمبرؐ خدا کی اولاد کے دشمنوں سے جنگ کر اور اپنی فداکاری کے جوہر دکھا۔

جنابِ عبداللہ نے چاہا کہ اُسے واپس خیام کی طرف لے چلے لیکن اُس نے ضد سے کام لیا۔ اس کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہا: میں اس وقت تمہارے دامن کو نہیں چھوڑوں گی جب تک تمہارے ساتھ قتل نہ ہو جاؤں۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس خاتون کا جذبہ دیکھا تو فرمایا: خداوند تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے اپنے خیمہ کی طرف چلی جاؤ کیونکہ اللہ نے خواتین پر جہاد ساقط کیا ہے۔ پھر وہ حکمِ امامؑ سے واپس آئی۔ ①

---

① کتاب لہوف میں ہے: جب جنابِ عبداللہ نے دو ملعونوں کو قتل کیا اور واپس اپنے خیمے میں آیا اور اپنی ماں اور زوجہ سے ملا جو خیمہ کے دروازے پر موجود تھیں تو اپنی ماں سے کہا: اے ماں! کیا اب تُو مجھ سے راضی ہوگی؟ اس کی ماں نے کہا: میں اس وقت راضی ہوں گی جب تو فرزندِ رسولؐ کے ہم رکاب ہو کر مارا جائے لیکن اس کی زوجہ نے اس سے کہا کہ ہمیں اپنی اس وصیت میں مبتلا نہ کر۔ ⇐

دو دو نفر اور چار چار نفر کی جنگ

کربلا کی جنگ کی ابتدا میں جب اصحاب حسینؑ کی ایک بڑی تعداد شہید کردی گئی تو باقی ماندہ اصحاب میں سے دو دو نفر، تین تین، چار چار نفر بارگاہِ امامت میں آتے اور جنگ کی اجازت لیتے اور اپنی جنگی مہارت کو زیرِ استعمال لاتے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہوتے۔ اسی دوران میں دو حسینی مجاہد سیف بن حارث بن سریع اور مالک بن عبد بن سریع جابری اپنے امامؑ کی مظلومیت پر آنسو بہاتے ہوئے ان کی بارگاہ میں پہنچے۔ انھیں روتا ہوا دیکھ کر امامؑ نے اُن سے پوچھا کہ تم کیوں گریہ کناں ہو؟ اِنِّي لَأَرْجُوا اَنْ تَكُوْنَا بَعْدَ سَاعَةٍ قَرِيْرِي الْعَيْن "مجھے اُمید ہے کہ بہت جلد مسرت وشادمانی سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی"۔

ان دونوں نے عرض کیا: ہماری جانیں آپؑ پر قربان! ہم اپنے لیے نہیں رو رہے بلکہ آپؑ کی مظلومیت پر رو رہے ہیں۔ دشمن نے آپؑ کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔ جو کچھ ہم سے بن آتا ہے وہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ امام علیہ السلام نے ان کے حق میں دعائے خیر دی۔ آخرکار

⇦ یہ سن کر اس کی ماں نے اس سے کہا کہ اپنی بیوی کی بات نہ سن، واپس میدان کی طرف جا اور جنگ کر تا کہ اللہ کے رسولؐ کی شفاعت کا حق دار بنے۔

جناب عبداللہ واپس میدانِ جنگ میں گئے اور خوب جنگ کی۔ آخر ان کے دونوں ہاتھ قطع ہو گئے۔ اس دوران میں اس کی ماں نے خیمہ کی چوب ہاتھ میں لی اور اس کے پاس پہنچی اور کہا: میرے والدین تجھ پر قربان ہوں۔ عبداللہ نے چاہا کہ اس کی ماں واپس خیمہ کی طرف جائے لیکن اس نے قبول نہ کیا۔

بحارالانوار: ج ۴۵ میں ہے: جب جناب عبداللہ شہید ہوئے تو ان کے سر کو ان کے بدن سے قطع کیا گیا اور ان کی ماں کے خیمے کی طرف پھینک دیا گیا۔ ماں نے اپنے بیٹے کے سر کو اُٹھایا اور کوفی سپاہیوں کی طرف پھینک دیا۔ جب اس کا سر ایک فوجی کو لگا تو وہ واصلِ جہنم ہو گیا۔ اسی وقت وہب کی ماں نے چوبِ خیمہ ہاتھ میں لی۔ صاحبِ نفس المہموم نے لکھا ہے کہ جب عبداللہ کی شہادت ہوئی تو اس کی زوجہ اس کے سر پر پہنچی اور اُس نے اپنے ہاتھوں سے اس کے چہرے سے خاک وخون کو صاف کرنا شروع کیا۔ شمر اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے غلام "رستم" سے کہا کہ جو چماق اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس عورت کے سر پر دے مارے۔ جب وہ پتھر اس خاتون کے سر میں لگا تو وہ بھی درجۂ شہادت پر پہنچ گئی۔ یہ وہ پہلی خاتون ہے جس نے میدانِ کربلا میں رکابِ حسینی میں شہادت پائی۔

یہ دونوں مجاہد میدان میں آئے اور دشمن سے جنگ کی اور منزلِ شہادت پر فائز ہوئے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۲)

ان کے بعد عُروہ غِفاری کے دو بیٹے جناب عبداللہ اور عبدالرحمٰن بارگاہِ امامت میں حاضر ہوئے اور شہادت کی سعادت حاصل کی۔

عمرو بن خالد صیداوی اور اس کا غلام سعد نیز جابر بن حارث سلمانی اور مجمع بن عبداللہ عائذی، ان چاروں نے مل کر دشمن کے لشکر پر حملہ کیا اور قلبِ لشکر میں گھس گئے لیکن دشمن کے لشکر نے انھیں ہر طرف سے گھیر لیا۔ جب فرزندِ رسولؐ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو اپنے بھائی حضرت ابوالفضل العباسؑ کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ جب حضرت عباسؑ علَم دار کا حملہ ہوا تو دشمن کا محاصرہ ٹوٹا۔ آپؑ نے اُنھیں مجروح صورت میں اپنے لشکر کی طرف واپس لانے کی کوشش کی لیکن یہ چاروں زخموں سے چُور چُور ہو چکے تھے۔ اُدھر دشمن کی فوج حملے پر حملہ کر رہی تھی۔ اسی حالت میں یہ چاروں درجۂ شہادت پر پہنچے۔

فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کا اِستغاثہ اور اس کا اَثر

جب اصحابِ حسینؑ میں سے بہت سے افراد شہید ہو گئے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی ریشِ مقدس اپنے ہاتھوں میں پکڑی اور فرمایا: خداوند تعالیٰ کا شدید ترین غضب اہلِ یہود پر اس وقت نازل ہوا، جس وقت انھوں نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ خدا کا بیٹا ہے۔ خداوند تعالیٰ قومِ نصاریٰ پر اس وقت سخت ناراض ہوا، جب انھوں نے نظریہ تثلیث اختیار کیا۔

اللہ نے قومِ مجوس پر اس وقت غضب نازل کیا، جب انھوں نے اللہ کے علاوہ آفتاب و ماہ تاب کی عبادت شروع کر دی۔ اب اس قوم پر اللہ کا غضب شدت اختیار کر چکا ہے جب وہ سارے مل کر اس کے نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کرنے کے درپے ہوئے ہیں۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

اَمَا وَاللّٰہِ لَا اُجِیْبُھُم اِلٰی شَیْءٍ مِمَّا یُرِیْدُوْنَ حَتّٰی اَلْقَی اللّٰہَ وَاَنَا مُخَضَّبٌ بِدَمِی

"اے لوگو! جان لیجیے اللہ کی قسم! جو کچھ یہ لوگ چاہتے ہیں ان کی کسی بات کو تسلیم نہیں کروں گا۔ میں اپنے عقیدے پر قائم ہوں۔ میں اپنے خون سے رنگین ان محاسن کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں پہنچوں گا"۔

پھر آپؑ نے اپنی صدائے استغاثہ بلند فرمائی:

اَمَا مِن مُغِيثٍ يُغِيثُنَا؟

"کیا کوئی فریادرس ہے جو میری فریاد پر پہنچے؟"

اَمَا مِن ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللهِ

"کیا کوئی ہے جو حرمِ رسولؐ کا دفاع کرے؟"

جب امام علیہ السلام کی صدائے استغاثہ خیام کے اندر مخدراتِ عصمت و طہارت نے سنی تو گریہ و فریاد کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سعد بن حارث انصاری اور اس کے بھائی ابوالحتوف انصاری جو عمر ابن سعد کے لشکر میں تھے، جب اُنھوں نے امامؑ کا استغاثہ اور خواتین کی آہ و بکا کی دردناک آوازیں سنیں تو اپنے لشکر سے کٹ کر حسینیؑ لشکر سے آملے اور امامؑ کے ہمرکاب ہو کر شہادت کی سعادت حاصل کی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

دشمن کی مکاری و عیاری اور امام علیہ السلام کا جواب

کوفی لشکر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے مانند تھا۔ اِدھر فرزند رسولؐ کے لشکر کی تعداد انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھی۔ جنگ کے دوران میں اصحابِ حسینؑ کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی تھی، معمولی سی تعداد باقی تھی اور وہ بھی اپنے آقا پر فدا ہونے کو تیار تھی لیکن ان تھکے ماندوں اور پیاسوں میں جذبۂ ایمانی اسی قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ ان میں سے جو بھی میدانِ جنگ کا رُخ کرتا کوفی لشکر اپنی کثرت اور تازہ دم ہونے کے باوجود ان کے سامنے ٹھہر نہ سکتا تھا۔ حسینیؑ جیالا جدھر کا رُخ کرتا عمر ابن سعد کی فوج اس کے سامنے اس طرح بھاگتی ہوئی نظر آتی جس طرح شیر کے سامنے بھیڑیوں کا ریوڑ بھاگتا ہے۔

حسینی سپاہیوں نے ان پر زندگی تیرہ و تاریک کر رکھی تھی۔ کوفی لشکر کے اُمرا سخت حیران و پریشان تھے کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کہ مٹھی بھر فوج ہے جس کے سامنے ان کی فوج کے بڑے بڑے جنگ جو نہیں ٹھہر سکتے۔ تو اس حالت کو دیکھتے ہوئے ایک کوفی امیر جس کا نام تاریخ نے عمرو بن حجاج لکھا ہے، وہ چیخ اُٹھا:

أَتَدْرُوْنَ مَنْ تُقَاتِلُوْنَ "اے میری فوج! کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمھاری جنگ کن لوگوں سے ہے؟" تمھاری جنگ ان لوگوں سے ہے جو شجاعت و بہادری میں کسی سے کم نہیں۔ ان کے سینوں میں شہادت کی اُمید و آرزو مچل رہی ہے۔ ان کی جنگ موت کے لیے ہے۔ وہ موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے ہیں۔ کوئی مائی کا لال ان کے سامنے جانے کی جرأت نہیں رکھتا۔ جو بھی ان کے سامنے گیا، وہ ان کے ہاتھوں آناً فاناً پچھاڑا گیا۔ اَب ضروری ہے کہ ان پر ہر طرف سے بھرپور حملہ کیا جائے، ورنہ یہ ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

عمر ابن سعد کوفی لشکر کا امیر تھا، اس نے کہا کہ میں عمرو بن حجاج کی رائے کی تائید کرتا ہوں۔ جس طرح عمرو تجویز دیتا ہے اُسی طرح جنگ کی جائے۔ عمرو بن حجاج نے حسینی لشکر کے میمنہ پر ہلّہ بول دیا۔ اصحاب حسینؑ نے پامردی سے مقابلہ کیا اور اس کوفی لشکر کا اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ انھیں آگے نہ بڑھنے دیا۔ ان میں سے بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کو زخمی کر کے چھوڑا۔ آخر اس لشکر نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں لیکن حسینی جانبازوں نے ان کا پیچھا کیا اور اُنھیں اپنی جگہ پر پہنچا کر دم لیا۔

جب عُمرو نے اپنی فوج کو امامؑ کے لشکر پر حملہ کرنے کا حکم دیا تو اپنی فوج سے کہا: قَاتِلُوا مَنْ مَرَقَ عَنِ الدِّيْنِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ "جو لوگ تمھارے دین سے باہر نکل گئے ہیں اور تمھاری جماعت کو چھوڑ دیا ہے، انھیں قتل کر ڈالیے"۔

جب حضرت ابا عبداللہ الحسینؑ نے اس فاسق کے فِسق و فجور پر مشتمل یہ جُملات سنے تو آپؑ نے فرمایا: وَيْحَكَ يَا عَمْرُو أَعَلَيَّ تُحَرِّضُ النَّاسَ "اے عمرو! واہی تباہی تیرا مقدر بنے کیا تُو مجھ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ میں اللہ کے دین سے برگشتہ ہو چکا ہوں اور تُو لوگوں کو میرے قتل پر اُبھار رہا ہے؟" أَنَحْنُ مَرَقْنَا مِنَ الدِّيْنِ وَأَنْتَ تُقِيْمُ عَلَيْهِ "کیا ہم

خاندانِ وحی دین سے خارج ہو چکے ہیں اور تُو جو حق کا مخالف اور دشمن تھا، دین کو سرے سے جانتا ہی نہ تھا اور تُو حق کا پرستار بن گیا ہے؟" آخر ایک دن ہم سب نے مرنا ہے تجھے معلوم ہو جائے گا کہ دوزخ کا حق دار کون ہے؟

حضرت مسلمؓ ① بن عوسجہؓ کی شہادت

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی گفتگو ختم ہوئی تو عمرو بن حجاج نے اس بار دریائے فرات سے حملہ شروع کر دیا۔ حضرت مسلمؓ بن عوسجہؓ نے باوجود تنہا ہونے کے ان کے حملوں کا بھرپور جواب دیا۔ جب مسلم بن عبداللہ ضبابی اور عبداللہ بن خشکارہ بجلی نے آپ پر مسلسل حملے کیے تو آپ نے بھی ان کے شدید ترین حملوں کا جواب دیا لیکن آپ اکیلے تھے، اس لیے زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔

جب جنگ کا غبار چھٹا تو معلوم ہوا کہ مسلمؓ ابن عوسجہؓ زخمی ہو کر زمین پر گرے پڑے ہیں۔ ابھی وہ زندہ تھے کہ فرزند رسولؐ ان کے پاس پہنچے۔ آپؑ کے ساتھ جناب حبیبؓ ابن مظاہرؓ بھی تھے۔ اس وقت جناب مسلمؓ ابن عوسجہؓ خون میں لت پت تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اِن سے فرمایا: اے مسلمؓ! خدا تجھ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ آپ نے اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے نبھا دی ہے اور اپنے ہدف پر پہنچے ہیں۔ باقی لوگ اپنی باری کے انتظار میں ہیں اور وہ اپنے عہد پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ جناب حبیبؓ ابن مظاہرؓ ان کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ وہ ان کے قریب آئے اور کہا:

مَیں آپ کی شہادت سے شدید پریشان ہوں لیکن میں آپ کو جنت کا مژدہ دیتا ہوں کہ چند لحات کے بعد آپ بہشت کی اعلیٰ نعمات سے استفادہ کر رہے ہوں گے۔ جناب مسلمؓ نے بہت آہستہ سے کہا: خداوند تعالیٰ آپ کو بھی خوش خبری عطا فرمائے۔

---

① حضرت مسلمؓ ابن عوسجہؓ عرب کے نامی گرامی بہادر تھے۔ جب حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کوفہ میں تھے تو جناب مسلمؓ ابن عوسجہ ان کے نمائندۂ خاص تھے۔ آپ لوگوں سے ملتے، ان سے حسینی مشن کے لیے مال اور اسلحہ جمع کرتے تھے۔

جنابِ حبیبؓ نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کی شہادت کے بعد میں نے زندہ رہنا ہے تو آپ سے کہتا کہ مجھے وصیت کریں اور بعد میں آپ کی وصیت کو سرانجام دیتا لیکن اس دوران میں جنابِ مسلمؓ نے جنابِ حبیبؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: اُوصِیكَ بِھٰذَا اَنْ تَمُوتَ دُوْنَهٗ، ''میں آپؓ کو وصیت کرتا ہوں کہ اپنی جان انھی (امامؑ) پر فدا کردینا''۔

جنابِ حبیبؓ نے کہا: ربِ کعبہ کی قسم! میں آپ کی وصیت پر ہر صورت میں عمل کرکے رہوں گا۔ ابھی ان خدا کے پاک و پاکیزہ بندوں کے درمیان بات ہو رہی تھی کہ جنابِ مسلمؓ کی روح نے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کیا۔ جب جنابِ مسلمؓ کی کنیز نے دیکھا کہ اس کا آقا اس دنیا سے چل بسا ہے تو اس نے صدائے گریہ بلند کی اور کہا: وَا مُسْلِمَاهُ، یَا سَیِّدَاهُ، یَا بْنَ عَوسَجَتَاهُ۔

جب یہ رونے کی دردناک آواز عمرو بن حجاج اور اس کے سپاہیوں کے کانوں میں پڑی تو عمرو سے کہنے لگے کہ ہم نے ہی مسلمؓ کو قتل کیا ہے۔

شبث بن ربعی وہاں موجود تھا تو اس نے اپنے اردگرد کھڑے ہوئے لوگوں سے کہا: تمھاری مائیں تمھارے ماتم میں بیٹھیں! مسلمؓ کو قتل کرکے اب خوشی مناتے ہو؟ تمھیں کیا معلوم کہ ان کا اسلام میں کیا مقام تھا۔ آذربائیجان کی جنگ کا زمانہ تھا۔ ابھی مسلمانوں کی فوج وہاں پہنچی نہ تھی کہ جنابِ مسلمؓ بن عوسجہ سب سے پہلے پہنچے تھے اور اکیلے مشرکین کے چھے آدمی قتل کرڈالے تھے۔

امام علیہ السلام کے لشکر کے میسرہ پر حملہ

جس وقت عمرو بن حجاج نے حسینیؑ لشکر کے میمنہ پر حملہ کیا تو دوسری طرف شمر نے امام علیہ السلام کے لشکر کے میسرہ پر حملہ کردیا۔ شمر اپنے فوجیوں کے ساتھ خیامِ حسینیؑ کے قریب آپہنچا۔ حسینیؑ شاہینوں نے اس زور سے جوابی حملہ کیا کہ شمر کی فوج کو خیام کی حدود سے دُور دھکیل دیا۔ ان جوانوں میں سے ایک جوان عبداللہ بن عمیر کلبی بھی تھے۔ انھوں نے اس قدر شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے کہ شمر کی فوج کے انیس سوار اور بارہ پیادہ افراد قتل کرڈالے۔

ابھی وہ دشمن سے لڑ ہی رہے تھے کہ ہانی بن ثبیت حضرمی نے ان پر حملہ کر دیا جس سے جناب عبداللہ کا دایاں ہاتھ قطع ہوگیا۔ اس دوران میں بکر بن حی نے آپؑ پر ایسا حملہ کیا کہ آپ کے پاؤں کی پنڈلی قطع ہوگئی۔ ان حالات میں آپ بے بس ہوکر رہ گئے۔ آپ کو زندہ گرفتار کرلیا گیا اور فوج کے سامنے بڑی بے دردی کے ساتھ نیزوں اور شمشیر کے ضربات سے شہید کر دیا گیا۔ آپ کی زوجہ آپ کے لاشے پر آئی اور ان کے سر سے خاک وخون صاف کر رہی تھی اور ان الفاظ میں خطاب بھی کر رہی تھی:

هَنِيئًا لَكَ الْجَنَّةَ، اَسأَلُ اللهَ الَّذِیْ رَزَقَكَ الْجَنَّةَ اَنْ يُصْحِبَنِی مَعَكَ

"آپ کو جنت مبارک ہو، میرا اللہ کی بارگاہ میں یہی سوال ہے کہ مجھے بھی آپ کی مصاحبت عطا کرے"۔

جب شمر نے عبداللہ بن عمیر کی زوجہ کا یہ ترانہ سنا تو اس نے اپنے غلام رستم کو حکم دیا کہ اسے جا کر قتل کر دے۔ رستم نے اس مظلومہ کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ اصحابِ حسینؑ میں یہ وہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے شہادت کی سعادت حاصل کی۔ شمر نے جنابِ عبداللہ کا سر قلم کر کے اس کے خیمہ کی طرف پھینک دیا۔ جنابِ عبداللہ کی ماں خیمے میں موجود تھی، اس نے اپنے بیٹے کا کٹا ہوا سر اُٹھایا اور اس کے چہرے سے خاک وخون کو صاف کیا۔ پھر خیمہ کا عمود اُٹھایا اور دشمن کے لشکر کی طرف چل پڑی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اُسے واپس اس کے خیمے میں لائے اور فرمایا: تم پر خدا کی رحمت ہو، عورتوں سے جہاد ساقط ہے۔

جب یہ بی بی واپس ہوئیں تو بارگاہِ توحید میں عرض کیا: خداوندا! میری اُمید قطع نہ فرما۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: خداوند تعالیٰ تیری اُمید قطع نہیں فرمائے گا۔ (تظلم الزہراؑ: ص۱۱۳)

اِدھر شمر نے فرزندِ رسولؐ کے خیمے پر نیزے سے حملہ کر دیا۔ اس نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ فوراً آگ لائی جائے تاکہ خیامِ حسینؑ کو ساکنین سمیت جلا دیا جائے۔ جب شمر لعین کی یہ آواز مخدرات عصمت وطہارت نے سنی تو انھوں نے نالہ وشیون کی آوازیں بلند کیں۔

امام علیہ السلام نے شمر سے کہا: اے شمر! تُو میرے خیام کو میرے اہلِ بیتؑ سمیت جلانا چاہتا

ہے؟ خداوند متعال تجھے آگ کی سزا دے؟

شبث بن ربعی نے شمر سے کہا: کیا تُو اس طریقے سے خواتین کو خوف زدہ کرنا چاہتا ہے اور اپنا رُعب جمانا چاہتا ہے؟ میں نے تجھ جیسا بدزبان آدمی نہیں دیکھا۔ جب شمر نے شبث کی بات سنی تو اپنے بدترین ارادے سے باز آگیا۔ اس دوران میں جناب زُہیر بن قین ؓ نے دس آدمیوں کے ساتھ شمر پر حملہ کر کے اُسے خیام کی حدود سے دُور بھگا دیا۔

عزرہ بن قیس کی کمک طلبی

عزرہ بن قیس سوار فوج کے ایک گروہ کا امیر تھا۔ جب اُس لعین نے دیکھا کہ وہ مسلسل حسینیؑ جانبازوں سے شکست کھائے جا رہا ہے اور اس کے ساتھی مایوسی کا شکار ہو رہے ہیں تو اس نے عمر ابن سعد سے کمک مانگی کہ وہ اس کی طرف آزمودہ کار تیر انداز روانہ کرے۔

عمر ابن سعد نے شبث بن ربعی سے کہا کہ وہ اس کی مدد کے لیے جائے۔

شبث نے عمر ابن سعد کو جواب دیا: سبحان اللہ! تیرے سامنے اتنی بڑی طاقت ور فوج موجود ہے، ان میں سے کسی اور کو بھیج دے کیونکہ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں میں کیا کر سکتا ہوں؟!

یہ بات مخفی نہ رہے کہ شبث بن ربعی حضرت امام حسین علیہ السلام سے جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہیں اس نے کہہ دیا کہ میں تو وہ ہوں جو پانچ سال حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور ان کے فرزند حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر خاندانِ ابوسفیان سے جنگ کرتا رہا۔ کیا اب میں اپنی آخری عمر کے ایام میں اس کے فرزند سے جنگ کروں جو اللہ کی سرزمین پر سب سے بہتر اور برتر ہے اور آلِ معاویہ اور ابن سمیہ زانیہ کے لیے ان سے جنگ کروں؟ ایسی گمراہی وضلالت پر لعنت۔ خدا کی قسم! اس شہر کے لوگ ہرگز ہرگز اچھائی نہیں دیکھیں گے اور راہِ راست پر کبھی نہیں چل پائیں گے۔

جب شبث نے کسی صورت عمر ابن سعد کی بات قبول نہ کی تو اس نے حصین بن نُمیر کو پانچ سو تیر اندازوں کے ساتھ عزرہ کی مدد کے لیے بھیجا۔ جناب ابوعبداللہ الحسینؑ اور ان ظالموں کے درمیان شدید ترین جنگ ہوئی۔ تیر اندازوں نے تیر بارانی شروع کر دی۔ تھوڑی

ہی دیر گزری تھی کہ ان کے گھوڑوں کو پے کر دیا گیا اور سب کے سب پیادہ ہو گئے۔

اس دن ایسی شدید جنگ ہوئی کہ جس کی مثال ملنا ممکن نہیں۔ کوفیوں کے لیے حسینیؑ لشکر پر صرف ایک ہی طرف سے حملہ کرنا ممکن تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ حسینی لشکر کے خیام ایک ہی مقام پر تھے اور ہر خیمہ دوسرے خیمے سے متصل تھا۔ یہ دیکھ کر ابن سعد نے اپنے لشکر کے پیادوں کو بھیجا کہ وہ داہنی اور بائیں طرف کے خیمے اُکھاڑ ڈالیں تو اس طرح وہ لوگ گھبر جائیں گے۔ اس دوران میں انصارِ حسینؑ میں سے تین چار شخص خیموں کے بیچ میں چھپ گئے۔ وہ جسے دیکھتے کہ وہ خیمہ اُکھاڑ رہا ہے تو اس پر حملہ کرتے اور اُسے قتل کر دیتے تھے۔ قریب سے تیر مارتے اور اُسے ہلاک کر دیتے تھے۔

جب ابن سعد نے یہ منظر دیکھا تو اپنی فوج کو روک دیا کہ خیمے کے اندر کوئی نہ جائے اور نہ ہی خیمہ اُکھاڑنے کا ارادہ کرے۔ اس نے خیموں کو آگ لگانے کا حکم دے دیا۔ جب خیموں کو آگ لگی اور خیمے جلنے لگے تو عورتوں اور بچوں کی صدائے گریہ بلند ہوئی لیکن امام علیہ السلام نے فرمایا: انھیں آگ لگانے دیجیے یہی آگ ہمارے اور ان کے ہجوم کے درمیان رکاوٹ کھڑی کردے گی اور یہ اس طرف سے ہم پر حملہ نہیں کر سکیں گے۔ آخرکار امام علیہ السلام کی پیش گوئی کام آئی اور دشمن اس طرف سے حملہ نہ کر سکا۔

ابوشعثاء

ابوشعثاء کا نام نامی یزید بن زیاد تھا۔ یہ "ابوشعثاء کندی" کی کنیت سے معروف تھے۔ تیراندازی میں یکتائے زماں تھے۔ عمر ابن سعد کے لشکر کے ساتھ کوفہ سے میدانِ کربلا میں آئے۔ روزِ عاشور جب انھوں نے فرزند رسولؐ کا خطبہ سنا تو حضرتؑ کے خطبے سے متاثر ہوئے اور عمر ابن سعد کے لشکر سے جدا ہو کر امامؑ کے حلقۂ احباب میں داخل ہوئے۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تو اُنھوں نے اپنا زانو زمین پر لگایا اور اپنے ترکش کے ایک سو تیروں سے دشمن کو نشانہ بنایا۔ جب امام علیہ السلام نے ان کی فداکاری اور خلوص و توبہ کا مشاہدہ کیا تو ان کے حق میں دعا فرمائی: "خداوندا! اس کی تیراندازی میں پختگی عطا فرما اور بطور اجر انھیں اپنی جنت میں ٹھہرا"۔

جب ان کے ترکش کے تیر ختم ہو گئے تو اپنی جگہ سے اُٹھے اور کہنے لگے: یقیناً میں نے دشمن کے پانچ آدمیوں کو واصلِ جہنم کیا ہے۔[1]

روزِ عاشور میدانِ کربلا میں نمازِ ظہر

کربلا کی جنگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ تلواریں تلواروں سے ٹکرا رہی تھیں اور نیزے نیزوں سے۔ اس حال میں سورماؤں کے پتّے پانی ہو رہے تھے۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ اس دوران میں اصحابِ حسینؑ کے ایک مجاہد و مبارز ابوثمامہ صائدی نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو دیکھا کہ آفتاب خطِ نصف النہار سے گزر رہا ہے اور نمازِ ظہر کا اوّلین وقت ہو گیا ہے۔ چنانچہ اپنے سردار حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضور عرض کیا: آپؑ پر میری جان قربان! ان لوگوں کی پیش رفت جاری و ساری ہے اور یہ ہمارے نزدیک ہو چکے ہیں۔ خدا کی قسم جب تک یہ لوگ مجھے قتل نہیں کر دیتے اس وقت تک آپؑ تک نہیں پہنچ سکتے۔ میری زندگی میں ان کو جرأت ہی نہیں ہے کہ آپؑ کو شہید کر سکیں۔ میری خواہش ہے کہ آج کی نمازِ ظہر آپؑ کی اِقتدا میں پڑھوں اور پھر اپنے خدا کی بارگاہ میں پہنچوں۔

حضرتؑ نے آسمان کی جانب نگاہ اُٹھائی اور فرمایا:

ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ الذَّاکِرِیْنَ

"تُو نے نماز کا ذکر کیا، اللہ تجھے نماز گزاروں اور ذکر کرنے والوں میں شمار کرے"۔

ہاں! یہی نمازِ ظہر کا اوّل وقت ہے۔

آپؑ نے فرمایا: ان لوگوں سے کہو کہ کچھ دیر کے لیے جنگ بند کر دیں تا کہ ہم نماز

---

[1] امالی شیخ صدوقؒ اور ذخیرۃ الدارین میں ہے کہ ابوشعثاء نے ان کے علاوہ انیس اور لوگوں کو قتل کیا۔
تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۵ پر ہے کہ اس نے امام علیہ السلام کے سامنے اپنے زانو زمین پر ٹیکے اور دشمن کی طرف تیر برسانے شروع کیے۔ جوں ہی وہ دشمن کی جانب تیر چھوڑتے امامؑ دعا فرماتے۔ تیر اپنے ہدف پر پہنچتا۔ جب اس کے تیر ختم ہوئے تو انھوں نے کہا کہ میرے سو میں سے صرف پانچ تیر خطا ہوئے باقی تمام تیر اپنے ہدف پر لگے جن سے پانچ افراد واصلِ جہنم ہوئے اور باقی زخمی ہوئے۔

پڑھ لیں۔ جب کوئی لشکر کو نماز کے لیے کہا گیا تو حصین بن تمیم نے کہا: اِنَّھَا لَا تُقْبَلُ "جو نماز تم پڑھو گے وہ اللہ کے ہاں قبول نہیں ہوگی"۔ ①

حضرت حبیبؓ ابنِ مظاہرؓ

مرے خیال میں کوئی بھی اہلِ بزمِ امام
حبیبؓ ابن مظاہرؓ سا ہو نہیں سکتا

جب حصین بن تمیم نے کہا کہ تمہاری نماز بارگاہِ خداوندی میں قبول نہیں تو جنابِ حبیبؓ ابن مظاہرؓ نے اُسے جواب دیا: کیا تُو یہی سمجھتا ہے کہ آلِ محمدؐ کی نماز قبول نہیں۔ اے گدھے! تو پھر کیا تیری نماز قبول ہے؟ جوں ہی حصین نے آپ کے تند و تیز جملے سنے تو اس نے فوراً جنابِ حبیبؓ پر حملہ کر دیا۔ جنابِ حبیبؓ نے جواباً اس پر اپنی تلوار کا وار کر دیا جو اس کے گھوڑے کے منہ پر لگا۔ اس کا گھوڑا اور وہ خود بھی زمین پر آ رہا۔ جب اس کے ساتھیوں نے اُسے اس حال میں دیکھا تو فوراً اس کے پاس آئے اور اُسے نکال کر لے گئے۔

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص طبع لندن، ص ۷ ۳۴ پر منقول ہے کہ ابوثمامہ کا نام عمرو بن عبداللہ صائدی تھا۔ ابن حزم نے جمہرۃ الانساب العرب: ص ۷۳ ۳ اور ہمدانی نے الاکلیل: ج ۱۰، ص ۹۷ پر ابوثمامہ کا نام زیاد بن عمرو بن عریب بن حنظلہ بن دارم صائدی لکھا ہے۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔
بحار: ج ۴۵، ص ۷۳ پر زیارتِ ناحیہ کے ایک جملے میں آپ کا اسمِ شریف عمر بن عبداللہ صائدی مذکور ہے۔ آپ پر اس طرح سلام وارد ہے: اَلسَّلَامُ عَلٰی اَبِیْ ثَمَامَه عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّائِدِیْ۔
اوّل وقت میں نماز پڑھنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے: اِمْتَحِنُوْا شِيْعَتَنَا عِنْدَ ثَلَاثٍ، عِنْدَ مَوَاقِيْتِ الصَّلٰوةِ كَيْفَ مُحَافَظَتُهُمْ عَلَيْهَا، وَعِنْدَ اَسْرَارِهِمْ كَيْفَ حِفْظُهُمْ لَهَا، عِنْدَ عَدُوِّنَا وَعِنْدَ اَمْوَالِهِمْ كَيْفَ مُوَاسَاتُهُمْ لِاِخْوَانِهِمْ فِيْهَا "ہمارے شیعوں کا تین مقام پر امتحان کرنا: ① کیا نماز کو اوّل وقت میں پڑھتے ہیں اور اس فضیلت کو اہمیت دیتے ہیں؟ ② ہمارے شیعوں کے رازوں کو ہمارے دشمنوں سے کس طرح محفوظ کرتے ہیں؟ ③ اپنے اموال سے اپنے برادرانِ دینی کی کس طرح مدد کرتے ہیں؟"
روایت ہے: اَلصَّلٰوةُ فِیْ اَوَّلِ الْوَقْتِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَآخِرُهَا غُفْرَانُ اللّٰهِ۔ غفران اللہ سے مراد ہے کہ نماز میں تاخیر کرنا گناہ ہے اور حق تعالیٰ کے اوامر میں سے ایک قسم کی نافرمانی ہے۔ یہ اور بات کہ ⇦

حالانکہ جناب حبیبؓ سن رسیدہ آدمی تھے لیکن اس کبرسنی کے باوجود اس طرح جنگ کی کہ مخالف فوج کے چھکے چھڑا دیے۔ آناً فاناً میں کشتوں کے پشتے لگا دیے اور دشمن کے باسٹھ ملاعین کو واصلِ جہنم کیا۔

جب آپ پورے جوش و خروش کے ساتھ دشمن کے سپاہیوں کو قتل کر رہے تھے تو اس دوران میں بنی تمیم کے ایک فرد بدیل بن حریم نے آپ پر حملہ کر دیا اور اپنی تلوار سے آپ کے مبارک سر کو نشانہ بنایا۔ پھر بنی تمیم کے ایک اور شخص نے آپ پر نیزے سے حملہ کیا جس کی وجہ سے آپ زمین پر گر پڑے۔ جنابِ حبیبؓ اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ حصین بن نمیر نے آپ کے سر پر تلوار کا وار کیا۔ جس تمیمی نے آپ کو نیزہ مارا تھا وہ دوڑ کر آیا اور آپ کا مقدس سر تن سے جدا کر دیا۔ حالانکہ جناب حبیبؓ ضعیف تھے لیکن جب وہ شہید کر دیے گئے تو امام حسینؑ کے چہرے پر کمزوری کے آثار نمایاں ہو گئے۔ جب امام علیہ السلام حبیبؓ کے لاشۂ اقدس پر آئے تو اس وقت ان کا لاشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا۔

آپؑ نے فرمایا: عِنْدَ اللّٰہِ أَحْتَسِبُ نَفْسِي وَحُمَاةَ أَصْحَابِي "میں خدا کی بارگاہ میں اپنی اور اپنے اصحاب کی موت کا حساب لوں گا"۔

پھر آپؑ نے کلمۂ استرجاع اپنی زبان پر جاری فرمایا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

جنابِ حُرؓ بن یزید ریاحی

حضرت حبیبؓ ابن مظاہرؓ کی شہادت کے بعد جنابِ حُر بن یزید ریاحی جنابِ زُہیر بن قین کے ہمراہ میدانِ جنگ میں آئے۔ یہ دونوں جنگ کے سخت حالات میں ایک دوسرے

⇦ اللہ اس تاخیر کو معاف کر دے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اوّل وقت میں تاخیر مرجوح یا فعل میں جواز ہے لیکن آئمہ معصومین علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہرگز ہرگز تاخیر کو برداشت نہیں کرتے تھے خصوصاً نماز اور عبادات میں۔ وہ اپنے آپ کو مکروہات سے بھی دُور رکھتے تھے۔ ابن محبوب نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا اپنے مرضِ ارتحال میں بے ہوش تھے، جوں ہی آپ کی حالت بہتر ہوئی تو فرمایا: لَا یَنَالُ شَفَاعَتِي مَنْ آخَرَ الصَّلٰوۃَ بَعْدَ وَقْتِهَا "میری شفاعت اُسے نصیب نہیں ہوگی جو نماز کو آخر وقت میں ادا کرتا ہے۔ (وسائل: ج ۳، ص ۸۳، باب اوّل، ابواب مواقیت الصلوٰۃ)

کی معاونت کرتے رہے۔ ان میں سے جب ایک آدمی دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوتا اور جنگ کرتے ہوئے دشمنوں میں گھر جاتا تھا تو دوسرا دشمن کے محاصرے کو توڑ کر اُسے بچا لیتا تھا۔ ایک ساعت تک دونوں اس طریقے سے دشمن کو موت سے ہمکنار کرتے رہے۔ بعدازیں دشمن کی فوج کے پیادوں کا جمِ غفیر اُمڈ پڑا اور جناب حُر کو گھیر لیا۔ جناب حُر کے سر سے اور ان کے گھوڑے کے سر سے خون فوارے کے مانند جاری تھا لیکن اِن شدید ترین حالات میں جناب حُر جنگ بھی کرتے رہے اور رجز خوانی بھی کرتے رہے۔

حصین بن تمیم نے یزید بن سفیان جو اس کے گروہ کا آدمی تھا، سے کہا: تیری ہمیشہ سے حسرت رہی ہے کہ حُر تیرے ہاتھوں قتل ہو۔ دیکھیے! سامنے میدانِ جنگ میں حُر ہے۔ جا اور اپنی دیرینہ حسرت پوری کر۔ یزید فوراً میدانِ جنگ میں جناب حُر کے مقابلے میں آیا اور مبارزہ طلبی کی۔ جناب حُر نے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے اُسے موت سے ہمکنار کر دیا۔

اس اثناء میں ایوب بن مشرح خیوانی نے جناب حُر کے رہوار کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا اور ان کے گھوڑے کو پے کر دیا۔ خدشہ تھا کہ جناب حُر زمین پر آتے لیکن انھوں نے فوراً اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور اس طرح دشمن کے سامنے آئے جس طرح شیر اپنی کچھار سے باہر آتا ہے اور تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے پیدل جنگ شروع کر دی۔ آپ کبھی دشمن کے لشکر کے میمنہ پر حملہ کرتے اور کبھی میسرہ پر اور کبھی قلب لشکر پر۔

آپ نے اس گھمسان کی جنگ میں چالیس سے زیادہ ملاعین کو داروغۂ جہنم کے حوالے کیا لیکن اس دوران میں دشمن کے ایک گروہ نے انھیں اپنے محاصرے میں لے لیا اور پے در پے تلواروں کے وار کر کے بُری طرح زخمی کر ڈالا۔ ابھی آپ میں رمق جان باقی تھی کہ حسینی جاں باز آپ کو وہاں سے اُٹھا کر خیام کے نزدیک لے آئے جہاں پہلے سے شہدا کے لاشے موجود تھے۔ آپؑ نے انھیں دیکھ کر فرمایا: قَتْلَةٌ مِثْلُ قَتْلَةِ النَّبِيِّيْنَ وَآلِ النَّبِيِّيْنَ

''یہ شہدا ان شہدا کے مانند ہیں جو نبی تھے یا ان کی اولاد تھے''۔

ابھی جناب حُر کی روح قفسِ عنصری میں موجود تھی کہ فرزندِ رسولؐ آپؑ کے بالائے سر آ کر بیٹھ گئے اور آپ کے سر اور چہرے کو اپنے مبارک ہاتھوں سے صاف کرنے لگے، پھر فرمایا:

أَنْتَ الحُرُّ كَمَا سَمَّتْكَ أُمُّكَ وَأَنْتَ الحُرُّ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ

''تم واقعی حُر اور مردِ آزاد ہو جس طرح تمھاری ماں نے تمھارا نام حُر رکھا ہے۔ تم دنیا میں بھی حُر ہو اور آخرت میں بھی حُر ہو''۔

ایک صحابی نے آپ پر مرثیہ پڑھا لیکن بعض روایات میں ہے کہ آپ پر حضرت علیؑ بن الحسینؑ نے مرثیہ پڑھا تھا۔ (حضرت علی بن الحسینؑ سے مراد شہزادہ علی اکبرؑ ہیں۔ مترجم) کیونکہ اس وقت حضرت امام زین العابدینؑ مریض تھے اور اپنے خیمہ میں لیٹے ہوئے تھے لیکن اس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ یہ مرثیہ آنحضرتؑ نے اپنے خیمہ میں کہا ہو لیکن امالی صدوق کے مطابق یہ مرثیہ حضرت امام حسینؑ نے خود پڑھا تھا:

لَنِعْمَ الحُرُّ حُرُّ بَنِي رِيَاحِ
صُبُورٌ عِنْدَ مشتبكَ الرِّمَاحِ
وَنِعْمَ الحُرُّ إِذ فَادَىٰ حُسَيْنًا
وَجَا بِنَفْسِهِ عِنْدَ الصَّبَاحِ

''کتنا عظیم الشان انسان ہے حُرؑ جو جری، بہادر و شجاع ہے، جو قبیلہ ریاح کا عظیم الشان سپوت ہے۔ جب گھمسان کی جنگ ہوتی ہے اور نیزوں سے نیزے ٹکراتے ہیں تو حُر صبر کی آخری منزل پر ہوتا ہے۔ حُر کس قدر اچھائیوں اور بھلائیوں کا مالک ہے کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ نے استغاثہ بلند کیا تو صبح کے وقت اسی نے امامؑ پر اپنی جان قربان کر دی''۔

بولے شہ جب حُر ہمارا ہو گیا
صبر حُر بھی استعارہ ہو گیا

فرزندِ رسولؐ کی اِقتدا میں نمازِ ظہر

جب کوفی فوج نے امام علیہ السلام کی درخواست پر کچھ دیر کے لیے آتشِ جنگ کو بند نہ کیا تو فرزندِ رسولؐ نے تیر بارانی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نمازِ ظہر ادا کی اور احتمالاً باقی نمازِ خوف

دوسرے گروہ کے ساتھ ادا کی۔ جب امام علیہ السلام نماز کی اقتدا کے لیے کھڑے ہوئے تو جناب زُہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ حنفی امام علیہ السلام کے آگے کھڑے ہو گئے۔ جدھر سے تیر آتا تھا یہ جاں باز اپنے ہاتھوں اور سینوں پر لیتے تھے۔ ایک اور احتمال بھی ہے کہ امام علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب نے نماز فرداً فرداً اور اشارے کے ساتھ پڑھی۔ ①

جنابِ سعید بن عبداللہ زخموں سے چُور چُور ہو چکے تھے، اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور زمین پر گر پڑے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُمْ لَعْنَ عَادٍ وَّثَمُوْدَ وَابْلِغْ نَبِيَّكَ مِنِّي السَّلَامَ.....

"اے اللہ! ان پر اسی طرح لعنت فرما جس طرح تُو نے قومِ عاد و ثمود پر لعنت فرمائی تھی اور میرا سلام اپنے نبیؐ تک پہنچا دے اور جو درد و رنج مجھ پر نازل ہوئے ہیں ان کی انھیں خبر دے کیونکہ میری اس جاں بازی کا ہدف تیری ہی رضا تھی کیونکہ تُو نے مجھے اپنے پیغمبرؐ کے اہلِ بیتؑ کی نصرت کی توفیق دی ہے"۔ (مقتل العوالم: ص ۸۸)

پھر آپ نے امام علیہ السلام کے چہرے کی طرف رُخ کیا اور عرض کیا: أَوْفَيْتُ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ "کیا مَیں نے اپنے عہد و پیمان کی پاسداری کا حق ادا کر دیا ہے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: نَعَمْ، اَنْتَ اَمَامِي فِي الْجَنَّةِ "جی ہاں! آپ نے اپنی ذمہ داری بھرپور انداز میں ادا کی ہے"، بہشت میں تُو میرے آگے آگے ہوگا"۔ جب جنابِ سعید نے یہ مژدہ جاں فزا سنا تو جان جانِ آفرین کے حوالے کر دی۔ آپ کو نیزوں اور تلواروں کے جو زخم

---

① جنابِ مقرّم اس جگہ فرماتے ہیں: میری نظر یہ ہے کہ امام علیہ السلام کی نماز قصر تھی کیونکہ آپؑ مسافر تھے۔ آپؑ محرم کی دو تاریخ کو کربلا میں وارد ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں رسولِ خدا نے آپؑ سے فرمایا تھا کہ آپؑ نے روزِ عاشور شہید ہو جانا ہے۔ جب آپؑ مسافر تھے تو پھر آپؑ نے نمازِ خوف کیسے ادا فرمائی؟ جن لوگوں نے نمازِ خوف کی بات کی ہے، وہ اس نقطے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے۔ تیسرا قول ابن نما کا ہے جو انھوں نے مثیر الاحزان میں نقل کیا ہے اور یہی قول صحیح نظر آتا ہے کہ امامؑ اور ان کے اصحاب نے فرداً فرداً اور اشاروں کے ساتھ نماز پڑھی۔

لگے ان کے علاوہ تیرہ تیر آپ کے جسم میں پیوست ہو چکے تھے۔

نمازِ ظہر کی ادائیگی کے بعد امام علیہ السلام اپنے ان اصحاب کے پاس تشریف لائے جو شہادت کے انتظار میں تھے اور ان سے ان الفاظ میں خطاب فرمایا:

یَا کِرَامُ هٰذِهِ الْجَنَّةُ قَدْ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا ، وَاتَّصَلَتْ اَنْهَارُهَا ، وَاَيْنَعَتْ ثِمَارُهَا ، وَهٰذَا رَسُوْلُ اللهِ وَالشُّهَدَاءِ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يَتَوَقَّعُوْنَ قُدُومَكُم وَيَتَبَاشَرُوْنَ بِكُمْ، فَحَامُوا عَنْ دِيْنِ اللهِ وَدِيْنِ نَبِيِّهٖ وَذُبُّوْا عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللهِ

"اے میرے بزرگوارو! (پیارو) بہشت کے دروازے تمہارے اوپر کھول دیے گئے ہیں جس کی نہریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ جس کے پھل تر و تازہ اور تیار ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شہدائے راہِ خدا تمہارے انتظار میں ہیں اور ایک دوسرے کو خوش خبری سنا رہے ہیں لہٰذا اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد کرو اور رسولؐ اللہ کے حرم کا دفاع کرو"۔

فرزندِ رسولؐ کے اردگرد جتنے اصحاب اپنی شہادت کی باری کا انتظار کر رہے تھے، ان سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا: ہماری جانیں آپؑ کی مبارک جان پر قربان۔ آپؑ کے خون کی جگہ ہمارا خون گرے۔ خدا کی قسم! جب تک ہماری رگوں میں خون کا ایک ایک قطرہ موجود ہے، ہم آپؑ اور آپؑ کے حریم کا دفاع کریں گے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ہماری موجودگی میں آپؑ کو کوئی گزند پہنچے۔ (اسرار الشہادۃ: ص ۱۷۵)

جنگ کا وہ موقع جب تمام اصحابِ حسینؑ کے گھوڑوں کو پے کر دیا گیا

جب امام علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے نمازِ ظہر ادا کر لی تو عمر ابن سعد نے عمرو بن سعید کی سربراہی میں امامؑ کے لشکر کی طرف تیراندازوں کا ایک گروہ روانہ کیا۔ انھوں نے آتے ہی امامؑ کے باقی ماندہ اصحاب پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور اصحاب کے تمام گھوڑے پے کر دیے گئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ صرف ضحاک بن عبداللہ مشرقی کا گھوڑا محفوظ رہا۔

ضحاک نقل کرتے ہیں کہ جب تمام اصحاب کے گھوڑے مارے گئے تو میں فوراً اپنے گھوڑے کو اپنے اصحاب کے خیام میں لے آیا۔ اس وقت اصحابِ حسینؑ نے شدت سے جنگ کرنا شروع کردی۔ ان میں سے جو نفر میدان کی طرف جاتا وہ امام کو وداع کرتا اور کہتا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَابنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ! ''اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ پر میرا اسلام ہو''۔

امام علیہ السلام اس کے جواب میں فرماتے: وَعَلَیْكَ السَّلَامُ وَنَحنُ خَلفَكَ ''میرا بھی تم پر سلام ہو، ہم بھی تمھارے پیچھے آرہے ہیں''۔

اس وقت آپؑ نے یہ آیت بھی پڑھی:

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ۝

''کچھ لوگوں نے اپنے فریضے پر عمل کرلیا ہے اور ان میں سے کچھ لوگ انتظار میں ہیں۔ انھوں نے اپنے ارادوں میں کوئی تبدیلی نہیں آنے دی''۔ (سورۂ احزاب: آیت ۲۳) ①

ابوثمامہ صائدی کو اس دوران میں بہت زیادہ زخم آئے تھے۔ آپ اس وقت زخموں سے نڈھال ہوچکے تھے لیکن جب آپ نے اپنے چچازاد بھائی قیس بن عبداللہ کو عمر ابن سعد کے لشکر میں دیکھا تو اس پر حملہ کرکے اُسے قتل کردیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے جامِ شہادت

① کامل: ج ۴، ص ۷۳ اور طبری: ج ۷، ص ۳۵۴، مطبوعہ لندن۔ ضحاک بن عبداللہ مشرقی کا بیان ہے: جب میں نے دیکھا کہ اصحابِ حسینؑ باری باری منزلِ شہادت پر پہنچ رہے ہیں اور ان میں سے صرف سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی اور بشیر بن عمرو حضرمی بچ گئے ہیں تو پھر میں امام علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: جو شرط میرے اور آپؑ کے درمیان تھی وہ آپ کو یاد ہے؟ جس شرط پر میں آپؑ کے ہمرکاب ہُوا تھا۔ میں نے آپؑ سے یہ شرط طے کی تھی کہ جب تک آپؑ کے اصحاب آپؑ کا دفاع کرتے رہیں گے، میں آپؑ کے ساتھ رہوں گا اور جب آپؑ کے تمام اصحاب شہید ہوجائیں گے تو میں واپس چلا جاؤں گا، آپؑ نے میری اس شرط کو قبول کیا تھا۔ جب امام علیہ السلام نے میری بات سنی تو میری تائید فرمائی اور مجھ سے فرمایا: لیکن اب تُو ان لوگوں سے اپنی جان بچاکر کیسے جاسکتا ہے؟ اگر تُو اپنے آپ کو ان سے نجات دے سکتا ہے تو پھر چلا جا۔ ضحاک کا بیان ہے کہ جب تمام اصحاب کے گھوڑے پے کردیے گئے تھے تو میں نے اپنا گھوڑا اپنے ایک دوست کے خیمے میں چھپا دیا اور خود پیدل چل کر میدان میں آیا اور کوفی فوج سے جنگ کی۔ میں نے امامؑ کے سامنے دو کوفی سپاہیوں کو قتل کیا اور ایک اور آدمی کا ہاتھ قطع کیا۔ اس وقت ⇦

نوش جان فرمایا۔

حصار بن کے رہیں جو آپ پیش امامؑ
ہزار عمر رواں اے سعید آپ کے نام

حضرت زُہیر بن قینؓ اور حضرت ابن مضارب

حضرت سلمان ابن مصارب بجلی جناب زُہیرؓ بن قین کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ میدانِ جنگ میں گئے تو ایک حملے کے بعد شہید کر دیے گئے تو حضرت زُہیر بن قین بارگاہِ امامت میں پہنچے۔ آپ نے امام علیہ السلام کے شانۂ مبارک پر ہاتھ رکھا اور میدانِ جنگ کی طرف جانے کی درخواست کی۔ آپ نے عرض کیا:

أَقْدِمْ هُدِيتَ هَادِيًا مَهْدِيًّا فَالْيَوْمَ أَلْقَى جَدَّكَ النَّبِيَّا
وَحَسَنًا وَالْمُرْتَضَى عَلِيًّا وَذَا الْجَنَاحَيْنِ أَلْفَتَى الْكَمِيَّا
وَأَسَدَ اللهِ الشَّهِيْدِ الْحَيَّا

"اے میرے آقا! جس قدر ممکن ہے مجھے شہادت کے لیے رخصت کرو۔
اے حسینؑ! میرے سردار! آپؑ ہادی اور مہدی ہیں۔ میں آج بعد از

⇦ امام علیہ السلام نے بار بار میرے حق میں دعا فرمائی: لَا تَشْلَلْ لَا يَقْطَعُ اللهُ يَدَكَ "تیرے ہاتھ میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ خدا تجھے طاقت عطا کرے اور اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے"۔ جب امام علیہ السلام نے مجھے اجازت دی تو میں نے اپنے گھوڑے کو خیمے سے نکالا اور کوفی لشکر سے کنارہ کرتے ہوئے گھوڑے کو دوڑایا۔ پندرہ آدمیوں نے میرا تعاقب کیا۔ جب میں دریائے فرات کے کنارے کے نزدیک پہنچا تو چند لوگوں نے مجھے پہچان لیا۔ وہ میرے چچازاد بھائی تھے۔ انھوں نے مجھے جانے دیا۔

مترجم کہتا ہے: اس مقام پر جب ضحاک بن عبداللہ کا جناب حُر ریاحی سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حُر کہا اور ضحاک کہا۔ حُر امام علیہ السلام کو اکیلا دیکھ کر اپنے کثیر لشکر کو چھوڑ کر امام علیہ السلام کی طرف چلا آیا اور ضحاک امام علیہ السلام کو اکیلا دیکھ کر میدان سے بھاگ نکلا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ عَوَاقِبَ أُمُورِنَا خَيْرًا

ضحاک جیسے نہ بنا کہ یہ جسارت ہے
تمہارے پیشِ نظر حُر کی بس مثال رہے

شہادت آپؑ کے جدِّ نامدار سے ملاقات کرنے والا ہوں اور آپؑ کے برادر اور آپؑ کے والد گرامی حضرت علی مرتضیٰؑ اور آپؑ کے چچا بزرگوار حضرت جعفر طیارؑ سے جو شجاعت خصال اور بہادری میں بے مثال تھے جنھیں اللہ نے جنّت میں دو پَر عطا فرمائے ہیں اور آپؑ کے چچا شیرِ خدا حضرت حمزہؑ تھے جو زندہ شہید ہیں، میری ملاقات ہونے والی ہے"۔

جب جناب زُہیر کو جنگ کی اجازت ملی تو میدان میں وارد ہوتے ہی آپ نے یہ رجز پڑھا:

اَنَا زُهَيْرٌ وَاَنَا ابْنُ الْقَيْنِ
اَذُوْدُكُمْ بِالسَّيْفِ عَنْ حُسَيْنٍ [1]

"مَیں قینؓ کا فرزندِ رشید ہوں۔ مَیں اپنے آقا سے تمہارے شر کو اپنی تلوارِ آب دار سے دُور کروں گا"۔

میں ہوں زُہیر، شیر سا بیٹا ہوں قینؓ کا
تلوار سے کروں گا دفاع مَیں حسینؑ کا

آپؓ نے مردانہ وار جنگ شروع کر دی۔ کبھی آپؓ میمنہ پر حملہ کرتے اور کبھی میسرہ پر اور کبھی قلبِ لشکر میں گھس جاتے۔ جدھر سے گزرتے کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ اس دوران میں آپؓ نے دشمن کے ایک سو بیس افراد کو واصلِ جہنّم کیا۔ دشمن کی فوج کے قدم اُکھڑ کر رہ گئے۔

کثیر بن عبداللہ شعبی اور مہاجر بن اوس موقع کی تاک میں تھے، انھیں جب فرصت ملی تو ان دونوں نے مل کر آپؓ پر حملہ کر دیا۔ ان کے اس حملے میں آپؓ کو کاری ضربیں آئیں جن سے آپؓ فردوسِ بریں کی طرف سُدھارے۔

فرزندِ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام آپؓ کے لاشے پر پہنچے اور فرمایا:

لَا يُبْعِدَنَّكَ اللهُ يَا زُهَيْرُ! وَلَعَنَ اللهُ قَاتِلِيْكَ لَعْنَ الَّذِيْنَ مُسِخُو قِرَدَةً وَخَنَازِيْر

"اے زُہیرؓ! خداوند تعالیٰ تمھیں اپنی رحمت سے دُور نہ کرے اور

---

[1] من زهير و من فرزند قينم   با شمشير دفاع می کنم از حسينم

تمہارے قاتلوں پر لعنت کرے اور ان کی صورتوں کو بندر اور سؤر کی طرح مسخ فرمائے"۔ ①

شہادت جنابِ عمرو بن قرظہ انصاری

جس وقت فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے نمازِ ظہر ادا کرنا چاہی تو جنابِ عمرو نے امام علیہ السلام کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔ آپ امام علیہ السلام کے آگے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے اپنے سینے کو امامؑ اور ان کی نماز کے لیے سپر بنا دیا۔ جدھر سے تیر آتے، انھیں اپنے سینے پر لیتے تاکہ فرزندِ رسولؐ محفوظ رہیں۔ امام علیہ السلام نماز کی امامت فرماتے رہے اور یہ حسینی شاہین امامؑ کی حفاظت کرتا رہا۔ جدھر سے تلوار آتی، اُسے اپنے بازو پر لیتے اور جدھر سے کوئی تیر آتا، اُسے اپنے سینے پر لیتے۔ جب امام علیہ السلام کی نمازِ ظہر ختم ہوئی تو اس وقت عمرو شدید مجروح ہو چکے تھے۔ آپ کے بدن سے خون فوارے کی طرح نکل رہا تھا۔ اکثر کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے زمین پر گر پڑے اور نحیف آواز کے ساتھ بارگاہِ امامت میں عرض کیا: أَوْفَيْتُ يَابْنَ رَسُوْلِ اللهِ؟ "اے فرزندِ رسولؐ! مَیں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا ہے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا: آپؓ نے حقِ وفاداری احسن انداز میں ادا کیا ہے۔ اس وقت امام علیہ السلام نے انھیں مژدہ جاں فزا سنایا۔ اَنْتَ اَمَامِيْ فِي الْجَنَّةِ "تو مجھ سے پہلے جنت میں داخل ہو رہا ہے"۔ جب تجھے جنت میں لے جائیں تو اس وقت پیغمبرؐ خدا کو میرا سلام کہنا اور انھیں کہنا کہ مَیں بھی جلد آپ کی طرف آ رہا ہوں۔ جب عمرو نے امام علیہ السلام کا یہ پیغام سنا تو جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

اس حسینی جانباز عمرو کا بھائی عمر ابن سعد کے لشکر میں تھا، جس کا نام تاریخ نے علی بتایا ہے۔ جس وقت جنابِ عمرو کی شہادت ہو گئی تو اس نے امام علیہ السلام سے کہا: نقلِ کفر کفر نباشد

---

① امام علیہ السلام نے ان لفظوں میں دین کے دشمنوں کے لیے اس لیے بددعا فرمائی کیونکہ اللہ نے انسان کو انسان بنایا۔ اُسے انسانی صلاحیتوں سے زینت دی لیکن یہی وہ لوگ تھے جو ابن زیاد اور عمر ابن سعد کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے اور بندروں کی طرح ان کے آگے رقص کناں تھے اور لوگوں کو دین سے دُور کر رہے تھے۔ ان کی زندگی خنزیر کے مانند تھی۔

يَا حُسَيْنُ! يَا كَذَّابُ بْنُ الْكَذَّابِ! أَضْلَلْتَ أَخِي وَغَرَّرْتَهُ حَتّٰى قَتَلْتَهُ؟ "اے جھوٹے اور جھوٹے کے بیٹے! تُو نے میرے بھائی سے دھوکا کیا ہے اور اُسے گمراہ کیا ہے۔ آخرکار اُسے قتل کروا دیا ہے؟"

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: إِنِّي لَمْ أَغُرَّ أَخَاكَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ هَدَاهُ وَأَضَلَّكَ "مَیں نے تیرے بھائی سے دھوکا نہیں کیا اللہ نے اُسے ہدایت دی ہے اور تجھے گمراہ کیا ہے"۔

جب اس نے امام علیہ السلام کا یہ جواب سنا تو غصے سے بے تاب ہوگیا اور کہا: خدا مجھے قتل کرے اگر مَیں نے تجھے قتل نہ کیا اور فوراً امامؑ پر حملہ کر دیا۔ ابھی اس نے امام علیہ السلام کی طرف اپنا نیزہ بلند ہی کیا تھا کہ جناب نافع بن ہلال نے اپنی تلوار سے اس پر ایسا وار کیا کہ وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر آ رہا۔ اس کے ساتھی اسے گھسیٹ کر اپنے لشکر کی طرف لے گئے اور اس کا علاج معالجہ کرنے لگے البتہ مرنے سے وقتی طور پر بچ گیا۔

جناب نافع بن ہلال کی شہادت

جناب زُہیر بن قینؓ اور عمرو بن قرظہ کے بعد نافع بن ہلال جملی مذحجی میدان میں آئے۔ اُنھوں نے اپنے تیروں کے سوفاروں پر اپنا نام لکھا اور کوفیوں کو اپنے تیروں کی زد پر رکھا اور یہ رجز پڑھا:

أَرْمِي بِهَا مُعَلَّمَةٌ أَفْوَاقُهَا مَسْمُومَةٌ تَجْرِي بِهَا أَخْفَاقُهَا
لَيَمْلَأَنَّ أَرْضَهَا رِشَاقُهَا وَالنَّفْسُ لَا يَنْفَعُهَا إِشْفَاقُهَا

"میں تمھیں اپنے تیز و تند تیروں سے موت کے دردناک مرگھٹ سے ہم کنار کروں گا۔ میرے ان تیروں کے سر، ان کافروں کے ابدان کے آر پار ہو کر سرخ ہوں گے۔ نفسِ انسانی اگر موت سے خوفزدہ ہو تو اُسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ میرے یہ تیر اس زہر میں بجھے ہوئے ہیں، وہ زہر جو جسموں کو بجھا کر رکھ دیتی ہے جب وہ چلۂ کمان سے پرواز کرتے ہیں تو ان سے زناٹے دار خوفناک آواز نکلتی ہے اور ان کی زہر آلودگی آناً فاناً اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ میری اس تیر بارانی سے جب دشمن

زمین پر گرتے ہیں تو زمین پر کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں"۔

جنابِ نافع نے اپنے تیروں سے دشمن کے بارہ آدمی قتل کیے۔ جب آپ کے تیر ختم ہو گئے تو آپ نے اپنی تلوار کو نیام سے نکالا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ لیکن عمر ابن سعد کے لشکر نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور آپ پر پتھر برسانے شروع کر دیے جن کے پاس نیزے تھے، انھوں نے آپ پر نیزوں سے حملہ کر دیا۔ اس دوران میں آپ کے دونوں بازو ٹوٹ گئے۔ شمر اور اس کے ساتھیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور کھینچ کر عمر ابن سعد کے پاس لے گئے۔ عمر ابن سعد نے آپ کو تہدید کرتے ہوئے کہا: مَا حَمَلَكَ عَلٰی مَا صَنَعْتَ بِنَفْسِكَ "تُو نے اپنے اُوپر اس قدر ظلم کیوں ڈھایا ہے؟"

جنابِ نافع نے جواب دیا: اِنَّ رَبِّی یَعلَمُ مَا اَرَدتُ "میرے قصد کو میرا خدا خوب جانتا ہے"۔

عمر ابن سعد کے کسی آدمی نے اُسے کہا: کیا تُو دیکھ رہا ہے کہ کس طرح اس کے سر اور صورت سے خون بہہ رہا ہے؟

جنابِ نافع نے ان کے غصے میں اپنی اس بات سے مزید اضافہ کیا: خدا کی قسم! مَیں نے تمہارے چند آدمی قتل کیے اور جو مَیں نے زخمی کیے ہیں ان کی تعداد بارہ ہے۔ میں اس کام سے نہایت ہی خوش ہوں۔ اگر تم لوگوں نے میرے بازو کو نہ توڑا ہوتا تو تم میں مجھے اسیر بنانے کی جرأت ہی نہ ہوتی اور مَیں تمہارے مزید آدمی قتل کرتا۔ اس دوران میں شمر نے تلوار کھینچی کہ جنابِ نافع کو قتل کرے۔ جنابِ نافع نے اس سے کہا: اے شمر! خدا کی قسم! اگر تُو مسلمان ہوتا تو ہمارا خون اپنی گردن پر لے کر خدا کے سامنے جانا تجھے شاق ہوتا۔ شکر ہے خداوند تعالیٰ کا کہ جو لوگ بدترین خلائق ہیں ان کے ہاتھوں ہماری موت اس نے مقدر کی۔ اس کے بعد شمر نے آپ کی گردن پر شمشیر سے حملہ کر دیا اور ان کا سر بدن سے جدا کر دیا۔ ①

① جنابِ نافع ایک نوجوان آدمی تھے اور نہایت ہی خوب صورت اور نیک اندام تھے۔ کربلا میں امام علیہ السلام کے خواص میں سے تھے۔ ریاضی و سیاسی اُمور میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ عاشورا کے دن آپ کے پاس ستر تیر تھے اور آپ نے اپنے ہر تیر سے دشمن کے ہر سوار کو قتل کیا۔

جناب واضح اور جنابِ اسلم کی شہادت

یہ دونوں جوان میدان میں آئے، مبارزہ طلبی کی اور کوفی لشکر سے خوب جنگ کی۔ اسی جنگ کے دوران میں واضح ترکی غلام حرث مذحجی اپنے گھوڑے سے گرے اور استغاثہ کی آواز بلند کی۔ حضرت امام علیہ السلام نے ان کی فریاد رسی کی۔ جب امام علیہ السلام اس کے پاس آئے تو ان میں رمقِ جان باقی تھی۔ آپؑ نے اس جوان کو اپنی آغوش میں لیا اور اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیا۔ جب اس نے امام علیہ السلام کا اپنے ساتھ یہ سلوک دیکھا تو کہا: کون ہے میری مثل کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند نے اپنا مبارک منہ میرے منہ پر رکھ دیا ہے۔ اسی حالت میں آپؑ کی روح نے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی۔

بعد ازیں امام علیہ السلام جنابِ اسلم کے بالین سر تشریف لائے۔ آپؑ نے ان سے معانقہ کیا۔ ابھی اسلم زندہ تھے جب اس نے امام علیہ السلام کی محبت دیکھی تو ازراہِ افتخار مسکرا دیے اور اسی حالت میں اپنی جان جانِ آفرین کے حوالے کی۔

حضرت بُریر بن خُضیرؓ کی شہادت

ترکی غلام کی شہادت کے بعد جناب بُریر بن خُضیرؓ میدانِ جنگ میں وارد ہوئے۔ آپ ایک نامی گرامی آدمی تھے، زُہد و عبادت و بندگی میں اپنی مثال آپ تھے اور جامع مسجد کوفہ کے مشہور قراء میں سے تھے، آپ نے گھمسان کی جنگ لڑی۔ آپ جدھر کا رُخ کرتے کوئی آپ کے سامنے نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اس اثناء میں عمر ابن سعد کے لشکر میں سے ایک آدمی آپ کے سامنے آکر کھڑا ہوا جس کا نام یزید بن معقل تھا۔ اس نے آپ سے کہا: اے بُریر! کیا تُو نے یہ نہیں سوچا کہ اللہ نے تیرے حق میں بُرا فیصلہ کیا ہے؟

جنابِ بُریر نے جواب دیا: صَنَعَ اللّٰهُ بِي خَيْرًا وَصَنَعَ بِكَ شَرًّا "خداوند تعالیٰ نے میرے حق میں جو فیصلہ کیا ہے وہ بہتر کیا ہے لیکن تیرے حق میں بُرا فیصلہ کیا ہے"۔

یزید نے کہا: اب تو تُو جھوٹ بولنے لگ گیا ہے حالانکہ اس سے قبل تو جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ یزید نے اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ کیا تجھے وہ دن یاد ہے کہ ہم دونوں محلّہ بنی لوزان

میں تھے۔ تُو نے مجھ سے کہا تھا: كَانَ مُعَاوِيَةُ ضَالًّا وَاِنَّ الْاِمَامَ الْهُدٰى عَلِيُّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ "امیر شام گمراہ ہے صرف امام علیؑ ابن ابی طالبؑ امام حق ہیں"۔

جناب بریر نے فرمایا: ہاں! اب بھی مَیں اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔

یزید نے اپنی بات کو بڑھاتے ہوئے دوبارہ کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو گمراہ ہے۔

جب جناب بریر نے اس کی یہ بات سنی تو فرمایا: جنگ بعد میں ہوگی آؤ پہلے ہم مباہلہ کر لیتے ہیں، کہ ہم میں سے جو باطل پر ہو وہ قتل اور رُسوا ہو۔

ان دونوں نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا اور بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی کہ ہم میں سے جو جھوٹا اور باطل پر ہے اُسے قتل فرما۔

جب مباہلہ کے مراسم اختتام پذیر ہوئے تو ان دونوں نے جنگ شروع کی۔ جناب بریر نے یزید کے سر پر اس انداز میں شمشیر ماری کہ وہ اس کے خُود کو چیرتی ہوئی اس کے سر میں گھس گئی۔ ابھی جناب بریر نے اس کے سر سے تلوار نہیں کھینچی تھی کہ یزید اپنے گھوڑے سے اس طرح اُڑ کر گرا جس طرح چڑیا پَر پھڑپھڑاتی ہوئی زمین پر آتی ہے۔

آپ نے یزید کے شگافتہ سر سے تلوار کھینچی ہی تھی کہ آپ پر رضی بن منقذ عبدی نے حملہ کر دیا اور دونوں کے درمیان دست بہ دست لڑائی شروع ہوگئی۔ جناب بریر نے ایک جنبش میں اُسے بھی زمین پر دے مارا اور اس کے سینے پر اپنا زانو رکھ دیا۔ اس ملعون نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ وہ اُسے حسینیؑ جانباز سے نجات دلائیں۔ اس دوران میں کعب بن جابر بن عمرو ازدی دوڑا کہ بریر پر حملہ کرے۔ (کہ اتنے میں) عفیف بن زُہیر بن ابی الاخنس نے اُسے زور سے آواز دی: ارے کدھر جاتا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ هٰذَا بُرَيْرُ بنُ خُضَيْرِ الْقَارِيِ الَّذِي كَانَ يَقْرَؤُنَا الْقُرْآنَ فِي جَامِعِ الْكُوفَةِ "یہ بریر بن خضیر قاری قرآن ہیں۔ انھوں نے تو ہمیں جامع مسجد کوفہ میں قرآن کی تعلیم دی تھی"۔

لیکن کعب نے عفیف کی بات کی کوئی پرواہ نہ کی۔ جناب بریر جس صورت میں رضی کے سینے پر بیٹھے تھے، اس نے آپ کی پشت پر تلوار سے وار کر دیا۔ جناب بریر نے ان آخری لمحات میں اپنے ہاتھوں اور دانتوں سے رضی پر حملہ کر دیا اور اپنے دانتوں سے رضی کی

ناک کا ایک حصّہ قطع کر ڈالا۔ جناب بُریر کعب ملعون کی تلوار کے وار سے اس دنیا سے رخصت ہوئے اور اہلِ جنّت کے ہم نشین ٹھہرے۔

جب جناب بُریر شہید ہو گئے تو رضی اپنے کپڑے جھاڑ کر کھڑا ہوا اور کعب ملعون سے کہا: اے برادر ازدی! آج تُو نے مجھ پر جو احسان کیا ہے وہ زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔

جب کعب جنگ کے بعد گھر واپس گیا تو اس کی زوجہ جس کا نام "نوار" تھا اس نے اس کی خوب خبر لی، اسے ذلیل و رسوا کیا اور کہا: تُو فرزندِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے ساتھ جنگ کے لیے گیا تھا اور وہیں سید القراء کو قتل کیا؟ واہ! کیا تُو نے کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے؟ ارے تُو نے تو بدترین کام کیا ہے۔ اب میں زندگی بھر تجھ سے کبھی گفتگو نہیں کروں گی۔

پھر کعب نے یہ اشعار پڑھے:

سَلِي تَخبَرِي عَنِّي وَأَنتَ ذَمِيمَةٌ — غَدَاةُ حُسَينِ وَالرِّمَاحُ شَوَارِعُ
أَلَم آتِ أَقصَى مَا كَرِهتِ وَلَم يَخَل — عَلَى غَدَاةِ الرُّوعِ مَا أَنَا صَانِعُ
مَعِي يَزنِي لَم تَخنَهُ كَعوبَه — وَأَبيَضُ مَخشُوب الغَرَارَينَ قَاطِعُ
فَجَرَدتُهُ فِي عُصبَةٍ لَيسَ دِينُهُم — بِدِينِي وَأَنِّي بِابنِ حَربٍ لَقَانِعُ
وَلَم تَرَ عَينِي مِثلَهُم فِي زَمَانِهِم — وَلَا قَبلَهُم فِي النَّاسِ إِذَا أَنَا يَافِعُ
أَشَدُّ قِرَاعًا بِالسُّيُوفِ لَدَى الوَغَى — الاكل من يحمى الذمار مَقَارِعُ
وَقَد صَبَرُوا لِلضَّربِ وَالطَّعنِ حُسَّرًا — وَقَد نَازَلُوا لَو أَنَّ ذٰلِكَ نَافِعُ
فَأَبلِغ عُبَيدُاللهِ أَمَّا لَقِيتَهُ — بَأَنِّي مَطِيعٌ لِلخَلِيفَةِ سَامِعُ
قَتَلتَ بُرَيرًا ثُمَّ حَمَلتَ نِعمَةً — أَبَا مَنقَذٍ لَمَّا دَعَا مَن يُمَاصِعُ

"میری شجاعت کے بارے میں پوچھ تو تجھے معلوم ہو کہ میں کتنا بہادر ہوں۔ جی ہاں! یہ مبارزت مذموم تھی یا ہمیشہ کا بٹہ لگانے والی تھی کیونکہ جس دن حسینؑ سے جنگ ہوئی تھی، وہ سخت آزمائش کا دن تھا۔ گھمسان کی جنگ تھی۔ تلواروں سے تلواریں ٹکرا رہی تھیں۔ ہر طرف گندم گوں نیزے بلند تھے۔ میں اس دن اُس بہادر کے مقابلے میں نکلا تھا کہ جس

کی شمشیر آب دار سے موت اپنی داڑھیں کھولے ہوئے تھی۔ ہر وہ کام جسے مَیں اچھا نہیں خیال کرتا یا اچھا نہیں سمجھتا، مَیں اُسے انجام نہیں دیتا لیکن جب ماحول پر خوف کے بادل چھائے ہوئے ہوں اور ہر طرف موت کا سامان ہو اور گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو تو اس وقت ناپسندیدہ کام بھی کر لیتا ہوں۔

میرے ہاتھ میں مزنی نیزہ ہو جب اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتا ہوں تو وہ خطا نہیں ہوتا۔ میرے پاس صیقل شدہ شمشیر بھی موجود ہے جو دو دھاری ہے اور نہایت ہی تیز و تند ہے۔ وہ مَیں نے اپنی اس تیز و تند تیغ کو نیام سے کھینچا تاکہ میں اس جماعت کو قتل کروں جو میرے دین پر نہیں ہے۔ بُریر کے قتل سے مبارزین کی مبارزت سامنے آئے گی۔

وہ گروہ جس پر مَیں نے اپنی تلوار کھینچی، یہ وہ لوگ تھے جو دشمن کی شمشیر کی ضرب اور نیزے کی دھار کو برداشت کرنے والے تھے کیونکہ کثرت کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ سے وہ تھک چکے تھے اور زخموں سے نڈھال ہو چکے تھے۔ اس لیے وہ اپنی شجاعت و شہامت کے جوہر نہ دکھا سکے۔ اگر وہ اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرتے تو انھیں ضرور فائدہ ہوتا۔ جب تیری عبیداللہ ابن زیاد سے ملاقات ہو تو اُسے میرا پیغام پہنچا دینا کہ مَیں نے نمک خواری کا حق ادا کر دیا ہے کیونکہ میں اپنے خلیفہ کا مطیع ہوں۔ مَیں نے بُریر کو قتل کیا اور اُس سے لڑنے کے لیے اور اُسے قتل کرنے کے لیے مَیں نے اپنے گھوڑے کو جولان دی۔ حالانکہ اس نے میدانِ جنگ میں پہلوانوں کو للکارا تھا کہ ہے تم میں سے کوئی جو اُس سے مبارزہ کرے؟"

جناب بُریر کے قاتل کی مذمت

جب اس ملعون کعب نے جنابِ بُریر کو شہید کیا تو کچھ لوگوں نے اس کی مذمت کی کہ تو

جس بات پر اکڑ رہا ہے یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔ اس کے چچازاد بھائی نے اس سے کہا: تُو ہلاک ہو، تُو نے بُریر بن خضیر کو قتل کیا، تُو قیامت کے دن بارگاہِ خداوندی میں کیسے حاضر ہوگا اور کیا جواب دے گا؟!

جب اس ملعون نے ہر طرف سے اپنے اُوپر لعنت برستی ہوئی دیکھی تو نادم اور پشیمان ہو کر کہا:

وَلَو شَاءَ رَبِّي مَا شَهِدتُ قِتَالَهُمْ ... وَلَا جَعَلَ النَّعمَاءَ عِندِي ابنِ جَابِرِ

لَقَدْ كَانَ ذَاكَ الْيَوْمَ عَارًا وَاسبَةً ... تُعَيِّرُهُ الأَبنَاءُ بَعدَ المَعَاشِرِ

فَيَالَيتَ إِنِّي كُنتُ مِن قَبلِ قَتلِهِ ... وَيَومَ حُسَينٍ كُنتُ فِي رِمسِ مَقَابِرِ

"اگر خداوند تعالیٰ چاہتا تو میں ان صالح بندوں سے جنگ ہی نہ کرتا۔

میں اس کارزار میں موجود ہی نہ ہوتا اور نہ ہی یہ مال و دولت ایک ظالم کے بیٹے سے حاصل کرتا۔

اے لوگو! آج کا دن میرے لیے عار و دشنام کا دن ہے کیونکہ کل میرے اس جرم کو قبائل کے درمیان بیان کیا جائے گا۔ اے کاش! میں رحمِ مادر میں حیض کا قطرہ ہوتا اور کربلا میں امام حسینؑ کے مقابلے میں نہ آتا اور قبرستان میں مدفون ہوتا۔ ہائے یہ رُسوائی اور واہی و تباہی! میں قیامت کے روز اللہ کے حضور کیا جواب دوں گا۔ مَیں نے بُریر کو کیوں قتل کیا؟

میرے پاس کوئی دلیل و حجت نہیں ہے کہ میں پیش کرسکوں"۔

محمد بن طلحہ شافعی "مطالب السئول" میں نقل کرتے ہیں کہ جنابِ بُریر جب میدانِ کربلا میں وارد ہوئے تو عمر ابن سعد کو سلام نہ کیا۔ عمر ابن سعد نے اَزراہِ اعتراض سوال کیا: اے بُریر! سلام، اسلام کا شعار ہے، تُو نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟

جنابِ بُریر نے اس کے جواب میں کہا: سلام تو مسلمان پر ہوتا ہے غیر مسلم پر سلام نہیں ہوتا۔ اگر تم لوگ مسلمان ہوتے تو پیغمبرؐ کے بیٹے کے خون گرانے کے اِقدام میں کبھی شریک نہ ہوتے۔ اُدھر دریائے فرات کا پانی جنگل کے حیوانات بھی پی رہے ہوں اور اِدھر

آلِ نبیؐ تشنگی سے جان بلب ہے۔

جنابِ حنظلہؓ شبامی کی شہادت

وہ ایک باب رقم کر گیا شجاعت کا
حصار بن کے رہا وہ حسینؑ کے آگے

جناب حنظلہ کے بارے میں مدیانِ مقاتل نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے فرزندِ رسولؐ کی نگہبانی و نگرانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ آپ امامؑ کے سامنے دفاعی پوزیشن میں کھڑے ہو گئے تھے۔ آپؓ کی طرف جو تیر آتے تو انھیں اپنے سینے پر لیتے۔ جب امامؑ کی طرف کوئی تلوار اُٹھتی یا نیزہ بلند ہوتا تو آپ تلواروں اور نیزوں کے واروں کو اپنی جان پر لیتے تاکہ فرزندِ رسولؐ محفوظ رہیں۔ (اضافۃ من المترجم)

آپ جب میدانِ کارزار میں آئے تو عمر ابن سعد کے لشکر کے سامنے کھڑے ہو گئے اور انھیں یوں خطاب کیا:

يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

"بھائیو! مجھے تمھاری نسبت بھی اور اُمتوں کی طرح روزِ (بد) کا اندیشہ ہے (کہیں تمھارا بھی وہی حال نہ ہو) جیسا نوحؑ کی قوم اور عاد اور ثمود اور اِن کے بعد والے لوگوں کا ہوا اور خدا تو بندوں پر ظلم کرنا چاہتا ہی نہیں۔ اور اے میری قوم! مجھے تو تمھاری نسبت قیامت کے دن کا اندیشہ ہے، جس دن تم پیٹھ پھیر کر (جہنم کی طرف) چل کھڑے ہو گے تو خدا (کے عذاب) سے تمھارا کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جس کو خدا گم راہی میں چھوڑ دے تو اس کا کوئی رُوبراہ کرنے والا نہیں"۔ (سورۂ مومن: آیت ۳۰ تا ۳۳)

آپ نے اپنی اس گفتگو سے کوفی لشکر کو اس طرح نصیحت کی جس طرح مومنِ آلِ فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی:

"اے لوگو! فرزند رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل نہ کرو ورنہ تم پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔ اے میری قوم! مجھے خوف ہے کہ تم پر گذشتہ اُمتوں کی طرح عذاب آپڑے، جس طرح قومِ عاد و ثمود، قومِ نوح پر عذاب آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جائز قرار نہیں دیا کہ وہ کسی پر ظلم کریں۔ اے میری قوم! میں تم سے قیامت کے دن کے عذاب سے خوف زدہ ہوں۔ جس دن تمھیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اس دن تمھیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ جسے اللہ گمراہ کردے اُسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں"۔

اس وصیت و نصیحت کے بعد جنابِ حنظلہ دوبارہ بارگاہِ امامت میں پہنچے۔ آں حضرتؑ نے اس کے حق میں دُعائے خیر آپؑ نے کی اور فرمایا:

رَحِمَكَ اللهُ اَنَّهُم قَدِ اسْتَوجَبُوا العَذَابَ حِيْنَ رُدُّوا عَلَيْكَ مَا دَعَوتَهُمْ اِلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ وَنَهِضُوْا اِلَيْكَ، لِيَسْتَبِيحُوكَ وَاَصحَابَكَ فَكَيفَ بِهِم الآنَ وَقَدْ قَتَلُوا اِخْوَانَكَ الصَّالِحِيْنَ

"اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت نازل فرمائے۔ ان لوگوں کو دعوتِ حق دینے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ دعوتِ حق کو قبول کرنے والے ہیں۔ انھوں نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کے قتل کے لیے کمریں کس لی ہیں۔ معاملہ یہاں تک جا پہنچا ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے کیسے کیسے نیک اور صالح بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ اب یہ اللہ کے عذاب کے حق دار بن چکے ہیں"۔

جنابِ حنظلہؓ نے عرض کیا: میری جان آپؑ پر قربان! آپؑ سچ فرما رہے ہیں۔ آپؑ ہی صاحبِ دانش و حکمت ہیں اور آپؑ ہی اس امر کے سزاوار ہیں۔ پھر عرض کیا: کیا مجھے

اجازت ہے کہ میں آخرت کی طرف روانہ ہوجاؤں اور اپنے برادرانِ ایمانی سے ملحق ہوجاؤں؟

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: جی ہاں! اس طرف چلے جاؤ جو دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ اس طرف چلے جاؤ جو ملک ملکوت ہے اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔

جنابِ حنظلہ نے آپ کو اس طرح سلام کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ وَعَرَّفَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ فِي الْجَنَّةِ

"اے آقائے حسینؑ! آپؑ پر اور آپؑ کے اہل بیتؑ پر میرا سلام ہو اور اب میری آپؑ سے ملاقات جنت میں ہوگی"۔

اس خدا حافظی کے بعد (جنابِ حنظلہ) میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔

جب حنظلہ خدا حافظی (الوداع) کرتے اور دعا کرتے تو امام "آمین" فرماتے۔ امام علیہ السلام نے دو بار ان کلمات کی تکرار فرمائی "آمین، آمین"۔ پھر آپ میدانِ جنگ میں آئے اور جنگ کی اور شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ [1]

جنابِ عابسؓ کی شہادت

جنابِ عابسؓ بن شبیب شاکری نے اپنے دوست جنابِ شوذب سے کہا: يَا شَوْذَبُ مَا فِي نَفْسِكَ اَنْ تَصْنَعَ "اے شوذب! آج کے دن کے لیے کیا سوچ رکھا ہے؟" جنابِ عابسؓ اپنے علمی قدوقامت کے لحاظ سے ہر طرف عظیم شہرت رکھتے تھے۔ آپؓ کا تعلق مخلص ترین علمائے شیعہ میں سے تھا۔ جنابِ عابسؓ اور جنابِ شوذب جہاں ایک دوسرے کے دوست تھے، وہاں ایک دوسرے کے ہمسائے بھی تھے۔ جنابِ شوذب حافظِ قرآن اور حافظِ حدیث بھی تھے۔ لوگ فضائل اہلِ بیتؑ کے لیے آپؓ کی طرف رُخ کرتے تھے۔

جنابِ شوذب نے جنابِ عابسؓ کے جواب میں کہا: مجھے معلوم ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ: اُقَاتِلُ مَعَكَ دُوْنَ اِبْنِ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى اُقْتَلَ "میں آپ کے ہمرکاب ہوکر فرزندِ رسولؐ کی نصرت میں جنگ کروں اور مقامِ شہادت حاصل کروں"۔

---

[1] طبری نے اس واقعہ کو مفصل بیان کیا ہے لیکن جنابِ مقرم نے اس کا خلاصہ پیش فرمایا ہے۔

جنابِ عابسؓ نے اس کے حق میں دعائے خیر دی اور کہا: بارگاہِ امامت میں جاؤ تاکہ امامؑ تمھیں بھی اپنے مددگاروں میں شمار کرلیں۔ میں بھی تمھارے پیچھے آرہا ہوں کیونکہ آج مزدوری کا دن ہے اور کل حساب و کتاب کا دن ہے۔ پس! کس قدر خوب ہے کہ آج کے دن رحمتِ خداوندی سے اپنے دامن کو لبریز کرلیں۔ آج کے بعد عمل کا دروازہ بند ہونے والا ہے اور حساب باقی ہے۔

جنابِ شوذب بارگاہِ امامت میں حاضر ہوئے، اپنے امامؑ کو سلام کیا اور میدانِ کارزار کی طرف گئے۔ خوب جنگ کی، آخرکار درجۂ شہادت پر پہنچے۔ ان کی شہادت کے بعد جنابِ عابسؓ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے لیکن پہلے بارگاہِ امامت میں تشریف لائے اور عرض کیا:(1)

يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ! اَمَا وَاللهِ مَا اَمْسىٰ عَلىٰ ظَهرِ الْاَرْضِ قَرِيْبٌ وَلَا بَعِيْدٌ اَعَزَّ عَلَيَّ وَلَا اَحَبَّ اِلَيَّ مِنْكَ وَلَوْ قَدَرْتُ عَلىٰ اَنْ اَدْفَعَ عَنْكَ الضَّيْمَ وَالْقَتْلَ بِشَيْءٍ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَدَمِيْ لَفَعَلْتُهُ سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ اُشْهِدُ اللهَ اَنِّيْ عَلىٰ هُدَيكَ وَهُدىٰ اَبِيْكَ

"اے ابو عبداللہ! خدا کی قسم! اس بھری کائنات میں میرے نزدیک آپؑ سے بڑھ کر کوئی عزیز تر اور محبوب تر نہیں ہے۔ اگر میں سمجھوں کہ اپنی جان اور خون سے بھی زیادہ عزیز اور محبوب کسی چیز کے ذریعے آپؑ پر سے ظلم اور قتل کو دفع کرسکوں تو میں اس میں بھی کوئی کوتاہی و سستی نہیں کروں گا اور ہر صورت میں یہ کام کرکے رہوں گا۔ اب میں اپنے

---

(1) یومِ عاشورا شہدا کا طریقہ تھا کہ ان میں سے جب کوئی عازمِ میدانِ جنگ ہوتا تو وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضور آتا اور جنگ کی اجازت مانگتا۔ جب اجازت ملتی تو وہ وداع کرتا اور پھر میدانِ جنگ کی طرف جاتا کیونکہ وہ سب اپنے شرعی وظیفہ کی طرف متوجہ تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ امامِ معصومؑ اور ثقلِ پیغمبرؐ کے وجودِ مقدس کا دفاع ان پر واجب ہے اور ان کی اجازت کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس لیے ان مقدس لوگوں نے میدانِ کربلا میں اپنی مرضی سے تنکے برابر بھی کوئی کام نہیں کیا۔ وہ امامؑ کے پاس آتے، اجازت مانگتے اور اُخروی زادِ راہ بھی لیتے اور دُعا بھی حاصل کرتے۔

خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں آپؑ اور آپؑ کے بابا جناب امیرالمومنینؑ کے راستے پر ہوں"۔

بعدازیں آپ نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور میدانِ جنگ کا رُخ کیا حالانکہ اس سے قبل آپ کی پیشانی تلوار کے وار سے زخمی ہو چکی تھی۔ آپ مردانہ وار کھڑے ہوئے اور مبارزہ طلبی کی۔ عمر ابن سعد کے لشکر میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ آپ کے مقابلے کے لیے آپ کے سامنے آئے کیونکہ آپ کی شجاعت و شہامت کو دنیا جانتی تھی۔ ①

لہٰذا عمر ابن سعد کو سخت پریشانی اُٹھانا پڑی۔ اس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ جناب عابسؓ پر ہر طرف سے پتھروں کی بارش کر دی جائے۔ آپ پر ہر طرف سے پتھر برسنے لگے۔ جب آپ نے ان رُوباہ صفت فوج کی بزدلی دیکھی تو آپ ان کے سامنے اس طرح آئے جس طرح ایک شیر اپنے کچھار سے باہر آتا ہے۔ آپ نے اپنی زرہ اور خود اُتار کر دُور پھینک دیے اور قلبِ لشکر میں گھس گئے۔ حتیٰ کہ کوفی فوجوں کی صفوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا۔

آپ جس طرف کا رُخ کرتے، فوجیں آپ کے سامنے اس طرح بھاگتی ہوئی نظر آتیں، جس طرح شیر کے آگے لومڑیاں بھاگتی ہیں۔ آخرکار آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا اور آپ پر محاصرہ تنگ کر دیا گیا۔ پتھروں اور تلواروں سے آپ کو بری طرح زخمی کر دیا گیا۔ آخرکار آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے اور آپ کا سر آپ کے بدن سے جدا کر دیا گیا۔ ابن سعد لعین کے لشکر کا ہر سپاہی یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ اُس نے عابس شاکریؓ کو شہید کیا ہے۔ آخر عمر ابن سعد کو کہنا پڑا کہ انھیں پورے لشکر نے شہید کیا ہے۔ تم میں سے کسی کو یہ جرأت حاصل نہ تھی کہ اُسے اکیلے قتل کرتا۔ اس طرح فوج کا نزاع ختم ہوا۔

حضرت جونؓ کی شہادت

حجرِ اسود سے ہے تیرے جون کا رُتبہ بلند
کربلا تو خانۂ حق کی نئی تعمیر ہے

---

① ربیع بن تمیم کا بیان ہے کہ میں نے جب عابسؓ کو میدان میں دیکھا کیونکہ میں اس کی جرأت و شجاعت سے واقف تھا تو چیخ کر لوگوں سے کہا: خیال رکھنا! یہ شیروں کا شیر ہے۔ (طبری: ج ۷، ص ۳۵۴)

حضرت جَونؓ صحابی رسولؐ حضرت ابوذر غِفاریؓ کے غلام تھے۔ آپ کا رنگ سیاہ تھا۔ جنابِ جَونؓ مدینہ منورہ سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ کربلا آئے تھے اور جب یومِ عاشور انھوں نے جنگ کی اجازت چاہی تو امام علیہ السلام نے فرمایا: تم اس اُمید کے ساتھ میرے ساتھ آئے تھے کہ عافیت و آسائش کا سامان ہوگا اور اس راستے میں کوئی پریشانی نہیں آئے گی۔ اب میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔

جب جنابِ جَونؓ نے امام علیہ السلام کی یہ بات سنی تو اپنے آپ کو امامؑ کے قدموں میں گرا دیا اور آپؑ کے پاؤں کو بوسے دینے لگے اور عرض کیا:

أَنَا فِي الرَّخَاءِ أَلْحَسُ قِصَاعَكُمْ وَفِي الشِّدَّةِ أَخْذُلُكُمْ؟ فَتَنَفَّسْ عَلَيَّ بِالْجَنَّةِ لِيَطِيبَ رِيحِي وَيَشْرُفَ حَسَبِي وَيَبْيَضَّ لَوْنِي ، لَا وَاللهِ لَا أُفَارِقُكُمْ حَتَّى يَخْتَلِطَ هٰذَا الدَّمُ الْأَسْوَدُ مَعَ دِمَائِكُمْ

"اے میرے آقا! مَیں امن و خوشحالی کے دور میں آپ کے ہمراہ رہا، اب مصائب کے زمانے میں آپؑ کو آپؑ کے دشمنوں کے حوالے کر کے کیسے چلا جاؤں؟

اے میرے آقا! میرا جسم بدبُودار ہے، میرا خاندان ایک غیر معروف اور عام سا ہے اور میرا رنگ سیاہ ہے۔ آپؑ مجھ پر احسان کریں، تاکہ بہشت کے ذریعے میرا بدن خوشبودار، میرا خانوادہ بزرگوار اور میرا رنگ سفید ہو جائے۔ نہیں! خدا کی قسم! مَیں آپؑ سے ہرگز جدا نہیں ہوں گا جب تک میرا سیاہ خون آپؑ کے مقدس خون کے ساتھ آمیختہ نہ ہو جائے"۔

جب امام علیہ السلام نے اس کی وفا اور خلوص و وفاداری کو دیکھا تو اُنھیں میدانِ کارزار کی طرف جانے کی اجازت دی۔

جنابِ جَونؓ نے آپؑ سے وداع کیا اور میدانِ کارزار میں آئے۔ حتیٰ کہ عمر ابن سعد کی فوج کے پچیس آدمیوں کو قتل کیا اور آخرکار درجۂ شہادت پر پہنچے۔ امام علیہ السلام آپ کے لاشے پر تشریف لائے اور آپ کے قریب بیٹھ کر آپ کے لیے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھَہٗ وَطَیِّبْ رِیْحَہٗ وَاحْشُرْہُ مَعَ مُحَمَّدٍ وَعَرِّفْ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ آلِ مُحَمَّدٍ

"خداوندا! اس کے چہرے کو منور فرما! اس کے بدن کو معطر فرما! اسے قیامت کے دن اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے ساتھ محشور فرما! اس کے اور آلِ محمدؐ کے درمیان آشنائی قرار دے اور ان کے درمیان جدائی نہ ڈال"۔

امام علیہ السلام کی مبارک دعا قبول ہوئی۔ جب بھی کوئی آدمی میدانِ جنگ میں سے گزرتا تو جنابِ جونؓ کے بدنِ اقدس سے مشک و عنبر سے زیادہ خوشبو محسوس ہوتی۔ ①

جنابِ انس بن حارث کاہلیؓ کی شہادت

جنابِ انس بن حارث بن نبیہ کاہلیؓ رسولِ خدا ﷺ کے صحابی تھے اور جلیل القدر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ نے رسولؐ خدا سے احادیث سنی تھیں۔ آپ نے بدر و حنین کی جنگیں آں حضرتؐ کے ہمرکاب ہو کر لڑی تھیں۔ میدانِ کربلا میں جب آپ تشریف لائے تو اس وقت آپ بہت ضعیف اور کمزور ہو چکے تھے۔ بڑھاپا ان پر طاری تھا۔ جب آپ بارگاہِ امامت میں جنگ کی اجازت کے لیے آئے تو آپ نے اپنی کمر کو اپنے عمامے سے اور اپنے بھنوؤں کو اپنی پیشانی سے باندھ رکھا تھا۔

جب امام علیہ السلام نے ان کی وفاداری و خلوص اور پھر پیری و بزرگواری پر نگاہ فرمائی تو رو دیے اور فرمایا: شَکَرَ اللّٰہُ لَکَ یَا شَیْخُ "اے بزرگوار! خداوند تعالیٰ تیرا شکر گزار ہے"۔

---

① مقتل العوالم: ص ۸۸ اور بحار: ج ۴۵، ص ۲۳ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام سجاد علیہ السلام سے منقول ہے: جب لوگوں نے جنابِ جونؓ کو دس دنوں کے بعد دفن کیا تو ان کے جسم سے مشک کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔ آپ نے دورانِ جنگ میں یہ رجز پڑھا:

کَیْفَ یَرَی الْکُفَّارُ ضَرْبَ الْاَسْوَدِ　　بِالسَّیْفِ ضَرْبًا عَنْ بَنِیْ مُحَمَّدٍ
اَذُبُّ عَنْھُمْ بِاللِّسَانِ وَالْیَدِ　　اَرْجُوْ بِہِ الْجَنَّۃَ یَوْمَ الْمَوْرِدِ

"سیاہ رنگ بوڑھے کی ضربوں کو کفار آج کیسا پائیں گے۔ آج میری تلوار کی نوک اولادِ محمدؐ کا دفاع کرے گی۔ میں اپنی زبان اور ہاتھوں سے اُن کو دُور کروں گا اور میں حشر کے دن جنت کی اُمید رکھتا ہوں"۔

آپ میدانِ کارزار میں آئے باوجود اپنی کبرسنی اور فرسودگی کے، دشمن کی فوج پر اس طرح جھپٹے جس طرح شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ آپ نے دشمن کے چودہ افراد کو واصلِ جہنم کیا اور آخرکار منزلِ شہادت پر پہنچے۔ (1)

جنابِ عمرو بن جنادہؓ کی شہادت

جنابِ عمرو بن جنادہ انصاری کی عمر شریف گیارہ سال تھی۔ ابھی مسیں نہیں بھیگی تھیں اور ابھی جوانی کی دہلیز پر قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ اپنے بابا کی شہادت کے بعد بارگاہِ امامت میں آئے اور میدانِ کارزار کی طرف جانے کی اجازت چاہی۔ امام علیہ السلام نے دل میں سوچا کہ ابھی اس کے بابا کی لاش آئی ہے، اب یہ نوجوان میدانِ جنگ کی طرف جانا چاہتا ہے شاید اس کی والدہ اس امر کو پسند نہ کرے۔ اس لیے اس نوجوان کو اجازت نہ دی اور واپس بھیج دیا۔

اِس نوجوان نے امام علیہ السلام کے دل کی بات سمجھ لی اور عرض کیا: اِنَّ اُمِّي اَمَرَتنِي "اے میرے آقا! میری ماں نے خود مجھے حکم دیا ہے کہ میں میدانِ قتال میں جاؤں"۔ پھر امام علیہ السلام نے اُسے اجازت دی۔ نوجوان دوڑ کر میدانِ جنگ کی طرف آیا (2) اور بہت جلد اس کی روح اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کر گئی۔ ان کے سر کو تن سے جدا کر کے امام علیہ السلام کی طرف پھینک دیا

---

(1) ابن نما نے ان کے مبارزہ اور رجز کو مثیر الاحزان میں نقل کیا ہے۔ صاحب اصابہ نے ج ۱، ص ۶۸ پر لکھا ہے: انس اور ان کے والد دونوں صحابی رسولؐ تھے۔ یہ حدیث يُقتَلُ وَلَدِي بِأَرضٍ كَربَلَا، فَمَن شَهِدَ ذٰلِكَ فَليَنصُرهُ "میرا فرزند ارضِ کربلا پر مارا جائے گا، جو بھی اس وقت موجود ہو، وہ اس کی نصرت کرے"۔ جنابِ انس بن حارث سے مروی ہے۔ خصائص سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۵ اور اسد الغابہ، ج ۱، ص ۱۲۳ اور جرح و تعدیل ابو حاتم رازی: ج ۱، ص ۲۷۸ پر ان کی داستان نقل کی ہے۔

(2) صاحب کتاب بحار نے ج ۴۵، ص ۶۸ پر مقتل بن محمد بن ابی طالب سے نقل کیا ہے کہ اس نوجوان نے یہ رجز پڑھا:

اَمِيرِي حُسَينٌ وَنِعمَ الأَمِيرِ ۔۔۔ سُرُورُ فُؤَادِ البَشِيرِ النَّذِيرِ
عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَالِدَاهُ ۔۔۔ فَهَل تَعلَمُونَ لَهُ مِن نَظِيرٍ
لَهُ طَلعَةٌ مِثلُ الشَّمسِ الضُّحىٰ ۔۔۔ لَهُ غُرَّةٌ مِثلُ بَدرٍ مُنِيرٍ

⇦

گیا۔ ان کی والدہ قریب تھیں، اس نے سر کو اُٹھایا، اُسے خاک وخون سے صاف کیا اور بوسے دینے لگی اور کہنے لگی: اَحْسَنْتَ یَا بُنَیَّ یَا قُرَّۃَ عَیْنِی وَسُرُوْرَ قَلْبِی "اے میرے فرزند آفرین! اے نُورِ چشم! اے میرے دل کی کائنات!" چند لحات اپنے بیٹے کے سر سے باتیں کیں۔ پھر غضب ناک ہو کر اپنے بیٹے کا سر ایک کوفی جو نزدیک سے گزر رہا تھا، اُسے دے مارا۔ سر کے لگنے سے وہ جہنم کی طرف سدھارا۔ پھر خیمہ کی طرف آئی اور خیمے کی چوب (یا تلوار) اُٹھائی اور شیر کی طرح میدان کی طرف بڑھی اور یہ رجز پڑھا:

اِنِّی عَجُوْزٌ فِی النِّسَاءِ ضَعِیْفَۃٌ　　خَاوِیَۃٌ بَالِیَۃٌ نَحِیْفَۃٌ
اَضْرِبُکُمْ بِضَرْبَۃٍ عَنِیْفَۃٍ　　دُوْنَ بَنِی فَاطِمَۃِ الشَّرِیْفَۃِ

"میں ایک کمزور، نحیف ونزار عورت ہوں۔ میرے جسم میں جوانی کی کوئی رمق باقی نہیں ہے۔ میری کمر خمیدہ ہے، میرا جسم لاغر و لاچار و بوسیدہ ہے۔ اے گروہ اشرار! میں میدانِ جنگ میں آئی ہوں کہ اولادِ فاطمہ زہراؑ کی نصرت کروں"۔

اس معظمہ خاتون نے دشمن کے دو فوجیوں کو تہِ تیغ کیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس خاتون کو واپس خیام کی طرف لایا جائے۔ آپؑ نے اس کے حق میں دعائے خیر دی۔ ①

⇦ "میرے امیر صرف اور صرف فرزندِ رسولؐ ہیں۔ وہ امیری اور امارت میں کتنے امیر ہیں اور وہ پیغمبرؐ کے دل کی حسرت اور ٹھنڈک ہیں۔ امام علی علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے والدین کی کیا زمانے میں کوئی مثل ہے۔ وہ آسمانِ ولایت و امامت پر اس طرح درخشاں ہیں جس طرح آفتابِ عالم تاب آسمانِ دنیا پر درخشاں ہے"۔

① تاریخ اسلام میں اس قسم کی فداکاری کی مثالیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جہاں مردوں نے جرأت کا مظاہرہ کیا وہاں عورتوں نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔ جناب شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب الجمل: ص ۱۳۷، طبع ثانی میں نقل کیا ہے کہ جب جنگِ جمل کے میدان میں حکیم بن جبلہ عبدی کی ٹانگ قطع ہوگئی۔ اس نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی کو دے ماری جس سے وہ آدمی قتل ہوگیا اور اس نے یہ رجز پڑھا:

یَا فَخْذُ لَنْ تُرَاعِی　　اِنَّ مَعِی ذِرَاعِی
اَحْمِی بِھَا کُرَاعِی ⇦

بیٹے کی طرح ماں کی شجاعت بھی اَمر ہے
یہ سیّدہ زینبؑ کی کنیزی کا اثر ہے

جنابِ حجاج بن مسروق جعفیؓ کی شہادت

جناب حجاج بن مسروق حضرت امام حسین علیہ السلام کے مؤذن تھے۔ آپؓ بارگاہِ امامت میں آئے اور جنگ کی اجازت لی۔ جب آپ میدانِ جنگ میں گئے تو آپؓ نے ان شریروں پر اپنی شمشیر آب دار سے حملہ کر دیا۔ ان کے بہت سے لوگوں کو واصلِ جہنم کیا۔ خود بھی زخمی ہوئے۔ خون آلود بدن کے ساتھ واپس بارگاہِ امامت میں آئے، سلام کیا اور اپنے عہد کی تجدید کرتے ہوئے عرض کیا:

اَلْیَوْمَ اَلْقٰی جَدَّکَ النَّبِیَّا ثُمَّ اَبَاکَ ذَا النَّدٰی عَلِیًّا
ذَاکَ الَّذِیْ نَعْرِفُهُ الْوَصِیًّا

"اے میرے آقا! میں بعد از شہادت آپؑ کے جدِّ بزرگوارؐ سے ملاقات کرنے والا ہوں۔ آپؑ کے نانا اللہ کے نبیؐ ہیں۔ ان کے بعد میری ملاقات آپ کے والد بزرگوار سے ہوگی جو صاحبِ بخشش و عطا ہیں اور رسولؐ خدا کے وصی ہیں"۔

فرزند رسولؐ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں بھی تمہارے پیچھے آنے والا ہوں۔ جناب حجاج دوبارہ میدانِ جہاد میں آئے اور جنگ کرتے ہوئے شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل

⇦ "اے میری رانی! اگر تُو نے میرا ساتھ نہیں دیا تو کوئی بات نہیں، تُو مجھ سے جدا ہوگئی، میرے بازو تو میرے ساتھ ہیں۔ میں ان کے ذریعے سے ان درندوں سے اپنے نبیؐ (کے دین) کی حفاظت کروں گا"۔
ثابت بن قیس کی ٹانگ بھی ایک جنگ میں کٹ گئی تھی۔ اس نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ سے دشمن کے ایک فوجی کو ہلاک کر ڈالا تھا۔
کتاب الاصابہ میں اسماء بنت یزید بن سکن کے حالات میں موجود ہے کہ آپ نے جنگِ یرموک میں خیمہ کی چوب سے نو رومیوں کو قتل کیا تھا۔

کیا۔ ①

دل کھول کے میدان میں دشمن سے لڑے ہیں
حجاج ملاقاتِ محمدؐ کو چلے ہیں

جنابِ سوّار بن ابی حُمیرؓ کی شہادت

جنابِ سوّار بن ابی حمیر جو کہ جابر بن عبداللہ بن قادم فہمی ہمدانی کے فرزندوں میں سے تھے۔ جب آپؓ کو جنگ کی اجازت ملی تو آپؓ میدانِ جنگ میں آئے اور خوب جنگ کی لیکن اس دوران میں آپؓ کے جسم پر کاری زخم لگے اور عمر ابن سعد کے لوگوں نے آپ کو گرفتار کرلیا۔ جب ابن سعد نے حکم دیا کہ اسے قتل کردیا جائے تو کچھ لوگوں نے اس کی جان بخشی کی سفارش کی لیکن چھ ماہ کے بعد زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوگئے۔ زیارتِ ناحیہ میں ان پر اس طرح سلام وارد ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَى الْجَرِيحِ الْمَاسُورِ سَوَّارِ بْنِ اَبِي حُمَيْرِ الْفَهْمِيِّ الْهَمْدَانِيِّ وَعَلَى الْمُرَتَّبِ مَعَهُ عَمْرُو بْنُ عَبْدِ اللهِ الْجَنْدَعِيِّ

"میرا سلام ہو سوار بن ابی حُمیر فہمی ہمدانی پر جسے زخمی حالت میں قیدی بنالیا گیا، ان کے ساتھ شہید ہونے والے عمر بن عبداللہ جندعی پر بھی میرا سلام ہو"۔

سوّار مبارک ہو شہادت کی سعادت
یہ خاص مقام آپ کو مولاؑ نے دیا ہے

---

① صاحب بحار نے ج ۴۵، ص ۲۵ پر نقل کیا ہے کہ حجاج بن مسروق ہی مؤذن امامؑ تھے (اس سفرِ کربلا میں اذان کی ذمہ داری انھی کی تھی)۔ جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو امامؑ جنابِ حجاج سے کہتے کہ وہ اذان دے۔ جنابِ رسول اللہؐ کے مؤذن جناب بلال حبشی تھے۔ جب وقتِ نماز ہوتا تو جنابِ بلال اپنی ذمہ داری کے مطابق اذان دیتے۔ جہاں حجاج نے میدانِ کربلا میں ہر نماز کے لیے اذان دی تو صبح عاشور بھی انھوں نے اذان دی۔ (اضافۃ من المترجم)

جنابِ سُوَیدؓ بن عمرو کی شہادت

جنابِ سُوَیدؓ بن عمرو بن ابی المطاع اصحابِ حسینؑ کے آخری فردِ فرید تھے، جو میدانِ کارزار میں آئے۔ آپؓ نے گھمسان کی جنگ لڑی اور دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا لیکن دشمن کی فوج نے آپ کو بری طرح سے زخمی کر دیا۔ آپ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زمین پر گرے۔ دشمن نے سمجھا کہ اس دنیا سے چل بسے ہیں۔ جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوئی اور دشمن کی فوج میں شور و غوغا بلند ہوا کہ حسینؑ مارے گئے ہیں تو ان کے پاس چھری تھی آپ نے وہ نکالی اور کوفیوں پر حملہ کر دیا لیکن لوگوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور شہید کر ڈالا۔

حضرت سُوید اصحابِ حسینؑ کے آخری فرد تھے جو اِس دنیا سے دنیا کو شہادت کا درس دیتے ہوئے اُس دنیا (آخرت) کی طرف سدھارے۔

آخری جامِ شہادت وہ جسے دیتے ہیں
پاس اپنے اُسے کوثر پہ بلا لیتے ہیں

□□□

شہادت ہائے اہلِ بیت علیہم السلام

حضرت شہزادہ علی اکبر علیہ السلام

جب میدانِ کربلا میں تمام اصحابِ حسینؑ باری باری اسلام اور اہلِ بیت علیہم السلام کا دفاع کرتے ہوئے شربتِ شہادت نوشِ جان کر کے حورانِ بہشتی کی بہشتی محفلوں میں جا پہنچے اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہا تو نوبت خاندانِ نبوت تک آن پہنچی۔ اُنھوں نے حفاظتِ اسلام کی خاطر عزم بالجزم کرتے ہوئے اپنی تلواروں اور نیزوں کو سنبھالا تو ان مقدس لوگوں میں سے سب سے پہلے جس نے میدانِ کارزار میں قدم رکھا، وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرزندِ رشید جناب ابوالحسن (۱) علی اکبر علیہ السلام تھے۔ (۲)

---

(۱) اس زمانے میں ملکِ عرب میں کنیت کا رواج تھا۔ باپ کو بیٹے کے نام سے پکارا جاتا تھا اور ماں کو بیٹی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اگر کسی کے بیٹے کا نام حسن ہوتا تو اس کے باپ کو ابوالحسن کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اگر بیٹے کا نام محمد ہوتا تو باپ کو ابومحمد کے نام سے خطاب کیا جاتا۔ اس طرح اگر لڑکی کا نام لیلیٰ ہوتا تو ماں کو اُمِ لیلیٰ کہتے تھے۔ حضرت علی اکبرؑ کو ابوالحسن اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ کے بیٹے کا نام حسن تھا۔ اس امر میں کچھ دلائل نقل کیے دیتے ہیں۔

حضرت ابوحمزہ ثمالی کی وہ زیارت جو انھوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے لی تھی، اس میں آپ کا تذکرہ شریف ان الفاظ میں موجود ہے: صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكَ وَعَلٰی عِتْرَتِكَ وَاَهْلِ بَيْتِكَ وَآبَائِكَ وَاَبْنَائِكَ۔ کلمہ "ابنا" جمع قلت ہے جو کم سے کم دو پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا ایک بیٹا تھا آپ صاحبِ اولاد تھے۔

(۲) اصولِ کافی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب راوی نے آپؑ پر سوال کیا تو امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: "جو کچھ تُو کہہ رہا ہے بات اس طرح نہیں ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ حضرت علی اکبر علیہ السلام کا عقد ایک کنیز سے ہوا تھا جس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس لیے آں حضرتؑ کی زوجہ کو اُمِ ولد کہا گیا"۔ نیز اس روایت سے ⇐

حضرت شہزادہ علی اکبرؑ کی میدانِ کربلا میں عمر شریف ستائیس سال تھی۔ آپؑ گیارہ شعبان ۳۳ ہجری میں متولد ہوئے۔ اس بھری کائنات میں قلم جس طرف اُٹھتا ہے اس کی توضیح و تشریح کر دیتا ہے۔ آسمانوں کی وسعتوں اور زمین کی بے کرانیوں کو احاطۂ تحریر میں لا سکتا ہے۔ مشرق و مغرب کی پہنائیوں کی حدود بندی سامنے لا سکتا ہے۔

انسان کی ابتدا سے لے کر آج تک بہت سے لوگ حسنِ مجسم پیدا ہوئے۔ ان کے حُسن کو قلم اپنے مختلف رنگوں میں پیش کر سکتا ہے لیکن جب قلم سے پوچھا جائے کہ رسولِؐ خدا کی شبیہ سیّدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لال امام حسینؑ کے شہزادے علی اکبرؑ کے حُسن و جمال کو احاطۂ تحریر میں لائے تو قلم میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی طاقت و توانائی جاتی رہتی ہے۔ آخر اسے اپنے انداز میں کہنا پڑتا ہے۔ ارے جو لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ کے مصداق کی تصویر ہو، میری کیا مجال ہے کہ اس کی تصویر بنا کر دنیا کے سامنے رکھوں۔

یہی حال زبان کا ہے۔ جسے موضوع بناتی ہے اُسے سنوار کر پیش کر دیتی ہے۔ آسمان سے تارے اُتار کر زمین پر رکھ دیتی ہے۔ جب حسیناؤں کے حُسن کی حَسین داستانیں پیش

⇦ استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ شادی شدہ تھے اور صاحبِ اولاد تھے۔ اس مطلب کو مزید واضح آپ کی کنیت کرتی ہے کہ آپ کو ابوالحسنؑ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیوں کہ حسنؑ آپؑ کے فرزند تھے، اس لیے آپؑ ابوالحسنؑ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

● حضرت علی اکبرؑ اپنے برادر حضرت امام سجاد علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت امام سجادؑ علی اصغرؑ یا علی اوسط سے موسوم نہیں۔ کیونکہ آپؑ بڑے تھے اس لیے آپ کا نام نامی علی اکبرؑ تھا۔ آپ کے بڑے ہونے کے دلائل صرف تاریخی اقوال ہیں اور وہ یہ ہیں:

● جناب ابن ادریس حلی صاحب سرائر اپنے زمانے کے تمام علماء و فقہاء میں ایک بہت بڑا وزن عظمت و مقام رکھتے تھے۔ انھوں نے لکھا کہ حضرت علی اکبرؑ کی ولادت خلافتِ عثمان کے دور میں ہوئی تھی۔

● صاحبِ لُمعہ جناب شہید اوّل نے اپنی معروف کتاب "دروس" میں لکھا ہے کہ حضرت علی اکبرؑ کی ولادت باسعادت حضرت عثمان کے دور میں ہوئی۔

● حضرت امام سجاد علیہ السلام نے یزید کو اس کے دربار میں جواب دیا تھا کہ وہ میرے بڑے بھائی تھے جنھیں میدانِ کربلا میں شہید کیا گیا ہے۔

● صاحبِ کتاب انیس الشیعہ جو ۱۲۴۱ھ میں تالیف ہوئی تھی، اس نے بھی اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

کرتی ہے تو ہزاروں انسان اس کی مسحوریت میں اپنا دل و دماغ کھو بیٹھتے ہیں لیکن جب اسی زبان کو کہا جائے کہ سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا کے پوتے، فرزند رسولؐ حسینؑ ابن علیؑ کے شہ زادے کا حُسن و جمال، اس کے خدوخال، اس کی چال ڈھال، اس کے قال و مقال اور اس کے حال و احوال پیش کرے تو گنگ ہو کر حسینؑ ابن علیؑ کی بارگاہِ امامت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر اس نازنین شہ زادے کے بارے میں پوچھنا ہے تو جاؤ ان سے پوچھ لو۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَخُلُقًا وَمَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَكُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰى نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلَيْهِ

"خدایا! گواہ رہنا! وہ جوان جو شکل و صورت اور سیرت و گفتار میں تیرے پیغمبرؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے وہ ان لوگوں سے جنگ کے لیے جا رہا ہے۔ ہم جب تیرے نبیؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو اس جوان کی زیارت کرتے تھے"۔ (اضافۃ من المترجم)

آپؑ آئینۂ جمالِ پیغمبرؐ اور رسولؐ خدا کے خَلق و اخلاق کی علامت تھے اور آپؑ کا لہجہ نبیؐ کا لہجہ تھا۔

جب شاعرِ نبیؐ حضرت حسان بن ثابت کی نگاہ رسولؐ خدا پر پڑی تو ان کی زبان سے بے ساختہ یہ اشعار نکلے تھے:

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِي ٭ وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدُ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاءً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ٭ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

"میں نے اس کائنات کو خوب کھنگالا ہے، مشرق و مغرب کو خوب دیکھا ہے اور بڑے بڑے حَسین دیکھے ہیں لیکن اے آمنہ کے لال! تجھ جیسا حَسین نہیں دیکھا۔ آج تک کوئی ماں تخلیق کے قالب سے گزری ہی نہیں ہے جو تجھ جیسا پیکرِ حُسن و جمال پیدا کرے۔

لاریب کتاب والے نے آپؐ کو کامل و اکمل اور بے عیب پیدا کیا ہے۔

اس کائنات میں ہر پیدا ہونے والا اس کی چاہت کے مطابق پیدا ہوتا ہے لیکن جب تیری تخلیق ہوئی تو تُو اپنی چاہت لے کر پیدا ہوا ہے"۔

اے شہ زادے! جہاں یہ تعریف رسولؐ خدا کی ہے تُو ان کی شبیہ ہے، تُو بھی اسی تعریف و توصیف کا مصداق ہے۔

ہمارے شاعر اسد اللہ غالب سے کہا گیا کہ اللہ کے نبیؐ کی تعریف و ثنا کرو تو اس نے یوں جواب دیا تھا:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزدان گذاشتیم
کان ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

"اب میں دست بستہ بارگاہِ علی اکبرؑ میں کہہ سکتا ہوں کہ کون ہے جو آپؑ کی تعریف کا حق ادا کرے"۔

فارسی زبان میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہزار بار بشوئم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے اَدبیست

جہاں رسول اللہ کی تعریف و توصیف اور مدح و ثنا کے لیے اتنا اہتمام چاہیے تو وہاں ان کی شبیہ کی تعریف و تمجید بیان کرتے وقت کم سے کم باوضو ہونا تو ضروری ہے۔

حُسنِ یوسف دمِ عیسٰیؑ یدِ بیضا داری
آں کہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(اضافۃ من المترجم)

حضرت علی اکبرؑ وہ باعزت و باعظمت شہ زادے تھے کہ جس کسی کی آپ کے کمالات پر نگاہ پڑی اس کی نگاہیں وہیں رُک کر رہ گئیں اور جس قدر اس سے تعریف و تمجید ہو سکی وہ کر گزرا۔

مرحوم کمپانی نے کیا خوب کہا ؎

ای طلعت زیبای تو عکس جمال لم یزل دی غرۂ غرای تو، آئینہ حُسن ازل
ای تشنۂ بحرِ وصال، سرچشمۂ فیضِ کمال سرشارِ عشقِ لایزال، سرمست شوق لم یزل
ذوق رفیع المشربت، افکند در تاب وتبت تو خشک لب ز آب، پست عین زُلال بی زلل
دست قضا شد کارگر، درکار فرمای قدر حتّٰی إذا انشق القمر، لمّا تجلی واکتمل
عنقاء قاف قربِ حق، اُفتاد از هفتم طبق در لجۂ خونِ شفق، نجم هوی، بدرُ افل
ای لالۂ باغ اُمید، از داغ تو سرو خمید شد دیدۂ حق بین سفید، والرأس شیبًا اشتعل
ای شاہ اقلیم صفا، سرباز میدانِ وفا بادا علی الدُّنیا، بعد از تو ای مہر اجلّ
ای سرو آزاد پدر، ای شاخ شمشاد پدر ناکام و ناشاد پدر، ای نونهال بی بدل
زینب شدہ مفتون تو، آغشته اندر خون تو لیلی زغم مجنون تو سرگشتہ سهل و جبل

"تیرا طلوع ہونا کتنا حُسن و جمال سے بھرپور ہے۔ تُو ہی ذاتِ لم یزل کی حسین مخلوق ہے۔ تو اس ذات کے جلووں کا امین ہے اور اس کے حُسنِ ازلی کا آئینہ دار ہے۔ اے تشنۂ کبِ وصال! اے سرچشمۂ فیضِ کمال! تُو اللہ کے عشق میں سرشار ہے اور اس ذات کی بندگی و عبادت میں سرمست ہے۔ جب تُو دریا کنارے خشک لبی سے ہمکنار ہوا تو پانی کے میٹھے چشمے بے ذائقہ ہوکر رہ گئے اور دستِ قضا نے اپنا کام کر دکھایا حالانکہ اس کا حُسن و جمال ضوفشانیوں کے بہار میں تھا۔ یہ چاند منزلِ کمال پر پہنچا ہی تھا کہ موت کا پیغام آگیا۔

جب حق و حقیقت کے پرستاروں کو قتل کر دیا گیا تو آسمان پر ان کے خون کی سرخی چھا گئی۔ زہرا (علیہا السلام) کے گھر کا نجم خاموش ہوگیا اور اس چودھویں کے چاند کو گرہن لگ گیا۔ اے لالۂ باغِ اُمید! تیری مصیبت سے میرے چمن کے سرو گر پڑے۔ حق دیکھنے والی آنکھیں اندھی ہوگئیں اور جوانی بڑھاپے میں بدل گئی۔ اے شاہِ اقلیم صفا! اے پیکرِ وفا! تیرے

بعد دنیا پر خاک۔ اے اپنے بابا کی محبت کے مرکز! اے اپنے بابا کی مسرت! اب تیرے والد کی کائنات لٹ گئی ہے۔ تیری شہادت کے بعد زینبؑ کی دنیا اُجڑ گئی ہے۔ تیری ماں لیلیٰ، تیرے غم میں مجنون ہے۔ پوری کائنات حیران و پریشان ہے"۔

حضرت علی اکبر علیہ السلام شجرِ نبوت و ولایت کی شاخ تھے اور نبوت و ولایت کے تمام مآثر طیبہ اور اوصافِ شریفہ کے وارث تھے۔ اگر مسئلۂ خلافت و ولایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشخص نہ ہوتا اور اگر آئمہ اطہارؑ کے اسمائے گرامی جناب جبرائیل امینؑ "صحیفۂ مخصوص" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نہ لاتے تو یہ بات حق اور سچ ہے کہ شہزادہ علی اکبرؑ مقامِ ولایت وخلافت کے سب سے زیادہ لائق اور شائستہ تر تھے۔

مرحوم کمپانی کے شہزادۂ علی اکبرؑ کی مدح میں خوبصورت اشعار

وَرَثَ الصِفَاتِ الغُرَّ وَهِيَ تُرَاثُهُ ــ مِن كُلِّ غِطْرِيْفٍ وَشهمٍ اَصِيدُ

فِي بَأسِ حَمزَه فِي شَجَاعَةِ حَيدَرٌ ــ بِأَبِي الْحُسَيْنُ وَفِي مَهَابَةِ أَحْمَدُ

وَتَرَاهُ فِي خَلقٍ وَطَيّبِ خَلَائِقٍ ــ وَبَلِيغُ نُطقٍ كَالنَّبِيِّ مُحَمَّدٌ

"آپؑ اپنے آباؤ اجداد کی تمام صفات کے وارث تھے اور یہ تمام صفات آپؑ کو ورثے میں ملی تھیں۔ آپؑ میں جناب امیر حمزہؓ کی طاقت وقوت تھی اور آپؑ اپنے دادا حیدر کرّار کی شجاعت کے مالک تھے۔ آپؑ اپنے والد گرامی کی جرأت کے پاسبان تھے۔ آپؑ کو ہیبت احمدِ مرسلؐ سے ملی تھی۔ اگر آپ اپنے نبی کی صورت اور اخلاق و حسنات کو دیکھنا چاہتے ہیں تو حسینؑ کے شہزادے علی اکبرؑ کو دیکھ لیں۔ آپ کو ان کی ذات میں یہ صفات نظر آجائیں گی"۔

شہزادہ علی اکبرؑ اور بارگاہِ امامت

جب حسینیؑ شہزادہ بارگاہِ حسینیؑ میں جنگ کی اجازت لینے کے لیے حاضر ہوا تو اس وقت

خیامِ حسینیؑ میں کہرام برپا ہوا کیونکہ آپؑ کی جدائی اور فراق مخدراتِ عصمت و طہارت کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ آپؑ ہی حریم اہلِ بیتؑ کی تکیہ گاہ تھے اور خواتین اہلِ بیتؑ کے پشت و پناہ تھے۔ آپؑ حضرت امام حسینؑ کی اُمیدوں کا مرکز تھے۔ آپؑ دیکھ رہے تھے کہ عنقریب یہ فریاد گرِ رسالت خاموش کر دیے جائیں گے۔ دوبارہ یہ نطقِ رسالت سننے کو نہیں ملے گا۔ آپؑ کی نگاہ تھی کہ خورشیدِ نبوت کو گرہن لگ جائے گا۔ پھر ہر طرف تاریکی کا راج چھا جائے گا۔

جی ہاں! جب مخدراتِ عصمت و طہارت نے دیکھا کہ آئینہ جمالِ محمدیؐ عازمِ سفر ہیں تو سب ان کے اردگرد جمع ہو گئیں۔ ان کے دامن سے چمٹ گئیں اور کہنے لگیں:

اِرْحَمْ غُرْبَتَنَا لَا طَاقَةَ لَنَا عَلٰی فِرَاقِكَ

"اے پیکرِ جمال و جلالِ محمدیؐ! ہماری غربت و بے چارگی پر رحم کیجیے۔ ہم آپ کے فراق کو برداشت نہیں کر سکیں گی"۔

اس شہزادہ میں وہ طاقت و توانائی نہیں تھی کہ ان ناتوانِ حرم کو وہ کیا جواب دیں؟ وہ دیکھ رہے تھے کہ حجتِ خدا فرزندِ رسولؐ ایک ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ظالم و ستم پیشہ لشکر میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ دشمنوں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ فرزندِ رسولؐ کا ہر صورت خونِ مقدس کربلا کی گرم ریت پر گرانا ہے۔ اس لیے شہزادےؑ نے اپنے بابا اور اپنے امامؑ سے اجازت لی۔ اپنے "لاحق" نامی گھوڑے پر سوار ہوئے کیونکہ حضرت علی اکبرؑ کی والدۂ ماجدہ جناب لیلیٰؑ ابوسفیان کی نواسی [1] تھیں۔

جوں ہی آپؑ میدانِ جنگ میں وارد ہوئے تو عمر ابن سعد کے کسی سپاہی نے انھیں

---

[1] حضرت علی اکبرؑ کی والدہ گرامی جناب لیلیٰ ابومرہ عروہ بن مسعود ثقفی کی بیٹی تھی اور جناب لیلیٰ کی والدہ جناب میمونہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ مقاتل الطالبین میں روایت ہے کہ ایک دن معاویہ نے اپنے ہم نشینوں سے پوچھا کہ اس وقت خلافتِ اسلامیہ پر حق اولویت کون رکھتا ہے؟ اس کے ساتھیوں نے ازراہِ خوشامد کہا: تم۔ معاویہ نے کہا: نہیں! بلکہ علیؑ بن الحسینؑ ہیں کیونکہ ان کے جد بزرگوار رسول اللہؐ ہیں۔ انھوں نے شجاعت بنوہاشم سے پائی ہے، سخاوت بنوامیہ سے اور حُسن و صباحت بنوثقیف سے پائی ہے۔

آواز دی: اے علیؑ! چونکہ آپ خلیفۂ وقت امیر المومنین یزید سے قرابت رکھتے ہیں، ہم پر لازم بنتا ہے کہ رشتے اور رحم کی رعایت کریں۔ ہم آپ کو امان دیتے ہیں، ہم آپؑ سے جنگ نہیں کرتے۔

حضرت علی اکبرؑ نے جواب دیا: رسولؐ اللہ سے قرابت تمھاری اس قرابت سے مقدم اور اَولیٰ و برتر ہے۔ مجھے تمھاری امان نہیں چاہیے۔ اس دوران میں آپؑ نے قومِ اشقیاء پر حملہ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھا:

أَنَا عَلِيُّ بنُ الْحُسَيْنُ بنُ عَلِيٍّ　　نَحنُ وَرَبِّ الْبَيْتِ أَولٰى بِالنَّبِيِّ
تَاللهِ لَا يَحْكُم فِيْنَا ابنُ الدَّعِيِّ　　أَضْرِبُ بِالسَّيْفِ أُحَامِي عَنْ أَبِي
أَضْرِبُكُمْ بِالسَّيفِ حَتّٰى يَلْتَوِيْ　　ضَرْبَ غُلَامٍ هَاشِمِيٍّ قُرَشِيٍّ

”میں حسینؑ ابن علیؑ کا فرزندِ ارجمند ہوں۔ ربِ کعبہ کی قسم! ہم پیغمبرِ خدا کی قرابت کی وجہ سے سب سے بہتر و برتر ہیں۔ خدا کی قسم! ذلیل و رُسوا آدمی کے اس بیٹے کی حکومت ہمیں قبول نہیں ہے۔ میں اس شمشیر آب دار سے تم پر حملہ آور ہوں گا اور اپنے پدرِ عالی قدر کی حمایت کروں گا۔ میں اپنی تلوار سے ایک ہاشمی قریشی نوجوان کی طرح تم پر حملہ آور ہوں گا۔ جب تک تلوار میرے قبضے میں رہے گی تم سے جنگ جاری رہے گی“۔

روایت میں ہے کہ جب شہزادہ علی اکبرؑ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو اس وقت فرزندِ رسولؐ کی آنکھیں آنسو سے لبریز ہوگئیں تھیں اور آپؑ اپنے گریے کو ضبط نہ کرسکے اور اسی حالت میں عمر ابن سعد لعین سے آپؑ نے خطاب کیا:

مَالَكَ قَطَعَ اللهُ رَحِيكَ كَمَا قَطَعْتَ رَحِمِي وَلَم تَحْفَظْ قَرَابَتِي مِن رَسُولِ اللهِ وَسَلَّطَ عَلَيْكَ مَن يَذبَحُكَ عَلٰى فِرَاشِكَ

”تجھے کیا ہوگیا ہے؟ خدا اسی طرح تیری نسل کو قطع کرے جس طرح تو

نے میری نسل کو قطع کیا ہے۔① تُو نے رسولؐ اللہ سے میری قربت تک کا خیال بھی نہیں رکھا۔ خداوند متعال کسی کو تجھ پر مسلط کرے اور جب تُو اپنے بستر پر ہو تو وہ تجھے ذبح کرے"۔

پھر آپؑ نے اپنے محاسن شریف کو آسمان کی طرف بلند کیا اور استغاثہ کی صورت میں عرض کیا:

"خدایا! گواہ رہنا وہ جوان جو صورت و سیرت اور گفتار میں تیرے پیغمبرؐ سے تمام مخلوق سے زیادہ مشابہ ہے۔ میدانِ جنگ کی طرف رواں دواں ہے۔ جب ہم تیرے پیغمبرؐ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تھے تو ہم اس جوان کی زیارت کر لیتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ فَامْنَعْھُمْ بَرَکَاتِ الْاَرْضِ وَفَرِّقْھُمْ تَفْرِیْقًا وَمَزِّقْھُمْ تَمْزِیْقًا وَاجْعَلْھُمْ طَرَائِقَ قِدَدًا وَلَا تُرْضِ الْوُلَاۃَ عَنْھُمْ اَبَدًا فَاِنَّھُمْ دَعَوْنَا لِیَنْصُرُوْنَا ثُمَّ عَدَوْا عَلَیْنَا یُقَاتِلُوْنَنَا

خدایا! ان لوگوں سے زمین کی برکات اُٹھا لے۔ انھیں منتشر فرما اور انھیں ایک دوسرے سے جدا جدا کر دے۔ ان کے امیروں کو ان سے ہرگز راضی نہ فرما کیونکہ ان لوگوں نے اپنی امداد کے وعدے پر ہمیں بلایا اور پھر ہمارے ہی خلاف تلواریں سونت لیں"۔

پھر آپؑ نے عمر ابن سعد لعین کے لشکر پر لعنت فرمائی اور قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ○ ذُرِّیَّۃً ۢ بَعْضُھَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○

"بے شک! خداوند متعال نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ

---

① نسل کو قطع کیا ہے، سے امام علیہ السلام کی مراد قطع رحم تھی کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ میری نسل قیامت تک رہنی ہے۔(مترجم)

کو عالمین میں سے چن لیا اور ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی۔ بے شک! اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے"۔(آلِ عمران: آیت ۳۳-۳۴)

آپؑ کا اس آیت کی تلاوت کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام اور آئمہ معصومین علیہم السلام اپنے قتل ہونے میں بے گناہ تھے، اسی طرح حضرت علی اکبرؑ بھی اپنے اس قتل میں انھی کی طرح بے گناہ ہیں۔ ①

حضرت علی اکبرؑ نے جب میدانِ رزم میں قدم رکھا تو بپھرے ہوئے شیر کے مانند دشمن کی فوج پر حملہ کر دیا۔ کبھی آپؑ میمنہ کا رُخ کرتے، کبھی میسرہ کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور کبھی قلبِ لشکر میں گھس جاتے تھے۔ جب بھی کوئی سورما ان کے مقابلے میں آتا اور آپؑ کی جرأت و بہادری کو دیکھتا تو وہ راہِ فرار اختیار کر کے اپنی جان بچاتا۔ کوئی پہلوان اور بہادر آپؑ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا کیونکہ ضربِ یداللّٰہی کی ایک جنبش سے راہی دارالبوار ہو جاتا تھا۔

آپؑ نے اپنے اس پہلے حملے میں دشمن کی سوار فوج کے ایک سو بیس فوجیوں کو خاک و

---

① سید الشہداؑ کی پہلی عبارت جس میں آپؑ نے اپنے شہزادے کو رسولؐ اللہ سے تشبیہ دی۔ اس کے علاوہ آپ کی جو دوسری عبارت ہے اس کے کچھ اور مقاصد ہیں اور وہ یہ ہیں: حضرت سید الشہداؑ مظہر رحمتِ الٰہی تھے۔ آپؑ نے صبر و تحمل کا جو مظاہرہ فرمایا اُس سے آسمانی مخلوق دنگ ہو کر رہ گئی۔ آپؑ نے عمر ابن سعد اور اس کے لشکر پر جو نفرین کی، اس سے حضرت علی اکبرؑ کی عظمت و رفعت اُجاگر ہوتی ہے۔ آپؑ نے فرمایا: ① اے میرے اللہ! اس قوم سے اپنی زمین کی برکات اُٹھا لے۔ ② اس ظالم قوم کو پراگندہ کر دے ③ ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دے۔ ④ ان کی وحدت کو منتشر کر دے۔ ⑤ ان کے حکمرانوں کو ان سے ناراض کر دے۔ ⑥ عمر ابن سعد کے حق میں نفرین کی کہ اللہ اس کی نسل کو منقطع کرے اور اُسے اسی کے بستر پر قتل کر دے۔

آپؑ کی یہ تمام دُعائیں قبول ہوئیں اور یزیدی فوج اپنے انجام کو پہنچی۔ جی ہاں! جو ظلم حضرت علی اکبرؑ پر ہوا یہ ظالم لوگ اہلِ بیتؑ کے ہر فرد کے لیے جائز سمجھتے تھے اس لیے امام علیہ السلام نے حضرت علی اکبرؑ پر ہونے والے تمام مظالم تمام اہلِ بیتؑ پر وارد خیال کیے۔ اسی لیے آپؑ نے اپنی دعا میں جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ اِنَّهُم دَعَونَا لِيَنصُرُونَا ثُمَّ عَدَوْا عَلَيْنَا يُقَاتِلُونَا "ہم نے تو ان کو بلایا کہ یہ ہماری نصرت کریں پھر انھوں نے ہمارے خلاف جنگ لڑی"۔

خون میں ملا کر رکھ دیا تھا۔ چونکہ آپؑ پر پیاس کا غلبہ تھا، آپؑ اپنے والد گرامی کی طرف واپس چلے آئے تا کہ چند لمحوں کے لیے آرام کر لیں۔ جب آپؑ سے تشنگی برداشت نہ ہو سکی تو اپنے پدرِ نامدار کے حضور اپنی پیاس یاد دلائی۔ جب امام علیہ السلام نے اپنے نوجوان بیٹے کی یہ درخواست سنی تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور رنج وغم کے ملے جلے جذبات سے فرمایا:

اے میرے شہزادے! بہت جلد آپؑ کی ملاقات اپنے جدِ نامدار سے ہونے والی ہے۔ پس وہ آپؑ کو اپنے مبارک ہاتھوں سے حوضِ کوثر کا جامِ شیریں پلانے والے ہیں جس کے بعد آپؑ کی تشنگی ہمیشہ کے لیے جاتی رہے گی۔ پھر آپؑ نے اپنے شہزادےؑ کی زبان اپنے دہنِ مبارک میں لی اور اُسے چوسا، بعد ازیں آپؑ نے اپنی انگشتری بھی دی تا کہ اپنے دہن میں رکھیں۔ ①

شہزادہ علی اکبرؑ نے اپنے بابا کی انگشتری اپنے خشک منہ میں رکھی اور امام علیہ السلام کی اس خوشخبری سے شاداں وفرحان ہو گئے۔ جب آپؑ سے کہا گیا کہ عنقریب آپؑ کی ملاقات اپنے نانا سے ہونے والی ہے تو آپؑ دوبارہ میدانِ کارزار میں آئے اور اپنے دادا حیدرِ کرّار کی طرح دشمن کی فوج پر حملہ آور ہوئے۔ آپؑ جدھر کا رُخ کرتے عمر ابن سعد کی فوج اس طرح پیچھے کی طرف دوڑتی ہوئی نظر آتی جیسے شیر کے آگے بکریوں کے ریوڑ بھاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

میدانِ جنگ کی فضا گرد وغبار سے اَٹ گئی۔ کسی کو کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا کہ اس غبار کے اندر کیا ہو رہا ہے البتہ حیدرِ کرّارؑ کے شہزادے کی شمشیر آبدار اس طرح میدان میں چمکتی تھی، جس طرح آسمان پر بادلوں میں بجلی چمکتی ہے۔ آپؑ کی شمشیر شرر بار صاعقہ آسمانی بن کر گرتی تو اِدھر یزیدی فوج کے کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ دشمن کی فوج اس شک وریب کی دنیا میں کھو گئی کہ میدانِ جنگ میں حیدرِ کرّارؑ کا شہزادہ علی اکبرؑ ہے یا خود حیدرِ کرّارؑ ہیں جن پر وہ بجلیاں گرا رہے ہیں؟ اور ان کے خرمنِ حیات کو بھوسے کی طرح خاکستر کر رہے ہیں۔

---

① حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ روزہ دار اگر انگوٹھی منہ میں لے کر چوسے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (اُصولِ کافی)

اس دوران میں بھی دشمن کے بیس نفر دوزخ کا ایندھن بن گئے۔

جب شجاعتِ حیدریؑ کی ہیبت سے میدانِ کارزار کانپ رہا تھا تو مرہ بن منقذ عبدی[1] نے کہا: تمام عرب کا گناہ میرے سر آ گرے اگر میں نے اس نوجوان کو قتل کر کے اس کے والد کو اس کے غم میں نہ بٹھا دیا۔ یہ کہہ کر اپنے نیزے کو بلند کیا اور شہزادہ علی اکبرؑ کی پشت مبارک پر دے مارا۔ ساتھ ہی اپنی تلوار سے شہزادےؑ کے فرقِ اطہر پر اس طرح حملہ کیا کہ اس کی تلوار سر کو زخمی کرتے ہوئے آپ کے ابرو میں جا اُتری۔ اب شہزادےؑ کے لیے گھوڑے کی پشت پر رہنا ممکن ہی نہ رہا۔ آپؑ نے اپنے بازو گھوڑے کی گردن میں ڈال دیئے۔ آپؑ کے گھوڑے نے دوڑنا شروع کیا تاکہ شہزادے کے نیمہ جان بدن کو خیام میں پہنچا دے لیکن کوفی سپاہ نے آپؑ کے گھوڑے کو اپنے محاصرے میں لے لیا اور آپؑ کے بدنِ مبارک پر ہر طرف سے تلواروں سے حملہ کر دیا جس سے آپؑ کا بدنِ نازنین پارہ پارہ ہوگیا۔ وَقَطَّعُوهُ بِسُيُوفِهِم إِرْبًا إِرْبًا۔

جس وقت شہزادۂ عالم زمین پر آئے تو خاک و خون میں غلطاں تھے، اس وقت آواز بلند کی یعنی آپ نے ان الفاظ میں اپنے پدر نامدار کو وداع کیا:

عَلَيْكَ مِنِّيَ السَّلَامُ أَبَا عَبْدِ اللهِ هٰذَا جَدِّي قَدْ سَقَانِي بِكَأْسِهِ شَرْبَةً لَا أَظْمَاءُ بَعْدَهَا وَهُوَ يَقُولُ إِنَّ لَكَ كَأْسًا مَذْخُورَةً

"اے ابا عبداللہ! میرا سلام! میرے جدِّ نامدار رسول اللہؐ میرے پاس موجود ہیں۔ ان کے ہاتھ میں جام ہے جس سے مجھے سیراب کر دیا ہے۔ اب مجھے کبھی پیاس نہیں لگے گی اور وہ فرما رہے ہیں کہ آپؑ کے لیے بھی

---

[1] مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۱ و مقتل العوالم: ص ۹۵۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۰۔ اخبار الطوال: ص ۲۵۴، ارشاد مفید، ص ۲۳۹۔ مثیر الاحزان و لہوف میں شہزادہ علی اکبرؑ کے قاتل کا نام مُرّہ بن منقذ عبدی لکھا ہوا ہے لیکن تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۷ میں منقذ بن نعمان عبدی لیثی ہے۔ مقتل العوالم میں منقذ بن مُرّہ کا نام ہے۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۷ و ارشاد، ص ۲۳۹۔ مناقب ابن شہر آشوب: ج ۴، ص ۲۲۲۔

جام حاضر ہے"۔ ①

جب امام علیہ السلام نے اپنے فرزندِ مظلومؑ کا سلام سنا تو فوراً اُن کے پاس پہنچے اور اپنے آپ کو اپنے شہید شہزادےؑ کے جسمِ اطہر پر گرا دیا۔ اپنا رُخ انور ان کے رُخِ انور پر رکھ دیا اور آپؑ نے فرمایا: عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا مَا اَجرأَهُمْ عَلَى الرَّحْمٰنِ وَعَلَى انْتِهَاكِ

---

① بحار: ج ۴۵، ص ۴۴ پر ہے کہ جس وقت جناب علی اکبرؑ کا وقت شہادت قریب آیا تو آپؑ نے آواز بلند کی: يَا اَبَتَاهُ هٰذَا جَدِّي رَسُولِ اللهِ قَدْ سَقَانِي بِكَاسِهِ الْاَوْفٰى شَرْبَةً لَا اَظْمَأُ بَعْدَهَا اَبَدًا وَهُوَ يَقُولُ اَلْعَجَلَ اَلْعَجَلَ فَاِنَّ لَكَ كَاسًا مَذْخُورَةً حَتّٰى تَشْرِبَهَا السَّاعَةَ۔ خوارزمی نے اپنے مقاتل: ج ۲، ص ۳۱ پر لکھا ہے: فَلَمَّا بَلَغَتْ رُوحُهُ التَّرَاقِيَ نَادٰى بِاَعْلٰى صَوْتِهِ يَا اَبَتَاهُ هٰذَا جَدِّي رَسُولِ اللهِ۔

ابوالفرج نے مقاتل الطالبین میں لکھا ہے: جس وقت شہزادہ علی اکبرؑ دوبارہ دشمن سے جنگ کر رہے تھے تو اس وقت آپ کے گلوئے اقدس میں تیر لگا جو آپؑ کے ایک کان سے دوسرے کان تک جا پہنچا۔ اس وقت آپؑ کا خون فوارے کے مانند اُبل رہا تھا۔ اس وقت آپؑ نے آواز بلند فرمائی: يَا اَبَتَاهُ هٰذَا جَدِّي رَسُولِ اللهِ يَقْرَئُكَ السَّلَامُ وَيَقُولُ عَجِّلِ الْقُدُومَ اِلَيْنَا۔

مندرجہ بالا تمام بیانات سے یہ بات روشن ہوتی ہے کہ جس طرح باقی شہداءؑ نے اپنے آخری وقت اپنے امام علیہ السلام کو آواز دی، آپؑ کا انداز ان سے کچھ مختلف تھا۔ جب آپؑ کی پشتِ مبارک میں نیزہ لگا اور آپؑ کے فرقِ اطہر پر تلوار کا وار ہوا تو اس دوران آپؑ نے امام علیہ السلام کو کوئی آواز نہیں دی۔ علاوہ ازیں جب آپؑ نے زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو گھوڑے کی گردن میں آویزاں کیا اور گھوڑا اپنی فطری فراست سے آپؑ کے نیم جان بدن کو خیام کی طرف لے جا رہا تھا تو دشمن نے گھوڑے کو اپنے محاصرے میں لے کر آپؑ کے بدنِ اقدس پر تلواریں چلا کر آپؑ کے بدن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تھا جب کہ آپؑ کے جسم میں معمولی سی رمقِ جان باقی تھی اور نہ اس وقت جب آپؑ کے گلوئے نازنین میں تیر پیوست ہوا، آپؑ نے ان تمام سخت ترین مراحل میں اپنے بابا کو آواز دی۔ آپؑ نے آخری دم تک صبر وتحمل سے کام لیا۔ آخرکار جب آپؑ کی سانس اُکھڑ رہی تھی اور آپؑ جاں بلب تھے تو اس وقت نحیف آواز کے ساتھ اپنے بابا کو پکارا۔ ان تمام مقامات پر آپؑ کی یہ خاموشی بتاتی ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ جب میرا بابا میرے نازنین بدن کی حالت دیکھیں گے تو ان پر قیامت گزر جائے گی اور میری اس مصیبت کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ آخری لمحات میں اپنے بابا اور اپنے زمانے کے امام کو نہایت ادب سے پکارا تا کہ زیارت بھی ہو جائے اور سلام بھی ہو جائے۔ ہم بارگاہ شہزادہ علی اکبرؑ میں دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ آپؑ پر اللہ، اور اس کی تمام مخلوق کی طرف سے قیامت تک سلام و درود کی بارش ہوتی رہے۔

حُرمَةِ الرَّسُولِ "اے میرے شہزادے! اب تیرے بعد میری کائنات لُٹ گئی۔ اب اس دنیا پر خاک یہ لوگ کس قدر بے باکی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک و حُرمت کر رہے ہیں۔ (لہوف: ص ۶۴، تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۷، مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۱) ①

پھر آپؑ نے فرمایا: يَعِزُّ عَلَى جَدِّكَ وَاَبِيْكَ اَنْ تَدْعُوهُمْ فَلَا يُجِيْبُوْنَكَ وَتَسْتَغِيْثَ بِهِمْ فَلَا يُغِيْثُوْنَكَ "کس قدر آپؑ کے جدِ بزرگوار رسولؐ اللہ اور آپؑ کے والد پر یہ امر گراں ہے کہ آپؑ پکاریں اور آپؑ کو جواب نہ ملے۔ آپؑ ان سے مدد طلب کریں اور وہ آپؑ کی مدد نہ کرسکیں"۔

امام علیہ السلام نے اپنے مظلوم فرزندؑ کے چہرے سے اپنا چہرہ اُٹھایا اور ان کے پاک خون سے چلّو بھرا اور آسمان کی طرف بلند کیا۔ ایک قطرہ خون بھی واپس زمین کی طرف نہ آیا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، مقتلِ خوارزمی، ج ۲، ص ۳۱)

آں حضرتؑ کی زیارت میں اس مطلب کی طرف اشارہ موجود ہے:

بِاَبِي اَنْتَ وَاُمِّي مِن مَذبُوحٍ وَمَقتُولٍ مِن غَيرِ جُرمٍ، بِاَبِي اَنْتَ وَاُمِّي دَمُكَ الْمُرتَقىٰ بِهٖ اِلٰى حَبِيْبِ اللهِ بِاَبِي اَنْتَ وَاُمِّي مِن مُقَدَّمٍ بَيْنَ يَدَیِ اَبِيْكَ تَحْتَسِبُ وَيَبْكِي عَلَيْكَ مُحتَرِقًا عَلَيْكَ قَلْبُهُ يَرفَعُ دَمَكَ اِلٰى عَنَانِ السَّمَاءِ لَا يَرجِعُ مِنْهُ قَطْرَةٌ وَلَا تَسْكُنُ عَلَيْكَ مِن اَبِيكَ زَفرَةٌ

---

(۱) جو کچھ مقتل العوالم: ص ۹۵ پر ہے وہی کچھ بحار: ج ۴۵، ص ۴۴ پر ہے۔ امام علیہ السلام نے حضرت علی اکبرؑ کے جنازے پر پہنچ کر فرمایا: قَتَلَ اللهُ قَوْمًا قَتَلُوكَ يَا بُنَيَّ مَا اَجْرَاَهُمْ۔ یعنی امام علیہ السلام نے سب سے پہلے علی اکبرؑ کے قاتلوں پر نفرین کی۔ پھر فرمایا: یہ لوگ کس قدر بے باکی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہتک وحُرمت کر رہے ہیں۔

جنابِ مفیدؒ نے ارشاد میں ص ۳۳۹ پر لکھا ہے: جس وقت امام علیہ السلام حضرت علی اکبرؑ کے پاس تشریف لے گئے تو آپؑ نے فرمایا: قَتَلَ اللهُ قَوْمًا قَتَلُوكَ يَا بُنَيَّ مَا اَجْرَاَهُمْ...... پھر گریہ کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا: عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَا

"اے مذبوح و مقتول بے جرم وخطا! میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں، آپؑ کا خونِ پاک حبیبِ خدا تک بلندیوں پر جا پہنچا۔ میرے ماں باپ آپؑ پر قربان ہوں کہ آپؑ اپنے بابا کے سامنے میدانِ جنگ میں گئے اور انھوں نے آپؑ کو راہِ خدا میں فدیہ کیا، آپؑ پر گریہ کیا، آپؑ پر دل سوزی کی اور آپؑ کے خون کو خود اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف بلند کیا جس سے ایک قطرہ خون واپس نہ آیا اور آپؑ کے بابا کی آپؑ کے لیے نالہ وزاری ختم ہونے والی نہیں ہے"۔

آپؑ نے جوانانِ بنوہاشم کو اپنے ہاں بلایا تاکہ جنابِ علی اکبرؑ کے جسمِ اقدس کو شہدا کے خیمہ میں لے جائیں۔ ①

---

① ارشاد مفید: ص ۲۳۹۔ وَاَمَرَ فِتْیَانَہٗ فَقَالَ اِحْمِلُوْا اَخَاکُمْ۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۷ پر لکھا ہے کہ حضرت زینبؑ سراسیمگی کی حالت میں میدان میں آئیں اور اپنے آپ کو جنازۂ علی اکبرؑ پر گرا دیا۔ امام علیہ السلام نے پہلے حضرت زینبؑ کو خیام کی طرف واپس کیا پھر اپنے جوانوں سے فرمایا: اِحْمِلُوْا اَخَاکُمْ۔ انھوں نے جنازہ علی اکبرؑ کو اٹھایا اور خیام کی طرف لے آئے۔

جوانانِ بنی ہاشم بیائید　　علی را بر درِ خیمہ رسانید

تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۷ و مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۱ پر ہے کہ جب حضرت زینبؑ نے دیکھا کہ حضرت علی اکبرؑ کو شہید کر دیا گیا ہے تو آپ نے وَاحَبِیْبَاہُ، وَاثَمَرَةَ فُؤَادَہُ، وَانُوْرَ عَیْنَاہُ یَا اُخَیَّاہُ وَیَابْنَ اَخَاہُ کی دردناک آوازیں بلند کیں اور بے اختیار صورت میں اپنا رُخ اپنے بھتیجے جنابِ علی اکبرؑ کے منہ پر رکھ دیا۔

توانائی شدش از تن، ز سر هوش　　گرفت آن پیکر خونیں در آغوش
دوان شد سوی نعش برگزیده　　بدنبالش زنان داغ دیده
چنان زد صیحه لیلای جگر خون　　که عقل ما سوی گردید مجنون

"جب آپؑ نے اپنے شہزادے کو شہید دیکھا تو آپؑ کے تن بدن میں توانائی نہ رہی، فوراً آئیں اور ان کے خاک و خون میں غلطاں پیکر کو اپنی آغوش میں لیا۔ آپؑ اپنے اس عظیم شہزادےؑ کی طرف چلیں، آپؑ کے پیچھے صدمات و ظلمات سے دوچار باقی تمام مستورات بھی چلی آئیں۔ جب شہزادہؑ کی والدۂ مظلومہ نے دردناک بین کیے تو ہر ذی عقل انسان پر جنون کی سی کیفیت جاری ہو گئی تھی۔ ایک کہرام برپا تھا جو کربلا کی سرزمین پر شامِ غریباں کی آمد کا پیش خیمہ تھا"۔

لَهفِی عَلٰی مَقَاتِلِ الرِّسَالَةِ	لَمَّا رَأَیْنَهُ بِتِلکَ الحَالَةِ
عَلَا نَحِیبُهُنَّ وَالصِّیَاحُ	فَانْدَهَشَ العُقُولُ وَالاَرْوَاحُ
لَهفِی لَهَا اِذْ تَندُبُ الرَّسُولَا	فَکَادَتِ الجِبَالُ تَزُولَا
لَهفِی لَهَا مُذ فَقَدَت عَمِیدُهَا	وَهَل یُوَازِی اَحَدٌ فَقِیدُهَا

''ہائے افسوس! جب عقیلۂ بنی ہاشمؑ اپنے جوان بھتیجے کے جنازے پر پہنچیں۔ جب باقی مخدراتِ عصمت وطہارت نے ان کی حیرانی و پریشانی اور غم وحزن کو دیکھا تو ان سب کی ایسی دردناک چیخیں بلند ہوئیں کہ ان کی وجہ سے انسانوں پر غشی طاری ہوگئی اور روحیں ابدان کو چھوڑنے والی تھیں۔

ہائے افسوس! جب اس نے رسولؐ اللہ اور ان کی آلؑ کی مظلومیت پر ندبہ کیا تو پہاڑوں میں لرزہ پیدا ہوا اور قریب تھا کہ وہ روئی بن کر ہوا میں اُڑنے لگیں''۔

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہو بیٹیوں اور دوسری درد وستم زدہ خواتین نے دیکھا کہ سامنے شہزادہ علی اکبرؑ کا جسمِ اقدس پڑا ہے اور جسم کی کوئی جگہ سلامت نہیں ہے، بدن پارہ پارہ اور سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا ہے تو اس دردناک منظر کو دیکھ کر انھوں نے اپنے پریشان بالوں کے ساتھ، زخمی قلب وجگر کے ساتھ گریہ وفریاد کیا کہ ان کی آواز ملاء اعلیٰ تک پہنچ رہی تھی۔ سرزمینِ کربلا ہل رہی تھی، گریہ وبین کی دردناک آوازوں نے اس قدر سوگ کا سماں باندھ رکھا تھا کہ ہر ذی روح اَشک بار تھا۔ مخدراتِ عصمت وطہارت سے یہ عظیم مصیبت برداشت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ان میں سے ہر ایک شہزادہؑ کے بے جان جسم پر گریہ اور دردناک بین کر رہی تھیں۔ اسی دوران جنابِ عقیلۂ بنی ہاشم زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا آہ وبکا کے ساتھ آئیں اور شہزادہؑ کے جنازے پر اپنے آپ کو گرا دیا اور اپنا رُخِ انور شہزادہؑ کے رُخِ انور پر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ثانی زہراؑ کی روح پرواز کر گئی ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسلمؑ کی شہادت

حضرت علی اکبر علیہ السلام کی جاں سوز و دل گداز شہادت کے بعد جنابِ رقیہؑ دخترِ امیر المومنین

علیؑ بن ابی طالبؑ کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ میدانِ جنگ میں آئے۔ آپؑ کے والد گرامی جناب مسلمؑ بن عقیلؑ نے کوفہ میں کربلا والوں سے قبل کوفہ میں اپنی ذمہ داری کا حق بخوبی ادا کر دیا تھا۔

جب آپؑ میدانِ رزم میں آئے تو دشمن پر حملہ آور ہوئے اور اَزراہِ حماسہ یہ رَجز پڑھا:

اَلْيَوْمَ أَلْقٰى مُسْلِمًا وَهُوَ اَبِي   وَعُصْبَةً بَادُوا عَلٰى دِيْنِ النَّبِيِّ

''آج میں اپنے مظلوم والد جناب مسلمؑ بن عقیلؑ کی بارگاہ میں پہنچنے والا ہوں اور ان جانباز، وفاشعار جوانوں سے معانقہ کرنے والا ہوں جنھوں نے ابھی ابھی اپنی حسرت و غیرتِ دینی کا حق ادا کیا ہے اور وہ بھی اپنے نبی کریمؐ کے دین کی حفاظت کرنے والے تھے''۔

اور فوجِ اشقیاء پر دھاوا بول دیا۔ آپؑ نے دشمن کی فوج پر تین حملے کیے اور دشمن کے بہت سے سپاہیوں کو تہِ تیغ کیا۔ اس اثناء میں یزید بن رقاد جھنی [1] نے آپ کو اپنے تیر کا نشانہ بنایا۔ جونہی تیر آپ کے قریب آیا آپ نے اپنی پیشانیٔ اقدس کو بچانے کے لیے اپنے ہاتھ سے روکنا چاہا لیکن تیر میں اس قدر زور اور تیزی تھی کہ اس نے ہاتھ کو آپؑ کی پیشانی کے ساتھ چسپاں کر دیا۔ اس حال میں آپ کے لیے ممکن نہ تھا کہ دوسرے ہاتھ کے ذریعے اپنی اس پیشانی سے چسپاں ہاتھ کو چھڑا سکیں۔

جناب عبداللہؑ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ اسْتَقَلُّوْنَا وَاسْتَذَلُّوْنَا فَقْتُلْهُمْ كَمَا قَتَلُوْنَا ''خداوندا! ان لوگوں نے ہمیں مدینہ سے بلایا اور اب دشمن کے مقابلے میں ہمیں تنہا چھوڑ دیا۔ خدایا! جس طرح انھوں نے ہمیں قتل کیا ہے تو بھی انھیں نابود و برباد فرما''۔

ابھی جناب عبداللہ کی گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ ایک اور کوفی نے آپؑ پر نیزے سے حملہ کر دیا، جو آپؑ کے قلبِ مطہر میں جا لگا جس سے آپؑ کا قلب مبارک شگافتہ ہو گیا اور آپؑ کی

---

[1] کتاب الانساب میں آپ کے قاتل کا نام رقاد جنبی لکھا گیا ہے۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۷ نے عمرو بن صبیح صدائی لکھا ہے اور صاحب ارشاد اور صاحب بحار نے یہ لکھا ہے کہ عمرو بن صبیح نے جناب عبداللہ کو تیر کا نشانہ بنایا جس سے ان کی شہادت ہوئی۔

روح نے آسمان کی طرف پرواز کیا۔ جب آپ کی شہادت ہوگئی تو ملعون یزید بن رقاد آپؑ کے لاشۂ اطہر پر آیا۔ ابھی تک اس کا تیر جنابِ عبداللہ کی پیشانی میں تھا، اس نے وہ تیر آپؑ کی پیشانی سے کھینچا تو دیکھا کہ جنابِ عبداللہؑ اس دنیا سے اعلیٰ علیین میں پہنچ گئے تھے۔

جوانانِ آلِ ابی طالبؑ کا حملہ

جب جوانانِ آلِ ابی طالبؑ نے دیکھا کہ جنابِ عبداللہ بن مسلمؑ کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا ہے تو ان سب نے باہم جمع ہو کر دشمن پر حملہ کرنا چاہا لیکن فرزندِ رسولؐ نے ان سے فرمایا: صَبْرًا عَلَى الْمَوْتِ يَابَنِي عُمُومَتِي، وَاللهِ لَا رَأَيْتُمْ هَوَانًا بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ "اے میرے چچازاد بھائیو! موت کے لیے جلدی مت کرو، خدا کی قسم! تمہارا افتخار اور تمہاری سرفرازی اس سے بھی فراواں ہوگی"۔

جنابِ عون بن عبداللہ بن جعفر طیارؑ جو حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے بیٹے اور ان کے بھائی جنابِ محمد جو جنابِ خوصا کے بطن سے تھے اور اس طرح جنابِ عبدالرحمٰن ① پسرِ جنابِ عقیلؑ بن ابی طالبؑ اور ان کے بھائی جنابِ جعفرؑ بن عقیلؑ اور محمد بن مسلمؑ بن عقیلؑ ان تمام مجاہدینِ اہلِ بیتؑ نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے اور درجۂ شہادت پر پہنچے۔

حضرت حسن مثنیٰ بن حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو اس حملے میں چودہ زخم آئے اور آپؑ کا دایاں ہاتھ بھی قطع ہوا۔ ان کے بعد جنابِ ابوبکر جن کا اسمِ گرامی محمدؑ تھا جو حضرت امام علی علیہ السلام کے بیٹے تھے ② میدانِ جنگ میں آئے۔ زحر بن بدر نخعی ③ نے انھیں شہید کیا۔

---

① کتاب المحبر ابن حبیب نسابہ نے ص ۵۷ پر لکھا ہے: حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کی دختر جنابِ خدیجہ عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالبؑ کی زوجہ تھیں۔ معارف ابن قتیبہ: ص ۸۹ پر امام علیؑ کی پیش گوئیوں میں سے ہے کہ عبدالرحمٰن کا ایک بیٹا جو جنابِ خدیجہ کے بطن سے ہوگا اس کا نام سعید ہوگا۔

② جمهرة انساب العرب: ص ۱۱۸ اور ابن جوزی کی کتاب صفوۃ الصفوۃ: ج ۱، ص ۱۱۹ و مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۲۸ میں ہے: مادرِ ابوبکر لیلیٰ بنت مسعود تھیں لیکن خوارزمی نے ان کا نام عبداللہ اور صاحب صفوۃ الصفوۃ نے محمد الاصغر لکھا ہے۔

③ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۲۸۔ مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۱ پر لکھا کہ انھیں زحر بن قیس نخعی نے شہید کیا لیکن مقاتل ابوالفرج میں ہے کہ ان کے قاتل کا نام معلوم نہیں ہے۔

ان کے بعد جناب عبداللہ بن عقیلؒ میدان میں آئے۔ آپؒ نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ آپؒ کو کاری زخم لگے اور آپؒ زین سے زمین پر آئے تو عثمان بن خالد تمیمی نے آپؒ کو شہید کرڈالا۔

حضرت قاسمؑ اور ان کے بھائیوں کی شہادتیں

حضرت امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام کے فرزند ارجمند حضرت ابوبکر جو عبداللہ اکبر کے نام سے معروف تھے۔ ان کی والدہ کا نام رملہ [1] تھا جو اُمِ ولد تھیں۔ اپنے بھائی حضرت قاسمؑ جو ان کے والد کی طرف سے بھائی تھے، میدانِ جنگ میں آئے۔ دشمن سے خوب جنگ کی اور دشمن کے بہت سے سپاہیوں کو جہنم رسید کیا۔ آخرکار درجۂ شہادت پر پہنچے۔ [2] ان کی شہادت کے بعد ان کے بھائی حضرت قاسم جنھوں نے ابھی تک بلوغ کی دہلیز پر قدم بھی نہ رکھا تھا، عازمِ میدان ہوئے۔ اس وقت فرزندِ رسولؐ کی آپ پر نگاہ تھی کہ ان کا کم سن بھتیجا عازمِ رزم ہے۔ آپ نے ان کے گلے میں اپنے مبارک بازو حمائل کردیئے اور رونے لگے۔ (مقتلِ خوارزمی: ج۲، ص۲۷)

آخرکار اسی حالت میں اپنے شہزادےؑ کو میدانِ جنگ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جس وقت شہزادہؑ اپنے خیمے سے باہر آیا تو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کہ چودھویں کے چاند نے طلوع کررکھا ہے۔ آپؑ جب میدان کی طرف جانے لگے تو آپؑ سادہ لباس میں تھے۔ کوئی زرہ وغیرہ نہیں پہن رکھی تھی۔ آپؑ نے اپنے ہاتھ میں تلوار پکڑی اور دشمن پر حملہ کردیا۔ آپؑ نے اپنی تلوار شرربار سے دشمن کی فوج کے خرمنِ حیات کو جلانا شروع کردیا۔ جدھر کا رُخ

---

[1] مقاتل الطالبین: ص۵۷: ان کی والدہ اُمِ ولد تھیں۔ اس لیے ان کی شناخت نہیں ہے لیکن حدائق الوردیہ میں ہے کہ ان کا اسمِ گرامی رملہ تھا جو حضرت قاسمؑ اور حضرت ابوبکر کی والدہ تھیں۔ طبقات ابن سعد اور تذکرۃ الخواص: ص۱۰۳ پر ہے کہ وہ اُمِ ولد تھیں اور ان کا نام "نفیلہ" تھا جو جناب قاسمؑ و ابوبکر اور عبداللہ کی والدہ تھیں۔ کتاب نسب القریش میں ہے کہ جناب قاسمؑ اور جناب ابوبکر دونوں کربلا میں اکٹھے شہید ہوئے۔

[2] اعلام الوریٰ طبرسی: ص۱۲۷ اور دار المجدی فی النسب تالیف ابوالحسن عمری اور اسعاف الراغبین، مطبوعہ درحاشیہ نورالابصار: ص۲۰۲۔

کرتے کوفی فوج بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح بھاگنا شروع کر دیتی۔

آپؑ کی جنگ کا لحہ لحہ دشمن پر بھاری گزر رہا تھا۔ اسی دوران آپؑ کے بائیں پاؤں کی جوتی کا بند ٹوٹ گیا۔ ① آپ نے خیال کیا کہ وہ فرزندِ پیغمبرؐ ہے اور خاندانِ بنوہاشم کا چشم و چراغ ہے۔ دشمن جب دیکھے گا کہ اتنے بڑے گھر کا نوجوان ننگے پاؤں جہاد کر رہا ہے تو وہ کیا خیال کرے گا۔ آپ نے باوجود دشمنوں کی کثرت کے خوف کے اور حالات کی نازکی کے باوجود جنگ روک کر اپنے جوتے کے بند کو باندھنے لگے ② کہ عُمرو بن سعد بن نفیل ازدی نے آپ پر حملہ کرنا چاہا۔ حمید بن مسلم نے اُسے کہا: تجھے اس بچے سے کیا کام انھیں قتل کر کے کون سا تاریخی کارنامہ سر کرے گا؟ ہر طرف سے فوج نے انھیں اپنے محاصرے میں رکھا ہوا ہے، اس پر وہ ہی کافی ہیں۔

عُمرو نے حمید سے کہا: میں اسے اپنے تیز وتند اور بھاری حملے کا مزہ چکھانا چاہتا ہوں۔ اس نے فوراً اپنی تلوار سے شہزادےؑ کے سر کو ہدف بنایا۔ حضرت قاسمؑ شمشیر کی ضربت سے زمین پر آرہے اور اپنے چچا کو نصرت کے لیے آواز دی۔ جب امام علیہ السلام نے جنابِ قاسمؑ کی آواز سنی تو بپھرے ہوئے شیر کے مانند اپنے یتیم مظلوم بھتیجے کے سر پر پہنچے۔ آپؑ کا قاتل ابھی کھڑا تھا۔ امامؑ نے اس پر اپنی تلوار کا وار کیا جس سے اس کا بازو کٹ کر زمین پر آرہا۔ اس ملعون نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی کہ اس کی جان بچائیں۔ اس کی آواز پر عمر ابن سعد کی فوج فوراً پہنچی اور امام علیہ السلام پر حملہ کر دیا کہ اپنے ساتھی کو بچائیں۔ فوجی سواروں کا شہزادےؑ

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۸۔ مقاتل ابی الفرج و مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۲۷۔ الارشاد و اعلام الوریٰ آپؑ کے ایک پاؤں کا تسمہ ٹوٹا۔

② ذخیرۃ الدارین: ص ۱۵۲ و ابصار العین: ص ۳۷، ابوالفرج، کتاب اغانی: ج ۱۱، ص ۱۴۳۔ جس وقت جعفر بن علیہ بن ربیعہ کو قصاص کے لیے لے جا رہے تھے تو اس دوران اس کے جوتے کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ وہیں کھڑا ہو گیا اور اپنے جوتے کے بند کو درست کیا۔ کسی نے اس سے کہا: اب کیا ضرورت ہے جوتے کے ٹھیک کرنے کی، سامنے تمھیں موت نظر آرہی ہے۔ تو اس نے جواب دیا: میں نے اس لیے اپنے بندِ کفش کو ٹھیک کیا ہے کہ دشمن یہ نہ سمجھے کہ میں بے چارہ و مسکین ہوں۔

أَشُدُّ قِبَالَ نَعلِي أَن يَّرَانِي عَدُوِّي لِلحَوَادِثِ مُستَكِينَا

کے جسم پر بہت اژدہام ہوا۔ جب غبار چھٹا تو گھوڑوں کے سُموں سے شہزادےؑ کا جسم پامال ہو گیا تھا۔ آپؑ کے جسم کی ہڈیاں بھی شکستہ ہو گئی تھیں۔

لوگوں نے دیکھا کہ فرزند رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے شہزادےؑ جنابِ قاسمؑ کے خون آلود اور پارہ پارہ بدن کے ساتھ کھڑے تھے اور آخری وقت تھا۔ اس دردناک خونی منظر کو دیکھ کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اے میرے شہزادےؑ! ان لوگوں سے اللہ کی رحمت دُور ہو جنھوں نے اس ظلم سے تجھے قتل کیا۔

بُعْدًا لِقَوْمٍ قَتَلُوكَ وَمَنْ خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيكَ جَدُّكَ وَأَبُوكَ

"قیامت کے دن تیرے نانا بزرگوارؐ اور تیرے دادا بزرگوارؑ ان لوگوں کے دشمن ہوں گے"۔

پھر آپؑ نے اپنے شہزادےؑ سے فرمایا:

عَزَّ وَاللهِ عَلَى عَمِّكَ أَنْ تَدْعُوَهُ فَلَا يُجِيبُكَ أَوْ يُجِيبُكَ ثُمَّ لَا يَنْفَعُكَ

"خدا کی قسم! تیرے چچا پر یہ امر بھاری ہے کہ تُو اُسے مدد کے لیے پکارے اور وہ مدد نہ کر سکے اور اگر پہنچے تو مدد نہ کر سکے"۔

خدا کی قسم! آپؑ کی آواز اتنی بلند تھی جیسے آپ کو بہت سے لوگ قتل کر رہے ہوں لیکن آپؑ کی مدد پر پہنچنے والے بہت کم تھے۔

آپؑ نے جنابِ قاسمؑ کے مبارک بدن کو اپنے کندھے پر اُٹھایا۔ جنابِ قاسمؑ کے سینے کو اپنے سینے پر رکھا درحالانکہ جنابِ قاسمؑ کے پاؤں مبارک زمین پر خط دے رہے تھے۔ آپؑ نے ان کے نازنین پارہ پارہ خاک وخون سے غلطاں بدن کو خیمۂ شہدا میں جنابِ علی اکبرؑ کے ساتھ رکھ دیا[1] اور آسمان کی طرف اپنے مبارک سر کو بلند کیا اور پانچ مرتبہ کوفی فوجیوں پر لعنت کی۔

تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۵۹۔ البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۶۔ ارشاد، ص ۲۳۹۔ الکامل: ج ۴، ص ۷۵۔
مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۲۸۔ مقاتل الطالبین: ج ص ۵۹

آپؑ نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اَحْصِھِمْ عَدَدًا، وَلَا تُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَدًا، وَلَا تَغْفِرْ لَھُمْ اَبَدًا، صَبْرًا یَا بَنِیَّ عُمُومَتِی صَبْرًا یَا اَھْلَ بَیْتِی، لَا رَأَیْتُمْ ھَوَانًا بَعْدَ ھٰذَا الْیَوْمِ أَبَدًا

"خداوندا! انھیں اپنے عذاب میں گرفتار فرما۔ ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ۔ خداوندا! ان پر کبھی کسی حال میں اپنی رحمت نازل نہ فرما۔ اے میرے چچازاد بھائیو اور اے میرے اہلِ بیتؑ! اس موت پر صبر کیجیے۔ اس کے بعد آپؑ نے کبھی ذلت نہیں دیکھنی"۔

شد چو بی یار و معین سبط رسول مدنی	عازم معرکه شد سرو ریاض حسنی
شیر سان عزم ختا کرده و آن قوم شدند	روبه آسای گریزان ز غزال ختنی
مادرش گرم فغان کردن و او گرم جدال	لشکر اندر پی او، او پی لشکر شکنی
تا که بارید بر او سنگ قضا امر قدر	بازویش ماند ز دِرہم آری ورایت فکنی
گشت شق القمر آندم که شد آن دُرّ یتیم	رخش از خون جبین رنگ عقیق یمنی
تیشه ظلم عدو کرد ز بیداد سپهر	آندر آن عرصه از آن شاخه گل ریشه کنی
شه نگون چو از باد سیه لاله سرخ	خُفت بر خاک چو از داس نهال چمنی
خواند عم خود و شه آمد و دید از ره کین	طوطی خوش سخنش ماند ز شیرین سخنی

"جس وقت سرورِ کائناتؐ کے فرزند میدانِ کربلا میں بے یار و مددگار ہوئے تو حُسنی باغ و ریاض کے ملکوتی سرو عازمِ میدانِ کارزار ہوئے۔ آپ کوفی لشکر کی طرف ایسے آئے جیسے شیر کچھار سے نکلتا ہے۔ ان کی والدہ ان کی محبت میں آہ و فغاں کر رہی تھی۔ لشکر نے انھیں اپنے گھیرے میں لے لیا تھا لیکن وہ اپنے حملوں سے ان کی صفوں کو اُلٹ رہے تھے اور بڑھ بڑھ کر دشمن کی فوج پر حملے کر رہے تھے لیکن جب اس دُرِّ یتیم پر دشمن کی تلواروں کے وار ہوئے تو اپنے ہی خون میں غلطاں ہو گئے۔ جب

ظالم نے اپنے حیلۂ ظلم کو استعمال کیا تو یہ دُرِ ملکوتی عقیقِ یمنی (کے سرخ رنگ) میں بدل گیا......"

حضرت ابوالفضل العباسؑ کے بھائیوں کی شہادت

جب حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام نے دیکھا کہ تمام اصحاب و جان نثاران بنوہاشم شہید کر دیے گئے ہیں اور اب باقی کوئی نہیں رہا تو آپؑ نے اپنے بھائیوں عبداللہ، عثمان، جعفر کو بلایا اور ان سے فرمایا: اے میری ماں کے فرزندو! میدانِ جنگ کی طرف بڑھو تا کہ میں تمہارے اس یقین و اخلاص، ایثار و وفاداری کو دیکھوں جو تم اپنے خدا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رکھتے ہو۔

جنابِ عبداللہؑ، جنابِ عثمانؑ اور جنابِ جعفرؑ سے عمر میں بڑے تھے۔ آپؑ نے انھیں خطاب کیا: اے برادر جان! آپؑ دوسرے بھائیوں سے قبل میدانِ جنگ میں جایئے اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیجیے۔ اس طرح حضرت ابوالفضل العباسؑ کے تینوں برادران نے میدانِ جنگ میں حصّہ لیا اور سب راہی راہِ شہیداں ہوئے۔

حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی شہادت

میدانِ کربلا میں عاشورا محرم کو جوں جوں آفتاب اپنی منازل کی طرف رواں دواں ہوتا رہا، جس طرح اس کا ہر گزرا ہوا لمحہ آلِ محمدؑ پر بھاری تھا، اسی طرح ہر آنے والا لمحہ بھی مصائب کی کوہ گرانیاں اپنے دامن میں لے کر آ رہا تھا۔ تمام اصحاب ایک ایک کر کے میدانِ جنگ کی طرف جاتے رہے۔ اس طرح بنوہاشم کے نوجوان جو اِدھر سے میدان کی طرف پیدل یا سوار ہو کر گئے پھر اس صورت میں واپس نہ آسکے بلکہ لاشے پہ لاشہ آیا۔ اس طرح حسینی لشکر اپنے مظلوم آقا کو یکہ وتنہا چھوڑ کر آخرت کی طرف چل پڑا تھا۔

جب حضرت ابوالفضل العباسؑ نے دیکھا کہ اب کوئی یار و انصار نہیں بچا، ہاشمی جوان بھی نہ رہے۔ حجتِ خدا دشمن کے ایک عظیم لشکر کے درمیان اکیلے ہیں اور کسی طرف سے کوئی نصرت کی اُمید بھی نہیں ہے۔ اِدھر خیام میں مخدراتِ عصمت و طہارت کے شیون و گریہ کی

دردناک آوازیں جنھوں نے کربلا کی فضا کو حزن و اندوہ سے لبریز کر رکھا ہے۔ اُدھر تین دن کے پیاسے بچے ہیں جن کی العطش العطش کی پُرسوز صدائیں آسمان کو لرزا رہی ہیں۔ ہر لحہ آپ کے دل و دماغ پر مصائب کے طوفان اُمڈ رہے تھے۔ آپ متعدد بار بارگاہِ حسینیؑ میں حاضر ہوئے کہ انھیں میدانِ جنگ کی اجازت دیجیے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی نگاہ اقدس میں حضرت ابوالفضل العباسؑ ایک عظیم ترین اور نفیس ترین ذخیرہ رب العالمین تھے کہ دشمن جن کی آواز کی گرج اور شجاعت و ہیبت سے لرزہ براندام تھا۔ جب اہلِ حرم ان کے مضبوط ترین ہاتھوں میں پرچم پُرافتخار اسلام دیکھتے تو ان کے قلوب کو سکون ملتا تھا۔ اس لیے فرزندِ رسولؐ دل سے راضی نہ تھے کہ انھیں میدانِ جنگ کی طرف جانے کی اجازت دیں۔ اس لیے آپؑ نے انھیں فرمایا: یَا اَخِیْ اَنْتَ صَاحِبُ لِوَائِیْ "اے میرے بھائی! آپؑ میری فوج کے علَم دار ہیں"۔ جب آپؑ میدانِ جنگ میں جائیں گے اور آپؑ کو دشمن شہید کر دے گا تو علَمِ اسلام آپؑ کے ہاتھوں میں نہ رہے گا۔ ①

حضرت ابوالفضل العباسؑ نے امام علیہ السلام کے جواب میں عرض کیا: ان منافقین کے مظالم نے میرے سینے کو تنگ کر دیا ہے، جوش و جذبہ ہے کہ کھول رہا ہے۔ اب میرا دل اس زندگی سے سیر ہو چکا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان ظالموں سے اپنے شہدا کا قصاص لوں۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: جب آپؑ نے جنگ کے لیے عزمِ مصمم کر ہی لیا ہے تو پھر فَاطْلُبْ لِهٰؤُلَاءِ الْاَطْفَالِ قَلِیْلًا مِنَ الْمَاءِ "جایئے اور (محض) ان چھوٹے بچوں کے لیے کچھ پانی لے آیئے"۔

---

① بحار: ج ۴۵، ص ۴۱ پر لکھا ہے کہ جب حضرت ابوالفضل العباسؑ نے جنگ کی اجازت کی درخواست دی تو امام رونے لگے اور فرمایا: یَا اَخِیْ صَاحِبُ لِوَائِیْ وَ اِذَا مَضَیْتَ تَفَرَّقَ عَسْکَرِیْ۔ لیکن جناب مجلسیؒ نے فرمایا کہ بعض تالیفات اصحاب میں یہی لکھا ہے لیکن انھوں نے نہ کتاب کو مشخص کیا اور نہ ہی مؤلف کو، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل مجہول ہے کیونکہ حضرت عباسؑ سے قبل تمام اصحاب اور بنو ہاشم شہید ہو چکے تھے تو کون سی فوج باقی بچی تھی جو حضرت عباسؑ کے میدان میں جانے سے متفرق ہو جاتی۔ حسینی فوج کے آخری فرد تو حضرت ابوالفضل العباسؑ ہی تھے۔

حضرت عباسؑ کی میدانِ جنگ میں آمد

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے
رَن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

جب حضرت ابوالفضل العباسؑ میدانِ جنگ میں آئے تو سب سے پہلے انھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور انھیں اللہ کے غیض وغضب سے ڈرایا۔ جب اس کوفی فوج پر آپؑ کی نصائح کا اثر نہ ہوا تو عمر ابن سعد کو بلند آواز سے بلایا اور آپؑ نے فرمایا:

اے عمر ابن سعد! تُو خوب جانتا ہے کہ یہ حسینؑ پیغمبرؐ خدا کی بیٹی کے بیٹے ہیں۔ تُو نے ان کے اصحاب اور ان کے گھر کے جوانوں کو قتل کر دیا ہے۔ اب خیام میں مخدراتِ عصمت و طہارت اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو شدید ترین پیاس سے جاں بہ لب ہیں۔ ان کی العطش کی سوزناک آوازوں سے فضائے کربلا سوگوار ہے۔ فَاسْقُوا مِنَ الْمَاءِ قَدْ اَحرَقَ الظَّمَاءُ قُلُوبَهُمْ "پس! تم ان کے لیے تھوڑا سا پانی دے دیجیے کیونکہ اِن کے دل شدتِ پیاس کی وجہ سے جل چکے ہیں"۔ تم نے ان پر پانی بند کر رکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انھیں یہاں سے جانے دیجیے وہ سرزمینِ حجاز وعراق کو چھوڑ دیں گے اور کسی اور مقام کی طرف چلے جائیں گے۔

جب آپؑ کا خطاب اس مقام پر پہنچا تو کوفی فوج اس قدر متاثر ہوئی کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے لیکن شمر ملعون نے چیخ چیخ کر کہا:

يَا ابنَ اَبِي تُرَابٍ لَو كَانَ وَجهُ الاَرْضِ كُلُّهُ مَاءٍ وَهُوَ تَحتَ اَيْدِينَا
لَمَا سَقَينَاكُمْ مِنهُ قَطرَةً اِلَّا اَنْ تَدْخُلُوا فِي بَيْعَةِ يَزِيْدَ

"اے فرزندِ ابوترابؑ! اگر تمام روئے زمین پانی پانی ہو جائے اور اس پر ہمارا قبضہ ہو جب تک تم لوگ یزید (ملعون) کی بیعت نہ کرو گے اس میں سے ایک قطرۂ آب تم تک نہ جانے دیا جائے گا"۔

بعدازیں حضرت ابوالفضل العباسؑ اپنے آقا حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمتِ اقدس میں واپس حاضر ہوئے تاکہ جو کچھ لشکرِ اشقیاء سے سنا ہے ان کے گوش گزار کر دیں۔ جب آپؑ خیام کے نزدیک پہنچے تو آپؑ نے اپنے بھائیوں کے بچوں کی صدائے شیون و العطش

سنی۔ آپؑ میں غیرتِ بنوہاشم نے جوش مارا۔ بچوں کا رونا آپؑ سے برداشت نہ ہوسکا۔ آپؑ نے مشک اُٹھائی، گھوڑے پر سوار ہوئے اور دریائے فرات کے گھاٹ کا رُخ کیا۔ اس دوران میں چار ہزار تیراندازوں نے آپؑ کو گھیر لیا اور آپؑ پر ہر طرف سے تیر بارانی شروع کر دی لیکن اس عظیم بزرگوار یادگارِ حیدرِ کرّارؑ نے ذرہ برابر گھبراہٹ محسوس نہ کی اور پوری جرأت و بہادری کے ساتھ علمِ توحید کو اپنے سرِ اقدس پر لہرانا شروع کر دیا۔

آپؑ نے اپنی شمشیر شرربار سے بڑے بڑے سورماؤں کو موت کی نیند سُلانا شروع کر دیا۔ آپؑ نے آناً فاناً کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ آپؑ کے سامنے جو بھی بہادر آیا آپؑ کی تلوار کی کاٹ نے اُسے ٹکڑوں میں بدل کر رکھ دیا۔ تمام کوفی فوج پر حیدرِ کرّار کے فرزند اور شیرِ خدا کی اس طرح ہیبت چھائی کہ کسی کو آپؑ کے سامنے ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ آپؑ جدھر کا بھی رُخ کرتے صفوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیتے۔ آپؑ کسی گھبراہٹ و اضطراب اور خوف کے دریائے فرات پر پہنچے اور مشک کو پانی سے بھر لیا۔ کیونکہ آپؑ پر پیاس کا غلبہ تھا۔ آپؑ نے چاہا کہ پانی پئیں۔ آپؑ نے اپنے ہاتھوں پر پانی اُٹھایا کہ خشک لبوں تک پہنچائیں تو فوراً تَذَکَّرَ عَطَشَ الْحُسَیْنِ وَاَھْلَ بَیْتِہٖ، فَرَمَی الْمَاءَ "آپؑ کو اپنے آقا کی پیاس اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کی صدائے العطش یاد آئی"۔ آپؑ نے پانی واپس دریا کی طرف اُچھال دیا اور اپنے آپؑ سے کہا:

یَانَفْسُ مِنْ بَعْدِ الْحُسَیْنِ هُوْنِيْ ۔۔۔ وَبَعْدَهٗ لَا كُنْتِ اَنْ تَكُوْنِيْ

هٰذَا الْحُسَيْنُ وَارِدَ الْمَنُوْنِ ۔۔۔ وَتَشْرَبِيْنَ بَارِدَ الْمَعِيْنِ

تَاللّٰهِ مَا هٰذَا فِعَالُ دِيْنِيْ ①

"اے میری جان! حسینؑ کے بعد سوائے ذلّت وخواری کے کچھ باقی نہ رہے گا۔ اگر تیرے آقا کو کچھ ہوگیا تو تُو زندہ نہیں رہے گا۔ حسینؑ میرے آقا، وہ میدانِ کارزار میں ہیں اور کیا تجھے یہ بات پسند ہے کہ تُو ٹھنڈا پانی پیئے۔ خدا کی قسم! میرا دین مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا"۔

① ریاض المصائب: ص ۳۱۳۔ ابصار العین: ص ۳۰۔

آپؑ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے تاکہ خیام کی طرف واپس چلیں۔ آپؑ نے دیکھا کہ آپؑ کے راستے پر دشمن کی فوج کا لشکر سمندر کی طرح بپھرا ہوا سامنے ہے۔ آپؑ نے اپنی شمشیر شرربار سے ان پر حملہ کر دیا اور ان میں سے بہت سوں کو قتل کیا اور یہ رجز پڑھا:

لَا أَرهَبُ المَوتَ إِذَا المَوتُ زَقَا[1]

حَتّٰی أُوَارِيَ فِي المَصَالِيتِ لَقَی

نَفسِي لِسِبطِ المُصطَفٰی الطُّهرِ وَقٰی

إِنِّي أَنَا العَبَّاسُ أَغدُو بِالسَّقَا

وَلَا أَخَافُ الشَّرَّ يَومَ المُلتَقٰی

"میں قطعاً موت سے ڈرنے والا نہیں ہوں، جب کہ موت اپنی ڈاڑھیں نکالے چیختی چلاتی ہوئی میری طرف آرہی ہو۔ میں اس وقت میدانِ جنگ

---

[1] زقا: اس کا معنی ہے آواز اور چیخ۔ عربوں کا خیال ہے کہ جب کوئی انسان قتل ہو اور اس کا بدلہ نہ لیا جائے تو ایک پرندہ ہے جس کا نام "حامہ" ہے، وہ چیختا چلاتا رہتا ہے۔ جناب مقرم نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک عالم فاضل جناب شیخ کاظم سبتی سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ ایک دفعہ میرے پاس ایک مجتہد عالم دین آئے اور فرمایا: میرے پاس تمہارے لیے حضرت ابوالفضل العباسؑ کا پیغام ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا اور اس میں حضرت ابوالفضل العباسؑ نے آپ پر ناراضی کا اظہار کیا ہے کہ شیخ کاظم سبتی میرے مصائب نہیں پڑھتے۔ تو میں نے آپؑ کی خدمت میں عرض کیا: میں نے تو ان سے کئی بار آپؑ کے مصائب سنے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: انھیں میرا پیغام دیجیے کہ وہ میری مصیبت اس طرح پڑھیں کہ اگر کوئی آدمی گھوڑے سے زمین کی طرف گرے تو وہ اپنے ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے تاکہ اس کے جسم کو چوٹ کم آئے۔ لیکن اگر کسی آدمی کے بدن میں تیر پیوست ہوں اور اس کے دونوں ہاتھ قلم شدہ ہوں، وہ اپنے گھوڑے سے گرے تو اپنے بدن کو چوٹ لگنے سے کیسے بچائے؟

یہ صبوحانی مترجم کہتا ہے: روایت میں ہے کہ حضرت ابوالفضل العباسؑ کے جسمِ نازنین پر اس قدر تیر پیوست تھے جس طرح ایک پرندے کے جسم پر پَر اُگے ہوئے ہوتے ہیں۔ آپؑ کے بدن کی یہ حالت تھی کہ آپؑ کے فرقِ اطہر تلوار کے وار سے شگافتہ تھا اور آپؑ کے دونوں ہاتھ قطع ہو چکے تھے۔ جس وقت آپؑ اپنے گھوڑے سے زمین کی طرف آئے تو آپؑ کے ہاتھ نہ تھے جن پر سہارا لیتے اور اپنے بدن سے تیر کھینچتے۔ بچنے کی کوشش کیجیے اس وقت تیروں کی تیز نوکوں نے آپؑ کے جسمِ اقدس کے ساتھ ⇐

میں ہوں اور میری طرف شمشیریں ہی شمشیریں ہیں۔ میری جان رسولؐ اللہ کے فرزند ارجمند پر قربان ہو جائے۔ لوگو! دیکھو میں عباسؑ ہوں اور پانی خیام کی طرف لے جا رہا ہوں۔ میں نہ جنگ سے ڈرنے والا ہوں اور نہ ہی موت سے خوف زدہ ہونے والا ہوں"۔

باب شہادت علم دار حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

ان حالات کے باوجود بھی آپؑ کو اپنے جسم کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ ایک جوش و ولولہ و عشق نے آپؑ کے جسم کو گرما رکھا تھا کہ ہر صورت خیامِ حسینی میں پانی پہنچ جائے۔ ایک ملعون جس کا نام تاریخ میں زید بن رقاد جہنی ہے۔ وہ ایک کھجور کے درخت کے ساتھ چھپا ہوا تھا۔ جب حضرت ابوالفضل العباسؑ جنگ کرتے ہوئے وہاں سے گزرے تو اس بزدل و مکار نے آپؑ پر حملہ کر دیا۔ اس دوران حکیم بن طفیل سنبسی نے آپؑ کے دائیں ہاتھ پر تلوار کا وار کیا جس سے آپؑ کا دایاں ہاتھ قطع ہو گیا۔

فرزند حیدر کرّار اور شیر خدا نے ان حالات کے باوجود بھرپور کوشش کی کہ پانی خیامِ حسینی تک پہنچ جائے۔ اسی دوران آپؑ نے یہ رجز پڑھا:

وَاللّٰهِ اِنْ قَطَعتُمْ يَمِينِي اِنِّي اُحَامِي اَبَداً عَن دِيْنِي

وَعَن اِمَامِ الصَّادِقِ الْيَقِيْنِ نَجلُ النَّبِيِّ الطَّاهِرِ الاَمِيْنِ

"اگرچہ تم لوگوں نے میرا دایاں ہاتھ کاٹ ڈالا ہے اس کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں ہمیشہ اور ہر حال میں اپنے دین کی حفاظت کرتا رہوں گا اور اپنے اس ایمان و پیشوا کی حفاظت کرتا رہوں گا جو صادق اور امین ہے۔

⇐ کیا سلوک کر رکھا ہوگا؟ اُدھر شمشیروں کی ضربات اور نیزوں کے پے در پے واروں سے مظلومؑ کا کیا حال ہو چکا ہوگا۔ بس! اس طرح سمجھئے کہ آپؑ کا جسدِ مبارک پارہ پارہ ہو چکا تھا۔

اے وقت مجھے بازوے حیدرؑ کی قسم ہے
عباسؑ کو میں دستِ بریدہ نہ لکھوں گا
(حسن رضوی مرحوم)

وہ اللہ کے نبیؐ کے فرزند اور دین حق کی حمایت کے پاس دار ہیں"۔

آپؑ مکمل جواں مردی اور پامردی کے ساتھ جنگ بھی کر رہے تھے اور مشک کا دفاع بھی کر رہے تھے۔ آپؑ کو اپنے بازو کے قطع ہونے کی بھی کوئی پرواہ نہ تھی۔ صرف اس امر کی پرواہ تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، یہ پانی اپنے آقا کے بچوں تک پہنچ جائے۔ اسی دوران حکیم بن طفیل نے کھجور کے درخت کو کمین گاہ بنا کر آپؑ کے بائیں ہاتھ پر حملہ کر دیا جس سے آپ کا بایاں بازو بھی کٹ کر زمین پر آ رہا۔ (مناقب شہر آشوب: ج۱،ص ۲۲۱)

جب آپؑ کے دونوں ہاتھ قطع ہو گئے تو آپؑ نے مشک کے تسموں کو اپنے دانتوں سے پکڑا لیکن تیر اندازوں نے آپؑ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور بارش کی طرح تیر برسانے شروع کر دیے۔ بس! تیروں نے جہاں آپؑ کے مبارک جسم کو چھید ڈالا وہاں مشکِ آب بھی پارہ پارہ ہو گئی۔ (ریاض المصائب: ص ۳۱۵)

قریب سے کسی نے آہنی عمود آپؑ کے فرقِ اطہر پر دے مارا جس سے آپؑ کا سرِ مبارک شگافتہ ہو گیا۔ اب آپؑ میں گھوڑے پر بیٹھنے کا مزید حوصلہ نہ رہا۔ آپؑ زین سے زمین کی طرف آئے اور اپنے برادر فرزند رسولؐ امام حسین علیہ السلام کو آواز دی: عَلَيْكَ مِنِّي السَّلَامُ اَبَا عَبْدِ اللهِ۔

جب امام علیہ السلام نے آپؑ کی مظلومانہ آواز سنی تو فوراً آپؑ کے بالین سر پہنچے۔ آہ! اے کاش! میں کیسے جانوں کہ امام علیہ السلام کس حال میں اپنے بھائی کے سر پر آئے؟ جب آئے تو کیا ابوالفضل العباسؑ زندہ تھے یا ان دردناک مصائب و آلام سے اس دنیا سے رخصت ہو کر اعلیٰ علیین میں پہنچ گئے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا علم دار کے جنازے پر پہنچنا

جی ہاں! جب حضرت امام حسین علیہ السلام آپؑ کے جسمِ اقدس پر پہنچے تو ظالموں کے مظالم کی حد دیکھی جس نے مظلوم امامؑ کو تڑپا کر رکھ دیا۔ آپؑ نے دیکھا کہ بھائی کا جسم تیروں سے پُر اور جسمِ مبارک خاک و خون میں غلطاں تھا۔ امام علیہ السلام نے دیکھا تو نہ ہاتھ سلامت تھے جن سے اپنا دفاع کرتے، نہ زبان سلامت تھی کہ رجز پڑھتے، نہ آواز کی طاقت تھی کہ جس

سے دشمن میں ہیبت پیدا ہوتی اور نہ ہی آنکھیں سلامت تھیں کہ جن سے دیکھتے۔ آپؑ کا مبارک سر تلواروں کی ضربات سے پھٹ چکا تھا۔ ان مصائب و آلام کو دیکھنے کے بعد کیا امام علیہ السلام میں قوت برداشت تھی کہ زندہ رہتے؟ بس! آپؑ کے بس میں نہ تھا ورنہ آپؑ کے بس میں ہوتا تو آپؑ کی روح پرفتوح پرواز کر گئی ہوتی۔ جناب عباسؑ کی دردناک شہادت کے بعد آپؑ کی کائنات لٹ گئی تھی۔ آپؑ کے جسم میں کچھ باقی نہ رہا تھا اس لیے اپنی اس حالت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا۔

اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَھْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ "اب میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور بے چارگی نے ہر طرف محاصرہ کر لیا ہے"۔ (بحار: ج ۴۵، ص ۴۲ و تظلم الزہرا: ص ۱۲۰)

وَبَانَ الْاِنْکِسَارُ فِیْ جَبِیْنِہٖ فَانْدَکَّتِ الْجِبَالُ مِنْ حَنِیْنِہٖ
وَکَیْفَ لَا وَھُوَ جَمَالُ بَھْجَتِہٖ وَفِیْ مُحَیَّاہُ سُرُوْرُ مُھْجَتِہٖ
کَافِلُ اَھْلِہٖ وَسَاقِیْ صِبْیَتِہٖ وَحَامِلُ اللِّوَاءِ بِعَالِیْ ھِمَّتِہٖ

"حضرت امام حسین علیہ السلام کی جبینِ مبارک پر حیرانی و پریشانی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ ان کے گریہ و زاری سے پہاڑوں میں تھرتھراہٹ پیدا ہوئی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا کیونکہ حضرت عباسؑ، حضرت امام حسینؑ کے مایۂ شکوہ و عظمت تھے۔ حضرت امام حسینؑ کی کائنات اور ان کے مسرت کا سامان تھے۔ وہ اہلِ حرم کی پشت پناہ اور امام کے بچوں کے ساقی تھے۔ ان تمام اوصاف کے علاوہ امام عالی مقام کی فوج کے علَم دار تھے"۔

(من ارجوزۃ آیت اللہ الحجت الشیخ محمد حسین الاصفہانی قدہ)

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فوجِ حسینیؑ کے جتنے بھی جوان میدانِ کربلا میں شہید ہوئے، امام علیہ السلام نے انھیں اپنے مقامِ شہادت سے اُٹھوایا اور خیمۂ شہدا میں رکھوایا لیکن حضرت ابوالفضل العباسؑ کے جنازے کو مقامِ شہادت پر ہی رہنے دیا۔ (ایسا کیوں؟)

اس کا جواب یہ ہے کہ فعلِ معصوم حکمت سے خالی نہیں ہوتا شاید امام علیہ السلام کا یہ عمل اُس زمانے کے لوگوں کی سمجھ میں نہ آیا ہو لیکن مرورِ زمن نے اس بات کو روشن کر دیا ہے کہ آپؑ

نے حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کے جنازے کو مقامِ شہادت پر اس لیے رہنے دیا کہ ان کی قبر مبارک اور بارگاہ حاجت مندوں کی زیارت گاہ بنے اور دنیا بھر کے مسلمان ان کے روضہ پر آئیں اور انھیں قربِ خداوندی کا وسیلہ بنائیں۔ جس طرح ان کا قبہ مقدسہ اپنی رفعت و بلندی میں تمام آسمانوں سے بلند ہے، اسی طرح لوگ ان کی عظمت و رفعت کو معجزات و کرامات کے ذریعے دیکھیں تاکہ انھیں معلوم ہو کہ حضرت عباس علَم دارِ حسینؑ کی بارگاہِ خداوندی میں کتنی عظمت و رفعت ہے۔

پوری اُمت پر واجب ہے کہ اہلِ بیتؑ رسولؐ اور اس عظیم بزرگوار سے شدید محبت کریں اور اس امر میں غور و فکر کریں کہ آں حضرتؑ اور خداوند تعالیٰ کے درمیان کس قدر رابطہ و تقرب ہے۔ اس لیے امام علیہ السلام نے ان کے مقدس جنازہ کو ان کے مقامِ شہادت پر ہی رہنے دیا اور خدا کو بھی یہی منظور تھا کہ جس طرح حضرت ابوالفضل العباسؑ کا معنوی مقام و مرتبہ ہے، ظاہری مقام و مرتبہ بھی اسی طرح ہو۔

آخرکار امام علیہ السلام نے حیرانی و پریشانی اور سوز و سوز گواری و بے چارگی کے ساتھ اپنے بھائی قمر بنی ہاشمؑ کے پارہ پارہ اور بے دست و پا بدن کو ایک غم و اندوہ کی دنیا کے ساتھ چشمِ گریاں کے ساتھ وداع کیا اور خیام کی طرف واپس آئے۔ آپؑ نے دیکھا کہ دشمن کی فوج کے ایک دستے نے خیام پر حملہ کیا ہوا ہے۔ آپؑ نے وہیں پر اپنی مقدس آنکھوں کو آنسوؤں سے صاف کیا اور استغاثہ بلند کیا۔

استغاثہ امامؑ

اَمَا مِن مُغِيثٍ يُغِيثُنَا، اَمَا مِن مُجِيرٍ يُجِيرُنَا، اَمَا مِن طَالِبِ حَقٍّ يَنصُرُنَا، اَمَا مِن خَائِفٍ مِنَ النَّارِ فَيَذُبَّ عَنَّا؟

"کیا کوئی ہے مدد کرنے والا، جو ہماری مدد کرے؟ کیا کوئی پناہ دینے والا ہے، جو ہمیں پناہ دے؟ کیا کوئی طالبِ حق ہے، جو ہماری مدد کرے؟ کیا کوئی جہنم سے ڈرنے والا ہے جو ہمارا دفاع کرے"۔ (منتخب طریحی: ص ۳۱۲)

جنابِ سکینہ سلام اللہ علیہا اپنے چچا کے انتظار میں

جب حضرت عباس علَم دارؑ نے مشک اُٹھا کر دریائے فرات کا رُخ کیا تھا تو اس عرصہ میں حضرت سکینہؑ آپ کے انتظار میں رہیں کہ ابھی میرے چچا واپس آتے ہیں۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام خیام کی طرف اکیلے تشریف لائے تو حضرت سکینہؑ اپنے بابا کے سامنے آ کھڑی ہوگیں اور پوچھا: اَینَ ، عَمِّی العَبَّاس "میرے چچا عباسؑ کہاں ہیں؟"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: انھیں شہید کردیا گیا ہے۔

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے یہ دردناک خبر سنی تو انھوں نے صدائے گریہ وشیون بلند کی اور فرمایا: وَاَخَاہُ، وَاعَبَّاسَاہُ وَاضَیعَتَنَا بَعدَکَ "ہائے بھائی عباسؑ! اب تیرے بعد ہم حال سے بے حال ہو گئے ہیں، آپؑ کے بعد ہمارا کوئی محافظ نہیں رہا"۔

بہ زبانِ حال:

آیا ہے علَم اور علَم دار نہ آیا
گھوڑے سے گرا زین پہ سوار نہ آیا
غیرت کا تقاضا ہے علَم دار کی ہستی
لختِ جگرِ حیدرِ کرّار نہ آیا
(اختر چنیوٹی)

حضرت امام حسین علیہ السلام میدان میں

جب حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی شہادت ہوگئی اور امام علیہ السلام ان کے شکستہ اور پارہ پارہ بدنِ اقدس سے اُٹھے تو آپؑ نے اپنے خیام کی طرف نگاہ کی۔ آپؑ کو کوئی ناصرو مددگار نظر نہ آیا کیونکہ آپؑ کے تمام یار و انصار[1] اور جوانانِ اہلِ بیتؑ کے پاکیزہ اَبدان بھرپور مظلومیت کے ساتھ بغیر سروں کے کربلا کی گرم زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ اُدھر خیام سے مخدراتِ عصمت و طہارت اور بچوں کی آہ و فغان اور قلوب کو لرزا دینے والے آوازے

---

[1] حضرت امام سجاد علیہ السلام کے علاوہ۔

بلند تھے۔ تو امام علیہ السلام نے اپنی مظلومیت اور دشمن کی سفاکیت و بربریت اور درندگی کو دیکھ کر استغاثہ بلند کیا۔

استغاثہ امامِ مظلومؑ

هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُولِ اللهِ هَلْ مِنْ مُوَحِّدٍ يَخَافُ اللهَ فِينَا؟ هَلْ مِنْ مُغِيثٍ يَرْجُو اللهَ فِي اَغَاثَتِنَا؟

"کیا کوئی ہے جو حرمِ رسولؐ کا دفاع کرے؟ کیا کوئی موحد ہے جو ہمارے معاملے میں خدا سے ڈرے اور ہماری فریاد پر پہنچے؟ کیا کوئی مدد کرنے والا ہے جو ہماری مدد کر کے اللہ سے اُمیدِ ثواب رکھے؟"

جب خیام میں خواتین اور بچوں نے امامِ مظلومؑ کا استغاثہ سنا تو خیام سے ان کے گریہ و نالہ کی سوزناک آوازیں بلند ہوئیں۔ (لہوف: ص ۶۵۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۲)

صدائے اِستغاثہ اور حضرت امام سجاد علیہ السلام

جب حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اپنے بابا کا استغاثہ سنا اور ان کی بے کسی و تنہائی اور مظلومیت کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اُٹھے کیونکہ آپؑ علیل تھے جس کی وجہ سے بہت زیادہ کمزور اور لاغر ہو گئے تھے۔ آپؑ نے عصا اُٹھایا اور اس کے سہارے اُٹھے۔ تلوار اُٹھائی حالانکہ آپؑ میں تلوار اُٹھانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ آپؑ کی تلوار زمین پر خط دے رہی تھی۔ اسی حالت میں میدانِ جنگ کا رُخ کیا۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی آپؑ پر نگاہ پڑی کہ آپؑ میدانِ جنگ کی طرف چلے جا رہے ہیں تو آپؑ نے جنابِ اُمِ کلثومؑ سے فرمایا: فوراً ان کے آگے جایئے اور انھیں واپس لایئے تاکہ ان کی شہادت سے خاندانِ آلِ محمدؐ کی نسل قطع نہ ہو۔ حضرت اُمِ کلثوم سلام اللہ علیہا نے حضرت امام سجاد علیہ السلام کو واپس خیمہ میں لا کر ان کے بستر پر لٹا دیا۔ (خصائص الحسینیہ: استغاثہ چہارم، ص ۱۲۹)

جب حضرت امام سجاد علیہ السلام کو واپس خیمہ میں لایا گیا تو امام علیہ السلام نے خواتین اور اپنی

بہنوں سے فرمایا: اب گریہ نہ کریں۔ اس وقت امام علیہ السلام نے خز کا سیاہ فام جامہ پہن رکھا تھا۔[1] آپؑ کے سرِ اقدس پر سرخ رنگ کا عمامہ تھا۔ عمامے کے دونوں سرے حنک کے نیچے رکھے ہوئے تھے۔ عبائے پیغمبرؐ آپؑ کے دوشِ مبارک پر تھی اور دستِ مبارک میں تلوار تھی۔ اسی حالت میں آپؑ خیامِ اہلِ حرم میں مخدراتِ عصمت سے وداع کرنے کے لیے تشریف لائے اور اہلِ حرم سے خدا حافظی کی درخواست کی۔ آپؑ نے اپنے پہنے ہوئے لباس کے علاوہ ایک اور لباس منگوایا کہ اُسے اس لباس کے نیچے پہنیں تاکہ شہادت کے بعد ان کا جسمِ مبارک

---

[1] مراۃ العقول: ج ۴، ص ۱۰۵۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے اور آلوسی تفسیر روح المعانی: ج ۸، ص ۱۱۱ نے اس آیت کے تحت قل من حرم زینة الله۔ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۵۔ ابن حجر، مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۳ پر لکھا ہے کہ روزِ عاشورا امام حسین علیہ السلام نے خز کا سیاہ فام لباس پہن رکھا تھا۔ اس روایت سے جو استفادہ ہوتا ہے وہ یہ ہے:

- روزِ عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام نے باوجود ہزاروں دشمنوں اور قاتلوں کے بہترین اور نفیس لباس زیبِ تن کر رکھا تھا تاکہ دشمن کو آپؑ کے بارے میں اور آپؑ کے اصحاب و اہلِ بیتؑ کے نوجوانوں کے بارے میں ذرہ برابر ذلت و حقارت و غربت اور کسمپرسی کا احساس نہ ہو کیونکہ یہ نفوسِ قدسیہ تھے۔ ان کی معمولی ترین نکتے پر بھی نگاہ تھی۔ اُنھوں نے اپنی خودداری کو اس طرح قائم کر رکھا تھا۔ کیا آپؑ سے ممکن تھا کہ معمولی سے پانی کے لیے ان کے سامنے جھک کر سوال کرتے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی دے دیجیے۔ اگر آپؑ نے کسی مقام پر کہا ہے کہ معصوم اور کمسن کے لیے ایک قطرۂ آب دے دیجیے تو یہ صرف اتمامِ حجت کے لیے تھا۔
- اس حدیث سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ انسان اگر اپنی زندگی کے بدترین حالات میں بھی ہو تو پھر بھی مایوسی کا مظاہرہ نہ کرے اور اپنی زندگی کی حفاظت کرے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام عاشور کے دن یقینِ کامل کی منزل پر تھے کہ اُنھوں نے ابھی شہید ہو جانا ہے لیکن پھر بھی آپؑ نے اپنی زندگی کو اور اپنے جسمِ اقدس کو اسی طرح رکھا جس طرح کہ آپؑ کا معمول تھا۔ آپؑ نے اپنی وضع قطع میں ذرہ برابر کمی نہ ہونے دی۔ کیونکہ آپؑ جہاں بنوہاشم کے سردار تھے، وہاں حکومتِ الٰہیہ کے حکمران بھی تھے اور امامِ زمان تھے۔ اُدھر مقابلہ ایک ظالم و جابر و مغرور حاکم سے تھا اس لیے آپؑ نے اپنے ہمہ قیمتی معمولات کو ان سخت ترین حالات میں بھی ویسے رکھا جیسے کہ حالات کا تقاضا تھا۔
- میدانِ کربلا میں امام علیہ السلام نے بعض لوگوں کی طرح تزہد (زہد کا اظہار) اور پارسا نمائی نہیں فرمائی۔ آپؑ نے اپنا ظاہر اور باطن ایک جیسا رکھا۔

پوشیدہ رہے کیونکہ آپؑ یزیدی فوج کے ذہن کو پڑھ چکے تھے کہ جہاں وہ ظالم اور ستم پیشہ ہیں وہاں بڑے لٹیرے، غاصب اور مالِ غنیمت پر گزارا کرنے والے بھی ہیں۔

آپؑ کی درخواست پر ایک ایسا لباس لایا گیا جو کوتاہ تھا۔ آپؑ نے اُسے قبول نہ فرمایا کہ یہ لباس میری شان کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے پھر ایک اور لباس لایا گیا جو پرانا لباس تھا۔ آپؑ نے اسے چند مقامات سے پھاڑ دیا اور اُسے اپنے لباس کے نیچے زیب تن فرمایا۔ آپؑ نے سیاہ رنگ کی شلوار منگوائی۔ اُسے بھی بعض جگہوں سے پارہ پارہ کیا اور پھر پہنا۔ یہ انتظام آپؑ نے اس لیے فرمایا کہ آپؑ کا مقدس جسم پوشیدہ رہے۔ ①

شہزادۂ علی اصغرؑ کی شہادت

جب امام علیہ السلام اپنے خیمہ میں تشریف فرما تھے تو آپؑ نے فرمایا کہ علی اصغرؑ کو میرے پاس لایا جائے تا کہ ان سے وداع کر لوں۔

عقیلۂ قریش جناب زینب عالیہؑ نے جناب علی اصغرؑ (جناب عبداللہ) ② کو ان کی والدہ جناب ربابؑ کے حوالے کیا۔ جناب ربابؑ اپنے شہزادے علی اصغرؑ کو ان کے بابا مظلوم کے پاس لے آئیں تو آپؑ نے بچے کو اپنے دامن پر لیا اور بوسہ دیا اور فرمایا:

بُعداً لِهٰؤُلَاءِ الْقَومِ اِذَا کَانَ جَدُّکَ الْمُصْطَفٰی خَصْمَهُمْ

"یہ ظالم لوگ اللہ کی رحمت سے دُور ہوں۔ ہائے ان لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب بارگاہِ خداوندی میں تیرا نانا ان کا دشمن ہوگا"۔ (مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۳۲ و بحار: ج ۴۵)

آپؑ نے اس طفلِ خوار کو اپنی گود میں لیا اور میدان میں اہلِ کوفہ کے قریب آئے اور

---

① مناقب شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۲۔ بحار: ج ۴۵، ص ۵۴۔ مجمع الزوائد ابن حجر ہیثمی: ج ۹، ص ۱۹۳۔ لہوف و تاریخ طبری: ج ۷، مطبوعہ لندن۔

② ابن شہر آشوب نے مناقب: ج ۲، ص ۲۲۲۔ آپؑ کے اسی فرزند "عبداللہ" سے مراد حضرت علی اصغرؑ ہیں۔ جناب سید بن طاؤس نے اقبال میں جو زیارتِ عاشور نقل کی ہے اس میں یہ لفظ نقل کیے: صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ وَعَلَیْهِمْ وَعَلٰی وَلَدِكَ عَلِیِّ الْاَصْغَرِ الَّذِی فُجِعْتَ بِهٖ۔

اس بچے کے لیے پانی طلب فرمایا۔ ابھی بچہ اپنے بابا کی گود میں تھا کہ حرملہ بن کاہل اسدی نے اس بچے کو اپنے تیر کا ہدف بنایا جس سے بچہ شہید ہوگیا۔ جوں ہی علی اصغرؑ کے نازنین گلے سے خون بہا تو امام علیہ السلام نے اس خونِ ناحق کو اپنے ہاتھوں پر لیا اور آسمان کے حوالے کیا۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ایک قطرہ خون بھی واپس زمین کی طرف نہ آیا۔ ①

انھی حالات کے پیش نظر حضرت امام زمانؑ نے فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلٰی عَبْدِ اللّٰهِ الرَّضِيْعِ ، الْمَرْمِيِّ الصَّرِيْعِ ، اَلْمُتَشَحِّطِ دَمًا وَالْمُصَعَّدِ بِدَمِهِ اِلَى السَّمَاءِ الْمَذْبُوْحِ بِالسَّهْمِ فِيْ حُجْرِ أَبِيْهِ، لَعَنَ اللّٰهُ رَامِيَهُ ، حُرْمَلَةَ بْنَ كَاهِلِ الْأَسَدِيِّ وَذَوِيْهِ

"میرا سلام ہو اس شیر خوار عبداللہ رضیع پر جسے خاک و خون میں غلطاں کردیا گیا۔ اس کا خون آسمان کی طرف بلند کیا گیا جسے اپنے بابا کی گود میں تیر سے ذبح کردیا گیا۔ اللہ اس تیر مارنے والے اور اس کے ساتھیوں پر لعنت کرے"۔ (لہوف سیّد ابن طاؤس: ص ۶۶)

اس کے بعد امام علیہ السلام فرمایا: هَوَّنَ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِيْ اَنَّهُ بِعَيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى "یہ مصیبت مجھ پر آسان ہے کیونکہ میرا خدا اسے خود دیکھ رہا ہے"۔

آپؑ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ لَا يَكُوْنُ أَهْوَنَ عَلَيْكَ مِنْ فَصِيْلٍ اِلٰهِيْ اِنْ كُنْتَ حَبَسْتَ عَنَّا النَّصْرَ فَاجْعَلْهُ لِمَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَانْتَقِمْ لَنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ②

---

① مثیر الاحزان: ص ۳۶ و لہوف۔ یہی روایت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی گئی ہے لیکن ابن کثیر نے کتاب البدایہ: ج ۸، ص ۱۸۴ اور اخبار الاول، ص ۱۰۸ و مقتلِ خوارزمی، ج ۲، ص ۳۲۔ امام علیہ السلام نے دو مشت علی اصغرؑ کے خون سے پر کیں اور آسمان کی طرف پھینکیں۔ انھوں نے نہیں لکھا کہ خون واپس زمین پر نہیں آیا۔ پھر ابن کثیر نے اضافہ کیا ہے کہ بنی اسد کا ایک آدمی جس کا نام ابن موقر النار تھا۔ اس نے علی اصغرؑ کو اپنے تیر سے شہید کیا

② مثیر الاحزان ابن نما: ص ۲۶ و مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۲۔ لیکن مقتلِ خوارزمی میں یہ جملہ ہے: اَللّٰهُمَّ لَا يَكُوْنُ أَهْوَنَ عَلَيْكَ مِنْ فَصِيْلٍ۔

"خدایا! اگر آپؐ نے اس دنیا میں ہماری نصرت روک دی ہے تو پھر آخرت میں اس سے بہتر ہماری مدد فرمانا اور ان ستم پیشہ افراد سے انتقام لے کیونکہ میرا یہ طفلِ صغیر عزت و عظمت میں ناقۂ صالح سے کم نہیں ہے"۔

وَاجعَل مَا حَلَّ بِنَا فِي العَاجِلِ ذَخِيرَةً لَنَا فِي الآجِلِ

"یہ مصیبت جو ہم پر اس دنیا میں آئی ہے اسے ہمارے لیے آخرت کے لیے زادِراہ قرار دے"۔

اَللّٰھُمَّ اَنتَ الشَّاهِدُ عَلٰی قَومٍ قُتِلُوا اَشبَهَ النَّاسِ بِرَسُولِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ (منتخب طریحی: ص ۳۱۳)

"خداوندا! تو گواہ ہے کہ ان لوگوں نے اُسے قتل کیا ہے جو تیرے نبیؐ کی شبیہ تھا"۔ (تظلم الزہراء: ص ۱۲۲)

اسی حالت میں آپؑ نے حضرت علی اصغرؑ کا خون آسمان کی طرف پھینکا تو عالمِ غیب سے آواز آئی: دَعهُ يَا حُسَينُ! فَاِنَّ لَهُ مُرضِعًا فِي الجَنَّةِ "اے حسینؑ! علی اصغرؑ کو آنے دیجیے۔ بہشت میں دائی ان کا انتظار کر رہی ہے"۔ ①

جب امام علیہ السلام نے غیب سے یہ آواز سنی تو گھوڑے سے اُترے اور تلوار کی نوک سے

---

① تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی: ص ۱۴۴ اور محمد بن طلحہ کتاب المسؤال میں لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کی گود میں بچے کو قتل کر دیا گیا۔ فَرَمَّلَهُ بِدَمِهٖ وَحَفَرَ لَهُ بِسَيفِهٖ وَصَلّٰى عَلَيهِ وَدَفَنَهُ "ان کے خون سے اس کے گلے کو رنگین کیا اور اپنی تلوار سے قبر کھودی۔ پھر ان پر نماز پڑھی اور انھیں دفن کر دیا گیا"۔

قابلِ غور چند نکات:

- حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت علی اصغرؑ کا خونِ مقدس آسمان کی طرف کیوں بلند کیا؟ اور پھر ایک قطرۂ خون بھی واپس زمین کی طرف نہ آیا۔ شاید اس مسئلے کا راز یہ ہو کہ علی اصغرؑ کی عمر شریف چھے ماہ تھی۔ اس مظلوم کا خون نفیس ترین خون تھا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی مظلومیت کی محکم ترین سند تھی۔ اس لیے اس سند کی حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی تھا کہ اسے قیامت کے دن تک محفوظ رکھا جائے اور قیامت کے دن پیش کر دیا جائے کیونکہ زمین میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اس طرح اس خون کی حفاظت کرتی اس لیے اس خون کو آسمان کی طرف بھیج دیا گیا کہ اہلِ آسمان اس کی حفاظت کریں اور یہ بات ⇐

چھوٹی سی قبر بنائی، علی اصغرؑ پر نماز پڑھی اور ان کے خون سے ان کے گلے کو رنگین کیا اور پھر دفن کر دیا۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۲، احتجاج طبرسی: ص ۱۶۳، طبع نجف)

ایک شاعر کے شہزادہ علی اصغرؑ کی شہادت پر پُردرد اشعار ؎

⇦ بھی واضح ہو جائے کہ انسان جب درندگی پر آتا ہے تو وہ چھ ماہ کے بچے کو بھی تیرِ ستم کا نشانہ بنا کر اپنی بدنیاتی (ستم کاری) کا ثبوت دے دیتا ہے۔ (انہ ظلوم جهول)

● سوال یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے صرف شہزادہ علی اصغرؑ کا جنازہ پڑھا اور باقی شہداء کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ شاید اس کا جواب یہ ہو کہ باقی تمام شہدا بالغ و راشد تھے اور حضرت علی اصغرؑ کم سن تھے حالانکہ نمازِ جنازہ سات سال سے کم عمر بچے پر نہیں پڑھی جاتی یعنی واجب نہیں ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس لیے علی اصغرؑ کا جنازہ پڑھا کہ تمام دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اس بچے کی شہادت امام علیہ السلام کا ایک چھوٹا سا امتحان نہ تھا بلکہ امام علیہ السلام کا ایک بزرگ ترین امتحان تھا۔ بہ ظاہر علی اصغرؑ کم سن تھے لیکن حقیقت میں ان کی مصیبت، ہر مصیبت سے بڑھ کر تھی۔ جب امام علیہ السلام نے اپنے اس شہزادے کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا تو تمام انبیاءؑ، ملائکہ اور اولیاء نے امام علیہ السلام کی برداشت اور صبر پر تعجب کیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس آزمائش پر کس طرح پورے اُترے ہیں۔ اس لیے تو آپؑ نے اس موقع پر فرمایا: هَوَّنَ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِي، إِنَّهُ بِعَيْنِ اللّٰهِ تَعَالَى۔ اس لیے آپؑ نے اس شہزادے پر نماز پڑھی اور یہ بارگاہِ خداوندی میں آپ کا شکر و سپاس تھا کہ اس نے مجھے توفیق دی اور کامیابی حاصل کی، اَلصَّلٰوةُ قُرْبَانُ كُلِّ تَقِيٍّ۔

● حضرت امام حسین علیہ السلام نے علی اصغرؑ کے خون سے ان کے گلے کو کیوں رنگین کیا؟ شاید اس لیے کہ علی اصغرؑ تمام شہدا کے درمیان ایک امتیازی شان رکھتے ہیں اور ان کی مظلومیت بھی سب سے زیادہ ہے اس لیے امام علیہ السلام نے ان کا خون ان کے گلے پر مَل دیا تاکہ قیامت کے دن دوسروں سے ممتاز نظر آئیں اور اپنے نانا کی اُمت کی شفاعت کا ذریعہ بنیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپؑ نے علی اصغرؑ کو کیوں دفن کیا؟ آپؑ نے کسی اور شہید کو دفن کیوں نہ کیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ باقی شہدا کے دفن کرنے کا آپؑ کے پاس وقت نہیں تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح کہا گیا ہے کہ حضرت علی اصغرؑ کی شہادت دوسرے شہدا سے ہر جہت سے ممتاز تھی۔ اسی امتیاز کی بنا پر امام علیہ السلام نے انھیں دفن کیا۔

بعض علما نے اس امر کی یوں تعبیر کی ہے کہ علی اصغرؑ امام علیہ السلام کی گود میں اس طرح تھے جیسے قرآن ہو۔ امامؑ نہیں چاہتے تھے کہ اس قرآن کو زمین پر رکھ دیں اور یہ ورق ورق ہو کر اِدھر اُدھر بکھر جائے۔ ⇦

لَهفِي عَلىٰ أَبِيهِ إِذْ رَآهُ   غَارَت لِشِدَّةِ الظَّمَا عَيْنَاهُ
وَلَمْ يَجِدْ شَرْبَةَ مَاءٍ لِلصَّبِيِّ   فَسَاقَةُ التَّقْدِيرِ نَحْوَ الطَّلَبِ
وَهُوَ عَلىٰ الرَّأيِ أَعْظَمُ الْكَرْبِ   فَكَيْفَ بِالْحِرْمَانِ مِن بَعْدِ الطَّلَبِ
مِن دَمِهِ الزَّاكِي رَمىٰ نَحْوَ السَّمَاءِ   فَمَا أَجَلَّ لُطْفَهُ وَأَعْظَمَا
لَو كَانَ لَم يَرْمِ بِهِ إِلَيْهَا   لَسَاخَتِ الْأَرْضُ بِمَنْ عَلَيْهَا
فَاحمَرَّتِ السَّمَاءُ مِن فَيْضِ دَمَا   وَيْلٌ مِنَ اللهِ لَهُم مِن نَقمِهِ
وَكَيْفَ حَالَ أُمِّهِ حَيْثُ تَرىٰ   رَضِيعَهَا جَرىٰ عَلَيْهِ مَا جَرىٰ
غَادَرَهَا كَالدُّرَّةِ الْبَيْضَاءِ   وَعَادَ كَالْيَاقُوتَةِ الْحَمْرَاءِ
جَنَّت عَلَيْهِ جَنَّةُ الْفَصِيلِ   بَكَتْهُ بِالْإِشْرَاقِ وَالْأَصِيلِ
لَهفِي لَهَا إِذْ تَندُبُ الرَّضِيعَا   نَدبًا يُحَاكِي قَلْبُهَا الْوَجِيعَا
تَقُولُ يَا بُنَيَّ يَا مُؤَمِّلِي   يَا مُنْتَهىٰ قَصْدِي وَأَقْصىٰ أَمَلِي
جَفَّ الرِّضَاعُ حِينَ عَزَّ الْمَاءِ   أَصبَحتَ لَا مَاءَ وَلَا كَلَاءَ
فَسَاقَكَ الظَّمَا إِلىٰ رَيِّ الرَّدىٰ   كَأَنَّمَا رَبُّكَ فِي سَهمِ الْعِدىٰ
يَا مَاءَ عَيْنِي وَحَيَاةَ قَلْبِي   مَن لِبَلَائِي وَعَظِيمِ كَرْبِي
رَجَوتُ أَن تَكُونَ لِي نِعمَ الْخَلَف   وَسَلْوَةٌ لِي عَن مُصَابِي بِالسَّلَفِ
مَا خِلْتُ أَنَّ السَّهْمَ لِلْفِطَامِ   حَتّٰى أَرَتنِي جَهْرَةً أَيَّامِي

⇦ تیسری بات یہ ہے کہ حضرت علی اصغرؑ وہ مظلوم ہیں جنھوں نے نہ جنگ کی اور نہ اپنا دفاع کیا۔ اس اعتبار سے آپؑ میدان کربلا کے سب سے بڑے مظلوم ہیں۔ جب اہل بیتؑ کو قیدی بنا کر ادھر سے گزارا جائے اور معصوم بچے کا لاشہ زمین پر پڑا ہو تو خواتین اہل بیتؑ اس دل خراش منظر کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکیں گی کیونکہ یہ مصیبت اتنی بڑی مصیبت تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اس مظلوم ولی کو تسلی دینی پڑی کہ آپؑ نے عالم غیب سے سنا تھا: دَعْهُ يَا حُسَيْنُ فَإِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ"

اس جملے سے اس بات کا بھی استفادہ ہوتا ہے کہ جس وقت علی اصغرؑ اپنے بابا کے بغل میں تھے تو اس وقت دشمن کا تیر آیا اور ان کے نازک گلے میں پیوست ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے حیرت و پریشانی سے اس طرف دیکھا تو غیب سے آواز آئی: إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ۔ اسی جملے نے حضرت پیغمبر خداؐ کے لیے ⇦

"کتنا درد ہے اس کے والد مہربان کے دل میں کہ اس کے نونہال کے لیے پانی کی چند بوندیں نہیں ہیں۔ جب انھوں نے ان کے چہرے پر نگاہ کی تو سخت پیاس کی وجہ سے بچے کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ آخر مظلوم باپؑ کو اپنے اس مظلوم بیٹےؑ کے لیے پانی کا مطالبہ کرنا پڑا۔ مظلوم باپؑ کے لیے یہ وقت بہت سخت تھا۔ آخر ظالم کے تیر نے اپنا کام کر دکھایا اور بچہ باپ کی گود میں شہید ہوگیا۔ امام علیہ السلام نے اس پاکیزہ خون کو آسمان کی طرف پھینکا کیوں کہ یہ خون کوئی معمولی خون نہیں تھا۔ اگر یہ خون زمین پر آتا تو زمین دھنس جاتی اور کچھ باقی نہ رہتا۔ اس کے خون سے آسمان سرخ ہوگیا۔ جنھوں نے اس بچے کو شہید کیا ان پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے۔

جب اس شیر خوار شہید کی مظلومہ والدہؑ نے اپنے شہزادے کو دیکھا ہوگا تو اس پر تو قیامت گزر گئی ہوگی۔ جب اس نے اپنے شہزادے کو میدان کی طرف بھیجا تھا تو وہ چودھویں کا چاند تھا یا دمکتا ہوا موتی تھا۔ جب واپس آیا تو کیا کہوں سرخ یاقوت تھا۔ اس کی ماں اس پر جتنا رو سکتی تھی، روئی۔ وہ صرف نہیں روئی بلکہ اس کے شہزادےؑ کی مظلومیت پر کائنات روئی تھی۔

ہائے افسوس! اس کی والدہ کے لیے جب اس نے اپنے اس شیر خوار پر نُدبہ کیا۔ وہ اُسے کہتی تھی: اے میرے بیٹے! اے میری اُمیدوں کے مرکز! تُو کہاں چلا گیا ہے؟ جب خیام میں پانی نہ آسکا تو ماں کا دودھ خشک ہوگیا تھا۔ ان کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ اس پیاسے جان بلب شیر خوار کو پانی کے بدلے تیر ملا جس نے بچے سے ماں کا دودھ چھڑا دیا۔

---

① تسلی و تشفی کا سامان کیا تھا کہ جب آپؐ کے فرزند حضرت ابراہیمؑ کی وفات ہوئی تھی۔ آپؐ کے لیے آسمان سے بھی آواز آئی تھی: إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ ۔ (الاصابہ: ج۱،ص ۹۳۔ استیعاب: ج۱،ص ۳۵۔ وتہذیب الاسماء نووی: ج۱،ص ۱۰۲۔ شرح المواہب اللدنیہ زرقانی: ج۳،ص ۲۱۴)

وہ اس وقت بین کر رہی تھی: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اے میری زندگی! تیری مصیبت عظیم ہے۔ میری تو تجھ پر اُمیدیں تھیں کہ تُو میرا آسرا و سہارا بنے گا۔ صرف ایک تیر نے تیرا دودھ پینا چھڑا دیا"۔

اب امام علیہ السلام کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا چکا تھا، اپنی تلوار کو نیام سے کھینچا اور میدانِ جنگ میں آئے اور مبارزہ طلبی کی۔ جو بھی آپؑ کے مقابلے میں آیا وہ راہی راہِ جہنم ہوا۔ اس دوران میں آپؑ نے کثرت کے ساتھ دشمنوں کو قتل کیا۔[1] پھر آپؑ نے لشکرِ اشقیاء کے میمنہ پر حملہ کیا اور یہ رجز پڑھا:

اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ
وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

"ایسی موت جو ننگ و عار سے بچالے وہ عزت کا کوہِ گراں رکھتی ہے۔ وہ موت جو ظاہراً ذلّت کے ساتھ ہو اس زندگی سے بہتر ہے جو جہنم کا ایندھن بننے والی ہو"۔ (البیان والتبیین جاحظ: ج ۳، ص ۱۶۱)

پھر آپؑ نے دشمن کے لشکر کے میسرہ پر حملہ کیا اور یہ رجز پڑھا:

اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیْ
آلَیْتُ اَنْ لَا اَنْثَنِیْ
اَحْمِیْ عَیَالَاتِ اَبِیْ
اَمْضِیْ عَلٰی دِیْنِ النَّبِیْ

"میں حسینؑ ابن علیؑ ہوں۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں ہرگز دشمن کے آگے سر نہ جھکاؤں گا۔ میں اپنے والد کے اہلِ بیتؑ کی حفاظت کروں گا اور اللہ کے نبیؐ کے دین پر اپنی جان قربان کردوں گا"۔ (مناقب شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۳)

---

[1] مقتل العوالم: ص ۹۷ و مثیر الاحزان ابن نما: ص ۳۷۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۳

فرزندِ حیدرِ کرّار کی جنگ کا نقشہ

عبداللہ بن عمار بن عبد یغوث کا بیان ہے کہ مَیں کربلا میں موجود تھا اور مَیں فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کے آخری احوال کا شاہد ہوں۔ میری آپؑ پر مسلسل نگاہ تھی۔ آپؑ پر سارا دن جتنے مصائب نازل ہوئے میں دیکھتا رہا۔ آپؑ نے سارا دن اپنے اصحاب اور جوانوں کو خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا اور انھیں بڑی بے دردی سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپؑ پر حزن و غم کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ جب میری نگاہ ان پر پڑتی تو آپؑ میری نظر میں اس طرح دکھائی دیتے، جیسے نہ آپؑ کسی طوفان سے گزرے ہیں اور نہ ہی آپؑ کسی مصیبت و آلام سے دوچار ہوئے ہیں۔ آپؑ میں مغلوبیت، حیرانی و پریشانی اور تنہائی و بے کسی کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ آپؑ کو دشمنوں نے اس طرح گھیر رکھا تھا، جس طرح نگینہ انگشتری میں بند اور گھرا ہوا ہوتا ہے۔ باوجود ان تمام حالات کے آپؑ جیسا متین، خوددار، مطمئن اور بے خوف انسان مَیں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ جوں جوں مصائب کی آندھیاں آپؑ پر تیز تر ہو رہی تھیں، اسی قدر آپؑ میں ثباتِ قلب، ثابت قدمی اور شجاعت بڑھ رہی تھی۔ کسی سورما کو آپؑ کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب بھی کوئی لشکر آپؑ کے سامنے آتا اور آپؑ حملہ آور ہوتے تو اس طرح بھاگتا ہوا نظر آتا جس طرح بپھرے ہوئے شیر کے سامنے بھیڑوں کا ریوڑ بھاگتا ہے۔ (طبری: ج ۷، ص ۳۶۴)

امام علیہ السلام مسلسل تین دن کے پیاسے تھے، کون سا درد تھا جو آپؑ کے جگر کو پاش پاش نہ کر رہا تھا جب کہ کوئی لشکر تازہ دم تھا۔ ہر طرف قاتل ہی قاتل تھے، جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے، ننگی تلواریں تھیں اور تیروں کی برسات بھی آپؑ پر ہو رہی تھی۔ جہاں آپؑ کی نگاہ دشمن کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر پر پڑتی تو اُدھر آپؑ کی نگاہ خیام میں بیٹھی ہوئی اپنی بہنوں، بیٹیوں اور رسول اللہؐ کی شہزادیوںؑ پر جاتی کہ ان کا کیا حال ہے۔

آپؑ نفسِ مطمئنہ کی منزل پر تھے۔ آپؑ اپنے عزم میں بے کراں سمندر کی طرح موج زن تھے اور ان طوفانوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے مانند تھے۔ آپؑ کے ہاتھ میں وہ تلوار شرر بار تھی، جس نے بدر و اُحد اور خیبر و خندق میں کفار و مشرکین کے وڈیروں

کی کھوپڑیاں فضا میں اُچھالی تھیں۔

جب عمر ابن سعد لعین نے حیدرِ کرّار کے کرّار فرزندؑ کی شجاعت اور جوش و خروش کو دیکھا کہ اس کرّار کے سامنے ہمہ وقت اس کی فوج فرار ہوا چاہتی ہے تو اس نے اپنی شیطانی آواز بلند کی: اے میری فوج! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ تمھارے سامنے جو جنگ کے لیے آیا ہے یہ کس کا فرزند ہے؟ یہ حیدرِ کرّار کا فرزند ہے جس کا نام سن کر سارا عرب کانپ جاتا تھا۔ جب بھی وہ میدان میں اُترتا تھا تو اس نے کبھی کسی سے شکست نہ کھائی تھی؟ تمھارے اندر کوئی ایسا مائی کا لال نہیں ہے جو اس کے سامنے تنہا جائے اور بچ کر واپس آئے۔ (اس کے بعد عمر ابن سعد نے کہا کہ) ہر طرف سے اس پر حملہ کردو اور ساری فوج میدان میں آجائے اور اس سے جنگ شروع کردے۔ عمر ابن سعد کے اس حکم پر چار ہزار ماہر تیراندازوں نے زمین پر اپنے گھٹنے ٹیک کر مظلوم امامؑ اور خیامِ حسینیؑ پر تیر بارانی شروع کردی۔ (مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۲۳)

جب فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ان کی یہ بزدلانہ حرکت دیکھی تو آپؑ نے کوفی سپاہ کو آواز دی:

> يَا شِيْعَةَ آلِ أَبِي سُفْيَانَ إِن لَّمْ يَكُنْ لَكُمْ دِينٌ وَكُنتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الْمَعَادَ، فَكُونُوْا أَحرَاراً فِي دُنْيَاكُمْ وَارجِعُوا إِلَى إِحسَابِكُمْ إِن كُنْتُمْ عَرَبًا كَمَا تَزْعُمُوْنَ
>
> ”اے پیروانِ ابوسفیان! اگر تمھارا کوئی دین نہیں ہے اور تمھیں قیامت کے دن کا کوئی خوف نہیں ہے تو کم از کم اپنی عربیت کا ثبوت تو دو۔ حالانکہ تم لوگ اپنے آپ کو عرب اور صاحبِ غیرت سمجھتے ہو“۔

جب شمر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی ملکوتی صدا سنی تو کہنے لگا: اے فرزندِ فاطمہؑ! تُو کیا کہنا چاہتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: میں تم سے جنگ کر رہا ہوں اور تم مجھ سے، ان خواتین کا کیا قصور ہے؟ جو ان پر بھی تیر بارانی ہو رہی ہے۔ اپنے ان دیوانوں، گستاخوں اور بے حیاؤں کو روکو کہ

جب تک میں زندہ ہوں میرے اہلِ بیتؑ سے متعرض نہ ہوں۔

شمر نے آپؑ کا یہ مطالبہ منظور کرتے ہوئے اپنی فوج کو حکم دیا کہ خیام کا محاصرہ چھوڑ کر صرف حسینؑ کو ہدف بناؤ۔

اب تنہا اور فرد فرید حسینؑ ابن علیؑ میدانِ جنگ میں تھے۔ ہزاروں کا لشکر تھا جو ہر طرف سے آپؑ پر حملہ آور تھے۔ بلا کی گرمی تھی، شدت کی گرمی اور پیاس نے امام علیہ السلام کو نڈھال کر رکھا تھا۔

اسی حال میں امام علیہ السلام نے دریائے فرات کا رُخ کیا لیکن عمرو بن حجاج چار ہزار کے لشکر کے ساتھ دریائے فرات پر مامور تھا۔ جب اس کی فوج نے امام علیہ السلام کو دریا کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حملے کے لیے تیار ہوگئی۔ لیکن جب امام علیہ السلام نے حملہ کیا تو کوئی فوجوں کے دستوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا اور سب نے فرار ہونے میں جان کی امان سمجھی۔ جب یہ لشکر پراگندہ ہوا تو آپؑ نے اپنے گھوڑے کو دریا کے گھاٹ پر اُتارا۔

چونکہ امام علیہ السلام کا گھوڑا پیاسا تھا۔ گھوڑے نے اپنا منہ پانی کی طرف کیا کہ پانی پیئے تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

اَنْتَ عَطْشَانٌ وَاَنَا عَطْشَانٌ فَلَا اَشْرَبُ حَتّٰى تَشْرَبْ

''اے گھوڑے! تُو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں جب تک تُو پانی نہیں پیئے گا میں بھی نہیں پیوں گا''۔

گھوڑے نے امام علیہ السلام کا فرمان سمجھ لیا، اپنا سر بلند کیا اور اس انتظار میں رہا کہ امام علیہ السلام پانی پئیں۔ امام علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں کو پانی میں ڈالا کہ پانی پئیں، کسی کوئی فوجی نے آواز بلند کی: اَتَلْتَذُّ بِالْمَاءِ وَقَدْ هُتِكَتْ حَرَمُكَ ''اے حسینؑ! تُو پانی پینے کی لذتوں میں مصروف ہے، اُدھر آپؑ کے خیام پر حملہ ہوگیا ہے''۔

جب امام علیہ السلام نے یہ آواز سنی تو پانی کو ہاتھوں سے گرا دیا۔ آپؑ بھرے ہوئے دریا سے پیاسے باہر نکل آئے اور خیام کی طرف حرکت فرمائی۔ راستے میں جو فوج کھڑی تھی، ان کو

پراگندہ کرنے کے لیے ان پر حملہ کرتے ہوئے اپنے خیام میں پہنچے۔ [1] (بحار: ج ۴۵، ص ۵۱۔ مقتل العوالم: ص ۹۸۔ نفس المہموم: ص ۱۸۸۔ خصائص الحسینیہ: ص ۴۶ و خصائص الحیوانات)

امام علیہ السلام کا مخدراتِ عصمت و طہارت سے دوسری مرتبہ وداع

جب فرزندِ رسولؐ واپس اپنے خیام میں پہنچے اور اپنے اہلِ بیتؑ کو عافیت کے ساتھ پایا تو انھیں وداع کیا، ان سے خدا حافظی کی اور سبھی کو صبر و تحمل کی وصیت کی۔ اسی دفعہ آپؑ نے لباس تبدیل کیا اور اپنے اہلِ بیتؑ سے یوں خطاب فرمایا:

---

[1] جنابِ مقرم فرماتے ہیں کہ نہ امام علیہ السلام کے گھوڑے نے پانی پیا تھا اور نہ ہی امامؑ نے کیونکہ ایک کوفی مکار نے آواز بلند کی تھی کہ آپؑ پانی پی رہے ہیں، اُدھر آپؑ کے خیام پر حملہ ہو چکا ہے۔ امام علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا؟

خود علامہ مقرم فرماتے ہیں کہ میں اس روایت کو درست مانتا ہوں کہ آپؑ نے پانی نہیں پیا تھا اور آپؑ کے گھوڑے نے بھی حالانکہ امام علیہ السلام خوب جانتے تھے کہ جس آدمی نے آواز بلند کی ہے یہ اس کی ایک مکارانہ چال ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ روزِ عاشور کی کچھ خصوصیات تھیں کہ آپؑ کے تمام اصحاب اور اہلِ بیتؑ کے جوان اور خود ان کی اپنی ذات نے تشنگی کی صورت میں منزلِ شہادت پر پہنچنا تھا۔ یہ باتیں ہمارے ادراک سے باہر ہیں کیونکہ امام علیہ السلام اپنے افعال و اقوال میں خود حکیم تھے۔ آپؑ نے میدانِ کربلا میں جو کچھ کیا یا جو کچھ سلوک آپؑ سے کیا گیا آپؑ کو معلوم تھا۔ آپؑ کے نانا رسول اللہؐ نے انھیں بتا دیا تھا کہ آپؑ کے ساتھ اس طرح میری اُمت کا سلوک ہوگا جو احادیث کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ باقی رہے روزِ عاشور کی مشکلات و مصائب اور اس کے مسائل تو ان میں جو اسرار و رموز ہیں انھیں خالقِ کائنات خود ہی بہتر جانتا ہے۔

البتہ ایک نکتہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ عرب اپنی خواتین اور بچوں کی حفاظت کے معاملے میں بہت حساس تھے اور ان کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک بھی قربان کر دیتے تھے۔ چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام خود سید العرب اور سید العرب کے فرزند تھے۔ اس لیے جب آپؑ نے یہ سنا کہ دشمن نے خیام پر حملہ کر دیا ہے تو اس وقت بھی امام علیہ السلام نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا حالانکہ آپؑ کو معلوم تھا کہ خیام پر حملہ نہیں ہوا لیکن آپؑ نے پانی پینا اس لیے ترک کر دیا تھا تاکہ کسی منافق کو یہ جرأت نہ ہو کہ امام علیہ السلام عربی مردانگی اور غیرت نہیں رکھتے تھے اور پانی پیتے رہے اس لیے فوراً امامؑ نے اپنے حرم اور خیام کی حفاظت کے لیے دریا کو چھوڑ دیا تھا۔

إِسْتَعِدُّوا لِلْبَلَاءِ ، وَاعْلَمُوا اَنَّ اللهَ تَعَالَىٰ حَامِيكُمْ وَحَافِظُكُمْ وَسَيُنْجِيكُمْ مِن شَرِّ الْأَعْدَاءِ، وَيَجْعَلُ عَاقِبَةَ أَمْرِكُمْ إِلَى الْخَيْرِ ، وَيُعَذِّبُ عَدُوَّكُمْ بِأَنْوَاعِ الْعَذَابِ ، وَيُعَوِّضُكُمْ عَن هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ بِأَنْوَاعِ النِّعَمِ وَالْكَرَامَةِ ، فَلَا تَشْكُوا وَلَا تَقُولُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ مَا يَنْقُصُ مِن قَدْرِكُمْ (جلاء العیون علامہ مجلسی مرحوم)

"مصائب و مشکلات کے ایام کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یاد رکھو! اللہ تمہارا حامی اور محافظ ہے۔ وہی بہت جلد تمھیں دشمنوں کے شر سے نجات دلائے گا اور تمہارا انجام عافیت سے ہمکنار فرمائے گا اور تمہارے دشمنوں کو بدترین عذاب میں مبتلا کرے گا اور جو رنج و مصائب تم اُٹھاؤ گے اس کے بدلے اللہ تمھیں بیش بہا نعمتیں اور کرامتیں عطا فرمائے گا۔ لہٰذا نہ گلہ وشکوہ کرنا اور نہ ہی کوئی ایسی بات زبان پر لانا جس سے تمہاری قدر ومنزلت کم ہو"۔

یہ سچ ہے کہ اگر کہا جائے کہ یہ وداع و فراق ایک معمولی مصیبت نہ تھی بلکہ ایک عظیم مصیبت تھی تو سردارِ کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام خود موجود تھے اور ان کے سامنے تھے۔ خواتین اہلِ بیتؑ اپنے آخری سہارے کو دیکھ رہی تھیں کہ اب ان کی جدائی اور مصائب کا حقیقی آغاز ہے کہ ان کے جانے کے بعد اور ان کی شہادت کے بعد ان کے اجتماع کا مرکز ومحور نابود ہو جائے گا۔ وہ کدھر جائیں گی، ان کا پشت پناہ کون ہوگا اور ان کا پناہ دہندہ کون ہوگا؟ تو اس عظیم مصیبت نے سب کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ تمام خواتین آپؑ کے اردگرد اکٹھی ہو گئیں۔ چھوٹے بچے آپؑ سے لپٹ جاتے اور کہتے تھے کہ انھیں کسی جائے امن کی طرف لے جائیں جنھیں پیاس نے جان بہ لب کر رکھا تھا اور وہ پانی کا تقاضا کرتے تھے؟!

اب آپؑ بتائیں جب ماحول اس طرح کا ہو تو غیرت مندوں پر کیا گزرتی ہے کہ اب وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ امام حسین علیہ السلام کے لیے یہ وداع ایک بہت بڑی مصیبت تھی کیونکہ آپؑ کے سامنے عصمت وطہارت کی بیٹیاں موجود تھیں۔ وہ رسولؐ اللہ کے گھر کی شہزادیاںؑ تھیں۔ انھوں نے اپنے گھر میں عزت و جاہ و جلال و بزرگواری و احترام کو دیکھا تھا کہ وہ

پردہ دار بیبیاں ہیں۔ فرزندِ رسولؐ کے جانے کے بعد ان پر کیا گزرے گی۔ سب آپؑ کے اردگرد برہنہ پا، پریشان بال اور جاں سوز فریادیں بلند کر رہی تھیں کہ جنھیں پتھر دل سن کر بھی آب آب ہو جائے۔ کچھ ہی دیر بعد امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس خشک و دل سوز بیابان میں ستم پیشہ دشمن کے مظالم اور لوٹ مار سے وہ اِدھر اُدھر بھاگیں گی۔ اس وقت ان کا سہارا صرف بیمارِ کربلا ہوں گے جو بسترِ بیماری پر ہوں گے۔ ان کے علاوہ ان کا کوئی پشت بان نہیں ہوگا۔

فَلَو اَنَّ اَيُّوبًا رَأَى بَعضَ مَا رَأَى

لَقَالَ بَلٰى هٰذِهِ العَظِيمَةُ بَلوَاهُ

"کاش جنابِ ایوب نبیؑ میدانِ کربلا میں ہوتے اور کربلا کے مصائب کا کوئی ایک پہلو دیکھ لیتے تو پکار پکار کر کہتے: آزمائش ہے تو یہ ہے!"

عقیلۂ بنی ہاشم جنابِ زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا ان تمام مصائب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں کہ حبلِ نبوت شرفِ انقطاع میں ہے۔ منارِ شریعت خاموش ہونے والا ہے اور شجرۂ امامت پژمردگی اور افسردگی میں ہے۔

امام علیہ السلام کا حضرت سکینہ سلام اللہ علیہا سے وداع

جب خواتین اور بچوں نے امام علیہ السلام کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا تو اس دوران میں آپؑ اپنی بیٹی جنابِ سکینہ علیہا السلام کی طرف متوجہ ہوئے جو آپؑ سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھیں اور شدتِ گریہ سے ہم کنار تھیں۔ آپؑ ان کے نزدیک ہوئے، انھیں تسلی و تشفی دی اور صبر و شکیبائی کی تلقین کی۔ پھر آپؑ نے زبانِ حال سے فرمایا:

"عزیزۂ من! یہ میرا تمہارا آخری دیدار ہے۔ پھر آخرت کے دن حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی۔ اب میرے لیے رونا چھوڑ دو اور اپنی اسیری کی تیاری کرو۔ اب صبر و شکیبائی کو اختیار کیجیے۔ رونے کا وقت بہت پڑا ہے۔ جب تم میرے جنازے کو ٹکڑے ٹکڑے دیکھو گی اور مَیں اس وقت خاک و خون میں غلطاں ہوں گا"۔

عمر ابن سعد کا اپنی فوج کے لیے تازہ حکم

ابھی امام علیہ السلام اپنے اہلِ بیتؑ اور بچوں سے الوداعی کلمات ادا کر رہے تھے اور انھیں صبر و تحمل کی وصیت فرما رہے تھے کہ عمر ابن سعد نے اپنی فوج کو حکم دیا:

وَيحَكُمْ اهْجَمُوا عَلَيْهِ مَادَامَ مَشْغُولًا بِنَفْسِهٖ وَحَرَمِهٖ وَاللّٰهِ اِنْ فَرَغَ لَكُمْ لَا تُمْتَازُ مَيْمَنَتُكُمْ عَنْ مَيْسَرَتِكُمْ

"حسینؑ اپنے اہلِ بیتؑ میں مصروف ہیں، تم ان پر حملہ کر دو۔ خدا کی قسم! اگر وہ فارغ ہو گئے، تو پھر جب وہ تمھارے میمنہ پر حملہ کریں گے تو ان میں سے کوئی نہ بچے گا اور جب وہ تمھارے میسرہ پر حملہ کریں گے تو کسی کو نہیں چھوڑیں گے"۔

عمر ابن سعد کے حکم پر امام علیہ السلام پر تیروں کی برسات شروع کر دی گئی۔ اس تیر بارانی سے خیام بھی محفوظ نہ تھے۔ یہاں تک کہ تیر خیموں کی طنابوں کے درمیان اور پشتِ خیام تک جا پہنچے۔ عورتیں بھی زخمی ہوئیں۔ بیبیوں اور بچوں میں سراسیمگی اور وحشت پھیل گئی۔ انھوں نے خیموں میں پناہ لی لیکن ان کی نگاہیں حیدرِ کرارؑ کے مظلوم فرزند پر تھیں کہ وہ ان تیروں کی بارش میں کس حال میں ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کا امامؑ اور ان کا سردار تنِ تنہا بغیر کسی خوف و ہراس کے دشمن پر اس طرح حملہ آور ہے جس طرح بپھرا ہوا شیر اپنے شکار پر حملہ آور ہوتا ہے۔ آپؑ اپنی تلوار شرربار کے ساتھ دشمن کی صفوں کو اُلٹ پلٹ رہے تھے۔ آپؑ جس طرف رُخ کرتے دشمن کی الامان الامان کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔ چاروں طرف سے تیرون کا ہدف آپؑ کی ذات تھی۔ آپؑ ان تیروں کو اپنے سینے اور گلوئے مبارک پر لے رہے تھے۔ (مثیر الاحزان: آلِ صاحب جواہر قدس سرہٗ)

جب دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور میدانِ جنگ صاف ہو گیا تو امام علیہ السلام اپنے مرکز پر واپس آئے اور اپنی زبانِ مبارک پر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کا ذکر جاری کیا۔ کیونکہ آپؑ پر تشنگی کا شدت سے غلبہ تھا۔ (لہوف: ص ۶۷)

اس لیے اتمامِ حجت کے لیے تھوڑے سے پانی کا مطالبہ کیا۔ شمر نے گستاخانہ جواب دیا: لَاتَذُوقُہُ حَتّٰی تَرِدَ النَّارَ۔

ایک اور کوفی نے ازراہِ استہزاء امام علیہ السلام سے کہا:

یَاحُسَیْنَ لَا تَرَیٰ الفُرَاتَ کَاَنَّہٗ بُطُونَ الْحَیَاتِ؟ فَلَا تَشْرَبُ مِنْہُ حَتّٰی تَمُوتَ عَطَشًا

"اے حسینؑ! سامنے دریائے فرات ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اس کا پانی اس طرح درخشاں ہے جیسے مچھلی کا پیٹ۔ خدا کی قسم! تمھیں ہرگز پانی نہیں ملے گا اور تم اسی تشنگی میں موت سے ہمکنار ہو گے"۔

امام علیہ السلام نے اس پر نفرین فرماتے ہوئے کہا: اَللّٰھُمَّ اَمِتْہُ عَطَشًا "خداوندا! اسے پیاسا موت سے ہمکنار فرما"۔

امام علیہ السلام کی دعا قبول ہوئی اور اسے پیاس نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ پانی مانگتا تھا جب اُسے پانی ملتا اور وہ پیتا تو پانی اس کے منہ سے باہر نکل جاتا۔ پھر وہ پانی مانگتا کہ اُسے پانی پلاؤ وہ مرا جا رہا ہے۔ اسی حالت میں موت نے اُسے اپنا لقمہ بنایا۔ (مقاتل الطالبین ابی الفرج: طبع ایران، ص ۷۸)

امام علیہ السلام ابھی اُسی مقام پر تھے کہ ابوحتوف جُعفی نے آپؑ کی پیشانی اقدس پر تیر مارا۔ آپؑ نے اس تیر کو اپنے ہاتھ سے باہر کھینچا اور خون جاری ہوا جس سے آپؑ کا چہرہ اور محاسن شریف رنگین ہو گئے۔ اس وقت آپؑ نے بارگاہِ خداوندی میں دُعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَرٰی مَا اَنَا فِیْہِ مِن عِبَادِکَ ھٰؤُلَاءِ العُصَاۃِ، اَللّٰھُمَّ اَحْصِھُمْ عَدَدًا، وَاقْتُلْھُمْ بَدَدًا، وَلَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنْھُمْ اَحَدًا وَلَا تَغْفِرْ لَھُمْ اَبَدًا

"خداوندا! یہ تیرے باغی و نافرمان جس قدر مجھ پر مظالم ڈھا رہے ہیں وہ تو دیکھ رہا ہے۔ خداوندا! انھیں پراگندہ فرما، ان کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دے اور انھیں ذلت و خواری کی موت کے ذریعے واصلِ جہنم فرما۔

خداوندا! ان میں سے کسی کو اس دنیا میں نہ چھوڑ اور قیامت کے دن ہرگز ان کی شفاعت نہ فرما"۔

پھر آپؑ نے بلند آواز سے فرمایا:

يَا أُمَّةَ السُّوءِ! بِئْسَمَا خَلَفْتُم مُحَمَّدًا فِي عِتْرَتِهِ ، اَمَا اِنَّكُمْ لَا تَقْتُلُوْنَ رَجُلًا فَتَهَابُوْنَ قَتْلَهُ ، بَلْ يَهُوْنُ عَلَيْكُمْ ذٰلِكَ عِنْدَ قَتْلِكُمْ اِيَّایَ ، وَاَيْمُ اللهِ اِنِّي لَأَرْجُوا اَنْ يُكْرِمَنِي اللهُ بِالشَّهَادَةِ، ثُمَّ يَنْتَقِمُ لِي مِنكُمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَشْعُرُوْنَ

"اے بدترین اُمت! تم نے اپنے نبی ﷺ کی اولاد کے ساتھ، ان کے جانے کے بعد کتنا بدترین سلوک کیا۔ جان لیجیے! تم لوگ جسے قتل کرنا چاہتے ہو، وہ قتل ہونے سے ہرگز ڈرنے والا نہیں ہے۔ میرے قتل کرنے کے بعد تم پر ہر جرم کرنا آسان ہو جائے گا۔ میں بارگاہِ خداوندی میں اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اس شہادت سے مجھ پر اپنی کرامت اور اپنا لطف نازل کرے گا اور میرا انتقام تم سے ہر صورت لے گا"۔

حصین بن مالک سکونی نے ازراہِ مذاق کہا:

بِمَاذَا يَنْتَقِمُ لَكَ مِنَّا يَابْنَ فَاطِمَةَ؟

"اے فرزندِ فاطمہ زہراؑ! اللہ ہم سے کس طرح تیرا انتقام لے گا؟"

آں حضرتؑ نے فرمایا:

يُلْقِي بَاْسَكُمْ بَيْنَكُمْ وَيَسْفِكُ دِمَائَكُمْ ، ثُمَّ يَصُبُّ عَلَيْكُمُ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ [1]

---

[1] مقتل العوالم: ص ۹۷۔ نفس المہموم: ص ۱۸۹۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۳۶ پر لکھا ہے کہ جب امام علیہ السلام کا حصین بن مالک سے مکالمہ ہو رہا تھا تو اس وقت آپ کو ۷۲ زخم آچکے تھے۔ آپؑ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھے ہی تھے کہ ایک آدمی نے آپؑ کی پیشانی پر پتھر مارا۔

"تمھارے درمیان اختلاف پیدا ہوگا تم ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرو گے۔اس طرح اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا"۔

امام علیہ السلام شدت خستگی و تشنگی کی وجہ سے بیٹھ گئے تو ایک آدمی نے آپؑ کی پیشانیٔ اقدس کو پتھر سے زخمی کر دیا جس سے آپؑ کا خون آپؑ کے چہرے اور محاسن پر جاری ہو گیا۔اس دوران میں کسی نے آپؑ کو سہ شعبہ تیر مارا جو آپؑ کے قلب مبارک کے مقام پر آکر لگا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: بِسْمِ اللهِ وَ بِاللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللهِ۔ اس وقت آپؑ نے اپنے سر مبارک کو آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا: خدایا! "تُو خوب جانتا ہے کہ یہ لوگ جسے قتل کر رہے ہیں، تیرے نبیؐ کا اس کے علاوہ زمین پر کوئی اور فرزند نہیں ہے"۔

آپؑ نے اس تیر کو اپنی پشت کی طرف کھینچا تو آپؑ کے جسم سے خون اس طرح برآمد ہوا جس طرح پرنالے سے پانی نکلتا ہے۔[1] آپؑ نے اس خون سے اپنے ہاتھوں کو پُر کیا اور آسمان کی طرف پھینکا۔کوئی قطرہ واپس زمین پر نہ آیا اور فرمایا: هَوَّنَ عَلَيَّ مَا نَزَلَ بِي اِنَّهٗ بعين الله "یہ مصیبت مجھ پر آسان ہے کیونکہ خدا اسے دیکھ رہا ہے"۔

پھر آپؑ نے اپنا خون اپنے ہاتھ پر لیا اور اس سے اپنے چہرے اور محاسن کو رنگین کیا اور فرمایا:

> هٰكَذَا أَكُونَ حَتّٰى أَلْقَى اللهُ وَجَدِّي رَسُولِ اللهِ وَاَنَا مَخْضُوبٌ بِدَمِي وَأَقُولُ: يَاجَدِّي قَتَلَنِي فُلَان وَفُلَان
>
> "میں چاہتا ہوں کہ اس صورت میں اپنے اللہ سے ملاقات کروں اور اپنے نانا رسولؐ اللہ کی بارگاہ میں پہنچوں اور یہ شکایت کروں کہ یارسولؐ اللہ! مجھے فلاں فلاں نے قتل کیا"۔(مقتل خوارزمی: ج۲،ص ۳۴، لہوف: ص ۷۰)

جب خون بہت زیادہ مقدار میں آپؑ کے جسم اطہر سے نکل کر بہہ گیا تو آپؑ پر کمزوری اور نقاہت چھا گئی اور آپؑ زمین پر بیٹھ گئے لیکن (افسوس کہ) بیٹھ بھی نہ سکے بلکہ

---

[1] نفس المہموم: ص ۱۸۹ و مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۳۴ و لہوف: ص ۶۸۔

زمین پر گر گئے۔ ① اس دوران میں مالک بن نسر ملعون آپؑ کے نزدیک آیا اور آپؑ کی شانِ اقدس میں گستاخی کی اور آپؑ کے فرقِ اطہر پر تلوار سے وار کیا۔ جس سے آپؑ کے سر پر موجود ٹوپی (کلاہ) خون سے بھر گئی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: مجھے خداوند متعال سے اُمید ہے کہ تو اس ہاتھ سے نہ کھا سکے گا اور نہ ہی پی سکے گا۔ خداوند متعال تجھے قیامت کے دن ظالموں میں شمار فرمائے۔ پس! آپؑ نے یہ کلاہ اُتارا اور اپنا عمامہ کلاہ کے اُوپر باندھ لیا۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۱۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۵۔ طبری: ج ۶، ص ۳۵۹)

محمد بن ابی سعید کی شہادت

ہانی بن ثبیت حضرمی کا بیان ہے کہ جس وقت عمر ابن سعد کی فوج کے لوگ فرزندِ رسولؐ کو قتل کرنے کے لیے جمع ہوئے تو ان کا دسواں مَیں تھا۔ مَیں وہاں اس لیے کھڑا ہوا تھا کہ اپنی آنکھوں سے حالات کا مشاہدہ کروں۔ جس وقت امام علیہ السلام زمین پر افتادہ تھے تو وہاں مَیں نے ایک چھوٹے سے بچے کو دیکھا جس نے پیراہن اور شلوار پہن رکھی تھی اور اس کے دونوں کانوں میں قیمتی بالیاں تھیں۔ اس کے ہاتھ میں خیمے کی چوب تھی۔ وہ سراسیمگی کی حالت میں اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔ جب ایک کوفی سوار کی اس پر نگاہ پڑی تو اُس نے اپنے گھوڑے کو اس کی طرف حرکت دی۔ جب اس بچے کے نزدیک پہنچا تو وہ تھوڑا سا نیچے کی طرف جھکا اور اپنی تلوار کے وار سے اس بچے کو دو ٹکڑے کر دیا۔ جب اس ملعون سے پوچھا گیا کہ تُو نے یہ ظلم کیوں ڈھایا ہے؟ تو اس نے جواب دینے کے بجائے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۶۱۔ والبدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۶)

اس شہزادے کا نام محمد تھا اور آپؑ ابوسعید عقیل بن ابی طالبؑ کے بیٹے تھے۔ (مقاتل

---

① مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۵۔ عمر ابن سعد کے لشکر کے بہت سے فوجی آئے کہ آپؑ کو شہید کریں لیکن جب آپؑ کے سامنے آتے تو اُنھیں آپؑ کو قتل کرنے کی جرأت نہ ہوتی اور وہ پیچھے ہٹ جاتے کہ فرزندِ پیغمبرؐ کے قتل سے اپنے ہاتھ کیوں رنگین کریں۔ آخر میں مالک بن نسر کندی آیا لیکن کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ امام علیہ السلام کے قریب جائے اور انھیں قتل کرے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۶۵)

الطالبین ابی الفرج: ص ۶۲۔ و تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۶۱)

جب اس ننھے شہزادےؑ پر ظلم ہو رہا تھا تو اس کی ماں ماتم کناں تھی۔ وہ ظالم کے ظلم کو دیکھ رہی تھی لیکن کچھ کر نہیں سکتی تھی۔ (خصائصِ حسینیہ: ص ۱۲۹)

کاش یہ ظلم دیکھنے سے قبل
ماں محمدؐ کی مر گئی ہوتی

حضرت عبداللہ بن الحسنؑ کی شہادت

کوفی فوج ایک نئے ظلم کے لیے اکٹھی ہوئی۔ ایسا ظلم کہ جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اشقیاء نے پھر سے فرزندِ رسولؐ کو اپنے محاصرے میں لینا شروع کر دیا۔ اس وقت آپؑ بیٹھ سکتے تھے نہ اُٹھ سکتے تھے۔ اسی دوران میں آپؑ کے بھتیجے جنابِ عبداللہ بن حسنؑ کی آپؑ پر نگاہ پڑی جن کی عمر شریف گیارہ سال تھی۔ جب دیکھا کہ دشمنوں نے آپؑ کو گھیر رکھا ہے، تو عبداللہ دوڑ کر اپنے مظلوم چچا کے پاس جا پہنچے۔ جنابِ زینبؑ نے چاہا کہ بچے کو واپس خیام کی طرف لائیں لیکن بچے نے کہا: نہیں، خدا کی قسم! میں اپنے چچا سے ہرگز جدا نہ ہوں گا۔

اس دوران میں بحر بن کعب نے اپنی تلوار بلند کی کہ امام علیہ السلام کے سرِ اطہر پر ضرب لگائی تو جنابِ عبداللہؑ نے آواز بلند کی اور فرمایا: "اے ناپاک عورت کے بیٹے! تُو میرے چچا کو شہید کرنا چاہتا ہے؟"

اس ملعون نے جب امام علیہ السلام پر وار کرنا چاہا تو جنابِ عبداللہؑ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا تاکہ اس ملعون کے حملے کو روکے۔ لیکن تلوار آپؑ کے بازو پر پڑی جس سے بازو کٹ کر جلد سے لٹکنے لگا۔

بچے نے فریاد بلند کی، امام حسین علیہ السلام نے بچے کو پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا اور فرمایا: "میرے بھائی کے بیٹے! جو تمہارے ساتھ ہوا ہے، اس پر صبر کرو اور اسے نیکی جانو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شائستہ اور نیک آباؤ اجداد سے ملحق کر دیا ہے"۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے یہ ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کیا:

"خدایا! اگر تُو نے ان لوگوں کو ایک زمانے تک زندگی سے ہمکنار رکھنا ہے تو ان کی جمعیت کو پراگندہ فرما اور ہرگز ان کے حکمرانوں کو ان پر خوش نہ رکھ کیونکہ انھوں نے ہم سے کہا تھا کہ ہم آپؑ کی نصرت کریں گے لیکن یہ ہمارے دشمن بن گئے اور ہمیں قتل کر دیا۔ (کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۲۹۲۔ ارشاد مفید: ص ۲۱۱۔ مثیر الاحزان: ص ۳۸۔ لہوف: ص ۶۸)

حالانکہ یہ شہزادہؑ اپنے چچا کی گود میں تھا، حرملہ نے اپنے تیر سے بچے کو امامؑ کی گود میں شہید کر ڈالا۔ (مثیر الاحزان: ص ۳۹۔ لہوف: ص ۶۸)

ابن حسنؑ بھی قاتل اصغرؑ کے ہاتھ سے
آغوش شہؑ میں، واصلِ خلدِ بریں ہوئے

مظلوم کربلا ایک عرصے تک زمین پر پڑے رہے۔ کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ وہ آپؑ کو شہید کرے۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ وہ امامؑ کے قتل کا مرتکب نہ ہو اور یہ کام سب ایک دوسرے پر ڈال دیتے تھے۔ (اخبار الطوال: ص ۲۵۵، خطط مقریزی: ج ۲، ص ۲۸۸)

جب شمر لعین نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو انھیں آواز دی: تمہاری وای و تباہی ہو، تم کیا کر رہے ہو؟! کس چیز کا انتظار ہے؟ تمہاری مائیں تمہارے ماتم میں بیٹھیں! تم دیکھ رہے ہو کہ تیروں اور نیزوں کے زخموں نے اُسے گرا دیا ہے۔ اب اس کا کام تمام کیوں نہیں کرتے؟ (مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۷۔ مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۲)

قرآن رَحلِ زیں سے سرِ فرش گر گیا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر گیا
(میر انیسؔ)

خبثِ باطنی کی بنا پر شمر نے اپنی فوج کو سختی کے ساتھ حکم دیا تو آپؑ پر ہر طرف سے حملے شروع ہو گئے۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپؑ کے بائیں شانے پر وار کیا اور اُسے جدا کر دیا۔ حصین بن نمیر نے اپنی فوج کے ایک دستے کے ساتھ مل کر آپؑ پر تیر بارانی

شروع کر دی۔ ① سنان بن انس نے آپؑ کے گلے کے نیچے اپنے نیزے سے وار کیا۔ پھر اس نے آپؑ کے سینۂ اقدس پر نیزے کے کئی وار کیے جس سے آپؑ کے سینۂ اقدس کی ہڈیوں میں سوراخ ہو گئے، پھر اس ملعون نے تیر سے آپؑ کے گلوئے اقدس کو نشانہ بنایا۔ ②

صالح بن وہب نے آپ کے پہلوئے اقدس میں تیر مارا۔ ③

ہلال بن نافع کا بیان ہے: جس وقت فرزند رسولؐ جان بہ لب تھے، میں ان کے بالکل نزدیک تھا۔ خدا کی قسم! میں نے اپنی زندگی میں اس قدر زخموں سے چور چور کسی کو نہیں دیکھا، جس طرح آپؑ کو دیکھا۔ آپؑ اپنے خون میں غلطاں تھے لیکن آپؑ کے چہرۂ انور سے نُور ساطع تھا۔ اس وقت آپؑ کے حُسن و جمال کی یہ حالت تھی اور میں آپؑ کے حُسن و جمال کے دیدار میں اس قدر متوجہ تھا کہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ میں حیران تھا کہ اس حالت میں کوئی اتنا حَسین ہو سکتا ہے جتنے حسین علیہ السلام ہیں؟ میری نگاہوں کو آپؑ کے حُسن و جمال نے اپنی طرف کچھ اس طرح کھینچ رکھا تھا کہ میں ان کے حُسن و جمال میں کھویا رہا اور ان کی دردناک شہادت کی طرف توجہ ہی نہ کر سکا۔

ہلال اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس وقت امام علیہ السلام نے اتمامِ حجت کے لیے پانی طلب فرمایا لیکن کسی نے آپؑ کو پانی نہ دیا۔ ایک کوفی سپاہی نے آپؑ سے کہا: تُو ہرگز اس دنیا کا پانی نہیں پی سکتا، آخرکار جہنّم وارد ہو کر حمیم پیے گا (نقل کفر کفر نباشد)۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: میں نے جہنّم وارد نہیں ہونا، میں اپنے نانا رسولؐ اللہ کے پاس جا رہا ہوں اور ان کے پاس ہوں گا۔ جو کچھ تم لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے میں اس کی شکایت کروں گا۔ (مثیر الاحزان: ص ۴۹)

جب ان لوگوں نے امام علیہ السلام کی گفتگو سنی تو غصے سے آگ بگولا ہو گئے اور آپؑ پر نیزوں، تیغوں سے اس طرح حملہ آور ہوئے جیسے ان کے دلوں میں ذرہ برابر رحم و رقت نہ ہو۔

---

① الاتحاف بحب الاشراف: ص ۱۶

② لہوف: ص ۷۰

③ مقتل العوالم: ص ۱۱۰

اسی حال میں آپؑ نے اعلیٰ علیین کا سفر فرمایا۔ ①

حضرت امام حسین علیہ السلام کی آخری مناجات

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے ان آخری لمحات حیات میں اپنی آنکھیں کھولیں اور آسمان کی طرف متوجہ ہوئے اور آخری بار، بارگاہِ خداوندی میں اس طرح راز و نیاز کیا:

اَللّٰھُمَّ مُتَعَالِ الْمَکَانِ، عَظِیْمُ الْجَبَرُوْتِ، شَدِیْدُ الْمِحَالِ، غَنِیٌّ عَنِ الْخَلَائِقِ، عَرِیْضُ الْکِبْرِیَاءِ، قَادِرٌ عَلٰی مَا تَشَاءُ، قَرِیْبٌ اِذَا دُعِیْتَ، مُحِیْطٌ بِمَا خَلَقْتَ، قَابِلُ التَّوْبَةِ لِمَنْ تَابَ اِلَیْكَ، قَادِرٌ عَلٰی مَا اَرَدْتَ، تُدْرِكُ مَا طَلَبْتَ، شَکُوْرٌ اِذَا شُکِرْتَ، ذَکُوْرٌ اِذَا ذُکِرْتَ، اَدْعُوْكَ مُحْتَاجًا، وَاَرْغَبُ اِلَیْكَ فَقِیْرًا، وَاَفْزَعُ اِلَیْكَ خَائِفًا، وَاَبْکِیْ مَکْرُوْبًا، وَاسْتَعِیْنُ بِكَ ضَعِیْفًا، وَاَتَوَکَّلُ عَلَیْكَ کَافِیًا

اَللّٰھُمَّ اُحْکُمْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا فَاِنَّھُمْ غَرُّوْنَا وَخَذَلُوْنَا وَغَدَرُوْا بِنَا وَقَتَلُوْنَا وَنَحْنُ عِتْرَةُ نَبِیِّكَ وَوَلَدُ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ الَّذِی اصْطَفَیْتَهُ بِالرِّسَالَةِ وَائْتَمَنْتَهُ عَلَی الْوَحْیِ، فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا فَرَجًا وَمَخْرَجًا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

صَبْرًا عَلٰی قَضَائِكَ یَا رَبِّ لَآ اِلٰهَ سِوَاكَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ مَالِیْ رَبٌّ سِوَاكَ وَلَا مَعْبُوْدٌ غَیْرُكَ صَبْرًا عَلٰی حُکْمِكَ یَا غِیَاثَ مَنْ لَا غِیَاثَ لَهُ یَا دَآئِمًا لَا نَفَادَ لَهُ، یَا مُحْیِ الْمَوْتٰی، یَا قَائِمًا عَلٰی کُلِّ

---

① جب آپؑ زمین پر آئے تو نیزوں اور تیروں کے زخموں کے علاوہ آپؑ کے جسمِ اقدس پر تینتیس زخم خنجر کے تھے، چونتیس زخم شگاف نما تھے، جو تلواروں کے تھے۔ آپؑ کے پیراہن میں جو سوراخ تھے، وہ ایک سو بیس سے زیادہ تھے۔ اے حسینؑ! اے میرے آقا! آپؑ پر سلام اور آپؑ کے اصحاب پر سلام اور آپؑ کے دشمنوں پر خدا کی لعنت۔

بحار الانوار: ج ۴۵، ص ۹۳ پر ہے کہ آپؑ کے جسمِ اقدس میں نیزہ اور شمشیر کے چونسٹھ زخم تھے۔

نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ، اُحْكُمْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ

"اے میرے اللہ! اے صاحب عظمت! اے بلند مرتبت والے! اے شدید غضب والے! تیری قدرت ہر قدرت سے بڑھ کر ہے، تو اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے۔ تیری طاقت و قدرت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ تُو قادر ہے جو چاہے، انجام دے۔ تیری رحمت اپنے بندوں سے نزدیک ہے، تیرا وعدہ سچا ہے، تیری نعمتیں پھیلی ہوئی ہیں اور تیرے امتحان میں خوبصورتی ہے۔ تو اپنے ان بندوں سے نزدیک تر ہے جو تجھے پکارتے ہیں اور اپنی مخلوقات پر تیری مکمل گرفت ہے۔ جو کوئی تیری طرف توبہ کرے، تُو اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ تُو جو بھی ارادہ کرے اُسے انجام دینے پر قدرت رکھتا ہے اور جو چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ جب تیرا شکر ادا کیا جاتا ہے تو تُو شکریہ قبول کرتا ہے اور جب تیرا ذکر ہو تو تُو ذکر کرنے والے کو یاد رکھتا ہے۔ میں تجھے اس حالت میں پکار رہا ہوں کہ تیری مدد کی مجھے ضرورت ہے۔ اس حالت میں اور اس حالت میں تیری جانب میری توجہ ہے کہ سخت ضرورت میں ہوں۔ اس خوف کے عالم میں تجھے پکار رہا ہوں اور تیرے سامنے اپنے درد وغم کے لیے گریہ زاری کرتا ہوں اور اپنی کمزوری کے عالم میں تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں اور تجھ ہی پر میرا انحصار ہے اور تُو میرے لیے کافی ہے۔

بار الٰہا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان تُو ہی فیصلہ کر دے کہ انھوں نے ہمیں دھوکا دیا ہے، ہمیں بے یارومددگار چھوڑ دیا اور ہمارے ساتھ وعدہ خلافی کی۔ انھوں نے ہمیں قتل کیا جب کہ ہم تیرے نبی کی عترت اور تیرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ وہ محمدؐ جنھیں تُو نے اپنی رسالت کے لیے منتخب کیا اور اپنی وحی کا امانت دار بنایا۔ پس اے پروردگار! ہمارے لیے مدد اور راہِ نجات نازل فرما۔ اے سب رحم کرنے

والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے!

بار الٰہا! ہم تیری قضا و قدر کے سامنے صابر و شاکر ہیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے فریاد کرنے والوں کے فریاد رس! تیرے سوا میرا کوئی پالنے والا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی معبود ہے۔ میں تیرے حکم پر صابر ہوں۔ اے اس کی مدد کرنے والے جس کا کوئی مددگار نہ ہو۔ اے ہمیشہ زندہ رہنے والے جس کا کوئی اختتام نہیں ہے۔ اے مُردوں کو زندہ کرنے والے اور ہر ایک کے اعمال کے مطابق اس کا حساب کرنے والے تُو ہی میرے اور ان لوگوں کے درمیان فیصلہ فرما اور تُو ہی فیصلہ کرنے والوں میں سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے"۔ (مصباح المتہجد والاقبال۔ اسرار الشہادۃ: ص ۴۲۳۔ ریاض المصائب: ص ۳۳)

اس مناجات کے بعد آپؑ نے اپنا چہرۂ مبارک خاک پر رکھ دیا اور فرمایا:

بِسۡمِ اللهِ وَبِاللهِ وَفِي سَبِيۡلِ اللهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوۡلِ اللهِ

اللہ اکبر! کربلا کی سرزمین امام حسینؑ اور آپؑ کے اصحاب کے خون سے رنگین ہوئی تو اس قربانی سے آزادی و حریت کا انقلاب برپا ہوا۔ دنیا کو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام حسینؑ کے دشمن مسلمان نہیں تھے اور ان کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

شاہ ہست حسینؑ ، بادشاہ ہست حسینؑ
دین ہست حسینؑ، دین پناہ ہست حسینؑ
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقائے کہ بنائے لا الہ ہست حسینؑ
(معین الدین اجمیری)

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ذوالجناح اور یوم عاشور

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے مقتل میں اپنے خون میں غوطہ زن تھے تو ذوالجناح آپؑ کے پاس آیا، آپؑ کا طواف کیا اور آپؑ کے مقدس خون سے اپنی پیشانی کو

رنگین کیا۔ (امالی شیخ صدوقؒ و مقتلِ خوارزمی: ج ۲،ص ۳۷۔ تظلم الزہراؑ: ص ۱۲۸)

عمر ابن سعد نے جب ذوالجناح کا یہ سلوک دیکھا تو اپنی فوج کو حکم دیا کہ اسے پکڑو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے۔ جب عمر ابن سعد کے لوگوں نے اُسے پکڑنا چاہا تو اُس نے اپنے پاؤں سے دشمن کی فوج کے چالیس پیادوں اور دس سواروں کو خاک و خون میں ملا دیا۔ جب عمر ابن سعد نے ذوالجناح کی وفاداری اور انتقام دیکھا تو حکم دیا اِسے جانے دو اور یہ دیکھو کہ وہ کیا کرتا ہے۔ جب فوجِ اشقیاء آپؑ کے راہوار سے ایک طرف ہٹی تو وہ آپؑ کے غلطیدہ بدن کے پاس آیا اور اپنے سر کے بالوں کو آپؑ کے خون سے آلودہ کیا، آپؑ کی خوشبو سونگھی اور اپنی آواز بلند کی۔ (تظلم الزہراؑ: ص ۱۲۹)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس وقت امام علیہ السلام فرما رہے تھے:

اَلظَّلِيْمَةُ اَلظَّلِيْمَةُ مِنْ اُمَّةٍ قَتَلَتْ اِبْنَ بِنْتِ نَبِيِّهَا

"ہائے ظلم! ہائے ظلم! کہ اُمت نے (اپنے ہی) نبیؐ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا"۔

اس وقت ذوالجناح نے آپؑ کے خون سے اپنے آپ کو رنگین کیا، اپنے انداز میں اپنے مظلوم امامؑ پر ماتم کرتے ہوئے اور نالہ و فریاد بلند کرتے ہوئے خیام کی طرف آیا تا کہ رسولؐ اللہ کی شہزادیوںؑ کو اپنے آقا کی شہادت کی خبر دے۔ جب اہلِ حرم کی ذوالجناح پر نگاہ پڑی اور دیکھا کہ زین ڈھلی ہوئی ہے اور گردن جھکی ہوئی ہے۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۲،ص ۳۷)

خَرَجنَ مِنَ الْخُدُوْدِ ، نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ ، عَلَى الْخُدُوْدِ لَاطِمَاتٌ ،
وَلِلوُجُوهِ سَافِرَاتٍ ، وَبِالْعَوِيْلِ دَاعِيَاتٍ وَبَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ
وَاِلٰى مَصْرَعِ الْحُسَيْنِ مُبَادِرَاتٍ (زیارتِ ناحیہ مقدسہ)

"ذوالجناح حیرانی و پریشانی میں ڈوبا ہوا ہے تو اہلِ حرم حزن و سراسیمگی کے عالم میں خیموں سے باہر آگئیں حالانکہ ان کے بال کھلے ہوئے تھے۔ منہ پر طمانچے مارتے ہوئے انھیں اپنے پردہ کا دھیان تک نہ رہا۔ نوحہ و بکا کرتے ہوئے اپنے بزرگوں اور وارثوں کو پکارتے ہوئے جب

کہ اپنی مخصوص عزت وشوکت کے باوجود اس حال میں جاری تھیں کہ جس حال میں ایسے معزز گھرانے کے لوگ نہیں جاتے۔ ان کی منزل آپؑ کا مقتل تھا"۔

"وہ بے چین و بے قرار ہو کر خیموں سے نکل پڑیں اور بال بکھرائے ہوئے، منہ پر طمانچے مارتے ہوئے۔ انھیں پردہ کا دھیان تک نہ تھا۔ نوحہ و بکا کرتے ہوئے اپنے بزرگوں اور وارثوں کو پکارتے ہوئے جبکہ اپنی اس مخصوص عزت وشوکت کے باوجود حقارت کی نظر سے دیکھی جارہی تھیں۔ وہ سب کی سب آپؑ کی قتل گاہ کی طرف تیزی سے جارہی تھیں"۔

ہر بی بی دردناک بین کر رہی تھی۔ ان میں سے ایک نے انھیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ کربلا کی سخت گرمی اور اُدھر رسولؐ اللہ کا شہزادہؑ گرم ریت پر اُوپر سے سورج کی تمازت تھی جس کی وجہ سے دوسری بی بیؑ نے ان پر اپنی چادر کے سایہ کا سامان کیا۔ ایک اور خاتون ان کے خون آلود گلے پر منہ رکھ کر اپنے چہرے کو ان کے پاک خون سے رنگین کر رہی تھیں۔ ہر بی بیؑ اپنے حال میں ماتم کناں تھی۔ کوئی صدقے واری ہو رہی تھی تو کوئی ان کے بریدہ اعضا کو بوسے دیتی تھکتی نہ تھی۔ کوئی بی بیؑ ظالموں کے خوف سے اس قدر خوفزدہ تھی کہ وہ ان کے پہلو میں پناہ ڈھونڈ رہی تھی۔ ایک بی بیؑ آئی جب اس نے مظلوم امامؑ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھے تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔

جنابِ اُمِ کلثومؑ نالہ وفریاد بلند کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں:

وَامُحَمَّدَاہُ ، وَااَبَتَاہُ ، وَاعَلِیَّاہُ ، وَاجعفَرَاہُ ، وَحمزَتَاہُ ، ھٰذَا حُسَینٌ بِالعَرَاءِ صَرِیعٌ بِکَربَلَاءِ.....

"اے میرے آباؤ اجداد اِدھر نظر کرو۔ یہ تمھارا حسینؑ ہے جو کربلا کی گرم ریت پر چلچلاتی ہوئی دھوپ میں پڑا ہوا ہے"۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۷)

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا نے دردناک بین کرتے ہوئے فرمایا:

وَا اَخَاہُ ، وَا سَیِّدَاہُ ، وَا اَھلَ بَیتَاہُ ، لَیتَ السَّمَاءُ اَطبَقَت عَلَی

الْاَرْضِ وَلَيتَ الْجِبَالُ تَدَ كدَكت عَلَى السَّهلِ (لہوف: ص ۷۳)

"اے برادر من! اے آقا من! ہائے کاش! آسمان زمین پر گر پڑتا۔
اے کاش! پہاڑ گرد وغبار میں بدل کر صحراؤں کا حصّہ بن جاتے"۔

یہ بین کرتے ہوئے حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسمِ اقدس کے پاس دیکھا (یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرر ہے تھے)۔ کچھ لوگ امام علیہ السلام کو تیروں کی زد پر رکھے ہوئے تھے اور کچھ تلواروں سے وار کر رہے تھے تو عقیلۂ قریش نے عمر ابن سعد سے کہا:

أَيُقتَلُ أَبُو عَبدِ اللهِ وَأَنْتَ تَنْظُرُ اِلَيهِ؟

"اے عمر ابن سعد! میرے بھائی کو قتل کیا جا رہا ہے اور تُو کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے؟"

عمر ابن سعد نے جب عقیلۂ قریش کے درد بھرے بین سنے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ منہ دوسری طرف کر لیا اور کوئی بات نہ کر سکا۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۲)

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے دیکھا کہ عمر ابن سعد نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا تو آپؑ نے بلند آواز سے فرمایا: وَيحَكُمْ اَمَا فِيكُمْ مُسْلِمٌ "تمھاری واہی تباہی ہو کیا تم میں کوئی بھی مسلمان نہیں ہے؟" پھر بھی اس مظلومہ کو کسی نے جواب نہ دیا۔ (ارشاد مفید)

جب عمر ابن سعد نے عقیلۂ قریش کا اضطراب دیکھا تو حکم دیا: اُنزُلُوا اِلَيهِ وَأَرِيحُوهُ "امامؑ کا سر تن سے جدا کرلو"۔

شمر ملعون آگے بڑھا اور مظلوم کے سینے پر سوار ہوا۔ ایک ہاتھ میں فرزند رسولؐ کی ریشِ مقدس پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے تیرہ ضربوں کے ساتھ آپؑ کا مبارک سر تن سے جدا کیا۔ (لعنت خدا بر قوم ستم گر)۔ (مقتل العوالم: ص ۱۰۰، مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۷۳)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کی لازوال درس گاہ حسینؑ ہے

سپاہِ کوفہ کی غارت گری

جب کوفی فوج نے منارۂ ہدایت کو گرا دیا، نورِ ہدایت کو بجھا دیا اور فرزندِ رسولؐ کا خون زمین پر بہا دیا تو اس بڑے سے بڑے ظلم کے بعد ایک اور ظلم نے کروٹ بدلی وہ یہ کہ کیوں نہ ہو کہ اب رسولؐ اللہ کے مظلوم فرزند کے لاشے کو لوٹا جائے۔ یزیدی فوج طوفان کے مانند آلِ محمدؐ کے اس سردار کی طرف آئے اور انھوں نے لُوٹ مار (غارت گری) اور تاراجی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جو کچھ ان کے ہاتھ میں آیا، بے دردی اور سنگ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوٹ لیا۔ اس غارت گری کی تفصیل یہ ہے:

پیراہنِ امامؑ: اسحاق بن حویہ نے لوٹا۔

عمامۂ امامؑ: اخنس بن مرثد بن علقمہ حضرمی نے اُتارا۔

نعلینِ مبارک: اسود بن خالد نے اُتاری۔

شمشیرِ امامؑ: جمیع بن خلق اودی یا اسود بن حنظلہ نے لوٹی۔

انگشتریِ امامؑ: بجدل نامی ایک ظالم آیا اس نے امامؑ کے دستِ مبارک میں انگوٹھی دیکھی۔ اس نے انگوٹھی اُتارنے کی کوشش کی لیکن اُس سے نہ اُتر سکی۔ اس ملعون نے امام علیہ السلام کی انگلی مبارک کو قطع کیا اور اس طرح انگوٹھی اُتاری۔

چادرِ امامؑ: قیس بن اشعث نے لوٹی (لہوف: ص ۷۳)۔ یہ ملعون اس ردا پر بیٹھا کرتا تھا اس لیے اسے قیس قطیفہ کہا جاتا تھا۔ (مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۸، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۷)

پیراہنِ کہنہ: آپؑ کا پرانا لباس جعونہ بن حویہ حضرمی نے لوٹ لیا۔

کمان اور اسلحۂ امامؑ: رحیل بن خیثمہ جعفی، ہانی بن شبیث حضرمی اور جریر بن مسعود حضرمی نے لوٹا۔ (مناقب شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۴)

جب یزیدی فوج فرزندِ رسولؐ کے مقدس نورانی اور ملکوتی خاک و خون میں غلطاں بدن کو لوٹ کر چلی گئی تو ان سب کے آخر میں ایک یزیدی آیا اس لیے کہ اگر کوئی چیز امام علیہ السلام

کے جسم پر باقی ہے تو وہ لوٹ کر لے جائے۔ اس کی نگاہ امامؑ کی شلوار کے قیمتی بند پر پڑی۔

اس کا اپنا بیان ہے کہ جس وقت مَیں نے چاہا کہ اس بند کو کھولوں تو مَیں نے اِدھر ہاتھ ڈالا، اُدھر مظلوم امامؑ کا دایاں ہاتھ بند پر آیا۔ مَیں نے آپؑ کے اس ہاتھ کو اُٹھانے کی بھرپور کوشش کی لیکن آپؑ کا ہاتھ بند پر رہا اور میں اپنا کام نہ کرسکا۔ آخر مَیں نے آپؑ کا دایاں ہاتھ قطع کیا۔ اب چاہا کہ بند کھولوں لیکن آپؑ کا دوسرا ہاتھ بند پر آیا۔ اس ہاتھ کو بھی مَیں نے ہٹانے کی کوشش کی لیکن ہٹا نہ سکا۔ آخرکار مَیں نے آپؑ کے بائیں ہاتھ کو بھی کاٹ ڈالا۔

جب مَیں نے آپؑ کے دونوں ہاتھ کو قطع کر دیا تو ارادہ کیا کہ اب بند کھولوں تو مَیں نے اس وقت خوف ناک آواز سنی جس سے مَیں بے ہوش ہوگیا۔ اسی حالت میں مَیں نے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی آپؑ کے قریب آئے۔ ان میں حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام اپنے بیٹے کے پارہ پارہ بدن پر آئیں اور روتے ہوئے فرمایا: يَا بُنَيَّ قَتَلُوكَ، قَتَلَهُمُ اللهُ "اے میرے بیٹے! تجھے اُمت نے قتل کر دیا ہے جنھوں نے تجھے قتل کیا، خدا انھیں قتل کرے"۔

امام علیہ السلام نے اپنی والدہ گرامی کے جواب میں فرمایا: يَا أُمِّ قَطَعَ يَدِي هٰذَا النَّائِمِ "یہ آدمی جو نزدیک بے ہوش پڑا ہوا ہے، اس نے میرے ہاتھوں کو قطع کیا ہے"۔

جب سیّدہ سلام اللہ علیہا نے اپنے فرزند کی گفتگو سنی تو مجھ پر لعنت فرمائی اور فرمایا: قَطَعَ اللهُ يَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ وَأَعْمٰى بَصَرَكَ وَأَدْخَلَكَ النَّارَ "خداوندا! اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو منقطع فرما اور اِسے اندھا کر اور اسے جہنّم کا ایندھن بنا دے"۔

وہ یزیدی کہتا ہے: جس دن سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے مجھ پر لعنت کی، اس دن سے میری آنکھیں دیکھنے سے محروم ہوگئیں اور میرے دونوں ہاتھ اور پاؤں میرے جسم سے جدا ہوگئے۔ اب ان کی آخری بددعا باقی ہے کہ مَیں نے جہنّم کا ایندھن بننا ہے۔ (مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۱۱۰)

سیّد رضی اعلی اللہ مقامہٗ کا اظہارِ عقیدت

قَتَلُوهُ بَعدَ عِلمٍ مِنهُم	اَنَّهُ خَامِسُ أَصحَابُ الْكِسَاءِ
يَارَسُولَ اللهِ يَا فَاطِمَةُ	يَا اَمِيرَالْمُؤمِنِيْنَ الْمُرتَضٰى
عَظَّمَ اللهُ لَكَ الْأَجرُ بِمَن	كَفَّ أَحشَاهُ الظَّمَا حَتّٰى قَضٰى
ضَارِبًا فِي كَربَلَا خَيمَتَهُ	ثُمَّ مَا خَيَّمَ حَتّٰى قَوَّضَا
مَيِّتٌ تُبكِي لَهُ فَاطِمَةُ	وَأَبُوهَا وَعَلِيٌّ ذُوالعَلَاء
لَو رَسُولُ اللهِ يَحيَا بَعدَهُ	قَعَدَ الْيَومَ عَلَيهِ لِلعَزَاءِ
حَمَلُوا رَأسًا يُصَلُّونَ عَلٰى	جَدِّهِ الْأَكرَمِ طَوعًا وَ إِبَا
يَارَسُولَ اللهِ لَو عَايَنتُهُم	وَهُم مَا بَينَ قَتلٍ وَ سَبَا
مِن رَمِيضٍ يُمنَعُ الظِّلِّ وَمِن	عَاطِشٍ يُسقٰى أَنَابِيبُ الْقَنَا
لَيسَ هٰذَا لِرَسُولِ اللهِ يَا	أُمَّةَ الطُّغيَانِ وَالْبَغْيِ جَزَا

"یہ ظالم لوگ سیّد الشہدا کی فضیلت اور شخصیت کو خوب جانتے تھے کہ ان کا تعلق اصحابِ کساء سے ہے اور وہ اصحابِ کساء کے پانچویں فرد فرید ہیں۔ اے اللہ کے رسولؐ! اے فاطمہ زہراؑ اور اے امیر المومنین امام علیؑ! اللہ تعالیٰ آپؑ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ اس کے بدلے جسے پیاس نے مار دیا اور آخر وہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

ان ظالموں نے کربلا میں اس کے خیام کو لوٹ لیا اور جو خیام انھوں نے لگائے تھے، انھیں ہٹا دیا گیا۔ یہ وہ عظیم المرتبت شہید ہیں کہ جن پر ان کی والدہ اور ان کے والد گرامی جناب امیر علیہ السلام روتے رہے۔

اگر رسول اللہ زندہ ہوتے تو ان کی تعزیت میں بیٹھتے۔ پھر وہ وہی لوگ تھے کہ جنھوں نے آپؑ کو شہید کیا اور آپؑ کے سرِ اقدس کو آپؑ کے تنِ اطہر سے جدا کر کے نوکِ سناں پر بلند کیا حالانکہ لوگ طوعاً و کرہاً ان کے جدِ نامدار پر درود بھی پڑھتے تھے۔

یارسولؐ اللہ! کاش! ان کی اعانت ہوتی جب وہ قتل اور قید کے مابین تھے۔ اہلِ بیتؑ کو تیز بھالوں کے سائے میں بیٹھنے سے منع کیا جاتا تھا۔ جب انھیں پیاس لگتی تو نیزوں سے انھیں سیراب کیا جاتا تھا۔ اے باغی و طاغی اُمت! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی تم پر قربان کر دی تم ہو کہ تم نے ان کی اہلِ بیتؑ کو قتل کر کے جزا دی ہے"۔

☐☐☐

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد دل سوز حوادث

"اے کوفیو! کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے اللہ کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ مبارک میں خنجر گھونپا ہے؟ اور ظلم و ستم سے ان کا خون گرایا ہے؟ کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے مخدراتِ عصمت وطہارت کی شہزادیوں کو بے پردہ کیا ہے؟ اور ان کے حریم کو تباہ حال کیا ہے؟ کیا تمھیں تعجب ہے کہ اگر آسمان سے تمھارے جرائم و جنایات کی وجہ سے خون برسنے لگے؟ عذابِ آخرت جس میں تمھاری رُسوائی ہے اس سے غافل مت رہیے۔ اس روز ستم کاروں کے لیے کوئی یاور و مددگار نہیں ہوگا"۔

(عقیلۂ قریش کا اہلِ کوفہ سے خطاب)

گیارہویں محرم کی رات (شامِ غریباں)

ہوگئی شامِ غریباں کی بھی آخر کو سحر
خون روتی ہوں سورج کی ضیا آتی ہے

آہ! وہ شب کتنی خونی اور سخت ناگواری کی شب تھی، وہ گیارہویں کی شب جو رسولؐ اللہ کی شہزادیوں پر گزری۔ یہ وہ خواتین تھیں جن کا تعلق ملکوتی حریم سے تھا اور جن کی شان وشوکت کے سامنے آسمانی بلندیاں پست تھیں۔ وہ (مخدراتِ عصمت) اس گھر کی شہزادیاں تھیں اور اس گھر میں زندگی بسر کرنے والیاں تھیں جو گھر نورِ نبوت وخلافت سے منور تھا۔ آج اسی گھر کی بیٹیاں عالمِ مسافرت میں اپنے گھر سے دُور عالمِ غربت سے دوچار ہیں۔ ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ نہ کوئی روشنی ہے نہ چراغ، نہ کوئی منزل ہے اور نہ ماویٰ۔ کچھ دیر پہلے ان کے پاس خیمے تھے لیکن ظالموں نے لوٹ لیے اور لوٹنے کے بعد نذرِ آتش کر دیے، جن جوانوں اور بزرگوں کے ساتھ یہاں آئی تھیں، ان کے لاشے بے گور وکفن پڑے تھے۔ بیابان تھا اور

بیابان کی دہشت و وحشت تھی۔ وہ پست فطرت کوفیوں کو جانتی تھیں کہ اگر وہ ان پر حملہ کردیں تو وہ کدھر جائیں گی؟ ان کا دفاع کون کرے گا؟ اور کون ان لوگوں کو ظلم و تجاوز سے روکے گا؟ انھیں نہیں معلوم تھا کہ کیا کوئی انسان ان کے پاس آئے گا اور ان کے لیے تسکین کا سبب بنے گا؟

ان ستم زدہ رسولؐ زادیوں کے پاس کچھ نہ تھا، اگر کچھ تھا تو وہ نالہ وشیون کی دردناک صدائیں تھیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کے نالے و گریے تھے۔ مائیں تھیں کچھ دیر پہلے ان کے پاس ان کی گودیوں میں دودھ پینے والے بچے تھے، ان کے بچوں کو تیروں کی تیز نوکوں سے دودھ پلایا گیا۔ بہنیں تھیں جن کے کڑیل بھائیوں کو ظالموں نے ان کی آنکھوں کے سامنے قتل کردیا۔ وہ اپنے بھائیوں کے لاشوں کی طرف دیکھتیں اور ماتم کرنے لگتیں۔ ان بیبیوں میں سے کون بی بی تھی جس کا کچھ بچ گیا ہو؟ نہیں! اگر بیٹے تھے تو وہ مارے گئے۔ شوہر تھے تو وہ شہید کردیے گئے۔ بھائی تھے تو وہ قتل کردیے گئے۔ بس ان کا کام رونے دھونے سے تھا، آہ و بکا سے تھا اور نالہ و فریاد سے تھا کہ جنھیں سن کر پتھر بھی پانی ہونے لگے تھے۔

اس رات نبی زادیاںؑ ماتم کناں اور عزادار تھیں۔ کوفی لشکر فتح و پیروزی کے نشے میں سرمست تھا۔ ڈھول، طبل اور فتح کے شادیانے بج رہے تھے اور اِدھر نبیؐ کے گھرانے کی خواتین ہزار غموں کے ساتھ اس غم میں بھی مبتلا تھیں کہ کل جب صبح ہوگی تو منادی کون سی آواز بلند کرے گا؟

وہ کون سی نغمہ سرائی کرے گا؟ کیا ان کے قتل کا اعلان ہوگا؟ یا ان کی اُسیری کا اعلان ہوگا؟ ان کا دفاع کون کرے گا؟ مردوں میں سے اگر باقی رہ گئے ہیں تو صرف علیؑ بن الحسینؑ اور وہ بھی بیمار۔ وہ بھی آزاد نہیں ہیں کہ دشمن انھیں قتل کرتا ہے یا زندہ چھوڑ دیتا ہے۔ اس رات تمام عالمِ ملک و ملکوت عزا و ماتم میں مبتلا تھا۔ جنت کی حوریں اپنے جنتی کمروں میں گریہ وشیون کررہی تھیں۔ آسمان پر فرشتگانِ رحمت ماتم کناں تھے۔

جن و دیو اپنے اپنے انداز میں ندبہ وشیون کررہے تھے حتیٰ کہ جنگل کے جانور، دریاؤں کی مچھلیاں، فضاؤں میں پرندے المختصر خداوند متعال کی تمام مخلوق مرئی و غیر مرئی سبھی عزا و ماتم میں مصروف تھے لیکن تین گروہ ایسے تھے جن کے گھروں میں خوشیاں تھیں اور ان

کے گھروں میں فتح کے نقارے بج رہے تھے، وہ بصرہ و شام اور خاندانِ ابوسفیان کے لوگ تھے۔ (کامل الزیارات ابن قولویہ: باب ۲۶، ص ۸۰)

یہ تمام گروہ بعنوانِ کسبِ زر اور بہ سبب زور باہم پیوستہ تھے۔اسی رات ان کے گھروں میں شادیانے بج رہے تھے اور رقص و سرود کی محفلیں برپا تھیں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ان صاحبانِ زر و زور نے فرزندِ رسولؐ کے قتل کے شکرانے میں کوفہ میں چار مساجد بنوائیں: مسجدِ اشعث، مسجدِ جُریر، مسجدِ سماک اور مسجدِ شبث بن ربعی۔ (تہذیب شیخ طوسی، ج ۱، ص ۱۹۲۔ سفینۃ البحار: ج ۱، ص ۶۰۲، مادہ مسجد)

طائفہ بنی اِوْد کی عورتوں نے نذر مانی تھی کہ اگر یزید کو فتح ہوئی اور امام حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے تو وہ دس اُونٹ اللہ کی راہ میں قربان کریں گی۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ یزید کو فتح ملی ہے تو انھوں نے اپنی نذر پوری کی اور دس اُونٹ ذبح کیے گئے۔ (شرح نہج البلاغہ، ج ۴، ص ۶۱)

ھشام بن سائب کلبی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ بنی اِوْد اپنے بچوں اور غلاموں کو تربیت دیتے تھے کہ وہ حضرت امام علی علیہ السلام پر سب و شتم کریں۔ ایک دن انھی لوگوں میں سے جس کا نام عبداللہ بن ادریس بن ہانی تھا، حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس آیا۔ جب حجاج نے اس کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہ کیا تو اس آدمی نے حجاج سے کہا: تمھارا یہ رویہ میرے ساتھ مناسب نہیں ہے۔ قبیلۂ قریش اور ثقیف میں وہ فضائل نہیں ہیں جو ہمارے قبیلہ میں ہیں۔

حجاج نے اس سے پوچھا: تم لوگ کون سی فضیلت اور منقبت رکھتے ہو؟

عبداللہ نے اس کے جواب میں کہا: ہمارے ہاں کبھی کسی مجلس و محفل میں حضرت عثمان کی شان میں گستاخی نہیں کی گئی۔ ہمارے قبیلہ میں سے سوائے ایک آدمی کے کوئی بھی ابوتراب سے محبت نہیں رکھتا اور اس آدمی کو ہم نے اپنے قبیلہ سے نکال باہر کیا ہے۔ اس کی کوئی عزت و احترام نہیں ہے۔ [1] ہم لوگ اُس سے شادی بیاہ نہیں کرتے۔ ہمارے قبیلہ کے

---

[1] مروج الذھب: ج ۳، ص ۱۳۴۔ طبع اندلس بیروت میں لکھا ہے کہ جنگِ صفین میں معاویہ کے ساتھ ہمارے قبیلہ کے ستر آدمی تھے لیکن لشکرِ ابوتراب میں ایک بھی نہ تھا۔

لوگ جب کسی سے شادی بیاہ کرنا چاہتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ کیا تم لوگ ابوتراب سے تعلق رکھتے ہو؟ اگر وہ مثبت جواب دیتے ہیں تو ہم ان سے رشتہ نہیں کرتے۔ تجھے ہمارے قبیلہ میں کوئی مرد یا کوئی بچہ علیؑ، حسنؑ یا حسینؑ نام کا نہیں ملے گا۔ ہمارے قبیلہ میں آج تک پیدا ہونے والی کسی بچی کا نام فاطمہ نہیں رکھا گیا۔ جن دنوں امام حسینؑ عراق آئے تھے تو ہماری عورتوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حسینؑ قتل ہوجائے اور یزید فاتح بن جائے تو وہ دس اُونٹ ذبح کریں گی۔ آخر انھوں نے اپنی نذر پوری کی اور دس اُونٹ ذبح کیے تھے۔

عبدالمالک نے ہم سے کہا تھا: کوفہ میں جس قدر ہمارا قبیلہ خوبصورت ہے اس طرح کوئی اور ہے ہی نہیں۔

یہ سن کر حجاج ہنسا اور کہنے لگا: تیرا یہ دعویٰ بالکل بے جا ہے۔ جب اس آدمی سے کہا گیا کہ اب امام علیؑ پر تبرّیٰ کرو تو اس نے کہا: صرف ابوتراب پر نہیں بلکہ حسنؑ و حسینؑ پر بھی تبرا کروں گا"۔ (مروج الذہب مدرک فوق اور فرحت الغری سیّد عبدالکریم بن طاؤس: ص ۱۱۳)

احتمال ہے کہ وہ شخص جو حضرت امام علی علیہ السلام کے ساتھ بغض رکھتا تھا اس کا نام عافیہ بن شداد تھا اور اسی قبیلہ بنی اِوَد سے تھا۔

ابن خرم نے لکھا ہے کہ وہ جنگِ صفین میں جنابِ امیر علیہ السلام کے ساتھ تھا۔

مسعودی نقل کرتا ہے کہ میں نے ساری دنیا دیکھی ہے لیکن جس قدر اس قبیلہ بنی اِوَد کو آلِ محمدؐ کے حق میں متعصب پایا کسی اور کو نہیں پایا۔ ①

لَيْسَ هٰذَا لِرَسُوْلِ اللهِ يَا   اُمَّةَ الطُّغْيَانِ وَالْبَغْيِ جَزَا

لَوْ رَسُوْلُ اللهِ يَحْيَا بَعْدَهُ   قَعَدَ الْيَوْمَ عَلَيْهِ لِلْعَزَا

"اے باغی و طاغی اُمت! تم نے رسولؐ اللہ کو یہی جزا دی ہے۔ اگر اس وقت رسولؐ اللہ زندہ ہوتے تو وہ اپنے نواسے کے غم میں صفِ ماتم بچھاتے"۔

---

① ابن ابی الحدید: ج ۴، ص ۹۴ پر ابوغسان بصری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن زیاد نے شہر بصرہ میں چار مساجد بنوائیں۔ ان مساجد میں امام علی علیہ السلام کے خلاف تبلیغ کی جاتی تھی۔ ① مسجد بنی عدی ② مسجد بنی مجاشع ③ وہ مسجد جو بصرہ کی بندرگاہ کے نزدیک بنائی گئی ④ وہ مسجد جو محلۂ اَزد میں بنوائی گئی۔

اُم المومنین حضرت اُمِ سلمہؓ نے خواب میں رسولؐ اللہ کو دیکھا[1] کہ ان کے بال پریشان ہیں اور بالوں میں گردوغبار ہے۔ انھوں نے آپؐ کی یہ حالت دیکھ کر عرض کیا: یارسولؐ اللہ! کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ میں آپ کو اس حال میں دیکھ رہی ہوں؟

آپؐ نے فرمایا: قُتِلَ وَلَدِیَ الْحُسَیْنُ وَمَا زِلْتُ اَحْفِرُ الْقُبُوْرَ لَهُ وَلِاَصْحَابِهِ "میرے فرزند حسینؑ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ میں ابھی ان کی قبریں کھود کر آیا ہوں"۔ (امالی شیخ طوسی: ص ۵۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۳۵۶۔ ذخائر العقبیٰ طبری، ص ۱۴۸۔ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۳۶۔ سیر اعلام النبلاء ذہبی: ص ۲۱۳)

جنابِ اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں: میں حیرانی اور پریشانی کے عالم میں خواب سے بیدار ہوئی، تو فوراً اس شیشی کے پاس گئی جس میں کربلا کی خاک تھی۔ جب میں نے اُسے دیکھا تو اس میں تازہ خون جوش مار رہا تھا۔[2] یہ وہ خاک تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنابِ اُمِ سلمہؓ کے حوالے کی تھی کہ اسے محفوظ رکھنا۔

جنابِ اُمِ سلمہؓ اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرماتی ہیں کہ میں نے اسی رات غیبی آواز سنی جس میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر تھی۔

اَیُّهَا الْقَاتِلُوْنَ جَهْلًا حُسَیْنًا ۔۔۔ اَبْشِرُوْا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْكِیْلِ
كُلُّ اَهْلِ السَّمَاءِ یَدْعُوْا عَلَیْكُمْ ۔۔۔ مِنْ نَبِیٍّ وَ مُرْسَلٍ وَ قَتِیْلٍ

"اے وہ لوگو! جنھوں نے فرزندِ رسولؐ کو اپنی جہالت کی بنا پر قتل کر دیا۔
تم سبھی کو دوزخ کے عذاب کی بشارت دی جاتی ہے۔ تمام اہلِ آسمان چاہے

---

[1] کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۸۳۔ واقدی، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ج ۳، ص ۳۲۷۔ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۴۱ نے ذکر کیا ہے کہ جنابِ اُمِ سلمہؓ واقعۂ کربلا سے قبل وفات پا گئی تھیں۔ لیکن اصابہ: ج ۴، ص ۴۶۰ و ابونعیم مراۃ الجنان یافعی: ج ۱، ص ۱۳۷ نے ان کی وفات ۶۱ ہجری میں لکھی ہے۔ روایت ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے ودائع امامت اور اپنے وصایا جنابِ اُمِ سلمہؓ کے سپرد کی تھیں تا کہ وہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے حوالے کریں گی۔

[2] مراۃ الجنان یافعی: ج ۱، ص ۱۳۴۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۸۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۹۵۔

نبی ہیں، رسول ہیں یا شہید ہیں، وہ بھی تم پر لعنت کرنے والے ہیں۔ [1]

حضرت اُمِ سلمہؓ کا بیان ہے کہ مَیں شبِ شہادتِ حسینؑ مسلسل غیبی آوازیں سنتی رہی جن میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبریں تھیں۔ ان آوازوں میں سے ایک آواز یہ بھی تھی:

أَلَا يَاعَيْنُ فَاحْتَفِلِي بِجُهْدٍ ... وَمَنْ يَّبْكِي عَلَى الشُّهَدَاءِ بَعْدِي

عَلَى رَهْطٍ تَقُودُهُمُ الْمَنَايَا ... إِلَى مُتَجَبِّرٍ فِي مُلْكِ عَبْدٍ

"اے میری آنکھ! جتنا رو سکتی ہے رو لے۔ میرے بعد شہداء پر کون آنسو بہائے گا۔ اس قبیلے پر رو لے جس قبیلے کو موت اس ملک کی طرف لے جارہی ہے جو ایک ظالم و جابر کا ملک ہے"۔ [2]

جب جنابِ اُمِ سلمہؓ کے رونے کی آواز بلند ہوئی اور جناب عبداللہ ابن عباسؓ نے سنی تو وہ فوراً ان کے پاس پہنچے اور ان کے رونے کا سبب پوچھا۔ جنابِ اُمِ سلمہؓ نے فرمایا: میں اس لیے رو رہی ہوں کہ وہ دو شیشے جن میں خاکِ کربلا تھی، ان میں سے خون اُبل رہا ہے۔ [3]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا خواب

جنابِ عبداللہ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب مَیں روزِ عاشور سویا تو عالمِ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ کے بال پریشان تھے اور اِن میں گرد و غبار تھا۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشہ تھا، جس میں خون تھا۔ مَیں نے عرض کیا: میرے والدین آپؐ پر قربان جائیں اس شیشہ میں کیا ہے؟

---

① مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۹۵ و فصل ۱۲ میں پہلا اور دوسرا مصرعہ مذکور ہیں۔ پہلے دو مصرعوں کے ساتھ تیسرا مصرعہ تاریخ ابن عساکر: ج ۳، ص ۳۴۱ پر مذکور ہے اور تاج العروس: ج ۷، ص ۱۰۳ پر بھی مذکور ہے۔

② تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۴۱۔ خصائص سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۷۔ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۲۔ جب امامؑ منزلِ خزیمہ پر پہنچے تو یہ اشعار حضرت زینب علیہا السلام نے سنے تھے اور ان کا ذکر امامؑ سے کیا تھا۔

③ معالم الزلفی، سید ہاشم بحرانی: ص ۹۱، باب ۳۹، مدینۃ المعاجز: ص ۲۴۳۔ باب ۳۹، منتخب طریحی: ص ۳۳۵

آں حضرتؐ نے فرمایا: اس شیشہ میں میرے حسینؑ اور ان کے اصحاب کا خون ہے جسے میں نے ان کے قتل کے روز سے محفوظ کرلیا ہے۔[1]

امام علیہ السلام کی شہادت سے دنیا میں تاریکی

جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو تین دن تک دنیا میں تاریکی چھائی رہی۔[2] اس قدر تاریکی پھیلی کہ لوگوں نے سمجھ لیا کہ شاید قیامت برپا ہوگئی ہے۔[3] کیونکہ دن کو ستارے نظر آنے لگے تھے۔[4] آسمان کا یہ حال تھا کہ جیسے کواکب آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔[5] نورِ خورشید کا نام و نشان تک نہ تھا۔[6] تین دن تک دنیا کا یہی حال رہا۔ (کامل الزیارات: ص ۷۷، باب ۲۳، ص ۲۷۴)

جی ہاں! دنیا کیوں نہ تاریک ہوتی اس لیے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اس کائنات کے

---

① تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۴۰۔ خصائص الکبریٰ سیوطی، ج ۲، ص ۱۲۶۔ تاریخ الخلفاء سیوطی: ص ۱۳۹۔ مراۃ الجنان یافعی، ج ۱، ص ۱۳۴۔ مسند احمد حنبل: ج ۱، ص ۲۴۲۔ الکواکب الدریہ قناوی، ج ۱، ص ۵۶۔ ذخائر العقبیٰ محب طبری، ص ۱۴۸۔ تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۳۵۵۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۸۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔ طرح التقریب: ج ۱، ص ۴۲۔ تاریخ بغداد خطیب: ج ۱، ص ۱۴۲۔ خطط مقریزیہ: ج ۲، ص ۱۱۹۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۹۴، فصل ۱۲۔ سیر اعلام النبلاء ذہبی: ج ۲، ص ۲۱۴۔

② تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ خصائص الکبریٰ سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۶۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔ خطط مقریزیہ: ج ۲، ص ۲۸۹۔ تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۵۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۹۰۔

③ الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۳۔ تہذیب التہذیب ابن حجر، ج ۲، ص ۳۵۴۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ کتاب المنتظم ابن جوزی، ج ۷، ص ۳۴۳۔

④ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔ الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۳۔ تہذیب التہذیب ابن حجر، ج...... ص ۳۵۴۔ مقتل خوارزمی: ص ۲، ص ۸۹۔

⑤ الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۳۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۵۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ تاریخ الخلفاء: ص ۲۳۸۔ الکواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۶۔

⑥ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۷۔ تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۸۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۸۹۔ الاتحاف: ص ۲۳۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔ الکواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۶۔ یہ تعجب کا مقام نہیں ہے اس لیے کہ جب رسول اللہؐ کے فرزند حضرت ابراہیم فوت ہوئے تو سورج گرہن ہوا تھا۔ کتاب شرح المواہب اللدنیہ: ج ۳، ص ۲۱۲، اسد الغابہ: ج ۱، ص ۳۹۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری: ج ۳، ص ۲۷۴۔

وجود کی علت تھے۔ آپؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا حصہ تھے اور آپؑ کی ذات علتِ غائی کائنات وممکنات تھی۔ دنیا کا نظام کیوں درہم برہم نہ ہوتا کیونکہ قلبِ جہانِ ہستی تین دن اور رات بے گور وکفن رہا۔ آپؑ حقیقتِ محمدیہ تھے۔ آپؑ ہی امامِ زمان تھے۔ آپؑ کی ولایت پوری کائنات کو پیش کی گئی اور جس کسی نے آپؑ کی ولایت کو قبول کیا وہ فائدے میں رہا اور جس نے آپؑ کی ولایت قبول نہ کی وہ ابدی خسارے میں رہا۔

اگر وہ داستان سچی ہے کہ جب ایک پیغمبرؑ کے جسم کی ہڈی کے وسیلے سے ایک نصرانی بارش کی دعا کرتا تھا تو اس کی دعا قبول ہوتی تھی۔ اگر علتِ غائی کائنات وممکنات کے نور کے حصہ پر مظالم ڈھائے جائیں اور انھیں بے دردی سے ذبح کردیا جائے تو پھر اس کائنات کا دگرگوں ہونا اور تاریکی کا چھانا بھی سچ ہے۔

جب ایک نصرانی عالم نے سامرہ میں ایک پیغمبر کے جسم کی ہڈی کے توسط سے بارگاہِ خداوندی میں بارش کی دعا مانگی تھی تو اس کی دُعا قبول ہوئی تھی۔ (خرائج راوندی: ص ۶۳، طبع ہند)

سیدالشہداء فرزند رسولؐ کی شہادت پر کائنات کا نظام کیوں درہم برہم نہ ہوتا کیونکہ آپؑ تو جوانانِ جنت کے سردار تھے۔ آپؑ کا جسدِ اقدس تین دن اور رات کربلا کی گرم زمین پر بے گور وکفن پڑا رہا۔ آپؑ کے جسمِ اقدس پر گھوڑے دوڑا دیے گئے اور آپؑ کا جسمِ اقدس پامال کردیا گیا تھا۔

جی ہاں! تمام موجودات کے احوال دگرگوں ہوئے۔ تمام جہانِ ہستی متزلزل ہوئی، بیابانوں کے وحشی درندے بیابانوں میں ماتم کناں تھے۔ ان کی آنکھیں ساون کے بادل کی طرح برس رہی تھیں۔

جنابِ امیرالمومنین امام علی علیہ السلام نے فرمایا تھا: میرے والدین میرے حسینؑ پر قربان ہوجائیں کہ وہ کوفہ شہر کے نزدیک ایک مقام پر شہید کردیے جائیں گے۔ گویا اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ صحراؤں کے وحشی جانور اپنی گردنیں روضۂ حسینؑ کی طرف لمبی کر کے صبح وشام

آپؑ پر گریہ کرتے ہیں۔ (۱) ان کی شہادت پر آسمان سے خون برسا تھا۔ (۲)

جب فرزندِ رسولؐ کو شہید کر دیا گیا تو ہر چیز خون سے غلطاں ہو گئی تھی۔ جب بہتے ہوئے پانی کو دیکھا گیا کہ اس میں بلبلے پیدا ہوتے ہیں تو وہ بھی خون آلود نظر آتے ہیں۔ پانی کے کوزوں اور تمام برتنوں پر اور گھروں کے دروازوں اور دیواروں پر مدتوں خون کے چھینٹے دیکھے گئے۔ (۳)

جب کسی پتھر کو اُٹھایا جاتا تھا تو اس کے نیچے تازہ خون نظر آتا تھا۔ (۴) حتیٰ کہ بیت المقدس میں جس پتھر کو اُٹھایا جاتا اس کے نیچے سے خون جوش مارتا ہوا باہر نکل آتا۔ (۵)

جب ابوعبداللہ علیہ السلام کے سرِ مقدس کو کوفہ میں دارالامارہ میں لایا گیا تو دارالامارہ کے درودیوار سے خون بہنے لگا۔ (۶) دارالامارہ کی ایک دیوار کو آگ لگ گئی اور اس سے ایک شعلہ نکلا جس نے ابن زیاد کے سروصورت کا رُخ کیا۔ اس کے تمام ساتھیوں نے اس امر کا مشاہدہ کیا لیکن ابن زیاد ملعون نے انھیں روک دیا کہ یہ بات آگے کسی کو نہ بتائی جائے۔ (۷) وہ آگ کو

---

(۱) کامل الزیارات ابن قولویہ۔

(۲) الخصائص الکبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۶۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۵۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۸۹۔ خطط مقریزی: ج ۲، ص ۹۸۹۔ والاتحاف بحب الاشراف، ص ۵۵۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔ مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۰۶ و ۱۸۲۔ کہ آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ ابن اثیر در کامل، ج ۷، ص ۲۹۔ حوادث، ص ۲۴۶۔ کتاب نجوم الزاہرہ، ج ۲، ص ۲۲ ۳۔ کنز العمال، ج ۴، ص ۲۹۱۔ خصائص الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۲۶۔

(۳) الخصائص الکبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۶۔

(۴) تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔

(۵) مجمع الزوائد ہیثمی: ج ۹، ص ۱۹۶۔ خصائص الکبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۵۔ تاریخ الخلفاء سیوطی: ص ۱۳۸۔ عقد الفرید: ج ۲، ص ۳۱۵۔ کواکب الدریہ ج ۱، ص ۵۹۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۹۰۔

(۶) تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔

(۷) مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۶۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۰۳۔ مقتل خوارزمی، ج ۲، ص ۸۷۔ منتخب طریحی، ص ۳۳۸۔

دیکھ کر فوراً دارالامارہ سے بھاگ نکلا تھا۔ جس وقت ابن زیاد بھاگ کر نکل رہا تھا تو اس وقت فرزند رسولؐ کے سرِ مقدس سے آواز بلند ہو رہی تھی:

إِلَىٰ أَيْنَ تَهْرِبُ يَا مَلْعُونُ! فَإِنْ لَمْ تَنَلْكَ فِي الدُّنْيَا فَهِيَ فِي الْآخِرَةِ مَثْوَاكَ

"اے ملعون! اب کیوں بھاگا جا رہا ہے اگر اس دنیا کی آگ تجھ تک نہیں پہنچ سکی تو کوئی بات نہیں، آخرت کی آگ سے تو نہیں بچ سکے گا، جہنم تیرا ٹھکانا ہے"۔

لیکن وہ آگ برابر بڑھتی رہی اور حاضرین میں سے ہر شخص کو خوف و ہراس نے گھیر لیا (شرح قصیدہ ابی فراس: ص ۱۴۹)۔ جو لوگ دارالامارہ میں رہتے تھے اُن کا بیان ہے کہ برابر دو ماہ تک سورج کے طلوع و غروب کے وقت دیواریں خون سے آلودہ ہو جاتی تھیں، (کامل ابن اثیر: ج ۶، ص ۷ ۳۔ الکواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۶۔ تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۵)

اخطب خوارزم نے اپنے مقتل: ج ۲، ص ۹۲ پر کوے کی داستان نقل کی ہے کہ یوم عاشور ایک کوا سید الشہداؑ کے جنازے پر آیا، اُس نے آپؑ کے خونِ مبارک سے اپنے آپ کو رنگین کیا اور مدینہ چلا آیا اور سید الشہداؑ کے خانۂ اقدس کی دیوار پر جا بیٹھا اور وہیں آپؑ کی شہزادی حضرت فاطمہ صغریٰؑ تشریف فرما تھیں۔ اس طریقہ سے انھیں اپنے مظلوم والد کی شہادت کی خبر ملی۔ جب جنابِ فاطمہ صغریٰؑ نے اہلِ مدینہ کو اپنے والد گرامی کی شہادت کی خبر دی تو انھوں نے اسے قبول نہ کیا کہ اتنا جلدی کیسے کربلا سے مدینہ خبر آسکتی ہے۔ جب چند دنوں کے بعد مدینہ میں آپؑ کی شہادت کی خبر آئی تو سب نے تسلیم کر لیا کہ جنابِ فاطمہ صغریٰؑ نے سچ کہا تھا۔

اگر ہم یہ قبول کر لیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے جنابِ فاطمہ صغریٰؑ اور جنابِ سکینہؑ کے علاوہ شاید کوئی اور دختر ہو جسے مدینہ میں ٹھہرا دیا گیا ہو اور اُسے اپنے ہمراہ کربلا نہ لائے ہوں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت، اوّل سے آخر تک غیر عادی اور خوارقِ عادت اُمور سے انجام پائی تھی۔ اس میں کیا مانع ہے کہ خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ اس طریقے سے تمام اسلامی معاشرے میں ان کی شہادت کی خبر اسی روز پھیل جائے اور اُموی مظالم کا بھی دنیا کو علم ہو جائے کہ انھوں نے پیغمبرؐ کے

خاندان پر کیا کیا مظالم ڈھائے ہیں اور آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی ان کی حقیقت کا پتا چل جائے کہ وہ اسلام اور پیغمبرؐ اسلام کے دشمن تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی جلد شہادت کو ستم گروں اور گمراہوں کی نابودی کا سبب بنا دیا کہ وہ اس طرح جلد اپنے منطقی انجام تک پہنچیں اور دین کا احیا ہو اور پھر یہی دین قیامت تک زندہ و تابندہ رہے۔

دِعبل خزاعی کی روایت

دِعبل اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ اس کی ماں سعدی بنت مالک خزاعیہ کا بیان ہے کہ "اُمِ معبد خزاعیہ" کے گھر کے دروازے پر ایک خشک درخت تھا، رسولؐ اللہ نے اس درخت کے تنے کے نزدیک وضو فرمایا تھا۔ آپؐ کی برکت سے وہ درخت سرسبز ہو گیا اور پھل دینے لگا۔ جب رسولؐ اللہ کی رحلت ہوئی تو اس درخت کے پھل کم ہو گئے۔ جب حضرت امام علی علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو اس درخت کے پھل گر پڑے جب کہ لوگ اس درخت کے پتوں سے اپنی بیماری کا علاج کرتے تھے۔

زمانہ گزرتا گیا۔ ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ اس درخت کی بنیادوں میں سے خون فوارے کی طرح باہر نکل رہا ہے، ہر طرف یہ خبر پھیل گئی، لوگوں میں حیرانی اور پریشانی بڑھ گئی۔ اُنھیں کچھ معلوم نہ تھا کہ قضیہ کیا ہے۔

جب رات چھا گئی اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو لوگوں نے رونے کی آوازیں سنیں اور رونے والا کہہ رہا تھا:

يَابْنَ الشَّهِيْدِ يَاشَهِيْدًا عَمُّهُ ۔۔۔ خَيْرُ العُمُوْمَةِ جَعْفَرُ الطَّيَّارُ

عَجَبًا لِمَصْقُوْلٍ أَصَابَكَ حَدُّهُ ۔۔۔ فِي الْوَجْهِ مِنْكَ وَقَدْ عَلَاكَ غُبَارُ

"اے فرزندِ شہید! اے بے دردی سے قتل ہونے والے شہید! آپؑ کے چچا جناب جعفر طیارؑ عظیم چچا تھے۔ اسلام کی خاطر ان کی قربانی بھی عظیم ہے لیکن جن مصائب سے آپؑ دوچار ہوئے ہیں ان کی مثال نہیں ملتی"۔

اس غیبی آواز کا علم تو کسی کو نہ ہوا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سید الشہداؑ کی شہادت کی خبر پہنچ گئی۔

خیامِ حسینیؑ کو لوٹنے والوں کا انجام

جب دشمنوں نے سیدالشہداؑ کے خیام کو تاراج کیا اور جن لوگوں کے ہاتھ زعفران آیا جب انھوں نے اس سے استفادہ کرنا چاہا تو ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جن لوگوں نے ورس لوٹا جو رنگنے کے کام آتا ہے جب اُسے استعمال کرنے کے لیے رگڑا گیا تو وہ مٹی میں بدل گیا۔ جب کچھ کوفیوں نے آپؑ کا اُونٹ چوری کیا اور اُسے ذبح کیا تو وہ ان کے کھانے کے قابل نہ رہا۔ اللہ نے اس میں تلخی پیدا کردی اور اُس گوشت سے آگ کا شعلہ نکلا۔ ①

آسمانی سرخی

بعد از غروب آفتاب آسمانی سرخی، سیدالشہداؑ کی شہادت سے قبل نہیں دیکھی گئی تھی۔ (صواعق محرقہ: ص ۱۱۶)

ابن جوزی کہتے ہیں: جب انسان غیض وغضب میں آتا ہے تو اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ جب کہ خداوند تعالیٰ کی ذات جسم وجسمانیت سے منزہ ہے تو اس نے شہادت امام حسینؑ کے سلسلے میں ان کے قاتلوں پر اپنے غیض وغضب کو اُفق کی سرخی کی صورت میں ظاہر کیا۔

جب جنگِ بدر میں کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو اپنا قیدی بنایا اور ان کے ہاتھوں کو پسِ پشت کس کر باندھ دیا تھا۔ جب پیغمبرؐ اسلام نے ان کے گریہ وناله کی آوازیں سنیں تو اس قدر دُکھی ہوئے کہ آپؐ کی راتوں کی نیند اُڑ گئی تھی۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ اگر پیغمبرؐ اسلام اپنے فرزند حسینؑ کے جاں گداز گریہ وناله کی صدائیں سنتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟

جی ہاں! اسلام میں قبل از اسلام گناہ کی سزا نہیں ہے، یعنی جب ایک کافر اپنے زمانہ کفر میں گناہ کرے اور پھر مسلمان ہو جائے تو اس کے گذشتہ گناہوں کو نہیں دیکھا جاتا۔ جب حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی اسلام لایا تو پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا کہ وہ میرے سامنے نہ آئے

---

① خصائص کبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۶۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹۔ تہذیب التہذیب: ج ۲، ص ۳۵۳۔ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۹۶۔ الکواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۶۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۹۰۔

کیونکہ مجھے پسند نہیں ہے کہ میں اپنے دوست کے قاتل کو دیکھوں۔

جی ہاں! اگر پیغمبرؐ اسلام میدانِ کربلا میں دیکھتے کہ ان کے جوانوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان کی بیٹیوں کو قید کر کے بے پالان و بے کجاوہ اُونٹوں پر سوار کر دیا گیا ہے تو ان پر کیا گزرتی؟ (تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۴۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶)

جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم عاشور کربلا میں تشریف فرما تھے اور وہ ان مظالم کو اپنی مبارک آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ لوگوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جو کربلا میں اس لیے موج زن ہے کہ شجرِ رسالت و اہلِ بیتؑ کو بنیادوں سے اُکھاڑ کر پھینک دے۔ آپؐ اپنی مصیبت زدہ اور غم زدہ بیٹیوں کو دیکھ رہے تھے کہ جن کے بیٹوں، بھائیوں اور شوہروں کو قتل کر دیا گیا ہے اور وہ ان کے غم میں نالہ و فریاد کناں ہیں۔ چھوٹے بچے ہیں جن پر دریا کنارے تشنگی کا غلبہ ہے اور وہ العطش العطش کے دردناک آوازے بلند کر رہے ہیں۔

اسی دوران میں اس یزیدی لشکر نے غیبی رعب آور آواز سنی جو کہہ رہا تھا:

> "اے اہلِ کوفہ! تمھاری واہی تباہی ہو! میں نے ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے جو اِضطراب اور سراسیمگی کی حالت میں اپنے محاسن شریف کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ہیں۔ وہ کبھی تمہاری طرف دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کی طرف"۔

جی ہاں! یزیدی لشکر نے یہ آواز سنی لیکن وہ ہَوا و ہوس کے غلام بن چکے تھے۔ ان کے ضمیر مُردہ ہو چکے تھے۔ ان کا اندر اور باہر فسق و فجور سے بھر چکا تھا۔ وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس لیے وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ: لَا يَهُوْلَنَّكُمْ ذٰلِكَ، اَنَّهٗ صَوْتُ مَجْنُوْنٍ "خوف مت کھائیے یہ کوئی دیوانہ ہے جو ایسی آوازیں بلند کر رہا ہے"۔

لیکن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ آواز بلند کرنے والے جناب جبرائیلؑ تھے۔ (کامل الزیارات)

آسمانی فرشتے اس یزیدی لشکر کو آوازے دے رہے تھے:

"اے ستم پیشہ اُمت! ان چند لحات کے لیے خوشیاں نہ منایئے۔ لَا وَفَّقَكُمُ

اللہِ لاَضحٰی وَلاَ فِطر "خداوند تعالیٰ تمھیں عیدِ قربان و عیدِ فطر کی خوشی نصیب نہیں کرے گا"۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ فرشتوں کی دُعا مستجاب ہوئی اور قاتلانِ امامؑ کو کوئی خوشی نصیب نہ ہوئی اور وہ جلد اپنے کیفرکردار تک پہنچے۔ جب تک امامِ زمان حضرت حجت ابن الحسن علیہ السلام ان سے انتقام نہیں لیں گے، انھیں قطعاً خوشیاں نصیب نہ ہوں گی۔ (من لایحضرہ الفقیہ: ص ۱۴۸)

وَهَبَ دَمُ یَحیٰی قَدْ غَلاَ قَبلُ فِي الثَّرٰی فَإِنَّ حُسَیْنًا فِي الْقُلُوبِ غَلاَ دَمُهُ
وَ إِنْ قَرَّ قِدمًا مُذ دَعَا بُختُ نَصَّرٍ بِشَارَاتِ یَحیٰی وَاستَرَدَت مَظَالِمُهُ
فَلَیسَت دِمَاءُ السِبطِ تَهدَأُ قَبلَ أَن یَقُومَ بِإِذنِ اللهِ لِلثَّارِ قَائِمُهُ

"ذرا غور وفکر کیجیے! جنابِ یحییٰ نبیؑ کا خونِ اقدس ان کی شہادت کے بعد فوارے کی طرح اُبلتا رہا۔ اسی طرح فرزندِ رسولؐ کا خونِ اقدس انسانوں کے قلوب میں جوش وخروش میں ہے۔ جنابِ یحییٰؑ کا خون اس وقت تک اُبلتا رہا جس وقت تک بخت نصر نے ان کے قاتلوں سے انتقام نہیں لے لیا تھا۔ جی ہاں! سبطِ نبیؐ کے خون کو اس وقت تک قرار نہیں آسکتا جب تک قائم آلِ محمدؐ اللہ کے اذن سے ظالموں سے انتقام نہیں لے لیتے"۔

جناب شیخ بہائی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد شیخ حسین بن عبدالصمد حارثی مسجدِ کوفہ میں وارد ہوئے تو انھوں نے وہاں ایک انگشتری دیکھی کہ جس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا:

أَنَا دُرٌّ مِنَ السَّمَاءِ نَثَرُونِي
یَومَ تَزوِیجِ وَالِدِ السِّبطَینِ
کُنتُ أَصفَی اللُّجَینَ بَیَاضًا
صَبَغَتنِي دِمَاءُ نَحرِ الحُسَینِ

"میں آسمانی دُر ہوں۔ مجھے اس دن آسمانی مخلوق نے زمین پر نچھاور کیا تھا، جس دن حسنین شریفین کے والد گرامی نے ان کی والدہ سے شادی کی

تھی۔ میں چمک دمک میں سفیدی اور صفائی میں چاندی سے زیادہ روشن اور سفید تھا۔ مجھے فرزندِ رسولؐ امام حسین علیہ السلام کے خونِ اقدس نے یمنی عقیق بنا ڈالا یعنی میری سرخی حسینؑ کے خونِ اقدس کی وجہ سے ہے"۔(کشکول شیخ یوسف بحرانی: ص ۱۷)[1]

شامِ غریباں امام حسین علیہ السلام کے روضہ پر گزارنے کی تاکید

مستحب مؤکدہ ہے کہ اپنے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی پیروی میں محرم کی گیارہویں شب غم واندوہ میں بسر کی جائے۔ آلِ محمدؐ کی اس عظیم مصیبت پر نالہ وزاری کی جائے۔ اس طرح گریہ کیا جائے جیسا کہ اُن کے جنازے سامنے ہیں اور ان پر ڈھائے جانے والے مصائب کے آثار سامنے ہیں کہ کسی جوان کا لاشہ ہے جسے تلواروں اور نیزوں سے اس طرح قتل کیا گیا کہ جس کا جسم سالم نہیں رہا بلکہ پارہ پارہ ہوگیا اور پھر یہ خیال کیا جائے کہ ان کے پامال شدہ مقدس اجسام خاک وخون میں غلطاں کربلا کی گرم زمین پر پڑے ہوئے ہیں۔ جنھیں تین دن تک نہ کفن دیا گیا اور نہ ہی دفن کیا گیا۔

اگر انسان اس شب کا تصور کرے کہ سامنے اہلِ بیتؑ کے جوانوں کے لاشے پڑے تھے اور مخدراتِ عصمت وطہارت دشمنوں کے نرغے میں اُن پر ماتم کناں تھیں۔ وہ بال پریشان کیے ہوئے نالہ وشیون بلند کر رہی تھیں۔ انھوں نے اپنے گریبان چاک کر ڈالے تھے۔ سر اور منہ پر طمانچے مار رہی تھیں۔ کربلا کی سرزمین اور اس کی فضائیں سوگوار تھیں۔ غم کے بادل تھے، جو پیغمبرؐ کی بیٹیوں پر برس رہے تھے۔ ڈکھ درد میں ڈوبی ہوئی آندھیاں تھیں جو تیزی سے چل رہی تھیں۔

جب ان کی مصیبت اس طرح یاد آئے تو ضرور انسان کے قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور آنکھوں سے سیلابِ اشک رواں دواں ہوجاتے ہیں۔ اس شب جتنا ممکن ہو اس قدر حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام سے اور ان کے خاندان سے اپنی محبت کا اظہار اس طرح کیا جائے جس

---

[1] اتفاق کہیے کہ یہ یکم ذی الحجہ کی شب ہے بوقت ترجمہ یہ شعر میرے سامنے آیا جس میں حضرت امیر علیہ السلام اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے عقد کا ذکر ہے۔ ان دونوں ہستیوں کی عقد کی تاریخ بھی یکم ذی الحجہ ہے"۔(مترجم)

طرح کہ روایات میں آیا ہے۔ اسی طریقہ سے اپنے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے۔

گیارہویں شب کے بارے میں بہت سی روایات ہیں، ان میں سے بعض روایات سے یہاں استفادہ کرتے ہیں۔

مالک جہنی نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

مَنْ زَارَ الْحُسَيْنَ يَوْمَ عَاشُورَا حَتّٰى يَظَلَّ عِنْدَهٗ بَاكِيًا لَقِيَ اللهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِثَوَابِ أَلْفِ حَجَّةٍ وَأَلْفَيْ أَلْفِ عُمْرَةٍ ، وَأَلْفَيْ أَلْفَ غَزْوَةٍ مَعَ رَسُولِ اللهِ وَالْأَئِمَّةِ الرَّاشِدِيْنَ (کامل الزیارات: ص ۱۷۴)

"جس شخص نے عاشورا کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت کی اور رات تک ان کی قبر مبارک پر گریہ کناں رہا۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ خدا کے ساتھ اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اس کے نامۂ اعمال میں بیس لاکھ حج، بیس لاکھ عمرہ اور بیس لاکھ جہاد کا ثواب ہوگا اور اس کا ثواب اس شخص کے حج وعمرہ اور جہاد کے برابر ہوگا جس نے رسولِؐ خدا اور آئمہ علیہم السلام کے ساتھ کیا ہو"۔

ماہرین زبانِ عربی کہتے ہیں کہ "ظل" کا معنی ہے کہ کسی کام کے لیے دن رات تک گزارنا۔[1]

لیکن جابر جعفی کی روایت ماہرینِ لغت عرب کے اس معنی ومفہوم کی نفی کرتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مَنْ زَارَ الْحُسَيْنَ يَوْمَ عَاشُورَا وَبَاتَ عِنْدَهٗ كَانَ كَمَنِ اسْتَشْهَدَ بَيْنَ يَدَيْهِ

---

[1] کتاب تاج العروس: ج ۷ ص، ۱۲۶ ۔ مادہ "ظل" کے تحت شہاب خفاجی نقل کرتے ہیں کہ ظل فعلِ ماضی اور افعالِ ناقصہ میں سے ہے۔ اپنی خبر کو اپنے اسم کے ساتھ تمام روز ثابت رکھتا ہے۔ شرح کافیہ میں علامہ رضی لکھتے ہیں کہ ظلّ افعالِ ناقصہ میں سے ہے جیسے ظَلَّ زَیْدٌ مُتَفَكِّرًا۔ یعنی زید سارا دن اسی حالت میں رہا یعنی ظل مضمون جملہ اسمیہ جو زید کے تفکر پر مشتمل ہے، کو دن کی تمام ساعات سے ملا دیتا ہے۔

"جو شخص روزِ عاشور امام حسین علیہ السلام کی زیارت کرے اور آنے والی رات آپؑ کی قبر مبارک پر بسر کرے تو اس کا مرتبہ ایسے ہے جیسے وہ یومِ عاشور ان کے ہمراہ جنگ کرکے شہید ہوا ہے"۔

کیوں کہ اس روایت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ انسان عاشورا کا دن مرقد مطہر پر آنے والی رات تک گریاں صورت میں گزارے۔ اگر اس طرح نہ ہو تو امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص شبِ عاشور مرقدِ مطہر پر گزارے اور آنے والے دن امام علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کرے اور وہ دن غروبِ آفتاب تک گریاں صورت میں رہے تو وہ فلاں فلاں اجر کا مستحق ہوگا۔

علاوہ ازیں اسی احترام اور حیثیت کا تقاضا ہے کہ جو شخص سارا دن امامِ مظلومؑ کی قبر مبارک پر رہے تو آنے والی رات بھی انھی کی قبر مبارک پر گزارے۔ یہ وہ رات ہے جس کی مثال کائنات میں نہیں ملتی۔ یہی رات تھی اور رسولؐ اللہ کی مظلوم بیٹیاں تھیں۔ چند ستارے آب و تاب میں تھے۔ ان کی روشنی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ان خواتین کے تمام جوان شہید ہو چکے تھے۔ یہ بیبیاں ننگے پاؤں کربلا کے خشک صحرا میں دوڑ رہی تھیں۔ شہداؑ کے لاشے تلواروں کی ضربات سے جن کے اعضا بکھر چکے تھے، انھیں دیکھ رہی تھیں۔ اس تنہائی اور بے کسی میں انھیں معلوم نہ تھا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمن کل ان کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔

آلِ محمدؐ کے انھی مصائب کے پیشِ نظر اہلِ بیتؑ کے دوستوں پر لازم ہے کہ وہ گیارھویں شب حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضۂ اطہر پر گزاریں اور ساری رات گریہ و زاری میں گزاریں اور فوزِ عظیم حاصل کریں اور مسلسل اپنی زبان پر یہ کلمات جاری رکھیں: (یَا لَیْتَنَا کُنَّا مَعَکُمْ فَنَفُوزَ فَوْزاً عَظِیْمًا) "اے کاش! ہم اس روز آپؑ کے ساتھ میدانِ کربلا میں ہوتے اور آپؑ پر اپنی جان قربان کرتے ہوئے عظیم سعادت حاصل کرتے"۔ [1]

---

[1] عیون اخبار: ص ۲۶۔ امام ہشتم علیہ السلام سے مروی ہے کہ آں حضرتؑ نے ابن شبیب سے فرمایا: اگر تو چاہتا ہے کہ بہشت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہوں تو قاتلانِ امام حسینؑ پر لعنت بھیجا کرو اور جب تمھیں امام علیہ السلام کی یاد آئے تو یہ الفاظ اپنی زبان پر جاری کرو: یَا لَیْتَنِی کُنْتُ مَعَکُمْ فَأَفُوزَ فَوْزاً عَظِیْمًا۔

اس تاسف و اندوہ کے ذریعے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی تقلید کرو کیونکہ وہ بھی اسی شب اپنے پارۂ جگر پر گریہ کرتی ہیں۔ نوحہ خوان "ذرہ" نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے فرزند کی قبر مبارک پر گریہ کناں تھیں اور اُنھوں نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ یہ اشعار پڑھا کریں:

أَيُّهَا الْعَيْنَانِ فَيْضَا وَاسْتَهِلَّا لَا تُغِيضَا
وَابْكِيَا بِالطَّفِّ مَيْتًا تَرَكَ الْجِسْمِ رَضِيضًا
لَمْ أُمَرِّضْهُ قَتِيلًا لَا وَلَا كَانَ مَرِيضًا

"اے میری آنکھو! جتنا رو سکتی ہو اتنا روؤ اور تمہارا یہ رونا بند نہ ہو۔ اس پر آنسو بہاؤ جو صحرائے کربلا میں اس دنیا سے مظلومیت کے ساتھ رخصت ہوا، اس کے جسمِ اقدس کو پامال کیا گیا۔ میں نے اس مقتول کی تیمارداری نہیں کی کیونکہ وہ مریض نہ تھا بلکہ مقتول تھا"۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۱۸۹، نقل از امالی شیخ مفید، نیشاپوری)

قاضی ابوعلی محسن بن علی تنوخی نے اپنے والد سے روایت کی کہ انھوں نے ابوالحسن کاتب سے پوچھا کہ ابن اصدق نوحہ خوان کے متعلق جو تمہاری داستان ہے، وہ کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: میری ایک کنیز تھی جو اکثر روزہ سے رہتی تھی۔ شب زندہ دار بھی تھی۔ وہ عربی زبان کا ایک لفظ تک نہ جانتی تھی۔ عربی کا شعر کیا اور وہ کیا۔ وہ اکثر نبطی لہجے میں بات کرتی تھی۔ جب وہ ایک رات سوئی تو رات کے کسی وقت تڑپ کر اُٹھ بیٹھی۔ میرا بستر بھی اس کے قریب تھا۔ اُس نے مجھے آواز دی تو میں فوراً اس کے پاس گیا۔ وہ اس وقت کانپ رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: میں شہر کرخ کے کسی محلہ میں ہوں، اس میں ایک خوبصورت، صاف ستھرا گھر ہے اور اس گھر میں خوبصورت عورتیں جمع ہیں جو گریہ کر رہی ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: کون فوت ہو گیا ہے؟ اور یہ کیا ماجرا ہے؟

انھوں نے صحن کی طرف اشارہ کیا تو میں اس طرف چلی گئی۔ وہاں پر میں نے دیکھا

کہ ایک حسین و جمیل نوجوان خاتون ہے میں نے زندگی بھر ایسی خوبصورت عورت نہیں دیکھی تھی۔ اس کا لباس نہایت اعلیٰ اور خوبصورت تھا، اس کی چادر سفید تھی اور اس کی گود میں ایک کٹا ہوا سر تھا، جس سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے اس معظمہ خاتون سے پوچھا: آپ کون ہیں؟

انھوں نے جواب دیا: تُو کیا چاہتی ہے، میں اللہ کے رسول کی بیٹی فاطمہ زہراؑ ہوں اور یہ کٹا ہوا سر میرے فرزند حسینؑ کا ہے۔

وہ کنیز کہتی ہے کہ بی بیؑ نے مجھ سے فرمایا: اے کنیز! میری یہ بات اصدق سے کہہ دینا کہ میرے فرزند پر نوحہ سرائی کرتے ہوئے یہ شعر پڑھے:

لَم أُمَرِّضهُ فَاسلُو

لَا وَلَا کَانَ مَرِیضًا

"میں اُس کی تیمارداری نہیں کرسکا، کیونکہ وہ مریض ہی نہیں ہے"۔

جس وقت اس نے مجھے یہ شعر سنایا تو وہ "ضٓ" کو "ضٓ" نہ کہہ سکی۔ بلکہ "ضٓ" کی جگہ "ظٓ" تلفظ کیا یعنی لَم أُمَرِّطهُ فَاسِلُو۔ وہ بہت پریشان اور خوفزدہ تھی۔ میں نے اُسے تسلی دی تو پھر وہ دوبارہ سو گئی۔

بعدازیں ابوالحسن کاتب نے علی تنوخی سے کہا: اے ابوالقاسم! کیا آپ ابن اُصدق کے گھر سے واقف ہیں کہ میں آپ کو یہ ذمہ داری سونپتا ہوں کہ آپ اس کے پاس جائیں اور اس تک یہ پیغام پہنچائیں۔

تنوخی نے کہا: میں دل و جان سے خاتونِ جنت کا پیغام اس تک پہنچاؤں گا۔ یہ واقعہ ماہِ شعبان کا تھا۔ ان دنوں عراقی شیعیانِ حیدرِ کرار حنابلیوں کے کربلا پر حملوں کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ ان پر بھی سیّد الشہداءؑ کے روضہ کی زیارت کے دروازے بند تھے۔

میں ایک عرصہ تک کوشش کرتا رہا کہ وہاں جاؤں لیکن نہ جاسکا۔ آخر ایک دن میں اپنی کوشش میں کامیاب رہا اور ابن اصدق نوحہ خوان کو تلاش کرلیا اور اس سے کہا کہ رسول اللہؐ کی دختر حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا حکم ہے کہ یہ نوحہ پڑھو:

لَم أُمَرِّضهُ فَاسلُو

لَا وَلَا کَانَ مَرِیضًا

میں اس قصیدہ سے واقف نہیں تھا جب میں نے یہ شعر نوحہ خوان ابن اصدق کے سامنے پڑھا تو وہ سخت پریشان ہوا۔ وہاں جو لوگ موجود تھے مَیں نے ان کے سامنے کنیز کی ساری داستان پیش کی۔ جب انھوں نے مجھ سے یہ داستان سنی تو ان لوگوں کی بے اختیار چیخیں نکل گئیں اور ان کی صدائے گریہ بلند ہوئی۔ اس رات جب بھی کوئی نوحہ پڑھا گیا تو اس کے اوّل میں یہ شعر ضرور پڑھا گیا:

أَيُّهَا الْعَيْنَانَ فِيْضَا
وَاسْتَهِلَّا لَا تَغِيْضَا

"اے دونوں آنکھیں! تم آنسو بہاؤ جو ہلال طلوع ہوا ہے، اسے گرہن نہیں لگا"۔

میں یہ پیغام پہنچا کر واپس ابوالحسن کاتب کے پاس آیا اور ساری صورتِ حال اس کے گوش گزار کی۔ (نشوارالمحاضرہ: ج ۸، ص ۲۱۸)

تاراجی خیام

جب یزیدی فوج نے فرزندِ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دیا تو انھوں نے خیامِ اہلِ بیتؑ کا رُخ کیا اور سادات کے خیموں کو لوٹنا شروع کیا اور خیموں کو آگ لگا دی۔ ① علاوہ ازیں مخدراتِ عصمت وطہارت کے پاس جو کچھ تھا اُسے بھی لوٹ لیا۔

ہائے افسوس ان ظالموں، ستم گروں اور فسق و فجور کے پیکروں نے زوردار سیلاب کے مانند خیام کا رُخ کیا۔ ان کا ہر آدمی دوسرے پر سبقت لے رہا تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھ جو کچھ بھی لگا وہ لوٹ لیا۔ خواتین کے سروں سے چادریں چھین لیں۔ ان کے ہاتھوں میں انگوٹھیں تھیں تو وہ بھی اُتار لیں۔ ان کے کانوں سے گوشوارے اور پاؤں سے خلخال اُتار لیے۔ انھوں نے لُوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ اُدھر نبی زادیاںؑ بھاگ رہی تھیں کہ وہ ان اشرار کے شر سے بچ جائیں۔ وہ نالہ و فریاد بھی بلند کر رہی تھیں کہ کوئی انھیں یزیدی فوج کے شر سے بچالے۔

---

① کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۲۔

ایک ملعون آیا اور اُس نے جناب اُمِ کلثومؑ کے گوشوارے اُتارنے چاہے۔ جب اُس سے گوشوارے نہ اُتر سکے تو اس ظالم نے گوشواروں کو اس طرح زور سے کھینچا کہ علیؑ کی شہزادیؑ کے کان زخمی ہو گئے اور ان سے خون بہنے لگا۔ ①

ایک اور شریر آیا۔ اس نے سیدالشہداءؑ کی شہزادیؑ حضرت فاطمہؑ کے خلخال لوٹے۔ شہزادیؑ کا بیان ہے کہ وہ میرے پاؤں سے خلخال اُتار بھی رہا تھا اور رو بھی رہا تھا۔ مَیں نے اس سے پوچھا: تُو کیوں رو رہا ہے؟

اس نے کہا: میں کیوں نہ روؤں؟ کیوں کہ میں دخترِ رسولؐ کے بدنِ اقدس سے اس کے خلخال اُتار رہا ہوں۔

مَیں نے اُس سے کہا: تو پھر میرے خلخال نہ لوٹ۔

اس نے کہا: اگر مَیں نے نہ لوٹے تو کوئی اور لوٹ کر لے جائے گا۔ ②

اہلِ بیتؑ کی ان خواتین پر ہر قسم کے مظالم ڈھائے گئے، ان ظالموں کے ہاتھوں میں نیزے اور تازیانے تھے۔ وہ ان نیزوں کی انیوں اور تازیانوں کے ساتھ مخدراتِ عصمت و طہارت کو ایذائیں دے رہے تھے۔ رسولؐ اللہ کی شہزادیاںؑ ان کے خوف سے دوڑ رہی تھیں اور ایک دوسرے کی پناہ لے رہی تھیں۔ عمر ابن سعد کی فوج جہاں سروں سے چادریں چھین رہی تھی، وہاں ہاتھوں سے کنگن بھی اُتار کر لے جا رہی تھی۔

جب ایک ظالم کی نگاہ حضرت فاطمہؑ دختر سیدالشہداءؑ پر پڑی۔ بی بی نے دیکھا کہ ظالم اسی کی طرف آ رہا ہے تو اس کے خوف سے دوڑ پڑیں۔ اس ملعون نے بی بیؑ کی پشت کی طرف اپنا نیزہ پھینکا، جس کی وجہ سے شہزادیؑ زمین پر گر پڑیں اور بے ہوش ہو گئیں۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ پھوپھی جناب اُمِ کلثومؑ ان کے سرہانے بیٹھی گریہ کر رہی ہیں۔ (ریاض المصائب: ص ۳۴۱، تظلم الزہراؑ: ص ۱۳۰)

قبیلہ بکر بن وائل کی ایک خاتون اپنے شوہر کے ہمراہ میدانِ کربلا میں موجود تھی۔

---

① تاریخ طبری: ج ۷۔ مثیر الاحزان: ص ۴۰۔ الدمعۃ الساکبہ: ص ۳۴۸

② امالی صدوق: ص ۹۹، مجلس ۳۱، سیر اعلام النبلاء ذہبی: ج ۳، ص ۲۰۳

جب اس نے پیغمبر خدا ﷺ کی بیٹیوں کو اس حال میں دیکھا تو سخت پریشان ہوئی اور اس نے بکر بن وائل کے لوگوں کو آواز دی: اے بکر بن وائل کے لوگو! أَتُسلَبُ بَنَاتُ رَسُولِ اللهِ؟ لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ، يَالَثَارَاتِ رَسُولِ اللهِ؟ تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ پیغمبرؐ کی بیٹیوں کو لوٹا جارہا ہے۔ اے رسولؐ اللہ کے خونِ اقدس کا بدلہ لینے والو!

اس کا شوہر اس کے پاس آیا اور اُسے واپس اپنی منزل پر لے گیا۔ (لہوف: ص ۴۳۔ مثیر الاحزان ابن نما: ص ۴۱)

آخر یہ لوٹ مار کرنے والے اس خیمہ میں پہنچے جہاں زمانے کے امام حالتِ بیماری میں اپنے بستر پر تھے یعنی سید الشہداءؑ کے واحد وارث علی بن الحسینؑ۔ [1] ان میں سے کسی نے کہا کہ آلِ محمدؐ میں سے کسی کو نہ چھوڑیے چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، ان پر رحم مت کیجیے اور سب کو قتل کر دیجیے۔ ایک اور شخص نے کہا: جلدی نہ کیجیے۔ عمر ابن سعد سے مشورہ کر لیتے ہیں۔ (تظلم الزہراؑ: ص ۱۳۲)

اسی دوران میں شمر ملعون نے اپنی تلوار نیام سے نکالی کہ اُنھیں قتل کر دے۔ حمید ابن مسلم جو عمر ابن سعد کی فوج کے افراد میں سے تھا، اس نے کہا: سبحان اللہ! تو ایک ایسے بچے کو قتل کرنا چاہتا ہے جو حالتِ مرض میں ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۶۷)

شمر ملعون نے کہا: ابن زیاد کا حکم ہے کہ حسینؑ کے تمام فرزندوں کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن ابن سعد نے روک دیا کہ علیؑ بن الحسینؑ کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت زینبؑ بنتِ علیؑ نے سنا کہ دشمن امام زین العابدینؑ کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا: وَاللهِ لَا يُقْتَلُ حَتّٰى اُقْتَلَ ''خدا کی قسم! اگر تم انھیں قتل کرنا چاہتے ہو تو ان سے پہلے مجھے قتل کرنا ہوگا۔ میں کسی صورت انھیں قتل نہ ہونے دوں گی''۔

ان حالات کو دیکھ کر ظالموں نے امام علیہ السلام کے قتل سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔ (نفس المہموم،

---

[1] تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۶۷۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۷۹۔ البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۸۸ و مراۃ الجنان: ج ۱، ص ۱۳۳۔ ارشاد مفید: ص ۲۴۲۔ مناقب ابن شہر آشوب: ج ۴، ص ۲۲۵۔ اعلام الوریٰ طبری: ص ۱۴۸۔ روضۃ الواعظین ابن فتال: ص ۱۹۲۔

تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۶۷۔ کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۷۹۔ تاریخ قرمانی: ص ۱۰۸)

كَانَت عِيَادَتُهُ مِنهم سِيَاطُهُم وَفِي كُعُوبِ القَنَا قَالُوا! اَلبقاء لَكَا

جَرُّوهُ فَانتَهَبُوا النَّطعَ المُعدِلَهُ وَأَوطَئُوا جِسمَهُ السَّعدَانَ وَالحَسَكَا

''یہ کیسی اُمت تھی اور کیسے لوگ تھے کہ آلِ محمدؐ کے جوانوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے خیام کی طرف آئے جہاں رسولؐ اللہ کی شہزادیاں تھیں۔ ان ظالموں نے ان کی عیادت تازیانوں اور کوڑوں سے کی جن کے پاس نیزے تھے، انھوں نے نیزوں کی اَنیوں سے اُسیران کو دوڑایا۔ پھر انھوں نے بیمار کربلا کو گھسیٹا۔ جو کچھ اُن کے تن بدن پر تھا وہ بھی لوٹ لیا۔ پھر سیّدالشہداؑ کے لاشے کو گھوڑوں کے سُموں سے پامال کر دیا۔ حالانکہ ان کا لاشہ کانٹے دار جھاڑیوں پر تھا''۔

عمر ابن سعد اہلِ بیتؑ کی خواتین کے پاس آیا۔ جب مستورات کی اس پر نظر پڑی تو سب رونے لگیں۔ اس وقت عمر ابن سعد نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اب وہ مزید مزاحمت نہ کریں اور جو کچھ ان سے لوٹا ہے وہ واپس کر دیں لیکن اس کی بات کسی نے تسلیم نہ کی اور لوٹا ہوا مال اپنے ساتھ لے گئے۔ [1] اس نے ان خواتین کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ

---

[1] کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۷۹۔ مصعب زبیری نے کتاب نسب قریش زبیری میں ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کیا ہے کہ عمر ابن سعد نے امام علیؑ بن الحسینؑ کو اپنے پاس رکھا اور انھیں لوگوں کی نظر سے دُور رکھا اور نہایت احترام سے پیش آیا۔ جب کوفہ میں اس نے منادی کی ندا سنی جو کہہ رہا تھا: جو شخص علیؑ بن الحسینؑ کو دربار میں لے آئے گا تو اُسے تین سو درہم انعام دیا جائے گا تو اس نے فوراً امام علیؑ بن الحسینؑ کو زنجیروں میں جکڑا اور دربار میں ابن زیاد کے پاس لے آیا اور اُس نے انعام حاصل کیا۔ ابن زیاد نے امامؑ کے قتل کا حکم دیا۔ اگر عقیلۂ قریش امام سجادؑ پر اپنے آپ کو نہ گراتیں اور یہ نہ کہتیں کہ ''اگر انھیں قتل کرنا ہے تو پہلے مجھے قتل کر''، ابن زیاد ہر صورت میں امامؑ کو قتل کر دیتا۔

مندرجہ بالا واقعہ صرف زُبیری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور مورخ نے نہیں لکھا۔ یہ واقعہ حقیقت سے بعید نظر آتا ہے کہ کوئی لشکر کے درمیان عمر ابن سعد کس طرح امامؑ پر مہربان ہو سکتا تھا۔ اس ولدالزنا سے خیر کی اُمید کسی صورت [illegible] تھی کیونکہ میدانِ کربلا میں اس نے آلِ محمدؐ پر مظالم کی [illegible]

مقرر کیا اور اپنی منزل کی طرف واپس چلا گیا۔

لاشوں کی پامالی

عمر ابن سعد نے اعلان کیا کہ کوئی ہے جو حسینؑ اور ان کے اصحاب کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کے سینے اور پشت کی ہڈیوں کو پامال کر دے؟ تو دس انسان نما درندوں نے اس کی آواز پر لبیک کہا۔ ان کے نام یہ ہیں:

① اسحاق بن حویہ
② اخنس بن مرثد بن علقمہ بن سلمہ حضرمی
③ حکیم بن طفیل سنبسی
④ عمرو بن صبیح صیداوی
⑤ رجاء بن منقذ عبدی
⑥ سالم بن خیثمہ بن جعفی
⑦ صالح بن وہب جعفی
⑧ واخط بن غانم
⑨ ہانی بن ثبیت حضرمی
⑩ اسید بن مالک

یہ وہ ظالم ہیں جنھوں نے پیغمبرؐ خدا کے جگر گوشہ کے مقدس جسم کو پامال کیا۔ جب یہ لوگ ابن زیاد کے دربار میں آئے تو ان سب کی نمائندگی کرتے ہوئے اُسید بن مالک نے یہ شعر پڑھا:

نَحنُ رَضَضنَا الصَّدرَ بَعدَ الظُّهرِ
بِکُلِّ یَعبُوبٍ شَدِیدِ الاَسرِ

ان لوگوں نے ابن زیاد کے دربار میں اَزراہِ افتخار کہا: "ہم نے فرزند رسولؐ اور ان کے اصحاب کے سینے اور پشت کی ہڈیوں کو اپنے تنومند اور تیز گھوڑے کے سُموں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ پامال کیا بلکہ چور چور کر دیا"۔ ①

⇦ کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ بن الحسینؑ امام زمانؑ تھے محبوب خدا تھے اور آل محمدؐ کی خواتین کا واحد سہارا تھے۔ اگر انھیں کچھ ہو جاتا تو خدا جانے اہل بیتؑ نبوت کی عورتوں پر کیا گزرتی؟

① مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۳۹۔ مندرجہ بالا شعر کے ساتھ ایک اور شعر کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے:

حَتّٰی عَصَینَا اللّٰهَ رَبَّ الاَمرِ بِصُنعِهَا مَعَ الحُسَینِ الطُّهرِ

⇦

ابن زیاد نے ان لوگوں کے اس فعل کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس نے بڑی بے پروائی سے انھیں معمولی سا انعام دیا۔ (لہوف: ص ۷۵۔ مثیر الاحزان: ص ۴۱۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲ ص ۳۲۹)

البیرونی لکھتا ہے: جس طرح بنی اُمیہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ سلوک کیا اس کی مثال اقوامِ عالم میں نہیں ملتی۔ ان کے شر کی مثال ناپید ہے کہ تلواروں، نیزوں اور پتھروں کے ساتھ قتل کیا اور قتل کرنے کے بعد ان کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے۔ (الآثار الباقیہ: ص ۳۲۹)

جن گھوڑوں سے فرزندِ رسولؐ کے مقدس لاشے کو پامال کیا گیا، ان گھوڑوں کی قدر و قیمت اُموی پیروکاروں میں اتنی بڑھی کہ یہ گھوڑے جس شہر میں جاتے تو لوگ اُن کے سُموں کو اُتار کر اپنے گھر کے دروازوں پر بطورِ تبرک آویزاں کرتے یا ان سُموں کو کوٹ کر اپنے گھروں میں رکھتے۔ آہستہ آہستہ یہ عمل ان کے ہاں سنت اختیار کر گیا۔ بعدازیں اکثر لوگ ان سُموں کے مانند سُم بنا کر اپنے گھروں کے دروازوں پر آویزاں کرتے تھے۔ (کتاب التعجب کراجکی، ملحقہ کنز الفوائد: ص ۴۶۔ شمارہ مسلسل، ص ۳۵۰)

سرہائے شہدائے کربلا کا سفرِ کوفہ

جب حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب شہید ہو گئے تو عمر ابن سعد نے حکم دیا کہ شہدا کے سروں کو ان کے اَبدان سے جدا کیا جائے۔ جب تمام سر جدا کر لیے گئے تو عمر ابن سعد نے جنگ میں حاضر تمام قبیلوں کے سرداروں کے درمیان یہ سر برابر برابر تقسیم کر دیے تاکہ یہ سر ابن زیاد کے پاس لے جائیں اور اس سے تقرب حاصل کریں۔

سروں کی تقسیم کچھ اس طرح سے کی گئی:

⇦ ان اشعار سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے طاقتور اور مضبوط ترین گھوڑوں کا انتخاب کیا اور انھیں قطار کی صورت میں منظم کیا۔ ان کی گردنیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھیں اور دائرے کی صورت میں ان گھوڑوں کو ان مقدس لاشوں پر اس حد تک دوڑایا کہ شہدا کی لاشوں کی ہڈیاں پس کر آٹے کے مانند ہو گئیں۔ ان لوگوں نے اقرار کیا کہ ان کا یہ فعل اللہ کے حکم کے خلاف تھا۔

- ......قیس بن اشعث: قبیلہ کندہ کا امیر تھا اُسے تیرہ سر دیے گئے۔
- ......شمر بن ذی الجوشن: جو قبیلہ ہوازن کی نمائندگی کر رہا تھا، اُسے بارہ سر دیے گئے۔
- ......قبیلۂ بنی تمیم کو سترہ سر دیے گئے۔
- ......بنو اسد کو سولہ سر دیے گئے۔
- ......قبیلہ مذحج کو سات سر دیے گئے۔
- ...... باقی سر دوسرے لوگوں کو دیے گئے۔ (لہوف: ص ۸۱۔ عمدۃ القاری فی شرح صحیح بخاری: ج ۷، ص ۶۵۶)
- ...... جناب حُر ریاحی کے قبیلے نے نہ جناب حُر کا سر تن سے جدا ہونے دیا اور نہ ہی ان کے لاشے کو پامال ہونے دیا۔ (الکبریت الاحمر)

عمر ابن سعد نے روز عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام کے سرِ اقدس کو خولی بن یزید اصبحی اور حمید بن مسلم اَزدی کی وساطت سے ابن زیاد کی طرف بھیجا۔ باقی شہداء کے سروں کو شمر اور قیس بن اشعث اور عمرو بن حجاج کی نگرانی میں کوفہ کی طرف بھیجا۔ (ارشاد)

خولی کا گھر کوفہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا، جب اس نے دیکھا کہ وہ رات کو ابن زیاد سے نہ مل سکے گا تو راستے میں اپنے گھر چلا گیا۔ خولی کی بیوی انصاری تھی جو کہ اہلِ بیتؑ سے محبت رکھنے والی تھی، اس کے خوف سے خولی نے سیّد الشہداؑ کے سر کو اپنے گھر کے تنور میں رکھ دیا۔ جب خولی کی زوجہ رات کو اپنے کمرے سے نکلی تو اس کی نگاہ تنور پر پڑی جس سے نُور ساطع تھا اور اس کی روشنی آسمان تک جارہی تھی۔ وہ نزدیک گئی کہ معاملہ کیا ہے۔ جب وہاں گئی تو اُس نے عورتوں کے رونے کی آوازیں سنیں جو سیّد الشہداؑ (امام حسینؑ) کا نام لے کر ان پر نالہ و فریاد بلند کر رہی تھیں۔ اس نے واپس جا کر خولی کو ساری داستان سنائی۔ [1]

---

[1] روضۃ الشہداء، البدایۃ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۹۰ پر ہے کہ خولی کی زوجہ نے اپنے گھر میں تنور سے نُور ساطع دیکھا جو آسمان سے ٹکرا رہا تھا۔ اس نور میں سفید رنگ کے پرندے تھے جو اس میں پرواز کر رہے تھے۔ اس نے مزید یہ لکھا کہ خولی کی زوجہ بنام "نوار" جب اس قضیہ سے باخبر ہوئی تو خولی سے کہا: تُو اپنے گھر فرزند رسولؐ کا سر لایا ہے؟ اب ہم دونوں کبھی ایک سرہانے پر سر نہیں رکھ سکتے۔ یہ کہہ کر اس سے جدائی اختیار کر لی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ① جب اُسے حقیقتِ حال کا علم ہوا تو وہ اپنی موت تک امام علیہ السلام کے سوگ میں سوگوار رہی، اس نے نہ کبھی آرائش کی اور نہ ہی عطر استعمال کیا۔ اس محترمہ کا نام عُیوف تھا۔

دوسرے دن خولی سیّدالشہداءؑ کے سرِ مبارک کو ابن زیاد کے دربار میں لے آیا اور ابن زیاد سے یوں گفتگو کی:

اِملاءَ رِکَابِی فِضَّةً اَو ذَهَبًا　　اِنِّی قَتَلتُ السَّیِّدَ المُحَجَّبَا
وَخَیرُهُم مَن یَذکُرُونَ النَّسَبَا　　قَتَلتُ خَیرَ النَّاسِ اُمًّا وَاَبًا

''میرا دامن سونے اور چاندی سے بھر دے کیوں کہ مَیں نے کائنات کے بڑے سردار کو قتل کیا ہے۔ جب حسب ونسب کی بات چلتی ہے تو نسب کے اعتبار سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس بھری کائنات میں اس کا نسب سب سے بہتر اور برتر ہے۔ مَیں نے اُسے قتل کیا ہے کہ جس کا باپ اور ماں کائنات کے ہر فرد سے افضل اور اعلیٰ ہیں''۔

ابن زیاد نے جب بھرے دربار میں سیّدالشہداءؑ کی تعریف وتوصیف سنی تو اُسے یہ بات ناگوار گزری اور خولی سے کہا: اگر تُو اس کے مراتب کو جانتا تھا تو پھر تُو نے اسے قتل کیوں کیا؟ ②

□□□

---

① انساب الاشراف بلاذری: ج ۵، ص ۲۳۸

② یافعی نے مرآۃ الجنان: ج ۱، ص ۱۳۳ پر لکھا ہے کہ جب ابن زیاد نے یہ شعر سنا تو اس پر غضب ناک ہوا اور اُسے بھرے دربار میں قتل کرا دیا لیکن اس نے سیّدالشہداءؑ کے سر کے حامل کا نام نہیں لکھا۔ مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے کہ ابن زیاد کے دربار میں سیّدالشہداءؑ کا سرِ مقدس لانے والا کون تھا اور یہ مذکورہ شعر کس نے پڑھا تھا؟
ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ، ج ۷، ص ۳۶۸ اور ابن اثیر نے کامل: ج ۴، ص ۷۹ پر لکھا ہے کہ مذکورہ اشعار سنان بن انس نے عمر سعد کے سامنے پڑھے تھے اور تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۴ پر تحریر ہے کہ ⇐

⇦ جب مذکورہ اشعار عمر سعد کے سامنے پڑھے گئے تو اس نے اُسے کہا: کیا تُو پاگل ہو گیا ہے کہ یہ اشعار پڑھ رہا ہے۔ اگر ابن زیاد نے یہ شعر سُن لیے تو وہ تجھے قتل کر دے گا۔

شریشی شرح مقامات: ج ا،ص ۱۹۳ پر لکھتا ہے کہ مذکورہ اشعار سنان بن انس نے ابن زیاد کے سامنے پڑھے تھے۔ اربلی نے کشف الغمہ اور خوارزمی نے اپنی مقتل، ج ۲،ص ۴۰ پر لکھا ہے کہ ان اشعار کو بشر بن مالک نے ابن زیاد کے سامنے پڑھا تھا۔

ابن طلحہ نے مطالب السؤال: ص ۷۶ا پر لکھا ہے کہ مذکورہ اشعار پڑھنے والے نے یہ مصرعہ بھی پڑھا تھا: وَمَن يُصَلِّي القِبلَتَينِ فِي الصِّبَا، ''جس نے بچپن میں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی''۔ ابن زیاد یہ سن کر اس پر ناراض ہوا اور اُسے قتل کر دیا۔

ریاض المصائب: ص ۴۳۷ پر لکھا ہے کہ من درجہ بالا اشعار شمر نے پڑھے تھے۔ میری نظر میں یہ روایت درست ہے کیونکہ اگر ہم اس امر کو تسلیم کریں کہ سید الشہداءؑ کا قاتل شمر ہے تو زیارت ناحیہ مقدسہ سے بھی یہی ثابت ہے۔ اکثر مؤرخین نے اسی قول کی تائید کی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اصل قاتل خاموش رہے اور دوسرے لوگ ابن زیاد کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو فرزند رسولؐ کا قاتل ثابت کریں۔

خُوں سے چراغ دین جلایا حسینؑ نے
رسمِ وفا کو خُوب نبھایا حسینؑ نے

کربلا سے کوفہ کی طرف روانگی

لوٹو تبرکاتِ نبیؐ و بتولؑ کو
قیدی بنا کے لے چلو آلِ رسولؐ کو

دسویں محرم کو عمر ابن سعد نے شہدا کے سر کوفہ کی طرف بھیج دیے تھے۔ گیارہویں محرم کی رات وہ اپنے لشکر سمیت میدانِ کربلا میں رہا۔ جب گیارہویں محرم کا دن ہوا تو اس نے اپنے مقتولین پر نماز پڑھی پھر انھیں دفن کیا لیکن جوانانِ جنّت کے سردار اور ریحانۂ رسولؐ اور ان کے جوانوں اور ان کے اصحاب کے مقدس ابدان کو بے گور و کفن کربلا کی گرم سرزمین پر رہنے دیا حالانکہ یہ تمام شخصیات شہیدانِ راہِ خدا تھیں۔

جب نصف دن گزرا تو عمر ابن سعد نے حکم دیا کہ نبی زادیوںؑ اور ان کے بچوں کو اُونٹوں پر سوار کیا جائے۔ رسول اکرمؐ کے گھرانے کی ان یادگاروں کی تعداد بیس نفر پر مشتمل تھی۔ (۱) ان ظالموں نے ترک و روم کے قیدیوں کے مانند انھیں اُسیر بنا کر کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی عمر ۲۳ سال تھی (۲) اور آپؑ مرض کی وجہ سے بہت زیادہ لاغر و کمزور ہو چکے تھے۔ (۳)

آپؑ کو ایک ایسے اُونٹ پر سوار کیا گیا، جس کے پالان کی لکڑی سخت تھی۔ بچوں میں سے ایک آپؑ کے فرزند حضرت امام باقر علیہ السلام تھے (۴) جن کی عمر شریف دو سال چند ماہ تھی (۵) اور حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کی اولاد میں سے جناب زید، جناب عمرو اور جناب حسن مثنیٰؑ تھے جو

---

(۱) نفس المہموم: ص ۲۰۴۔ (۲) نسب قریش، مصعب زُبیری: ص ۵۸ (۳) اقبال ابن طاؤس

(۴) ریاض الاحزان: ص ۴۹، اثبات الوصیۃ مسعودی: ص ۱۴۳۔

(۵) اثبات الوصیۃ: ص ۱۴۳۔ لیکن مورخ ابوالفداء نے لکھا ہے کہ ان دنوں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی عمر شریف ۳ سال تھی۔

امام زین العابدینؑ کے ہمراہ تھے۔

جب جناب حسن مثنیٰ سپاہِ کوفہ کے سترہ آدمیوں کو قتل کر چکے تو آپؑ کے بدنِ اقدس پر تیروں اور تلواروں کے چودہ زخم آئے تھے۔ آپؑ کا دایاں ہاتھ جنگ میں کٹ گیا اور آپ کو قیدی بنا لیا گیا۔ آپؑ کی والدہ گرامی قبیلہ فزاریہ کی خاتون تھیں۔ عمر ابن سعد نے اسماء بن خارجہ فزاری کی وجہ سے انھیں قتل نہ کیا اور انھیں اس کی تحویل میں دے دیا تھا۔[1] عقبہ بن سمعان حضرت رباب علیہا السلام کے آزاد کردہ غلام تھے اُنھیں بھی اسیر بنا لیا گیا لیکن ابن زیاد نے انھیں آزاد کر دیا۔[2]

جب مرقع بن ثمامہ اسدی کی ابن زیاد کے سامنے بات چلی کہ اس نے میدانِ کربلا میں تیر اندازی کی تھی اور آخری تیر تک استعمال کر ڈالا تھا اور آخر تک جنگ کرتا رہا۔ اس وقت اس کے قبیلہ کے لوگ میدان میں موجود تھے۔ انھوں نے اُسے امان دے دی کہ اب وہ تمھارا قیدی ہے۔ ابن زیاد نے اس کے بارے میں حکم دیا کہ اُسے "زارہ" کی طرف جلاوطن کر دیا

---

① بحار الانوار: ج ۴۵ و اسعاف الراغبین: ص ۲۸۔ لہوف: ص ۸ پر لکھا ہے کہ اسماء بن خارجہ فزاری نے اس کا علاج کیا پھر اُسے مدینہ بھیج دیا۔

② عقبہ بن سمعان حضرت رباب علیہا السلام کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ مدینہ سے کربلا تک امامؑ کے ہم رکاب رہے۔ وہ آپؑ کے گھوڑوں کے مسئول بھی تھے۔ امامؑ کی شہادت کے بعد اس نے راہِ فرار اختیار کی لیکن انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اُنھیں اس گمان میں آزاد کر دیا گیا کہ وہ حضرت ربابؑ کے غلام ہیں۔ واقعۂ کربلا کے تمام واقعات کے عینی شاہد ہے۔ اسی کے بارے میں تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ جس وقت حُر نے امامؑ کے سامنے انکار کیا تھا کہ آپ کو کوفہ کے لوگوں نے اپنی طرف کوئی دعوت نہیں دی تو امامؑ نے عقبہ سے کہا تھا کہ وہ جائے اور خطوط والی خورجین لے آئے۔ عقبہ وہی خورجین لے کر آیا اور امامؑ نے حُر کو بتایا کہ یہ وہ خطوط ہیں جو اہلِ کوفہ نے میری طرف بھیجے ہیں۔

جب ابن سعد نے مصلحت آمیز خط ابن زیاد کی طرف لکھا کہ امام حسینؑ صلح چاہتے ہیں۔ اسی عنوان کے تحت عقبہ بن سمعان نے کہا تھا کہ وہ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک امامؑ کے ہم رکاب رہا ہے اور امامؑ سے اس عنوان کا ایک جملہ تک بھی نہیں سنا کہ امامؑ یزید کی بیعت کرنا چاہتے ہیں یا انھوں نے یہ کہا ہو کہ اُنھیں کسی دُور دراز علاقے کی طرف جانے دیا جائے۔

جائے۔ ①

جب اُسیرانِ اہلِ بیتؑ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا گیا تو پیغمبرؐ خدا کی بیٹیوں نے عمر ابن سعد کی فوج کے امیروں کو قسم دی کہ وہ اُنھیں مقتل سے گزار کر آگے لے جائیں۔ یہ لوگ مخدراتِ عصمت و طہارت کو مقتل میں لے آئے۔ جب ان مظلومہ ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی نگاہ شہدا کے مقدس اَبدان پر پڑی کہ جن کے اَبدان کو نیزوں اور تلواروں کی ضربات سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا تھا اور ان کے مقدس خون سے کربلا کی زمین سرخ ہوچکی تھی۔ ان کے اَبدان کی ہڈیوں کو گھوڑوں کے سُموں سے پامال کر کے چُور چُور کردیا گیا تھا۔ تو ان مخدرات کے شیون و گریہ کی آوازیں بلند ہوئیں اور اپنے شہدا کی مظلومیت کو دیکھ کر اپنے سر اور چہروں پر طمانچے مارنے لگیں۔ ②

---

① جو لوگ کربلا میں امام علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور قتل ہونے سے بچ گئے تھے، ان میں سے ایک عقبہ بن سمعان تھے اور دوسرے مرقع بن ثمامہ اسدی تھے۔ دینوری اپنی تاریخ الطوال: ص ۳۰۵ پر لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے اصحاب میں صرف دو نفر قتل ہونے سے بچ گئے تھے: ایک مرقع بن ثمامہ اسدی جسے عمر ابن سعد نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا تھا اور ابن زیاد نے اُسے ربذہ کی طرف جلاوطن کردیا تھا۔ مرقع یزید کی موت اور ابن زیاد کے کوفہ سے فرار ہونے تک ربذہ میں رہا۔ بعدازیں کوفہ واپس چلا آیا......

لیکن طبری اپنی تاریخ میں ج ۲، ص ۳۶۸، اور ابن اثیر کامل: ج ۴، ص ۸۰ پر لکھتے ہیں کہ مرقع کو "زارہ" کی طرف جلاوطن کیا گیا تھا۔ بحرین میں ایک چشمہ ہے جسے "زارہ" کہا جاتا ہے۔ مصر میں دریائے نیل کے بالائی دہانے پر ایک مقام کو زارہ کا نام دیا گیا ہے۔ شیراز میں سنجان کے نزدیک ایک دیہات کا نام زارہ ہے۔ مغربی طرابلس میں ایک گاؤں کا نام بھی "زارہ" ہے۔

ابن اثیر نے تاریخ کامل: ج ۴، ص ۸۰ پر لکھا ہے کہ ابن زیاد نے اہلِ کوفہ کو دھمکی دی کہ مرقع کو عمان جلاوطن کردیجیے۔ ابن اثیر نے ۳۲۱ ہجری کے حوادث میں لکھا ہے کہ علی بن یلیق نے بغداد میں حکم دیا کہ منبر پر یزید اور اس کے باپ پر لعنت کی جائے۔ اس امر سے ان کے چاہنے والے اضطراب میں آئے۔ آخر کار اُسے عمان کی طرف جلاوطن کردیا گیا۔ وہ اسی سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "زارہ" عمان میں ایک جگہ کا نام ہے۔

② مثیر الاحزان: ص ۱۳۱۔ لہوف سید ابن طاؤس: ص ۴۷۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۳۳۹ و مقتلِ طریحی: ص ۳۳۲۔

فخر مخدرات عصمت و طہارت عقیلۂ قریش جناب زینب سلام اللہ علیہا شدت غم سے بے حال تھیں، جن کے دل کی کائنات درہم برہم ہوگئی تھی۔ اسی شکستہ دل کے ساتھ صدائے گریہ بلند کرتے ہوئے فرمایا:

يَامُحَمَّدَاً! هٰذَا حُسَيْنٌ بِالْعَرَاءِ ، مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ ، مُقَطَّعُ الْأَعْضَاءِ، وَبَنَاتُكَ سَبَايَا، وَذُرِّيَّتُكَ مُقَتَّلَةٌ

"اے نانا محمدؐ! آؤ دیکھو یہ آپؐ کا حسینؑ ہے کہ جس کا بدن مقدس کربلا کی گرم زمین پر پڑا ہوا ہے اور جو اپنے خون میں غلطاں ہے۔ یہ آپؐ کا حسینؑ ہے کہ جس کے مقدس جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔

نانا جانؐ! ادھر دیکھیے، آپؐ کی بیٹیاں قیدی بنا لی گئی ہیں اور آپؐ کے تمام بیٹوں کو قتل کر دیا گیا ہے"۔

نبیؐ کی بہو اور بیٹیوں نے اس قدر گریہ و نالہ کیا کہ دوست اور دشمن سبھی نالہ و فریاد بلند کر رہے تھے[1] حتیٰ کہ حیوانات اور دشمن کی فوج کے گھوڑے بھی رو رہے تھے کہ انھوں نے اپنے منہ سُموں کی طرف کر رکھے تھے اور ان کے آنسوان کے سُموں پر بہہ رہے تھے۔[2]

حضرت زینب سلام اللہ علیہا اپنے دونوں ہاتھ سید الشہداءؑ کے بدن کے نیچے لے گئیں اور انھیں آسمان کی طرف بلند کیا اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

اِلٰهِي تَقَبَّلْ مِنَّا هٰذَا الْقُرْبَان

"خداوندا! ہماری اس قربانی کو قبول فرما"۔ (الکبریت الاحمر: ج ۳، ص ۱۳ اور طراز الذھب)

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے اس عمل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بارگاہِ ربوبیت سے عہد باندھ چکی تھیں، جس وقت آپؑ کے بھائی امام حسین علیہ السلام نے اس نہضت مقدس کا آغاز کیا تو انھوں نے بھی اسی نہضت حسینیؑ کے لیے عہد و میثاق طے کیے تھے کہ وہ انھیں احسن انداز

---

[1] خطط مقریزیہ: ج ۲، ص ۲۸۰۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۳۹۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۷۰

[2] مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۳۹۔ منتخب طریحی: ص ۳۳۲۔ طراز المذھب، ص ۲۲۳۔ نقل از منتخب

میں نبھائیں گی۔ اگرچہ بھائی اور بہن کی ذمہ داریوں میں تفاوت تھا۔ جب حضرت امام حسینؑ نے اپنی جان، جانِ آفرین کے سپرد کی تو عقیلۂ قریش نے اپنے عہدو پیمان کی ادائیگی کے لیے قیام کیا۔ اس لیے آپؑ نے اپنے برادرِ مظلوم کے بدنِ مبارک کو اپنے ہاتھوں پر اُٹھایا کہ اے پروردگار! جو کچھ تُو نے میرے بھائی کے ذمے لگایا تھا، میرے بھائی نے اس ذمہ داری کو نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہ ہماری قربانی قبول فرما۔ اب میری ذمہ داریوں کا آغاز ہوتا ہے۔

ان تمام حالات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور عقیلۂ قریش حضرت زینب عالیہ سلام اللہ علیہا بظاہر دو نُور تھے لیکن ان کا مرکز نُورانیت ایک ہے۔ وہ دونوں ایک ہی شجرۂ طیبہ کے دو پھول اور پھل ہیں۔

وَتَشَاطَرَتْ هِيَ وَالْحُسَيْنُ بِدَعْوَةٍ
حَتَمَ الْقَضَاءُ عَلَيْهِمَا اَنْ يَنْدِبَا

"عقیلۂ قریش اور سیّد الشہداء امام حسین علیہ السلام اس تحریکِ کربلا میں برابر کے شریک تھے۔ ان پر جو مصائب آئے ان پر ندبہ کیا جائے"۔

حضرت سکینہؑ اور بدنِ اَقدس سیّد الشہداءؑ

شہزادی سکینہؑ اپنے بابا کے جسمِ اقدس کے قریب آئیں اور بڑی مشکل کے ساتھ اپنے مظلوم بابا کے جسم کو اپنی آغوش میں لیا۔[1] آپؑ اتنا روئیں کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر

---

[1] کتاب تہذیب الاسماء نووی: ج ۱ص ۱۹۳۔ کواکب الدریہ مقادی: ج ۱ص ۵۸۔ نُور الابصار: ص ۱۹۰۔ وفیات الاعیان ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حضرت سکینہؑ پانچ ربیع الاول ۱۱۷ھ کو اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔
ابوالحسن عمری اپنی کتاب المجدی فی الانساب اور طبرسی در اعلام الوریٰ: ص ۱۲۷، ابوالفرج اغانی میں ج ۱۴، ص ۱۶۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت سکینہؑ نے اپنے چچا امام حسنؑ کے بیٹے عبداللہ سے عقد کیا تھا، ان کی حضرت سکینہؑ سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور وہ میدانِ کربلا میں شہید ہو گئے۔
لیکن اعلام الوریٰ میں نقل ہے کہ حضرت سکینہ اور حضرت عبداللہ کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ واقعۂ کربلا میں ان کی عمر بیس سال سے زائد تھی۔ آپؑ اپنے چچا امام حسنؑ کی شہادت سے قبل اس دنیا میں ⇦

پڑیں۔ اسی غشی کی حالت میں آپؑ نے اپنے باباؑ کا یہ فرمان سنا:

شِیعَتِی مَهمَا شَرِبتُم مَاءَ عَذبٍ فَاذكُرُونِي
أَو سَمِعتُم بِغَرِيبٍ أَو شَهِيدٍ فَاندُبُونِي

"اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا میٹھا پانی پینا تو مجھے ضرور یاد کرنا کیونکہ میدانِ کربلا میں مجھے ظلم و جبر کے ساتھ پیاسا شہید کیا گیا تھا، یا جب کسی مسافر کی دردبھری داستان سننا تو مجھے یاد کرنا کیونکہ میری داستان عجیب و غریب ہے یا جب کسی شہید کی شہادت کی خبر سننا تو مجھ پر گریہ و ماتم کرنا"۔ (مصباح کفعمی ہند: ص ۳۸۶)

شہزادی سکینہؑ اپنے مظلوم باباؑ کے لاشہ سے جدائی نہیں چاہتی تھیں۔ بہت کوشش کی گئی کہ انھیں اپنے باباؑ کے لاشہ سے جدا کیا جائے لیکن تمام کوششیں ناکام رہیں۔

حَتّٰی اِجتَمَعَ عِدَّةٌ مِنَ الأَعرَابِ وَجَرُّوهَا عَن نَعشِ أَبِيهَا

"آخر چند اعرابیوں کو جمع کیا گیا۔ انھوں نے اپنی پوری طاقت استعمال کی اور انھیں اپنے باباؑ کے لاشہ سے جدا کیا"۔ (تظلم الزہراؑ: ص ۱۳۵)

وَأَهوَت عَلٰی جِسمِ الحُسَينِ فَضَمَّهَا
إِلٰی صَدرِهٖ مَا بَينَ يُمنَاهُ وَاليُسرىٰ

"پس! وہ اپنے مظلوم باباؑ کے جسمِ اقدس کے پاس آئیں اور اُسے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ اُٹھایا اور اپنے سینے سے لگالیا"۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پر سیّد الشہداءؑ کی مظلومیت کا اثر

جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نظر اپنے بابا کے پارہ پارہ بدنِ اقدس پر پڑی

⇦ آچکی تھیں۔ آپؑ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ سیّد الشہداءؑ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:
إِنَّ الغَالِبَ عَلَى السَّكِينَةِ الِاستِغرَاقُ مَعَ اللهِ۔
اس جملے سے آپؑ کی منزلت کا علم ہوتا ہے اور یہ خود ایک درس بھی ہے کہ شریعتِ مقدسہ میں ایک خاتون کو اس طرح ہونا چاہیے۔ (اسعاف الراغبین و کتاب السیدہ سکینہؑ)

کہ جگر گوشۂ رسولؐ اور ان کی شہزادیؑ کے شہزادےؑ کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا ہے کہ ان کی اس مصیبت پر آسمان پارہ پارہ ہوجائے اور زمین دگرگوں اور پہاڑوں پر لرزہ طاری ہوجائے۔ سیّدالشہداؑ کی مظلومیت کا آپؑ پر اس قدر اثر ہوا کہ نزدیک تھا کہ آپؑ کی روح پرواز کرجائے۔ آپؑ کی پھوپھی جناب زینب عالیہؑ آپؑ کی طرف متوجہ ہوئیں کہ ان کا بھتیجا کس حال سے دوچار ہے۔ آپ فوراً ان کی طرف بڑھیں اور اُنھیں تسلی و تشفی دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی اس شہزادیؑ کا صبر پہاڑوں سے بھی زیادہ بھاری تھا۔ آپؑ نے اپنے بھتیجے کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا:

"اے یادگار عزیزانِ من! یہ کیا ہے کہ جسے میں دیکھ رہی ہوں کیا آپؑ مصائب کی ان کوہ گرانیوں کو برداشت نہیں کرسکے۔ ان حوادث کو دیکھ کر آپؑ نے اپنے مبارک زانو زمین پر ٹیک دیے ہیں۔ یہ مصائب کی طوفانیاں جو آپؑ کو دکھائی دے رہی ہیں ان سے اپنا دل چھوٹا نہ کریں۔ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہوگیا ہے۔ ہم نے اپنے اس عہد و پیمان کو پورا کیا ہے جو عہد و پیمان آپؑ کے بابا اور نانا نے اللہ تعالیٰ سے باندھے تھے۔ اگرچہ زمین کے یہ فرعون، طاغی اور باغی لوگ اس عہد کو نہیں جانتے لیکن آسمانی مخلوق بہ خوبی جانتی ہے اور اللہ کا عہد و وعدہ ہے۔

یہ اعضا متفرقہ اور پارہ پارہ اَبدان جو خون میں غلطاں ہیں انھیں جمع کیا جائے اور پھر انھیں احترام و اِکرام سے دفن کردیا جائے گا اور آپؑ کے والد گرامی کے مرقدِ مطہر پر گنبد بنایا جائے گا۔ ان کی قبر مطہر کے آثار کبھی مٹنے نہ پائیں گے۔ زمانے پہ زمانے گزریں گے۔ کئی صدیاں بیت جائیں گی لیکن تیرے باباؑ کا روضہ مبارک قیامت تک باقی رہے گا اور مرجع خلائق ہوگا۔ یہ سلاطین کفر اور ان کے ظالم اعوان و مددگار مرمٹ جائیں گے۔ یہ صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لیے محو و نابود ہوجائیں گے لیکن تیرے باباؑ اور ان شہدا کا مقام و احترام دن رات بڑھتا ہی

رہے گا"۔ (برگزیدہ از کامل الزیارات ابن قولویہ: ص ۲۶۱)

جناب کاشف الغطاء نے کیا خوب کہا ہے ؎

لِلّٰهِ صَبرُ زَینَبَ العَقِیلَۃ — کَم صَابِرَت مُصَائِبًا مُھَوِّلَۃ
رَأَت مِنَ الخُطُوبِ وَالرَّزَایَا — اَمراً تُھَوِّنُ دُونَہٗ المَنَایَا
رَأَت کِرَامَ قَومِھَا اِلَّا مَاجِدٌ — مُجَزَّرِینَ فِی صَعِیدٍ وَاحِدٍ
رَأَت رُؤُوسًا بِالقَنَا تُشَالُ — وَ جُثَثًا أَکفَانُھَا الرِّمَالُ
رَأَت رَضِیعًا بِالسِّھَامِ یفطَمُ — وَصِبیَۃٌ بَعدَ اَبِیھِم اُیتِمُوا
رَأَت شَمَاتَۃَ العَدُوِّ فِیھَا — وَ صُنعُہٗ مَاشَاءَ فِی اَخِیھَا

"اللہ کی قسم! عقیلۂ قریش جناب زینب عالیہؑ کا صبر کائنات پر بھری تھا۔ آپؑ نے کتنے دردناک وخوف ناک مقامات پر صبر وتحمل سے کام لیا۔ کربلا و کوفہ اور شام، ان تمام مقامات پر بے پناہ مصائب کا سامنا کیا۔ آپؑ نے اپنے گھر کے بزرگواروں، جوانوں، بچوں کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا۔ آپؑ نے ان شہدا کے جنازوں کو کربلا کی گرم زمین پر بے گور وکفن دیکھا۔ آپؑ نے شہدا کے سروں کو نوکِ سنان پر بلند دیکھا اور ان کے اَبدانِ پاک کو کربلا کی سرزمین پر دیکھا۔

آپؑ نے دیکھا کہ شیرخوار بچے کا دودھ ظالم کے تیر سے چھڑایا گیا۔ آپؑ نے اس بچی کے دردناک بین سنے جس کے باپ کو ظالموں نے ظلم وستم سے شہید کر ڈالا اور بچی کو یتیم کر دیا۔ آپؑ نے اپنے دشمن کی شماتت کو دیکھا جو کچھ آپؑ کے برادر بزرگوار کے ساتھ سلوک کرتے رہے۔ آپؑ نے صبر سے سب کچھ برداشت کیا"۔

ابھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہو بیٹیاں مقتل میں اپنے عزیزوں اور پیاروں کے لاشوں پر گریہ وزاری کر رہی تھیں کہ زجر بن قیس ملعون مقتل کی طرف بڑھا اور اپنی منحوس آواز بلند کی کہ فوراً مقتل سے باہر آؤ اور اپنی سواریوں پر سوار ہو جاؤ لیکن ان غم زدہ اور مغموم ومحزون

بیبیوں ؑ نے اس کی آواز کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور مسلسل آہ و زاری میں جلا رہیں۔ عمر ابن سعد کی فوج آگے بڑھی اور ان مخدرات عصمت و طہارت پر تازیانے برسانے شروع کر دیے۔ ان ظالموں نے غم سے نڈھال خواتین کو اس طرح شہدا کی لاشوں سے جدا کیا اور دوبارہ اُونٹوں پر سوار کیا۔ (تظلم الزہرا: ص ۱۷۷)

اسی حیرانی و پریشانی اور مصائب و آلام کی فضا میں ملیکۃ العرب کی نواسی اور رسولؐ خدا کی شہزادی ثانی زہراؑ، عقیلۂ قریش علیؑ و بتولؑ کے دامن میں پلنے والی شریکۃ الحسین بی بی حضرت زینب سلام اللہ علیہا بھی اُونٹ پر سوار ہوئیں۔ خدا جانے یہ معظمہ بی بی کس طرح اُونٹ پر سوار ہوئی ہوں گی کیونکہ جب کبھی اپنی زندگی میں یہ فخر مخدرات سواری پر سوار ہوتیں تو اس وقت جناب عبدالمطلبؑ کے خاندان کے شیرانِ بیشۂ شجاعت اور تمام جوانان مسلح ہو کر آپؑ کی سواری کے اردگرد جمع ہوتے اور آپؑ کو سوار کرتے۔ آپؑ تو اس عزت و عظمت کی مالکہ تھیں کہ ملائکۂ آسمانی آپؑ کی خدمت کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے تھے کیونکہ آپؑ اس گھر کی شہزادی تھیں کہ جب ملائکہ اس گھر میں آنا چاہتے تھے تو پہلے اجازت طلب کرتے تھے۔

اُسیرانِ آلِ محمدؐ کوفہ میں

جب امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کی بہوؤں، بیٹیوں کو کوفہ میں لایا گیا تو کوفہ کے زن و مرد اہلِ بیتؑ رسول کا تماشا دیکھنے کے لیے ان کے اردگرد اکٹھے ہو گئے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر حضرتِ اُم کلثومؑ نے انھیں جھڑک کر کہا:

> ''اے اہلِ کوفہ! کیا تمھیں اللہ اور اس کے رسولؐ سے شرم نہیں آتی کہ تم اپنے گھروں سے نکل کر یہاں اس لیے آگئے ہو کہ آلِ محمدؐ کا تماشا دیکھیں''۔ (الدمعۃ الساکبہ: ص ۳۶۴)

اس دوران میں ایک عورت نے جب اُسیروں کے اس کاروان کی یہ حالت دیکھی تو اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر پوچھا: مِنْ اَیِّ الْاُسَارٰی اَنْتُمْ ''تم کس ملک اور کس قبیلے کے قیدی ہو؟''

بیبیوں ؑ میں سے کسی نے جواب دیا: نَحنُ اُسَارىٰ آلِ مُحَمَّدٍ ''ہم پیغمبر اکرم ﷺ کے گھرانے کے اسیر ہیں''۔ (مثیر الاحزان، ص ۶۴ ولہوف: ص ۸۰)

کوفہ کے لوگ ازراہ رحم و صدقہ اہلِ بیت ؑ کے بچوں کے لیے روٹی، کھجور وغیرہ لے کر آئے۔ کوفیوں کے اس سلوک کو دیکھ کر حضرت اُم کلثوم ؑ نے انھیں آواز دی: اِنَّ الصَّدَقَةَ عَلَيْنَا حَرَامٌ ''ہم پر صدقہ حرام ہے''۔

آپ ؑ نے بچوں کے ہاتھوں سے لوگوں کے دیے گئے صدقات لیے اور زمین پر پھینک دیے اور فرمایا: ''ہم رسول ؐ اللہ کی اولاد ہیں، ہم پر صدقہ حرام ہے''۔ (اسرار الشہادۃ: ص ۷۷۴ و تظلم الزہرا: ص ۱۵۰)

عقیلۂ قریش کا تاریخی خطبہ

جب اسیرانِ آلِ محمد ؐ کا یہ غم زدہ کاروان کوفہ میں پہنچا تو عقیلۂ قریش کو اپنی سونپی ہوئی ذمہ داری نبھانے کا موقع ملا۔ آپ ؑ نے اہلِ کوفہ کے لوگوں کے متلاطم سمندر کے سامنے اپنا تاریخی خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں عبیداللہ ابن زیاد کی خباثت اور فطری پستی کو لوگوں کے سامنے واضح کیا۔ بازار کا ماحول تھا، ہر طرف ہاؤ ہو کی آوازیں تھیں۔ بے پناہ شور تھا، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس شور شرابے میں پیغام کیسے پہنچایا جاسکتا تھا۔ اس عالمہ غیر معلمہ بی بی ؑ نے چاہا کہ گفتگو کرے۔ اسی اثنا میں آپ ؑ نے اپنے مبارک ہاتھ سے لوگوں کی اشارہ کیا کہ خاموشی اختیار کرو۔

آپ ؑ کا اشارہ کرنا تھا کہ انسانوں کا یہ متلاطم سمندر اس طرح خاموش ہوا کہ سانس ان کے سینوں میں رُک کر رہ گئے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ان کے سروں پر موت کے پرندے بیٹھ گئے ہوں۔ ہر طرف سناٹا چھا گیا اور ہُو کا عالم تھا۔ سکتہ و سکوت نے ماحول پر ایسی بھاری ضرب لگائی کہ ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

جی ہاں! اگر آپ ؑ ہیبتِ الٰہی اور جلالِ محمدی ؐ کی وارث اور امین نہ ہوتیں تو کوئی ایسی طاقت و قدرت نہیں تھی جو انسانوں کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے شور و غوغا اور

ہاؤ ہو کو روک سکتی۔

راوی کا بیان ہے: امام علی علیہ السلام کی بیٹی حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے لوگوں کو صرف اشارہ کیا تھا کہ ان کی سانسیں جہاں تھیں وہاں پر رُک کر رہ گئیں۔ حتیٰ کہ اُونٹوں کے گلے میں گھنٹیاں تک خاموش ہو گئیں۔ اس وقت جناب زینب عالیہؑ نے مکمل آرام و سکون کے ساتھ اور بغیر کسی اضطراب کے، بھرپور متانت اور کامل ہوش و حواس کے ساتھ اپنے تاریخی خطاب کا آغاز کیا۔ عقیلۂ بنی ہاشمؑ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى أَبِى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الْأَخْيَارِ
اَمَّا بَعْدُ يَا اَهْلَ الْكُوفَةِ يَا اَهْلَ الْخَتْلِ وَالْغَدْرِ وَالْخَذْلِ اَلَا فَلَا رَقَاتِ الْعَبْرَةُ وَلَا هَدَاَتِ الزَّفْرَةُ اِنَّمَا مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ الَّتِى نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ هَلْ فِيْكُمْ اِلَّا الصَّلَفُ وَالْعُجْبُ وَالشَّنَفُ وَالْكِذْبُ وَمَلَقُ الْاِمَاءِ وَغَمْزُ الْاَعْدَاءِ، اَوْ كَمَرْعًى عَلٰى دِمْنَةٍ كَفِضَّةٍ عَلٰى مَلْحُوْدَةٍ، اَلَا بِئْسَمَا قَدَّمَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ وَفِى الْعَذَابِ اَنْتُمْ خَالِدُوْنَ

اَتَبْكُوْنَ أَخِى اَجَلْ وَاللّٰهِ فَابْكُوا فَاِنَّكُمْ أَحْرِيَاءُ ﴿أَحْرىٰ﴾ بِالْبُكَاءِ، فَابْكُوْا كَثِيْرًا وَاضْحَكُوا قَلِيْلًا فَقَدْ بُلِيْتُمْ بِعَارِهَا، وَمُنِيْتُمْ بِشَنَارِهَا وَلَنْ تَرْحَضُوهَا اَبَدًا وَاَنّٰى تَرْحَضُوْنَ قَتْلَ سَلِيْلِ خَاتَمِ النُّبُوَّةِ، وَمَعْدِنِ الرِّسَالَةِ، وَسَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَلَاذِ حَرْبِكُمْ وَمَعَاذِ حِزْبِكُمْ وَمَقَرِّ سِلْمِكُمْ وَآسِى كَلْمِكُمْ، وَمَفْزَعِ نَازِلَتِكُمْ وَالْمَرْجِعِ اِلَيْهِ عِنْدَ مَقَالَتِكُمْ وَمِدَرَّةِ حُجَجِكُمْ وَمَنَارِ مَحَجَّتِكُمْ

اَلَا سَاءَ مَا قَدَّمْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَسَاءَ مَا تَزِرُوْنَ لِيَوْمِ بَعْثِكُمْ فَتَعْسًا تَعْسًا وَنَكْسًا نَكْسًا لَقَدْ خَابَ السَّعْىُ، وَتَبَّتِ الْاَيْدِى وَخَسِرَتِ

الصَّفْقَةُ وَبُؤْتُمْ بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْكُمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ، أَتَدْرُونَ وَيْلَكُمْ أَيَّ كَبِدٍ لِمُحَمَّدٍ فَرَثْتُمْ وَأَيَّ عَهْدٍ نَكَثْتُمْ وَأَيَّ كَرِيمَةٍ لَهُ أَبْرَزْتُمْ وَأَيَّ حُرْمَةٍ لَهُ هَتَكْتُمْ وَأَيَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا لَقَدْ جِئْتُمْ بِهَا شَوْهَاءَ صَلْعَاءَ، عَنْقَاءَ سَوْدَاءَ فَقْمَاءَ خَرْقَاءَ كَطِلَاعِ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ أَفَعَجِبْتُمْ أَنْ قَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُونَ فَلَا يَسْتَخِفَّنَّكُمُ الْمَهَلُ فَإِنَّهُ عَزَّوَجَلَّ لَا يَحْفِزُهُ الْبِدَارُ وَلَا يُخْشٰى عَلَيْهِ فَوْتُ الثَّارِ، كَلَّا إِنَّ رَبَّكَ لَنَا وَلَهُمْ لَبِالْمِرْصَادِ ثُمَّ أَنْشَأَتْ تَقُولُ:

مَاذَا تَقُولُونَ إِذْ قَالَ النَّبِيُّ لَكُمْ ... مَاذَا صَنَعْتُمْ وَأَنْتُمْ آخِرُ الْأُمَمِ
بِأَهْلِ بَيْتِي وَأَوْلَادِي وَمُكْرِمَتِي ... مِنْهُمْ أُسَارٰى وَمِنْهُمْ ضُرِّجُوا بِدَمٍ
مَا كَانَ ذَاكَ جَزَائِي إِذْ نَصَحْتُ لَكُمْ ... إِنْ تَخْلِفُونِي بِسُوءٍ فِي ذَوِي رَحِمٍ
إِنِّي لَأَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ يَحِلَّ بِكُمْ ... مِثْلَ الْعَذَابِ الَّذِي أَوْدٰى عَلٰى إِرَمٍ

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو میرے نانا محمدؐ اور آپؐ کی پاک اور نیکوکار آل پر۔ حمد پروردگار کے بعد! اے کوفہ کے رہنے والو! اے وہ لوگو! جو مکروفریب اور فریب و دجل کے پیکرو! تم بے ہودہ گوئی کے عادی ہو۔ کیا تم لوگ اب ہمارے مصائب و آلام پر گریہ کناں ہو؟ تمھاری یہ آنکھیں کبھی آنسوؤں سے خشک نہ ہونے پائیں، تمھارے یہ اشک و آہ کبھی ختم نہ ہوں۔ تمھاری داستان تو اس نادان و احمق عورت کی سی ہے جس نے اپنے رشتہ و تعلق کو محکم کرنے کے بعد توڑ ڈالا ہو۔ تم نے بھی ہمارے ساتھ اپنے رشتہ کو مضبوط باندھنے کے بعد توڑ دیا۔ کیا تم میں فتنہ و فساد، خوشامد و خود بینی، نخوت و تکبر کے علاوہ بھی کوئی چیز ہے؟

تم جاہلیت کے اخلاق و صفات کی طرف پلٹ گئے ہو۔ تمھارے کردار

میں اب کنیز زادوں کی طرح چاپلوسی اور دشمنانِ دین کے ناز نخرے اُٹھانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔کیا تم اس گھاس کی طرح نہیں ہو جو کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر اُگتی ہے یا تم اس کے سوا کچھ نہیں گویا کہ چاندی کی کان مٹی میں چھپی ہوئی ہو۔

آگاہ رہو اور اچھی طرح سے جان لو! تم نے اپنی طرف ابدی بدبختی کو دعوت دی ہے۔ مطمئن رہو! اللہ تعالیٰ کا عذاب پورے شدومد کے ساتھ تم پر آچکا اور تم عذابِ خداوندی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرفتار ہو چکے ہو۔ (تمھارے ضمیر پر بھی حیرت ہے)۔ ہمیں قتل بھی کرتے ہو اور پھر ہم پر روتے بھی ہو؟ یقیناً بخدا تمھیں رونا ہی چاہیے۔ اب تم زیادہ روؤ اور کم ہنسو گے۔

تم نے اپنے لیے ننگ و عار کو خریدا ہے اور اپنے دامن میں عار کا پیوند لگایا۔ ایک ایسا پیوند اور دھبہ کہ جسے اپنے دامن سے دھو ڈالنا۔ تمھارے لیے ہرگز ممکن نہیں۔ اب تم سے کیسے ممکن ہے کہ خاتم النبیینؐ کے خاندان کے قتل کے جرم کو اپنے سے جدا کرسکو۔ وہ پیغمبرؐ جو رسالت کی کان اور عظیم ترین رسالتؐ کے معدن ہیں اور امام حسینؑ جو جوانانِ بہشت کے سردار ہیں، تم نے اُنھیں شہید کرڈالا جو تمہارے لیے پناہ اور تمہاری ہدایت کا چراغ تھے۔ جو تمھارے لیے مصائب کے طوفانوں میں نصرت وسکون کا منبع تھے۔ وہ تمھارے لیے روشنی بخشنے والے چراغ اور تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت تھے۔ وہ تمہاری سنتوں کا مرکز و محل تھے۔

جان لو! تمھارا جرم بہت سنگین ہے خدا کرے تم خیر وسعادت سے محروم رہو۔ تمھارے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور اس گناہِ عظیم و شدید نقصان سے دوچار رہو۔ تم نے اپنے آپ کو غضب الٰہی کا حق دار ٹھہرایا۔ ذلت و شکست کے تازیانے ہمیشہ ہمیشہ تمھارے سروں پر پڑتے رہیں گے۔ تم

نے بدترین کام انجام دیا۔ جس کے باعث خوف ہے کہ آسمانوں میں شگاف پڑ جائیں۔ زمین پھٹ جائے اور آسمان گر پڑیں۔

اے اہلِ کوفہ! وائے ہو تم پر۔ کیا تم جانتے ہو کہ تم نے رسولؐ اللہ کے جگر کو زخمی کیا۔ تم نے کس طرح ان کی ہتک و حرمت کی؟ کیسے تم نے ان کا خون بہایا؟ کس طرح تم نے ان کے پردۂ حرمت کو تار تار کر ڈالا؟ تم ایک بہت بڑے گناہ اور جرم کے مرتکب ہوئے ہو؟ پریشان و حیران کن ایسے گناہ کہ جس نے زمین کو بھر دیا۔ جنھوں نے آسمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اُسے تیرہ و تاریک کر دیا۔ اگر اس غم میں آسمان سے خون برسنے لگے تو کیا تم تعجب کرو گے؟ آخرت میں یہ عذاب خدا شدید تر اور ذلت آور ہوگا۔ اس دن کوئی تمھاری مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ اب تمھیں اللہ نے اپنے عذاب سے جو مہلت دے دی ہے یہ خیال نہ کرو کہ اس ذات نے تمھارے گناہوں کو چھوٹا جانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس امر میں اس کو پرواہ نہیں کہ مظلوم کے انتقام میں تاخیر ہو جائے تاہم پروردگار ہمارے اور ان کے لیے قریب اور گھات میں ہے۔ [1]

پھر آپؑ نے فرمایا: جب پیغمبر گرامیؐ بہ روزِ قیامت تم سے پوچھیں گے کہ تم آخری اُمت تھے تم نے میری آلؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ ان کے جوانوں کو قتل کر دیا تھا اور ان کی خواتین اور بچوں کو اپنا قیدی بنایا تھا۔ بتاؤ اے اہلِ کوفہ! تم اپنے رسولؐ کو کیا جواب دو گے؟ میں نے تمھیں وعظ و نصیحت کی تھی، تم تک اللہ کا دین پہنچایا تھا۔ تم نے میرے بعد میرے اہلِ بیتؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا۔ میرے کارِ رسالتؐ کی یہی جزا ہے جو تم نے دی ہے۔ میری رسالت کا اجر میرے اہلِ بیتؑ سے مودت تھی؟

---

[1] امالی شیخ طوسی ولہوف و مثیر الاحزان و مناقب ابن شہر آشوب ان تمام کتب میں مکمل متن کے ساتھ خطبہ درج ہے۔

لیکن تم نے عہد کی خلاف ورزی کی۔ مجھے خوف ہے کہ تم پر وہی عذاب
نہ آجائے جو قومِ ارم پر آیا تھا"۔

جب آپؑ کی گفتگو اس مقام پر پہنچی تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی پھوپھی سے فرمایا:

أُسكُتِي يَا عَمَّةُ فَأَنتِ بِحَمدِ اللهِ عَالِمَةٌ غَيرُ مُعَلَّمَةٍ فَهِمَةٌ غَيرُ مُفَهَّمَةٍ

"اے پھوپھی! اب خاموشی اختیار کیجیے اور اپنا خطاب ختم کردیجیے۔ الحمدللہ! دانش مندی آپؑ کا طواف کرتی ہے۔ تجرعلمی میں آپؑ ہی اپنی استاد ہیں، فہم و ادراک میں بھی اپنی مثال آپؑ ہیں۔ یہ علوم آپؑ نے نہ کسی سے سیکھے ہیں اور نہ ہی کسی نے آپؑ کو سکھلائے ہیں"۔ ①

---

① احتجاج طبرسی مطبوعہ نجف اشرف، ص۱۲۶ میں خطبہ کے آخر میں یہ اشعار نقل کیے ہیں:

مَاذَا تَقُولُونَ إِذ قَالَ النَّبِيُّ لَكُم ... مَاذَا صَنَعتُم وَأَنتُم آخِرُ الأُمَمِ
بِأَهلِ بَيتِي وَأَولَادِي وَمَكرُمَتِي ... مِنهُم أُسَارَى وَمِنهُم ضُرِّجُوا بِدَمِ
مَا كَانَ ذَاكَ جَزَائِي إِذ نَصَحتُ لَكُم ... أَن تَخلُفُونِي بِسُوءٍ فِي ذَوِي رَحِمِ
إِنِّي لَأَخشَى عَلَيكُم أَن يَحِلَّ بِكُم ... مِثلُ العَذَابِ الَّذِي أَودَى عَلَى إِرَمِ

"اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگوں سے پوچھیں کہ تم نے میرے اہل بیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ ان میں سے کچھ کو قتل کر کے خاک و خون میں غلطاں کردیا اور ان میں سے بعض کو اپنا قیدی بنا کر در بہ در پھرایا۔ میں نے اپنی ساری عمر تمھاری خدمت میں گزاری اور تمھیں وعظ و نصیحت کی اور تمھیں سیدھا راستہ دکھایا۔ بس تم نے میری کاوش کا تم نے مجھے یہی اجر دیا ہے۔ پیغمبرؐ کے اس سوال کا تمھارے پاس کیا جواب ہوگا؟ مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر وہی عذاب نہ آجائے جو قومِ ارم پر آیا تھا"۔

جونہی عقیلۂ قریش کا خطبہ ختم ہوا تو ہر طرف سے گریہ وزاری کی پُردرد آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہوا۔ ان کے قلب و جگر میں آگ پیدا ہوگئی اور خوف پیدا ہوا کہ کہیں اس کے شعلے دارالامارہ میں نہ بھڑک اٹھیں اور ابن زیاد اور اس کی حکومت کو جلا کر راکھ نہ کردیں۔

خطبۂ اہل بیتؑ کے خطبے کا اثر جہاں انسانوں پر پڑا وہاں حیوان بھی متاثر ہوئے۔ گھوڑے اور اُونٹ اپنے پاؤں پر اپنے منہ رکھ کر آنسو بہا رہے تھے۔ خطبہ سن کر کسی نے کہا: بِأَبِي وَأُمِّي كُهُولُهُم خَيرُ الكُهُولِ وَشَبَابُهُم خَيرُ الشَّبَابِ۔ جب کوفہ کی حکومت کے حکمرانوں نے یہ عالم دیکھا کہ اگر فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی دختر اپنا کلام مزید جاری رکھتی ہے تو ان کے خلاف انقلاب برپا ہوجائے گا کہ جس کے ⇐

اِدھر جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کا ملکوتی خطاب ختم ہوا اُدھر وہ لوگ جو زُور و زَر میں غرق تھے جنھیں کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اُنھوں نے کتنا بڑا جرم کیا ہے۔ جنابِ عقیلۂ قریش کے آتشیں خطبے نے ان کے زور و زر کو خاکستر میں بدل ڈالا تھا، وہ مبہوت ہو کر رہ گئے تھے۔ اب ان پر زندگی کی تمام راہیں بند ہو چکی تھیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں؟

حضرت فاطمہ صغریٰؑ کا خطبہ

جونہی امام علی علیہ السلام کی شہزادیؑ حضرت زینب عالیہؑ کا خطبہ ختم ہوا تو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہزادیؑ جنابِ فاطمہ سلام اللہ علیہا ① نے اپنا خطبہ شروع کیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ الرَّمْلِ وَالْحِصٰى ﴿اِلٰى اَنْ قَالَتْ﴾: اَمَّا بَعْدُ!

⇦ سامنے بند باندھنا ناممکن ہو جائے گا۔ انھوں نے فوراً اس نیزے کو آپؑ کے اُونٹ کے برابر کیا جس نیزے پر سیّد الشہداؑ کا سرِ مقدس بلند تھا۔ جب بہن کی نگاہ مظلوم بھائی کے خون میں غلطاں سر پر پڑی تو درد سے دکھی ہو کر یوں گفتگو کی: یَا هِلَالًا لَمَّا اسْتَتَمَّ كَمَالًا.....''

① حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہزادی حضرت فاطمہ علیہا السلام جلیل القدر شخصیت کی مالک تھیں۔ دین داری میں مثالی مقام و منزلت رکھتی تھیں۔ جب جنابِ حسن مثنیٰ حضرت امام حسین علیہ السلام سے خواستگاری کے لیے آئے تھے تو آپؑ نے انھیں فرمایا تھا کہ میں تمھارا عقد اپنی بیٹی فاطمہؑ سے کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وہ میری تمام بیٹیوں میں سب سے زیادہ میری ماں حضرت زہراؑ کے مشابہ ہیں۔ وہ ہر رات نمازِ تہجد پڑھنے والی اور دن کو روزہ رکھنے والی ہیں۔ حُسن و جمال میں حورالعین ہیں۔ (اسعاف الراغبین در حاشیہ نُورالابصار: ص ۲۰۲)

ابن حجر نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب: ج ۱۲، ص ۴۴۲ پر لکھا ہے کہ فاطمہ بنت الحسینؑ نے اپنے والدِ گرامی اور اپنے برادر حضرت امام زین العابدینؑ اور اپنی پھوپھی حضرت زینبؑ اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت اسماء بنت عمیس سے روایات نقل کی ہیں۔

علاوہ ازیں آپؑ کی وہ اولاد جو جنابِ حسن مثنیٰ سے تھی، جیسے عبداللہ، ابراہیم، حسین اور اُمِ جعفر نے آپؑ سے روایات نقل کی ہیں۔ زُہیر ابن معاویہ نے بھی اپنی والدہ کے طریق سے احادیث نقل کی ہیں اور اسی طرح مصعب کے طریق سے اور دوسرے لوگوں نے بھی حضرت فاطمہؑ سے احادیث نقل کی ہیں۔ تہذیب الکمال: ص ۴۲۵ پر تحریر ہے کہ اصحابِ سنن جیسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی در مسند علی اور ابن ماجہ نے ان سے بہت سی احادیث تخریج کی ہیں۔ ⇦

يَا أَهْلَ الْكُوفَةِ يَا أَهْلَ الْمَكْرِ وَالْغَدْرِ وَالْخُيَلَا إِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ
ابْتَلَانَا اللهُ بِكُمْ وَابْتَلَاكُمْ بِنَا، فَجَعَلَ بَلَائَنَا حَسَنًا، وَجَعَلَ عِلْمَهُ
عِنْدَنَا، وَفَهْمَهُ لَدَيْنَا، فَنَحْنُ عَيْبَةُ عِلْمِهِ وَوِعَاءُ فَهْمِهِ وَحِكْمَتِهِ
وَحُجَّتُهُ فِي الْأَرْضِ فِي بِلَادِهِ لِعِبَادِهِ أَكْرَمَنَا اللهُ بِكَرَامَتِهِ وَفَضَّلَنَا
بِنَبِيِّهِ عَلَى كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِهِ تَفْضِيلًا، فَكَذَّبْتُمُونَا، وَكَفَّرْتُمُونَا،
وَرَأَيْتُمْ قِتَالَنَا حَلَالًا وَأَمْوَالَنَا نَهْبًا كَأَنَّنَا أَوْلَادُ تُرْكٍ أَوْ كَابِلٍ
قَتَلْتُمْ جَدَّنَا بِالْأَمْسِ وَسُيُوفُكُمْ تَقْطُرُ مِنْ دِمَائِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ،

⇦ ابن حبان نے ان کی احادیث کو صحیح لکھا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ بخاری نے کتاب جنائز میں حضرت فاطمہؑ سے منقول احادیث کا ذکر کیا ہے۔ آپؑ کی وفات ۱۱۰ ہجری میں ہوئی۔ یافعی نے اپنی کتاب مرآۃ الجنان: ج ۱، ص ۲۳۴ اور ابن عماد نے شذرات الذہب: ج ۱، ص ۱۳۹ پر بھی آپ کی وفات ۱۱۰ ہجری نقل کی ہے۔ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں آپ کی عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ آپؑ کی عمر وقتِ وفات نوے سال تھی۔ آپؑ ۳۰ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ واقعۂ کربلا کے وقت آپؑ کی عمر شریف تیس سال تھی۔ آپؑ اپنی بہن حضرت سکینہؑ سے سات سال قبل اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔

کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۵ و تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۶۷ پر لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؑ اپنی بہن حضرت سکینہؑ سے بڑی تھیں۔ کتاب تحقیق النصرہ الی معالم دار الہجرۃ، تالیف ابوبکر بن حسین بن عمر مراغی (متوفی ۸۱۶ھ) نے حضرت فاطمہؑ کی ایک کرامت کا تذکرہ کیا ہے:

ولید بن عبدالملک نے حکم دیا کہ مسجد نبویؐ کے اردگرد جتنے حجرے ہیں انھیں گرا کر مسجد میں ملا دیا جائے۔ اس صورت میں حضرت فاطمہؑ کو اپنا گھر چھوڑنا پڑا اور آپ علاقہ حرہ کی طرف منتقل ہوگئیں۔ وہاں آپؑ نے کنواں کھودنے کا حکم دیا۔ جب کنواں کھودنے والوں نے کام شروع کیا تو راستے میں سخت قسم کا پتھر آ گیا جس کی وجہ سے انھیں کام روکنا پڑا۔ جب آپؑ سے اس مشکل کا ذکر کیا گیا تو آپؑ نے وضو کیا اور وضو سے بچا ہوا پانی اس پتھر پر چھڑک دیا۔ وہ پتھر نرم ہوگیا اور آسانی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا گیا۔ جب پانی نکلا تو لوگ اس کنویں کے پانی کو بطور تبرک پیتے تھے اور اُسے آبِ زم زم کہتے تھے۔

طبقات ابن سعد: ج ۸، ص ۴۷۶ پر ان کے بارے میں نقل ہے کہ حضرت فاطمہ بنت الحسینؑ نماز کے بعد جو تسبیحات پڑھتی تھیں وہ انھوں نے خود بنا رکھی تھی جو آپؑ نے ایک دھاگے پر بہت سی گرہیں دے کر اُسے تیار کیا تھا۔

لِحِقْدٍ مُتَقَدِّمٍ ، قَرَّتْ بِذٰلِكَ عُيُونُكُمْ، وَفَرِحَتْ قُلُوبُكُمْ افْتِرَاءً مِنْكُمْ عَلَى اللهِ ، وَمَكْرًا مَكَرْتُمْ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ، فَلَا تَدْعُوَنَّكُمْ اَنْفُسُكُمْ اِلَى الْجَذَلِ بِمَا اَصَبْتُمْ مِنْ دِمَائِنَا ونالت اَيْدِيكُمْ مِنْ أَمْوَالِنَا، فَاِنَّ مَا أَصَابَنَا مِنَ الْمَصَائِبِ الْجَلِيْلَةِ ، وَالرَّزَايَا الْعَظِيْمَةِ فِي كِتَابِ اللهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرٌ، لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاكُمْ وَاللهُ لَايُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ

تَبًّا لَكُمْ فَانْتَظِرُوا اللَّعْنَةَ وَالْعَذَابَ، فَكَأَنْ قَدْ حَلَّتْ، ﴿حَلَّ ﴾ بِكُمْ، وَتَوَاتَرَتْ مِنَ السَّمَاءِ نَقِمَاتٌ فَيُسْحِتَكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ، وَيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ، ثُمَّ تُخَلَّدُوْنَ فِي الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَا ظَلَمْتُمُوْنَا ، اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ

وَيْلَكُمْ أَتَدْرُوْنَ اَيَّةَ يَدٍ طَاعَنَتْنَا ﴿طَاعَنَتْنَا ﴾ مِنْكُمْ؟ اَوْ اَيَّةَ نَفْسٍ تَرْغَبُ ﴿نُزِعَتْ ﴾ اِلَى قِتَالِنَا؟ اَمْ بِاَيَّةِ رِجْلٍ مَشَيْتُمْ اِلَيْنَا؟ تَبْتَغُوْنَ ﴿تَبْغُوْنَ ﴾ مُحَارَبَتَنَا ، قَسَتْ قُلُوبُكُمْ ، وَغَلُظَتْ اَكْبَادُكُمْ ، وَطُبِعَ عَلٰى أَفْئِدَتِكُمْ ، وَخُتِمَ عَلٰى سَمْعِكُمْ وَبَصَرِكُمْ وَسَوَّلَ لَكُمُ الشَّيْطَانُ وَأَمْلٰى لَكُمْ، وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِكُمْ غِشَاوَةً فَأَنْتُمْ لَا تَهْتَدُوْنَ،

تَبًّا لَكُمْ يَا اَهْلَ الْكُوفَةِ كَمْ تِرَاتٍ لِرَسُولِ اللهِ قِبَلَكُمْ، وَذُحُولٍ لَهُ لَدَيْكُمْ ، ثُمَّ غَدَرْتُمْ بِاَخِيْهِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ جَدِّي وَبَنِيْهِ عِتْرَةِ النَّبِيِّ الطَّاهِرِيْنَ الْاَخْيَارِ فَافْتَخَرَ بِذٰلِكَ مفتخر فَقَالَ:

نَحنُ قتلنا عليًّا و بَنِي عليّ بسيوف هنديّة و رماح
و سبينا نسائهم سبى ترك و نطحناهم وأيّ نطاح

فَقَالَتْ: بِفِيْكَ اَيُّهَا الْقَائِلُ الْكَثْكَثُ، وَلَكَ الْاَثْلَبُ، افْتَخَرْتَ

بِقَتْلِ قَوْمٍ زَكَّاهُمُ اللهُ وَطَهَّرَهُمْ وَأَذْهَبَ عَنْهُمُ الرِّجْسَ، فَاكْظِمْ وَأَقْعِ كَمَا أَقْعَى أَبُوكَ ، وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ، حَسَدْتُمُونَا وَيْلًا لَكُمْ عَلَى مَا فَضَّلَنَا اللهُ

فَمَا ذَنْبُنَا اَنْ جَاشَ دَهْرًا بُحُوْرُنَا

وَبَحْرُكَ سَاجٍ لَا يُوَارِيْ الدَّعَامِصَا

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

"میں خداوند تعالیٰ کی صحراؤں، ریگستانوں کی ریگ اور کائنات میں بکھرے ہوئے سنگ ریزوں کی تعداد اور عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کے تمام اوزان کے برابر حمد وثنا کرتی ہوں۔ میں اس ذات پر ایمان رکھتی ہوں اور اسی کی وحدانیت کی گواہی دیتی ہوں۔ میں اس ذات پر بھروسا رکھتی ہوں اور اس امرِ خدا کو گواہ کرتی ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد ہیں اور اس کے رسولؐ ہیں۔

اما بعد! اے اہلِ کوفہ! اے غدارو اور مکارو! اے تکبر اور حیلہ کے پرستارو! اللہ تعالیٰ نے ہماری تمہارے ساتھ آزمائش کی ہے اور تمہاری ہمارے ساتھ آزمائش کی ہے۔ ہماری آزمائش کو ہمارے لیے نعمت ابدی قرار دیا ہے۔ اس ذات نے اپنے علم کو ہمارے ساتھ خاص کر دیا ہے۔ اس نے ہمارے لیے فہم و ادراک کے دریا جاری کر دیے ہیں۔ ہم ہی اس کے علم وحکمت کے مخزن ہیں۔ ہم اس کے شہروں میں اس کی مخلوق پر حجت ہیں۔ اس نے اپنی کرامت سے ہمیں محترم ومکرم بنایا ہے اور ہمیں اپنے رسولؐ کی برکت سے اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت وعزت بخشی ہے۔ تم نے ہمیں جھٹلایا، ہمیں کافر سمجھا اور خود کافر ہوئے۔ ہمارا قتل حلال جانا، ہمیں لوٹا اور ہمیں ترک و کابل کے مانند اسیر بنایا۔ ماضی قریب میں تم

نے ہمارے جد بزرگوار کو قتل کیا، تمھارے سینوں میں جو کینہ ہے، اسی کے سبب سے ہم اہلِ بیتؑ رسولؐ کا خون تمھاری تلواروں سے ٹپکتا رہا ہے۔ ہمارے قتل سے تمھاری خوشیاں دوبالا ہوئیں۔ دیر نہیں ہے کہ جب تم اپنے انجام کو پہنچو گے۔ وہ دن آنے والا ہے جس دن اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمھارے درمیان اپنا فیصلہ کرے گا۔ ہماری خونریزی اور لُوٹ مار پر جشن نہ مناؤ۔ یہ سب کچھ ہمارے لیے سعادتِ ابدی ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان مصائب کے بدلے ہمیشہ کی سرداری اور بزرگواری عطا کی ہے۔ وائے ہو تم پر! اب خدا کی ابدی لعنت اور عذاب کا انتظار کرو جو بہت جلد تم پر نازل ہونے والا ہے۔ الٰہی عذاب تم پر مسلسل نازل ہوں گے جو تمھیں جہنم وارد کریں گے۔ وہ وقت بھی قریب ہے جب تم اپنی تلواروں سے ایک دوسرے کی گردنیں کاٹو گے اور آخرت میں دردناک عذاب کے مزے لو گے۔ یہ سب کچھ عوض ہوگا ان مظالم کا جو تم نے ہم پر ڈھائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظَّالِمِیْنَ، وائے ہو تم پر، تم نے کن کن ہاتھوں سے نیزے مارے اور تمھارے کس کس آدمی نے ہمیں قتل کیا۔ کن قدموں پر تم چل کر آئے اور ہمارا قتل کیا۔ تمھارے دل پتھر ہو چکے ہیں۔ تمھارے جگر میں غلاظت بھر چکی ہے۔ تمھارے قلوب پر ابدی بدبختی کی مہر ثبت ہو چکی ہے۔ نہ تمھیں حق و حقیقت دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی اس کی آواز کی طرف تم متوجہ ہوتے ہو۔ شیطان نے تمھاری بداعمالیوں کو زینت دے کر تمھارے سامنے پیش کر دیا ہے، جس کی وجہ سے تمھیں اپنے کیے پر پریشانی نہیں۔ تمھاری آنکھوں پر ضلالت کے دبیز پردے ڈال دیے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے تمھیں حق و سچ کا راستہ دکھائی نہیں دیتا۔

اے اہلِ کوفہ! ہلاکت و بربادی تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لے۔ رسالت مآبؐ تم سے کن کن خونوں کا قصاص لیں گے اور تمھارے کن کن مظالم کا انتقام لیں گے؟ اس مکاری وعیاری کا بدلہ لیں گے جو تم نے میرے جدِ بزرگوار علیؑ بن ابی طالبؑ کے ساتھ کیا یا ان مظالم کا بدلہ لیں گے جو تم نے رسولؐ اللہ کے بیٹوں پر کیے۔ کتنا بدبخت ہے وہ تمھارا فرد، جس نے ازراہِ فخر کہا: میں وہ ہوں کہ جس نے علیؑ اور فرزندانِ علیؑ کو ہندی تلواروں سے قتل کیا اور ان کی خواتین کو اسیر بنایا۔

اے فخر کرنے والے! تیرے اس منحوس منہ پر خاک۔ تم لوگ ان لوگوں کے قتل پر فخر کرتے ہو جن لوگوں کی اللہ نے اپنے قرآن میں تعریف کی ہے اور ہر ریب وخطا سے پاک و پاکیزہ کیا ہے۔ تم اپنے آباؤ اجداد کی طرح کافر ہو۔ اپنے افعال و کردار پر نظر کرو۔ اپنی عاقبت پر پھوٹ پھوٹ کر روؤ۔ تم کینہ پرور اور حاسد ہو۔ تم نے ہماری جلالت وعظمت پر حسد کیا اور ہمارے احترام و اکرام پر پیچ وتاب کھانے لگے۔ آگاہ ہو جاؤ! یہ سب فضلِ پروردگار ہے، وہ جسے چاہتا ہے اُسے عطا کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے جسے نُورِ ہدایت عطا نہیں کیا وہ دنیا و آخرت میں اندھا ہے''۔

جب جنابِ فاطمہ ﷥ کی گفتگو اس مقام پر پہنچی تو لوگوں کی صدائے گریہ وشیون بلند ہوا اور لوگ چیخ چیخ کر فریادیں بلند کرنے لگے:

حَسْبُكِ يَا اِبْنَةَ الطَّاهِرِيْنَ فَقَدْ اَحرَقْتِ قُلُوبَنَا وَانْضَجْتِ نُحُوْرَنَا وَاَضْرَمْتِ اَجوَافَنَا

''اے دخترِ اہلِ بیت طہارتؑ! آپؑ نے اپنی گفتگو سے ہمارے قلب و جگر کو آگ لگا دی ہے۔ آپؑ نے ہمارے اندر آگ کے وہ شعلے بھڑکا

دیے ہیں جن میں ہم زندگی بھر جلتے رہیں گے"۔
یہ سن کر آپؑ نے اپنا خطاب ختم فرمایا۔ بعد ازیں کوئی گفتگو نہ کی۔

حضرت اُمِ کلثومؑ ① کا دلوں کو تڑپا دینے والا خطاب

يَا اَهْلَ الْكُوفَةِ سَوْلَةً لَكُمْ ، مَا لَكُمْ خَذَلْتُمْ حُسَيْنًا وَقَتَلْتُمُوْهُ ، وَانْتَبَهْتُمْ اَمْوَالَهُ وَ وَرِثْتُمُوْهُ ، وَسَبَيْتُمْ نِسَائَهُ وَنَكَبْتُمُوْهُ فَتَبًا لَكُمْ وَسُحْقًا ، وَيْلَكُمْ اَتَدْرُوْنَ اَيَّ دَوَاهٍ دَهَتْكُمْ وَأَيَّ وِزْرٍ عَلٰى ظُهُوْرِكُمْ حَمَلْتُمْ ؟ وَ أَيَّ دِمَاءٍ سَفَكْتُمُوْهَا ؟ وَ أَيَّ كَرِيْمَةٍ اَصَبْتُمُوْهَا ؟ وَأَيَّ صِبْيَةٍ سَلَبْتُمُوْهَا ؟ وَ أَيَّ اَمْوَالٍ انْتَهَبْتُمُوْهَا ؟ قَتَلْتُمْ خَيْرَ

---

① شاید اُمِ کلثوم حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہی ہوں۔ کیونکہ حضرت زینبؑ کی ایک دختر تھی جن کا نام کلثوم تھا۔ اس وجہ سے آپؑ بھی اسی کنیت یعنی اُمِ کلثوم سے مشہور ہوئیں۔ ابن اثیر کا قول اس مطلب کی تائید کرتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب "نہایہ" میں لکھا ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا: اَتَدْرُوْنَ اَيَّ كَبِدٍ فَرَثْتُمْ لِرَسُوْلِ اللهِ۔ اس جملے میں "فرثتم" کا مادہ "فرث" ہے۔ تمام شیعہ سُنّی مورخین کا اجماع ہے کہ بی بی نے کوفہ میں جو خطبہ دیا تھا، یہ جملہ اسی خطبہ کا حصّہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "اُمِ کلثوم" حضرت زینب سلام اللہ علیہا ہیں۔

اس امر کی تائید میں دوسرا مورد یہ ہے کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اپنی پھوپھی سے فرمایا تھا: اب اپنا خطبہ ختم کر دیجیے اور سکوت فرمایئے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ امامؑ انھیں سکوت کا حکم دیں اور دوسرا فرد امرِ امامؑ کی مخالفت کرے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ جو حضرت اُمِ کلثوم کے نام سے منسوب ہے۔ یہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے خطبہ کا آخری حصّہ ہے۔ یہ کوئی جدید گفتگو نہیں ہے۔

تیسرا مؤید یہ ہے کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اپنی پھوپھی سے فرمایا کہ وہ خطاب فرمائیں۔ پھر خود آپؑ نے انھیں خاموش ہونے کے لیے کہا کیونکہ آپؑ چاہتے تھے کہ پھر کسی مناسب وقت میں ان سے استفادہ کیا جائے۔ اگر اس احتمال کو درست تسلیم کر لیا جائے تو بعید نظر آتا ہے کہ جنابِ اُمِ کلثوم اپنے امامؑ وقت کی تقویت کا سبب بنتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گفتگو امامؑ کے حکمِ سکوت سے قبل بیان ہو چکی تھی۔

لیکن ان تمام صورتوں میں بعض مورخین نے حضرت اُمِ کلثوم سے منسوب خطبے کے بعد ان اشعار کا ذکر کیا ہے کہ آپؑ نے خطبے کے آخر میں یہ اشعار بیان کیے:

رِجالاتِ بَعْدَ النَّبِيِّ، وَنُزِعَتِ الرَّحْمَةُ مِنْ قُلُوْبِكُمْ، أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْفَائِزُوْنَ وَحِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ، ثُمَّ قَالَتْ:

قَتَلْتُمْ أَخِي صَبْرًا فَوَيْلٌ لِأُمِّكُمْ ... سَتُجْزَوْنَ نَارًا حَرُّهَا يَتَوَقَّدُ
سَفَكْتُمْ دِمَاءً حَرَّمَ اللهُ سَفْكَهَا ... وَحَرَّمَهَا الْقُرْآنُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ
أَلَا فَابْشِرُوْا بِالنَّارِ إِنَّكُمْ غَدًا ... لَفِي سَقَرٍ حَقًّا يَقِيْنًا تُخَلَّدُوْا
وَ إِنِّي لَأَبْكِي فِي حَيَاتِي عَلَى أَخِي ... عَلَى خَيْرِ مَنْ بَعْدِ النَّبِيِّ يُوْلَدُ
بِدَمْعٍ غَزِيْرٍ مُسْتَهِلٍّ مُكَفْكَفٍ ... عَلَى الْخَدِّ مِنِّي ذَائِبًا لَيْسَ يُجْمَدُ

"اے اہلِ کوفہ! تمھارا حال و مال بُرا ہو اور تم نے میرے بھائی حسینؑ کو تنِ تنہا اکیلا چھوڑ دیا۔ پہلے اُسے قتل کیا پھر اس کا مال و متاع لوٹا اور ان کی مخدرات عصمت و طہارت کو اسیر کیا۔ وائے ہو تم پر اور لعنت ہو تم پر! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ تم نے کیا ظلم و ستم کیا اور کیسے کیسے گناہوں

⇨

قَتَلْتُمْ أَخِي صَبْرًا فَوَيْلٌ لِأُمِّكُمْ ... سَتُجْزَوْنَ نَارًا حَرُّهَا يَتَوَقَّدُ
سَفَكْتُمْ دِمَاءً حَرَّمَ اللهُ سَفْكَهَا ... وَحَرَّمَهَا الْقُرْآنُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ
أَلَا فَابْشِرُوْا بِالنَّارِ إِنَّكُمْ غَدًا ... لَفِي سَقَرٍ حَقًّا يَقِيْنًا تُخَلَّدُوْا
وَ إِنِّي لَأَبْكِي فِي حَيَاتِي عَلَى أَخِي ... عَلَى خَيْرِ مَنْ بَعْدِ النَّبِيِّ يُوْلَدُ
بِدَمْعٍ غَزِيْرٍ مُسْتَهِلٍّ مُكَفْكَفٍ ... عَلَى الْخَدِّ مِنِّي ذَائِبًا لَيْسَ يُجْمَدُ

"اے کوفیو! تمھاری واہی تباہی ہو! تم نے میرے بھائی کو ظلم و جبر کے ساتھ شہید کر ڈالا۔ عنقریب اور بہت قریب تمھیں جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے حوالے کیا جائے گا۔ تم لوگوں نے اس خون کو زمین پر بہایا ہے جس کی حرمت کا حکم اللہ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہؐ نے دے رکھا ہے۔
میں زندگی بھر اپنے ایسے بھائی پر روتی رہوں گی جو نبی اکرم ﷺ کے بعد پیدا ہونے والوں میں سب سے بہتر و برتر ہے۔ میری آنکھوں سے میرے آنسو جاری رہیں گے۔ ابھی ان سے اپنے چہرے کو صاف کروں گی تو پھر وہ جاری ہو جائیں گے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا اور کبھی نہیں رُکے گا"۔

طوفانِ نوح زندہ شد از اشکِ چشم من ... با آنکہ در غمت بمدارا گریستم

"میری آنکھوں کے آنسو سے دوبارہ طوفانِ نوحؑ برپا ہو سکتا ہے۔ میں ہمیشہ تیرے غم میں روتا رہوں گا"۔

کے انبار اپنی پشت پر لادے اور کیسے کیسے محترم انسانوں کا خون کیا اور اپنے رسولؐ کی بیٹیوں کو محزون و مغموم کیا اور کن کن بزرگواروں کے اموال لوٹے؟ بعد از رسولِ خدا تم نے کائنات کی بہترین خلق کو قتل کیا۔ تمھارے قلوب میں رحم نام کی کوئی چیز موجود ہی نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ حزب اللہ ہمیشہ کامیاب ہوا اور حزبِ شیطان ہمیشہ خسارے میں رہا"۔

بعدازاں آپؑ نے سیّدالشہداؑ پر مرثیہ پڑھا:

"اے ظالمو! تم نے میرے بھائی کو شہید کر ڈالا۔ اب تمھاری سزا ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلنا ہے۔ تم نے اس خون کو گرایا ہے جس خون کا گرانا اللہ نے اپنے قرآن میں اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے۔ آگاہ رہو! فردائے قیامت جہنم تمہارا ابدی مقدر ہے۔ جب تک میں زندہ رہوں گی اپنے برادر کی مظلومیت پر روتی رہوں گی۔ رسول اللہؐ کے بعد وہ کائنات میں اپنے فضائل کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس کی یاد میں میری آنکھیں ساون کے بادل کی طرح برستی رہیں گی اور میرے آنسو کبھی خشک نہ ہوں گے"۔

زمانے کے امامؑ کا کوفہ میں خطاب

جب اُسیرانِ آلِ محمدؐ کا کارواں کوفہ میں پہنچا تو اس وقت حضرت امام زین العابدینؑ بے پالان اُونٹ پر سوار تھے۔ آپؑ کی مبارک گردن میں زنجیر تھے جنھوں نے آپؑ کی گردن کو جھکا رکھا تھا۔ آپؑ کے ہاتھ مبارک پسِ گردن بندھے ہوئے تھے، زنجیروں کی رگڑ سے آپؑ کی گردن کی رگوں سے خون بہ رہا تھا۔ آپؑ نے اپنے خطاب کا آغاز کچھ اس طرح فرمایا:

وَفِيْهِ أَيْضًا قَالَ حَزَامُ بْنُ سَتِيْرٍ خَرَجَ زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ إِلَى النَّاسِ وَأَوْمَأَ إِلَيْهِمْ أَنْ اُسْكُتُوا ، فَسَكَتُوا وَهُوَ قَائِمٌ فَحَمِدَ لِلّٰهِ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ وَصَلّٰى عَلَيْهِ نَبِيِّهٖ ثُمَّ قَالَ:

أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْنِي فَأَنَا عَلِيُّ

بْنُ الْحُسَيْنِ الْمَذْبُوحِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ، مِنْ غَيْرِ ذَحْلٍ وَلَا تِرَاتٍ، أَنَا ابْنُ مَنْ هُتِكَ حَرِيمُهُ، وَسُلِبَ نَعِيمُهُ، وَانْتُهِبَ مَالُهُ، وَسُبِيَ عِيَالُهُ، أَنَا ابْنُ مَنْ قُتِلَ صَبْرًا وَكَفَى بِذٰلِكَ فَخْرًا، أَيُّهَا النَّاسُ نَاشَدْتُكُمْ بِاللهِ هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّكُمْ كَتَبْتُمْ إِلَى أَبِي وَخَدَعْتُمُوهُ، وَأَعْطَيْتُمُوهُ مِنْ أَنْفُسِكُمُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ وَالْبَيْعَةَ وَقَتَلْتُمُوهُ ﴿قَاتَلْتُمُوهُ﴾، فَتَبًّا لَكُمْ مَا قَدَّمْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَسَوْءَةً لِرَأْيِكُمْ بِأَيَّةِ عَيْنٍ تَنْظُرُونَ إِلَى رَسُولِ اللهِ إِذْ يَقُولُ لَكُمْ قَتَلْتُمْ عِتْرَتِي، وَانْتَهَكْتُمْ حُرْمَتِي فَلَسْتُمْ مِنْ أُمَّتِي بِالْبُكَاءِ وَيَدْعُوا بعضهم بَعْضًا هلكتم وَمَا تعلَمُونَ: رَحِمَ اللهُ امْرَأً قَبِلَ نَصِيحَتِي وَحَفِظَ وَصِيَّتِي فِي اللهِ وَفِي رَسُولِهِ وَفِي أَهْلِ بَيْتِهِ فَإِنَّ لَنَا فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، فَقَالُوا بِأَجْمِعِهِمْ: نَحْنُ كُلُّنَا يَا ابْنَ رَسُولِ اللهِ سَامِعُونَ مُطِيعُونَ، حَافِظُونَ لِذِمَامِكَ غَيْرَ زَاهِدِينَ فِيكَ، وَلَا رَاغِبِينَ عَنْكَ، فَمُرْنَا بِأَمْرِكَ رَحِمَكَ اللهُ فَإِنَّا حَرْبٌ لِحَرْبِكَ، وَسِلْمٌ لِسِلْمِكَ، لَنَأْخُذَنَّ تَرتكَ وَترتنا مِمَّنْ ظَلَمَكَ وَظَلَمَنَا فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ:

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ أَيُّهَا الْغَدَرَةُ الْمَكَرَةُ حِيلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ شَهَوَاتِ أَنْفُسِكُمْ، أَتُرِيدُونَ أَنْ تَأْتُوا إِلَيَّ كَمَا أَتَيْتُمْ إِلَى آبَائِي مِنْ قَبْلُ، كَلَّا وَرَبِّ الرَّاقِصَاتِ إِلَى مِنًى فَإِنَّ الْجُرْحَ لَمَّا يَنْدَمِلْ قُتِلَ أَبِي بِالْأَمْسِ وَأَهْلُ بَيْتِهِ مَعَهُ فَلَمْ يُنْسِنِي ثُكْلُ رَسُولِ اللهِ وَثُكْلُ أَبِي وَبَنِي أَبِي وَوَجْدُهُ بَيْنَ ﴿شَقِّ لَهَازِمِي﴾ لَهَاتِي، وَمَرَارَتُهُ بَيْنَ حَنَاجِرِي وَحَلْقِي، وَغُصَصُهُ، تَجْرِي فِي فِرَاشِ صَدْرِي، وَمَسْئَلَتِي أَنْ تَكُونُوا لَنَا وَلَا عَلَيْنَا ثُمَّ قَالَ:

لَاغَرْوَ اَنْ قُتِلَ الْحُسَیْنُ وَشَیْخُهٗ قَدْ کَانَ خَیْرًا مِنْ حُسَیْنٍ وَاَکْرَمَا
فَلَا تَفْرَحُوْا یَا اَھْلَ کُوْفَانَ بِالَّذِیْ اُصِیْبُ حُسَیْنَ کَانَ ذٰلِکَ اَعْظَمَا
قَتِیْلُ بِشَطِّ النَّھْرِ نَفْسِیْ فِدَاؤُہٗ جَزَاءُ الَّذِیْ اَرْدَاہُ نَارَ جَھَنَّمَا

''حزام بن ستیر کا بیان ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ۔ پس! ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ آپؑ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور فرمایا:

اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے تو وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا تو وہ جان لے کہ میں حسینؑ ابن علیؑ کا بیٹا علیؑ ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے بے جرم و خطا کنارۂ فرات پر ذبح کیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی ہتک و حرمت کی گئی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا مال و متاع لوٹ لیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے اہلِ بیتؑ کو قیدی بنایا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے ظلم و جبر اور بے دردی سے قتل کیا گیا، ان کی شہادت کی سعادت میرے لیے فخر و مباہات کا باعث ہے۔

اے لوگو! تم نے میرے والد گرامی کو خطوط لکھے اور اپنی طرف دعوت دی۔ تم اس بات کو بہ خوبی جانتے ہو کہ جب وہ تمھاری دعوت پر تشریف لائے تو تم نے ان سے غداری کی، انھیں فریب دیا حالانکہ تم ان سے عہد و پیمان کر چکے تھے۔ تم نے ان سے جنگ کی اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کیا۔ پس! تم پر لعنت اور پھٹکار ہو۔ تم نے جہنم کے راستے کو اختیار کیا اور بدترین راستے کا انتخاب کیا۔

آخر وہ دن آئے گا جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رُوبرو ہو گے۔ وہ تم سے پوچھیں گے: اچھا تم لوگوں نے میرے بعد میری عترت کو قتل کر دیا تھا اور میری ہتک و حرمت کی تھی۔ کیا تم میری اُمت میں سے نہ تھے؟''

جب آپؑ کا خطاب اس مقام پر پہنچا تو چہار سُو صدائے گریہ بلند ہوئی۔ لوگ ایک دوسرے کو کہنے لگے: ارے یہ ہم نے کیا کر دیا۔ ہم تو مارے گئے اور برباد ہو گئے۔ جب آہ و فغاں کے آوازے مدہم ہوئے تو آں حضرتؑ نے اپنا خطاب دوبارہ شروع کیا۔

آپؑ نے فرمایا:

"خدا اس پر رحمت نازل فرمائے جو میری نصیحت قبول کرے اور میری وصیت کو خدا اور اس کے رسولؐ کا حق جانتے ہوئے یاد رکھے کیونکہ مجھ پر تبلیغِ رسالت میں رسول اللہؐ کی پیروی لازمی ہے"۔

اس مقام پر پورے ہجوم سے آوازیں بلند ہوئیں: اے فرزندِ رسولؐ! ہم نے آپؑ کا کلام سنا۔ اب ہم آپؑ کی اطاعت کریں گے۔ ہم آپؑ کی حرمت کو پہچانتے ہیں۔ جو کچھ آپؑ فرمائیں گے، اس پر عمل کریں گے اور جو آپؑ سے جنگ کرے گا ہم بھی اس سے جنگ کریں گے۔ جو آپؑ سے صلح کرے گا، ہم بھی اُس سے صلح کریں گے۔ اگر آپؑ کہیں کہ جن لوگوں نے آپؑ پر ظلم کیا ہے تو ہم ان سے قصاص لیتے ہیں۔

کوفیوں کے ان کلمات کو سن کر آپؑ نے فرمایا:

"هیهات هیهات! اے غدارو! اے مکارو! کیا میرے ساتھ وہی سلوک کرو گے جو میرے بزرگوں کے ساتھ کر چکے ہو؟ تمھاری بے وفائی و مکاری کو زمانہ جانتا ہے۔ اب کون ہے جو تمھاری باتوں پر اعتماد کرے؟ متحرک آسمانوں کے پروردگار کی قسم! اب اعتماد والی بات اُٹھ گئی ہے۔ اب میرے دل کے زخموں سے خون بہہ رہا ہے۔ کل ہی کی بات ہے تمھاری مکاری و فریب کاری سے میرے پدرِ بزرگوار و برادران و عزیز و اقارب قتل ہوئے۔ میں نہ تو ابھی رسول اللہؐ کا غم بھولا ہوں اور نہ ہی اپنے بزرگواروں اور عزیزوں کے غم بھولا ہوں۔ ان مصائب کی تلخیاں ابھی تک میرے حلق میں موجود ہیں۔ ان کے فراق کی آگ میرے سینے میں شعلہ ور ہے"۔

آخر میں آپؑ نے اپنے بابا پر مرثیہ خوانی کی:

"کوفیوں نے اگر میرے بابا سیدالشہداؑ کو قتل کیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لیے کہ اس سے پہلے انھوں نے ان کے پدر عالی قدر کو بھی شہید کیا تھا۔ تمھارے یہ جشن زیادہ دیر نہیں چلیں گے اور جلد آتشِ جہنم تمھارا ٹھکانا بننے والی ہے"۔

تدفینِ شہداعلیہم السلام کے مراسم

مورخین نے لکھا ہے کہ عاشورا محرم کے دن حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک خیمہ مخصوص کر رکھا تھا۔ ان کے اصحاب میں سے جب کسی شہید کا جنازہ آتا تو آپؑ اس کے جنازہ کو اسی خیمے میں منتقل کر دیتے۔ جب کسی شہید کا جنازہ آتا تو آپؑ فرماتے: وَقَتْلَةٌ مِثْلِ قَتْلَةِ النَّبِيِّيْنَ وَآلِ النَّبِيِّيْنَ "یہ شہادت انبیائے کرامؑ اور ان کے خاندان کے لوگوں کی شہادت کے مانند ہے"۔

لیکن جب حضرت ابوالفضل العباسؑ کو دریائے فرات کے کنارے شہید کیا گیا تو ان کے جنازہ کو وہیں مقامِ شہادت پر رہنے دیا گیا، اِدھر شہدا کے خیمے میں انھیں منتقل نہ کیا گیا۔

جب عمر ابن سعد اہلِ بیتؑ رسولؐ کو قیدی بنا کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا تو اُس نے ان شہدا کو کربلا کی گرم زمین پر بے گور و کفن رہنے دیا جن کے بارے میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا:

سَادَةُ الشُّهَدَاءِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ لَمْ يَسْبِقْهُمْ سَابِقٌ وَلَا يُلْحِقُهُمْ لَاحِقٌ

"کربلا کے شہدا وہ شہدا ہیں جو دنیا و آخرت کے تمام شہدا کے سردار ہیں۔

اس شان کا نہ کوئی پہلے شہید گزرا ہے اور نہ ہی اس عظمت کا ان کے بعد کوئی شہید ہوگا"۔

سیدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام جو جوانانِ جنت کے سردار تھے، ان کا مقدس جنازہ بھی سورج کی تمازت میں کربلا کے بیابان میں خاک و خون میں غلطاں بے گور و کفن چھوڑ دیا

گیا۔ جن کے مقدس جسم سے انوارِ الٰہی آسمان سے ٹکرا رہے تھے اور ان کے مقدس جسم کی خوشبو سے صحرائے کربلا معطر تھا۔

بنواسد کے ایک آدمی کی روایت ہے کہ جب عمر ابن سعد کا لشکر کربلا سے چلا گیا تو میں میدانِ کربلا میں آیا۔ میں نے وہاں پر شہدا کے مبارک اَبدان دیکھے کہ جن سے نُور ساطع ہو رہا تھا جو آسمان سے ٹکرا رہا تھا۔ اِن اَبدان سے اس قدر خوشبو پھوٹ رہی تھی کہ جس نے صحرائے کربلا کو معطر کر رکھا تھا۔

وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہتا ہے: میں نے وہاں پر ایک خوفناک اور غضب ناک شیر کو دیکھا جو ان پارہ پارہ اَبدان کا طواف کر رہا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کی حفاظت کر رہا ہو۔ میں نے اس شیر کو دیکھا کہ وہ ایک شہید کے پاکیزہ بدن کے پاس آیا اور اس کے خون سے اپنے آپ کو رنگین کیا اور اُسی مقام پر کھڑا ہو کر دردناک قسم کی چیخیں نکالنے لگا۔

اس آدمی کا کہنا ہے کہ اس عجیب و غریب منظر سے مجھ پر وحشت طاری ہوگئی کہ یہ کیسا حیوان ہے۔ میں نے اپنے آپ کو چھپا لیا تاکہ دیکھوں کہ یہ جانور ان اَبدان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں نے اس عمل کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا فعل نہ دیکھا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ شیر ان اَبدان کی حفاظت کر رہا ہے۔

اس آدمی کا کہنا ہے کہ جو بات قابلِ تعجب ہے وہ یہ کہ جب آدھی رات گزری تو میں نے دیکھا کہ کربلا کے میدان میں ہر طرف مشعلیں روشن ہوگئی ہیں اور زمین کی ہر جگہ سے گریہ و آہ و زاری کی جاں سوز آوازیں بلند ہیں۔ (مدینۃ المعاجز: ص ۲۶۳، باب ۱۲۷)

۱۳ محرم کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار اور باقی شہدا کو دفن کرنے کے لیے کربلا تشریف لائے کیونکہ امامؑ کی تجہیز و تکفین صرف امامؑ ہی کر سکتا ہے۔[1]

---

[1] اثبات الوصیۃ مسعودی: ص ۱۷۳۔ کتاب زین العابدین، مصنف علامہ مقرم: ص ۳۰۲ پر مندرجہ بالا موضوع سے مربوط احادیث موجود ہیں لیکن ان مذکورہ احادیث میں ہے کہ "امامؑ ہی امامؑ کی تجہیز و تکفین کر سکتا ہے اس کا غیر نہیں کر سکتا" کے راز سے پردہ نہیں اُٹھایا گیا۔ اس امر میں اس جہت کا احتمال ہے کہ جب امامؑ کا اس دنیا سے انتقال ہوتا ہے تو وہ اس حال میں صاحب سیر کامل ہوتے ہیں جس ⇐

لیکن یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کوفہ میں دشمن کی قید میں تھے، وہ کس طرح کربلا تشریف لائے اور سید الشہداءؑ کی تجہیز و تکفین و تدفین کی؟

جی ہاں! اس سوال کا جواب ہمارے پاس وہ مناظرہ ہے جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور علی بن حمزہ کے درمیان ہوا تھا۔ امام ہشتم علیہ السلام نے اس پر سوال کیا تھا کہ کیا تیری نظر میں حسین بن علی علیہ السلام امام تھے یا نہیں؟

اس نے عرض کیا: جی ہاں! آپؑ امامؑ تھے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: جب ان کی شہادت ہوئی تو ان کی تجہیز و تکفین کے معاملات کس نے انجام دیے تھے؟

علی بن حمزہ نے عرض کیا: حضرت امام سجادؑ نے انجام دیے تھے۔

امام علیہ السلام نے پوچھا: اس دن امام سجادؑ کہاں تھے؟

علی بن حمزہ نے جواب دیا: وہ اس دن کوفہ میں ابن زیاد کے زندان میں تھے۔ لیکن یہ بات عام طور پر سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ زندان سے باہر آئے تاکہ امام علیہ السلام کے کفن دفن کی

⇐ منزل تک انھیں پہنچنا ہوتا ہے آپ پہنچ چکے ہوتے ہیں اور یہ منزل ان کو فیوضاتِ الٰہی سے متصل کر دینے والی ہوتی ہے اور وجودِ معصوم اس وقت مخصوص آثار کا حامل ہوتا ہے۔ اس لیے غیر معصوم کا ان کے اس مرحلہ کے قریب جانا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کا یہ مقام، مقامِ قَابَ قَوسَین یا مقامِ اَدنیٰ، یا اس سے بھی نزدیک تر ہے کہ جہاں پر روح الامین کے قدم رُک جاتے ہیں اور پیغمبر گرامی سبحان ملکوت کے اوقیانوس کی بے کرانیاں اکیلے طے کرتے رہے۔ جی ہاں! آئمہ ہدیٰ سلام اللہ علیہم اجمعین حقیقتِ محمدیہ سے پیدا ہوئے تھے۔

حسن بن سلیمان حلی نے بھی "المختصر" میں اسی مطلب کی اسی طرح تشریح کی ہے۔ جی ہاں! یہاں کچھ اَسرار ہیں کہ جن تک فکرِ بشری کی رسائی ناممکن ہے تو اس حال میں ان حقائق سے انکار کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اخبار و روایات موجود ہیں کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام عجیب و غریب احوال کے حامل ہیں۔ کسی غیر کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ان احوال و صفات کا حامل ہو جیسے ان کی حیات و وفات و انتقال، وہ ایک دوسرے کو ہر حال میں دیکھتے ہیں۔ ان کے اجسام کو ان کی قبور سے آسمان کی طرف بلند کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے زائرین کے سلام کو سنتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ بہت سے اوصاف رکھتے ہیں۔ ان صفات میں ان کا کوئی اور شریک نہیں ہے۔ شیخ صدوق در کتاب المقالات ۸۳ کاشف الغطا در منہج الرشاد: ص ۵۱، علامہ مرزا حسن نوری در دارالسلام: ج ۱، ص ۲۸۹ میں ان مطالب پر روشنی ڈالی ہے۔

ذمہ داری کو سرانجام دیں۔ آپ کربلا تشریف لائے اور مراسم تدفین مکمل کیے اور دوبارہ کوفہ کے زندان میں تشریف لے گئے۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو امام ہشتمؑ نے اُسے فرمایا: کیا امام زین العابدینؑ کے لیے کربلا آنا ممکن ہے حالانکہ وہ کوفہ کے زندان میں بند تھے؟ کیا میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ میں بغداد سے یہاں آؤں اور اپنے والد گرامی کے تدفین کے مراسم سرانجام دوں حالانکہ میں نہ زندان میں ہوں اور نہ ہی قیدی ہوں۔

جب حضرت امام سجاد علیہ السلام کربلا تشریف لائے تو اس وقت وہاں بنواسد کے لوگ حیران و پریشان کھڑے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں اور کیا نہ کریں کیونکہ شہدا کے اَبدان تو کربلا میں تھے لیکن ان کے سر کوفہ میں تھے اس لیے یہ امر ان کے لیے نہایت ہی مشکل تھا۔

جب امام سجاد علیہ السلام تشریف لائے تو آپؑ کے سامنے ایک ایک جنازہ لایا جاتا تاکہ دفن کیا جائے۔ امام علیہ السلام اس شہید کا نام لیتے اور پھر اس شہید کو دفن کر دیا جاتا۔ اس طریقے سے تمام اصحاب اور تمام ہاشمی جوانوں کی پہچان کے بعد دفن کیا گیا۔ اِدھر امام علیہ السلام شہداؑ کی شناخت کر رہے تھے، اُدھر بنواسد اور ان کی خواتین کی آہ و نالہ کی فریادیں بلند ہوتیں کہ کربلا کی سرزمین پر کہرام برپا تھا۔ ہر آنکھ اَشک بار تھی۔ ہر آدمی آلِ محمدؐ کے ماتم میں مصروف تھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو اس طرح برس رہے تھے کہ ان کے دامن آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ بنواسد کی عورتوں نے اپنے بال کھول دیے اور وہ اپنے چہروں اور سروں پر طمانچے مارتی تھیں۔ آہ و بکا کا یہ عالم تھا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔

جب تمام شہدا کے اجسام دفن ہو گئے تو امام سجاد علیہ السلام اپنے مظلوم باباؑ کے جسدِ اطہر کی طرف گئے اور اُنھیں اپنے دونوں ہاتھوں سے زمین سے اُٹھایا وَبَکٰی بُکَاءً عَالِیًا اور بلند آواز سے گریہ کرنے لگے۔ اور اُنھیں ان کی پاکیزہ قبر پر لے آئے۔ آپؑ نے تھوڑی سی خاک ہٹائی تو اچانک قبر برآمد ہوئی اور اس قبر میں کھلی ہوئی صندوق ظاہر ہوئی۔ آپؑ اپنے ہاتھ اپنے بابا کے بدنِ اطہر کے نیچے لے گئے اور فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

آپؑ نے اکیلے بدنِ مبارک کو قبر میں اُتارا اور لوگوں سے فرمایا: آپ لوگوں کے علاوہ کچھ اور ہستیاں ہیں جو اس سلسلے میں میری مدد کر رہی ہیں۔ جوں ہی آپؑ نے اپنے بابا کے بدنِ اقدس کو قبر میں رکھا تو اپنے بابا کی گردن کی کٹی ہوئی رگوں پر اپنا چہرۂ اقدس رکھ کر فرمایا:

طُوْبٰی الْاَرْضُ تَضَمَّنَت جَسَدَكَ الطَّاهِرَ، فَاِنَّ الدُّنْيَا بَعْدَكَ مُظْلِمَةٌ ، وَالْآخِرَةُ بِنُوْرِكَ مُشْرِقَةٌ ، اَمَّا اللَّيْلُ فَمُسَهَّدٌ ، وَالْحُزْنُ سَرْمَدٌ أَوْ يَخْتَارُ اللّٰهُ لِاَهْلِ بَيْتِكَ دَارَكَ الَّتِي اَنْتَ بِهَا مُقِيْمٌ وَعَلَيْكَ مِنِّي السَّلَامُ يَابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

”خوش حال ہے وہ سرزمین کہ جس میں آپؑ کا جسدِ پاک دفن ہے۔ اے بابا جانؑ! آپؑ کی شہادت سے دنیا تاریک ہوگئی اور آپؑ کے وجود سے آخرت روشن و منور ہوگئی۔ اب آپؑ کے بعد میری آنکھوں سے رات کا سونا ہمیشہ کے لیے جاتا رہا اور اب آپؑ کے بعد غم و حزن دائمی ہے۔ یا خداوند تعالیٰ! ہمیں وہ گھر عطا کردے جس میں اب آپؑ اقامت پذیر ہیں۔ اے فرزند رسولؐ! میرا آپؑ پر سلام ہو اور آپؑ پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں“۔

آپؑ نے قبر شریف کو بند کیا اور اس پر لکھا:

هٰذَا قَبْرُ الْحُسَيْنِ بْنُ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ الَّذِي قَتَلُوْهُ عَطْشَانًا غَرِيْبًا

”اے لوگو! جان لو کہ یہ قبر مطہر حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کی ہے جنھیں لوگوں نے دریائے فرات کے کنارے بہ لبِ تشنہ اور عالمِ غربت میں شہید کرڈالا“۔

پھر آپؑ اپنے چچا حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام کی طرف تشریف لے گئے۔ آپؑ نے دیکھا کہ آپؑ پر ملائکہ آسمانی اور حورانِ جنت گریہ و ماتم کر رہے ہیں۔ آپؑ نے اپنے آپؑ

کو اپنے چچا کے جنازے پر گرا دیا اور اُن کے گلوئے اقدس کے بوسے لینے لگے اور فرمایا:

عَلَی الدُّنْیَا بَعْدَكَ العَفَا یَاقَمرُ بَنِی هَاشِم ، عَلَیْكَ مِنِّی السَّلَامُ مِن شَهِیْدٍ مُحتَسِبٍ وَرَحمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

"اے قمر بنی ہاشمؑ! آپؑ کے بعد اس دنیا پر خاک۔ اے شہید راہِ خدا! آپؑ پر درود وسلام اور آپؑ پر اللہ کی برکتیں اور رحمت ہو"۔

پھر جناب ابوالفضل العباسؑ کی قبر مبارک تیار کی اور انھیں خود ہی اکیلے قبر میں اُتارا اور بنواسد کے لوگوں سے فرمایا: اِنَّ مَعِی مَن یُعِینُنِی "میرے ساتھ کچھ دوسری ہستیاں موجود ہیں جو میری مدد کر رہی ہیں"۔

جی ہاں! آپؑ نے بنواسد کو تمام شہدا کے مراسم دفن میں ہمکاری کی دعوت دی۔ ان کے لیے دو مواقع مشخص فرمائے کہ ان کے لیے قبریں کھودی جائیں۔ پہلا موقع بنوہاشم کے شہدا کے لیے اور دوسرا اصحاب کو دفن کرنے کے لیے۔ (الکبریت الاحمر، اسرار الشہادۃ دربندی، الایقاد)

جنابِ حُر ریاحی کی قبر مبارک ان کی قوم قبیلے نے جنگ کے بعد بنائی تھی جہاں اب آپؑ کا روضۂ مقدس ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جنگِ کربلا میں ان کی والدہ موجود تھیں۔ جب کوفی لشکر نے شہدا کے سر ان کے اجسام سے قطع کرنا چاہے تھے اور ان کے اجسام پر گھوڑے دوڑانے کا ارادہ کیا تو ان کے قبیلے والے ان کے بدنِ اقدس کو میدانِ جنگ سے باہر لے گئے تھے۔

تمام شہدا میں سے سیّدالشہدا ؑ کے نزدیک حضرت علی اکبرؑ کی قبر شریف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حماد بصری سے فرمایا تھا:

"حضرت امام حسین علیہ السلام عالمِ مسافرت میں سرزمینِ غربت میں شہید ہوئے۔ ان کے زائرین ان کی قبر مبارک پر گریہ وزاری کرتے ہیں اور ان سے محبت رکھنے والے، اپنے گھروں میں ان کے غم میں مغموم ومحزون رہتے ہیں اور جو لوگ ان کے روضۂ اقدس پر نہیں جاسکتے تو زیارت کی خواہش ان کے دل ودماغ پر چھائی رہتی ہے۔ جو شخص حضرت علی اکبرؑ کی

قبر شریف کی زیارت کرتا ہے جن کی قبر سید الشہداؑ کی قبر کے پاؤں کی طرف ہے تو اس کے دل میں درد وسوز پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ کس قدر بے دین اور خدا سے دُور تھے کہ جنھوں نے انھیں ان کے حق سے محروم کیا اور عالمِ سفر میں بیابان میں شہید کر ڈالا اور ان کے پاکیزہ اَبدان کو جنگل کے درندوں کے درمیان بے گور وکفن چھوڑ دیا۔ ان پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا حالانکہ جنگل کے چوپائے بھی اس پانی سے استفادہ کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کا خیال رکھا اور نہ ان وصیتوں کا خیال رکھا جو انھوں نے اپنے اہلِ بیتؑ کے بارے میں اُمت کے لیے جاری کی تھیں۔ ان ظالموں نے انھیں ان کے اہلِ بیتؑ کے سامنے ہی شہید کر ڈالا اور ان کے اصحاب کو بھی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا۔ انھیں عالمِ بے کسی وغربت میں اپنے جد نامدار کے روضہ سے دُور خاک وخون میں غلطاں کر دیا تھا۔

میرے والد گرامی نے مجھ سے فرمایا تھا: جس دن حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا گیا اس دن سے آج تک کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ روضۂ حسینیؑ امامؑ کے زائرین سے خالی ہو۔ آپؑ کی زیارت کے لیے آسمان سے ملائکہ اُترتے ہیں، جن وانس ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور ان پر درود وسلام پڑھتے ہیں۔ ان کے علاوہ جنگل کے چوپائے بھی ان پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ تمام لوگ ان کے زائرین کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے بدن کو مسح کرتے ہیں اور اس عمل کو وہ تبرک سمجھتے ہیں۔ زائرِ حسینیؑ کے چہرے پر نگاہ کرنا ایسا ہے جیسے اس نے خود سید الشہداؑ کے چہرے پر نگاہ کی ہو۔ وہ خداوند تعالیٰ سے خیر وبرکت طلب کرتے ہیں کہ انھوں نے روضۂ حسینیؑ کی زیارت کر لی ہے۔ خداوند تعالیٰ زائرین حسینیؑ کے وسیلہ سے اپنے ملائکہ پر فخر ومباہات کرتا ہے۔

پھر امام علیہ السلام نے حماد سے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کوفہ کے اطراف اور اس کے علاوہ عورتیں اور مرد نیمۂ شعبان روضۂ حسینؑ پر زیارت کے لیے آتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور کچھ سیّدالشہداؑ کے احوال بیان کرتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ صدائے بلند کے ساتھ نُدبہ کرتے ہیں اور بعض لوگ مرثیہ پڑھتے ہیں؟

حماد نے عرض کیا: جی ہاں! اے فرزندِ رسولؐ! جو کچھ آپؑ نے فرمایا ہے، میں نے ایسے ہی مشاہدہ کیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: الحمدللہ! کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ہمارے چاہنے والے ہمارے پاس آتے ہیں اور ہماری مدح کرتے ہیں اور ہمارے لیے مرثیہ خوانی کرتے ہیں تو وہ (یعنی ہمارے دشمن) ان کی توہین کرتے ہیں اور انھیں دھمکیاں دیتے ہیں۔ وہ لوگ کس قدر بدترین فعل سرانجام دیتے ہیں۔ [1] یہ اس لیے ایسا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے دشمن ہیں"۔

داستانِ قصر دارالامارہ

جس وقت ابن زیاد اپنی لشکرگاہ نخیلہ سے واپس دارالامارہ آیا تو سیّدالشہداؑ کا مقدس سر طشت میں رکھ کر اس کے سامنے پیش کیا گیا[2] تو دارالامارہ کی تمام دیواروں سے خون

---

[1] کامل الزیارات ابن قولویہ: ص ۳۲۵ و مزار بحار۔

[2] ثعالبی نے کتاب لطائف المعارف: ص ۱۴۲ کے باب ۹ میں لکھا ہے کہ عبدالملک بن عمیر لخمی کی روایت ہے کہ میں دارالامارہ میں اس دن ابن زیاد کے ہمراہ تھا کہ جس دن سیّدالشہداؑ کا سر ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا تھا کہ اسی دارالامارہ میں مختار ثقفی بطور حکمران تھے۔ میں اس کی مجلس میں تھا کہ ابن زیاد کا سر اس کے پاس لایا گیا۔ پھر ایک زمانہ آیا، یہی دارالامارہ تھا کہ مختار ثقفی کا سر مصعب بن زبیر کے سامنے لایا گیا۔ پھر وقت نے کروٹ بدلی تو مصعب کا سر اسی دارالامارہ میں عبدالملک بن مروان کو پیش کیا گیا۔ یہ سارے اُتار چڑھاؤ میرے سامنے گزرے۔

ایک دن میں عبدالملک بن مروان کے پاس اسی دارالامارہ میں بیٹھا تھا کہ میں نے یہ ساری خونی داستان عبدالملک کے سامنے بیان کی۔ اس نے اسے فالِ بد خیال کیا اور فوراً دارالامارہ سے باہر آ گیا۔

جاری ہوگیا۔ ① قصر کی ایک دیوار سے آگ کے شعلے برآمد ہوئے اور ابن زیاد کے تخت کی طرف لپکے۔ ② جب ابن زیاد نے یہ عجیب وغریب واقعہ دیکھا تو فوراً وہاں سے بھاگا اور قصر کے ایک کمرے میں پناہ لی۔ جب وہ بھاگ رہا تھا تو سیّدالشہداء کے مقدس سر سے آواز بلند ہوئی جسے خود ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں نے سنا:

اِلَى اَيْنَ تَهْرُبُ؟ فَاِنْ لَمْ تَنَلْكَ فِي الدُّنْيَا، فَهِيَ فِي الْآخِرَةِ مَثْوَاكَ

"اے ابن زیاد! اب کس طرف فرار کرے گا اگر یہ دنیا کی آگ تجھ تک

⇨ اسی داستان کو سیوطی نے تاریخ الخلفاء: ص ۱۳۹ اور ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۸، مطبوعہ ایران میں نقل کیا ہے۔

یکی مردی ز عرب هوشمند	گفت به عبدالملک از روی پند
روی همین مسند و این تکیه گاه	زیر همین قبه و این بارگاه
بودم و دیدم بر ابن زیاد	آه چه دیدم که دو چشمم مباد
تازه سری چون سپر آسمان	طلعت خورشید ز رویش نهان
بعد ز چندی سر آن خیره سر	بد بر مختار بروی سپر
بعد که مصعب سر و سردار شد	دستکش او سر مختار شد
این سر مصعب به تقاضای کار	تا چه کند با تو دگر روزگار

"ایک صاحب عقل و ہوش مند عرب نے عبدالملک بن مروان کو ازراہِ نصیحت کہا: میں ایک دن اسی مسند اور اسی تکیہ گاہ، اسی قبہ کے نیچے اور اسی مقام پر بارگاہ میں موجود تھا۔ ابن زیاد کی حکمرانی تھی کہ میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے ایک مقدس سر لایا گیا ہے۔ کاش! اس دن میری یہ دونوں آنکھیں نہ ہوتیں اور میں اس خونی منظر کو نہ دیکھتا۔ وہ سر کیا تھا، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ خورشید خاور نے طلوع کیا ہے۔ پھر ایک دن آیا اور میں اسی دارالامارہ میں تھا کہ مختار ثقفیؒ کی حکومت تھی اور بدبخت ابن زیاد کا سر لایا گیا۔ اتفاق کیسے کہ ایک اور زمانہ آیا اور میں یہاں تھا کہ مصعب کے سامنے مختار ثقفیؒ کا سر لایا گیا۔ آج مصعب کا سر ہے اور تُو حکمران ہے۔ یہی مصعب کا سر اس بات کا متقاضی ہے کہ اے انسان! تُو کیا ہے آج اگر زمانہ تیرے حق میں ہے تو کل تیرا مخالف ہوگا"۔

① تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۳۹ وصواعق محرقہ۔

② کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۱۰۳، مجمع الزوائد ابن حجر: ج ۹، ص ۱۹۶۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۸۷۔ منتخب طریحی: ص ۳۳۹، طبع جدید نجف۔

نہ پہنچ سکی تو کوئی بات نہیں لیکن آخرت میں تیرا ٹھکانا آگ ہی ہے"۔

یہ آگ کا شعلہ جلد خاموش نہ ہوا بلکہ مزید بڑھتا رہا جسے دارالامارہ کے ہر فرد نے دیکھا اور ہر دیکھنے والا وحشت زدہ ہوگیا۔ ان لوگوں نے زندگی بھر ایسا حادثہ کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ آگ اور اس کے شعلے ابن زیاد کے لیے تنبیہ تھے لیکن اس نے ظاہراً اس سے کوئی اثر نہ لیا۔ اس نے حکم دیا کہ اُسیرانِ آلِ محمدؐ کو دربار میں لایا جائے۔ (شرح قصیدہ ابن فراس: ص ۱۴۹)

کوفی لشکر نے نہایت دل خراش وجگر سوز انداز میں اُسیرانِ آلِ محمدؐ کو دارالامارہ کے قصر میں پیش کیا اور سید الشہداء علیہ السلام کے مقدس سر کو ابن زیاد کے سامنے رکھا۔ اس ملعون کے ہاتھ میں چھڑی تھی جو مظلوم کے دندانِ مبارک اور لعلین لبوں پر دیر تک مارتا رہا۔ (تاریخ قرمانی، ص ۱۰۸)

جب زید بن ارقم صحابی رسولؐ نے یہ خونی منظر دیکھا تو ابن زیاد سے کہا:

اِرفَع قَضِیبَکَ عَن هَاتَینِ الشَّفَتَینِ، فَوَاللهِ الَّذِی لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَقَد رَأَیتُ رَسُولَ اللهِ یُقَبِّلُ مَوضِعَ قَضِیبِکَ مِن فِیهِ

"اے ابن زیاد! اپنی اس چھڑی کو ان لبوں اور دانتوں سے ہٹا لے خدا کی قسم میں نے رسولؐ اللہ کو (جہاں تیری چھڑی ہے) ان لبوں کے بوسے لیتے ہوئے کئی بار دیکھا ہے"۔

یہ کہہ کر وہ بلند آواز سے رونے لگے۔

ابن زیاد نے اس سے کہا:

اَبکَی اللهُ عَینَیکَ یَا عَدُوَّ اللهِ، فَوَاللهِ لَولَا اَنَّکَ شَیخٌ قَد خَرِفتَ وَذَهَبَ عَقلُکَ لَضَرَبتُ عُنُقَکَ

"اے اللہ کے دشمن! خدا تیری آنکھوں کو آنسوؤں سے خشک نہ رکھے تو اس لیے رو رہا ہے کہ ہمیں فتح حاصل ہوئی ہے؟ اگر تُو بوڑھا نہ ہوتا اور تیری عقل ماری نہ گئی ہوتی تو میں حکم دیتا اور تیری گردن تیرے تن سے جدا کر لی جاتی"۔

جب زید بن ارقمؓ نے ایسے حالات دیکھے تو فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور یہ گفتگو شروع کر دی:

مَلِكٌ عَبْدٌ عَبداً فَاتَّخَذَهُمْ تلداً ، أَنْتُمْ يَامَعْشَرَ الْعَرَبِ الْعَبِيْدِ بَعْدَ الْيَوْمِ ، قَتَلتُمْ اِبنَ فَاطِمَةَ وَاُمِرتُمْ اِبنَ مَرجَانَه يُقتَلُ خِيَارَكُمْ وَيُستَعبدُ شَرارَكُمْ فَرَضِيتُمْ بِالذُّلِ

"عجیب ہے کہ ایک غلام نے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اس نے اس ملک کو اپنی وراثت سمجھ لیا ہے۔ اے عربیو! آج کے بعد تم نے ذلّت و رُسوائی اپنا لی ہے، تم نے رسولؐ اللہ کی بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے اور ابن مرجانہ کو اپنا حاکم بنا لیا ہے۔ اس نے تمھارے نیک لوگوں کو قتل کر دیا ہے اور اَشرار کو اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اب تم نے دائمی ذلّت کو اپنا لیا ہے۔ ہر وہ آدمی ہلاک ہو جائے جو اپنے آپ کو ذلّت سے ہمکنار کر دے"۔ ①

اس دوران میں ابن زیاد نے حکم دیا کہ اُسیرانِ اہلِ بیتؑ کو اس کی مجلس میں حاضر کیا جائے۔ یہ لوگ انھیں دربار میں اس طرح لائے جیسے کفار کے قیدیوں کو لایا جاتا ہے۔ حضرت زینبؑ بنت امام علیؑ اس دربار میں غیر معروف تھیں۔ ابن زیاد ان کی شخصیت سے واقف نہ تھا۔ آپؑ باقی خواتین کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئیں۔ چونکہ عزت و بزرگواری، نبوت وجلال اور درخشندگیِ امامت آپؑ کی شخصیت سے ہُویدا تھی جس کی وجہ سے ابن زیاد ملعون کی نگاہ ان پر جا ٹھہری۔

حاضرین سے پوچھا: مَن هٰذِهِ الْمُتَنَكِّرَة "یہ اجنبی خاتون کون ہے؟"

کسی نے اُسے جواب دیتے ہوئے کہا: یہ امیرالمومنینؑ کی بیٹی "زینبؑ العقیلہ" ہیں۔

① صواعق محرقہ: ص ۱۱۸۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۷۱۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۹۰، مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۵۔ تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۴۰۔ ان سب نے زید بن ارقم کا واقعہ نقل کیا ہے۔ ان تمام نے لکھا ہے کہ جناب زید حاضر تھے۔ جب اس نے ابن زیاد کی گستاخی دیکھی تھی تو ابن زیاد پر اعتراض کیا تھا۔ وہ صحیح سالم تھے۔ اس لیے ابن عساکر نے لکھا: وَكَانَ زَيْدٌ حَاضِرًا۔

جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ یہ امام علی علیہ السلام کی بیٹی ہیں تو اس نے اس مظلومہ کے قلب وجگر کو جلانے کے لیے ازراہِ شماتت کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَحَکُمْ وَقَتَلَکُمْ وَأَکْذَبَ أُحدُوثَتَکُمْ

"اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمھیں رُسوا کیا اور تم لوگوں کو قتل کیا اور تمہارے جھوٹ اور لاف گزاف کو لوگوں پر روشن کیا"۔

عقیلۂ قریش نے پوری جرأت وشجاعت کے ساتھ فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِنَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ وَطَهَّرَنَا مِنَ الرِّجسِ تَطهِیْرًا، اِنَّمَا یَفتَضِحُ الفَاسِقُ وَیَکذِبُ الْفَاجِرُ، وَهُوَ غَیرُنَا

"شکر وسپاس اس ذاتِ خداوندی کے لیے ہے کہ جس نے ہمیں اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے مکرم ومحترم بنایا اور ہر رجس وآلائش سے پاک وپاکیزہ بنایا۔ یہ جان لو کہ فاسق وگناہ گار کے مقدر میں ذلت ورُسوائی ہے۔ ایک فاجر ہی جھوٹ بولتا ہے اور وہ ہمارا غیر ہے"۔

ابن زیاد نے کہا: کَیفَ رَأَیتِ فِعلَ اللهِ بِأَخِیكِ "جو کچھ اللہ نے تیرے بھائی کے ساتھ کیا ہے تُو اُسے کس صورت میں دیکھتی ہے؟"

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

مَا رَاَیتُ اِلَّا جَمِیلًا، هٰؤُلَاءِ قَومٌ کَتَبَ اللهُ عَلَیهِمُ القَتلَ فَبَرَزُوا اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ، وَسَیَجمَعُ اللهُ بَینَكَ وَبَینَهُمْ فَتُحَاجُّ وَتُخَاصَمُ [1] فَانظُر لِمَنِ الفَلَجُ یَومَئِذٍ ثَکَلَتكَ اُمُّكَ یَا ابنَ مَرجَانَةَ [2]

"مَیں نے اپنے اللہ کی طرف سے اپنے بارے میں سوائے نیکی اور بھلائی کے اور کچھ نہیں دیکھا کیونکہ اہلِ بیتِ پیغمبرؐ وہ شخصیات ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اعلیٰ منزلت کے لیے ازل سے ان کے

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۷۱

② لہوف: ص ۹۰

مقدر میں حکمِ شہادت لکھ دیا تھا۔ پس وہ بہت جلد اپنی آرام گاہوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ بہت جلد اللہ تمہیں اور انھیں ایک جگہ حاضر کرے گا اور وہ خود ہی مدعی ہوگا اور تمھارے خلاف فیصلہ دے گا۔ غور وفکر کر اور اچھی طرح سے سوچ لے اس دن حاکم کون ہوگا اور محکوم کون ہوگا۔ اے پسرِ مرجانہ! تُو نے اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے خود کھودی ہے۔ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے"۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو ابن زیاد غصے سے آگ بگولا ہوگیا کیونکہ حیدرِ کرّار کی کرّار بیٹی نے بھری مجلس میں اُسے ذلیل ورسوا کردیا تھا۔ نبیؐ کی نواسیؑ نے اپنی گفتگو سے اس کے منہ پر وہ طمانچے رسید کیے کہ اس کا سارا غرور وتکبر جاتا رہا اور غصے سے پاگل ہوگیا۔ اس نے حکم دیا کہ انھیں قتل کردیا جائے۔

عمرو بن حریث نے کہا: اے امیر! ہوش میں آؤ۔ اِنَّهَا اِمرَأَةٌ وَالمَرأَةُ لَا تُوَاخَذُ بِشَیءٍ مِن مَنطِقِهَا وَلَا تُلَامُ عَلٰی خَطَلٍ "یہ عورت ہے، کوئی شخص ایک عورت کو اس کی گفتگو کی وجہ سے قتل نہیں کرسکتا۔ ان کی ان باتوں سے دل چھوٹا مت کرو۔ اس کی ان باتوں سے تیری توہین نہیں ہوگی"۔

پھر ابن زیاد نے شریکۃ الحسینؑ بی بی کی طرف رُخ کیا اور کہا: لَقَد شَفَی اللّٰهُ قَلبِی مِن طَاغِیَتِكَ الحُسَینُ وَالعَصَاةُ المَردَةُ مِن اَهلِ بَیتِكَ "اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں تیرے طاغی بھائی حسینؑ اور تمہارے اہلِ بیتؑ کے باغیوں کے قتل سے ٹھنڈک ڈالی ہے"۔

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ابن زیاد کے یہ ظالمانہ وگستاخانہ کلمات سنے تو آپؑ کے دل پر چوٹ لگی اور آپؑ کے تمام زخم تازہ ہوئے اور فرمایا:

لَعَمرِی لَقَد قَتَلتَ کَهلِی وَاَبرَزتَ أَهلِی وَقَطَعتَ فَرعِی وَاجتَثَثتَ اَصلِی، اَن یَّشفِكَ هٰذَا فَقَدِ اشتَفَیتَ

"مجھے اپنی جان کی قسم! تُو نے ہمارے بزرگوں کو قتل کیا، ہمارے حریم سے پردہ اُٹھایا، ہماری شاخوں اور برگ و بار کو توڑا اور ہماری اصل کو

بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا۔ اگر ان باتوں میں تیرے دل کو ٹھنڈک پہنچی ہے
تو پھر یہ تیرے لیے خوب ٹھنڈک کا سامان ہے"۔ ①

حضرت زینب سلام اللہ علیہا سے مکالمہ کے بعد ابن زیاد نے اپنا رُخ امام علی بن الحسینؑ کی طرف کیا اور کہا: مَا اِسمُکَ؟ "تمھارا نام کیا ہے؟"۔

آپؑ نے فرمایا: اَنَا عَلِیُّ بنُ الحُسَینِ "میں علیؑ بن الحسینؑ ہوں"۔

ابن زیاد نے کہا: اَوَلَم یَقتُلُ اللہُ عَلِیًّا "کیا وہ علیؑ بن الحسین نہیں تھا کہ جسے اللہ نے قتل کیا؟"

حضرت امام سجادؑ نے فرمایا: کَانَ لِی اَخٌ اَکبَرُ مِنِّی ② یُسَمّٰی عَلِیًّا قَتَلَہُ النَّاسُ "وہ میرے دوسرے بھائی تھے جو مجھ سے بڑے تھے۔ ان کا نام بھی علیؑ تھا کہ جنھیں لوگوں نے قتل کیا نہ کہ خدا نے"۔

ابن زیاد نے دوبارہ کہا: نہیں! اللہ نے اُسے قتل کیا۔

اس وقت حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اَللہُ یَتَوَفَّی الاَنفُسَ حِینَ مَوتِھَا ..... وَمَا کَانَ لِنَفسٍ اَن تَمُوتَ اِلَّا بِاِذنِ اللہِ "خداوند تعالیٰ جب کوئی مرتا ہے تو اس کی روح کو لے لیتا ہے......اور کوئی شخص خدا کے اِذن کے بغیر نہیں مر سکتا"۔ (سورۂ زمر: آیت ۴۲، سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۴۵)

حضرت امام سجاد علیہ السلام کا جواب ابن زیاد پر بہت بھاری گزرا۔ اُس نے حکم دیا کہ انھیں فوراً قتل کر دو۔

جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے ابن زیاد کا حکم سنا تو بہت گھبرائیں۔ آپؑ نے فوراً

---

① کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۳۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۴۲۔ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۲۶۳۔ کامل مبرد، ج ۳، ص ۱۴۵۔

② طبری و ابوالفرج اور دمیری نے حیواۃ الحیوان میں مادۂ بغل کے ذیل میں اور ختب طریحی اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام حضرت علی اکبرؑ سے چھوٹے تھے اور حضرت علی اکبرؑ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔

امام سجاد علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا:

حَسْبُكَ يَا ابنَ زِيَادٍ مِن دِمَائِنَا مَا سَفَكتَ وَهَل اَبقَيتَ مِنَّا اَحَدًا غَيرَ هٰذَا؟ فَاِنْ اَرَدتَ قَتلَهُ فَاقتُلنِي مَعَهُ ①

"اے ابن زیاد! اب تک تُو نے ہمارا جو خون بہایا ہے کیا تُو اس سے سیر نہیں ہوا؟ کیا تُو نے مردوں میں سے سوائے علیؑ بن الحسینؑ کے کسی اور کو چھوڑا ہے، اگر تُو انھیں قتل کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے قتل کر"۔

حضرت زینب علیہا السلام کی اس گفتگو کے بعد حضرت امام سجاد علیہ السلام نے ابن زیاد سے فرمایا:

يَا ابنَ زِيَادٍ أَبِا القَتلِ تُهَدِّدُنِي؟ أَمَا عَلِمتَ اَنَّ القَتلَ لَنَا عَادَةٌ وَكَرَامَتُنَا الشَّهَادَةُ ②

"اے ابن زیاد! کیا تُو مجھے قتل سے ڈراتا ہے؟ کیا تُو نے ابھی تک نہیں جانا کہ اللہ کے راستے میں قتل ہونا ہماری عادت ہے اور ہماری کرامت و بزرگواری ہمارے قتل میں ہے"۔

جب ابن زیاد نے یہ گفتگو سنی تو کہا: انھیں زینبؑ کو بخش دو (یعنی اُن کے حوالے کر دو)۔ تعجب ہے اس قربت پر کہ وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ قتل ہونے پر تیار ہو گئی ہے!! (کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۴)

اس دوران میں جنابِ ربابؑ نے اپنے شوہر حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر اُٹھا لیا اور اپنی گود میں رکھ کر بوسے دینا شروع کیے اور یہ اشعار پڑھے:

وَاحُسَينَا فَلَا نَسِيتُ حُسَينًا أَقصَدَتهُ أَسِنَّةُ الأَعدَاءِ

غَادَرُوهُ بِكَربَلَا صَرِيعًا لَا سَقَى اللهُ جَانِبَي كَربَلَاءِ

"واحسینا! مَیں کبھی حسینؑ کو فراموش نہیں کرسکوں گی کہ ان کے دشمنوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ انھیں شہید کر ڈالا۔ مَیں اس بات کو بھی فراموش

---

① طبری: ج ۷، ص ۳۷۳

② لہوف: ص ۹۱ و مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۴۳

نہیں کرسکوں گی کہ دشمنوں نے ان کے جنازے کو کربلا کی گرم زمین پر بے گور و کفن رہنے دیا۔ اِن ظالموں نے انھیں پیاسا شہید کیا۔ (تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۸)

اُسیرانِ آلِ محمدؐ کوفہ کے زندان میں

جب ابن زیاد نے اپنے دربار میں لوگوں کی ہلچل دیکھی کہ اہلِ دربار کے جذبات اس کے خلاف ہونے لگے ہیں تو اُسے اس خوف نے آگھیرا کہ کہیں لوگ اس کے خلاف کھڑے نہ ہو جائیں اور اس کا تختہ نہ اُلٹ دیں۔ اس نے فوراً اپنے ماموریں کو حکم دیا کہ اُسیرانِ آلِ محمدؐ کو مسجدِ اعظم [1] کے قریبی زندان میں بند کر دیا جائے۔ (روضۃ الواعظین: ص ۱۶۳)

ابن زیاد کے دربان کا بیان ہے کہ جب ابن زیاد نے اُسیرانِ آلِ محمدؐ کو پسِ زندان بھیجنے کا حکم دیا تو مرد اور عورتیں جمع ہو گئے اور انھوں نے آہ و زاری بلند کی اور وہ لوگ اپنے چہروں پر طمانچے مار رہے تھے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے انھیں فرمایا:

لَا يَدْخُلْ عَلَيْنَا اِلَّا مَمْلُوْكَةٌ اَوْ اُمُّ وَلَدٍ فَاِنَّهُنَّ سُبِيْنَ كَمَا سُبِيْنَا

”ہمیں دیکھنے کے لیے سوائے کنیزوں اور اُمِّ ولد عورتوں کے کوئی اور نہ آئے کیونکہ وہ بھی اُسیر ہیں اور ہم بھی اُسیر ہیں“۔ (لہوف: ص ۹۲، مقتل العوالم: ص ۱۳۰)

اس بات سے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا یہ مقصد تھا کہ ایک اسیر کے درد و رنج کا اندازہ ایک اسیر ہی کرسکتا ہے، کوئی دوسرا نہیں کرسکتا اور ایک اُسیر زبانِ شماتت بھی استعمال نہیں کرسکتا۔ اس مطلب سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخ میں واقعہ موجود ہے کہ جب جساس بن مُرہ نے اپنے بہنوئی کو قتل کیا جس کا نام کُلیب بن ربیعہ تھا۔ اس کے قبیلے کی عورتیں اس کے سوگ میں جمع تھیں۔ انھوں نے جساس کی بہن سے کہا کہ تو کُلیب کے احترام میں ہماری اس مجلسِ غم میں مت بیٹھ۔ تیری عزاداری

---

[1] لہوف: ص ۹۱ و مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۴۳۔

ہمارے لیے شماتت اور ننگ ہے اس لیے کہ تُو ہمارے قاتل کی بہن ہے تُو کس طرح ہمارے ساتھ عزاداری کرسکتی ہے۔ جب اس نے ان کی یہ بات سنی تو وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور جب ان کی مجلس سے باہر آئی تو کہا: نه وجود متجاوز، نه شماتت اعدا۔ ''نہ تجاوز اچھا اور نہ اعدا کی شماتت اچھی''۔ (الاغانی: ج ۴، ص ۱۵۰)

اُسیرانِ آلِ محمدؐ اور دربار کی دوسری پیشی

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اُسیرانِ آلِ محمد کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ جب آلِ محمدؐ دربار میں دوبارہ داخل ہوئے تو دیکھا سیّد الشہداءؑ کا مقدس سر ابن زیاد کے سامنے رکھا ہوا ہے اور سر کے اطراف سے نُور پھوٹ رہا ہے جو آسمان کی طرف بلند ہے۔ جب آپؑ کی زوجہ حضرت رباب علیہا السلام نے اس منظر کا مشاہدہ کیا تو اپنے آپ کو سرِ مقدس پر گرا دیا اور فرمایا:

إِنَّ الَّذِي كَانَ نُوْرًا يُسْتَضَاءُ بِهِ — بِكَرْبَلَا قَتِيلٌ غَيْرُ مَدْفُوْنِ

سِبطُ النَّبِيِّ جَزَاكَ اللهُ صَالِحَةً — عَنَّا وَجُنِّبْتَ خُسْرَانُ الْمَوَازِيْنُ

قَدْ كُنْتَ لِي جَبَلًا صَعْبًا اَلُوذُ بِهِ — وَكُنتُ تَصْحَبُنَا بِالرَّحِمِ وَالدِّيْنِ

مَنْ لِلْيَتَامٰى وَمَنْ لِلسَّائِلِيْنَ وَمَنْ — يَعْنِي وَيَأْوِي اِلَيْهِ كُلُّ مِسْكِيْنِ

وَاللهِ لَا ابْتَغِي صِهْرًا بِصِهْرِكُمْ — حَتّٰى اُغَيَّبَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ

''وہ نُور تھے کہ جس سے کائنات روشن تھی، اُسے کربلا میں قتل کر دیا گیا اور جسے دفن بھی نہ کیا گیا۔ وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبط تھے۔ اب کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ آپؑ میرے لیے عظیم الشان مضبوط پہاڑ تھے کہ میں آپؑ کے دامن میں پناہ لیتی تھی۔ آپؑ ہمارے ساتھی تھے، آپؑ رحم و کرم کے پیکر تھے۔ آپؑ یتیموں، ضرورت مندوں کے سہارا تھے اور ہر مسکین کا ماویٰ و ملجا تھے۔ خدا کی قسم! بس آپؑ ہی میرے شوہر تھے۔ آپؑ کے بعد مَیں مر سکتی ہوں مگر دوسرا شوہر (ہرگز) نہیں کرسکتی''۔

(الاغانی: ج ۴، ص ۱۵۸)

اُسیرانِ اہلِ بیتؑ اور زندان میں پتھر

یہ ان دنوں کی بات ہے جب اُسیرانِ اہلِ بیتؑ زندان میں بند تھے کہ ایک پتھر پھینکا گیا جس کے ساتھ ایک خط بندھا ہوا تھا۔ جس کی تحریر یہ تھی کہ یزید کی طرف ایک خط بھیجا گیا ہے جس میں تمہارے بارے میں اُس سے پوچھا گیا ہے کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ یزید کا جواب چند دنوں میں آجائے گا اور وہ خط فلاں دن پہنچے گا۔ اگر اس روز آپؑ کو تکبیر کی صدا سنائی دے تو سمجھ لینا کہ یہ آواز تمہارے قتل کا اعلان ہوگا۔ اگر تکبیر کی آواز بلند نہ ہو تو سمجھ لینا کہ تمہیں امان دے دی گئی ہے۔

یزید کے جواب پہنچنے سے قبل زندان میں دوبارہ ایک خط پھینکا گیا جو ایک تیز تلوار کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس خط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ہر صورت وصیت کر لیجیے، یزیدی پیغام فلاں روز پہنچنے والا ہے۔ جب مقررہ دن یزید کا پیغام پہنچا تو تکبیر کی آواز نہ سنی گئی کیونکہ یزید نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ ان اُسیروں کو شام کی طرف بھیج دو۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۷۵)

جنابِ عبداللہ بن عفیفؓ ازدی کی شہادت

حمید بن مسلم کہتا ہے کہ ابن زیاد نے تمام لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد مسجدِ اعظم لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی تو ابن زیاد منبر پر گیا اور کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَظْهَرَ الْحَقَّ وَاَهْلَهٗ وَنَصَرَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَزِیْدَ وَحِزْبَهٗ وَقَتَلَ الْكَذَّابَ بْنَ الْكَذَّابِ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ وَشِیْعَتَهٗ

"اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے کہ اس نے حق اور اہلِ حق کو غلبہ عطا کیا اور امیرالمومنین یزید بن معاویہ اور اس کے حامیوں کی نصرت کی۔ کذاب ابن کذاب، حسینؑ بن علیؑ (معاذاللہ) اور ان کے شیعوں کو قتل کیا"۔ (کامل ابن اثیر: ج ۴)

جب ابن زیاد اس صورت میں آلِ محمدؐ کی شان میں (گستاخی کی) جرأت و جسارت کر رہا تھا تو حاضرین میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اُسے روکتا۔ ان لوگوں میں جناب

عبداللہ بن عفیف ازدی بھی موجود تھے، ان سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ فوراً کھڑے ہوئے اور اُسے جھڑک کر کہا:

يَابنَ مَرجَانَه! اَلكَذَّابِ بنِ الكَذَّابِ أَنتَ وَاَبُوكَ وَالَّذِى وَلَّاكَ وَأَبُوهُ يَابنَ مَرجَانَه! أَتَقتُلُونَ ابنَا النَّبِيِّينَ وَتَتَكَلَّمُونَ بِكَلَامِ الصِّدِّيقِينَ

"اے پسرِ مرجانہ! جھوٹا تُو ہے اور تیرا باپ اور وہ جس نے تجھے حاکم بنایا ہے اور اس کا باپ۔ تُو انبیاءؑ کی اولاد کو قتل کرتا ہے تو پھر اس منبر پر جاتا ہے جو صدیقین کا مقام ہے اور پھر اس طرح کی باتیں کرتا ہے؟" [1]

حق وحقیقت کی اس زوردار آواز نے ابن زیاد کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور پوچھا: میرے سامنے اس جرأت کے ساتھ بات کرنے والا کون ہے؟!

اس سے قبل کہ اُسے کوئی اور جواب دیتا، جناب عبداللہ نے خود ہی کہا:

أَنَا المُتَكَلِّمُ يَاعَدُوَّ اللهِ! أَتَقتُلُونَ الذُّرِّيَّةَ الطَّاهِرَةَ الَّتِى قَدْ أَذْهَبَ اللهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَتَزعَمُ أَنَّكَ عَلٰى دِيْنِ الْإِسْلَامِ؟ وَاغَوثَاهُ

---

[1] حضرت عبداللہ بن عفیف امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے اصحابِ کبار میں سے تھے۔ آپ اپنے زمانے کے ایک بڑے عابد و زاہد انسان تھے۔ ان کا اکثر وقت کوفہ کی مسجدِ اعظم میں گزرتا تھا۔ وہ وہاں صوم وصلوٰۃ میں مصروف رہتے تھے۔ ان کی بائیں آنکھ جنگِ جمل اور دائیں آنکھ جنگِ صفین میں ضائع ہو گئی تھیں۔ جب آپ نے ابن زیاد کے کفرآمیز کلمات سنے تو آپ برداشت نہ کر سکے۔ باقی حاضرین بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے خاموش و ساکت رہے۔

کیا حکمرانوں کے لیے سب کچھ جائز ہے کہ جو کچھ ان کے منہ میں آئے کہتے پھریں اور جرم کی انھیں اجازت ہے اور پھر اپنے جرم کو لوگوں کے کندھوں پر ڈال دیں، بے گناہوں کو قتل کریں اور پھر انھی مقتولین کو مجرم ٹھہرائیں؟

جناب عبداللہ نے آواز دی اور حاضرین کو جھنجھوڑا۔ ان تک اور آنے والی نسلوں تک اپنا تاریخی پیغام چھوڑا کہ اے مسلمانو! ابھی تک اسلام غریب ہے، علیؑ اور ان کے شیعہ مظلوم ہیں۔ اگر تم نے مظلوم کی مدد نہ کی تو تم ہر صورت ظالم کی نصرت کرنے والے ہو۔ تیسرا راستہ نہیں ہے کیونکہ ظلم کے مقابلے میں خاموشی بھی ظالم کی مدد ہے۔

أَيْنَ أَوْلَادُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ لِيَنْتَقِمُوا مِن طَاغِيَتِكَ اللَّعِيْنِ ابنِ اللَّعِيْنِ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ رَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

"اے دشمنِ خدا! گفتگو کرنے والا میں ہوں۔ تُو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک و پاکیزہ خاندان کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ نے جنھیں ہر گناہ و آلودگی سے پاک پیدا کیا ہے اور پھر اپنے اسلام کا دعویٰ بھی کرتا ہے؟ اے مہاجرین و انصار کی اولادو! کہاں ہو؟ اُٹھو اور میری مدد کرو۔ اس طاغوت کافر کہ جسے پیغمبرؐ خدا نے ملعون اور اس کے باپ کو ملعون کہا ہے، سے انتقام لیجیے"۔

یہ سن کر ابن زیاد کا غیظ و غضب آگ کی طرح بھڑک اُٹھا، غصے سے اس کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔ اس وقت اُس لعین نے حکم دیا کہ انھیں گرفتار کر کے میرے پاس لے آؤ۔ ابن زیاد کے محافظ فوراً دوڑے اور جنابِ عبداللہ کو گرفتار کر کے اس کے پاس لے آئے۔ جب جنابِ عبداللہ نے اپنے آپ کو گرفتار پایا تو اپنے قبیلہ ازد کو اپنی مدد کے لیے پکارا۔ اس وقت سات سو کے قریب قبیلہ بنی ازد کے لوگ مسجد میں موجود تھے۔ انھوں نے ابن زیاد کے سپاہیوں سے جنابِ عبداللہ کو چھڑا لیا اور انھیں ان کے گھر لے گئے۔

جب ابن زیاد نے حالات اپنے حق میں نہ دیکھے کہ لوگوں کا اژدہام ہے اور اس وقت اس کی بات بنتی دکھائی نہیں دیتی تو کچھ دیر کے لیے صبر وضبط سے کام لیا۔ جب رات ہوئی اور لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے تو اس نے حکم دیا کہ قبیلہ بنو ازد کے جن لوگوں نے جنابِ عبداللہ کی مدد کی تھی انھیں گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا جائے۔ گرفتار ہونے والوں میں عبدالرحمٰن بن مخنف ازدی بھی تھے۔ اس دوران میں اُس نے کہا: اے عبداللہ! تجھ پر افسوس خود اپنے آپ کو بھی مروا دیا ہے اور اپنی قوم کو بھی۔

جب یہ تمام لوگ گرفتار ہو کر زندان میں بند کر دیے گئے تو ابن زیاد نے اپنی فوج کا ایک دستہ عبداللہ بن عفیف کے گھر کی طرف بھیجا کہ اُسے گرفتار کر کے اس کے پاس لے آئیں۔ لیکن اس دوران میں جنابِ عبداللہ کے قبیلہ بنو ازد میں یہ خبر پھیل گئی کہ اُن کے بہت

سے افراد کو قید کرلیا گیا ہے اور اب جنابِ عبداللہ کی گرفتاری کے لیے فوج کا ایک دستہ ان کے گھر کی طرف روانہ ہے۔ انھوں نے فوراً مسلح ہوکر جنابِ عبداللہ کے گھر کو ہر طرف سے گھیر لیا۔

اس امر کی اطلاع ابن زیاد تک پہنچ گئی۔ اس نے سوچا کہ اس کی سپاہ شاید بنو ازد کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اس نے قبائلِ معنر کے لوگوں کو اشعث ابن قیس کی سرکردگی میں ان کی مدد کے لیے روانہ کردیا اور ابن اشعث سے کہا کہ وہ ہر صورت عبداللہ ازدی کو گرفتار کر کے اس کے پاس لے آئے۔ طرفین میں گھمسان کا رَن پڑا۔ دونوں طرف سے بہت سے لوگ مارے گئے لیکن آخرکار اس جنگ میں بنو ازد کو شکست اُٹھانا پڑی۔

ابن اشعث کی فوج جنابِ عبداللہ کے گھر میں داخل ہوگئی۔ جنابِ عبداللہ کی دختر نے جب ابن زیاد کی فوج کو اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے اپنے والد کو آواز دی:

اَتَاکَ الْقَوْمُ "بابا جان! لوگ ہمارے گھر میں داخل ہوگئے ہیں"۔

جنابِ عبداللہ نے اپنی بیٹی سے فرمایا: لَا عَلَیْکَ نَاوِلِیْنِی سَیْفِیْ "پریشان مت ہو، میری تلوار مجھے لا دو"۔

جنابِ عبداللہ نے تلوار ہاتھ میں پکڑی اور اپنا دفاع شروع کردیا اور زبان پر ان اشعار کو جاری کیا:

اَنَا بنُ ذِی الفَضْلِ العَفِیفِ الطَّاھِرِ   عَفِیْفُ شَیْخِی وَ ابنُ اُمِّ عَامِرِ

کَم دَارِعٍ مِن جَمعِکُم وَ حَاسِرٍ   وَ بَطَلٍ جَدَلتُہُ مُغَادِرِ

"مَیں اس کا فرزند ارجمند ہوں جو صاحبِ فضیلت تھا اور مثالی کردار کا مالک تھا۔ میں عفیف کا بیٹا ہوں اور میری ماں اُمِ عامر ہے۔ مَیں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں، مجاہد و مبارز ہوں۔ مَیں نے بہت سارے زرہ پوش جنگ جو بہادروں کو اپنی شمشیر کی کاٹ سے زمین پر تڑپتا ہوا چھوڑا ہے"۔

جب یہ مجاہدِ اسلام اور مبارزِ حق وحقیقت یزیدی فوج سے دفاعی جنگ لڑ رہے تھے تو اس وقت اس کی مجاہدہ و مبارزہ دختر کہہ رہی تھی:

لَیۡتَنِی کُنۡتُ رَجُلًا أَذُبُّ بَیۡنَ یَدَیکَ هٰؤُلَآءِ الفَجَرَةِ قَاتِلِ العِترَةُ البَرَرَةُ

"اے کاش! میں مرد ہوتی تو اپنے والد کے آگے ان فاجروں سے جنگ کرتی جنھوں نے پیغمبر اسلامؐ کے خاندان کو شہید کرڈالا"۔

ابن زیاد کے فوجیوں نے جنابِ عبداللہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپ بھی ان پر ہر طرف سے بڑھ چڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو یہ جرأت نہ تھی کہ ان کے قریب آتے۔ جب ان میں سے کوئی جنابِ عبداللہ کے قریب آنے کی کوشش کرتا تو آپ کی بیٹی اِنھیں بتا دیتی کہ فلاں طرف سے آپ پر حملہ ہونے والا ہے۔ جنابِ عبداللہ فوراً اپنی پوزیشن سنبھال کر حملہ آور کو اپنی تلوار کی کاٹ کا مزہ چکھا دیتے۔ ایک بوڑھا اور نابینا انسان اتنی دیر تک اور ایک بہت بڑی تعداد کے ساتھ کب تک جنگ کرسکتا تھا۔ آخرکار آپ پر محاصرہ تنگ کردیا گیا۔ آپ کی بیٹی نے جب اپنے بابا کی اس تنہائی کو دیکھا تو چیخ بلند کی: وَاذِلَّاہ۔ "میرا بابا سخت مشکل میں ہے، اس کا کوئی یار و مددگار نہیں ہے" لیکن جنابِ عبداللہؓ برابر اپنی تلوار چلا رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

أَقسَمُ لَو یَفسَحُ لِی عَن بَصَرِی

ضَاقَ عَلَیکُم مَورَدِی وَمَصدَرِی

"اے کاش! میری بصارت ہوتی تو میں تم پر میدانِ جنگ کو تنگ کر دیتا اور تمھیں خاک و خون میں ملا کر اپنے دل کی ٹھنڈک کا سامان کرتا۔

اگر میدانِ جنگ ہوتا اور بڑے بڑے نام ور شجاع میرے مدِ مقابل ہوتے تو میں سب کو آناً فاناً لقمۂ اجل بنا دیتا۔ تم لوگ کتنے بے انصاف ہو اگر تم میں انصاف ہوتا تو ایک کے مقابلے میں ایک ہی آتا۔ اس طریقے سے میں تمہارے ہر آدمی کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا۔

ہائے افسوس! یہ میری شمشیر شرر بار ہمیشہ تم پر چمکتی رہتی اور اس کا ہدف تمہاری گردنوں کے علاوہ کوئی اور مقام نہ ہوتا۔

اے ابن مرجانہ! تمہارے لیے بربادی ہے اس دن کو یاد رکھ، جس دن تمہیں اور یزید کو میدانِ حشر میں لایا جائے گا۔ وہاں حاکم اللہ کے سوا کوئی اور نہ ہوگا۔ پیغمبرؐ اسلام اور امام علیؑ تمہارے خلاف عدالتِ الٰہی میں دعویٰ دائر کرنے والے ہوں گے"۔

جنابِ عبداللہؓ نے اس طولانی جنگ میں دشمن کے پچاس سواروں اور تیس پیادوں کو داروغۂ جہنم کے حوالے کیا۔ آخرکار آپ کو زندہ گرفتار کرکے ابن زیاد کے ہاں پیش کیا گیا۔

ابن زیاد نے جنابِ عبداللہ سے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاکَ "میں خدا کا شکرگزار ہوں کہ اس نے تجھے ذلیل و رسوا کیا"۔

جنابِ عبداللہؓ نے جواب دیا: یَا عَدُوَّ اللّٰهِ بِمَا اَخْزَانِیْ؟ "اے دشمنِ خدا! مجھے اللہ نے کس طرح ذلیل کیا ہے؟!

وَاللّٰهِ لَوْ فُرِّجَ لِیْ عَنْ بَصَرِیْ
ضَاقَ عَلَیْکُمْ مَوْرِدِیْ وَمَصْدَرِیْ

"خدا کی قسم! اگر میری آنکھیں بینا ہوتیں تو میں تم پر زندگی تنگ و تاریک کردیتا"۔

ابن زیاد نے کہا: یَا عَدُوَّ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ فِیْ عُثْمَانِ بْنِ عَفَّانَ "جنابِ عثمان کے بارے میں تیرا کیا نظریہ ہے؟"

ابن زیاد جانتا تھا کہ جنابِ عبداللہ حضرت امام علی علیہ السلام کے مجاہد و مبارز شیعہ ہیں لہٰذا وہ مذکورہ شخصیت کے بارے کچھ ایسے کلمات کہہ دیں گے جو اُن کے قتل کا بہانہ بن جائیں گے۔

جنابِ عبداللہؓ نے کہا:

مَا اَنْتَ وَعُثْمَانُ اِنْ اَسَاءَ اَمْ اَحْسَنَ وَاِنْ اَصْلَحَ اَمْ اَفْسَدَ وَاللّٰهِ تَعَالٰی وَلِیُّ خَلْقِهٖ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ وَبَیْنَ عُثْمَانَ بِالْعَدْلِ وَالْحَقِّ وَلٰکِنْ سَلْنِیْ عَنْ اَبِیْکَ وَعَنْکَ وَعَنْ یَزِیْدَ وَاَبِیْهِ

"اے پسرِ مرجانہ! تجھے عثمان سے کیا کام؟ اس نے کیا کچھ کیا اور کیا کچھ

نہ کیا خداوند تعالیٰ خود اپنی مخلوق پر حاکم ہے وہ اس کا اپنا کام ہے! تُو اپنے بارے میں پوچھ اور اپنے باپ کے بارے میں پوچھ۔ یزید اور اس کے باپ کے بارے میں پوچھ"۔

جب ابن زیاد کے ہاتھ میں ان کے قتل کا کوئی بہانہ نہ آیا تو کہنے لگا:

لَا سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ وَلَتَذُوقُ الْمَوتَ غُصَّةً بَعدَ غُصَّةٍ

"اب میں تجھ سے کوئی اور بات نہیں پوچھوں گا۔ اب میں تمھیں شربتِ مرگ گھونٹ گھونٹ کر کے پلانا چاہتا ہوں"۔

جنابِ عبداللہؓ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ، اَمَّا اِنِّی کُنْتُ اَسْأَلُ رَبِّی یَرْزُقَنِی الشَّهَادَةَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلِدَكَ اُمُّكَ وَسَأَلْتُ اللهَ اَنْ یَّجْعَلَهَا عَلٰی یَدَیْ اَلْعَنِ خَلْقِهِ وَابْغَضِهِمْ اِلَیْهِ وَلَمَّا کُفَّ بَصَرِی یَئِسْتُ مِنَ الشَّهَادَةِ اَمَّا الْآنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی رَزَقَنِیهَا بَعْدَ الْیَاْسِ مِنْهُ وَعَرَّفَنِی الْاِجَابَةَ فِی قَدِیْمِ دُعَائِی

"الحمد للہ رب العالمین! تیری ماں بھی ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی کہ مَیں نے بارگاہِ خداوندی میں درخواست کی تھی کہ مجھے شہادت عطا فرمائی جائے۔ نیز مَیں نے اس کی بارگاہ میں یہ دعا مانگی تھی کہ مجھے ملعون ترین شخص اور اپنے بدترین دشمن کے ہاتھوں شہادت نصیب فرما۔ جب میری آنکھیں جنگ ہائے جمل وصفین میں ناکارہ ہوگئیں تو میں فیضِ شہادت سے مایوس ہوگیا تھا لیکن اب میں اپنے اللہ کا شکرگزار ہوں کہ نااُمیدی و مایوسی کے بعد اس نے میری دعا قبول فرمائی ہے اور مجھے شہادت کی سعادت نصیب ہونے والی ہے"۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اس مجاہد راہِ خدا کو قتل کرنے کے بعد ان

کے پاکیزہ جسم کو مقامِ سبخہ [1] میں لٹکا دیا گیا۔

ابن عفیف آپ سا بینا کہاں کوئی
اندھے ہیں وہ کہ جن کو عداوت علیؑ سے ہے

جندب بن عبداللہ اَزدی، ابن زیاد کے دربار میں

جب حضرت عبداللہ بن عفیف ازدی کو شہید کیا گیا تو ان کی شہادت کے فوراً بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ جندب بن عبداللہ کو حاضر کیا جائے۔ جوں ہی جناب جندب بن عبداللہ دربار میں آئے، ابن زیاد نے فوراً کہا: يَاعَدُوَّ اللهِ! اَلَسْتَ صَاحِبَ أَبِي تُرَابٍ فِي صِفِّيْنَ ''اے دشمنِ خدا! کیا تُو میدانِ صفین میں علیؑ بن ابی طالبؑ کے ہم رکاب نہیں تھا؟''

جنابِ جندب نے جواب دیا: کیوں؟ میں انھی کے ساتھ تھا اور میں اس پر پشیمان نہیں ہوں۔

بَلٰى لَا اَعْتَذِرُ مِنْهُ وَاِنِّي لَأُحِبُّهُ وَأَفْتَخِرُبِهٖ وَامقُتُكَ وَاَبَاكَ سِيَمَا اَلآنَ وَقَدْ قَتَلْتَ سِبطَ الرَّسُوْلِ وَصَحبِهٖ وَأَهْلِهٖ وَلَمْ تَخَفْ مِنَ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ الْمُنْتَقِمِ

''کیونکہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں، ان سے دوستی میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ میں تجھے اور تیرے باپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں بالخصوص اس بات پر مجھے تم سے سخت نفرت ہے کہ تُو نے دخترِ پیغمبرﷺ کے فرزند ارجمندؑ اور ان کے اصحاب اور ان کے اہلِ بیتؑ کو شہید کر ڈالا ہے۔ تجھے خدائے عزیز و جبار و منتقم سے شرم نہیں آتی''۔

ابن زیاد نے حق و حقیقت کی اس آواز کو سن کر کہا: تُو اُس اندھے سے بھی زیادہ بے شرم نکلا ہے۔ میں قربِ خداوندی کے حصول کے لیے ابھی تجھے قتل کرتا ہوں۔

---

[1] سَبخہ اس زمین کو کہا جاتا ہے جو شورہ زار ہو۔ بعض مؤرخین نے سَبخہ کے بجائے مسجد کا ذکر کیا ہے لیکن لہوف، مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۵۳، ابن حبیب در محبر، ص ۴۸۰ و ارشادِ مفید و کشف الغمہ، ان تمام لوگوں نے لفظ ''کناسہ'' نقل کیا ہے۔

جنابِ جُندب نے فرمایا: اِذًا لَا یَقْرِبُکَ اللّٰہُ "اگر تُو نے مجھے قتل کیا تو تجھے اس سے اللہ کا قرب نصیب نہ ہوگا بلکہ تُو اللہ سے دُور ہوگا"۔

جنابِ جُندب کا قبیلہ کوفہ کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ ابن زیاد ان سے ڈر گیا کہ کہیں وہ اس کی حمایت کے لیے مسلح ہوکر جنگ شروع نہ کردیں اور بہانہ بنایا کہ تُو ایک بوڑھا آدمی ہے اور عقل سے محروم ہے، میں تجھے معاف کرتا ہوں۔

حق بات کی جو آپ نے ظالم کے سامنے
جُندب سلام آپ پہ اہلِ وِلا کا ہو

داستانِ جنابِ مختار ثقفیؓ

اُسیرانِ آلِ محمدؐ کا کاروان ابن زیاد کے دربار میں تھا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ مختار ثقفیؓ کو دربار میں حاضر کیا جائے۔ جنابِ مختار ثقفیؓ دربار میں داخل ہوئے اور انھیں حالات سے آگاہی ہوئی تو ان کے قلب و جگر پر وہ کیفیت طاری ہوئی جیسے آہنی ہتھوڑے برس رہے ہوں۔

جب جنابِ مختارؓ اور ابن زیاد کے درمیان گفتگو ہوئی تو جنابِ مختارؓ نے بھرے دربار میں ابن زیاد کی خوب تحقیر و تنفیر کی۔ ابن زیاد سے جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو اُس نے حکم دیا کہ مختارؓ کو دوبارہ زندان میں ڈال دیا جائے۔ (ریاض الاحزان: ص ۵۲)

جنابِ عبداللہ بن عفیف کی شہادت کے بعد عبداللہ بن عمر کی کوشش سے جنابِ مختارؓ کو رہائی ملی تھی کیونکہ عبداللہ بن عمر جنابِ مختارؓ کی بہن صفیہ کے شوہر (یعنی جنابِ مختارؓ کے بہنوئی) تھے۔ ابن زیاد نے جنابِ مختارؓ کو رہا کردیا اور کہا کہ اُسے کوفہ میں تین دن کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ پھر وہ فوراً کوفہ سے باہر چلا جائے۔

جی ہاں! جب عبداللہ بن عفیف کو ابن زیاد کے حکم سے قتل کردیا گیا تھا تو اس کے بعد ابن زیاد نے جنابِ امیر المومنین امام علیؑ کے حق میں گستاخانہ الفاظ کہے۔ جنابِ مختارؓ اس کی اس جرأت و جسارت کو برداشت نہ کرسکتے تھے۔ فوراً ابن زیاد سے کہا: کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّ رَسُوْلِہٖ "اے دشمنِ خدا و رسولؐ تُو جھوٹا ہے"۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعَزَّ الْحُسَیْنَ وَجَیْشَهٗ بِالْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ وَاَذَلَّكَ وَاَذَلَّ یَزِیْدَ وَجَیْشَهٗ بِالنَّارِ وَالْخِزْیِ

''خداوند تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے حسینؑ اور اس کے لشکر کو جنت میں داخل کیا اور انھیں ہمیشہ کی عزت عطا کی اور اُس نے تجھے اور یزید اور اس کے لشکر کو جہنم میں وارد کر کے ذلیل و رُسوا کیا''۔

جنابِ مختارؓ کی گفتگو سن کر ابن زیاد کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس نے نزدیک پڑا ہوا لوہے کا گُرز اُٹھایا اور جنابِ مختارؓ کی پیشانی پر دے مارا، جس سے جنابِ مختارؓ کی پیشانی پھٹ گئی اور انھیں دوبارہ زندان میں بھیج دیا گیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ مختارؓ کو قتل کر دیا جائے لیکن اس کے مصاحبین نے اِسے مشورہ دیا کہ مختارؓ کوئی عام آدمی نہیں ہے، اس کے ہر طرف تعلقات ہیں۔ عمر ابن سعد اس کا بہنوئی ہے اور عبداللہ ابن عمر بھی اس کا بہنوئی ہے۔ اگر مختار ثقفیؓ قتل ہو گئے تو حالات تمہارے قابو میں نہ رہیں گے۔ لہٰذا ابن زیاد نے دوبارہ مختارؓ کو زندان میں ڈال دیا۔ عبداللہ بن عمر دوبارہ یزید کے پاس گئے اور جنابِ مختارؓ کی رہائی کی سفارش کی۔ یزید نے جنابِ مختارؓ کی رہائی کا حکم دے دیا۔ اس طرح جنابِ مختارؓ ابن زیاد کی قید و بند سے آزاد ہو گئے۔ (مقتلِ الخوارزمی: ج ۲، ص ۱۷۸ تا ۱۷۹)

جوں ہی مختار ثقفیؓ آزاد ہوئے تو فوراً جنابِ امیر المومنین علی علیہ السلام کے اصحاب کی طرف رجوع کیا کہ سیّد الشہداءؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقدس خون کا انتقام لیا جائے اور ابن زیاد کو قتل کیا جائے۔ جن دنوں جنابِ مختارؓ زندان میں تھے تو وہاں زندان میں عبداللہ بن حارث بن نوفل بن عبدالمطلب اور جنابِ میثم تمار بھی قید تھے۔ جنابِ عبداللہ بن حارث نے اُسترہ طلب کیا تا کہ اپنے جسم کے بالوں کو صاف کریں۔ اپنے ساتھیوں سے مزید یہ بھی کہا کہ میں ابن زیاد کے شر سے نہیں بچ سکتا۔ وہ عنقریب مجھے قتل کر دے گا، لہٰذا میں چاہتا ہوں جب قتل کیا جاؤں تو میرا بدن بالوں سے صاف ہو۔

جنابِ مختارؓ نے انھیں حوصلہ دیا۔ نہیں، خدا کی قسم! وہ مجھے قتل کر سکتا ہے نہ آپ کو۔ عنقریب آپ قید سے آزاد ہو جائیں گے اور حکومتِ بصرہ آپ کو مل جائے گی۔ جنابِ میثم تمار،

جناب مختارؒ اور عبداللہ بن حارث کی باتیں سن رہے تھے۔ آپ نے مختارؒ سے کہا: تم رہائی کے بعد سیّدالشہداؑ کے خون کے انتقام کے لیے قیام کرو گے۔ جو آدمی ہمارے لوگوں کو قتل کر رہا ہے (ابن زیاد) تم اُسے قتل کرو گے۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۱۰، ص ۲۸۴، طبع مصر وارشاد مفید)

دونوں پیشین گوئیاں سچ ثابت ہوئیں۔ یزید کی موت کے بعد عبداللہ بن حارث نے قیام کیا۔ لوگوں نے اُسے اپنا والی مقرر کیا اور وہ ایک سال تک حاکم رہے۔ مختار ثقفیؒ نے سیّدالشہداؑ کے خون کے عنوان سے قیام کیا اور ابن زیاد، حرملہ بن کاہل وشمر بن ذی الجوشن اور کوفہ کے ان لوگوں کو قتل کیا جنھوں نے ابن زیاد کے حکم پر کربلا میں اہلِ بیتؑ رسولؐ کو قتل کیا تھا۔ جناب ابن نما حلی رحمۃ اللہ کی روایت کے مطابق مختار ثقفیؒ نے کوفہ کے ۱۸ ہزار قاتلانِ امام حسینؑ کو قتل کیا۔ قریب قریب دس ہزار نفر کوفہ سے فرار کر گئے اور انھوں نے مصعب بن زبیر کے ہاں پناہ لی۔ [1] ان لوگوں میں سے شبث بن ربعی بھی تھا۔ یہ اس خچر پر سوار تھا جس کی دم اور گال کٹے ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر پھٹی پرانی قبا تھی۔ مصعب کے پاس آیا اور فریاد بلند کی۔ ہماری مدد کیجیے اس فاسق نے (نعوذباللہ) ہمارے گھروں کو ویران کر دیا ہے اور ہمارے بزرگوں کو قتل کر دیا ہے۔ ہمیں اس کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کیجیے؟ (تاریخ طبری)

سیّدالشہداؑ کے سر کی ملکوتی گفتگو

لَهفِي لِرَأسِكَ فَوقَ مَسلُوبِ القَنَا ۔۔۔ يَكسُوهُ مِن أَنوَارِهِ جِلبَابَا

يَتلُوا الكِتَابَ عَلَى السِّنَانِ وَإِنَّمَا ۔۔۔ رَفَعُوا بِهِ فَوقَ السِّنَانِ كِتَابَا

"ہائے افسوس آپ کا مقدس سر نوکِ سنان پر بلند ہے۔ اس نے اپنے انوار سے پردہ داروں کے پردوں کو محفوظ کر دیا ہے۔ وہ وہ ہیں کہ نوکِ سنان پر قرآنِ مجید کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نوکِ سنان پر اللہ کی کتاب کو بلند کیا ہوا ہے"۔

---

[1] اخبار الطوال: ص ۲۹۵

جس دن حضرت امام حسین علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے اس دن سے آپؑ قرآن مجید سے پیوستہ و وابستہ رہے اور ان دونوں میں ہرگز جدائی نہیں ہوئی۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ ''قرآن اور میرے اہلِ بیتؑ دونوں ثقل ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے اور آخر میرے پاس قیامت کے دن دونوں اکٹھے حوضِ کوثر پر پہنچیں گے''۔

یہی وجہ تھی حضرت امام حسینؑ اپنی پوری زندگی میں چاہے حضر تھا یا سفر، آپؑ قرآن کی قرأت و تلاوت فرماتے رہتے تھے اور لوگوں کو برابر قرآنِ مجید سے وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے۔ اس معاملے میں آپؑ نے کبھی تھکاوٹ کا احساس نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ روزِ عاشورا جب دشمن کی فوج سمندر کی طرح متلاطم تھی، آپؑ برابر انھیں وعظ و نصیحت کرتے رہے۔ ان کے سامنے قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے رہے تاکہ اتمامِ حجت بھی ہوجائے اور لوگوں پر حق و حقیقت کا راستہ بھی روشن ہوجائے تو اس امر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپؑ اپنی زندگی کے ہر لمحے میں قرآنِ مجید سے متمسک رہے۔

جی ہاں! فرزندِ رسولؐ کی یہ تحریک قرآنی تحریک تھی۔ آپؑ کا مقدس سر نوکِ سنان پر تھا، پھر بھی آپؑ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ شاید اس لیے اللہ کی کتاب کے توسط سے نورِ حق ان لوگوں کے وجود میں شعلہ ور ہو اور وہ ہدایت کے راستے پر آجائیں۔ مگر اس معجزہ کے باوجود وہ وہیں کے وہیں رہے اور ان کی کوردلی اور دین سے دُوری اپنی جگہ پر باقی رہی۔ ان میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ

''وہ پیکرِ خباثت تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب، کانوں اور آنکھوں پر پردے ڈال دیے تھے تاکہ وہ حق کو نہ سمجھ پائیں''۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۷)

وہ لوگ جو اس مسئلے کو اَسرارِ الٰہی سمجھتے ہیں ان کے لیے یہ کوئی حیرانی کی بات نہ ہوگی کیونکہ خداوند تعالیٰ نے اس نہضت کو اس مخصوص شکل و کیفیت میں کہ ضلالت و گمراہی کا سدِ باب ہوجائے کیونکہ وہ اپنے مصالح خود جانتا ہے، کی ذمہ داری سیدالشہداؑ پر واجب کی۔

پیغمبر اکرمؐ پر وحی کی کہ یہ قضیہ مسلّم جو تقدیر کے قلم سے لکھ دیا گیا ہے اپنے فرزند امام حسینؑ کو بتا دیجیے کہ یہ پروردگار کا امر ہے اور اس میں اس کی رضا ہے۔ اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے ان کیفیات سے گزرنا ہوگا۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ (سورۂ انبیاء: آیت ۲۳)

"کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ خدا کی مرضی کے خلاف کام کرے۔ اگر کسی نے اس کے اوامر کو ترک کیا تو اس نے ہر صورت اس کی بارگاہ میں جواب دینا ہے"۔

جب خداوند تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اس مقدس نہضت سے موجودہ اُمت اور آنے والی نسلوں کی اصلاح ہو اور انھیں صراطِ مستقیم کی پہچان ہو اور وہ لوگ جو شریعتِ مقدس کو اپنی ہوا و ہوس کا بازیچہ سمجھتے ہیں، حقیقت ان کے سامنے آجائے اس لیے اس ذات نے پسند فرمایا کہ صحیفۂ نور میں جس طرح اور جس انداز و کیفیت میں یہ شہادت لکھ دی گئی ہے اس انداز میں سیدالشہداؑ اپنے آپ کو پیش کردیں۔ اس لیے سیدالشہداؑ کی نہضت ہر زاویہ اور ہر طرف اور ہر کیفیت کے لحاظ سے عجیب ترین ہے جس کا اِدراک معمولی انسانوں کے بس سے باہر ہے۔

ان تعجب خیز باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ سیدالشہداؑ کے مقدس سر نے قرآنی آیات کے ساتھ استشہاد کیا کیونکہ کٹے ہوئے سر کا گفتگو کرنا ان لوگوں کو متاثر نہیں کرسکتا تھا جو دنیاوی شہوات کے سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ ان پر اتمامِ حجت ہوجائے اور وہ عقائد جن سے مقصود اطاعتِ خداوندی ہے وہ محکم تر ہوجائیں اور وہ لوگ جنھوں نے اس کی طرف دستِ تعدی و عدوان دراز کیا ہے وہ بھی واضح ہوجائیں۔

چنانچہ بنواُمیہ کو بارہا ان کی ضلالت و طغیانی سے آگاہی دی البتہ پروردگار کی طرف سے بعید نہیں ہے کہ مصالح کی خاطر جنھیں ہم نہیں سمجھتے ایک بریدہ سر سے تکلم پیدا کردے جس طرح حضرت موسیٰؑ کا واقعہ ہے وہ مناجات کررہے تھے کہ درخت سے کلام پیدا کیا۔ ایک بریدہ سر اور ایک درخت پروردگار کی اطاعت کے سلسلے میں برابر ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! بنابرایں جو ذات کسی مصالح کی خاطر ایک درخت سے آواز ایجاد کرسکتی ہے تو بریدہ سر سے بھی

بطریق اولیٰ آواز ایجاد کرسکتی ہے۔

لیکن اُموی قبیلہ بجائے اس کے کہ اُنھوں نے یہ سب معجزات دیکھے اور سنے جو سیّدالشہدا کے بُریدہ سر سے صادر ہوئے تھے، متنبہ ہوتے بلکہ ان لوگوں نے آلِ محمدؐ پر مصائب کا اور بھی اضافہ کردیا۔ اس لیے کہ لوگ ان کی قدرت و طاقت سے مرعوب ہوں، اس لیے ابن زیاد نے حکم دیا تھا کہ سرِ مقدس کو کوفہ کے کوچوں اور بازاروں میں پھرایا جائے تا کہ تمام قبائل اور لوگ حکومت کی طاقت سے خوف زدہ ہوں اور کوئی ان کی مخالفت کی جرأت نہ کرسکے۔

جناب زید بن ارقمؓ کا بیان ہے: میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا کہ سرِ مقدس کو میرے سامنے سے گزارا گیا۔ یہ مقدس سر نوکِ سناں پر تھا کہ مَیں نے سنا کہ سرِ مقدس نے سورۂ کہف کی اس آیت کی تلاوت فرمائی:

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○

''کیا تم یہ خیال کرتے ہیں کہ غار اور کتبے والے ہماری قابلِ تعجب نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے''۔(سورۂ کہف: آیت ۹)

جناب زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں: جب مَیں نے بُریدہ سر سے یہ آیات سنیں تو حیرت و استعجاب سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ مَیں نے ان کے جواب میں عرض کیا:

وَاللهِ يَابْنَ رَسُوْلِ اللهِ رَأْسُكَ أَعْجَبُ وَأَعْجَبُ

''خدا کی قسم، اے فرزندِ رسولؐ! آپؑ کے مقدس سر کی داستان اصحابِ کہف کی داستان سے ہزاروں گنا عجیب وغریب ہے''۔[1]

جب سیّدالشہدا کے مقدس سر کو کوفہ کے اس بازار میں لایا گیا جہاں لوگوں کا ہجوم تھا اور شوروغل کا زور تھا، یہ زرگروں کی مارکیٹ تھی۔ اسی مقام پر سرِ مقدس کے نیزے کو کھڑا کر دیا گیا۔ آں حضرتؑ نے ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کریں اور انھیں وعظ و نصیحت کریں۔ آپؑ نے گلے کو صاف کرنے کے لیے تنحنحی[2] کیا تو لوگ فوراً آپؑ کی طرف

---

[1] ارشاد مفید و خصائص الکبریٰ: ج ۲، ص ۱۲۵

[2] گلے کو صاف کرنے کے لیے ہلکا سا کھانسنا۔

متوجہ ہوئے۔ جب تک سرِ مقدس نے گفتگو کا آغاز نہ کیا، اس اژدہام پر وحشت طاری رہی۔ یہ سبھی مبہوت ہو کر امامؑ کے سرِ مقدس کو دیکھنے لگے کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔ اچانک انھوں نے سنا اور دیکھا کہ آپؑ کے سرِ مقدس نے سورۂ کہف اور سورۂ نوح کی تلاوت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ آپؑ اس آیت مجیدہ پر پہنچے:

فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ○ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ○

''اصحابِ کہف چند جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے۔ ہم نے بھی ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کر دیا لیکن جو لوگ ظالم ہیں ان کی گمراہی میں اضافہ کرتے ہیں''۔ (سورۂ کہف: آیت ۱۳، سورۂ نوح: آیت ۲۴)

بعدازیں یہ لوگ سرِ مقدس کو بازارِ کوفہ سے گزارتے ہوئے اس مقام پر لے گئے، جہاں درخت تھا۔ انھوں نے درخت پر سرِ مقدس کو لٹکا دیا۔ اس وقت آپؑ کے مقدس سر سے نُور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جو آسمان سے ٹکرا رہی تھیں۔ جب وہاں لوگوں کا ایک بہت بڑا اژدہام لگا تو سرِ مقدس نے قرآنِ مجید کی اس آیت کی تلاوت کی:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ○

''جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ لوٹائے جائیں گے''۔ (سورۂ شعراء: آیت ۲۲۷)

ہلال بن معاویہ نقل کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس نے سیّدالشہداؑ کے مقدس سر کو زمین پر پھینکا تو سرِ مقدس نے اس سے فرمایا:

فَرَّقْتَ بَيْنَ رَاْسِي وَبَدَنِي فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَ لَحْمِكَ وَعَظْمِكَ وَجَعَلَكَ اٰيَةً وَنَكَالًا لِلْعٰلَمِيْنَ

''تُو نے میرے سر اور جسم کے درمیان جدائی ڈالی ہے۔ خدا تیرے گوشت اور ہڈیوں کے درمیان جدائی ڈالے تاکہ دنیا تجھ سے عبرت حاصل کرے''۔

اس کرامت سے اس آدمی کو تنبیہ حاصل کرنا چاہیے تھی لیکن اس ملعون نے تازیانہ لیا اور سرِ مقدس پر تازیانوں کی بارش کر دی جب تک سرِ مقدس خاموش نہ ہوا وہ تازیانے مارتا رہا۔(شرح قصیدہ ابوفراس، ص ۱۴۸)

سلمہ بن کہیل کہتے ہیں کہ میں نے سنا سید الشہداؑ کا سرِ مطہر اس آیت کی تلاوت فرما رہا تھا:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ (سورۂ بقرہ: آیت ۱۳۷)

ان لوگوں (کے شر) سے بچانے کے واسطے تمھارے لیے خدا کی ذات کافی ہے اور وہ (سب کی) خوب سنتا ہے اور سب کچھ خوب جانتا ہے"۔(اسرار الشہادۃ، مرحوم دربندی: ص ۱۴۸)

ابن وکیدہ کا بیان ہے کہ جب میں نے سرِ مطہر سے سورۂ کہف کی تلاوت سنی تو میں حیرت کے سمندر میں ڈوب گیا۔ میں متذبذب تھا کہ قرآنی آیہ کی یہ آواز امام حسینؑ کے سرِ مطہر سے سن رہا ہوں یا پھر کسی اور کی آواز ہے؟ میں ابھی شش و پنج میں تھا کہ آپؑ کے مقدس سر نے تلاوت روک کر مجھ سے خطاب فرمایا:

يَا ابْنَ وُكَيْدَةَ أَمَا عَلِمتَ أَنَا مَعْشَرَ الْأَئِمَّةِ إِحْيَاءِ عِنْدَ رَبِّنَا

"اے ابن وکیدہ! کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ہم آئمہ طاہرینؑ (فرزندانِ رسولؐ اللہ) ہمیشہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں زندہ ہوتے ہیں اور ہم کبھی نہیں مرتے؟ ہمیشہ زندہ ہیں"۔

ابن وکیدہ اپنی بات بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں: جب میں نے آپؑ کے مقدس سر سے جاری یہ گفتگو سنی تو میرے دل میں خیال آیا کہ مجھ سے جیسے بھی بن پڑے سرِ مقدس کو حاصل کر کے اپنے ہاں چھپا لوں۔ ابھی میں اسی سوچ و بچار میں تھا کہ دوبارہ سرِ مقدس نے مجھ سے خطاب فرمایا:

يَا ابْنَ وُكَيْدَةَ! لَيسَ لَكَ إِلَى ذٰلِكَ مِن سَبِيلٍ إِنَّ سَفكَهُمْ دَمِي أَعظَمُ عِنْدَ اللهِ مِن تَسيِيرِ عَلَى الرُّمحِ ، فَذَرهُمْ فَسوفَ يَعلَمُونَ إِذَا

الْاَغْلَالُ فِیْ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلِ یُسْحَبُوْنَ

"اے ابن وکیدہ! یہ تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ میرا خون گرانا بارگاہِ خداوندی میں عظیم تر ہے۔ یہ لوگ میرے سر کو کوچہ و بازار میں پھرا رہے ہیں۔ انھیں اپنے حال پر رہنے دو۔ بہت جلد یہ کیفرِ کردار تک پہنچیں گے۔ ان کی گردنوں میں طوق پہنائے جائیں گے انھیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی طرف کشاں کشاں لے جایا جائے گا"۔ (شرح قصیدہ ابوفراس، ص ۱۴۸)

منھال بن عمرو کی روایت

منھال بن عمرو کا کہنا ہے: میں شام میں تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ سرکاری کارندوں نے نوکِ سناں پر سیّد الشہداؑ کا سر نصب کر رکھا ہے۔ نیزے کو ایک آدمی اُٹھائے ہوئے چل رہا ہے اور اس کے آگے ایک آدمی سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب وہ اس آیت اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَ الرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا پر پہنچا تو سرِ مقدس سے آواز آئی: اَعجَبُ مِن اَصحَابِ الکَهفِ قَتلِی وَحَملِی، "میرا قتل اور میرا نوکِ سناں پر نصب ہونا اور کوچہ و بازار میں لہرایا جانا اس داستان سے عجیب تر داستان ہے"۔ (الخصائص سیوطی: ص ۳۰)

جی ہاں! جب رُوم کے سفیر نے یزید پر اعتراض کیا تھا کہ تُو نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر کے بیٹے کو کیوں قتل کیا ہے؟ اس وقت یزید نے حکم دیا کہ سفیرِ روم کو قتل کر دیا جائے۔ اسی وقت سرِ مقدس نے فرمایا تھا: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (مقتل العوالم: ص ۱۵۱)

اشدق کی سرکشی وطغیانی

ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ جب ابن زیاد آلِ محمدؐ کے قتل کے اُمور اور مقامی بغاوتوں سے فارغ ہوا اور اہلِ بیتؑ کو زندان میں بند کیا تو فوراً مدینہ کے گورنر عمرو بن سعید اشدق①

---

① مجمع الزوائد ابن حجر ہیثمی: ج ۵، ص ۲۴۰ اور کتاب تطہیر الجنان: ص ۱۴۱۔ ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ مَیں نے رسول اللہؐ سے سنا بنواُمیہ کے جابر حکمرانوں میں سے ایک جابر کی میرے منبر پر نکسیر پھوٹے گی جس سے وہ میرے منبر کو خون سے آلودہ کرے گا۔ عمرو بن سعید کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا۔

کی طرف اپنی فتح کا خط لکھا۔ اس نے یہ خط عبدالملک بن حارث سلمی کے حوالے کیا کہ وہ یہ خط مدینہ لے جائے لیکن عبدالملک بن حارث نے اپنی بیماری کا بہانہ بنا کر اس سفارت کو قبول نہ کیا لیکن ابن زیاد ایک ظالم و سنگ دل اور درندہ صفت انسان تھا۔ آلِ محمدؑ کی عداوت کی آگ ابھی اس کے دل و دماغ میں شعلہ ور تھی، اس نے اُسے حکم دیا کہ تُو نے ہر حال میں مدینہ جانا ہے اور عمرو بن سعید کو قتلِ حسینؑ کی بشارت دینی ہے۔

اس نے کہا: جہاں تیرا گھوڑا تھک جائے فوراً تازم دم گھوڑے کا انتظام کرنا، سستی نہ کرنا اس سے پہلے کہ مدینہ میں قتلِ حسینؑ کی خبر پہنچے سب سے پہلا نفر تُو ہو جو اس خبر کو عمرو بن سعید تک لے جائے۔

عبدالملک کہتا ہے: میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑی تیزی کے ساتھ سفر کیا جب میں مدینہ کے قریب پہنچا تو میری ملاقات قبیلۂ قریش کے ایک آدمی سے ہوئی۔ اس نے میری تیزی اور رفتار کو دیکھا تو مجھ سے پوچھا: تُو کہاں سے آ رہا ہے؟ اور تیرے پاس کون سی خبر ہے؟

مَیں نے اُسے جواب دیا (اَلْخَبَرُ عِنْدَ الْاَمِیْرِ) ”خاص خبر ہے لیکن وہ امیر کے لیے ہے“۔ سب سے پہلے اُسے مطلع کرنا ہے تم امیر سے یہ خبر سن لوگے۔

عبدالملک کہتا ہے جب مَیں نے حسینؑ بن علیؑ کے قتل کی خبر عمرو بن سعید کو دی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کے گلی کوچوں میں جاؤں اور قتلِ حسینؑ کا اعلان کروں۔

اس کا کہنا ہے: جب مَیں نے قتلِ حسینؑ کی ندا بلند کی اور یہ میری آواز لوگوں کے کانوں میں پہنچی تو ایک دفعہ سارا مدینہ ہل کر رہ گیا۔ کہرام بپا ہوا اور ہر طرف سے گریہ زاری کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ محلہ بنو ہاشم کی خواتین کے رونے کی دردناک آوازیں بلند ہوگیں۔ وہ سبھی جوانانِ جنّت کے سردار کے مصائب و آلام کو یاد کر کے گریہ وشیون کر رہی تھیں۔ پورا مدینہ آلِ محمدؑ کے مصائب میں اس قدر ماتم وشیون میں ڈوبا ہوا تھا کہ جس کی مثال ناپید تھی۔

جب آہ و بکا کی یہ دردناک صدائیں "اشدق" کے گھر میں پہنچیں تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ ہنسنے لگا اور اُس نے عمرو بن معدیکرب کا شعر پڑھا:

عَجَّت نِسَاءُ بَنِی زِیَاد عَجَّةً

کَعَجِیجِ نِسوَتِنَا غَدَاۃَ الاَرنَبِ

"جب غداۃ الارنب جنگ ہوئی تو اس میں بنی زیاد کی عورتوں اور بیٹیوں نے اپنے مقتولوں پر خوب گریہ کیا"۔

غداۃ الارنب ایک جنگ کا نام ہے جو قبیلہ عمرو بن معدیکرب اور بنی زیاد کے مابین واقع ہوئی تھی۔ اس جنگ میں قبیلہ عمرو مغلوب ہوگیا تھا۔

اشدق نے خوش ہو کر کہا: وَاعِیَۃٌ بِوَاعِیَۃِ عُثمَان

"یہ نالہ و شیون جو آج بنوہاشم کے گھروں سے بلند ہو رہے ہیں۔ یہ ان نالہ و فریاد کا عوض ہیں جو حضرت عثمان کے قتل پر بنواُمیہ کے گھروں سے بلند ہوئے تھے"۔ پھر اس نے رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف رُخ کیا اور کہا:

یَومٌ بِیَومِ بَدرٍ یَا رَسُولَ اللهِ "اے رسولِ خدا! جو تو نے میدانِ بدر میں ہمارے افراد قتل کیے تھے۔ قتلِ حسینؑ اور اہلِ بیتؑ ان کا عوض ہیں"۔

جب اس نے یہ کفریہ کلمات کہے تو وہاں کچھ انصاری بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے اعتراض کیا۔ (نفس المھموم: ص ۲۲۲ و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید)

پھر یہی اشدق منبر پر آیا اور کہا:

اَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّهَا لَدْمَۃٌ بِلَدْمَۃٍ وَصَدْمَۃٌ بِصَدْمَۃٍ کَم خُطبَۃٍ بَعدَ خُطبَۃٍ وَمَوعِظَۃٍ بَعدَ مَوعِظَۃٍ حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ فَمَا تُغْنِی النُّذُرِ، لَقَدْ کَانَ یَسُبُّنَا وَنَمْدَحُهُ وَیَقْطَعُنَا وَنَصِلُهُ کَعَادَتِنَا وَعَادَتِهِ وَلٰکِن کَیفَ نَصنَعُ بِمَنْ سَلَّ سَیفَهُ عَلَینَا یُرِیدُ قَتْلَنَا اِلَّا اَنْ نَدْفَعَهُ مِن اَنْفُسِنَا

اشدق نے اس مقام پر مسئلہ خونِ عثمانؓ چھیڑا اور عوام کو سمجھانے کی کوشش کی کہ قتلِ حسینؑ بغیر کسی وجہ اور دلیل کے نہیں ہوا یہ قتلِ عثمان کا بدلہ ہے۔

”ضرب، ضرب کا عوض ہے، طمانچہ، طمانچے کا عوض ہے۔ کتنی باتیں ہیں کہ نہیں کہی گئیں اور کتنی وعظ و نصیحت کی باتیں ہیں جو بیان نہیں ہوئیں۔ یہ سب کچھ خداوند متعال کی حکمت و بالغہ سے ممکن ہے۔ حسینؑ ہمیں ناسزا کہتا تھا جب کہ ہم اس کی مدح و تعریف کرتے تھے۔ وہ ہم سے قطع رحمی کرتا تھا، جب کہ ہم صلہ رحمی کرتے تھے لیکن جو آدمی مجھ پر اپنی تلوار کھینچے اور مجھے قتل کرنا چاہے تو اس صورت میں کیا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس بات کا علاج یہ ہے کہ اپنے نفس کی حفاظت کے لیے مَیں اسے اپنے آپ سے دُور کروں اور اُسے قتل کردوں؟“

عبداللہ بن سائب کا اعتراض

اس دوران میں عبداللہ بن سائب کھڑے ہوئے اور کہا:

لَو كَانَت فَاطِمَةُ حَيَّةً وَرَأَت رَأسَ الحُسَينِ لَبَكَت عَينُهَا وَحَرَّت كِبدُهَا

”اگر فاطمہ زہراؑ دختر پیغمبرؐ حیات ہوتیں اور اپنے فرزند کا مقطوع سر دیکھتیں تو وہ آہ و فریاد بلند کرتیں اور اس کا قلب و جگر مجروح ہوتا“۔

ابھی جنابِ عبداللہ کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ اشدق نے اس کی گفتگو کو قطع کیا اور کہا:

نَحنُ اَحَقُّ بِفَاطِمَةَ مِنكَ ، اَبُوهَا عَمُّنَا وَزَوجُهَا اَخُونَا ، وَاُمُّهَا اِبنَتُنَا وَلَو كَانَت فَاطِمَةُ حَيَّةً لَبَكَت عَينُهَا وَمَا لَامَت مَن قَتَلَهُ وَدَفَعَهُ عَن نَفسِه

”ہم تجھ سے زیادہ فاطمہ زہراؑ کے قریب ہیں۔ ان کے والد ہمارے چچا، ان کا شوہر ہمارا بھائی، ان کی والدہ ہماری دختر ہے۔ اگر فاطمہؑ زندہ ہوتیں تو وہ اپنے بیٹے کو ضرور روتیں لیکن قاتل کو ملامت نہ کرتیں کہ جس نے اپنے دفاع میں اُسے قتل کیا ہے“۔ (مقتل العوالم: ص ۱۳۱)

عمرو بن سعید ایک ظالم و سفاک قسم کا انسان نُما درندہ تھا۔ جب اُس نے اپنی گفتگو ختم کی تو اپنی پولس کے افسر عمرو بن زبیر بن عوام کو حکم دیا کہ بنوہاشم کے تمام گھروں کو ویران کردو اور کسی گھر کو نہ چھوڑو۔ انھوں نے عبداللہ بن مطیع کے گھر کو بھی گرا دیا۔ ان دنوں اس سے

جو کچھ بھی ہوسکا اس نے کرڈالا۔ مدینہ کے بہت سے لوگوں کو ضرب وشتم کا نشانہ بنایا۔ اس کے خوف سے بہت سے لوگ مدینہ سے فرار کر گئے اور عبداللہ بن زبیر کی پناہ میں چلے گئے۔ (الاغانی: ج ۴، ص ۱۵۵)

اسے "اشدق" کیوں کہا گیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دن اس نے حضرت امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کیں جس کی وجہ سے اسے لقوہ ہوا اور اس کا منہ ٹیڑھا ہوگیا۔ اس وجہ سے یہ اشدق کے نام سے مشہور ہوا یعنی باطن کی طرف سے ٹیڑھے دہن والا۔ (معجم الشعراء مرزبانی، ص ۲۳۱)

جنابِ عقیلؑ کی بیٹیوں کی سوگ واری

جب مدینہ میں سیّدالشہداءؑ کی شہادت کی خبر ہر طرف پھیلی تو مدینہ میں کہرام بپا ہوا۔ یہی آواز جب محلۂ بنوہاشم میں پہنچی تو جنابِ عقیلؑ کی بیٹی [1] چند دوسری ہاشمیات کے ساتھ اپنے گھر سے باہر نکلیں اور روضۂ رسولؐ پر پہنچیں تو رسولؐ اللہ کو ان کے بیٹے کی شہادت کا پُرسہ دیا۔ اس قدر دردناک بین کیے کہ سننے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔

جنابِ عقیلؑ کی بیٹی نے مہاجرین وانصار سے خطاب فرمایا:

مَاذَا تَقُوْلُوْنَ اَنْ قَالَ النَّبِیُّ لَکُمْ ۔۔۔ یَوْمَ الْحِسَابِ وَصَدَقَ الْقَوْلُ مَسْمُوْع
خَذَلْتُمُوْا عِتْرَتِیْ اَوْ کُنْتُمْ غَیْبًا ۔۔۔ وَالْحَقُّ عِنْدَ وَلِیِّ الْاَمْرِ مَجْمُوْع
اَسْلَمْتُمُوْهُمْ بِاَیْدِی الظَّالِمِیْنَ فَمَا ۔۔۔ مِنْکُمْ لَهُ الْیَوْمَ عِنْدَاللّٰهِ مَشْفُوْع
مَا کَانَ عِنْدَ غَدَاةِ الطَّفِ اِذْ حَضَرُوْا ۔۔۔ تِلْکَ الْمَنَایَا وَلَا عَنْهُنَّ مَدْفُوْع

"اے مہاجرین وانصار! جب قیامت کا دن ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ تم نے میرے بعد میری عترت سے کیا سلوک کیا تھا؟ جی ہاں! قیامت کا دن وہ دن ہوگا جہاں صرف سچ ہی قبول کیا جائے

---

[1] جنابِ عقیلؑ بن ابی طالبؑ کی اس دختر کا نام اُمِّ لقمان تھا۔ وہ اپنی بہنوں کے ہمراہ نیز جنابِ اُمِّ ہانی، اسماء، رملہ اور جنابِ زینب برہنہ سروپا اپنے گھروں سے باہر نکلیں اور رسولؐ اللہ کے حرم کی طرف آئیں۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۸۴)

گا۔ تم نے میری عترت کو ظالموں کے ہاں تنِ تنہا چھوڑ دیا اور انھوں نے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے تھے۔ صاحبِ امر کی عدالت میں عدل ہوگا۔ آج تمھیں شفاعت کی ضرورت ہے۔ لیکن آج تمھاری شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہے، جو کچھ تم نے کیا ہے اب تمھیں اس کی سزا ملنے والی ہے۔ کربلا کے میدان میں ان پر مظالم ڈھائے گئے انھیں بے دردی سے قتل کیا گیا لیکن تم لوگوں نے ان کا دفاع نہیں کیا تھا"۔

جب جنابِ عقیلؓ کی دختر نے اس دن گریہ کیا تو ہر فرد رو رہا تھا۔ اس دن اس قدر جوش و خروش سے گریہ ہوا کہ جس کی مثال ناپید ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے مدینہ میں زلزلہ برپا ہو، ہر زن و مرد کے منہ سے آہ و فریاد بلند تھی۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ جنابِ اُمِ لقمان کی ہمشیرہ جنابِ زینب نے سیّدالشہداؑ پر جگر سوز بین کیے:

مَاذَا تَقُولُونَ اَنْ قَالَ النَّبِیُّ لَکُمْ ۔۔۔ مَاذَا فَعَلْتُمْ وَاَنْتُمْ آخِرَ الْاُمَمِ

بِعِتْرَتِیْ وَ بِاَھْلِیْ بَعْدَ مُفْتَقَدِیْ ۔۔۔ مِنْھُم اُسَارٰی وَ مِنْھُمْ ضُرِّجُوا بِدَمٍ

مَا کَانَ ھٰذَا جَزَائِیْ اِذْ نَصَحْتُ لَکُمْ ۔۔۔ اَنْ تَخْلُفُوْنِیْ بِسُوْءٍ فِیْ ذَوِیْ رَحِمٍ

"جب میدانِ محشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ تم نے میری عترت اور اہلِ بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا حالانکہ تم آخری اُمت تھے۔ تم نے ان میں سے بعض کو قتل کر ڈالا اور بعض کو اپنا قیدی بنایا۔ مَیں نے اپنی ساری زندگی تم پر لگا دی تھی، تمھیں شب و روز وعظ و نصیحت کرتا رہا۔ میری محنت کا یہی عوض ہے جو تم نے مجھے دیا ہے کہ میرے اہلِ بیتؑ پر وہ مظالم ڈھائے جن کی مثال نہیں ملتی"۔ (مثیر الاحزان: ص ۵۱، لہوف: ۹۴، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۶)

جنابِ اُمُ البنین سلام اللہ علیہا

حضرت امیرالمومنین امام علی علیہ السلام کی زوجہ حضرت اُمُ البنینؑ نے حضرت سیّدالشہداؑ کی

صفِ ماتم بچھائی۔ قبیلۂ بنو ہاشم کی خواتین آتیں اور سیّدالشہداؑ پر آہ و زاری کرتیں۔ حضرت اُمِ سلمہؓ اُم المومنین بھی اس مجلس میں شریک ہوئیں۔ ایک دن انھوں نے گریہ و زاری کرتے ہوئے فرمایا: فَعَلُوْهُ، مَلَاءَ اللّٰهُ قُبُوْرَهُمْ نَارًا ''جن لوگوں نے حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا خدا ان کی قبروں کو جہنم کی آگ سے بھر دے''۔ ①

حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کا اپنے فرزندوں کی شہادت سے باخبر ہونا

جس وقت حاکمِ مدینہ نے سیّدالشہداؑ کے قتل کی منادی کرائی تو لوگ حضرت عبداللہ

---

① کوئی قابلِ اعتماد دلیل ہمارے پاس موجود نہیں ہے کہ جس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکیں کہ جناب اُم البنینؑ ۶۱ ہجری میں زندہ تھیں۔ اس مورد میں تین قول ہیں جو پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ علامہ محمد حسن قزوینی نے ریاض الاحزان: ص ۶۰ پر نقل کیا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ کے خانۂ اقدس میں صف ماتم حسین علیہ السلام بچھائی جاتی تھی۔

۲۔ مرحوم سماوی نے اپنی کتاب ابصار العین: ص ۳۱ پر نقل کیا ہے کہ میں ابوالحسن اخفش کی اس روایت سے متاثر ہوں جو اس نے شرح کامل میں تحریر کی ہے۔ جسے دیکھ کر میں پریشان ہوا ہوں کہ وہ اپنے چھوٹے بچے عبداللہ کو کندھے پر اُٹھا کر ہر صبح جنت البقیع میں لے آئیں اور مرثیہ خوانی کرتیں۔ اہلِ مدینہ ان کا مرثیہ سننے کے لیے اکٹھے ہو جاتے اور ان کی شدت گریہ سے سب لوگ رونے لگتے۔

۳۔ ابوالفرج نے اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں حضرت عباسؑ کے مقتل میں روایت درج کی ہے۔ اس نے یہ روایت محمد بن علی بن حمزہ سے لی، اس نے نوفلی سے، اس نے حماد بن عیسیٰ جہنی سے، اس نے معاویہ بن عمار سے سنا، اس نے جعفر سے سنا کہ جناب اُم البنینؑ چار بیٹوں کی ماں تھیں۔ ان کے چاروں بیٹے میدانِ کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ وہ روزانہ جنت البقیع میں جاتی تھیں اور وہ اپنے بیٹوں پر اندوہناک ترین و سوزناک ترین نالہ و فریاد بلند کرتیں۔ لوگ ان کا مرثیہ سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ انھی لوگوں میں مروان بھی آتا تھا اور آپؑ کا نوحہ و مرثیہ سنتا تھا۔

یہ وہ تین قول ہیں کہ جن میں جناب اُم البنینؑ کے زندہ ہونے کو ثابت کیا گیا ہے۔

جہاں تک پہلا قول ہے کہ حضرت اُم البنینؑ واقعۂ کربلا کے وقت زندہ تھیں اس سے ان کی اس وقت حیات ثابت نہیں ہوتی۔ اس قول میں یہ کہا گیا ہے کہ جناب اُم البنینؑ کے گھر میں صفِ ماتم بچھائی جاتی تھی۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خود جناب اُم البنینؑ اس مجلس کے وقت موجود ہوتی تھیں اور شریک ہوتی تھیں۔ علاوہ بریں قولِ اوّل کی روایت ابوالفرج سے ہے اس نے لکھا ہے کہ وہ سوگ کے لیے ⇦

بن جعفر طیارؓ کے پاس آئے کیونکہ وہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے شوہر تھے تاکہ انھیں ان کے

⇦ بقیع میں مجلس قائم کرتی تھیں تو اس سے اپنے قول کی ہی نفی ہوتی ہے۔ ایک دفعہ کہتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں صفِ ماتم بچھاتی تھیں۔ پھر کہتا ہے کہ وہ جنت البقیع میں صفِ ماتم بچھاتی تھیں۔ رہا دوسرا قول تو وہ بھی ابوالفرج سے لیا گیا ہے کیونکہ ابصار العین کی گفتگو ہو بہو وہی مقاتل الطالبین کی گفتگو ہے یعنی وہی ابوالفرج کا ہی قول ہے اس کے غیر کا قول ہے ہی نہیں۔

جہاں تک کہ شرح کامل کی بات ہے کہ اس میں ایک قول اخفش کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ صرف علامہ سماوی نے ان کا نام نقل کیا ہے۔ مَیں نے تمام مورخین، مترجمین کو اچھی طرح سے پڑھا ہے اس نام کا کوئی آدمی ہے ہی نہیں اور نہ اس سے یہ قول منسوب ہے۔ مَیں نے جس سے بھی پوچھا ہے کہ شیخ سماوی نے جہاں سے یہ قول لیا ہے وہ کون سی کتاب ہے تو سوائے سکوت کے کوئی جواب نہیں پایا۔ مَیں اس بات پر مطمئن ہوں کہ مذکورہ اشعار خود شیخ سماوی کے ہیں۔ اس نے ان اشعار کا انتساب اپنی طرف نہیں کیا اس لیے تاکہ ان اشعار کا اجر خدائے سبحان پر ہے وہ ہی عطا کرے گا۔

ابوالفرج کی روایت چند اشکال سے خالی نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کی سند قابلِ اعتماد نہیں ہے، یعنی یزید بن مغیرہ بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم، ابن حجر نے تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۷۳۴، اس کے حال کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ آدمی غیر ثقہ ہے۔ ابوزرعہ نے بھی اُسے ضعیف الحدیث قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی تمام روایات غیر محفوظ ہیں۔

ابوحاتم نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے یعنی اس سے منقول شدہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ محدث نسائی نے لکھا ہے کہ نوفلی متروک الاحادیث ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جناب اُم البنینؑ ایک غیر معمولی خاتون تھیں۔ آپؑ رسولؐ اللہ کے گھر کی خاتون تھیں۔ وہ نبیؐ کے گھرانے کی تہذیب اور وہ معارف الٰہیہ جو اس گھر پر نازل ہوئے تھے خوب جانتی تھیں۔ آپؑ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی زوجہ تھیں۔ آپؑ جوانانِ جنت کے سرداروں کے اَخلاق و عادات سے خوب واقف تھیں کیونکہ آپ ان کی ماں تھیں۔ آپؑ کی ذات والاصفات سے ممکن ہی نہیں کہ آپؑ وہ کام کریں کہ جن کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک عورت اپنے گھر سے باہر نکلے اور اجنبیوں میں جا بیٹھے اور وہ اس کی آواز سنیں۔ حضرت اُم البنینؑ سے اس طرح کا عمل ناممکن ہے۔

جن لوگوں نے مکتبِ اہلِ بیتؑ سے تربیت حاصل کی ہے ان سے ممکن نہیں کہ وہ ایسا کام کریں جو حدودِ الٰہیہ سے باہر ہو۔ حضرت اُم البنینؑ پر جو شرعی وظیفہ بنتا تھا آپ اس سے مستثنیٰ نہیں تھیں۔ جہاں تک بات ہے

بیٹوں کے سلسلے میں تعزیت کریں۔

⇦ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی کہ آپؑ اپنے گھر سے باہر جاتی تھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے ان کے لیے جو بیت الاحزان بنا دیا تھا وہ اس میں اپنے بابا رسول اللہ پر گریہ فرماتی تھیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے بقیع کے قبرستان میں کھجور کے پتوں کا ایک سائبان تیار کیا تھا کہ دختر رسولؐ وہاں تشریف لے جاتیں اور اپنے بابا کو یاد کر کے روتی تھیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے مدینہ کے چند مخصوص لوگوں کے جبر کی وجہ سے دختر رسولؐ کے لیے بیت الاحزان بنایا تھا۔

علی بن بکر ہروی نے اپنی کتاب "الاشارات المعرفۃ الزیارات" ص ۹۳ پر لکھا ہے کہ بیت الاحزان بقیع میں حضرت امیر علیہ السلام نے دختر رسول کے لیے بنایا تھا۔ سمہودی نے کتاب وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۱۰۳، مطبوعہ مصر ۱۳۱۶ھ، ابن جبیر سے نقل کیا ہے: بیت الاحزان قبرستان بقیع میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بارگاہ کے نزدیک بنا ہوا تھا۔ دختر رسولؐ اپنے بابا کی وفات کے بعد وہاں جاتی تھیں اور گریہ کرتی تھیں۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد، مقری الباری نے اپنی کتاب المختار من نوادر الاخبار میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے مدینہ سے باہر کھجور کی شاخوں سے ایک سائبان تیار کیا۔ دختر رسولؐ وہاں جاتی تھیں اور اپنے بابا کے غم میں روتی تھیں۔

ابن امام حنفی نے فتح القدیر، ج ۲، ص ۳۲۸ پر لکھا ہے کہ جنت البقیع میں حضرت فاطمہ کی مسجد میں نماز پڑھنا مستحب ہے۔ اس مسجد کو بیت الاحزان کہتے ہیں۔ اگر مدینہ کے لوگوں کا اجبار نہ ہوتا تو دختر رسولؐ اپنے گھر سے باہر نہ جاتیں علاوہ ازیں یہ کسی مورخ نے نہیں لکھا کہ دختر رسول اللہ گریہ کرتیں اور لوگ ان کا گریہ سننے کے لیے جمع ہوتے۔ حالانکہ وہ کائنات کے سب سے اعلیٰ انسان پر روتی تھیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ کوئی عورت اس وقت کسی قبرستان میں بھی جاتی ہے جہاں اس کا کوئی عزیز دفن ہو اگر اس کا کوئی عزیز دفن نہ ہو تو وہ قطعاً نہیں جاتی۔ لوگوں کی عادات ہر زمانے میں برابر رہی ہیں۔ اس زمانے اور اُس زمانے کی انسانی عادات میں کوئی فرق نہیں۔

ابوالفرج کا کہنا کہ حضرت اُم البنینؑ روزانہ بقیع میں جاتیں اور اپنے بیٹوں پر مرثیہ کرتیں بالکل غلط ہے اور جھوٹ ہے۔ ابوالفرج اصل میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مروان بن حکم رقیق القلب انسان تھا اور وہ اُم البنینؑ کے گریہ سے متاثر ہو کر روتا تھا۔ حالانکہ تاریخ میں موجود ہے کہ یہ وہی مروان بن حکم ہے کہ جب اس نے سنا کہ حضرت امام حسینؑ کو شہید کر دیا گیا ہے تو اس نے خوشی منائی۔ جب اس کی نگاہ سید الشہداءؑ کے سر مقدس پر پڑی تو شادمانی و شماتت کی بنا پر کہا:

يَاحَبَّذَا بَرْدُكَ فِي الْيَدَيْنِ   وَلَوْنُكَ الْأَحْمَرُ فِي الْخَدَّيْنِ
كَأَنَّهُ بَاتَ بِمُسْجَدَيْنِ   شُفِيَتْ نَفْسِي مِنْ دَمِ الْحُسَيْنِ

جناب عبداللہ کا ایک غلام تھا جس کا نام ابو لِسِلَاسْ [1] تھا۔ جب اس نے جناب عبداللہ کے بیٹوں کی شہادت کی خبر سنی تو کہنے لگا: هٰذَا مَا لَقِينَا مِنَ الْحُسَيْنِ بنِ عَلِي

⇦ "کتنی خوشی کی بات ہے کہ تُو ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اب خون سے تیرے دونوں رخسار رنگین ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ تُو رات بھی شاہی سواریوں کے درمیان رہا ہے۔ قتل حسینؑ سے میرے دل کے لیے ٹھنڈک کا سامان پیدا ہوا ہے"۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ابوالفرج کا جھوٹ اس کی ایک اور بحث سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں حضرت ابوالفضل العباسؑ کے مقتل کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چونکہ حضرت عباسؑ اپنے ابوینی بھائیوں میں سے آخری شہید ہیں۔ آپؑ کے تینوں بھائی صاحب اولاد نہ تھے۔ اس اعتبار سے ان بھائیوں کے آپؑ وارث ٹھہرے۔ آپؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کا بیٹا عبیداللہ آپؑ کی ساری جائیداد کا وارث ٹھہرا۔

ابونصر بخاری اپنی کتاب "سر السلسلة العلوية" ص ۸۹ پر لکھتے ہیں کہ روزِ عاشور حضرت امام حسینؑ نے سب سے پہلے حضرت عباسؑ کے بھائیوں کو میدانِ جنگ میں بھیجا، یعنی جعفرؑ، عثمانؑ، عبداللہؑ نے حضرت عباسؑ سے قبل شہادت پائی۔ اسی وسیلہ سے ان سب کی جائیداد کے وارث حضرت ابوالفضل العباسؑ ٹھہرے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت عبیداللہ باپ کے وارث بنے۔ ابونصر بخاری کی روایت سے باکمال وثوق و اطمینان استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ واقعۂ کربلا کے وقت زندہ نہیں تھیں۔ اگر اُم البنینؑ واقعۂ کربلا کے وقت زندہ ہوتیں تو اپنے بیٹوں کی خود وارث ہوتیں نہ کہ حضرت عباسؑ علمدار اپنے بھائیوں کے وارث ہوتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب اُم البنینؑ اس وقت زندہ نہ تھیں اور حضرت عباسؑ اپنے برادران کے ابوینی بھائی تھے۔ اس لیے اپنے بھائیوں کے وارث قرار پائے۔ اس وقت حضرت محمد حنفیہ بھی زندہ تھے اور وہ حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے اپنے والد کی طرف سے بھائی تھے۔ کیونکہ ان کی والدہ اور تھیں۔ جب برادر ابوینی اور برادر ابی اکٹھے ہو جائیں تو وہاں جائیداد ابوینی برادر کو ملتی ہے۔

من درجہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ ابوالفرج کی گفتگو میں تناقض ہے۔ اس کی اس تناقض گوئی سے مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کیونکہ ایک قول یہ نقل کرتا ہے کہ حضرت اُم البنینؑ واقعۂ کربلا کے وقت زندہ تھیں اور جنت البقیع میں آ کر آہ و فریاد بلند کرتی تھیں۔ جب حضرت عباسؑ کے برادر کی میراث کا مسئلہ چھیڑتا ہے تو کہتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کے برادر ابوینی تھے اس لیے وہ وارث ہوئے، ان کے بعد ان کا بیٹا وارث ہوا۔ اس قسم کے معاملات میں ابوالفرج کی یاوہ گوئی کثرت کے ساتھ موجود ہے۔

[1] کشف الغمہ، ص ۱۹۳۔ ارشاد مفید میں اس غلام کا نام "ابوسلاسل" مذکور ہے۔

"ہم پر یہ آگ حسینؑ بن علیؑ نے روشن کی ہے"۔

جب یہ گفتگو حضرت عبداللہؓ نے سنی تو آپؓ نے اپنا جوتا اپنے پاؤں سے اُتار کر اس کے سر اور منہ پر دے مارا اور فرمایا: اے گندہ دہن کنیز کے بیٹے! تُو امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ایسی گفتگو کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میری خواہش ہے کہ کاش میں ان کے ساتھ ہوتا اور ان سے قطعاً جدا نہ ہوتا جب تک کہ ان کے ہم رکاب ہو کر قتل نہ ہو جاتا۔ خدا کی قسم! یہ امر مجھ پر آسان ہے کہ میری جگہ میرے بیٹے ان کے ہم رکاب تھے۔ انھوں نے میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے کی مدد کی ہے اور انھوں نے اپنی جان ان کے قدموں میں قربان کی ہے۔ پھر آپ نے حاضرین کی طرف رُخ کیا اور فرمایا: "مجھ پر امام حسین علیہ السلام کی شہادت بہت بھاری گزری ہے۔ اگر مَیں ان کے ساتھ ہوتا تو ان پر اپنی جان قربان کرتا لیکن خداوند متعال کا شکر گزار ہوں کہ میرے بیٹوں نے ان کے قدموں میں شہادت کی سعادت حاصل کی ہے۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۸۴)

□□□

اہلِ بیت علیہم السلام کی کوفہ سے شام روانگی

ابن زیاد کا یزید کے نام خط

جب ابن زیاد نے آلِ محمدؐ کے اُسیروں کو زندان میں بند کر دیا اور اپنے باقی اُمور سے فراغت حاصل کر لی تو یزید کی طرف خط لکھا کہ حسینؑ ابن علیؑ قتل کر دیے گئے ہیں، ان کے اہلِ بیتؑ کوفہ میں پسِ زندان ہیں۔ (لہوف: ص ۹۵)

اس دوران میں ایک خط لکھ کر پتھر سے باندھ کر زندان میں پھینکا گیا کہ فلاں دن یزید کی طرف تمھارے متعلق خط بھیجا گیا ہے۔ قاصد چند روز میں واپس آجائے گا اور فلاں روز جو اس کی واپسی کا دن ہے اگر آپ لوگوں کو تکبیر کی آواز سنائی دے تو سمجھ لینا کہ تمھارے قتل کا حکم دیا گیا ہے، وصیت کر لینا۔ اگر اُس دن تمھیں تکبیر کی آواز سنائی نہ دے تو سمجھ لینا کہ تمھیں امان دے دی گئی ہے۔ جب مقررہ دن قاصد شام سے واپس آیا تو اُس نے یہ پیغام دیا کہ قیدیوں کو شام کی طرف بھیج دیا جائے۔ [1]

ابن زیاد نے یزید کے حکم کی تعمیل میں زجر بن قیس، ابابردہ بن عوف ازدی اور طارق بن ظبیان کی سرکردگی میں اُسیرانِ اہلِ بیتؑ اور شہدا کے سروں کو یزید کی طرف روانہ کیا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۰۷۔ ابن اثیر: ج ۴، ص ۳۴۔ البدایہ: ج ۸، ص ۱۹۱۔ لہوف: ص ۹۷)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت سیّدالشہداؑ کا سرِ مبارک مجیر بن مرہ بن خالد بن قتاب بن عمرو بن قیس بن حرث بن مالک بن عبید بن خزیمہ بن لوی کے حوالے کیا گیا۔ (الاصابہ)

---

[1] تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۸۰ میں ہے کہ بسر بن ارطاۃ، ابابکرہ کو کوفہ سے شام بھیجا گیا۔ انھیں کہا گیا کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر شام جا کر واپس کوفہ آجائیں۔ ان لوگوں نے ایک ہفتہ کے اندر اپنی ڈیوٹی انجام دی۔ ابن نما مثیر الاحزان میں لکھتا ہے کہ جناب عبداللہ بن عمرؓ نے جناب مختارؒ کی رہائی کے لیے یزید کی طرف خط بھیجا۔ عمیرہ نے کوفہ سے شام اور شام سے کوفہ تک گیارہ دن لگائے۔

جب کاروانِ اہلِ بیتؑ شام کی طرف روانہ کیا گیا تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں کو پسِ گردن باندھا گیا۔ آلِ محمدؐ کی خواتین اور بچوں کو اس وضع کے ساتھ اُونٹوں پر سوار کیا گیا کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے ان کی مظلومیت کو بیان کیا جاسکے۔ دیکھنے والوں کی جب ان کی طرف نگاہ اُٹھتی تو ان کے جسم کانپ جاتے۔ اُسیرانِ آلِ محمدؐ کے پیچھے شہدا کے سروں کو روانہ کیا گیا۔ (تاریخ طبری: ج ۷، خطط مقریزی: ج ۲، ص ۲۸۸)

ابن زیاد نے شہدا کے سر شمر بن ذی الجوشن، مجفر بن ثعلبہ عائذی، شبث بن ربعی، عمرو بن حجاج اور کچھ دوسرے لوگوں کے حوالے کیے کہ وہ نہایت تیز رفتاری سے سفر کریں اور راستے میں جب کسی شہر وغیرہ سے گزریں تو اُسیرانِ آلِ محمدؐ اور شہدا کے سروں کا تعارف کراتے ہوئے گزریں۔ ان لوگوں نے کوفہ سے شام کا سفر نہایت تیزی سے کیا اور بہت جلد شام جا پہنچے۔

دشمنِ آلِ محمدؐ کا انجام

ابن لھیعہ روایت کرتا ہے: ''میں نے ایک آدمی کو مکہ میں بیت اللہ کے پاس دیکھا جو کعبہ کے غلاف سے چمٹا ہوا تھا اور فریادیں بلند کر رہا تھا۔ اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ نہایت ہی بے چین و بے قرار تھا۔ وہ مسلسل گریہ وزاری کی حالت میں تھا اور اسی حالت میں وہ کہہ رہا تھا: خدایا! مجھے معاف کردے لیکن مجھے معلوم ہے کہ تُو قطعاً مجھے معاف نہیں کرے گا''۔

ابن لھیعہ کا کہنا ہے کہ میں اُسے ایک طرف لے گیا اور کہا: کیا تُو دیوانہ ہے کہ بیت اللہ کے قرب میں اس قدر مایوسی کی باتیں کر رہا ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ خداوند تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ اگر تیرے گناہ بارش کے قطرات کے برابر ہوں تو پھر بھی خداوند تعالیٰ معاف کرسکتا ہے۔

ابن لھیعہ کہتا ہے: اس نے مجھ سے کہا کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو سیّدالشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرِ مقدس کوفہ سے شام لے گئے تھے۔ جب رات ہوتی تو ہم سرِ مقدس کو زمین پر رکھ دیتے تھے اور اس کے اطراف میں شراب نوشی کرتے تھے۔ ایک رات میرے تمام ساتھی سوئے ہوئے تھے اور میں ان پر پہرہ دے رہا تھا۔ میں نے اچانک

دیکھا کہ آسمان سے بہت سے نُور نازل ہو رہے ہیں اور وہ نُور کثرت کے ساتھ تھے اور انھوں نے زمین پر آتے ہی سرِ سید الشہداؑ کا طواف شروع کر دیا۔ مجھ پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ میں مبہوت و ساکت ہو کر رہ گیا۔ اس دوران میں نے آواز سنی جو کہہ رہا تھا: "اے محمدؐ! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپؐ کے اوامر کی تعمیل کروں۔ اگر آپؐ مجھے اجازت دیں تو میں اس زمین میں زلزلہ پیدا کردوں اور ان تمام لوگوں کا انجام قومِ لوطؑ جیسا ہو جائے جس طرح وہ نابود ہو گئے تھے، ان کا بھی نام و نشان باقی نہ رہے"۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبرئیلؑ! میں قیامت کے روز ان لوگوں کے خلاف بارگاہِ خداوندی میں دعویٰ پیش کروں گا۔

میں پیغمبرؐ خدا کی طرف دوڑا اور ان کی بارگاہ میں درخواست کی تاکہ میں ہلاکت سے بچ جاؤں۔

پیغمبرؐ خدا نے مجھ سے فرمایا: اِذْهَب فَلَاغَفَرَ اللهُ لَکَ "بھاگ جا! مجھے خدا سے اُمید ہے کہ وہ تجھے کبھی نہیں بخشے گا"۔

آج تک میں اسی فکر میں ہوں کہ کیا خدا مجھے معاف کرے گا؟ (لہوف: ص ۹۸)

آہنی قلم کی تحریر

بعض منازل میں جب سرِ مطہر کو زمین پر رکھا گیا تو دیوار سے ہاتھ برآمد ہوا۔ اس نے آہنی قلم سے خون کے ساتھ دیوار پر یہ شعر تحریر کیا:

اَتَرجُوا اُمَّةٌ قَتَلَت حُسَیناً
شَفَاعَةَ جَدِّهٖ یَومَ الحِسَابِ[1]

---

[1] مجمع الزوائد ابن حجر: ج ۱، ص ۱۹۹ و خصائص سیوطی: ج ۲، ص ۱۲۷ و تاریخ ابن عساکر: ج ۴، ص ۳۴۲، صواعق محرقہ: ص ۱۱۶، کواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۷، الاتحاف بحب الاشراف: ص ۲۳، ابن طاؤس در لہوف: ص ۹۸ ان تمام نے ابن نجار کی تاریخ بغداد سے نقل کیا ہے اور تاریخ قرمانی: ص ۱۰۸ پر نقل ہے کہ ابن زیاد کے مامورین ایک دیر کے قریب پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈالا تاکہ آرام کرلیں۔ ان لوگوں نے وہاں دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا۔

⇦

"کیا وہ لوگ جنھوں نے حضرت امام حسینؑ کو شہید کیا وہ اُمید رکھتے ہیں
کہ قیامت کے دن امامؑ کے جدِّ نام واران کی شفاعت کریں گے؟"

یہ وہ بدترین لوگ تھے جو کرامات و معجزات بھی دیکھ رہے تھے باوجود اس کے نہ متنبہ ہوتے تھے اور نہ ہی ان کی شقاوت اور سفاکیت میں کمی ہوتی تھی بلکہ ان کی گمراہی میں مزید اضافہ ہوتا تھا۔

پتھر کی جاودانہ گواہی

کاروانِ ابن زیاد ابھی کسی شہر سے ایک فرسخ کے فاصلے پر تھا کہ ان لعینوں نے سرِ مطہر کو ایک پتھر پر رکھ دیا۔ سرِ مطہر سے ایک قطرۂ خون اس پتھر پر ٹپکا۔ ہر سال عاشورا کے دن وہ قطرۂ خون جوش میں آجاتا تھا۔ وہاں کے لوگ وہاں عزاداری کا اجتماع کرتے ہیں اور اس پتھر کے اردگرد گریہ وشیون کرتے ہیں۔ یہ پتھر عبدالملک بن مروان کے زمانے تک رہا۔ اس نے حکم دیا کہ اس پتھر کو کسی اور جگہ منتقل کر دیا جائے۔ جب دوسرے مقام پر پتھر کو منتقل کیا گیا تو وہاں اس میں پہلے والے آثار نہ رہے، لیکن اس شہر کے لوگوں نے اس پتھر کی جگہ ایک قبہ تعمیر کر دیا جس کا نام النقطہ رکھ دیا۔ (1)

خطط مقریزی: ج ۴، ص ۲۸۵ پر ہے: یہ شعر وہاں دیوار پر زمانہ قدیم سے تحریر تھا۔ ابن نما نے مثیر الاحزان: ص ۹۳ پر لکھا ہے کہ بعثتِ پیغمبرؐ سے تین سو سال قبل روم کے کسی شہر میں جب کھدائی کی گئی تو وہاں سے ایک پتھر نکلا کہ اس پر یہ شعر سلسلہ سند کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ اس سند کا سلسلہ شیث بن آدمؑ تک پہنچتا تھا۔

(1) نفس المہموم شیخ عباس قمی، کتاب نہر الذہب فی تاریخ حلب، ج ۳، ص ۲۳ پر تحریر ہے کہ جس وقت سید الشہداؑ کا سرِ مقدس شام کی طرف لایا جا رہا تھا جب یہ کاروان حلب کے غرب میں ایک پہاڑ کی طرف پہنچے تو وہاں سرِ مطہر سے ایک قطرۂ خون زمین پر گرا۔ اس قطرۂ خون کے احترام میں وہاں ایک عمارت بنا دی گئی جو "مشہد نقطہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کتاب کی ج ۳، ص ۲۸۰ یحییٰ بن ابی طی کی تاریخ سے روایت نقل ہے کہ یہی مشہد مذکورہ دوبارہ تعمیر شدہ ہے۔ کتاب "الاشارات الی معرفۃ الزیارات" مؤلفہ ابوالحسن علی بن ابی بکر ہروی (متوفی ۶۱۱ھ) میں نقل ہے: مشہد نقطہ شہر نصیبین میں ہے۔ وہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ سید الشہداؑ کے سرِ مقدس کے خون کے اثر سے یہاں عمارت تعمیر ہوئی۔

زیارتِ مسقط السِقط

حلب کے نزدیک ایک مشہور زیارت گاہ ہے جس کا نام مسقط السِقط ہے۔ [1] جب اہلِ بیتِ پیغمبرؐ شام کے سفر میں اس مقام پر پہنچے تو سیدالشہداؑ کی کسی زوجۂ محترمہ کا جنین سقط ہوا جن کا نام محسن رکھا گیا تھا۔ [2]

---

[1] جناب مرحوم حاج شیخ عباس قمی نفس المہموم میں لکھتے ہیں: جب میں سفرِ حج کے لیے مشرف ہوا تو میں نے اس پتھر کو دیکھا۔ وہاں کے خداموں نے مجھے یہ داستان سنائی تھی۔

[2] معجم البلدان تاریخ حموی: ج ۳، ص ۱۷۳، خریدۃ العجائب: ص ۱۲۸، اس جگہ کا نام "مشہدالطرح" ہے۔ کتاب نہرالذہب: ج ۲، ص ۲۷۸ پر نقل ہے کہ اس کا نام "مشہدالدکہ" ہے۔ مشہدالطرح حلب کے غرب میں ہے۔ اس نے تاریخ ابن طی سے نقل کیا ہے کہ مشہدالطرح ۳۵۱ھ میں تعمیر کی گئی۔ اس کی تعمیر کا سبب کچھ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ سیف الدولہ شہر سے باہر تھا اس نے اسی مقام پر آسمان سے نُور کو نازل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نُور کی کئی بار تکرار ہوئی۔ اسی ماجرہ کو دیکھ کر سیف الدولہ فوراً وہاں پہنچا اور اس نے اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا۔ جب کھودا گیا تو وہاں سے ایک پتھر نکلا جس پر لکھا ہوا تھا:
ھٰذَا قَبرُ المُحسِنِ بنِ الْحُسَیْنِ بنِ عَلِیِ بنِ اَبِی طَالِبِ۔
سیف الدولہ نے وہاں کے سادات سے اس امر کی تحقیق چاہی تو انھوں نے بتایا کہ یہ حمل حضرت فاطمہؑ دخترِ پیغمبرؐ کا ہے۔ جو بیعت امام علیؑ کے وقت سقط ہوا تھا، اس جنین کا نام محسن رکھا گیا۔ لیکن بعض مورخین کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کی کسی زوجہ کا جنین اس مقام پر سقط ہوا اور یہ وہی ہے (صحیح روایت بھی یہی ہے)۔
اس مقام پر قیمتی معدنیات تھیں جس پر وہاں کے لوگوں کی معاش کا انحصار تھا۔ وہاں کے لوگ ان معدنیات کی وجہ سے بہت خوش حال تھے۔ جب اہلِ بیتؑ کے اسیروں کا کاروان وہاں سے گزرا تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے انھیں بددعا کی جس کی وجہ سے ان کی معدنیات تباہ و برباد ہو کر رہ گئیں۔ سیف الدولہ نے وہاں پر عمارت تعمیر کی۔
معجم البلدان: ج ۳، ص ۱۷۳ نے "مادہ جوشن" کی بحث میں اور کتاب خریدۃ العجائب، ص ۱۲۸ پر شرح جبلِ جوشن کے ضمن میں لکھا ہے کہ کاروانِ اہلِ بیتؑ میں سے کسی خاتون نے اس پہاڑ پر کام کرنے والوں سے آب و نان کا مطالبہ کیا۔ ان لوگوں نے لاپروائی سے کام لیا۔ تو اس اسیر نے نفرین کی جس کی وجہ سے وہ جگہ معاش کے قابل نہ رہی۔

صومعۂ راہب

اہلِ بیتؑ کے اُسیروں کا یہ کاروان ملکِ شام کی طرف رواں دواں تھا۔ راستے میں انھوں نے ایک راہب کے صومعہ کے نزدیک منزل کی۔ وہاں پر سیّدالشہداؑ کے مقدس سر کو نوکِ سناں پر نصب کر کے صومعہ کی دیوار کے ساتھ نیزہ نصب کر دیا گیا۔ جب ابن زیاد کے مامورین سو گئے تو راہب نے دیکھا کہ سرِ مقدس تسبیح وتہلیل میں مصروف ہے۔ اس نے اچانک دیکھا کہ اس مقدس سر سے نُور بلند ہوا اور آسمان سے جا ٹکرایا۔ نصرانی نے سنا جو کہہ رہا تھا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَا عَبْدِ اللهِ۔

چونکہ وہ حقیقتِ حال سے بے خبر تھا، اس لیے وہ سخت حیران و پریشان ہوا کہ یہ واقعہ کیا ہے؟ جب ابن زیاد کے لوگ صبح جاگے تو نصرانی نے اُن سے ماجرا پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ سر حضرت امام حسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کا ہے کہ جن کی والدہ گرامی پیغمبرؐ اسلام کی دختر ہیں۔ جب راہب نے سنا تو وہ سخت غم زدہ ہوا اور ان لوگوں پر ان الفاظ میں لعنت کی:

تَبًّا لَکُمْ اَیَّتُھَا الْجَمَاعَةُ صَدَقَتِ الْاَخْبَارُ فِیْ قَوْلِھَا اِذَا قُتِلَ تَمْطُرُ السَّمَاءُ دَمًا

"اے لوگو! تم تباہ و برباد ہو جاؤ! احادیث بالکل سچ پر مبنی ہیں کہ جب وہ قتل ہوں گے تو آسمان خون کے آنسو روئے گا"۔

جب راہب کو معلوم ہوا کہ یہ سر سیّدالشہدا حضرت امام حسینؑ کا ہے تو اُس نے کہا کہ مجھے اس سر کو بوسے دینے کی اجازت دیجیے۔ تو اُنھوں نے انکار کیا۔ جب راہب نے انھیں بہت ساری رقم پیش کی تو اُنھوں نے راہب کو اجازت دے دی۔ نصرانی نے سرِ مقدس کو بوسے دیے اور سرِ مقدس کی برکت سے وہ مسلمان ہو گیا۔

ابن زیاد کے لوگ جب اپنے سفر پر روانہ ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کے درہموں پر یہ تحریر لکھی دی گئی ہے:

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ (سورۂ شعراء: آیت ۲۲۷)

"جن لوگوں نے ظلم کیا ہے اُنھیں عن قریب معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس

جگہ لوٹائے جائیں گے"۔ (تذکرۃ الخواص ابن جوزی، ص ۱۵۰)

أَيُهدِي إِلَى الشَّامَاتِ رَأْسُ ابنِ فَاطِمٍ ... وَيَقرَعُهُ بِالخَيزُرَانَةِ كَاشِحُهُ
وَتُسبَى كَرِيمَاتُ النَّبِيِّ حَوَاسِرًا ... تُغَادِي الجَوَى مِن ثُكلِهَا وَتُرَاوِحُهُ
يَلُوحُ لَهَا رَأْسُ الحُسَينِ عَلَى القَنَا ... فَتَبكِي وَيَنهَاهَا عَنِ الصَّبرِ لَائِحُهُ
وَشَيبَتُهُ مَخضُوبَةٌ بِدِمَائِهِ ... يُلَاعِبُهَا غَادِي النَّسِيمِ وَرَائِحُهُ

"کیا رحمت عالمؐ کی دختر کے فرزند کا مقدس سر ملک شام کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت و طہارت کی پیکر بیٹیاں قیدی بنا کر کوفہ سے شام کی طرف بھیج دی گئیں۔ سیّد الشہداؑ کا سر مقدس نوکِ سنان پر بلند تھا۔ بہنیں اس ظلم و ستم کو دیکھ کر روتی تھیں۔ سیّد الشہداؑ کے محاسن مبارک ان کے خون سے رنگین تھے۔ ان کی مقدس ریش ہواؤں کے چلنے سے حرکت میں تھی۔ (علامہ شیخ عبدالحسین اعسم نجفیؒ)

□□□

اہلِ بیتؑ کا شام میں ورُود

جب اُسیرانِ آلِ محمدؐ کا قافلہ دمشق شہر کے قریب پہنچا تو حضرت اُمِ کلثومؑ نے کسی کے ذریعے شمر کی طرف پیغام بھیجا کہ انھیں اس راستہ سے شہر میں داخل کیا جائے جہاں لوگوں کا ہجوم نہ ہو اور شہدا کے سروں کو ان کے محملوں سے دُور رکھا جائے تاکہ لوگ مقدس سروں کے دیکھنے میں مصروف ہوجائیں اور اس طرح ہمارے پردے بچ جائیں۔

جب شمر ملعون نے سنا تو اُس نے اِس کے برعکس عمل کیا۔ اس ملعون نے حکم دیا کہ شہدا کے سروں کے نیزوں کو محملوں کے درمیان بلند کیا جائے۔ اس نے اہلِ بیتؑ کو شہر کے اس دروازے سے گزارا جس پر لوگوں کا اژدہام بہت زیادہ تھا۔(لہوف: ص ۹۹ ومثیر الاحزان ابن نما: ص ۵۹ ومقتل العوالم: ص ۱۴۵)

ماہِ صفر کی یکم تھی کہ کاروانِ اہلِ بیتؑ واردِ دمشق ہوا۔ [1] یہ لوگ اس کاروان کو ''باب الساعات'' پر لے آئے جہاں لوگوں کا بہت بڑا اژدہام تھا جو فتح کے نشے میں سرمست تھے اور رقص وسُرود کی محفلوں میں مصروف تھے۔ اس دوران میں ایک آدمی حضرت سکینہؑ کے پاس آیا اور پوچھا: مَنْ اَیِّ السَّبَایَا اَنْتُم ''تم کس شہر ودیار کے قیدی ہو؟ اور تمھارا کس قبیلے سے تعلق ہے؟''

آپؑ نے جواب دیا: نَحْنُ سَبَایَا آلِ مُحَمَّدٍ ''ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں اپنا اسیر بنایا ہوا ہے''۔(امالی شیخ صدوق: مجلس ۳۱)

---

[1] کامل بہائی وآثار الباقیہ بیرونی، مصباح کفعمی، تقویم الحسین فیض کاشانی، ان لوگوں نے وِرُود شام یکم صفر نقل کیا ہے لیکن طبری نے لکھا ہے کہ اُسیرانِ آلِ محمدؐ ایک عرصہ تک کوفہ میں قید رہے اور جب تک شام سے حکم نہ آیا وہ کوفہ ہی میں رہے۔ طبری لکھتا ہے: یہ ممکن ہی نہیں کہ اتنا طولانی سفر اتنی مختصر مدت میں طے کرلیا جائے۔ ہاں! یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سفر فوق العادت صورت میں ہوا ہو یا ہوائی راستے سے۔ جب کہ نہ یہ سفر فوق العادت ہوا اور نہ ہی ہوائی راستے سے۔

جس دن اُسیرانِ آلِ محمدؑ واردِ دمشق ہوئے اسی دن یزید اپنے محل جیرون میں تھا تا کہ دمشق شہر کے باہر کے مناظر کا مشاہدہ کرے۔ جب اس کی نگاہ شہدا کے مقدس سروں پر پڑی اور وہ قصر جیرون کے دروازے پر پہنچے تو کوے نے کائیں کائیں کی آواز بلند کی۔ جب یزید نے کوے کی آواز سنی تو یہ اشعار پڑھے:

لَمَّا بَدَتِ الحُمُولُ وَأَشْرَقَتْ　　تِلْكَ الشُّمُوسُ عَلَى رُبَى جَيْرُوْنِ
نَعَبَ الغُرَابُ فَقُلْتُ قُلْ أَوْ لَا تَقُلْ　　فَقَدْ أَقْضَيْتُ مِنَ الرَّسُوْلِ دُيُوْنِي

"جب محمل ظاہر ہوئے اور شہدا کے سر آفتاب کے مانند جیرون کے ٹیلوں پر چمکے تو کوے نے کائیں کائیں کی آواز بلند کی۔ مَیں نے اُسے کہا: اب تو اپنی آواز بلند کر یا نہ کر مَیں نے رسولؐ اللہ سے اپنا قرض چکا لیا ہے"۔

یزید کے یہ کفریہ اشعار اس کے کفر پر دلالت کرتے ہیں اس لیے ابن جوزی، قاضی ابویعلی، تفتازانی اور جلال الدین سیوطی نے یزید پر کفر کا حکم لگایا ہے اور اس پر لعنت کی ہے۔[1]

حضرت سہل بن ساعد ساعدی کی روایت

حضرت سہل بن ساعد ساعدی رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ اس کا بیان ہے کہ مَیں اس محمل کے قریب گیا جس پر حضرت سکینہؑ سوار تھیں۔ تو مَیں نے ان کے حضور عرض کیا: اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مَیں حاضر ہوں؟

آپؑ نے فرمایا: اگر ممکن ہے تو اس نیزہ بردار سرِ مطہر امامؑ کو کچھ رقم دے دو تا کہ وہ ان کے سر کو ہم سے دُور لے جائے اس لیے کہ لوگ ان کے مقدس سر کو دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ہمارا پردہ بچ جائے۔

---

[1] روح المعانی آلوسی: ج۲۶، ص ۳، فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ (سورۂ محمد: آیت ۲۲) کی تفسیر کے تحت لکھا ہے کہ یزید کی اپنے اس مصرعہ سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے روز بدر یزید کے دادا عتبہ و چچا اور اس کے خاندان کے دوسرے لوگوں کو قتل کیا تھا اور آج مَیں نے اس کے اہلِ بیتؑ کو قتل کر کے اُن کا بدلہ لے لیا ہے۔ علامہ آلوسی نے کہا ہے کہ یزید کافر تھا۔ اس کے علاوہ اس کے دوسرے اشعار اس کے کفر قطعی پر دلالت کرتے ہیں جیسے لَيْتَ أَشْيَاخِي بِبَدْرٍ شَهِدُوْا۔

جنابِ سہل کا کہنا ہے: مَیں نے نیزہ بردار کو چارصد طلائی دینار دیے اور وہ سرِ سیّدالشہدا کے نیزے کو دُور لے گیا۔ ①

شام کے بازار میں ایک بوڑھا آدمی حضرت امام سجاد علیہ السلام کے قریب آیا اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اَھلَکَکُمْ وَاَمْکَنَ الْاَمِیْرُ مِنکُم "خدا کا شکر ہے کہ اُس نے تمھیں ہلاک کیا اور امیر مسلمین (یزید) کو تم پر فتح دی"۔

اس مقام پر جب حضرت امام سجاد علیہ السلام کی اس بے چارے فریب خوردہ پر نظرِ امامت پڑی کہ یہ بوڑھا حکومتِ وقت کے زہریلے پروپیگنڈے کا شکار ہے تو اِسے رحم و کرم کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ آپؑ نے اس کی حقیقت سمجھ لی تھی کہ یہ آدمی ہدایت و ارشاد کے قابل ہے۔ اہلِ بیتؑ جہاں ہدایت کی اہلیت دیکھتے تھے تو وہاں اپنے اَنوارِ ہدایت سے اُسے منور کر دیتے تھے اور اُسے ظلمت و جہل سے نجات دلا دیتے تھے۔ اس لیے امامؑ نے اس بوڑھے سے فرمایا:

يَاشَيْخُ أَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ "کیا تُو نے قرآنِ مجید پڑھا ہے؟"

اس نے جواب دیا: جی ہاں! مَیں نے قرآن پڑھا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تُو نے یہ آیت پڑھی ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے: میں تم سے اس کے سوا کوئی اُجرت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے مودّت کرو"۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۲۳)

اس نے کہا: جی ہاں! یہ آیت پڑھی ہے۔

---

① مقتل العوالم: ص ۱۴۵، منتہی الآمال اور کامل بہائی میں لکھا ہے کہ آلِ محمدؐ کے اُسیروں کو دروازۂ شام پر تین شبانہ روز ٹھہرایا گیا اور شہر کو آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔ اس دروازے پر بہت بڑا ہجوم تھا اور ناچنے والوں کو جمع کیا گیا۔ ڈھول و طبل بج رہے تھے اور گلوکار گانے گا رہے تھے۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تُو نے یہ آیت پڑھی ہے: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ

اس بوڑھے نے جواب دیا: جی ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا اس آیت کو بھی پڑھا ہے:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

"اور جان لو کہ تم مالِ غنیمت میں سے جو کچھ لو اس کا پانچواں حصّہ اس کے رسولؐ اور رسولؐ کے قرابت داروں کا ہے"۔ (سورۂ انفال: آیت ۴۱)

بوڑھے نے کہا: جی ہاں۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو آں حضرتؑ نے فرمایا: نَحْنُ وَاللّٰهِ الْقُرْبٰی فِیْ هٰذِهِ الْآیَاتِ "خدا کی قسم! ان آیات میں جہاں ذوالقربیٰ کی بات ہے وہ ذوالقربیٰ ہم ہیں"۔

بعدازیں اس سے امام علیہ السلام نے پوچھا: کیا تُو نے یہ آیت پڑھی ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝

"بے شک! اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ تم اہلِ بیتؑ سے رجس کو دُور رکھے اور وہ تم کو ایسے پاک رکھے جیسے پاک رکھنے کا حق ہے"۔ (سورۂ احزاب: آیت ۳۳)

اس بوڑھے نے کہا: جی ہاں! یہ بھی پڑھی ہے۔

آں حضرتؑ نے فرمایا: ہم ہی وہ اہلِ بیتؑ رسالتؐ ہیں۔ اس آیت کو اللہ نے ہماری ہی شان میں اُتارا ہے۔

یہ سن کر اس بوڑھے میں انقلاب برپا ہوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور کہا: بخدا! کیا آپؑ ہی پیغمبرؐ خدا کے اہلِ بیتؑ ہیں؟

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں! مجھے اپنے نانا رسولؐ کی قسم! ہم ہی اس کے اہلِ بیتؑ ہیں۔

جب بوڑھے نے سنا تو پشیمان ہوا اور اپنے آپ کو امامؑ کی پشت کی طرف گرایا۔ آپؑ کے پاؤں مبارک پر بوسے بھی دیتا تھا اور کہتا تھا: جن لوگوں نے آپؑ کو قتل کیا ہے میں ان سے بیزار ہوں۔ اس نے امامؑ کے سامنے اپنی گستاخی کی معافی مانگی۔

جب اس بوڑھے کی داستان یزید تک پہنچی تو اس نے اس بوڑھے کو قتل کرا دیا تاکہ کسی کو اہلِ بیتؑ کی طرف مائل ہونے کی جرأت نہ ہو۔ (لہوف: ص ۱۰۰۔ تفسیر آلوسی: ج ۲۵، ص ۳۱۔ تفسیر ابن کثیر: ج ۴، ص ۱۱۲۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۶۱)

غَدًا تُتلِي صَحَائِفُ الْاَعْمَالِ بِاَيَّةِ آيَةٍ يَاتِي يَزِيدُ

وَقَدْ صَمَّتْ جَمِيعُ الْخَلْقِ ﴿قُلْ لَآ﴾ وَقَامَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَرْشِ يَتْلُوا

''کل قیامت کے دن جب صحائف اعمال کھولے جائیں گے تو یزید کس آیت کا سہارا لے کر میدانِ قیامت میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کھڑے ہوں گے وہ تلاوت کر رہے ہوں گے اور تمام مخلوق خاموش ہوگی''۔ (تفسیر آلوسی: ج ۲۵، ص ۳۱)

□□□

دربارِ یزید اور اَسیرانِ آلِ محمدؐ

قبل اس کے کہ اَسیرانِ آلِ محمدؐ کو یزید کے دربار میں پیش کیا جاتا، حکومتی درندوں نے آلِ محمدؐ کے ہر فرد کو ایک رسی میں باندھا۔ رسی کے ایک سرے سے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی گردن بندھی ہوئی تھی اور اُسی رسی سے عقیلۂ قریش کا بازو باندھا ہوا تھا۔ اسی رسی سے حضرت اُمِ کلثومؑ اور باقی خواتین کو باندھا گیا تھا۔ آلِ محمدؐ کی ان خواتین کا بیان ہے کہ ہم میں سے جب کوئی اپنے قدم آہستہ اُٹھاتا تو اُسے تازیانوں اور نیزوں سے مارا جاتا تھا۔

جس وقت یہ فخرِ موجودات اَسیر یزید کے دربار میں داخل ہوئے تو وہ اپنے تخت پر ایک مخصوص جگہ پر تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ سب سے پہلے حضرت امام علی ابن الحسینؑ نے فرمایا:

مَا ظَنُّکَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ لَوْ یَرَانَا عَلٰی ھٰذَا الْحَالِ "اے یزید! سوچ اگر ہمیں اللہ کے رسولؐ اس حال میں دیکھیں تو ان پر کیا گزرے؟"

جب امام علیہ السلام کی اس ملکوتی آواز کو حاضرین نے سنا تو ہر طرف سے گریہ وشیون کی آوازیں بلند ہوئیں تو یزید نے حکم دیا کہ ان کی یہ رسیاں کھول دی جائیں اور ان قیدیوں کو جامع مسجد شام کی سیڑھیوں کے ساتھ کھڑا کردیا جائے۔ یزیدی فوجیوں نے سیدالشہداءؑ کے مقدس سر کو طلائی طشت میں رکھ کر یزید کے سامنے رکھا۔ یزید نے سرِ مبارک پر نگاہ کی اور کہا:

صَبَرْنَا وَکَانَ الصَّبْرُ مِنَّا سَجِیَّۃً   وَأَسْیَافُنَا یَقْطَعْنَ ھَامًا وَمِعْصَمًا

نُفَلِّقُ ھَامًا مِنْ رِجَالٍ أَعِزَّۃٍ   عَلَیْنَا وَھُمْ کَانُوْا أَعَقَّ وَأَظْلَمَا

"ہم نے صبر کیا اور صبر کرنا ہماری عادت ہے۔ ہماری تلواروں نے سروں اور ہاتھوں کو کاٹ ڈالا۔ ہم نے ان مردوں کے سروں کو شگافتہ کرڈالا جو ہماری نافرمانی کرتے تھے اور ہمارے حق میں ظالم تھے"۔

بعدازیں یزید نے نعمان بن بشیر سے کہا: الحمدللہ! خدا نے اسے قتل کرڈالا۔

نعمان نے جواب دیا: تمہارے باپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ حسینؑ قتل ہو جائے۔

یزید نے کہا: جی ہاں! یہ اس وقت کی بات ہے، جب حسینؑ نے خروج نہیں کیا تھا۔ اگر حسینؑ میرے باپ پر خروج کرتے تو وہ بھی انھیں قتل کر دیتا۔ (مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۵۹)

یزید ملعون کی حضرت امام سجاد علیہ السلام سے گفتگو

یزید ملعون نے حضرت امام سجاد علیہ السلام سے کہا: اے علیؑ بن الحسینؑ! تم نے اللہ کی قدرت کو کیسے پایا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: رَأَیتُ مَا قَضَاهُ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ قَبلَ اَن یَخلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ "ہم نے وہی کچھ دیکھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے قبل مقدر فرمایا تھا"۔

یزید حضرت امام سجاد علیہ السلام پر اس قسم کے کئی سوالات کرتا رہا تا کہ کسی مقام پر اُسے امامؑ کے قتل کا بہانہ مل جائے۔ جب ایسا کوئی بہانہ اس کے ہاتھ نہ لگا تو اُس نے اپنے مقربین سے امامؑ کے قتل کا مشورہ لیا۔ یزید کے مشیروں نے اُسے قتل کا مشورہ دیا۔

امام سجادؑ نے جب دیکھا کہ یزید نے ان کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے تو آپؑ نے فرمایا: "اے یزید! تیرے مشیروں اور درباریوں نے میرے قتل کے بارے میں جناب موسیٰؑ اور جناب ہارونؑ کے قتل کے سلسلے میں فرعون کے درباریوں کے برعکس مشورہ دیا ہے۔ جب فرعون نے چاہا تھا کہ جناب موسیٰؑ اور جناب ہارونؑ کو قتل کر دے تو اس کے مشیروں نے کہا تھا: اَرْجِهْ وَاَخَاهُ "اب موسیٰؑ اور ان کے بھائی کو جانے دے"۔ لیکن تیرے مشیروں نے میرے قتل کا مشورہ دیا ہے۔ انبیاؑ اور ان کی اولاد کے قتل کا مشورہ صرف وہی دیتے ہیں جو حرام زادے ہوتے ہیں"۔

جب یزید نے امام علیہ السلام کی گفتگو سنی تو اپنا سر جھکا لیا اور قتلِ امامؑ کا ارادہ ترک کر دیا۔ (اثبات الوصیۃ مسعودی: ص ۱۴۲، مطبوعہ نجف اشرف)

حضرت امام سجاد علیہ السلام اور یزید کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

یزید نے امام سجاد علیہ السلام سے کہا: مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیکُمْ

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ "اور مصیبت انسان پر پڑتی ہے وہ اس کے اپنے ہی اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور اس پر بھی وہ بہت کچھ معاف کر دیتا ہے"۔ (سورۂ شوریٰ: آیت ۳۰)

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰكُمْ (سورۂ حدید: آیت ۲۲-۲۳)

"کوئی مصیبت زمین پر اور تم پر نہیں پڑتی مگر یہ کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔ اللہ کے لیے یقیناً یہ آسان ہے تاکہ جو چیز تم لوگوں کے ہاتھ سے چلی جائے اس پر رنجیدہ نہ ہو اور جو چیز تم لوگوں کو عطا ہو اس پر اِترایا نہ کرو"۔ (تفسیر علی بن ابراہیم قمی: ص ۱۰۳، عقد الفرید: ج ۲، ص ۳۱۳)

امام علیہ السلام کی گفتگو کے بعد یزید نے فضل بن عباس کا یہ شعر پڑھا:

مَهْلًا بَنِىْ عَمِّنَا مَهْلًا مَوَالِيْنَا
لَا تَنْبِشُوا بَيْنَنَا مَا كَانَ مَدْفُوْنًا

"اے ہمارے چچازاد بھائیو! رُک جاؤ جو کچھ ہمارے تمہارے درمیان ہوا اور دفن ہو گیا اب اُسے مت کھولو"۔ (محاضرات راغب اصفہانی، ج ۱، ص ۷۷۵)

بعد ازیں امام علیہ السلام نے فرمایا: میں کچھ کہنا چاہتا ہوں مجھے کہنے دو؟

یزید نے کہا: کہیے! لیکن اِدھر اُدھر کی بات مت کیجیے۔

امام علیہ السلام نے جواب دیا: میرا منصب ہی مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں کوئی ناشائستہ بات کروں تُو مجھے نصیحت کرنے والا کون ہوتا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں اس حال میں دیکھ لیں تو تیرا کیا خیال ہے کیا وہ خوش ہوں گے یا غم زدہ اور محزون؟

جب یزید نے امام علیہ السلام کی یہ بات سنی تو حکم دیا کہ امامؑ کے گلے سے طوق اُتار لیے جائیں۔ (مثیر الاحزان ابن نما: ص ۵۴)

اسی دوران یزید نے اپنے خطیب کو حکم دیا کہ وہ منبر پر جائے اور معاویہ کی مدح وثنا بیان کرے اور حسین علیہ السلام اور اس کے خاندان کی مذمت کرے۔

یزید کا درباری خطیب منبر پر آیا، اس سے جس قدر ممکن ہوا اس نے حضرت امام علی علیہ السلام اور حضرت سیّدالشہداؑ کی مذمت کی۔ جب درباری خطیب اخلاق کی حدود پھلانگنے لگا تو حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اُسے آواز دی:

وَيْلَكَ أَيُّهَا الخَاطِبُ لَقَدِ اشْتَرَيْتَ مَرضَاةَ الْمَخْلُوقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ فَتَبَوَّأْ مَقْعَدَكَ فِي النَّارِ

"اے خطیب! تجھ پر افسوس ہے کہ تُو نے مخلوق کی رضا کے لیے اللہ کی ناراضی مول لی ہے، تیرا ٹھکانہ جہنّم ہے"۔ (نفس المہموم: ص ۲۴۲، منتہی الآمال)

أَعَلَى الْمَنَابِرِ تُعلِنُونَ بِسَبِّهِ
وَبِسَيفِهِ نُصِبَت لَكُمْ أَعوَادُهَا

"منبروں پر بلند ہو کر جسے تم سب وشتم کرتے ہو اُسی کی تلوار سے یہ منبر نصب کیے گئے ہیں۔ یعنی یہ تمھاری حکومت اُسی کی مرہونِ منت ہے جس نے کفار ومشرکین کو قتل کر کے مسلمانوں کو حکومت عطا کی"۔

اس دوران میں امام سجاد علیہ السلام نے یزید سے کہا: مجھے اجازت دی جائے کہ میں منبر پر وہ مطالب بیان کروں جن میں اللہ کی رضا اور سامعین کے لیے اجر ہے؟

یزید نے امام علیہ السلام کا مطالبہ تسلیم نہ کیا۔ حاضرین نے اصرار کیا کہ اُنھیں خطاب کی اجازت دے دو لیکن یزید نے ان کی بات قبول نہ کی۔ آخر اس کے بیٹے معاویہ نے اُسے کہا کہ یہ جوان کمزور و بیمار ہے، اُسے بات کرنے دیجیے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کیا کہتا ہے؟

یزید نے کہا: إِنَّ هٰؤُلَاءِ وَرِثُوا الْعِلْمَ وَالفَصَاحَةَ..... وَزُقُّوا الْعِلْمَ زَقًّا "یہ وہ خانوادہ

ہے جو علم اور فصاحت کے وارث ہیں۔ انھیں علم اس طرح دیا گیا ہے کہ ان کی رگ رگ اور نَس نَس میں رچ بس گیا ہے۔ یہ ہر صورت میں گفتگو کرسکتا ہے (کامل بہائی)۔ جب ہر طرف سے اصرار ہونے لگا تو آخرکار یزید کو امامؑ کے خطاب کا مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔

حضرت امام سیّدالساجدین علیہ السلام کا دربار یزید میں تاریخی خطبہ

حضرت امام سجاد علیہ السلام منبر پر تشریف لائے سب سے پہلے پروردگار کی حمد وثنا بیان کی پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا بَدَایَةَ لَهٗ ، وَالدَّائِمُ الَّذِیْ لَا نَفَادَ لَهٗ ، وَالْاَوَّلُ الَّذِیْ لَا اَوَّلِیَّةَ لَهٗ ، وَالْاٰخِرُ الَّذِیْ لَا اٰخِرِیَّةَ لَهٗ ، وَالْبَاقِیْ بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ قَدَّرَ اللَّیَالِیْ وَالْاَیَّامِ ، وَقَسَّمَ فِیْمَا بَیْنَهُمُ الْاَقْسَامَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ الْمَلِكُ الْعَلَّامُ

"تمام تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں کہ جس کا آغاز نہیں۔ وہ دائم و پائیداری رکھتا ہے، وہ نابودیت نہیں رکھتا۔ وہ اوّل ہے اس کے لیے اوّلیت کی حد نہیں ہے۔ وہ سب سے آخر ہے اس کی اُخرویت کی حد نہیں ہے۔ وہ مخلوق کی فنا کے بعد جاودانہ ہے۔ اس نے رات اور دن کی مقدار معین کی۔ رزق کی تقسیم وتوزیع اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ بابرکت ہے وہ ذات جو فرماں روا ہے اور دانا وحکیم ہے"۔

اَیُّهَا النَّاسُ! اُعْطِیْنَا سِتًّا، وَفُضِّلْنَا بِسَبْعٍ اُعْطِیْنَا الْعِلْمَ وَالْحِلْمَ وَالسَّمَاحَةَ ، وَالْفَصَاحَةَ ، وَالشَّجَاعَةَ ، وَالْمَحَبَّةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَفُضِّلْنَا بِاَنَّ مِنَّا النَّبِیَّ الْمُخْتَارَ مُحَمَّدٌ ، وَ مِنَّا الصِّدِّیْقُ وَ مِنَّا الطَّیَّارُ، وَ مِنَّا اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ ، وَ مِنَّا سِبْطَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ ، مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنِیْ اَنْبَاْتُهٗ بِحَسَبِیْ وَنَسَبِیْ،

اَیُّهَا النَّاسُ! اَنَا ابْنُ مَكَّةَ وَمِنٰى اَنَا ابْنُ زَمْزَمَ وَصَفَا ، اَنَا ابْنُ مَنْ حَمَلَ الرُّكْنَ بِاَطْرَافِ الرِّدَاءِ اَنَا ابْنُ خَيْرِ مَنِ ائْتَزَرَ وَارْتَدٰى ، اَنَا اِبْنُ خَيْرِ مَنْ اِنْتَعَلَ وَاحْتَفٰى اَنَا اِبْنُ خَيْرِ مَنْ طَافَ وَسَعٰى ، اَنَا اِبْنُ خَيْرِ مَنْ حَجَّ وَلَبّٰى ، اَنَا اِبْنُ مَنْ حُمِلَ عَلَى الْبُرَاقِ فِي الْهَوَاءِ اَنَا ابْنَ مَنْ اُسْرٰى مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى، اَنَا اِبْنَ مَنْ بَلَغَ بِهٖ جَبْرَئِيْلُ اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ، اَنَا ابْنُ مَنْ دَنٰى فَتَدَلّٰى ، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ، اَنَا ابْنُ مَنْ صَلّٰى بِمَلَائِكَةِ السَّمَاءِ ، اَنَا ابْنُ مَنْ اَوْحٰى اِلَيْهِ الْجَلِيْلَ مَا اَوْحٰى ، اَنَا اِبْنُ مُحَمَّدِ الْمُصْطَفٰى، اَنَا ابْنُ عَلِيِّ نِ الْمُرْتَضٰى، اَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ خَوَاطِيْمَ الْخَلْقِ حَتّٰى قَالُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، اَنَا ابْنُ مَنْ ضَرَبَ بَيْنَ يَدَیْ رَسُوْلِ اللهِ بِسَيْفَيْنِ وَطَعَنَ بِرُمْحَيْنِ ، وَهَاجَرَ الْهِجْرَتَيْنِ ، وَبَايَعَ الْبَيْعَتَيْنِ، وَقَاتَلَ بِبَدْرٍ وَحُنَيْنٍ، وَلَمْ يَكْفُرْ بِاللهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ، اَنَا ابْنُ صَالِحِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَوَارِثِ النَّبِيِّيْنَ، وَقَامِعِ الْمُلْحِدِيْنَ، وَيَعْسُوْبِ الْمُسْلِمِيْنَ ، وَنُوْرِ الْمُجَاهِدِيْنَ، وَزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ، وَتَاجِ الْبَكَّائِيْنَ ، وَاَصْبَرِ الصّٰبِرِيْنَ ، وَاَفْضَلِ الْقَائِمِيْنَ، مِنْ آلِ يٰسٓ رَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، اَنَا ابْنُ الْمُؤَيَّدِ بِجَبْرَئِيْلَ ، الْمَنْصُوْرِ بِمِيْكَائِيْلَ ، اَنَا ابْنُ الْمُحَامِي عَنْ حَرَمِ الْمُسْلِمِيْنَ وَقَاتِلِ الْمَارِقِيْنَ، وَالنَّاكِثِيْنَ ، وَالْقَاسِطِيْنَ، وَالْمُجَاهِدِ اَعْدَائِهِ النَّاصِبِيْنَ، وَاَفْخَرِ مَنْ مَشٰى مِنْ قُرَيْشٍ اَجْمَعِيْنَ وَاَوَّلَ مَنْ اَجَابَ وَاسْتَجَابَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَاَوَّلَ السَّابِقِيْنَ، وَقَاصِمِ الْمُعْتَدِيْنَ وَمُبِيْدِ الْمُشْرِكِيْنَ، وَسَهْمٍ عَنْ مَرْمَى اللهِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ، وَلِسَانِ حِكْمَةِ الْعَابِدِيْنَ ، وَنَاصِرِ دِيْنِ

اللهِ ، وَوَلِيِّ اَمرِ اللهِ، وَبُستَانِ حِكْمَةِ اللهِ، وَعَيبَةِ عِلْمِهٖ مَسْمِحٌ، سَخِيٌّ بَهِيٌّ بُهْلُولٌ زَكِيٌّ ، اَبْطَحِيٌّ رَضِيٌّ مِقْدَامٌ ، هُمَامٌ ، صَابِرٌ صَوَّامٌ، مُهَذَّبٌ قَوَّامٌ قَاطِعُ الْاَصْلَابِ، وَمُفَرِّقُ الْاَحْزَابِ، اَرْبَطُهُمْ عِنَانًا، وَاشْتَهُمْ جَنَانًا وَاَمْضَاهُمْ عَزِيْمَةً وَاَشَدُّهُمْ شَكِيْمَةً ، اَسَدٌ بَاسِلٌ يَطْحَنُهُمْ فِي الْحُرُوْبِ اِذَا دَلَفَتِ الْاَسِنَّةُ وَقَرُبَتِ الْاَعِنَّةُ طَحْنُ الرَّحٰى ، وَيَذْرُوهُمْ فِيْهَا ذَرْوَ الرِّيْحِ الْهَشِيْمِ لَيْثُ الْحِجَازِ وَكَبْشُ الْعِرَاقِ مَكِّيٌّ مَدَنِيٌّ، خَيْفِيٌّ ، عَقَبِيٌّ، بَدْرِيٌّ ، اُحُدِيٌّ ، شَجَرِيٌّ، مُهَاجِرِيٌّ، مِنَ الْعَرَبِ سَيِّدُهَا، وَمِنَ الْوَغَا لَيْثُهَا ، وَارِثُ الْمَشْعَرَيْنِ ، وَاَبُو السِّبْطَيْنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ ، ذَاكَ جَدِّي عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ،

ثُمَّ قَالَ اَنَا اِبْنُ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ ، اَنَا ابْنُ سَيِّدَةِ النِّسَاءِ، اَنَا ابْنُ خَدِيْجَةَ الْكُبْرٰى، اَنَا اِبْنُ الْمَقْتُوْلِ ظُلْمًا ، اَنَا اِبْنُ الْمَجْزُوْزِ الرَّأْسِ مِنَ الْقَفَا ، اَنَا اِبْنُ الْعَطْشَانِ حَتّٰى قَضٰى ، اَنَا اِبْنُ طَرِيْحِ كَرْبَلَا ، اَنَا ابْنُ مَسْلُوْبِ الْعِمَامَةِ وَالرِّدَاءِ، اَنَا ابْنُ مَنْ بَكَتْ عَلَيْهِ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ ، اَنَا اِبْنُ مَنْ نَاحَتْ عَلَيْهِ الْجِنُّ فِي الْاَرْضِ وَالطَّيْرُ فِي الْهَوَاءِ ، اَنَا ابْنُ مَنْ رَأْسُهُ عَلَى السِّنَانِ يُهْدٰى ، اَنَا اِبْنُ مَنْ حَرَمُهُ مِنَ الْعِرَاقِ اِلَى الشَّامِ تُسْبٰى،

اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللهَ تَعَالٰى وَلَهُ الْحَمْدُ اِبْتَلَانَا اَهْلَ الْبَيْتِ بِبَلَاءٍ حَسَنٍ ، حَيْثُ جَعَلَ رَايَةَ الْهُدٰى وَالْعَدْلِ وَالتُّقٰى فِيْنَا وَجَعَلَ رَايَةَ الضَّلَالَةِ وَالرَّدٰى فِي غَيْرِنَا

"اے لوگو! ہم وہ ہیں جنھیں چھ چیزیں عطا کی گئی ہیں اور سات چیزوں سے ہمیں کائنات میں برتری دی گئی ہے۔ ہمیں حکمت و دانش، حلم و بردباری، حُسن و جمال، فصاحت و شجاعت اور مومنین کی محبت عطا کی گئی ہے۔

وہ فضائل جو ہمارے پاس ہیں کسی اور کے پاس نہیں ہیں۔ نبی احمد مختار ہم سے ہیں۔ صدیق اکبر حیدر کرّار ؑ ہم سے ہیں (علَم بردار) رسولؐ۔ جعفر طیار ہم سے ہیں۔ اسد اللہ واسد رسولؐ (حضرت حمزہؓ) ہم سے ہیں۔

اے لوگو! جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے جو نہیں جانتا میں اُسے بتانا چاہتا ہوں کہ میرا حسب نسب کیا ہے۔

اے لوگو! میں فرزند مکّہ ومنیٰ ہوں، میں فرزند زم زم وصفا ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے حجر اسود کو اپنے مقام پر رکھا تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جو بنو آدمؑ سے افضل بھی ہے اور اعلیٰ بھی ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو ہر صاحب نعل اور برہنہ پا کا سیّد وسردار ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو ہر طواف کرنے والے سے بہتر و برتر ہے اور ہر سعی کرنے والے سے اَرفع و اعلیٰ ہے۔ میں اس کا فرزند ہوں جو تمام حجاج اور تلبیہ کرنے والے کا آقا و مولا ہے۔

مَیں اس کا فرزند ہوں کہ جس نے بُراق پر سوار ہو کر کرّات سماوی کے صدیوں پر مشتمل مسافتوں کو لمحوں میں طے کیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جو صاحب معراج ہے جو رات کو مسجد حرام سے چلا اور مسجد اقصیٰ پر منزل کی۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو جبرئیل امینؑ کی ہمراہی میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا، میں اس کا فرزند ہوں جس کی منزلت کبھی ''دَنٰی فَتَدَلّٰی'' ہے اور کبھی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ہے۔

مَیں اس کا فرزند ہوں جس کی امامت میں ملائکہ آسمانی نے نماز ادا کی۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس کی طرف رب جلیل نے عالمِ معراج میں وحی فرمائی اور جو وحی فرمائی۔

مَیں محمد مصطفیٰؐ کا فرزند ہوں۔ مَیں علی مرتضیٰؑ کا فرزند ہوں۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے شمشیرِ آب دار سے کفر وشرک کی ناک کو رگڑا اور وہی

شرک وکفر اس کے خوف سے پکار اُٹھا: لا الٰہ الا اللہ!

مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے دو تلواروں اور دو نیزوں [1] کے ساتھ جنگ کی اور کفر وشرک کا صفایا کیا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جسے دو ہجرتوں [2] کا قرآنی تمغہ ملا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جسے دو بیعتوں [3] کا اعزاز ملا۔

مَیں اس کا فرزند ہوں جو فاتحِ بدر اور فاتحِ حنین ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے لحہ بھر بھی اللہ کا انکار نہیں کیا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو مومنوں کا امیر ہے۔

مَیں اس کا فرزند ہوں جو انبیاؑ کا وارث ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے کفر والحاد کو جڑوں سمیت اُکھاڑ پھینکا تھا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو اہلِ اسلام کا سلطان ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو مجاہدین کی آنکھوں کی روشنی ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو عابدین کی عبادت کی زینت ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو خوفِ الٰہی میں رونے والوں کا سرتاج ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو صبر وشکر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو بندگی وعبادت میں آلِ یٰسین کا فخر ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے اسلام کی پاسبانی کی۔ مَیں اس کا فرزند ہوں کہ جس نے خوارج کو بیخ وبن سے اُکھاڑ پھینکا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے باغیوں کی بغاوت کو کچل ڈالا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں، جس نے میدانِ صفین میں منافقین کا صفایا کر دیا۔

وہ فخرِ قریش عرب ہیں، وہ ہر فرد سے بہتر و برتر ہیں۔ مَیں اس کا فرزند

---

[1] دو تلواروں اور دو نیزوں سے مراد ہے کہ امام علی علیہ السلام نے رسولِ اسلام کی زندگی میں تنزیل کے تحت تلوار و نیزہ اُٹھایا تھا اور رسولِ اسلام کے بعد تاویلِ قرآن کے تحت تلوار و نیزہ اُٹھایا اور مارقین، ناکثین اور قاسطین سے جنگ کی۔

[2] دو ہجرتوں سے مراد، مکہ سے شعب ابی طالب اور مکہ سے مدینہ ہے۔

[3] دو بیعتوں سے مراد بیعتِ مکہ و بیعتِ شجرہ ہے۔

ہوں جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی آواز پر لبیک کہا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو سابق الاسلام ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے سرکشوں کو کچل ڈالا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس نے مشرکین کو درہم برہم کر دیا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو اللہ کے تیروں میں سے ایک تیر تھے، جس کا ہدف منافقین تھے۔

وہ عابدین کی حکمت کی لسان تھے۔ وہ ناصر دین اللہ تھے۔ وہ ولی امر اللہ تھے، وہ بستانِ حکمت اللہ تھے۔ وہ خزینۂ علم الٰہی تھے۔ وہ بحر جود وسخا تھے۔ وہ صبغۃ اللہ تھے۔ وہ جامع جمیع کمال وصفات تھے۔ وہ ذکی تھے، ابطحی (۱) تھے، رضی (۲) تھے، مقدام (۳) تھے، ہمام (۴) تھے، صابر تھے، صدام تھے۔ وہ مہذب تھے، قوام (۵) تھے، قاطع اصلاب تھے۔ مفرق احزاب تھے۔ ثابت قدم تھے۔ پُرعزم ہیں پُرعزم تھے، نہ جھکنے والے تھے، نہ بکنے والے تھے۔ وہ شیر بیشۂ شجاعت تھے۔

جب نیزہ برداروں کی جماعت ان پر حملہ آور ہوتی اور گھڑسواروں کے گروہ در گروہ ان پر اپنا گھیرا تنگ کر کے اپنی خون آشام تلواروں کے وار کرتے تو وہ انھیں اس طرح اپنے تابڑ توڑ حملوں کے ساتھ پیس کر رکھ دیتے تھے۔ جیسے چکی گھوم کر گندم کے دانوں کو پیس کر رکھ دیتی ہے۔ وہ مردان شجاع کی کثرت اور ان کی جنونی جنگی طاقت اور ان کے جوش و ولولوں کو اس طرح بکھیر دیتے تھے، جس طرح تیز آندھیاں

---

(۱) ابطحی: بطحا سے منسوب۔

(۲) رضی: راضی بقضا۔

(۳) مقدام: ہر خیر کی طرف سب سے اوّل۔

(۴) ہمام: بلند ہمت۔

(۵) قوام: منتظم معاشرہ و اُمور سلطنت۔

بھوسے کے ڈھیر کو فضاؤں میں بکھیر دیتی ہیں۔

مَیں اس کا فرزند ہوں جس کی ہیبت و شجاعت پر اہلِ حجاز نازاں ہیں۔

مَیں اس کا فرزند ہوں جس کی سیادت و قیادت پر اہلِ عراق شاداں و فرحان ہیں۔ وہ مکی ہیں، مدنی ہیں۔ خیفی ہیں، عقبی ہیں، بدوی ہیں، اُحدی ہیں، شجری ہیں، وہ تمام مہاجرین عرب کے آقا و مولا ہیں۔ وہ میدانِ کارزار میں بڑھ چڑھ کر حملے کرنے والے ہیں۔ وہ وارثِ مشعرین ہیں اور ابوسبطین (الحسنؑ والحسینؑ) ہیں، یہی میرے دادا علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: میں فرزند زہراؑ ہوں۔ میں فرزند سیّدہ نساء العالمین ہوں۔ میں ملیکۂ العرب خدیجہؑ الکبریٰ کا فرزند ہوں۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو کشتۂ جور و جفا ہے۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جو مَذبُوحٌ مِنَ القَفَا ہے۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے وقتِ شہادت کہا: اَنَا عَطشَانٌ۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جسے خون میں غلطاں کر کے بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس کے بدن مبارک کو لوٹا گیا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس پر زمین میں جنوں نے اور فضاؤں میں پرندوں نے نوحہ و نُدبہ کیا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس کے سر کو نوکِ نیزہ پر بلند کیا گیا۔ مَیں اس کا فرزند ہوں جس کے اہلِ بیتؑ کو کوفہ و شام کا قیدی بنایا گیا۔

اے لوگو! وہ معبودِ برحق بلند و بالا ہے۔ تمام حمد و ثنا اسی کے لیے ہے۔ اس ذات نے اپنے رسولؐ کے اہلِ بیتؑ کا احسن طریقے سے امتحان لیا ہے۔ ہمیں اس ذات نے اپنی ہدایت، عدل اور تقویٰ کا پرچم قرار دیا ہے"۔

جب وارثِ منبر سلونی نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے مصائب بیان کیے تو جامع مسجد دمشق اپنے اژدہام کے ساتھ ہلنے لگی۔ حاضرین کی ڈھائیں نکل گئیں۔ لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ مسجد میں کہرام برپا تھا۔ ہر دل داغ دار تھا۔ نالہ و فریاد کا سماں بندھ گیا۔

یزید کی خوف سے آنکھیں کھلیں، دائیں بائیں نظر ڈالی تو مارگزیدہ کی طرح تڑپنے لگا کہ کہیں شورش برپا نہ ہو جائے اور یہ بپھرا ہوا اژدہام اس کی دنیا تاریک نہ کر دے تو مؤذن کی طرف چیخا کہ وہ فوراً اذان کہے۔ مؤذن نے کہا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَاَجَلُّ وَأَعْلٰی وَأَکْرَمُ مِمَّا أَخَافُ وَأَحْذَرُ "کوئی چیز خدا سے بزرگ تر و جلیل تر اور برتر و گرامی نہیں ہے"۔

مؤذن نے کہا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

امام علیہ السلام نے فرمایا: اَشْھَدُ مَعَ کُلِّ شَاھِدٍ اَنْ لَّآ اِلٰہَ غَیْرُہٗ وَلَا رَبَّ سِوَاہُ "جی ہاں! میرا تمام وجود ہر گواہی دینے والے کے ساتھ گواہی دینے والا ہے کہ وہ ہی صرف عبادت کے لائق ہے، کوئی اور نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے"۔

مؤذن نے کہا: اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔

امام علیہ السلام نے مؤذن سے فرمایا: "تجھے اس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم! ٹھہر جا تاکہ میں یزید کے ساتھ چند باتیں کرسکوں۔ آپؑ نے یزید سے فرمایا: بتا! یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا نام تو اعزاز و اکرام کے ساتھ لے رہا ہے یہ میرے نانا ہیں یا تیرے؟ اگر تُو کہے کہ وہ تیرے نانا ہیں، یہ سب حاضرین جانتے ہیں کہ تُو جھوٹا ہے۔ اگر تُو کہے کہ وہ میرے نانا ہیں تو پھر تُو ہی بتا کہ میرے باپ پر تُو نے کیوں مظالم ڈھائے اور تُو نے انھیں کیوں قتل کیا ہے؟ تُو نے ان کے اموال کو کیوں لوٹا؟ اور ان کے اہلِ بیتؑ کو کیوں قیدی بنایا ہے؟"

اے یزید! تیری واہی تباہی ہو۔ قیامت کے دن میرے نانا تیرے دشمن ہوں گے۔

یزید کو خوف ہوا کہ کہیں لوگ اس کا خاتمہ نہ کر دیں تو مؤذن سے کہا کہ وہ اقامت کہے۔ نماز شروع ہوئی۔ لوگوں میں شور و غلغلہ بلند ہوا۔ کچھ لوگوں نے نماز میں شرکت کی اور کچھ منتشر ہو گئے۔

سیّد الشہداؑ کا سرِ مقدس یزید کے دربار میں

یزید ملعون نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کا سر اس کے دربار میں پیش کیا جائے تو طلائی

طشت میں مظلوم کا سر پیش کیا گیا۔① اس وقت اُسیرانِ آلِ محمدؑ اس کے دربار میں موجود تھے۔

جب سیّدالشہداؑ کا سر اس کے سامنے آیا تو جنابِ سکینہؑ و جنابِ فاطمہ (صغریٰؑ) دخترانِ سیّدالشہداؑ اپنی جگہ پر کھڑی ہوئیں تاکہ اپنے مظلوم باباؑ کے سرِ مقدس کی زیارت کریں لیکن یزید نے سرِ مقدس چھپا دیا کہ ان کی نگاہ نہ پڑے لیکن مخدراتِ عصمت وطہارت کے گریہ و شیون کی آوازیں بلند ہوئیں۔② جب اُسیرانِ آلِ محمدؑ اپنی مظلومیت پر آنسو بہا رہے تھے تو یزید نے حکم دیا کہ تمام لوگ اس کے دربار میں آجائیں۔③

جب لوگوں سے اس کا دربار بھر گیا تو اس نے سیّدالشہداؑ کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنا شروع کی اور ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا: یَوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ④ اور حصین بن حمام کا یہ شعر پڑھا:

أَبَىٰ قَوْمُنَا اَنْ يَنصِفُونَا فَأَنصَفَت قَوَاضِبُ فِي اَيمَانِنَا تَقطُرُ الدِّمَاء

نُفَلِّقُ هَامًا مِن رِجَالٍ أَعِزَّةٍ عَلَينَا وَهُم كَانُوا اَعَقَّ وَاَظلَمَا

''ہماری قوم نے ہمارے معاملے میں انصاف کرنے سے انکار کر دیا۔ ان تلواروں نے انصاف کیا جو ہمارے دائیں ہاتھوں میں تھیں۔ پھر جن سے خون کے قطرات گر رہے تھے۔ ہم نے ان لوگوں کے سروں کو شگافتہ کر دیا جو ہم پر مظالم ڈھاتے تھے''۔ (مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۶)

یحییٰ بن حکم مروان کا بھائی یزید کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے یہ شعر پڑھا:

---

① مراۃ الجنان، ج ۱، ص ۱۳۵۔

② کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۸۶، مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۹۵۔ فصول المہمہ۔ ابن صباغ: ص ۲۰۵۔

③ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۸۵۔

④ تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۸۲۔ کامل ابن اثیر: ج ۳، ص ۸۵۔ تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۸۔ صواعق محرقہ: ص ۱۱۶۔ مجمع الزوائد ابن حجر، ج ۹، ص ۱۹۵۔ خطط مقریزی: ج ۲، ص ۲۸۹۔ البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۹۲۔ شرح مقامات حریری شریشی: ج ۱، ص ۱۹۳۔ مناقب ابن شہر آشوب: ج ۲، ص ۲۲۵۔ کتاب الاتحاف بحب الاشراف۔ ان سب نے لکھا ہے کہ یزید ملعون نے امام علیہ السلام کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنی شروع کی۔

لَهَامٌ بِجَنْبِ الطَّفِ اَدْنٰی قَرَابَةً　مِن اِبنِ زِیَادِ العَبدِ ذِی الحَسَبِ الوَغلِ
سَمَیَّةُ اَمسٰی نَسلُهَا عَدَدَ الحَصٰی　وَبِنتِ رَسُولِ اللّٰہِ لَیسَ بِهَا نَسل

"بے جان اجسام زمینِ طف کے کنارے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے قریبی ابن زیاد سے نزدیک تر ہیں۔ وہ ابن زیاد جو ایک گم نام نسب کا شخص ہے۔ ابن زیاد کی ماں سمیہ کی اولاد صحرا کے ذرّات سے زیادہ ہو اور نسلِ پیغمبرؐ کو ہمیشہ کے لیے نابود ہوجانا چاہیے"۔

یزید نے یحییٰ کا یہ شعر سن کر اس کے سینے پر مکا مارا اور کہا: اُسکُت لَا اُمَّ لَکَ "ارے مُردہ ماں کے بیٹے خاموش رہ"۔ ①

ابوبرزہ اسلمی کی روایت

صحابی رسولؐ ابوبرزہ اسلمی دربار یزید میں تشریف فرما تھے، انھوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسولِ خدا امام حسینؑ اور ان کے برادر امام حسنؑ کے لبوں کے بوسے لیتے تھے اور ان سے فرمایا: "تم دونوں جوانانِ جنّت کے سردار ہو۔ خداوند متعال تمہارے قاتل کو قتل کرے اور اس پر لعنت کرے اور اُسے دوزخ کے حوالے کرے"۔

یزید ملعون نے جب ابوبرزہ کی گفتگو سنی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور حکم دیا کہ اسے دھکے دے کر میرے دربار سے نکال باہر کیجیے۔ (لہوف: ص ۱۰۲۔ فصول المہمہ، ص ۲۰۵)

سفیرِ روم کا واقعہ

یزیدی دربار میں قیصرِ روم کا سفیر موجود تھا۔ جب اُسے حقیقت حال کا علم ہوا تو اس نے یزید سے کہا: (اے یزید!) ہمارے ملک کے ایک جزیرے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کا "سُم" محفوظ ہے۔ ہم تمام مسیح ہر سال ملک کے اطراف واکناف سے وہاں آتے

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۷۶، کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۹۰۔ مناقب ابن شہرآشوب: ج ۲، ص ۲۲۶ پر لکھا ہوا ہے (وَبِنتُ رَسُولِ اللّٰہِ لَیسَ لَهَا نَسل) ایک اور مقام پر ہے: (وَلَیسَ لِآلِ المُصطَفٰی اَلیَومَ مِن نَسل) تذکرۃ الخواص میں ہے کہ جب حسن بصری نے سنا کہ یزید نے سیدالشہداء ⇐

ہیں، اس کی زیارت کرتے ہیں، نذرات و ہدایا پیش کرتے ہیں اور اُس کو مقدس و محترم سمجھتے ہیں۔ یزید میں تیرے کردار پر حیران ہوں کہ تُو نے اپنے نبیؐ کی کتاب پر کیسا عمل کیا کہ تُو نے اپنے ہی نبیؐ کی دختر کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تُو اپنے دین پر نہیں ہے بلکہ باطل پر ہے۔ (صواعق محرقہ: ص ۱۱۹)

یہ سن کر یزید آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیجیے تا کہ میری مملکت میں یہ مجھے رُسوا نہ کرے۔ جب اُس نصرانی نے یقین کر لیا کہ یہ لوگ مجھے قتل کرنے والے ہیں تو اپنی جگہ سے فوراً اُٹھا اور سر مقدس کو اُٹھایا، بوسے دیے اور اپنے سینے سے لگایا اور گریہ کیا اور شہادتین کو اپنی زبان پر جاری کیا۔ اس کی روح کرّ وبیوں (فرشتوں) کے ساتھ پیوست ہو گئی۔

جب سفیر روم کو قتل کیا گیا تو سر سیّد الشہدا ؑ سے آواز آئی: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ [1] جب کہ اس آواز کو دربار یزید کے ہر فرد نے سنا۔

سرِ سیّد الشہدا ؑ اور قصرِ یزید

یزید نے جب اپنے ہی دربار میں ہر طرح کی ہزیمت اُٹھائی تو اس کے حکم پر سرِ مقدس کو دربار سے باہر لایا گیا اور اس کے قصر کے دروازے پر آویزاں کر دیا گیا۔ [2] اس دوران یزید کی بیوی ہند دختر عمرو بن سہل کی نگاہ سرِ مقدس پر پڑی کہ اس سے نُور ساطع اور لامع ہے اور اس کی خوشبو سے ماحول معطر ہے۔ [3] اس کرامت کو دیکھ کر اس پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ جس حالت میں کھڑی تھی بغیر چادر کے یزید کی مجلس میں پہنچ گئی اور تمام حاضرین کے سامنے چیخ چیخ کر کہا:

⇦ کے دندانِ مبارک پر چھڑی ماری تو اس نے دوسرا شعر پڑھا۔ صاحب کتاب الاغانی: ج ۱۲، ص ۱۷ نے تینوں شعروں کی نسبت عبداللہ بن حکم کی طرف دی ہے۔

[1] مقتل العوالم: ص ۱۵۱۔ مثیر الاحزان و مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۷۲۔

[2] خطط مقریزی: ج ۲، ص ۲۸۹۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۷۵۔ البدایۃ ابن کثیر: ج ۸۔ ص ۲۰۴۔ سیر اعلام النبلاء: ج ۳، ص ۲۱۶۔

[3] خطط مقریزی: ج ۲، ص ۲۸۴۔

رَأْسُ اِبنِ بِنتِ رَسُولِ اللهِ عَلٰی بَابِ دَارِنَا؟

"رسول اللہ کی دختر کے بیٹے کا سر اور وہ بھی ہمارے گھر کے دروازے پر"۔

فوراً یزید بے اختیاری حالت میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس کے سر پر اپنی چادر ڈالی اور اُسے واپس اپنے گھر کی طرف بھیجتے ہوئے کہا:

أعوِلِي عَلَيهِ يَا هِندُ فَأنَّهُ صَرِيخَةُ بَنِي هَاشِمٍ عَجَّلَ عَلَيهِ اِبنُ زِيَادٍ

"اے ہند! جس طرح تُو چاہے اس پر گریہ کر، کیونکہ وہ قریش کے بزرگوار تھے۔ ابن زیاد نے ان کے معاملے میں جلدی کی۔ میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا"۔ ①

اس واقعہ کے بعد یزید نے حکم دیا کہ شہدا کے سر شہر کے دروازوں پر اور جامع مسجد اُموی کے دروازے پر آویزاں کر دیے جائیں۔ ②

یزید سے ایک شامی کی درخواست

راویانِ حدیث نے نقل کیا ہے کہ جب دربارِ شام میں ایک شامی کی نگاہ حضرت فاطمہ بنت امام علیؑ ③ پر پڑی تو یزید سے کہا: وہ لڑکی مجھے بخش دیجیے۔ جب جنابِ فاطمہؑ نے یہ سنا تو اپنی جگہ پر کانپ کر رہ گئی اور اپنی بہن عقیلۂ بنی ہاشم حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے دامن سے چمٹ گئیں اور فرمایا: کَيفَ أُخدَمُ "میں کیسے اس آدمی کی کنیز بن سکتی ہوں؟"

جنابِ زینب عالیہؑ نے انھیں تسلی دی اور فرمایا: لَا عَلَيكِ اِنَّهُ لَن يَكُونَ اَبَدًا "پریشان مت ہوں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے"۔

---

① مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۷۴

② نفس المہموم: ص ۲۴۷

③ تاریخ طبری نے ج ۷، ص ۳۷۷، البدایہ ابن کثیر: ج ۸، ص ۱۹۴، امالی شیخ صدوق مجلس: ص ۳۱، اور کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۸۶ پر لکھا ہے کہ یہ "فاطمہ" حضرت علیؑ کی بیٹی اور حضرت زینبؑ کی بہن تھیں۔ لیکن مرحوم ابن نما نے مثیر الاحزان: ص ۵۴، شیخ مفید نے ارشاد: ص ۲۴۶ اور مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۶۲ پر لکھا ہے کہ یہ "فاطمہ" حضرت امام حسینؑ ہی کی بیٹی تھیں۔

یزید نے کہا: لَو اَردتُ لَفَعَلتُ ''اگر میں چاہوں تو ایسا کرسکتا ہوں''۔

حضرت زینب عالیہؑ نے فرمایا: نہ یہ کام تجھ پر روا ہے اور نہ ہی تُو کرسکتا ہے۔ ہاں! اس صورت میں کہ ہمارے دین سے خارج ہوجائے اور دوسرا دین اختیار کرلے تو پھر تیرے لیے ممکن ہے۔

یزید کا دربار کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور وہ پیکر کبر وغرور بنا ہوا تھا۔ اس کے سامنے دنیا تیرہ وتاریک ہونے لگی تھی۔ وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح کے آزاد اور پیکر حریت انسان بھی ہوسکتے ہیں اور جواب دینے میں اس قدر جرأت کرسکتے ہیں؟ وہ امامؑ کی بیٹی کے اس جواب سے پاگل ہوکر رہ گیا اور غیض وغضب کی حالت میں کہنے لگا: اتنی جرأت اور میرے سامنے؟ اِنَّمَا خَرَجَ عَنِ الدِّینِ اَبُوکَ وَأَخُوکَ ''تیرا باپ اور بھائی دین سے خارج ہوئے نہ کہ میں''۔

جنابِ عقیلہؑ نے فرمایا: بِدِینِ اللهِ وَدِینِ اَبِی ، وَدِینِ اَخِی اهتدَیتَ اَنتَ وَاَبُوکَ وَجَدُّکَ اِن کُنتَ مُسلِمَ ''اللہ کے دین سے، میرے بابا کے دین سے اور میرے بھائی کے دین سے تُو نے، اور تیرے باپ نے، اور تیرے دادا نے ہدایت حاصل کی ہے۔ نہ کہ ہم نے تیرے دین سے اور تیرے باپ کے دین سے ہدایت حاصل کی ہے۔ اگر تُو مسلم ہے تو پھر سوچ''۔

جب یزید نے جنابِ عقیلہؑ کا یہ جواب سنا تو سخت غضب ناک ہوا اور اس غصے کی حالت میں اُس سے جب کوئی اور جواب نہ بن پڑا تو کہا: کَذِبتِ یَاعَدُوَّةَ اللهِ ''اے دشمنِ خدا! تُو نے جھوٹ بولا ہے''۔

جنابِ زینب عالیہؑ نے حیران و پریشان ہوکر کہا: أَنتَ اَمِیرٌ مُسَلِّطٌ تَشتُمُ ظَالِمًا وَتَقهَرُ بِسُلطَانِکَ ''اے یزید! اب تُو بادشاہ ہے اور حکومت تیرے پاس ہے تُو جس طرح چاہے ستم کرسکتا ہے اور گالیاں بھی دے سکتا ہے۔ تُو ہم پر اپنا قہر اور غلبہ جماتا ہے''۔ [1]

---

[1] کامل ابن اثیر: ج ۴، ص ۸۶۔ مقتلِ خوارزمی: ج ۲، ص ۱۶۲۔ ان لوگوں نے جنابِ عقیلہؑ کی گفتگو کے اس جملے کے ساتھ یہ جملہ بھی نقل کیا ہے: اَللّٰھُمَّ اِلَیکَ اَشکُو دُونَ غَیرِکَ ''پروردگارا! ہم فقط تیرے دربار میں شکوہ وشکایت کرتے ہیں''۔ یزید کو حیا آئی اور پشیمان ہوا اور خاموش ہوگیا۔

اس شامی نے دوبارہ اپنی درخواست پیش کی تو یزید نے اُسے اپنے سے دُور کرتے ہوئے کہا: وَهَبَ اللّٰهُ لَكَ حَتفًا قَاضِيًا "دُور ہو جا! جلد خدا تجھے موت سے ہمکنار کرے"۔ ①

عقیلۂ قریش کا دربارِ یزید میں آتشیں خطبہ

جنابِ ابن نما اور جنابِ ابن طاؤس فرماتے ہیں کہ جب یزیدی دربار میں یزید نے یہ اشعار پڑھے اور خوشی و مسرت کا اظہار کیا:

لَيتَ اَشيَاخِي بِبَدرٍ شَهِدُوا — جَزَعَ الخَزرَجِ مِن وَقعِ الاَسَل
لَاَهَلُّوا وَ استَهَلُّوا فَرَحًا — ثُمَّ قَالُوا يَايَزِيدُ لَاتَشَل
قَدْ قَتَلنَا القَومَ مِن سَادَاتِهِمْ — وَ عَدَلنَاهُ بِبَدرٍ فَاعتَدِل
لَعِبَتْ هَاشِمُ بِالمُلكِ فَلَا — خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحيٌ نَزَل
لَستُ مِن خِندَفٍ اِنْ لَم اَنتَقِم — مِن بَنِي أَحمَدَ مَا كَانَ فَعَل

"کاش! میرے وہ آباؤ اجداد جو جنگِ بدر میں قتل ہوئے تھے، آج زندہ ہوتے تو وہ دیکھتے کہ جب نیزوں سے انھیں مارا گیا تو ان کی چیخیں بلند ہوئیں تو وہ اَزراہِ خوشی و مسرت میرا استقبال کرتے۔ پھر کہتے: اے یزید! جیتا رہ، تیرے ہاتھ مضبوط و توانا رہیں، کبھی کمزور نہ ہوں۔

ہم نے اپنے دشمن کے بزرگوں اور سرداروں کو قتل کر ڈالا اور اپنے بدر کے مقتولین کا بدلہ لے لیا ہے۔ بنوہاشم نے حکومت کے حصول کی خاطر ایک کھیل کھیلا تھا۔ نہ کوئی خبر کسی طرف سے آئی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی۔ میں اپنے باپ خندف سے نہ ہوں گا اگر مَیں نے احمدِ مرسل کے اہلِ بیتؑ سے انتقام نہ لے لیا"۔

جب عقیلۂ بنی ہاشمؑ نے یزید کے یہ کفریہ اشعار سنے تو اپنی قبول کی ہوئی ذمہ داری کو

---

① تاریخ طبری: ج ۷، ص ۳۷۸۔ مقتل خوارزمی: ج ۲، ص ۶۲۔ اس جملے کا اضافہ کیا ہے۔ یزید نے اس آدمی سے کہا: اَعزِبْ عَنِّي لَعَنَكَ اللّٰهُ وَوَهَبَ لَكَ حَتفًا قَاضِيًا۔

ادا کرنے کے لیے کھڑی ہو گئیں اور یہ آتشیں خطاب ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، وَالصَّلَاةُ عَلٰى جَدِّيْ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ كَذٰلِكَ يَقُوْلُ: ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (سورۃ روم: آیت ۱۰)

اَظَنَنْتَ يَا يَزِيْدُ! حَيْثُ اَخَذْتَ عَلَيْنَا أَقْطَارَ الْاَرْضِ وَضَيَّقْتَ عَلَيْنَا آفَاقَ السَّمَاءِ فَأَصْبَحْنَا لَكَ فِيْ اَسَارِ الذِّلِّ نُسَاقُ اِلَيْكَ سَوْقًا فِيْ قِطَارٍ وَأَنْتَ عَلَيْنَا ذُوْ اِقْتِدَارٍ، اَنْ بِنَا مِنَ اللّٰهِ هَوَانًا وَعَلَيْكَ مِنْهُ كَرَامَةً وَامْتِنَانًا ، وَاَنَّ ذٰلِكَ لِعِظَمِ خَطَرِكَ وَجَلَالَةِ قَدْرِكَ، فَشَمَخْتَ بِاَنْفِكَ وَنَظَرْتَ اِلٰى عِطْفِكَ، تَضْرِبُ أَصْدَرَيْكَ فَرَحًا، وَتَنْفُضُ مِذْرَوَيْكَ مَرَحًا، حِيْنَ رَأَيْتَ الدُّنْيَا لَكَ مُسْتَوْثِقَةً، وَالْاُمُوْرَ لَدَيْكَ مُتَّسِقَةً ، وَحِيْنَ صَفَا لَكَ مِلْكُنَا ، وَخَلَصَ لَكَ سُلْطَانُنَا ، فَمَهْلًا مَهْلًا لَا تَطِشْ جَهْلًا اَنَسِيْتَ قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (سورۃ آلِ عمران: آیت ۱۷۸)

اَمِنَ الْعَدْلِ يَا ابْنَ الطُّلَقَاءِ تَخْدِيْرُكَ حَرَائِرَكَ وَ اِمَائَكَ وَسَوْقُكَ بَنَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ سَبَايَا قَدْ هَتَكْتَ سُتُوْرَهُنَّ وَاَبْدَيْتَ وُجُوْهَهُنَّ تَحْدُوْ بِهِنَّ الْاَعْدَاءُ مِنْ بَلَدٍ، وَيَسْتَشْرِفُهُنَّ اَهْلُ الْمَنَاقِلِ وَيَتَبَرَّزْنَ لِاَهْلِ الْمَنَاهِلِ، وَيَتَصَفَّحُ وُجُوْهَهُنَّ الْقَرِيْبُ وَالْبَعِيْدُ، وَالْغَائِبُ وَالشَّهِيْدُ، وَالشَّرِيْفُ وَالْوَضِيْعُ، وَالدَّنِيُّ وَالرَّفِيْعُ لَيْسَ مَعَهُنَّ مِنْ رِجَالِهِنَّ وَلِيٌّ وَلَا مِنْ حُمَاتِهِنَّ حَمِيٌّ ، عُتُوًّا مِنْكَ عَلَى اللّٰهِ وَجُحُوْدًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ، وَدَفْعًا لِمَا جَاءَ بِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ،

وَلَا غَرْوَ مِنْكَ وَلَا عَجَبَ مِنْ فِعْلِكَ وَأَنَّى يُرْتَجَى مِمَّنْ ﴿مُرَاقَبَةُ مَنْ لَفَظَ فُوهُ أَكْبَادَ الْأَزْكِيَاءِ ﴿الشُّهَدَاءِ﴾، وَنَبَتَ لَحْمُهُ ﴿مِنْ ﴾ بِدِمَاءِ الشُّهَدَاءِ، وَنَصَبَ الْحَرْبَ لِسَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ، وَجَمَعَ الْأَحْزَابَ وَشَهَرَ الْحِرَابَ، وَهَزَّ السُّيُوفَ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ، أَشَدُّ الْعَرَبِ لِلّٰهِ جُحُودًا، وَأَنْكَرُهُمْ لَهُ رَسُولًا، وَأَظْهَرُهُمْ لَهُ عُدْوَانًا، وَأَعْتَاهُمْ عَلَى الرَّبِّ كُفْرًا وَطُغْيَانًا، أَلَا إِنَّهُ نَتِيجَةُ خِلَالِ الْكُفْرِ، وَضَبٌّ يُجَرْجِرُ فِي الصَّدْرِ لِقَتْلَى يَوْمِ بَدْرٍ، فَلَا يَسْتَبْطَأُ فِي بُغْضِنَا أَهْلَ الْبَيْتِ مَنْ كَانَ نَظَرُهُ إِلَيْنَا شَنَأً وَشَنَآنًا وَإِحَنًا وَأَضْغَانًا، يُظْهِرُ كُفْرَهُ بِرَسُولِ اللهِ، وَيُفْصِحُ ذٰلِكَ بِلِسَانِهِ، وَهُوَ يَقُولُ فَرِحًا بِقَتْلِ وُلْدِهِ وَسَبْيِ ذُرِّيَّتِهِ غَيْرَ مُتَحَوِّبٍ وَلَا مُسْتَعْظِمٍ يَهْتِفُ بِأَشْيَاخِهِ:

لَأَهَلُّوا وَاسْتَهَلُّوا فَرَحًا
وَ لَقَالُوا يَا يَزِيدُ لَا تَشَلْ

مُنْتَحِيًا عَلَى ثَنَايَا أَبِي عَبْدِ اللهِ وَكَانَ مُقَبَّلُ رَسُولِ اللهِ يَنْكُتُهَا بِمِخْصَرَتِهِ، قَدِ الْتَمَعَ السُّرُورُ بِوَجْهِهِ

لَعَمْرِي لَقَدْ نَكَأْتَ الْقُرْحَةَ وَاسْتَأْصَلْتَ الشَّأْفَةَ، بِإِرَاقَتِكَ دَمَ سَيِّدِ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَابْنِ يَعْسُوبِ الدِّينِ وَالْعَرَبِ، وَشَمْسِ آلِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَهَتَفْتَ بِأَشْيَاخِكَ، وَتَقَرَّبْتَ بِدَمِهِ إِلَى الْكَفَرَةِ مِنْ أَسْلَافِكَ، ثُمَّ صَرَخْتَ بِنِدَائِكَ، لَعَمْرِي لَقَدْ نَادَيْتَهُمْ لَوْ شَهِدُوكَ وَوَشِيكًا تَشْهَدُهُمْ وَلَنْ يَشْهَدُوكَ، وَلَتَوَدَّنَّ يَمِينُكَ كَمَا زَعَمْتَ شَلَّتْ مِنْكَ عَنْ مِرْفَقِهَا وَجُذَّتْ، وَأَحْبَبْتَ أُمَّكَ لَمْ تَحْمِلْكَ وَأَبَاكَ لَمْ يَلِدْكَ حِينَ تَصِيرُ إِلَى سَخَطِ اللهِ تَعَالَى وَمُخَاصِمُكَ رَسُولُ اللهِ

اَللّٰهُمَّ خُذْ بِحَقِّنَا ، وَانْتَقِمْ لَنَا مِمَّنْ ظَلَمَنَا ، وَاحْلُلْ، غَضَبَكَ عَلٰى مَنْ سَفَكَ دِمَائَنَا ، وَنَقَضَ ذِمَارَنَا، وَقَتَلَ حُمَاتَنَا ، وَهَتَكَ عَنَّا سُدُوْلَنَا، وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ، وَمَا فَرَيْتَ اِلَّا جِلْدَكَ، وَمَا حَزَزْتَ اِلَّا لَحْمَكَ، وَسَتَرِدُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِمَا تَحَمَّلْتَ مِنْ دَمِ ذُرِّيَّتِهٖ وَانْتَهَكْتَ مِنْ حُرْمَتِهٖ ، وَسَفَكْتَ مِنْ دِمَاءِ عِتْرَتِهٖ وَلُحْمَتِهٖ ، حَيْثُ يَجْمَعُ اللهُ بِهٖ شَمْلَهُمْ ، وَيَلُمُّ شَعْثَهُمْ ، وَيَنْتَقِمُ مِنْ ظَالِمِهِمْ، وَيَأْخُذُ لَهُمْ بِحَقِّهِمْ مِنْ أَعْدَائِهِمْ ، فَلَا يَسْتَفِزَّنَّكَ الْفَرَحُ بِقَتْلِهِمْ، ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۶۹، ۱۷۰) وَحَسْبُكَ بِاللهِ وَلِيًّا وَحَاكِمًا ، وَبِرَسُوْلِ اللهِ خَصِيْمًا ، وَبِجَبْرَئِيْلَ ظَهِيْرًا ، وَسَيَعْلَمُ مَنْ بَوَّاكَ وَمَكَّنَكَ مِنْ رِقَابِ الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ بِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلًا ، وَاَيُّكُمْ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيْلًا

وَمَا اسْتِصْغَارِي قَدْرَكَ ، وَلَا اسْتِعْظَامِي تَقْرِيْعَكَ ، تَوَهُّمًا لِانْتِجَاعِ الْخِطَابِ فِيْكَ بَعْدَ اَنْ تَرَكْتَ عُيُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ بِهٖ عَبْرٰى، وَصُدُوْرَهُمْ عِنْدَ ذِكْرِهٖ حَرّٰى، فَتِلْكَ قُلُوْبٌ قَاسِيَةٌ وَنُفُوْسٌ طَاغِيَةٌ وَأَجْسَامٌ مَحْشُوَّةٌ بِسَخَطِ اللهِ وَلَعْنَةِ الرَّسُوْلِ قَدْ عَشَّشَ فِيْهَا الشَّيْطَانُ وَفَرَّخَ، وَمِنْ هُنَاكَ مِثْلُكَ مَا دَرَجَ وَنَهَضَ، فَالْعَجَبُ كُلَّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ الْاَتْقِيَاءِ، وَاَسْبَاطِ الْاَنْبِيَاءِ، وَسَلِيْلِ الْاَوْصِيَاءِ ، بِأَيْدِي الطُّلَقَاءِ الْخَبِيْثَةِ ، وَنَسْلِ الْعَهَرَةِ الْفَجَرَةِ ، تَنْطُفُ اَكُفُّهُمْ مِنْ دِمَائِنَا، وَتَتَحَلَّبُ اَفْوَاهُهُمْ مِنْ لُحُوْمِنَا، وَلِلْجُثَثِ ﴿تِلْكَ الْجُثَثُ﴾ الزَّاكِيَةِ عَلَى الْجُبُوْبِ الضَّاحِيَةِ ، تَتَنَاهَبُهَا ﴿تَنْتَابُهَا﴾ الْعَوَاسِلُ، وَتَعْفُوْهَا اُمَّهَاتُ الْفَرَاعِلِ

فَلَئِنِ اتَّخَذْتَنَا مَغْنَمًا لَتَجِدَنَّا وَشِيْكًا مَغْرَمًا، حِيْنَ لَا تَجِدُ إِلَّا مَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ، وَمَا اللّٰهُ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى وَالْمُعَوَّلُ، وَإِلَيْهِ الْمَلْجَأُ وَالْمُؤَمَّلُ، ثُمَّ كِدْ كَيْدَكَ وَاجْهَدْ جَهْدَكَ، فَوَالَّذِيْ شَرَّفَنَا بِالْوَحْيِ وَالْكِتَابِ، وَالنُّبُوَّةِ، وَالْاِنْتِخَابِ، لَا تَدْرُكَ أَمَدَنَا، وَلَا تَبْلُغُ غَايَتَنَا، وَلَا تَمْحُوْ ذِكْرَنَا، وَلَا تَرْحَضُ عَنْكَ عَارَنَا، وَهَلْ رَأْيُكَ إِلَّا فَنَدٌ، وَأَيَّامُكَ إِلَّا عَدَدٌ، وَجَمْعُكَ إِلَّا بَدَدٌ يَوْمَ يُنَادِي الْمُنَادِي، أَلَا لَعَنَ اللّٰهُ الظَّالِمَ الْعَادِي

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ حَكَمَ لِأَوْلِيَائِهِ بِالسَّعَادَةِ، وَخَتَمَ لِأَصْفِيَائِهِ، بِالشَّهَادَةِ بِبُلُوْغِ الْإِرَادَةِ، وَنَقَلَهُمْ إِلَى الرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ، وَالرِّضْوَانِ وَالْمَغْفِرَةِ، وَلَمْ يَشْقَ بِهِمْ غَيْرَكَ، وَلَا ابْتَلٰى بِهِمْ سِوَاكَ، وَنَسْئَلُهُ أَنْ يُكْمِلَ لَهُمُ الْأَجْرَ وَيُجْزِلَ لَهُمُ الثَّوَابَ وَالذُّخْرَ، وَنَسْئَلُهُ حُسْنَ الْخِلَافَةِ وَجَمِيْلَ الْإِنَابَةِ، إِنَّهُ رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ

''حمد وثنا صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے جو عالمین کا پروردگار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود و رحمت ہو اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر اور ان کے اہلِ بیتؑ پر۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور وہ اسی طرح فرماتا ہے: ''جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا وہ اپنے انجام کو پہنچے۔ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور ان کا تمسخر اُڑایا اور استہزا کیا''۔ (سورۂ روم: آیت ۱۰)

اے یزید! کیا تیرا یہ گمان ہے کہ ہمیں قید کر کے تُو نے ہم پر زمین و آسمان کی فضا کو تنگ کر دیا ہے؟ کیا تیرا خیال ہے کہ تیرے اس عمل سے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور ذلیل ہو گئے ہیں؟ اور تُو نے اس طرح عزت و منزلت حاصل کر لی ہے؟

کیا تیرا یہ خیال ہے کہ تُو نے اپنے اس عمل سے بارگاہِ خداوندی میں بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ جس نے غرور و تکبر سے تیری ناک پھلا دی ہے اور تُو اپنے اَطراف میں غرور و تکبر سے دیکھتا ہے اور خوشی سے اِتراتا ہے۔ کیا یہ کائنات تیری مرضی سے چل رہی ہے اور دنیا کے تمام اُمور تیرے حکم سے سرانجام پاتے ہیں؟ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تو یہ بھی سمجھ بیٹھا ہے کہ ہماری حکومت و فرماں روائی کو اپنے اختیار میں لے لیا ہے اور تجھے اطمینان سے مَن مانی کرنے کا موقع ملا ہے۔

ٹھہر ٹھہر! تُو اپنی بربادی و ویرانی کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ کیا تُو نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو بھلا دیا ہے؟ ''جو لوگ کفر و بے دینی کے میدان میں (اپنے سرکش گھوڑے دوڑاتے) ہیں، یہ گمان نہ کریں کہ جو مہلت ہم نے انھیں دی ہے اس بنا پر دی ہے کہ وہ ان پر راضی ہے۔ نہیں! بلکہ ہم نے انھیں مہلت اس لیے دی ہے کہ انھیں اپنے گناہوں میں اضافے کی مزید فرصت مل جائے۔ پھر ان کے لیے ذلت و رُسوائی کا عذاب تیار ہے''۔ (سورۂ آل عمران: آیت ۱۷۸)

کیا یہی انصاف ہے! اے ہمارے غلاموں کی اولاد! تیری عورتیں اور کنیزیں تک پردے میں ہوں اور رسولؐ اللہ کی بیٹیاں بے پردہ رسن بستہ نامحرموں کے ہجوم میں قیدیوں کی صورت میں تیرے سامنے کھڑی ہیں۔ تُو نے نبی زادیوں کو قیدی بنا کر بے پردہ کر دیا ہے۔ انھیں اللہ کے دشمنوں کے ساتھ شہر بہ شہر پھرایا ہے، حتیٰ کہ شہروں کے باشندے دیہاتوں کے لوگ اور ہر پست و شریف دُور و نزدیک سے ہمیں دیکھ رہا ہے کہ اِن کا تو کوئی رہ ہی نہیں گیا جو اُن کے پردے کی حفاظت کرے اور نہ ان کی حمایت کرنے والا کوئی موجود ہے۔ ایسے خونخوار شخص سے کیسے مہربانی کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جس کے والدین نے اسلام کے پاکیزہ

شہیدوں کا جگر چبایا ہو اور اس کا گوشت پوست شہیدوں کے لہو سے بنا ہو۔ پھر ایسا شخص کس طرح اہلِ بیتؑ کے ساتھ اپنے بغض و کینہ میں کمی کر سکتا ہے؟ اس نے ہمیشہ اہلِ بیتؑ پر بغض و نفرت ہی کی نظر ڈالی ہو اور جن کے لیے اپنی پوری زندگی میں اس نے کینہ و انتقام میں آنکھ کھلی رکھی ہو اور اپنے احساسِ گناہ کے بجائے اپنی غلطی اور جرم کو بہت بڑا کارنامہ جانتے ہوئے کہتا ہو کہ اے کاش! میرے آباؤ اجداد میری اس شادمانی و خوش حالی کو دیکھتے تو کہتے: اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں، تیرے بازو سلامت رہیں۔ پھر تو فرزند رسولؐ حضرت ابوعبداللہ کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارتا ہے۔ حالانکہ یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ کے رسولؐ بوسے دیتے تھکتے نہ تھے اور یہ وہی حسینؑ ہیں جو جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ باوجود اس کے کہ تُو اپنی شان میں شاعری و نکتہ آفرینی بھی کرتا ہے اور شاداں و فرحاں بھی ہوتا ہے۔

مجھے اپنی جان کی قسم! تُو نے ہمارے قلوب کو زخمی زخمی کیا ہے اور ہماری اصل و جڑ کو کاٹ ڈالا ہے۔ تُو نے جوانانِ جنت کے سردار، فرزندِ یعسوب الدین، فخرِ عرب اور عبدالمطلبؑ کے سرداروں کے پاک و پاکیزہ خون کو گرایا ہے۔

پھر تُو نے اپنے آباؤ اجداد کو آواز دی۔ اس خون کے گرانے میں تُو نے اپنے آباء و اجداد کا تقرب تلاش کیا اور تیری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ جیسے وہ تیری اس مجلس میں موجود ہوں۔

جی ہاں! اگر وہ تیری اس مجلس میں حاضر نہ ہو سکے تو عنقریب تُو ان کی مجلس میں پہنچ جائے گا۔ تو تُو اس وقت کہے گا کہ اے کاش! میرے ہاتھ شل ہوتے اور کلائی سے جدا ہوتے۔ اس وقت تُو کفِ افسوس ملے گا اور کہے گا کہ وہ پیدا ہی نہ ہوتا اس وقت تُو اللہ کے غیض و غضب میں ہو گا اور

رسولؐ اللہ تجھ سے مخاصمہ کریں گے اور وہ کہیں گے: ”اے میرے پروردگار! ان لوگوں سے ہمارا حق وصول فرما، ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ ان لوگوں نے ہم پر ستم ڈھائے ہیں اور ہر اس شخص پر اپنا غضب نازل فرما جس نے ہمارا خون بہایا ہے اور ہمارے دوستوں کو قتل کیا اور ہماری حرمت کی ہتک کی“۔

اے یزید! جو کچھ تُو نے ہمارے ساتھ کیا ہے وہ تُو نے اپنی ذات کے لیے کیا ہے۔ تُو نے اپنے ہی گوشت و پوست کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ بہت جلد تُو اللہ کے حکم سے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوگا۔ اس وقت ان کی ذریت کا خون تیری گردن پر ہوگا۔ مزید برآں ان کی عزت کی ہتک کا گناہ اور ان کے خون کا عذاب اپنی گردن پر رکھے ہوئے ہوگا۔ یہ وہ دن ہوگا، جب اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور ان کی آلؑ کو اپنی رحمت کے سائے تلے رکھے ہوئے ہوگا۔ ان کے خاندان کے بکھرے ہوئے افراد کو اپنے حضور جمع کر رکھا ہوگا اور ان پر ظلم کرنے والوں سے انتقام لے گا اور ان کے دشمنوں سے ان کے حقوق کا مطالبہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا اس بارے میں فرمان ہے: ”اُن لوگوں کو مُردہ نہ سمجھو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ اس کے حضور زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کی بارگاہ سے رزق پاتے ہیں۔ جو کچھ انھیں اللہ کے فضل سے عطا ہوا ہے، وہ اس سے شاداں و فرحاں ہیں“۔ (سورۂ آلِ عمران: آیت ۱۶۹، ۱۷۰)

پس اے یزید! تیرے لیے اتنا کافی ہے کہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا۔ رسولِ عالمینؐ تیرے خلاف دعویٰ کریں گے۔ جبرئیلؑ ان کے گواہ و مددگار ہوں گے اور بہت جلد ایسا ہوگا۔ جن لوگوں نے مکروفریب کے ذریعے تجھے مسند اقتدار پر بٹھایا ہے وہ اپنے کیے کے

جواب دہ ہوں گے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس دن تیری کیفیت کیا ہوگی اور تجھ سے زیادہ بدبخت کون ہوگا۔ اس دن معلوم ہوجائے گا کون زیادہ مجبور اور زیادہ شکست خوردہ ہے۔ افسوس ہے حوادثِ روزگار نے مجھے یہاں تک پہنچایا کہ مَیں تیری اسیر ہوں اور تجھ سے کلام کر رہی ہوں۔ لیکن یہ دیکھ کہ میری نگاہوں میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مَیں تیری قوت وحیثیت کو حقیر جانتی ہوں۔ مجھ میں اس قدر ہمت و طاقت ہے کہ یہ باتیں بھرے دربار میں تیرے سامنے کروں اور چاہتی ہوں کہ تجھے ذلیل و رُسوا کردوں۔ لیکن کیا کروں میری آنکھیں گریہ کُناں ہیں اور ہمارے قلوب اپنے عزیزوں کے فراق میں جل رہے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ کیا کچھ ہم پر گزر چکا کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس جماعت کو قتل کردیا گیا اور وہ بھی شیطان صفت جماعت کے ہاتھوں "جو اسلام کے ہاتھوں کل اُسیر تھے اور طلقا کہلائے۔ پھر اسلام نے انھیں آزاد کردیا"۔ تم لوگوں کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگین ہیں اور تمھارے منہ ہمارے گوشت اور بدن کو نگلنے کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ وہ مقدس اجسام جو ٹکڑے ٹکڑے اور بے سر پڑے ہیں۔ آندھیاں اور طوفان ان پر خاک ڈال رہے ہیں۔ درندہ صفت لوگ انھیں بیابان میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں۔

اے یزید! اگر تُو نے ہمارے قتل اور ہماری اُسیری کو اپنے لیے غنیمت جانا ہے تو تجھے جان لینا چاہیے کہ اس کے عوض تجھے بہت بڑی سزا اور تاوان ادا کرنا ہوگا۔ اور یہ سب کچھ اس دن ہوگا جب سوائے اس چیز کے جو تُو نے پہلے سے جمع کر رکھی ہوگی۔ تیرے پاس کچھ اور نہ ہوگا۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم روا نہ رکھے گا۔ مَیں تیرے مظالم کی اللہ کے حضور شکایت کرتی ہوں اور اُسی سے پناہ اور سرپرستی کی طالب ہوں۔

اے یزید! ہماری دشمنی میں تُو جس قدر مکروفریب کرسکتا ہے، کرلے۔

ہماری دشمنی میں جس قدر تجھ سے کوشش ممکن ہے کر گزر اپنی تمام تر خواہشات کو استعمال کرے۔ خدا کی قسم! ہمارے ذکر کو اذہان اور تاریخ کے صفحات سے مٹایا نہیں جاسکتا، اور نہ ہی تجھ سے یہ ممکن ہے کہ ہم پر فروغ وحی کو روک سکے اور نہ تیرے لیے یہ ممکن ہے کہ ہمارے طول حیات اور ہمارے وسیع و بے کراں افتخارات کو ختم کر سکے اور نہ ہی تیرے لیے یہ ممکن ہے کہ تُو اپنے ان ننگ و عار کے دھبوں کو اپنے داغ دار دامن سے مٹا سکے۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ تیری عقل ماری گئی ہے۔ کیا اس میں بھی کوئی شک و شبہ باقی ہے کہ تیری زندگی کے دن گنے جا چکے ہیں۔ کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے یہ تیری جماعت جو تیرے اردگرد ہے بہت جلد پراگندہ ہونے والی ہے تو اس دن کو یاد رکھ جب ندا دینے والا ندا دے گا۔ "ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو"۔

پس! تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمارے آغاز حیات کو خوش بختی و سعادت سے نوازا ہے اور ہماری آخرت کو شہادت اور رحمت سے زینت بخشی ہے۔ ہماری اپنے اللہ سے درخواست ہے کہ اپنی رحمت ورافت کی ہم پر تکمیل فرمائے اور خلافت کو جو ہمارا یقینی حق ہے، ہمارے لیے قرار دے۔ وہ خدائے رحیم ہے، وہ اپنے دوستوں کی پناہ گاہ اور وہ سب سے بہتر مددگار اور مدافع ہے"۔

یزید کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک داغ دیدہ و رنج کشیدہ خاتون جو مسلسل سفروں کی تھکی ہاری ہے، نہ جسے دن کو آرام حاصل ہے اور نہ ہی رات کو، وہ اس قدر آتشیں خطاب کر سکے گی۔ یزید لعین نے اس آتشیں اور لرزا دینے والے خطاب کو بے اثر بنانے کے لیے کہہ دیا۔ خواتین جب آپے سے باہر ہوتی ہیں تو اس قدر جوش و خروش کا انداز لیے ہوئے ہوتی ہیں۔

یہ کہہ کر یزید نے یہ شعر پڑھا:

يَاصَيحَةُ تُحْمَدُ مِن صَوَائِحَ
مَا اَهْوَنَ النَّوحَ عَلَى النَّوَائِحَ

''نوحہ خوان عورتوں کی نالہ وزاری پسندیدہ امر ہے۔ نوحہ گر عورتوں کے لیے نوحہ گری کتنی آسان ہے''۔

اس مقام پر یزید میں احساسِ جرم وگناہ پیدا ہونا چاہیے تھا لیکن اس کی ضلالت و گمراہی میں مزید اضافہ ہوا۔ وہ عقیلۂ قریش کے اس عظیم ملکوتی خطاب کو پرعظمت جانتا ہے لیکن ان کے خطاب کو بے اثر بنانے کے لیے اپنے درباریوں سے کہتا ہے:

اَتَدْرُوْنَ مِنْ اَیْنَ اُتِیَ اِبْنُ فَاطِمَۃَ؟ وَمَا الْحَامِلُ لَہٗ عَلٰی مَا فَعَلَ وَالَّذِیْ اَوْقَعَہٗ فِیْمَا وَقَعَ؟

''کیا تمھیں معلوم ہے کہ پسرِ فاطمہ زہراؑ کو کہاں سے لایا گیا؟ کیا تمہیں معلوم ہے جو اس نے یہ کام کیا کس نے اُن سے یہ کام کرایا جس کی وجہ سے اُسے یہ دن دیکھنا پڑا؟''

حاضرین اور بزرگانِ شام نے کہا: ہمیں معلوم نہیں ہے تو یزید نے اُن سے کہا: حسینؑ یہ سمجھتا تھا کہ اُس کا باپ میرے باپ سے بہتر ہے اُس کی والدہؑ میری والدہ سے بہتر ہے کیونکہ اس کی والدہ پیغمبرؐ کی بیٹی ہے۔ اس کا نانا میرے نانا سے بہتر اور وہ اپنے آپؑ کو مجھ سے بہتر سمجھتا تھا اور اپنے آپ کو خلافت کے لیے مجھ سے زیادہ شائستہ سمجھتا تھا۔

رہی بات اس کی کہ اس کا باپ میرے باپ سے بہتر ہے تو اب وہ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں وہ ان کا خود فیصلہ کرے گا۔ لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کون حاکم ہے اور کون محکوم۔

اس کا یہ کہنا کہ اس کی ماں میری ماں سے بہتر ہے۔ جی ہاں! اس کی ماں رسولؐ اللہ کی بیٹی ہیں۔ واقعی ان کی ماں میری ماں سے بہتر ہے۔ اس کا یہ کہنا کہ اس کا نانا میرے نانا سے بہتر ہے۔ یہ بھی حق ہے کیونکہ ان کے نانا اللہ کے رسولؐ ہیں، ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

جہاں تک اس کا یہ خیال تھا کہ وہ مجھ سے بہتر ہے تو یہ اس کی کم فہمی تھی۔ شاید اس نے یہ آیت نہیں پڑھی تھی: (معاذ اللہ)

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (سورۂ آل عمران: آیت ۲۶)

"کہہ دیجیے اے اللہ! اے مملکت (ہستی) کے مالک تُو جسے چاہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہے حکومت چھین لیتا ہے اور تُو جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے"۔

اہلِ بیتؑ زندانِ شام میں

جب عقیلۂ قریش دختر سیدۃ النساء العالمین وارثہ فصاحت منبر سلونی کے آتشیں خطبہ نے یزید کی کائنات کو بھسم کر کے رکھ دیا اور تمام حاضرین کے دل و دماغ کھولنے لگے کہ ہم کہاں ہیں اور ہمیں کہاں ہونا چاہیے تھا۔ حکومت اور اس کے پروپیگنڈے نے ہماری زندگیاں تیرہ و تاریک کر دی ہیں۔ انھیں دین سے دُور بہت دُور کر دیا ہے۔ اور گمراہی و ضلالت کے وسیع ترین صحرا میں چھوڑ دیا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے: فِي اَيِّ وَادٍ يَعْمَهُوْنَ۔ "ہائے افسوس! کہ وہ کس وحشت ناک بیابان میں ہیں کہ جہاں حق و حقیقت کا راستہ نظر ہی نہیں آتا"۔

جب یزید نے ہر طرف نگاہ کی اور حالات کا جائزہ لیا تو اُس نے فوراً آلِ محمدؐ کے اُسیروں کو دربار سے نکال کر ایک ویران گھر میں بند کر دیا[1] جس کی چھت شکستہ تھی۔ وہاں آلِ محمدؐ کے اُسیر تین دن رات تک اپنے عزیزوں پر آہ و بکا بلند کرتے رہے۔[2]

ایک دن حضرت امام سجاد علیہ السلام کو کسی کام کے لیے زندان سے باہر لایا گیا۔ اس دوران میں آپؑ سے منہال بن عمرو کی ملاقات ہوئی تو اس نے آپؑ سے پوچھا:

---

① لہوف: ص ۱۰۷

② امالی شیخ صدوق: مجلس ۳۱

كَيْفَ أَمْسَيْتَ يَابْنَ رَسُوْلِ اللهِ "اے فرزندِ رسولؐ! کیسے گزر رہی ہے؟"

آں حضرتؑ نے فرمایا:

أَمْسَيْنَا كَمِثْلِ بَنِي إِسْرَائِيْلَ فِي اٰلِ فِرْعَوْنَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَ هُمْ

"ہماری گزر بسر اس طرح ہو رہی ہے جس طرح بنی اسرائیل کی گزر بسر فرعون کی حکومت میں ہو رہی تھی۔ وہ ان کے مردوں کو قتل کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو خدمت گزاری کے لیے زندہ رکھتے تھے"۔

اے منھال! آج عرب، عجم پر فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہیں اور قریش تمام عرب قبائل پر فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قبیلے سے ہیں۔ لیکن ہم تو اسی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں۔ ہمیں کیوں قتل کیا گیا اور کیوں پراگندہ کیا گیا؟

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، ہر حال میں ہم خدا کے لیے ہیں اور ہماری پیشانیاں اس کی رضا کے آگے جھکی ہوئی ہیں"۔ (مثیر الاحزان ابن نما: ص ۵۸)

منھال کہتے ہیں: ابھی میں حضرت امام سجاد علیہ السلام سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ میں نے دیکھا، ایک خاتون اس خرابۂ زندان سے باہر آئیں اور انھوں نے بلند آواز سے کہا: اِلٰى اَيْنَ يَانِعْمَ الْخَلَفِ؟ "اے میرے بھائی کی نشانی تم کدھر چلے گئے ہو؟" جب امام سجاد علیہ السلام نے ان کی آواز سنی تو فوراً ان کی طرف چلے گئے۔

میں نے آں حضرتؑ سے پوچھا: یہ خاتون کون ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: یہ میری پھوپھی زینب عالیہؑ ہیں۔ (انوار نعمانیہ: ص ۳۴۰)

□□□

اہلِ بیت علیہم السلام کی زندانِ شام سے رہائی

شام سے مدینے کا سفر

یزید نے سیّد الشہداؑ کے قتل پر جشن منائے، رقص و سُرود کی محفلیں برپا کیں۔ اس کی مسرت و شادمانی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُدھر رسولؐ اللہ کے اہلِ بیتؑ کو قید و بند میں ڈال دیا تھا۔ جب دربار میں بیٹھتا تو فتح کے نشے میں مست نظر آتا، کبھی اپنے کفر و الحاد کا تذکرہ کرتا۔ کبھی ابن زبعری کے اشعار میں مثالیں پیش کرتا اور وحی و رسالت کا انکار کرتا کہ اچانک اس کی نظر بدلے ہوئے ماحول پر پڑی اور دیکھا کہ لوگوں کی کل جو چاہت اس کے ساتھ تھی انھوں نے اب اس سے منہ پھیر لیا ہے۔ اُس نے لوگوں میں فکری انقلاب دیکھا کہ لوگ اُسے چھوڑ رہے ہیں اور خود اس کے منہ پر اور اس کی پشت کے پیچھے اُسے لعنت ملامت کر رہے ہیں۔ یزید ملعون نے اپنے تخت کو متزلزل پایا اور اپنی مضبوط حکومت کو کمزور اور خستہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ یہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اُسے امام حسینؑ کے قتل کے معاملے میں خطاکار و مجرم سمجھ رہے ہیں۔ اُسے اُسی وقت اپنے باپ کی وصیت و گفتگو یاد آئی کہ اہلِ عراق امام حسینؑ کو اپنی طرف دعوت دیں گے۔ وہ تیرے خلاف قیام کرے گا تو اس سے درگزر کرنا۔ یزید نے دل میں اپنے آپ سے کہا کہ مجھے حسینؑ کے معاملے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔

جس وقت اس نے دیکھا کہ اس کے تمام تعلق دار، اس کے تمام درباری لوگ، حتیٰ کہ خوشامدی لوگ بھی اُسے سرزنش کرنے لگے ہیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا تھا کہ جب اس کے دربار میں سفیر روم کو قتل کیا گیا تو اس وقت مقدس سر نے گفتگو کی تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے سن رہا تھا کہ اب پورے ملک میں یہی تذکرے ہیں کہ یزید ایک ظالم و جابر انسان ہے۔ اس نے فرزندِ رسولؐ کو قتل کر کے ایک عظیم جرم کیا ہے۔

جب اس نے یہ حالات دیکھے تو عوام کو دھوکا دینے کے لیے یہ مشہور کرا دیا کہ فرزندِ رسولؐ کو ابن زیاد نے قتل کیا ہے، اُسے اس واقعہ کا کوئی علم نہیں ہے لیکن اس نے دیکھا کہ لوگوں نے اس کے اس پروپیگنڈے کا کوئی اثر نہیں لیا اور عنقریب انقلاب آنے والا ہے اور اُس کے آثار دکھائی دینے لگے ہیں تو اُس نے فوراً فیصلہ کیا کہ حضرت امام سجادؑ اور باقی اُسیروں کو ان کے وطن بھیج دیا جائے۔ اس نے فوراً اپنے آدمیوں کو تیار کیا اور انھیں ہدایت کی کہ مکمل احترام واکرام کے ساتھ انھیں مدینہ لے جائیں۔ اُس نے یہ ذمہ داری نعمان بن بشیر کو سونپی۔ (ارشاد مرحوم شیخ مفیدؒ)

جب یہ کاروان عراق پہنچا تو انھوں نے حکومتی ذمہ داروں سے کہا کہ وہ انھیں کربلا لے جائیں۔ جب اہلِ بیتؑ کا قافلہ کربلا پہنچا تو انھوں نے وہاں پر جابر بن عبداللہ انصاری اور چند دیگر بنوہاشم کے افراد کو دیکھا جو سیّدالشہداءؑ کی زیارت کے لیے کربلا آئے ہوئے تھے۔ جب ان سب نے ایک دوسرے کو دیکھا تو طرفین سے صدائے گریہ وشیون بلند ہوئی۔ اس طرح تین شبانہ روز[1] سیّدالشہداءؑ پر گریہ وزاری کی مجلس برپا رہی۔ (لہوف: ص ۱۱۲)

جناب جابر حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبرِمبارک کے سرہانے بیٹھے اور رونا شروع کیا اور اسی حالت میں کہا: یَاحُسَیْنُ! یَاحُسَیْنُ! یَاحُسَیْنُ!

بعدازیں کہا: حَبِیْبٌ لَا یُجِیبُ حَبِیْبَہٗ ''اب کیا حال ہے کہ آقا اپنے غلام کو جواب نہیں دیتا؟'' پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا:

> وَأَنّٰی لَکَ بِالْجَوَابِ وَقَدْ شَحَطَتْ اَوْدَاجُکَ عَلٰی أَثْبَاجِکَ وَفُرِّقَ بَیْنَ رَأْسِکَ وَبَدَنِکَ.....
>
> ''جی ہاں! کس طرح آقا اپنے غلام کو جواب دے حالانکہ ان کی گردن کی رگوں کو کاٹ دیا گیا۔ سر اور بدن کے درمیان جدائی ڈال دی گئی''۔
>
> مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ خاتم النبیینؐ کے فرزند ہیں اور امیرالمومنینؑ کے فرزند ہیں۔ آپؑ صاحبِ تقویٰ اور سلیلِ ہدیٰ کے فرزند ہیں۔

---

[1] ریاض الاحزان: ص ۱۵۷۔

آپؑ خامسِ آلِ عباؑ ہیں۔ آپؑ نقیبوں کے سردار کے فرزند ہیں۔ آپؑ نے امام المتقینؑ کے دامن میں پرورش پائی ہے اور آپؑ نے پستانِ ایمان سے دودھ پیا ہے اور روحِ اسلام سے سامانِ رُشد پایا ہے۔ تیری تعزیت غم ناک ہے۔ آپؑ پر اللہ کا سلام۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ کا وہی راستہ ہے جو آپؑ کے بھائی جناب یحیٰی نبیؑ کا راستہ تھا"۔

پس! حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی قبر کے گرد نظر دوڑائی اور عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَيَّتُهَا الْاَرْوَاحُ الَّتِي حَلَّت بِفِنَاءِ الْحُسَيْنِ وَأَنَاخَت بِرَحلِهِ وَاَشْهَدُ اَنَّكُمْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَأَمَرتُمْ بِالمَعْرُوْفِ وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَجَاهَدتُمُ الْمُلحِدِيْنَ وَعَبَدتُمُ اللهَ حَتّٰى اَتَاكُمُ الْيَقِيْنُ

"میرا سلام ہو، اے وہ اَرواح! جو حسینی آستان پر اُتریں اور اپنی سواریاں حسینؑ کی سواریوں کے ساتھ اُتاریں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ لوگوں نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، نیکیوں کا حکم دیا اور ناپسندیدہ اُمور سے روکا اور مُلحدین کے ساتھ جہاد کیا۔ آپ لوگوں نے اللہ کی بندگی و عبادت کا حق ادا کیا اور آخرکار منزلِ شہادت پر پہنچے"۔

جنابِ جابرؓ نے اس مقام پر قسم اُٹھائی اور کہا: اے شہیدانِ عزیز! اس ذات کی قسم، جس نے حضرت محمدؐ کو اپنا پیغمبر بنایا۔ ہم آپؑ کے عمل کی تائید کرتے ہیں، ہم اپنے آپ کو تمہارے اس عمل میں شریک جانتے ہیں۔

عطیہ عوفی جنابِ جابرؓ کے ہمراہ تھے اور اُنھوں نے جب جنابِ جابرؓ کی یہ گفتگو سنی تو کہا: ہم کیسے اس مقدس جہاد میں ان کے ساتھ شریک ہیں حالانکہ ہم نے نہ ان کے ساتھ سفر کی سختیاں جھیلیں ہیں اور نہ ہی ان کے ہم رکاب ہوکر شمشیر اُٹھائی ہے۔ جب کہ ان کے عزیزوں کو قتل کیا گیا، ان کی اولاد کو یتیم کیا گیا اور ان کے گھر والوں کو سوگ وار کیا گیا،

ہم ان کے اس عمل میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟!

جنابِ جابرؓ نے عطیہ کے جواب میں کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا كَانَ مَعَهُمْ وَمَنْ اَحَبَّ عَمَلَ قَوْمٍ اُشْرِكَ فِي عَمَلِهِمْ ''جس شخص نے کسی قوم سے محبت کی تو وہ ان کے ساتھ ہے اور جس کسی نے ان کے عمل کو پسند کیا تو وہ ان کے عمل میں شریک ہے''۔

مجھے اس ذات کی قسم! جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا نبیؐ بنایا، میری نیت اور میرے دوستوں کی نیت وہی ہے جو امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کی نیت تھی۔ ①

سرہائے شہدا کا اپنے اَبدان سے وصال

جب حضرت امام سجاد علیہ السلام نے دیکھا کہ اب حالات بدل چکے ہیں، یزید کا وہ غرور و تکبر خاک میں مل گیا ہے اور اس کے مزاجِ سیاست میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے تو آپؑ نے یزید سے شہدا کے سروں کا مطالبہ کیا۔ یزید نے تمام شہدا کے سر امام سجاد علیہ السلام کے حوالے کر دیے۔ جب آپؑ کربلا میں تشریف لائے تو شہدا علیہم السلام کے سروں کو ان کے اَبدان کے ساتھ دفن کر دیا۔

حبیب السیر، نفس المہموم اور صاحبِ ریاض الاحزان نے تصریح کی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تمام شہدا کے سر کربلا میں لے آئے تھے اور انھیں ان کے اَبدان کے ساتھ دفن کر دیا تھا۔

ان لوگوں نے حضرت سیّد الشہداؑ کے سرِ مقدس کی بحث کچھ یوں کی ہے:

① ابنِ فتال صاحبِ روضۃ الواعظین: ص ۱۶۵ اور ابن نما نے مثیر الاحزان: ص ۵۹ پر مذکورہ بالا قول کی تائید کی ہے۔

② ابن طاؤس نے لہوف: ص ۱۱۲ پر لکھا ہے کہ مکتبِ امامیہ اسی قول پر عمل کرتے ہیں۔

③ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں ص ۱۵۱ اور مقتل العوالم: ص ۱۵۴، ریاض المصائب اور بحار میں لکھا ہے کہ ہمارے علما کے درمیان یہی مشہور ہے۔

---

① بشارۃ المصطفیٰ: ص ۸۹ مؤلفہ ابوجعفر محمد بن ابی القاسم جو پانچویں صدی کے علما میں سے تھے۔

④ ابن شہر آشوب نے مناقب: ج ۲، ص ۲۰۰ پر سید مرتضیٰ کے کسی رسالہ سے نقل کیا ہے کہ سید الشہداءؑ کا سر کربلا لایا گیا اور ان کے بدن سے ملحق کیا گیا۔

⑤ جناب شیخ طوسیؒ بھی اسی عمل کو زیارت اربعین کی دلیل سمجھتے ہیں۔

⑥ صاحب بحار نے علامہ حلّی کی کتاب "عدد القویہ" سے اور قزوینی نے المخلوقات، ص ۹۷ پر نقل کیا ہے کہ ماہِ صفر کی بیس تاریخ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرِ مقدس ان کے بدنِ مبارک کے ساتھ ملحق کیا گیا۔

⑦ شبراوی صاحب الاتحاف بحب الاشراف: ص ۱۲ اور اس طرح ابن حجر شرح ہمزیہ البوصیری میں لکھتے ہیں: سید الشہداءؑ کا سرِ مقدس روزِ اربعین اپنے بدن سے ملحق کیا گیا۔

⑧ سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۰ پر بغیر کسی تاریخ کے لکھا ہے کہ سید الشہداءؑ کا سرِ مقدس کربلا لایا گیا اور امام علیہ السلام کے بدنِ مبارک سے ملحق کیا گیا۔

⑨ کواکب الدریہ: ج ۱، ص ۵۷ پر مناوی نے لکھا ہے: "علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا سرِ مقدس کربلا لایا گیا۔ اس نے اضافہ کے ساتھ لکھا ہے کہ قرطبی نے بھی اسی قول کو نقل کیا ہے لیکن تاریخ کا ذکر نہیں کیا۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض اہلِ کشف شہود نے کہا ہے کہ ہمیں اطلاع حاصل ہوئی کہ حضرت امام حسینؑ کا سر کربلا لایا گیا اور ان کے بدن کے ساتھ ملحق کیا گیا۔

مذکورہ بالا طویل ترین بحث اور دلائل کے بعد اگر کوئی مخالف اقوال ملیں تو وہ قابلِ توجہ نہیں ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سید الشہداءؑ کے سر کو نجف لایا گیا اور حضرت امیر المومنینؑ کی قبر مبارک کے ساتھ دفن کیا گیا۔ یہ قول قابلِ اطمینان نہیں ہے کیونکہ سندِ روایت درست نہیں ہے۔ نیز اس حدیث کے راوی بھی معروف نہیں ہیں۔

جب ابوبکر آلوسی سے سوال کیا گیا کہ حضرت امام حسینؑ کا سرِ مقدس کہاں دفن ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا:

لَا تَطْلُبُوا رَأْسَ الْحُسَيْنِ — بِشَرْقِ أَرْضٍ أَوْ بِغَرْبِ

وَدَعُوا الْجَمِيْعَ وَعَرِّجُوا — نَحْوِي فَمَشْهَدُهُ بِقَلْبِي

"اے لوگو! سیّد الشہداؑ کے مبارک سر کو مشرق و مغرب میں تلاش نہ کرو جسے سرِ مبارک کی طلب و تلاش ہے وہ میرے دل کے پاس چلا آئے، کیوں کہ سرِ مبارک میرے قلب میں دفن ہے"۔

حاج مہدی فلوجی حلّی کہتے ہیں:

لَا تَطْلُبُوا رَأْسَ الْحُسَيْنِ فَإِنَّهُ ... لَا فِي حَمًى ثَاوٍ وَلَا فِي وَادِي

لٰكِنَّمَا صَفْوُ الْوَلَاءِ يَدُلُّكُمْ ... فِي أَنَّهُ الْمَقْبُورُ وَسْطَ فُؤَادِي

"سیّد الشہداؑ کے مبارک سر کو اِدھر اُدھر تلاش نہ کرو کیوں کہ وہ نہ کسی قبر میں ہے اور نہ ہی کسی وادی میں ہے لیکن محبت و ولایت کی صفائی تمہاری رہبری کرے گی کہ وہ میرے دل میں مدفون ہیں"۔

اربعین

چوں کہ یہ زمانے کا ہمیشہ سے رواج چلا آرہا ہے کہ جب ان کا کوئی عزیز اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اس کا چالیسواں مناتے ہیں۔ اس کی مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے صدقہ وخیرات کا اہتمام کرتے ہیں۔ اُسے یاد کرتے ہیں اور اس کی زندگی کے مختلف مراحل ومشکلات کو یاد کرتے ہیں۔ اس کی یاد میں مجالس برپا کرتے ہیں، جس میں اس کے فضائل بیان کرتے ہیں اور اپنے قلوب میں اس کی یاد کو تازہ کرتے ہیں یا پھر اس پر مقالے لکھتے ہیں یا اس پر کتابیں تالیف کرتے ہیں تا کہ وہ تاریخ کا حصّہ بن جائے۔ جب کوئی ان مقالات اور کتب کو پڑھے گا تو اس کی زندگی کے سوانح اس کے سامنے آجائیں گے اور اُسے اپنے سامنے زندہ سمجھیں گے اور اپنے نفس کی اصلاح کے لیے اس کی اقتدا کریں گے۔

جناب ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک قول نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی مومن اس دنیا سے انتقال کرتا ہے تو زمین اس کے سوگ میں چالیس شبانہ روز گریہ کرتی ہے"۔

زُرارہ سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"آسمان عزائے حسینؑ میں چالیس روز خون کے آنسو برساتا رہا۔ زمین چالیس دنوں تک سیاہ وتاریک رہی۔ سورج کو چالیس روز تک گرہن لگا رہا۔ آسمانی فرشتے آپؑ پر چالیس روز تک روتے رہے۔ جب تک عبیداللہ ابن زیاد کا سر ہمارے پاس نہیں پہنچا تھا اس وقت تک ہماری خواتین نے نہ خضاب کیا اور نہ آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ صرف اپنے گھروں تک ہی محدود رہ گئیں"۔

مذکورہ روایت اس سنت حسنہ اور رواج زمانہ کی تائید وتاکید کرتی ہے۔

بس! یہی وہ اساس ہے کہ متوفی یا متوفیہ کا چالیسواں منایا جاتا ہے۔ اس کے گھر والے رشتہ دار اور دوست باعنوان احترام ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اس کی قبر پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اس کے سوگ میں بیٹھتے ہیں۔ ان مراسم کو نہ صرف مسلمان انجام دیتے ہیں بلکہ عیسائی بھی اسی طرح اپنے کلیساؤں میں فوت ہونے والے کے لیے مجلس برپا کرتے ہیں بلکہ دوبارہ اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھتے ہیں۔ پھر وہ آدھا سال گزرنے کے بعد ایسی ہی مجالس برپا کرتے ہیں اور پھر ہر سال برسی مناتے ہیں۔

اہلِ یہود مراسمِ عزا وسوگواری تیس روز کے بعد اور نو ماہ کے بعد مناتے ہیں اور سال کے آخر میں بھی گزر جانے والے کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ (نہر الذہب فی التاریخ حلب: ج ۱، ص ۶۶۳-۶۶۷)

یہ تمام مراسم اس لیے بھی ادا کیے جاتے ہیں کہ مرنے والا ایک برگزیدہ انسان ہے اور اس کے آثار واعمال شائستہ ہیں تو وہ لوگوں کے لیے اُسوہ اور نمونہ بنیں۔

اس بھری کائنات میں کوئی توانا خطیب ہو یا کوئی بڑا محقق یا کوئی ایسا انسان ہو جو یہ ثابت کرے کہ جس نے اسلامی انسانی معاشرے کی اصلاح وخیر وبرکت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا ہو، ہرگز نہیں۔ اگر کائنات میں کوئی ہستی ہے جس نے گھر، وطن، علاقہ، تعلق اور حتیٰ کہ اپنی زندگی بھی اللہ کے لیے اور اس کی مخلوق کی اصلاح کے لیے قربان کردی ہو تو وہ صرف ایک ذات ہے جو فرزندِ رسولؐ ہیں۔ جب ان کا کام عظیم ہے تو ان کی ذات والا صفات کے لیے مجالس و اجلاس اُولویت رکھتے ہیں۔ اس لیے فیوضاتِ الٰہی کو پانے کے لیے روزِ

اَربعین کے لیے سفر کے مشکلات اُٹھائے جائیں تاکہ حرم شریف اور آپؑ کی مرقدِ مطہر پر حاضری دی جائے۔

ایک عام انسان کا چالیسواں صرف ایک دفعہ منایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کا چالیسواں نہیں منایا جاتا ایسا کیوں؟ اس لیے کہ اس کی خوبیاں اور فضائل و صفات محدود ہوتے ہیں لیکن سیّدالشہداؑ کے فضائل لامحدود اور ان کی صفات بے شمار ہیں۔ جب بھی ان کی کسی فضیلت کا تکرار کیا جائے تو ہر بار نیا درس ملتا ہے اور جوں جوں ان کے فضائل، ان کی سیرت اور کارناموں کو بیان کیا جائے تو نئی نسل میں ایک بیدار روح پیدا ہوتی ہے اور وہ روحانی ترقی کی منازل طے کرتی ہے۔

جی ہاں! جب ہر سال سیّدالشہداؑ کا اَربعین منایا جاتا ہے تو اس سے نہضت حسینیؑ کا احیا ہوتا ہے اور دنیا کو معلوم ہوتا ہے کہ سرمایۂ ننگ و نفرت اُموی خاندان کس قدر ایک تاریخ کا مجرم خاندان تھا۔ ایک خطیب، شاعر یا ثناخوان جب حضرت سیّدالشہداؑ پر بولنا چاہتا ہے اور ان کی شان و منقبت بیان کرنا چاہتا ہے تو وہ داستانِ کربلا اور نہضت حسینیؑ میں خوب غور وخوض سے کام لیتا ہے۔ پھر جب وہ دوبارہ اِنھی فضائل و مناقب میں غور کرتا ہے تو اس پر پہلے سے زیادہ ابواب کھلتے ہیں جو پہلے اس پر بند تھے۔ اسی جہت سے شیعیانِ حیدرِ کرّار کی ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ وہ اِنھی مسائل سے تجدیدِ عہد کرتے ہیں۔ اِن اُمور کو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی یہ روایت تقویت دیتی ہے کہ ''آسمان چالیس روز تک وقتِ طلوعِ آفتاب مشرقی سرخی اور وقتِ غروب غربی سرخی کے ساتھ امام حسینؑ پر گریہ کرتا رہا'' (کامل الزیارات: ص ۹۰، باب ۲۸)۔ یہ اشارہ ہے کہ آسمان بھی انسانی عادات رکھتا ہے۔

مومن کی نشانیاں

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرمان ہے کہ مومن کی پانچ نشانیاں ہیں:

''① اکاون رکعت نماز ادا کرنا۔ ② زیارتِ اَربعین۔ ③ نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔ ④ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔ ⑤ حالتِ نماز میں اپنی پیشانی

خاکِ کربلا پر رکھنا"۔ (تہذیب شیخ طوسیؒ: ج ۳،ص ۱۷، مصباح المتھجد: ص ۵۵۱)

ہمیں اِنھی عادات کو خود پر لازم کرنا چاہیے۔ جو لوگ روزِ اَربعین حضرت امام حسین علیہ السلام کی مجلسِ عزا کا اہتمام کرتے ہیں، وہ آںِ حضرتؑ کی ولایت سے اِرتباط رکھتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس وسیلہ سے وہ انؑ کی پیروی کرتے ہیں اور انھیں اپنا امام جانتے ہیں۔ اِنھی پانچ علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ روزِ اَربعین ان کے آستانِ اَقدس پر حاضری دینا ہے۔ وہاں جا کر وہ سیدالشہدؑ اور ان کے اصحاب سے تجدیدِ عہد کرتے ہیں۔

بعض لوگوں نے "زیارتِ اَربعین" سے چالیس مومنین کی زیارت مراد لی ہے۔ یہ توجیہ کج فہمی پر مبنی ہے۔ ذوقِ سلیم اسے کبھی قبول نہیں کرتا۔ اس معنٰی پر کوئی قرینہ بھی موجود نہیں ہے جو اس کی تائید کرے۔

ایک اور نکتہ یہ ہے کہ اس حدیث کے معنٰی یہ ہوں کیونکہ تمام آئمہ معصومین علیہم السلام پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہیں اور تمام اُمت کے لیے بابِ نجات ہیں اور تمام کشتیِ رحمت ہیں۔ اِنھی کی ولایت سے ایک مومن دوسرے مومن کو پہچان لیتا ہے۔ یہ تمام معصومین علیہم السلام دعوتِ خداوندی کے سبب سے اُسی کی راہ میں قتل کر دیے گئے ہیں۔

امام حسنِ مجتبیٰ علیہ السلام نے اسی نکتہ کو پیش کیا ہے کہ امرِ ولایت ہم بارہ اماموںؑ کے ساتھ مربوط ہے۔ ہم میں سے کوئی ایک بھی طبیعی موت سے اس دنیا سے جانے والا نہیں ہے۔ ہم قتل ہوں گے یا ہمیں زہر کے ذریعے قتل کیا جائے گا۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا روزِ اَربعین عزاداری صرف امام حسینؑ کے ساتھ خاص ہے یا اس میں باقی آئمہ بھی شریک ہیں۔ جب روایت پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے اس میں لفظی قرینہ موجود نہیں ہے کہ یہ عزاداری صرف امام حسینؑ کے ساتھ خاص ہے لیکن مندرجہ بالا تمام مطالب اس امر کی حکایت کرتے ہیں کہ لفظ اَربعین اعم ہے لیکن قرینہ حالیہ یہ بتاتا ہے کہ تمام علماء اعلام زیارتِ اَربعین کو حضرت امام حسینؑ کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں کیونکہ حضرت امام حسینؑ کی داستان ہی وہ امر ہے جو حق و باطل کے درمیان فارق ہے۔ اسی جہت سے کہا گیا ہے: اَلْاِسْلَامُ بَدْؤُهٗ مُحَمَّدِيٌّ بَقَاؤُهٗ حُسَيْنِيٌّ "اسلام کی ابتدا اور ترویج

حضرت محمد ﷺ نے فرمائی اور اس کی بقا کی ضمانت حضرت امام حسین علیہ السلام نے دی"۔

حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ حُسَیْن

رسولِ اکرم ﷺ کی حدیث شریف حُسَیْنٌ مِنِّی وَاَنَا مِنْ حُسَیْن کا اسی معنی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسلام کے راستے سے باطل کے تمام کانٹوں کو ہٹایا اور عوام کو جرائم پیشہ لوگوں کی طرف متوجہ کیا تو آپؑ نے اس راہ میں رنج و غم اُٹھائے۔ رسولؐ اسلام نے جس دین کی بنیاد رکھی اور اس کی ترویج کی تو سیّدالشہداؑ نے اُسی اسلام کی بقا کی ضمانت دی۔

اسی دلیل کی بنیاد پر علمائے کرام نے بار بار اس نہضت مقدس کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی کیونکہ اس مقدس نہضت کے صاحبؑ نے بنواُمیہ سے بہت زیادہ زخم پر زخم کھائے۔ جب بار بار امامؑ کے تذکرے ہوتے ہیں تو یہ تذکرے پتھر میں شگاف ڈال دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کی مظلومیت کا بیان مسلسل ہو تو اس سے لوگوں کے احساسات وجذبات وعواطف بیدار ہوتے ہیں اور قلوب مسخر ہوتے ہیں اور ایک سامع کو بنی اُمیہ کی رُسوائیوں کا علم ہوتا ہے اور انھیں علم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ ایک عادل امامؑ تھے۔ انھوں نے دنیا کے لیے قیام نہیں کیا تھا بلکہ دین کے لیے قیام کیا تھا اور وہ اس نکتے پر پہنچتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی امامت کا مرکز رسولؐ اللہ ہیں۔ رسولؐ اللہ کے بعد زمانے کے امامؑ ان کے والد گرامی تھے اور اسی راستے سے وہ امامت کے وارث ہوئے ہیں۔ جن لوگوں کو ان حقائق کا علم نہیں ہوتا، جب وہ ان حقائق کو سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ امام حسینؑ اور ان کے فرزندان حق پر تھے۔ پھر وہ ان کی پیروی اپنے اُوپر لازم جانتے ہیں۔

یومِ اَربعین صرف امام حسینؑ کے ساتھ خاص ہے

یہی وجہ ہے کہ اَربعین کے روز باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کے عزا و ماتم کی ترغیب نہیں دی گئی حتیٰ کہ اس روز رسولِ خدا کی ذات والاصفات کی بھی ترغیب وتشویق نہیں دی گئی۔ صرف اَربعین کا دن حضرت امام حسینؑ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ اس دن ان کی ذات

کے مصائب کا تذکرہ کیا جائے کیونکہ ان کے مصائب کا ذکر دین کی بقا کے لیے بہت زیادہ موثر ہے۔

یہاں معصومینؑ کا فرمان موجود ہے جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے: أَحيُوا أَمرَنَا وَتَذَاكَرُوا أَمرِنَا "ہمارے امر کو زندہ رکھیے اور ہمارے اُمور کا ایک دوسرے کے سامنے ذکر کیجیے"۔

لیکن تمام آئمہ نے اربعین کی وصیت صرف سید الشہداءؑ کے لیے کی ہے۔

پہلی علامت: جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپؐ کو اکاون رکعت نماز پڑھنے کا حکم ملا۔ جب آپؐ نے اصرار فرمایا تو پھر اُمت پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں۔ اس طرح اگر نماز ہائے واجب و نوافل یومیہ اور نماز شب کو جمع کیا جائے تو کل اکاون رکعت بنتی ہیں۔ ترتیب نوافل یہ ہے:

نافلۂ ظہر آٹھ رکعت قبل از نمازِ ظہر، نافلۂ عصر آٹھ رکعت قبل اَز نمازِ عصر اور نافلۂ مغرب کی چار رکعت بعد از نمازِ مغرب اور نافلۂ عشاء کی دو رکعت بیٹھ کر جو ایک رکعت شمار ہوتی ہے اور یہ عشاء کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے اور دو رکعت نمازِ نافلۂ صبح جو صبح کی نماز سے قبل پڑھی جاتی ہیں۔ اس طرح نمازِ شب کی گیارہ رکعتیں ہیں۔ یہ اِکاون رکعت مکتبِ امامیہ کا خاصہ ہے۔

اگرچہ اہلِ سنت فرائضِ نماز کی تعداد کے لحاظ سے امامیہ کے ساتھ متحد ہیں لیکن ان کی نوافل کی تعداد میں فرق ہے۔ کتاب فتح القدیر: ج ۱، ص ۳۱۴ کے مطابق: اس کی شکل یہ ہے: دو رکعت قبل از نمازِ فجر، چار رکعت قبل از ظہر اور دو رکعت بعد از ظہر۔ علاوہ دیگر چار یا دو رکعت قبل از عصر، دو رکعت بعد از مغرب، چار رکعت قبل یا دو رکعت بعد از عشاء، یہ کل تیئس رکعت بنتی ہیں۔ وہ نافلۂ شب میں بھی مذہب شیعہ سے مختلف ہیں: کچھ آٹھ رکعتوں اور کچھ دو رکعتوں اور کچھ تیرہ یا اس سے زیادہ رکعتوں کے قائل ہیں، تو ان کی نوافل اور نماز ہائے واجب کی تعداد اِکاون رکعت نہیں بنتی۔ اِکاون رکعت صرف مذہب شیعہ کا خاصہ ہے اور اس کے ایمان کی علامت ہے۔

دوسری علامت: حدیث کے مطابق مومن کی دوسری علامت نماز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا بلندآواز کے ساتھ پڑھنا ہے۔ مکتبِ امامیہ میں جہریہ نمازوں میں بلند آواز کے ساتھ پڑھنا واجب ہے اور اِخفاتی نمازوں میں بلندآواز کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے۔

علامہ فخرالدین رازی کہتے ہیں کہ جمہور فقہا مذہبِ شیعہ سے اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت امام علی علیہ السلام اپنی جہریہ نمازوں اور اِخفاتی نمازوں میں "بسم اللہ" بلندآواز کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ جس نے حضرت امام علی علیہ السلام کی اِقتدا کی وہ راہِ ہدایت پر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے: اَللّٰھُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَ عَلِیٍّ حَیْثُ دَارَ "خدایا! جس طرف علیؑ جائے حق کو اس طرف قرار دے"۔ (مفاتیح الغیب: ج ۱، ص ۱۰۷)

ابن قدامہ مغنی: ج ۱، ص ۴۷۸، کاسانی حنفی در بدایع الصنایع: ج ۱، ص ۲۰۴ اور زرقانی شرح مختصر میں، ابی ضیاء فقہ مالکی: ج ۱، ص ۲۱۶ پر لکھتے ہیں کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" بالجہر نماز میں خلافِ سنت ہے کیونکہ نماز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" جہر کے ساتھ مذہب شیعہ کے خواص میں سے ہے۔

تیسری علامت: مومن کی علامات میں سے تیسری علامت دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ہے۔ شیعہ اثنا عشریہ اپنے آئمہ علیہم السلام کے فرامین پر عمل کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے ہیں لیکن اہلِ سنت والجماعت کا مسئلہ کچھ یوں ہے:

ابن حجاج مالکی کہتے ہیں: سنت ہے کہ ہر پلید کام کو بائیں ہاتھ سے اور ہر پاک کام کو دائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ اس صورت میں مستحب ہے کہ انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہننی چاہیے یعنی اُسے دائیں ہاتھ سے لیں اور بائیں میں پہنیں اور انگوٹھی کو بائیں ہاتھ میں جگہ دیں۔ (المدخل: ج ۱، ص ۴۶، آدابِ دخول در مسجد)

ابن حجر نقل کرتے ہیں: مالک کا نظریہ ہے کہ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہننی مکروہ ہے۔ اور بائیں ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ الباجی مالکیہ کہتے ہیں کہ انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہننی چاہیے۔ (الفتاویٰ الفقہیہ الکبریٰ: ج ۱، ص ۲۶۴، در بحث لباس)

شیخ اسماعیل بروسوی کہتے ہیں: عقدالدرر میں ہے کہ انگوٹھی پہننا مستحب ہے اور دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا چونکہ یہ اہلِ بدعت وظلمت کا شعار ہے، اس لیے ان کی مخالفت کرنی چاہیے اور انگوٹھی بائیں ہاتھ کی اُنگلی میں پہننا چاہیے۔

چوتھی علامت: مومن کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ خاک پر سجدہ کرتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ خاک پر سجدہ کرنا سنت ہے۔ شیعیانِ حیدرِ کرّار اپنے آئمہؑ کے فرامین کے مطابق خاک پر سجدہ کرتے ہیں لیکن اہلِ سنت اپنے اُوپر یہ امر لازم نہیں جانتے۔ ابوحنیفہ، مالک اور احمد حنبل کے مطابق سجدہ عمامے،[1] لباس کے دامن،[2] اور خود لباس پر بھی ہوسکتا ہے۔ اس طرح وہ گندم، جَو اور نماز پڑھنے والے کی پشت پر بھی سجدہ کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ (البحرالرائق ابن نجیم: ج۱،ص ۳۱۹)

اس حدیث شریف میں اگر جبین سے مراد جبین ہو اور پیشانی نہ ہو تو اس صورت میں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سجدۂ شکر کے دوران میں دونوں رخساروں کو خاک پر رکھنا چاہیے کیوں کہ اس سے کاملاً اظہار بندگی ہوتا ہے۔ اس مورد میں صریح نص وارد ہے لیکن یہ بات اہلِ سنت کو قبول نہیں ہے بلکہ نخعی، مالک اور ابوحنیفہ سجدۂ شکر کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

گذشتہ بحث کا خلاصہ

گذشتہ بیانات سے یہ واضح ہوا کہ حدیث شریف کہ ''مومن کی پانچ علامتوں میں سے ایک علامت ''زیارتِ اَربعین'' ہے۔ اہلِ بیت علیہم السلام کے پیروؤں کے لیے ہدایت وارشاد ہے کہ اس دن سیّدالشہداؑ کے حرمِ مطہر میں جائیں اور وہاں پر عزاداری کریں، اور مظلوم پر ہونے والے مظالم کو یاد کر کے گریہ کریں کیوں کہ وہاں پر حاضری تجدیدِ عہد ہے کہ وہ اِنھی کے راستے پر ہیں کیونکہ روزِ اَربعین سیّدالشہداؑ کے حرم میں حاضری ایمان کی روشن ترین علامت ہے۔

---

[1] المیزان شعرانی: ج۱،ص ۱۳۸

[2] الہدایہ مرغینانی: ج۱،ص ۲۳

ہمیں ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو زیارتِ اربعین سے چالیس مومنین کی زیارت مراد لیتے ہیں۔ بے شک! اسلام نے واقعی ترغیب وتشویق دلائی ہے کہ چالیس مومنین کی زیارت کرنا ثواب ہے۔ اس امر کو شیعہ وسُنّی سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا کرنا اسلام کی علامات میں سے ہے مگر یہ حدیث مومنین کے ساتھ اختصاص نہیں رکھتی، صرف زیارتِ امام حسینؑ ہی ہے جس سے کسی کا ایمان واضح ہوتا ہے۔ جو لوگ روزِ اربعین سیّدالشہداؑ کے حرم میں آپؑ کی زیارت کے لیے جاتے ہیں وہ صرف اور صرف انھی کے پیروکار ہی ہوتے ہیں اور اہلِ ایمان ہی ہوتے ہیں نہ کہ کوئی اور۔

زیارتِ اربعین سے مراد صرف وہ دن ہے کہ اس دن حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید ہوئے چالیس دن مکمل ہوئے تھے نہ کہ اس سے مراد چالیس مومنین کی زیارت ہے۔ زیارتِ اربعین بزرگانِ اسلام کے فرمودات میں سے ہے۔

جیسا کہ جنابِ ابوجعفر محمد بن حسن طوسیؒ نے تہذیب: ج ۲، ص ۱۷، باب فضلِ زیارت الحسین میں زیارتِ اربعین کا ذکر کیا ہے۔ آپؒ نے زیارتِ مطلقہ کے بعد زیاراتِ اوقاتِ مخصوصہ کا ذکر کیا ہے اور وہیں پر زیاراتِ عاشورا کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعدازاں اسی حدیث کا تذکرہ کیا ہے نیز اس حدیث کی تشریح میں زیارتِ اربعین کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس طرح مصباح المتجدین: ص ۵۵۱، مطبوعہ بمبئی، ماہِ صفر اور اس کے حوادث کو شمار کرنے کے بعد لکھا کہ صفر کی بیس تاریخ کو حضرت امام حسینؑ کے اہلِ بیتؑ شام سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس روز جابر بن عبداللہ انصاری زیارتِ امام حسینؑ کے لیے کربلا پہنچے تھے۔ جنابِ جابرؓ وہ پہلے زائر ہیں جو کربلا میں حضرت امام حسینؑ کے روضۂ مبارک پر پہنچے۔ انھوں نے نزدیک سے آپؑ کی زیارت کی تھی۔ اسی جگہ پر صاحبِ کتاب نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی یہ حدیث ذکر کی: ''مومن کی علامات پانچ چیزیں ہیں (یعنی مومن کی پانچ علامات ہیں)''۔

علامہ حلی نے اپنی کتاب منتہی میں فصلِ زیارات کے بعد فصلِ حج میں فرمایا: بیس ماہِ صفر زیارتِ امام حسینؑ مستحب ہے کیونکہ شیخ نے ابومحمد امام حسن عسکری علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ

مومن کی پانچ علامتیں ہیں۔

سید رضی الدین علی بن طاؤس نے کتاب ''اقبال'' میں زیارات امام حسینؑ کی بحث میں فرمایا ہے کہ میں نے اپنے جد ابو جعفر اور انھوں نے اپنے استاد سے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے نقل کیا کہ آپؑ نے فرمایا: مومن کی علامات پانچ ہیں۔ اسی طرح علامہ مجلسیؒ نے ''بحار'' میں، شیخ یوسف بحرانیؒ نے ''حدائق'' اور حاج شیخ عباس قمیؒ نے ''مفاتیح الجنان'' میں بھی روایت نقل کی ہے۔ علاوہ دیگر شیخ مفیدؒ نے ''مسار الشیعہ'' میں، علامہ حلّی نے ''تحریر و تذکرہ'' میں اور مرحوم فیض کاشانی نے ''تقویم المحسنین'' میں اسی حدیث کو نقل کیا ہے۔

□□□

اہلِ بیت علیہم السلام کا مدینہ میں ورُود

شام کی قید نبھا آئی ہوں نانا اُٹھیے
آپؐ کا دین بچا آئی ہوں نانا اُٹھیے

میدانِ کربلا میں کاروانِ اہلِ بیتِؑ رسولؐ مسلسل تین دن تک عزا و سوگواری میں مصروف رہا۔ جب حضرت امام سجاد علیہ السلام نے خواتین، بچوں اور اپنی پھوپھیوں کو دن رات گریہ زاری میں مشغول دیکھا کہ کبھی اس شہید کی قبر پر، کبھی اُس شہید کی قبر پر ماتم کر رہی ہیں اور ان کا ہر لحظہ سوگ واری و گریہ زاری میں بسر ہو رہا ہے تو آپؑ نے ان کی جان کی حفاظت کے لیے مدینہ کی طرف تیاری کی اور فوراً مدینہ کی طرف چل پڑے۔

بشیر بن جذلم کا بیان ہے: جب ہم مدینہ کے نزدیک پہنچے تو حضرت امام سجاد علیہ السلام اپنی سواری سے اُتر پڑے اور اپنے سامان کے اُتارنے کا حکم دیا۔ آپؑ نے مدینہ کے باہر خیمے لگوا دیے اور اپنی خواتین کو بھی سواریوں سے اُتارا۔

اس دوران میں آپؑ نے مجھ سے فرمایا: یَا بَشِیْرُ رَحِمَكَ اللّٰهُ اَبَاكَ لَقَدْ كَانَ شَاعِرًا فَهَلْ تَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ مِنْهُ "اے بشیر! خداوند تعالیٰ آپ کے والد پر رحم کرے، وہ شاعر تھے، کیا آپ بھی شاعر ہیں؟"۔

مَیں نے عرض کیا: جی ہاں! اے فرزندِ رسولؐ! مَیں بھی شاعر ہوں۔

آں حضرتؑ نے فرمایا: اُدْخُلِ الْمَدِیْنَةَ، وَانْعَ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ "اس سے قبل کہ ہم مدینہ میں وارد ہوں، تم مدینہ میں جاؤ اور سیّدالشہداءؑ کی شہادت کی خبر اہلِ مدینہ تک پہنچاؤ"۔

بشیر کا بیان ہے: مَیں امام علیہ السلام کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہوا اور مدینہ میں وارد ہوا۔ جس وقت مَیں مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوا اور رسول اللہؐ کی قبرِ مبارک پر آیا تو مَیں اپنے گریہ کو ضبط نہ کر سکا اور آہ و فریاد بلند کرتے ہوئے یوں اہلِ مدینہ کو خبر دی:

یَا اَهْلَ یَثْرَبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ بِهَا ۔۔۔ قُتِلَ الْحُسَیْنُ فَادمُعِی مِدْرَارُ
اَلْجِسْمُ مِنْهُ بِکَرْبَلَاءِ مُضَرَّجٌ ۔۔۔ وَالرَّأْسُ مِنْهُ عَلَی الْقَنَاةِ یُدَارُ

''اے اہلِ مدینہ! تمہارا کچھ باقی نہیں رہا، مدینہ کا سردار حسینؑ بے دردی سے شہید کر دیا گیا ہے۔ میری آنکھوں سے سیلابِ اشک جاری ہیں۔ ان کا جسمِ مقدس کربلا میں خاک وخون میں غلطاں بے گوروکفن چھوڑ دیا گیا ہے اور ان کے سرِ مطہر کو نوکِ سناں پر سوار کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا ہے''۔

پھر میں نے کہا: امام زین العابدین علیہ السلام اپنی پھوپھیوں اور بہنوں کے ساتھ مدینہ سے باہر نزولِ اجلال فرما چکے ہیں۔ میں ان کا قاصد ہوں اور تمہاری طرف آیا ہوں کہ تمھیں ان کی آمد کی خبر دے دوں۔

جب لوگوں نے یہ دردناک خبر سنی تو وہ جہاں تھے، جیسے تھے، جس طرح تھے اور جس حال میں تھے، زن ومرد بھی نوحہ وآہ وزاری کرتے ہوئے مدینہ سے نکل پڑے۔ اس دن کوئی نفر مدینہ میں نہ رہا، ہر طرف گریہ زاری کی آوازیں بلند ہوئیں اور مدینہ میں ایک کہرام بپا تھا۔ مدینہ کی تاریخ میں آج تک اس طرح کی رونے کی بلند صدائیں نہ سنی گئی تھیں۔ ہر آدمی چاہتا تھا کہ وہ امام تک پہنچے اور انھیں تعزیت پیش کرے۔

جب لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر جمع ہو گیا تو امام سجاد علیہ السلام اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے۔ امامؑ نے رومال سے اپنی بہتی ہوئی آنکھوں کو صاف کیا اور خادم نے کرسی رکھی۔ امامؑ کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ جوں ہی امام علیہ السلام کرسی پر بیٹھے، لوگوں کی آپؑ کے نورانی اور مبارک چہرے پر نظر پڑی تو ان کے گریہ ونالہ کی صدائیں بلند ہوئیں اور امامؑ بھی رونے لگے۔

ہر آدمی اشک بار تھا۔ آنسو تھے کہ آنکھوں سے تھمتے نہ تھے۔ آپؑ نے چند لمحات کے لیے توقف کیا۔ پھر امام علیہ السلام نے اشارہ فرمایا: اب ساکت ہو جایئے۔ جب لوگوں کے رونے کا جوش وخروش کم ہوا تو آپؑ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ،

بَارِي الْخَلَائِقِ أَجْمَعِيْنَ، الَّذِي بَعُدَ فَارْتَفَعَ فِي السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى، وَقَرُبَ فَشَهِدَ النَّجْوٰى، نَحْمَدُهُ عَلٰى عَظَائِمِ الْأُمُوْرِ، وَفَجَائِعِ الدُّهُوْرِ، وَأَلَمِ الْفَجَائِعِ، وَمَضَاضَةِ اللَّوَاذِعِ، وَجَلِيْلِ الرُّزْءِ، وَعَظِيْمِ الْمَصَائِبِ الْفَاظِعَةِ الْكَاظَّةِ الْفَادِحَةِ الْجَائِحَةِ،

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللهَ وَلَهُ الْحَمْدُ، إِبْتَلَانَا بِمَصَائِبَ جَلِيْلَةٍ، وَثُلْمَةٍ، فِي الْإِسْلَامِ عَظِيْمَةٍ، قُتِلَ أَبُوْ عَبْدِاللهِ وَعِتْرَتُهُ، وَسُبِيَ نِسَائُهُ وَصِبْيَتُهُ، وَدَارُ وْبِرَأْسِهِ فِي الْبُلْدَانِ مِنْ فَوْقِ عَامِلِ السِّنَانِ، وَهٰذِهِ الرَّزِيَّةُ الَّتِي لَامِثْلَهَا رَزِيَّةٌ،

أَيُّهَا النَّاسُ! فَأَيُّ رِجَالَاتٍ مِنْكُمْ يُسَرُّوْنَ بَعْدَ قَتْلِهِ، أَمْ أَيَّةُ عَيْنٍ تَحْبِسُ دَمْعَهَا، وَتَضِنُّ عَنْ إِنْهِمَالِهَا، فَلَقَدْ بَكَتِ السَّبْعُ الشِّدَادُ لِقَتْلِهِ، وَبَكَتِ الْبِحَارُ بِأَمْوَاجِهَا، وَالسَّمٰوٰتُ بِأَرْكَانِهَا، وَالْأَرْضُ بِأَرْجَائِهَا، وَالْأَشْجَارُ بِأَغْصَانِهَا، وَالْحِيْتَانُ وَلُجَجُ الْبِحَارِ، وَالْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ، وَأَهْلُ السَّمٰوٰتِ أَجْمَعُوْنَ،

أَيُّهَا النَّاسُ! أَيُّ قَلْبٍ لَا يَنْصَدِعُ لِقَتْلِهِ، أَمْ فُؤَادٍ لَا يَحِنُّ إِلَيْهِ، أَمْ أَيُّ سَمْعٍ يَسْمَعُ هٰذِهِ الثُّلْمَةَ الَّتِي ثُلِمَتْ فِي الْإِسْلَامِ،

أَيُّهَا النَّاسُ! أَصْبَحْنَا مَطْرُوْدِيْنَ، مُشَرَّدِيْنَ، مَذُوْدِيْنَ، شَاسِعِيْنَ عَنِ الْأَمْصَارِ، كَأَنَّا أَوْلَادُ تُرْكٍ وَكَابُلٍ مِنْ غَيْرِ جُرْمٍ إِجْتَرَمْنَاهُ، وَلَا مَكْرُوْهٍ إِرْتَكَبْنَاهُ وَلَا ثُلْمَةٍ فِي الْإِسْلَامِ ثَلَمْنَاهَا مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِيْنَ إِنْ هٰذَا إِلَّا إِخْتِلَاقٌ، وَاللهِ لَوْ أَنَّ النَّبِيَّ تَقَدَّمَ إِلَيْهِمْ فِي قِتَالِنَا، كَمَا تَقَدَّمَ إِلَيْهِمْ فِي الْوِصَايَةِ بِنَا، لَمَا زَادُوْا عَلٰى فَعَلُوْبِنَا، فَإِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، مِنْ مُصِيْبَةٍ مَا أَعْظَمَهَا وَأَوْجَعَهَا، وَأَفْجَعَهَا، وَأَكَظَّهَا، وَأَفَظَّهَا، وَأَمَرَّهَا، وَأَفْدَحَهَا فَعِنْدَ اللهِ نَحْتَسِبُ فِيْمَا أَصَابَنَا، وَمَا بَلَغَ بِنَا، إِنَّهُ عَزِيْزٌ ذُوْ إِنْتِقَامٍ

"تمام حمد وثنا اس خدا کے لیے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے جو اپنی تمام مخلوق پر مہربان و رحیم ہے۔ جو روز قیامت کا مالک ہے اور تمام مخلوق کا خالق ہے۔ وہ اتنا بلند و بالا ہے کہ انسانی فہم و ادراک اپنے مضبوط ترین اور برق رفتار پر و بال کے ساتھ اس کی کُنہ معرفت کی فضاؤں میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اور وہ اتنا قوی و توانا ہے کہ جب انسان کے دل و دماغ میں کوئی خفیہ لہر اُٹھتی ہے تو وہ اس سے بھی آگاہ ہوتا ہے۔ میں خداوند تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں کہ جس نے ہمیں مصائب کی گراں باریوں سے دوچار کیا اور ابتلا و آزمائش کی بے کرانیوں میں ڈالا۔ ایسے دردوں میں مبتلا کیا جن کی دوا نہیں۔ ایسی حیرانیوں اور پریشانیوں سے آزمائش کی کہ جن کے سامنے انسانی کائنات بکھر کر رہ جاتی ہے۔ ایسے مصائب و آلام کے طوفانوں میں لا کھڑا کیا کہ جس کی ایک کمزور انسان ترجمانی نہیں کرسکتا۔ ہم ان مصائب و آلام سے گزرے ہیں جن کی مثال کائنات پیش نہیں کرسکتی۔

اے لوگو! تمام حمد و سپاس معبودِ برحق کے لیے کہ اس ذات نے ہمیں عظیم مصائب میں رکھ کر ہماری آزمائش کی، جس سے اسلام کی مضبوط ترین عمارت میں دراڑیں پڑیں۔ اسلام کے سید و سردار حضرت امام حسینؑ اور ان کے جوانوں کو قتل کر دیا گیا اور ان کی خواتین اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ شہدا کے سروں کو نوکِ سنان پر نصب کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ یہ وہ مصائب و احزان ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔

اے لوگو! ان جان سوز مصائب کے مشاہدے کے بعد کون سا دل ہے جس کے لیے کوئی خوشی باقی رہ گئی ہو اور وہ کون سی آنکھ ہے، جو اس اندوہ ناک واقعہ کو سننے کے بعد آنسو نہ بہائے۔

میرے مظلوم بابا کی دردناک شہادت پر ساتوں آسمانوں نے اپنی

وسعتوں اور بلندیوں کے ساتھ گریہ و بکا کی۔ سمندروں اور دریاؤں نے اپنی تُند و تیز موجوں کے ساتھ ماتم کیا۔ میرے بابا کے مصائب پر آسمان اپنے ارکان سمیت رویا اور زمین اپنے اَطراف سمیت روئی۔ اَشجار اپنی شاخوں کے ساتھ، مچھلیاں سمندروں اور دریاؤں کی موجوں میں، تمام ملائکہ اور تمام ساکنانِ اَرض و سما اور حُور عِین سب نے اپنے اپنے انداز میں گریہ کیا۔

اے لوگو! وہ کون سا دل ہے جو ان مصائب پر پھٹ نہ پڑے اور وہ کون سا سینہ ہے جو زخمی زخمی نہ ہوجائے اور وہ کون سا کان ہے جو اس درد بھری خُونی داستان سے لرزہ براندام نہ ہو؟

اے لوگو! کیا تمھیں معلوم ہے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا گیا؟! ہمیں وطن سے بے وطن کیا گیا اور ایک دوسرے سے جدا کیا گیا۔ شہروں سے اس طرح نکالا گیا جیسے ہم اس معاشرے کے نہایت ذلیل اور گھٹیا قوم کے فرد ہوں۔ ہم نے نہ تو کوئی جرم کیا تھا اور نہ ہم سے کوئی خدا کا ناپسندیدہ کام سرزد ہوا اور نہ ہی اسلام کے کسی امر کی ہم نے مخالفت کی۔ ہمارے جدِ امجد نے تو ہمارے اِکرام و اِحترام کی وصیت فرمائی تھی۔ اگر وہ ان لوگوں کو خود ہمارے قتل کی سفارش کرتے تو بھی خدا کی قسم، یہ لوگ ہم پر اس سے زیادہ ظلم و ستم نہ کرسکتے تھے، جتنے مظالم انھوں نے ہم پر ڈھائے ہیں۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ہم اللہ کے لیے ہیں اور اس کی طرف ہماری مُراجعت ہے۔ یہ مصائب، کتنے عظیم ہیں اور وہ کتنے اذیت ناک اور دردناک ہیں۔ ان مصائب و آلام کی تلخیاں اتنی تلخ ہیں کہ جن کے سامنے کائنات کی ہر تلخی ہیچ ہے۔ پس! ان مصائب کا اُجر ہم اپنے پروردگار سے چاہتے ہیں۔ وہ ذات غالب بھی ہے اور صاحب انتقام بھی"۔

صوحان بن صعصعہ بن صوحان عبدی کی معذرت

جب امام علیہ السلام کا خطبہ ختم ہوا تو صوحان بن صعصعہ کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا: اے فرزند رسولؐ! میری دونوں ٹانگیں معلول ہوگئی تھیں۔ میں صاحب فراش رہا ہوں، اس لیے آپؑ کی نصرت نہیں کرسکا، ورنہ کسی صورت میں کوتاہی نہ کرتا۔ حضرت امام سجاد علیہ السلام نے اس کی معذرت قبول فرمائی اور اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کے والد کے لیے مغفرت و رحمت طلب فرمائی۔

جس وقت اہلِ بیتؑ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو مدینہ کے دروازے پر ابراہیم بن طلحہ بن عبیداللہ امام علیہ السلام کے نزدیک آیا اور کہا: مَنِ الغَالِبُ "فتح کسے نصیب ہوئی؟"

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: جب وقتِ نماز آئے گا اور اذان و اقامت کہی جائے گی تو اس وقت تجھے معلوم ہوجائے گا کہ فاتح کون ہے اور مفتوح کون ہے؟ (شیخ طوسی: ص ۶۹)

جنابِ اُمِ کلثوم سلام اللہ علیہا کا مدینہ سے خطاب

جس وقت جنابِ اُمِ کلثومؑ کی مدینہ پر نگاہ پڑی تو آپؑ نے شہر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

مَدِينَةُ جَدِّنَا لَا تَقْبَلِينَا فَبِالحَسَرَاتِ وَالأَحْزَانِ جِئْنَا
خَرَجْنَا مِنكَ بِالأَهلِينَ طُرًّا رَجَعنَا لَا رِجَالٌ وَلَا بَنِينَا

"اے نانا کے شہر ہمیں قبول نہ کر، ہم مصائب و مظالم کے طوفانوں سے گزر کر واپس آئے ہیں۔ جب ہم نے تجھے چھوڑا تھا تو ہمارے تمام جوان اور ہمارے تمام بزرگوار صحیح و سالم تھے۔ اب ہم تیری طرف واپس آئے ہیں تو ہمارا کوئی بھی جوان واپس نہیں آیا۔ ہمارے سارے مارے گئے ہیں"۔

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا روضۂ رسولؐ پر

جب اہلِ بیت علیہم السلام نے چاہا کہ روضۂ رسولؐ میں داخل ہوں تو جنابِ زینب سلام اللہ علیہا روضۂ رسولؐ پر آئیں اور اپنے دونوں بازوؤں سے دروازے کو پکڑ کر روتے ہوئے بلند آواز سے عرض کیا:

يَاجَدَّاهُ اِنِّي نَاعِيَةٌ اِلَيْكَ اَخِي الْحُسَيْن

"اے جدِ بزرگوار! اے رسول اللہ! میرے بھائی حسینؑ کو قتل کر دیا گیا ہے، مَیں اس لیے آئی ہوں کہ آپؐ کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر دوں"۔

حضرت سکینہؑ اور روضۂ رسولؐ

حضرت زینب عالیہؑ کے بعد جناب سکینہؑ روضۂ رسولؐ کی طرف بڑھیں اور گریہ وزاری کرتے ہوئے بلند آواز سے عرض کیا:

يَاجَدَّاهُ اِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى مِمَّا جرىٰ عَلَيْنَا فَوَاللهِ لَا رَأَيْتُ اَقْسٰى مِن يَزِيد وَلَا رَأَيْتُ كَافِرًا وَلَا مُشْرِكًا شَرًّا مِنهُ، وَلَا اَجْفٰى وَاَغْلَظ، فَلَقَد كَانَ يَقْرَعُ ثَغْرَ اَبِي بِمَخْصَرَتِهِ وَهُوَ يَقُولُ فَكَيفَ رَأَيتَ الضَّرْبَ يَاحُسَيْنُ

"اے نانا بزرگوار! اے رسول اللہ! جو ہم پر مصائب نازل ہوئے وہ مَیں آپؐ کے حضور پیش کرنا چاہتی ہوں۔ خدا کی قسم! مَیں نے یزید سے بڑھ کر کسی کو اتنا پتھر دل نہیں پایا۔ مَیں نے ایسا کافر، مشرک، شریر و ستم گر اور ستم پیشہ کسی کو نہیں دیکھا جو یزید سے بڑھ کر ہو۔ اس کے ہاتھ میں چھڑی تھی، وہ چھڑی میرے بابا کے دندانِ مبارک پر مارتا تھا اور کہتا تھا: اے حسینؑ! تُو نے میری طاقت کو کیسا پایا؟" (ریاض الاحزان: ص ۱۶۳)

آلِ محمدؐ کے مدینہ میں شب و روز

جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کی بہو بیٹیاں مدینہ میں اپنے گھروں میں تشریف لائیں، تو انھوں نے سیاہ رنگ کے کھردرے کپڑے پہنے اور دن رات سیّدالشہداؑ اور اپنے عزیزوں کے سوگ میں سوگوار رہتیں۔ حضرت امام سجاد علیہ السلام ان کے لیے غذا تیار کرتے اور ان کے پاس بھیجتے رہتے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سید الشہداؑ کی شہادت کے بعد بنوہاشم کی کسی خاتون نے نہ خضاب کیا، نہ روغن لگایا اور نہ ہی آنکھوں میں سُرمہ ڈالا۔ یہ سلسلہ اس وقت ختم ہوا، جب امیر مختارؒ نے ابن زیاد کا سر امام سجادؑ کے پاس بھیجا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجہ محترمہ جناب ربابؑ نے آپؑ کی معصیبت پر اس قدر گریہ کیا کہ آپؑ کے آنسو خشک ہو گئے۔ کسی کنیز نے آپؑ سے کہا کہ ستّو اَشک آور ہیں۔ آپؑ نے ستّو تیار کرائے تاکہ ان کے آنسو خشک نہ ہوں۔ وہ ہمیشہ آپؑ کے مصائب میں بین کرتی رہتیں، آپؑ کے مرثیوں میں سے چند اشعار یہ ہیں:

إِنَّ الَّذِي كَانَ نُورًا يُسْتَضَاءُ بِهِ ... بِكَرْبَلَا قَتِيلٌ غَيْرُ مَدْفُونِ

سِبْطُ النَّبِي جَزَاكَ اللهُ صَالِحَةً ... عَنَّا وَجَنَّبْتَ خُسْرَانَ الْمَوَازِينِ

قَدْ كُنْتَ لِي جَبَلًا صَعْبًا أَلُوذُ بِهِ ... وَكُنْتَ تَصْحَبُنَا بِالرَّحِمِ وَالدِّينِ

مَنْ لِلْيَتَامَى وَمَنْ لِلسَّائِلِينَ وَمَنْ ... يُغْنِي وَيَأْوِي إِلَيْهِ كُلُّ مِسْكِينِ

وَاللهِ لَا أَبْتَغِي صِهْرًا بِصِهْرِكُمْ ... حَتَّى أُغَيَّبَ بَيْنَ الرَّمْلِ وَالطِّينِ

"اللہ کی قسم وہ نُور تھے، اُس سے کائنات منور تھی۔ وہ کربلا میں شہید ہو گئے اور وہیں دفن ہو گئے۔ وہ نبیؐ کے سبط تھے۔ اے سبط نبیؐ! ہماری طرف سے اللہ آپؑ کو بہترین جزا دے اور تُو نے ہم سے ہر قسم کے گھاٹے کے سودے سے پرہیز کیا۔ آپؑ میرے لیے مضبوط پہاڑ تھے جس میں مَیں پناہ لیتی تھی اور آپؑ ہم پر رحیم و مہربان تھے۔ اب کون ہے جو یتیموں کو تسلی دے اور کون ہے جو سائلین کو عطا کرے؟ آپؑ ہر مسکین کے ملجا و ماویٰ تھے۔ اللہ کی قسم! آپؑ کے جانے کے بعد کسی سے قربت نہیں رکھوں گی یہاں تک کہ اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں"۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام کی گوشہ نشینی

شام سے واپسی کے بعد امام علیہ السلام نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تاکہ وہ ہر قسم کے فتنہ وفساد

سے بچے رہیں۔ آپؑ ہر وقت اللہ کی عبادت و بندگی میں مصروف رہتے اور اپنے بابا کے مصائب میں روتے رہتے۔ جب آپؑ کے دوستوں نے آپؑ کی یہ حالت دیکھی کہ آپؑ شبانہ روز اپنے بابا کی مظلومیت پر روتے رہتے ہیں تو انھیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں امام علیہ السلام کی جان نہ چلی جائے۔

آپؑ کے کسی دوست نے جب آپؑ سے عرض کیا کہ ہمیں خوف ہے کہیں آپؑ ہم سے جدا نہ ہو جائیں۔

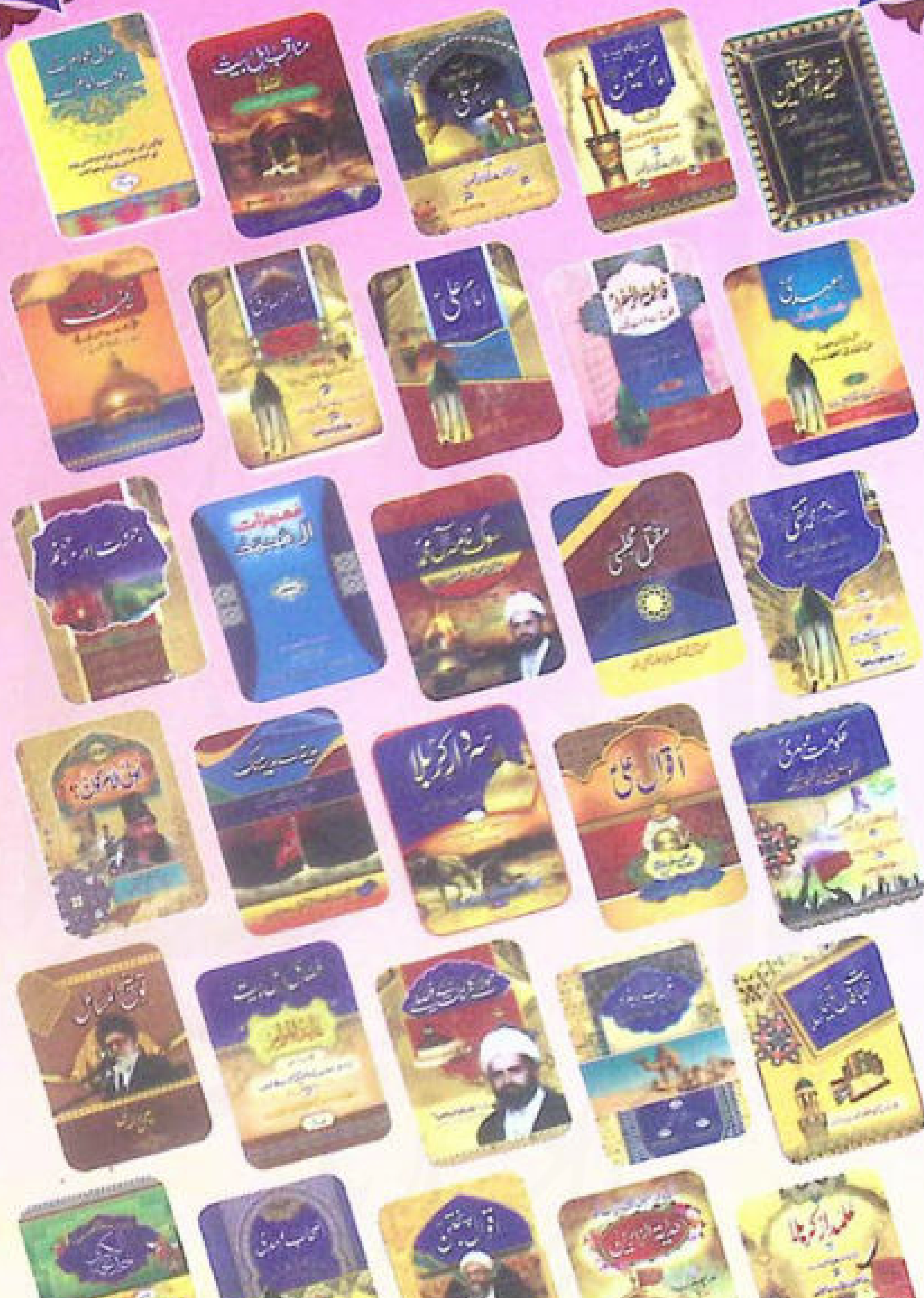
تو آپؑ نے فرمایا: میں اس غم و اندوہ کی شکایت اپنے اللہ کے حضور کرتا ہوں۔ جن مصائب سے مَیں گزرا ہوں انھیں آپؑ نے نہیں دیکھا۔ حضرت یعقوبؑ اللہ کے نبیؑ تھے، ان کے بارہ بیٹے تھے۔ ان کا ایک بیٹا ان کی نظر سے اوجھل ہو گیا تھا اور آپؑ جانتے بھی تھے کہ وہ زندہ ہے۔ پھر بھی اس کے غم میں اتنا روئے کہ نابینا ہو گئے۔ ارے! مَیں نے تو اپنے بابا کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے ہوئے دیکھا اور میرے بھائیوں کو میرے چچاؤں اور اصحاب کو میری آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں غلطاں کیا گیا۔ میرا غم و اندوہ کس صورت میں ختم ہو سکتا ہے۔ جب کہ میری نگاہ فرزندانِ فاطمہ زہرا کی قتل گاہ پر پڑتی ہے تو خود بہ خود رونا آ جاتا ہے اور وہ دردناک مناظر میری آنکھوں کے سامنے ہیں کہ جب میری پھوپھی کے خیموں کو دشمن نے آگ لگا دی تھی تو میری پھوپھیاں ایک خیمے کو چھوڑتیں اور دوسرے خیمے میں آ جاتیں۔ پھر اُسے چھوڑتیں اور دوسرے خیمے میں چلی آتیں۔

خدا کی پناہ! اس ظالم اُمت سے کہ جنھوں نے رسولؐ اللہ کی پاک و پاکیزہ آلؑ کو خاک و خون میں غلطاں کیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ادارہ منہاج الصالحین، لاہور

تفسیر نور الثقلین (9 جلدیں) فی جلد	600
مدینہ سے مدینہ تک	500
مناقب اہل بیتؑ (4 جلدیں)	1500
معجزات آلِ محمدؐ (مدینۃ المعاجز، 4 جلدیں)	1600
تحفۃ الانام (3 جلدیں)	1200
اصحابِ مہدیؑ	200
شمیم ولایت (2 حصے)	700
اقوالِ علیؑ (2 جلدیں)	700
تجلیاتِ عصمت	400
خصائصِ عباس علمدار	350
مولائے کائناتؑ کے فیصلے	400
تعلیماتِ اہل بیتؑ	400
جمالِ منتظرؑ	700
مہدیؑ منتظر (نوید امن عالم)	215
اسلام اور کائنات	450
سیرتِ آلِ محمدؐ	250
فطرت	200
قصص الانبیاءؑ (تاریخ انبیاءؑ)	600
140 داستانِ معصومینؑ	165
اُمّ المومنینؓ	225
سوگ نامہ آلِ محمدؐ (2 جلدیں)	900
برزخ چند قدم پر	250
موت کے بعد کیا ہوگا؟	275
محمدؐ کا محمدؐ	150
محمدؐ کا علیؑ	150
نسیم المجالس (2 جلدیں)	370
خطباتِ نسیم	185
اُولی الامر کون؟	200
بہشت	550
تفسیر سورۂ واقعہ	275
تفسیر سورۂ حدید	300
ولایت	300
نصائح (مترجم: علامہ ریاض حسین جعفری)	200
توحید	250
سورج بادلوں کی اوٹ میں	165
امالی شیخ صدوق (2 جلدیں)	1000
فضائل الشیعہ	100
محب اہل بیتؑ کون؟	100
فلسفۂ غیبت مہدیؑ	250
امامت و ولایت	200
اقوالِ پنج تنؑ	165
تاریخ جنت البقیع	150
ذکرِ حسینؑ	150
حرفِ احساس	150
حسینؑ میرا	135
جامِ غدیر	175
زندہ تحریریں	165
جذبۂ انتقام	225



ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ فسٹ فلور دکان نمبر 20۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور
فون: 042-37225252 ، 0301-4575120